

فاتح اہرام
الماس ایم اے

عرض ناشر

الماس ایم اے کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ تاریخ ناول نگاری کی ایک معروف شخصیت ہیں امیر تیمور بغداد جلتا رہا جلتے سفینے نورجہاں نفیسہ کافرہ حسینہ جاوا وغیرہ ان کے مشہور ناول ہیں اس بار انہوں نے ایک بالکل نئے موضوع پر قلم اٹھایا ہے یعنی فتح الرہا۔

الرہا (اڈیسہ) جو مشرق وسطی کے شمالی علاقہ میں بارہویں صدی عیسوی کی ایک مضبوط عیسائی ریاست تھی چنانچہ موصل کے حکمران عمادالدین زنگی نے الرہا پر قبضہ کر لیا وہاں کی دوسری عیسائی ریاستوں انطاکیہ یروشلم طرابلس کے لئے یہ ایک ناقابل اعتبار حادثہ تھا لیکن اس مرد میدان نے اپنی دیگر فتوحات سے یہ بات ثابت کر دی کہ یہ حادثہ نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس نے اس فتح کے بعد مسلمانوں پر مشرق وسطی میں فتوحات کے لئے نئے باب کھول دئے یہاں تک کہ اس سلسلہ میں نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے نہ صرف پورے مشرق وسطی کو زیر نگیں کیا بلکہ عیسائیوں سے ایک بار پھر بیت المقدس واپس لے لیا نہایت فصیح اور بامحاورہ زبان میں ایک خوبصورت ناول۔

محمد علی قریشی

آواز شکست

عربوں نے پھر عباسی خلافت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔
عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے ترکوں کا لشکر تیار کر کے عربوں کو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں سے بے دخل کر دیا تھا۔ اس وقت سے ترکوں اور عربوں میں اختلاف کی ایسی خلیج پیدا ہوئی جو کبھی نہ بھر سکی۔ ترک برابر ترقی کر رہے تھے اور عرب سردار پس منظر میں چلے گئے تھے۔ حکومت کے ان دونوں دھڑوں میں اکثر جھڑپیں ہوتیں لیکن عباسی خلیفاؤں کی حمایت کی وجہ سے ترک ہمیشہ کامیاب ہوتے تھے۔
۱۱۲۳ء میں قبیلہ اسد کے مشہور امیر دبیس بن صدقہ کی سرکردگی میں عربوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ یہ خلیفہ مسترشد کا دور خلافت تھا۔ عباسی خلافت دم توڑ رہی تھی لیکن مسترشد نے اسے کچھ سہارا دیا تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ دبیس بن صدقہ' مدائن کو تباہ کرتا ہوا بغداد کی طرف بڑھ رہا ہے تو شیر کی طرح دھاڑتا ہوا مسند خلافت سے اٹھا۔ اس نے اپنے ترکی محافظ دستے کو تیاری کا حکم دیا۔ فوجوں کو ترتیب دے کر کمان خود سنبھالی' خلافت کا سیاہ جبہ پہنا اور عمامہ باندھا۔ حضور پاکؐ کا چوغہ زیب دوش کیا اور عصائے مبارک ہاتھ میں لے کر نکلا۔ خلیفہ کے گھوڑے پر خاص نمگیرہ پڑا ہوا تھا۔ دجلہ کے ساحل پر موصل کا حکمراں البرسقی' بصرہ کا حاکم عمادالدین زنگی' قدوۃ العلماء قاضی القضاۃ اور دیگر تمام مجاہدین اور عمائدین سلطنت اس کے استقبال کو موجود تھے۔ سب نے زمیں بوس ہو کر تعظیم پیش کی۔ وفاداری کا حلف اٹھایا اور دشمن سے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔

دبیس بن صدقہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دجلہ اور فرات کو ملانے والی نہر نیل کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ خلیفہ نے بھی اس کے سامنے پڑاؤ ڈالا اور دونوں طرف جنگی تیاریاں ہونے لگیں۔ دوسرے دن طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور خونریز لڑائی چھڑ گئی۔ دبیس کے ساتھ دس ہزار سوار اور بارہ ہزار پیدل تھے۔ اس کے مقابلے میں خلیفہ کے زیر کمان صرف آٹھ ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے تھے مگر لڑائی اس شدت کی تھی کہ زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ خلیفہ اپنے جانباز گروہ کے ساتھ موروچوں کے پیچھے گھوڑے پر سوار لڑائی کا نظارہ کر رہا تھا۔ حفاظ اور علماء کلام پاک کھولے اس کے سامنے موجود تھے۔

یہاں کا تو یہ حال تھا ادھر بغداد کی تمام مسجدیں مسلمانوں سے بھری تھیں۔ لوگ قرآن شریف پڑھتے اور سجدے میں گر کر خلیفہ کی سلامتی کی دعا مانگتے تھے۔ کہتے ہیں جنگ کے دن بغداد کی مسجدوں اور عوام کے گھروں میں کئی ہزار قرآن شریف ختم کیے گئے۔

خلیفہ کے خیمے پر عمادالدین زنگی تھا۔ دبیس کے ایک عرب سردار عنطار نے اپنے بدوی سواروں کے ساتھ زنگی پر ایک زبردست حملہ کیا۔ زنگی نے اس طوفانی حملے کو تو روک لیا۔ لیکن اس کے دستوں کو چند قدم پیچھے ہٹنا پڑا۔ عنطار سمجھا کہ میدان مار لیا۔ اس نے بدوؤں کو حوصلہ دے کر دوسرا حملہ کر دیا لیکن زنگی اس وقت تک سنبھل چکا تھا۔ اس نے فوراً جوابی حملہ کر دیا اور عنطار کو ڈھکیلتا ہوا نہر نیل تک لے گیا۔ اس وقت اس کی مدد کو برسقی بھی پہنچ گیا۔ زنگی اور برسقی نے مل کر دبیس کے لشکر کو نہر میں ڈھکیل دیا۔ دبیس یہ دیکھ کر میدان چھوڑ بھاگا۔ اس کے ہزاروں سوار قتل ہوئے اور بیگمات فاتحین کے ہاتھ آئیں اور فتح کا سہرا موصل کے حاکم البرسقی کے سربندھا حالانکہ اس کا حقدار عمادالدین زنگی تھا۔

نہر نیل کی جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے باوجود جب عمادالدین زنگی کو کوئی اعزاز حاصل نہ ہوا تو وہ دل برداشتہ ہو گیا۔ بصرہ واپس پہنچ کر اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور بڑی بے دلی سے کہا۔ "دوستو! تم دیکھ رہے ہو کہ ہماری جاں نثاری اور وفاداری کو کس طرح نظرانداز کیا جا رہا ہے کہنے کو تو میں بصرہ کا حاکم ہوں مگر حکم چلتا ہے امیر موصل کا اور موصل کے امیر آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ وہ ہمیں جہاں چاہتے ہیں بھیج دیتے ہیں اور جس جنگ میں چاہیں جھونک دیتے ہیں۔ کیا ہم بہادر نہیں ہیں اگر ہم بہادر ہیں تو ہمیں بہادری کا صلہ کیوں نہیں ملتا"؟

اس مجمع میں زنگی کے بیشتر وہ سردار تھے جنھوں نے نہر نیل کی جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ انہیں بھی اس بات پر بہت غصہ تھا کہ جنگ تو انہوں نے جیتی اور نام امیر موصل برسقی کا ہوا۔ زنگی کا معتمد اور منہ چڑھا سردار زین الدین علی بھی وہاں موجود

تھا۔ اس نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن زنگی کی بات سن کر وہ ہنس کر بولا۔
"جناب والا اگر اجازت ہو تو ترکمانوں کی ایک کہاوت بیان کروں"۔

زنگی نے اس کے ہنسنے پر منہ بنایا مگر نرمی سے پوچھا۔ "علی۔ اگر کوئی معقول بات کہنا چاہتے ہو تو ضرور کہو لیکن یہ خیال رہے کہ یہ مسئلہ بہت اہم ہے"۔

"جناب مجھے اس بات کی اہمیت کا پورا احساس ہے"۔ زین الدین نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "جو بات آپ نے آج کہی ہے یہ بات ایک خلش بن کر نہ معلوم کب سے ہمارے دلوں میں چبھ رہی ہے۔ میں دراصل اپنے آپ پر ہنس رہا تھا"۔

"مگر وہ کہاوت تو بیان کرو۔ زنگی نے دل چسپی سے کہا"۔

"جناب ترکمانوں کی مشہور اور مقبول کہاوت یہ ہے کہ اگر اپنے سر پر پتھر رکھنا ہی پڑے تو سب سے بلند پہاڑ سے کاٹ کے رکھنا چاہئے"۔ زین الدین علی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "یہ کہاوت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اگر ہمیں کسی نہ کسی کی خدمت کرنا ہی ہے تو پھر ہم سلطان محمود سلجوقی کی خدمت کیوں نہ کریں"

"علی!" زنگی نے آگے بڑھ کر زین الدین کو گلے لگا لیا"۔ تم نے کہاوت نہیں بلکہ ایک عالمگیر حقیقت بیان کی ہے۔ والئی موصل امیر برسقی بھی تو سلطان محمود کا خدمت گزار ہے پھر میں امیر برسقی کی بجائے براہ راست اور بلا واسطہ سلطان محمود کی خدمت میں کیوں نہ حاضری دوں"؟

عمادالدین زنگی کو زین الدین کی یہ تجویز اس قدر پسند آئی کہ وہ بصرہ کو چھوڑ چھاڑ اپنے ساتھیوں کو لے کر دوسرے ہی دن ہمدان روانہ ہو گیا۔

یہ وہ وقت تھا کہ عباسی خلیفاؤں کی حکومت بغداد کی سرحدوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ خلافت عباسیہ کے باقی علاقے خود مختار امیروں اور سرداروں کے زیر حکومت پہنچ گئے تھے۔ ان میں جو سب سے زیادہ طاقتور ہوتا وہ خلیفہ بغداد سے اپنی بادشاہت کا پروانہ حاصل کر لیتا اور اس کا نام خطبے میں خلیفہ کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ خلیفہ کی حیثیت سیاسی کی بجائے مذہبی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وقت خاندان سلاجقہ کا زور تھا اور سلطان محمود سلجوقی نے اپنا دارالسلطنت ہمدان بنایا تھا۔ سلطان کی طرف سے ایک سلجوقی سردار مجاہد الدین بہروز خلیفہ کے دربار میں وائسرائے کے فرائض انجام دیتا تھا جسے شحنہ یا کوتوال بغداد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

عمادالدین زنگی دربار سلطانی میں پیش ہوا تو سلطان محمود سلجوقی نے اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ زنگی کے باپ آق سنقر نے سلجوقی سلطانوں کی بڑی خدمت کی تھی۔ آق سنقر کو

دربار میں ندیم خاص کا عہدہ دیا گیا تھا اور اس نے سلجوقی سلطان برکیارق پر اپنی جان نثار کر دی تھی۔ سلطان محمود نے زنگی کو وہی عہدہ دیا اور زنگی تخت سلطانی کے دائیں طرف کھڑا ہونے لگا۔ دربار میں یہ سب سے بڑا اعزاز تھا۔ زنگی اور اس کے ساتھی سلطان کی اس عزت افزائی سے بہت خوش ہوئے لیکن ان کی یہ خوشی چند ہی دنوں بعد غم میں بدل گئی۔

عمادالدین زنگی کا خیال تھا کہ ندیم خاص کے اعزاز کے ساتھ اسے انعام و اکرام اور ماہانہ مشاہرہ سے بھی نوازا جائے گا' لیکن اسے جلد ہی پتا چل گیا کہ یہ اعزاز محض عزت افزائی ہے۔ اس کے لئے نہ تنخواہ ہے اور نہ ہی انعام و اکرام۔ کچھ عرصے تک زنگی اور اس کے ساتھی اس رقم سے گزر بسر کرتے رہے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے لیکن وہ رقم کب تک ساتھ دیتی۔ ہاتھ خالی ہوئے تو انہیں روٹیوں کے لالے پڑ گئے۔ سب خاموش خاموش رہنے لگے۔ شکوہ گلہ کون کرتا اور کس سے کرتا زین الدین علی کی تجویز کی سب نے حمایت کی تھی اور سب اپنی خوشی سے زنگی کے ساتھ ہمذان آئے تھے۔

آخر ایک شب زنگی نے خود ہی یہ قصہ چھیڑا۔ اس نے زین الدین علی سے کہا۔ "یار علی۔ تیری تجویز تو بہت اچھی تھی لیکن اس کا اثر کچھ الٹا ہی ہو رہا ہے"۔

علی خود قسمت کو رو رہا تھا۔ چڑ کر بولا۔ "جناب تجویز تو تجویز ہی ہوتی ہے۔ میں نے کب کہا تھا کہ آپ اس پر ضرور عمل کریں"؟

"گھبراؤ نہیں دوست"۔ زنگی نے نرمی سے کہا۔ "میرا مطلب تو یہ تھا کہ سب سے اونچے پہاڑ کا پتھر سر پر رکھ تو لیا ہے لیکن اس کے وزن سے گردن دہری ہوئی جا رہی ہے۔ یہ وزن آخر کب کم ہو گا"؟

علی بھی نرم پڑ گیا۔ بولا۔ "جو حال آپ کا ہے وہی ہم سب کا۔ اب بصرہ تو واپس جانے سے رہے۔ رہا پتھر بھاری ہونے کا سوال تو یہ کسی دن سلطان کے ایک اشارے سے جواہرات کا تاج بن جائے گا"۔

زین الدین علی کے منہ سے ایسے وقت میں بات نکلی تھی کہ اس کے پورے ہونے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ سلطان محمود کا ایک چہیتا امیر کندوغی تھا۔ یہ خوبصورت جوان سلطان کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھا۔ اس کا شمار سلطان کے امیر ترین سرداروں میں تھا کندوغی کی شادی کچھ ہی عرصہ پہلے ہوئی تھی۔ سلطان نے اس شادی میں بہ نفس نفیس شرکت کی تھی مگر یہ شادی کندوغی کو راس نہ آئی اور صرف چھ ماہ بعد قضائے الٰہی سے وہ وفات پا گیا اس کی جوان بیوہ نے رو رو کر قیامت برپا کر دی۔ سلطان نے جس طرح اس کی شادی میں شرکت کی تھی اسی طرح اس کی تعزیت میں شریک ہوا۔

کندوغی کی بیوہ غم سے نڈھال ہو رہی تھی۔ سلطان کو دیکھ کر اس کی حالت اور غیر ہو گئی اور اس نے پچھاڑیں کھانا شروع کر دیں۔ کندوغی کا جنازہ اٹھنے تک اسے کئی بار غش آئے۔ سلطان کو اس کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ وہ قبرستان تک جنازے کے ساتھ گیا اور واپسی پر کندوغی کے گھر گیا بیوہ اس وقت تک بے ہوش پڑی تھی۔ سلطان نے فوراً اپنا طبیب طلب کیا۔ بڑی مشکل سے غم زدہ عورت کو ہوش آیا۔

سلطان محمود نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "نیک بخت موت برحق ہے۔ اس میں کسی کا دخل نہیں لیکن ہم یقین دلاتے ہیں کہ کندوغی کا تمام مال و دولت تمہارے پاس رہے گا اور جو مراعات کندوغی کو ہماری طرف سے حاصل تھیں وہ تمہیں منتقل ہو جائیں

غم زدہ عورت نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا سلطان کو عمر خضر عطا کرے اور ان کا سایہ ہم پر قیامت تک برقرار رہے مگر میں یہ مال و دولت لے کر کیا کروں گی میرے آگے پیچھے کون ہے ماں باپ پہلے ہی مر گئے تھے۔ ایک بھائی کا سہارا تھا تو وہ بھی مجھ بدنصیب کی شادی سے ایک ماہ پہلے انتقال کر گیا۔ اب تو میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں"۔

"مگر یہ کون ہے؟"۔ سلطان نے ایک کم سن جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "کندوغی تو کہتا تھا کہ تمہارا بھائی تمہارے ساتھ ہی رہتا ہے۔ کیا یہ تمہارا بھائی نہیں ہے"؟

بیوہ نے نوجوان کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "عالی جاہ! یہ میرا بھائی نہیں لیکن مجھے بھائیوں جیسا عزیز ہے۔ یہ غریب پیدا ہوتے ہی یتیم و یسیر ہو گیا تھا۔ میرے والدین نے اس کی پرورش میرے ساتھ ہی کی تھی۔ دنیا میں اس کا بھی کوئی نہیں۔ مجھے باجی کہتا ہے اور ہر وقت خدمت میں لگا رہتا ہے"۔

"کوئی فکر نہ کرو۔ تم ہمارے ندیم خاص کی بیوہ ہو۔ ہم تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے"۔ سلطان اسے تسلی دے کر اٹھا اور چلتے وقت کمال محبت سے کہا۔ "خاتون ہم کندوغی کو تو واپس نہیں لا سکتے لیکن تمہارے غم کا مداوا ضرور کریں گے اور اگر تم نے کبھی خواہش کی تو ہم تمہیں اپنی بہن کی طرح کسی اور امیر کے ساتھ رخصت کر دیں گے"۔

اس دن سے کندوغی کی بیوہ نایاب' سلطان کی بہن مشہور ہو گئی۔ نایاب اپنے منہ بولے بھائی نعمان کے ساتھ اکثر سلطان کے سلام کو حاضر ہوتی۔ محل میں اس کی شایان شان پذیرائی ہوتی۔ نایاب کو دیکھ کر سلطان کو اپنا ندیم یاد آتا اور وہ دیر تک اس سے گفتگو

کرتا رہتا۔ کندوغی کے انتقال سے سلطان کے تفریحی معمولات میں ایک خلا پیدا ہو گیا تھا
اسے چوگان کھیلنے کا بہت شوق تھا اور وہ کندوغی کو ہمیشہ اس کھیل میں اپنا ساتھی چنا کرتا
لیکن اب ایک عرصے سے اس نے چوگان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

ایک دن نایاب اور نعمان سلطان سے مل کر واپس گئے تو وہ دیر تک کندوغی اور نایاب
کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے اس بات کا افسوس ہوا کہ اس نے اب تک نایاب
لئے کسی اچھے امیر کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔ نایاب جوان اور خوبصورت تھی۔ اس کا
طرح اکیلے رہنا اور بیوگی کے دن گزارنا کچھ اچھا نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان کو کند
کے ساتھ گزارے ہوئے دن ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ سیر و شکار' چوگان بازی۔
سلطان نے یہ سب چھوڑ رکھا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تمام تفریحات کندوغی
ساتھ رخصت ہو گئی تھیں۔

سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے حاجب کو طلب کیا اور اسے حکم دیا۔ "کل ہم چو
کھیلنے جائیں گے۔ چوگان کے جملہ انتظامات کیے جائیں اور امراء کو حاضری کا حکم
جائے"۔

حاجب نے حیرت سے سلطان کا منہ دیکھا۔ چوگان بازی تو اس کے خیال میں ایک
پارینہ بن چکا تھا۔ چوگان کے تربیت یافتہ گھوڑے دوسرے کاموں میں استعمال کیے جا
تھے۔

سلطان نے حاجب کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔ "تم کس سوچ میں پڑ گئے کیا تم چوگان
واقف نہیں یا ہم چوگان کھیلنا بھول گئے"؟

"عالی جاہ"۔ حاجب نے سنبھل کر کہا۔ "امیر کندوغی کی .... وفات کے موقع
عالی ہوا تھا کہ امیر کندوغی کے بغیر چوگان میں کوئی لطف نہیں رہ گیا اس لئے اس کھیل
کیا جاتا ہے"۔

"ہم جس کھیل کو بند کر سکتے ہیں کیا اسے دوبارہ جاری کرنے پر ہم قادر نہیں"
سلطان ذرا ترشی سے بولا۔ "تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو امیر کندوغی کی م
ہم نے یہ کھیل بند کیا تھا اور اب امیر کندوغی کی بیوہ کی زندگی کے لئے ہم اسے کھول
ہیں۔ جاؤ حکم کی تعمیل کرو"۔

حاجب پریشان ہو کر سلطان کے سامنے سے چلا آیا۔ اس نے باہر آ کر فوراً دا
اصطبل کو سلطان کے حکم سے آگاہ کیا۔ داروغہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ چوگا
گھوڑے .... اصطبل کے ایک خاص حصے میں رکھے جاتے تھے اور اب وہاں کوئی

موجود نہ تھا مگر حکم کی تعمیل تو بہر حال کرنا تھی۔ اس نے فوراً چوگانی گھوڑوں کو اکٹھا کرنے
کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔

حاجب کی دوسری پریشانی یہ تھی کہ اس کی سمجھ میں .... سلطان کی دوسری بات نہ آئی
تھی۔ سلطان نے کہا تھا کہ وہ کندوغی کی بیوہ کی زندگی کے لئے یہ کھیل پھر شروع کر رہا
ہے۔ کندوغی اور چوگان کا تعلق تو اس کی سمجھ میں آتا تھا کیونکہ چوگان بازی کے ہر موقع پر
کندوغی سلطان کا ساتھی ہوا کرتا تھا مگر اس کی بیوہ کا اس کھیل سے کیا تعلق ہو سکتا تھا یہ
بات اس کی سمجھ میں کسی طرح نہ آ رہی تھی۔ خواتین اس زمانے میں چوگان بازی میں حصہ
نہیں لیتی تھیں۔ اس کھیل کے موقع پر حاجب نے کبھی کندوغی کے ساتھ اس کی بیوی کو
نہیں دیکھا تھا' پھر سلطان نے اس بیوہ کو اپنی بہن بھی بنا لیا تھا۔ ان تمام باتوں کو سوچ کر وہ
اس قدر پریشان ہوا کہ اس نے اس مسئلے پر سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

حاجب نے تمام امراء کو بھی سلطان کا حکم پہنچایا۔ امراء سلطان کی طبیعت کے اس
انقلاب پر حیران رہ گئے پھر جب حاجب نے یہ بتایا کہ یہ سب کچھ امیر کندوغی کی بیوہ کے
لئے کیا جا رہا ہے تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہر ایک نے اس مسئلے پر بہت سر مارا
لیکن اس گتھی کو کوئی نہ سلجھا سکا۔

سلطان محمود سلجوقی محل سے سوار ہو کر چوگان گاہ میں پہنچا کھیل کے میدان میں
دربار کے تمام امیر موجود تھے۔ سب کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آج کی چوگان بازی کا تعلق
امیر کندوغی کی بیوہ سے کسی نہ کسی طور ضرور ہے۔ نایاب کی خوبصورتی اور دولت کے
چرچے پورے میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہر امیر اس مالدار بیوہ سے شادی کا خواہش مند
تھا کیونکہ نایاب سے شادی کی صورت میں کثیر دولت کے علاوہ انہیں سلطان کی قربت کا بھی
امکان تھا سب کی نظریں صبح ہی سے میدان میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا
نایاب اس موقع پر ضرور آئے گی اور سلطان اس کی قسمت کا فیصلہ کسی خوش نصیب
امیر کے حق میں کرے گا لیکن انہیں نایاب کہیں نظر نہ آئی اور نہ اس کے آنے کی کسی
طرف سے خبر ملی۔ یہاں تک کہ سلطان میدان میں پہنچ گیا اور تمام امیر اس کی پیشوائی میں
گئے۔

سلطان کھیلنے کے لئے تیار ہوا۔ جب ساتھی چننے کا وقت آیا تو اس نے تمام امیروں پر
طائرانہ نظر ڈالی۔ امیروں کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کہ دیکھیں یہ اعزاز کس کو
ہے۔ میدان میں موجود تمام امیر اپنی وفاداری اور شجاعت کے لئے مشہور تھے۔ ہر ایک کو
گمان تھا کہ سلطان اسے ساتھی منتخب کرے گا لیکن سلطان کی نظریں سب طرف سے

گھوم کر عمادالدین زنگی پر آکر رک گئیں تمام امیروں کی نظریں سلطان پر لگی تھیں
عمادالدین زنگی جو سلطان کے ساتھ ہی محل سے آیا تھا' ایک طرف نظریں جھکائے
چاپ کھڑا تھا۔ آخر سلطان نے ساتھی کا فیصلہ کر دیا۔ اس نے گھوڑا عمادالدین زنگی
طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "زنگی۔ آج کی چوگان بازی کے تم ساتھی ہو"۔

سلطان کے تمام امیروں پر اوس پڑ گئی۔ انہیں سلطان کے اس فیصلے پر بڑا غصہ آ
دل ہی دل میں پیچ تاب کھا کر رہ گئے۔ پرانے امیروں کی موجودگی میں ایک نئے آ
انتخاب جو ابھی پوری طرح امیر بھی نہ بنا تھا' ان کے خیال میں کسی طرح مناسب
لیکن کسی کو مخالفت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ ایک دوسرے کا اس طرح منہ دیکھنے
جیسے کہہ رہے ہوں کہ تم اعتراض کرو مگر بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے سب منہ
ہی رہ گئے اور چوگان کا کھیل شروع ہو گیا۔

کھیل کے اختتام پر سلطان نے تمام امیروں کو اپنے قریب بلایا۔ عمادالدین زنگی
طرح دربار میں سلطان کے تخت کے دائیں طرف کھڑا ہوتا تھا اسی طرح یہاں بھی کھڑا
وہ آج دل میں بہت خوش تھا۔ سلطان نے اسے کوئی انعام تو نہیں دیا تھا لیکن اس کے
یہ کیا کم تھا کہ سلطان نے اسے اپنے تمام امیروں پر فوقیت دے کر اپنا ساتھی منتخب کیا

سلطان نے امیروں کو پر رعب لہجے میں مخاطب کیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ یہاں
ایسا شخص سر جھکائے کھڑا ہے۔ جس کی وفاداریاں شک و شبے سے بالاتر ہیں۔ آنکھیں
کر دیکھو اور عمادالدین زنگی کو پہچانوں نہر نیل کی جنگ میں اسی نے خلیفہ کے لشکر کے
مل کر دبیس بن صدقہ کو شکست دی تھی۔ زنگی اس میدان کا فاتح ہے۔ یہ ایک خاندانی
باپ کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ آق سنقر نے سلطان برکیارق کو بچاتے بچاتے اپنی جا
دی تھی۔ زنگی ہمارے دربار میں آیا۔ ہم نے اسے ندیم خاص کے فرائض سونپے
اس کا مشاہرہ مقرر کیا اور نہ اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ جانتے ہو اس کی کیا وجہ
اس کی وجہ عماد الدین کا اور تم لوگوں کا امتحان تھا۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ زنگی
قدر قوت برداشت ہے اور کب تک صرف ہماری نظر کرم پر زندہ رہ سکتا ہے۔ کوئی ا
ساتھ یہ تمہارا بھی امتحان تھا۔ ہم یہ بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تم ایک قدیم نمکخوار
کے بیٹے اور ایک بہادر سردار کی کس طرح پذیرائی کرتے ہو۔ زنگی اب تک ہمار
نظروں پر زندہ ہے لیکن کیا تم میں سے کسی کے پاس اتنا بھی نہیں کہ تم زنگی کو ا
دیتے یا اس کی دعوت کر دیتے تمہاری غیرت و حمیت کو کبھی جوش نہ آیا کہ تم اس
کرتے جب کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے اسے کچھ نہیں دیا اور یہ اپنے دن را

معلوم کس طرح بسر کر رہا ہو گا"۔

سلطان محمود کے امیر اس لعن طعن بھری تقریر سے شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے۔
انہوں نے زنگی کی طرف سے تغافل برتا تھا یہ اس وقت کی ایک معاشرتی غلطی تھی۔
سلطان کے گرد جن امیروں کا جمگھٹا رہتا تھا ان میں سے بہت کم حقیقت میں وفادار ہوتے
تھے پھر وہ ایک نئے شخص کو کس طرح سہارا دیتے۔ ان کے خیال میں دوسرے کا ہاتھ
پکڑنے کا مطلب اپنے پیروں میں کلہاڑی مارنا تھا۔

سلطان کے ایک امیر نے خجالت سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالی جاہ! ہم نے واقعی
غلطی کی ہے۔ دراصل ہم عماد الدین زنگی کی شخصیت کو سمجھ نہ سکے تھے۔ ہمیں زنگی کی
خدمت کا موقع دیا جائے تاکہ ہم اپنے قصور کا ازالہ کر سکیں"۔

سلطان کے جلال میں کمی آ گئی۔ وہ نرمی سے بولا۔ "ہمیں تمہاری بات سے خوشی ہوئی
امیر۔ ہم تمہیں یہ موقع ضرور دیں گے۔ سنو ہم نے طے کیا ہے کہ ہم امیر کندوغی کی بیوہ
اور اپنی منہ بولی بہن نایاب خانم کی شادی عمادالدین زنگی سے کریں اور تم لوگ نایاب کی
شادی کے تمام اخراجات برداشت کرو"۔

"ضرور۔ ضرور"۔ کئی طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔ "ہم بہن نایاب خانم کو دل
کھول کر جہیز دیں گے"۔

"میں مہمانوں کے کھانے اور فرش فروش کا انتظام کروں گا"۔ دوسرے امیر نے کہا۔

امیروں کو اپنی خفت مٹانے کا نادر موقع مل گیا تھا۔ ایک امیر کو زیادہ جوش آ گیا۔ وہ
بولا۔ "نایاب میری بہن ہیں۔ اس شادی کے تمام اخراجات میں اکیلا برداشت کروں گا"۔

امیروں میں آپس میں چشمک شروع ہو گئی ہر ایک دوسری سے بڑھ کر اعلیٰ انتظامات
اور بہترین جہیز کی پیش کش کر رہا تھا۔ سلطان محمود سلجوقی اپنے امیروں کی باتیں بڑی دل
چسپی سے سن رہا تھا۔ عماد الدین زنگی کا سر اب تک جھکا ہوا تھا۔ وہ سب کچھ سن رہا تھا
مگر اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سلطان کی پر اثر اور بارعب تقریر سے پہلے
کوئی امیر اسے منہ لگانے کا بھی روادار نہ تھا مگر اب ہر ایک اس کے لئے آنکھیں بچھا رہا
تھا۔ اس میں سے بہت سے امیر خود نایاب کی دولت حاصل کرنے کے لئے اس سے شادی
کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اب وہی نایاب کو اپنی بہن بنا کر رخصت کرنے کے خواہاں تھے۔

سلطان نے خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "بہرحال ہم نے تمہیں ایک موقع
فراہم کر دیا ہے تم لوگ حسب استطاعت نایاب بیگم کے لیے جو چاہو کر سکتے ہو"۔

سلطان محمود نے جو شگوفہ چھوڑا تھا اس کی بازگشت شہر کے کوچہ و بازار میں سنی گئی۔

رات کو قہوہ خانوں میں بے فکروں کا یہی موضوع تھا اور ہر ایک اپنی رائے کا اظہار کر تھا۔ لوگ عماد الدین زنگی کی ذات پر رشک کر رہے تھے اور شاہی محلات اور عوام ک مکانوں میں نایاب بیگم کی خوش قسمتی کے چرچے تھے جو پہلے سلطان کی بہن بنی اور اب ا کا دھوم دھام سے زنگی جیسے بہادر سے عقد ہونے والا تھا۔

نایاب کو کنیزوں نے جب سلطان کے اعلان کی خبر سنائی تو پہلے تو وہ حیران ہوئی پ مسرت سے اس کا دل لبریز ہو گیا۔ اس کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ سلطان ک ندیم خاص سے اس کا عقد ثانی ہو رہا تھا۔ جس کا مرتبہ اس کے شوہر مرحوم سے کسی ط کم نہ تھا لیکن اس مسئلے پر جب اس نے ٹھنڈے دل سے سوچا تو وہ کچھ پریشان سی ہو گ شام ہونے تک وہ اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کرتی رہی اور آپ ہی آپ الجھتی رہ اسے طرح طرح کے وسوسوں نے گھیر لیا اور وہ اس قدر پریشان ہوئی کہ اس نے اسی ش سلطان سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔

پھر جب قہوہ خانوں میں نایاب اور زنگی کے زور شور سے تذکرے ہو رہے تھ نایاب اپنے ساتھ خوبرو نعمان کو لئے شاہی انتظار گاہ میں باریابی کی اطلاع کی منتظر تھ سلطان کسی کام میں مصروف تھا۔ نایاب کو تقریباً ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد اندر طلب گیا۔

نایاب اور نعمان نے سلطان کے سامنے پہنچ کر آداب پیش کیا۔ سلطان نے دونوں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو سلطان نے منہ سے بولنے کی بجائے نایاب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

نایاب نے سلطان کی آنکھوں سے جھانکتا ہوا سوال بھی پڑھ لیا مگر جو کچھ وہ کہنا چا تھی اس کے لئے اس موزوں الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ وہ بہت کچھ سوچ کر آئی تھی لی قرب سلطانی نے اسے بوکھلا دیا تھا اور وہ سب کچھ بھول گئی۔

آخر سلطان نے گفتگو کا آغاز خود ہی کیا۔ وہ بولا۔ "نایاب تم نے ہمارا اعلان سن لیا گا"؟

"جی عالیجاہ! کنیز نے سب کچھ سن لیا ہے"۔ نایاب نے ادب سے جواب دیا۔

"تمیں اس رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں"؟ سلطان نے نایاب کو گھور کر دیکھا۔

"میری کیا مجال ہے کہ سلطان کے حکم سے سرتابی کر سکوں"۔ نایاب پر گھبرا طاری ہو گئی۔

"نایاب اس مسئلے کا تعلق ہمارے حکم سے نہیں ہے" سلطان نے نرمی سے ا

"اس کا پورا انحصار تمہاری رضا مندی پر ہے۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بیان کرو۔ ہم اس پر ضرور غور کریں گے؟"۔

"سلطان معظم نے میری جو عزت افزائی کی ہے' اس کا بدلہ میں جان نچھاور کر کے بھی ادا نہیں کر سکتی"۔ نایاب نے سنبھل سنبھل کر کہنا شروع کیا۔ "ایک بیوہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ اسے عالیجاہ کے ندیم خاص کی خدمت کا موقع ملے"۔

"اس کے علاوہ عمادالدین زنگی خاندانی آدمی ہے۔ اس کا باپ بھی اسی عہدے پر فائز تھا"۔ سلطان نے نایاب کے اطمینان کے لئے عمادالدین زنگی کی مزید تفصیل بتائی۔

"عالیجاہ"۔ نایاب نے جو اب پوری طرح سنبھل چکی تھی' بڑے اطمینان سے کہا۔ "کنیز کو معلوم ہے کہ زنگی کا باپ ایک سلجوقی سلطان کے معتمد خاص تھا اور اس نے سلطان کے لئے اپنی جان گنوا دی تھی"۔

"خوب تو تم نے زنگی کے متعلق پوری معلومات حاصل کر لی ہیں؟" سلطان مسکرایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ زنگی کی ذاتی اہلیت اور خاندانی شرافت سے پوری طرح مطمئن ہو"؟

"جی .... ہاں ... عالی جاہ"۔ نایاب نے یہ تین الفاظ اس طرح ادا کیے کہ الفاظ کے درمیان کافی وقفہ رہا۔ اس طرح کی ادائیگی اس وقت ہوتی ہے جب خیالات منتشر اور ذہن الجھا ہوا ہو۔

سلطان محمود نے یہ بات فوراً محسوس کر لی۔ اس نے دریافت کیا۔ "نایاب ہمارا خیال ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی الجھن ہے جسے ہمارے سامنے بیان کرتے ہوئے تم ہچکچا رہی ہو۔ ہم اس معاملے میں تم پر قطعی کوئی جبر نہیں کرنا چاہتے۔ تم اپنی پریشانی صاف صاف بیان کرو؟"۔

سلطان کی مشفقانہ گفتگو نے نایاب کے تذبذب میں کمی کر دی۔ اس نے کہا۔ "ندیم سلطنت عمادالدین زنگی کا انتخاب میرے لئے باعث فخر ہے۔ میں سلطان کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کرتی ہوں میں اس وقت اس لئے نہیں حاضر ہوئی ہوں کہ ندیم محترم کے بارے میں کوئی رائے زنی کروں۔ مجھے سب سے زیادہ پریشانی اس کی طرف سے ہے۔ یہ ابھی بچہ ہے اگر یہ میری بے توجہی کا شکار ہوا تو ضرور کسی غلط راستے پر چل نکلے گا"۔

نایاب نے یہ بات اپنے قریب بیٹھے ہوئے نعمان کی طرف دیکھ کر کہی تھی۔ سلطان اس کا مطلب سمجھ گیا اور مسکرا کر بولا۔ "تمہارا نعمان اب بچہ نہیں۔ اس کی ذمے داری

ہم قبول کرتے ہیں۔ اسے اچھی جگہ لگا دیا جائے گا"۔

"خدا سلطان کی عمر دراز کرے" نایاب نے اطمینان سے کہا۔ "عالی جاہ نے میرے دل کا آدھا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس سلسلے میں ایک درخواست اور ہے۔ امید ہے کہ اسے بھی شرف قبولیت عطا ہو گا"۔

"کہو۔ کہو نایاب اور کیا چاہتی ہو"؟

"میں نعمان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں"۔

"اس میں فکر کی کیا بات ہے۔ نعمان تمہارا بھائی ہے۔ تم اسے ساتھ رکھ سکتی ہو"۔

"عالی جاہ نے درست فرمایا" نایاب بولی۔ "نعمان میرا بھائی ہے اور بیٹا بھی۔ میری خواہش ہے کہ جس طرح سلطان نے اسے میرے ساتھ رہنے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح عمادالدین زنگی کی رضا مندی بھی حاصل کر لی جائے تاکہ بعد میں کوئی غیر معمولی بات نہ پیدا ہو جائے"۔

"یہ تمہارا محض ایک موہوم خدشہ ہے"۔ سلطان نے صاف دلی سے کہا۔ "زنگی سمجھدار انسان ہے۔ نعمان کو تمہارے ساتھ رہنے پر کوئی اعتراض نہ کرے گا"۔

"عالی جاہ جس طرح آپ صاف دل اور ذہن کے مالک ہیں ویسا ہر شخص نہیں ہو سکتا"۔ نایاب نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "عالی جاہ مرد کا دل سمجھنے کے لئے عورت کا دماغ ہونا چاہئے۔ میں اس تجربے سے گزر چکی ہوں۔ اس لئے عرض کر رہی ہوں۔ امیر کندغی سا شریف انسان تو شاید پوری سلطنت میں نہ موجود ہو لیکن شرافت بھی شک کو رفع نہیں کر سکتی۔ ایک بار امیر کندغی بھی نعمان کے معاملے میں مجھ سے الجھ پڑے تھے اور مجھے انہیں مطمئن کرنے میں ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ آپ نے ابھی فرمایا کہ نعمان بچہ نہیں پھر بھلا عماد الدین کو نعمان کی میرے قریب موجودگی کس طرح گوارا ہو گی"؟

سلطان کو بھی تشویش پیدا ہوئی اور فوری کوئی جواب اسے نہ سوجھا۔ وہ گردن جھکا کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "تمہاری بات قابل غور ہے نایاب' لیکن زنگی سے اس بارے میں قبل از وقت گفتگو مناسب معلوم نہیں ہوتی"۔

"سلطان مالک ہیں۔ جب اور جس طرح مناسب سمجھیں اس مسئلہ کو حل کریں"۔ نایاب نے بات مختصر کرتے ہوئے کہا۔ "میرا فرض تھا کہ میں اپنی پریشانی سے عالی جاہ کو آگاہ کر دوں۔ اب مجھے واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

نایاب اپنی فکر سلطان کے ذہن پر ڈال کر وہاں سے اٹھ آئی۔ نعمان اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ شاہی محل کا مردانہ حصہ تھا۔ جگہ جگہ مسلح خواجہ سرا اور سپاہی پہرے

نعمان نے رک کر آہستہ سے آواز دی۔ "عنبر۔ عنبر"۔

ستون کے پیچھے ایک کوندا لپکا اور عنبر بل کھاتی' شرماتی وہاں سے نکل کر نعمان کے سامنے آگئی۔ نایاب نے اسے دیکھا تو اس کی نازک بدنی اور رعنائی پر حیران رہ گئی۔ نایاب خود ہزاروں میں ایک تھی لیکن تیرہ چودہ سال کی یہ لڑکی تو غضب ڈھا رہی تھی۔ درمیانہ قد' چھریرا بدن' آنکھیں ایسی مست اور بھری بھری کہ غزال دیکھیں تو شرمائیں۔

"نایاب باجی آداب"۔ عنبر نے کچھ اس انداز سے جسم کو لوچ دے کر اور جھک کر سلام کیا کہ نعمان پر تو جیسے بجلی گر گئی۔ فضاؤں میں ایک لطیف مہک بس گئی۔ نایاب نے محسوس کیا کہ یہ خوشبو عنبر کے عنبریں جسم سے پھوٹ رہی ہے۔

"تمہیں میرا نام کس نے بتایا عنبر"؟ نایاب رک کے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے عنبر کو کریدنا شروع کیا۔

"باجی آپ اعلیٰ حضرت سلطان کی ہمشیرہ محترمہ ہیں"۔ عنبر نے جیسے پھول بکھیر دیے۔

"آپ کا نام تو محلات کی کنیزوں کو معلوم ہے"۔

"عنبر" نایاب نے بزرگانہ انداز اختیار کیا۔ "راہ چلتے گفتگو کچھ اچھی نہیں لگتی پھر بھی میں اتنا واضح کرنا چاہتی ہوں کہ آج سے پہلے مجھے تمہاری اور نعمان کی شناسائی کا کوئی علم نہیں تھا"۔

"باجی یہ ان کی زیادتی ہے"۔ عنبر نے نعمان پر ایک نظر غلط انداز ڈالی۔ "مجھ سے تو یہ کہتے تھے کہ انہوں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے اور آپ بہت جلدی میری امی جان سے ملنے والی ہیں"۔

نایاب نے نعمان کو گھور کر دیکھا پھر قدم بڑھاتے ہوئے عنبر سے کہا۔ "مجھے اس وقت واپس جانے کی جلدی ہے' پھر کبھی تم سے بات کروں گی"۔

گھر پہنچ کر نایاب' نعمان پر برس پڑی۔ "تمہاری نادانی کوئی نیا گل کھلائے گی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اس قدر احمق ہو"۔

"باجی مجھے معاف کر دیں"۔ نعمان نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا۔

نایاب کو نعمان سے بے پناہ محبت تھی۔ اس کی معصومیت پر نایاب کا دل پسیج گیا۔ اس نے محبت سے پوچھا۔ "آخر یہ لڑکی کون ہے"؟

"عنبر' سلطانہ معظمہ کی خاص کنیز کی دختر ہے"۔ نعمان نے بڑے فخر سے کہا۔

"خاص کنیز کا مطلب تو سمجھتا ہے"؟ نایاب جھلا اٹھی۔

"جی ہاں باجی"۔ نعمان نے اپنی قابلیت بگھاری۔ "وہ شاہی محل کی تمام کنیزوں کی

پر تھے اس طرف خواتین کا آنا ممنوع تھا کنیز بھی کوئی مشکل ہی سے نظر آتی تھی۔

نعمان نے چلتے چلتے کہا۔ "باجی نایاب۔ آپ میرے لئے خوا مخواہ پریشان ہیں۔ اب میں بچہ تو نہیں کہ آپ کے بغیر نہ رہ سکوں؟"۔

"تو تو رہ سکتا ہے مگر میں تیرے بغیر نہیں رہ سکتی نعمان"۔ نایاب نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔ "تو نہیں جانتا کہ مجھے تجھ سے کس قدر محبت ہے۔ امی اور ابو نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں تجھے ایک لمحے کے لئے اپنے سے الگ نہ کروں"۔

"مگر باجی یہ .... یہ ....." نعمان کہتے کہتے ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

نایاب کے بھی قدم رک گئے۔ اس نے حیران نظروں سے نعمان کو دیکھا۔ نعمان کی نظریں اس وقت سنگ مرمر کے ایک بڑے ستون پر جمی ہوئی تھیں۔ جس کے ایک طرف رنگین دوپٹے کا پلو لٹکا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی لڑکی اسے دیکھ کر ستون کی آڑ میں ہو گئی ہے۔

"کیا دیکھ رہا ہے ادھر"؟ نایاب نے اسے ہلکے سے ڈانٹا "یہ شاہی محل ہے نعمان۔ یہاں نظریں جھکا کر چلتے ہیں"۔

"مگر باجی۔ وہ تو وہ ہے"۔ نعمان ادھر سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"کون ہے وہ"؟ نایاب نے اسے آگے کی طرف دھکیلا۔ "کیا تو جانتا ہے اسے"؟

"ہاں باجی۔ عنبر اس کا نام ہے"۔ نعمان نے آگے بڑھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔ "بڑی اچھی لڑکی ہے۔ میں ابھی تم سے ملاتا ہوں"۔

نایاب کو پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی اور خوف کی وجہ سے اس کا پورا بدن کانپ اٹھا۔ "نعمان تجھے کچھ ہوش ہے۔ یہ شاہی محل ہے۔ یہاں کسی لڑکی سے بات کرنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ سمجھا کچھ"؟

"آپ بھی کیا بات کہہ رہی ہیں باجی"۔ نعمان نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "میں اس سے کئی بار مل چکا ہوں۔ مجھے تو کسی نے کچھ نہیں کہا"۔

"ہائے۔ یہ کیا کہہ رہا ہے تو"؟ نایاب کو پسینہ چھوٹ گیا۔ "تو اس سے مل چکا ہے۔ کہاں"؟

"یہیں ۔ اسی محل میں باجی"۔

اور نایاب کے حلق میں آواز پھنس گئی۔ وہ نعمان کو ڈانٹنا چاہتی تھی لیکن کمال حیرت اور خوف نے اس کی گویائی سلب کر لی اور وہ نعمان کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔ دونوں چلتے ہوئے اس ستون کے پاس پہنچ گئے جس کے پیچھے رنگین آنچل لہرا رہا تھا۔

سردار ہے۔ اس کا حکم سب پر چلتا ہے۔ اسی طرح عنبر کسی سے دب کر نہیں رہتی"۔

"نعمان۔ تم ابھی بچے ہو۔ محلاتی سازشوں کو نہیں جانتے"۔ نایاب نے اسے سمجھانا شروع کیا۔

"سلطانہ ہو یا سلطان ان کے مزاج کا کوئی پتہ نہیں۔ خوش ہو جائیں تو جاگیر بخش دیں اور ناراض ہوں تو کھڑے کھڑے سولی پر چڑھا دیں۔ ایسا ہی مزاج ان کی منہ چڑھی لونڈی غلاموں کا ہوتا ہے۔ وہ کسی کو اپنے پاسنگ کے برابر بھی نہیں سمجھتیں۔ تم نے ابھی کوئی مقام بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ تم ان کی نظر میں کیا جچو گے"؟

"باجی آپ کوشش تو کیجئے"۔ نعمان نے طفلانہ ضد کی "اس کی ماں رضا مند ہے"۔

"یہ تم سے کس نے کہا"؟ نایاب نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم اس کی ماں سے بھی مل چکے ہو"؟

"میں ان سے نہیں ملا مگر عنبر نے مجھے یہی بتایا ہے۔ آپ میری بات کا یقین کیجئے باجی"۔ نعمان نے زور دے کر کہا۔

"تو تو بے وقوف ہے ہی۔ مجھے عنبر بھی تیری طرح احمق معلوم ہوتی ہے"۔ نایاب بڑبڑانے لگی۔ "بھلا آج تک یہ کبھی ہوا ہے کہ کوئی جوان بیٹی اپنی ماں سے کہے کہ اس کی شادی فلاں مرد سے کر دی جائے۔ لڑکیاں تیری طرح بے شرم نہیں ہوتیں"۔

"مجھے کیا پتہ باجی۔ عنبر نے تو مجھ سے یہی کہا تھا"۔ نعمان خود ہی قائل ہو گیا۔

"تو نے مجھے بڑے خلجان میں ڈال دیا نعمان"۔ نایاب شکستہ آواز میں بولی۔ "میں سلطان کے پاس اس لئے گئی تھی کہ تجھے میرے ساتھ رہنے کی اجازت مل جائے لیکن تو نے ایک نیا جھگڑا شروع کر دیا۔ میں کس کس جھگڑے کو نپٹاؤں گی۔ انسان کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے۔ شاہی محل کے فتنوں سے جس قدر دور رہا جائے بہتر ہے"۔

"رہوں گا تو میں تمہارے ہی ساتھ باجی"۔ نعمان نے نایاب کو منانے کے لئے کہا۔ "اگر عنبر کی ماں نے انکار کر دیا تو میں اس کا نام پھر نہ لوں گا۔ آپ بس اس کی ماں سے ایک بار مل لیجئے"۔

"اس کی ماں سے مل لیجئے ہونہہ"۔ نایاب نے اسے ..... غصیلی نظروں سے دیکھا۔ "تجھے بہن کا تو خیال ہی نہیں۔ میری شادی سر پر کھڑی ہے اور میں تیرا پیغام لے کر عنبر کی ماں کے پاس جاؤں۔ کیا سوچے گی وہ"۔

"میں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ فوراً ملنے جائیں"۔ نعمان گھبرا کر بولا۔ "پہلے آپ کی شادی ہو جائے پھر دیکھا جائے گا مگر آپ وعدہ کیجئے کہ اس کی ماں سے ملیں گی ضرور"۔

"اچھا بھائی۔ مل لوں گی۔ ضرور ملوں گی"۔ نایاب نے مشکل سے اپنا پیچھا چھڑایا۔

نایاب کی شادی کے ہنگامے میں عنبر اور نعمان کا مسئلہ کچھ دنوں کے لئے کھٹائی میں گیا۔ سلطان نے قاضی القضاۃ کے مشورے سے نایاب کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ سلطان محمود سلجوقی کے تمام امراء اس دن کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان میں ... ایک سے ایک بڑا رئیس تھا اور ہر ایک دوسرے سے زیادہ جہیز دے کر سلطان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

عمادالدین زنگی اور اس کے ساتھی گو کہ خالی ہاتھ تھے لیکن انہوں نے اپنا وقار برقرار رکھنے کے لئے اپنا تمام سامان فروخت کر کے شادی کا انتظام کیا اور جس وقت بارات چڑھی تو دیکھنے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عمادالدین جو دلہا بن کر ایک مال دار بیوہ کو بیاہنے جا رہا ہے اس کے گھر میں شام کے کھانے کے لئے روٹی بھی نہیں ہے۔ سلطان کے ایک امیر نے زنگی کو .... سازو سامان سے سجی ایک حویلی دی تھی اور اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی بارات اسی حویلی سے چڑھائے لیکن زنگی کی حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ مانگے تانگے کی حویلی سے بارات لے کر نایاب کے گھر جائے۔ اس نے امیر کی حویلی شکریے کے ساتھ اس شرط پر قبول کی کہ وہ دلہن کو بیاہ کر اس حویلی میں لائے گا لیکن بارات اس کے شکستہ مکان ہی سے جائے گی۔

نایاب نے اپنا مکان بڑی خوبصورتی سے سجوایا تھا اور مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے بھی اور دعوت کا بھی بڑے اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا تھا۔ نایاب کی طرف شادی کا تمام انتظام نعمان کے ہاتھ میں تھا اور نعمان یہ کام بڑی نفاست اور شائستگی سے کر رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس شادی میں سلطان معظم تشریف لا رہے ہیں اور چھوٹی بیگم کے شریک ہونے کا بھی امکان ہے۔ اس لئے اس نے سلطان اور سلطانہ کے لئے شاہانہ مسند لگوائی تھی۔

سلطان محمود کی بیاہتا بیویوں میں چھوٹی بیگم عمر کے لحاظ سے دیگر بیگمات سے کم عمر تھیں اور بیاہ کے بھی سب سے آخر میں آئی تھیں لیکن سلطان نے انہیں سلطانہ کا خطاب دیا تھا اور وہ محلات شاہی میں چھوٹی بیگم کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ سلطان کی اس مہربانی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بیاہتا بیگمات میں صرف اسی بیگم سے اولاد نرینہ پیدا ہوئی تھی جس کے بارے میں عام خیال تھا کہ وہی سلطان کا وارث تخت و تاج ہو گا۔

نایاب کے لئے اس قدر جہیز آیا تھا کہ گھر میں جگہ نہ رہی اور باہر شامیانے لگا کر اسے چن دیا گیا۔ قیمتی پارچہ جات' سونے چاندی کے برتن اور جواہرات کے جڑاؤ زیورات کے علاوہ نایاب کے جہیز میں چار گھوڑا گاڑیاں بھی آئی تھیں۔ جن کے گھوڑوں پر کمخواب کی

زرنگار جھولیں پڑی تھیں اور گاڑی کے پہیوں پر گنگا جمنی کام کیا ہوا تھا۔ ہر امیر نے نایاب کی خدمت کے لئے درجنوں لونڈی غلام بھی دیئے تھے۔ فرنیچر میں آبنوس اور صندل کی لکڑی استعمال ہوئی تھی۔ جس سے فضا مہک اٹھی تھی۔

بارات کا استقبال سلطان کے امیروں نے کیا۔ عقد کے لئے قاضی القضاۃ تشریف لے آئے تھے۔ اب صرف سلطان کا انتظار تھا۔ ذرا دیر بعد نقارے پر چوٹ پڑی۔ ڈھول تاشے بج اٹھے اور شاہی سواری کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ سلطان معہ اپنی چہیتی بیگم کے پورے تزک و احتشام کے ساتھ نایاب کے گھر آیا۔ سلطان کو زنان خانے میں پہنچایا گیا۔ سلطان نے سب سے پہلے جہیز کا سامان دیکھنے کی خواہش کی۔ ہر امیر نے اپنے سامان کے الگ خیمے لگوائے تھے۔ اس طرح نو امیروں کے سامان سے ستائیس بڑے خیمے بھر گئے تھے پھر بھی سامان خیموں کے باہر رہ گیا تھا۔

سلطان نے جہیز کے سامان پر اطمینان کا اظہار کیا اور امیروں کی دریا دلی کو سراہا۔ یہ تقریب ایک بیوہ کے عقد ثانی کی تھی اس لئے کوئی زیادہ دھوم دھڑکا نہیں کیا گیا تھا۔ خاص بات صرف یہ تھی کہ اس میں سلطان اور سلطانہ شریک تھے اور نایاب کا جہیز کسی شہزادی کے جہیز سے کسی طرح کم نہ تھا۔ عماد الدین زنگی خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا۔ سلطان نے اسے اپنی مسند کے قریب بٹھایا اور قاضی القضاۃ نے وہیں نکاح پڑھایا۔ ہر طرف مبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا ہر کوئی عماد الدین زنگی کے پاس آتا اور اسے گلے مل کر مبارک باد دیتا۔

بارات کا منتظم نعمان اندر باہر بھاگتا پھر رہا تھا۔ ایک بار وہ سلطان کے سامنے سے گزرا تو سلطان نے اسے قریب بلایا اور عمادالدین زنگی سے کہا۔ "زنگی اس نوجوان کا خیال رکھنا۔ ہم نایاب کے بڑے بھائی اور نعمان اس کا چھوٹا بھائی ہے۔ اسے اپنے ساتھ رکھنا کبھی کام آئے گا"۔

عماد الدین نے نعمان پر سرسری نظر ڈالی اور سر جھکا لیا۔ سلطان نے نایاب سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ نعمان پھر اپنے کاموں میں لگ گیا۔ نعمان کو بار بار زنان خانے میں جانا پڑتا تھا۔ عنبر سے اس کا کئی بار سامنا ہوا مگر خواتین کے ہجوم کی وجہ سے گفتگو نہ ہوئی۔ دونوں نے نظروں ہی نظروں میں مجبوری کا اظہار کیا مگر نعمان کو اس گھڑی عنبر کی آنکھوں میں غم کی ایک لکیر سی محسوس ہوئی۔ اس کے دل میں الجھن پیدا ہوئی۔ ایک بار عنبر نظر آئی تو عورتوں کا مجمع کم تھا۔ عنبر کے ساتھ بھی اس کی کوئی سہیلی نہ تھی۔ نعمان نے اشارے سے اسے بلایا اور ایک طرف لے گیا۔

"تم سے تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا"۔ نعمان نے بڑی بے تکلفی اور مسرت

سے کہا۔

"ہاں میں بھی تم سے ملنا چاہتی تھی نعمان"۔ اس کے ساتھ ہی ضبط کے باوجود عنبر کی ایک سسکی نکل گئی۔

"عنبر"۔ نعمان نے اسے گھبرا کر دیکھا۔ "کیا ہوا۔ کیا غم ہے تمہیں"؟

"نعمان" عنبر کی آنکھیں بھر آئیں۔ "تم میری باتوں کو مذاق میں اڑا دیتے ہو۔ جب میں تباہ ہو جاؤں گی تو تمہیں ہوش آئے گا۔ خدا کے لئے جلدی کوئی تدبیر کرو ورنہ میں تمہارے ہاتھ سے نکل جاؤں گی"۔ عنبر کو جیسے غش آنے لگا۔

نعمان نے اسے پکڑ کر ایک جگہ بٹھایا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "عنبر۔ یقین کرو کہ میں تمہارا ہوں اور صرف تمہارا رہوں گا۔ میں نے تمہارے بارے میں باجی نایاب سے بڑی تفصیل سے بات کی ہے۔ تم جانتی ہو کہ وہ مجھے کس قدر چاہتی ہیں۔ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر میری شادی عنبر سے نہ ہوئی تو میں جان دے دوں گا"۔

"ہائے اللہ۔ کیسی بد شگونی باتیں منہ سے نکالتے ہوں"۔ عنبر گھبرا کر بولی۔ "خدا موت لگانے دے دشمنوں کو۔ تم مر گئے تو پھر میں کیا کروں گی۔ میں بھی اپنی جان دے دوں گی"۔

نعمان دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اس کے ایک ہی جھوٹ نے عنبر کا دماغ ٹھکانے کر دیا۔ نعمان کے مزاج میں اب تک سنجیدگی آئی ہی نہیں تھی۔ اس کے مقابلے میں عنبر کہیں زیادہ سمجھدار اور سنجیدہ لڑکی تھی۔

عنبر نے ذرا رک کر پوچھا۔ "تو کیا تم نے واقعی باجی نایاب سے یہی کہا تھا"؟

"عنبر"۔ نعمان چہرے پر مصنوعی غصہ طاری کرتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو۔ میرے اوپر اعتبار نہیں ہے تمہیں تم دیکھ لینا کہ اگر تمہاری مجھ سے شادی نہیں ہوئی تو میں کیا کرتا ہوں"۔

"تم ناراض ہو گئے ہو نعمان"۔ عنبر ڈر گئی پھر اس نے منت سے پوچھا۔ "باجی نایاب تمہاری بات سن کر بہت ہی پریشان ہوئی ہوں گی"۔

"پریشانی ہی پریشانی"۔ نعمان اکڑ کر بولا۔ "ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لگیں میری خوشامد کرنے۔ میں اپنی ضد پر اڑ گیا تھا اور سوچ لیا تھا کہ اگر باجی نے انکار کیا تو اسی وقت کچھ کر گزروں گا"۔

"پھر انہوں نے کیا کہا"؟ عنبر نے سنبھلتے ہوئے پوچھا اس کو نعمان کی لفاظی پر کچھ کچھ شک ہونے لگا تھا۔

"سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی"۔ نعمان نے جھوٹ پر جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ "کہنے

لگیں کہ اگر نعمان اور عنبر کی شادی نہیں ہوئی تو میں بھی شادی سے انکار کر دوں گی"۔

"جھوٹے کہیں کے"۔ عنبر کو ہنسی آگئی۔ "باجی نے تم سے کہا تھا کہ وہ شادی سے انکار کر دیں گی مگر ان کی ایجاب و "قبول سے تو زنگی سے ان کا نکاح بھی ہو گیا ہے۔ تم کن خیالوں میں کھڑے ہو"۔

نعمان جیسے خواب سے چونک پڑا۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور کس کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ اس کی اٹھتی جوانی اور پہلا پہلا پیار تھا۔ جذباتی جوان اس عمر میں محبوب کی موجودگی میں ماحول اور دنیا کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی غلطی پر بڑا شرمندہ ہوا' پھر بات بناتے ہوئے بولا۔ "تمہاری قسم عنبر۔ میں نے باجی سے تمہارے بارے میں بات کی تھی اور انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ..... شادی کے بعد وہ تمہاری ماں سے مل کر تمام معاملات طے کر لیں گی۔

"پھر اتنی ہی بات مجھ سے کہی ہوتی"۔ عنبر جھنجلا کے بولی۔ "بات میں نمک مرچ اور جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی"۔ عنبر نے سر جھکا لیا اور اس کے منہ سے ایک اور سسکی نکل گئی۔"

"ناراض ہو گئیں"؟ نعمان لگاوٹ سے بولا۔ "اچھا اب کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تمہاری قسم کھاتا ہوں"۔

"مجھے ہی مصیبت میں گھسیٹو گے۔ میں پہلے ہی ایک بلا میں پھنس گئی ہوں"۔ عنبر افسردگی سے بولی۔

"کس بلا میں۔ تمہیں کیا ہوا"؟ نعمان نے پریشانی سے پوچھا۔ "کیا تمہاری ماں نے انکار کر دیا"؟

"ماں کی بات نہیں ہے نعمان۔ ان سے تو میں نے ابھی ذکر ہی نہیں ....." عنبر عقلمند ہونے کے باوجود غلطی کر گئی۔ اس نے بھی جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ اس کی ماں نعمان کو پسند کرتی ہے اور شادی سے انکار نہیں کرے گی۔ عنبر فوراً سنبھلی اور بولی۔ "میرا مطلب ہے کہ میں نے ماں سے پوری طرح بات نہیں کی ہے۔ اصل بلا تو ظل جاہ کی ہے۔ وہ بیچ میں کود پڑا ہے"۔

"ظل جاہ۔ یہ کون ہے تم نے اس کا پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا"؟ نعمان نے عنبر کو حیرت سے دیکھا۔

"پہلے ظل جاہ کا کوئی واسطہ نہ تھا"۔ عنبر نے افسردگی سے بتایا۔ "تین چار دن پہلے ظل جاہ' سلطانہ سے ملنے آیا تھا۔ وہ سلطانہ کا دور کا بھائی لگتا ہے۔ بڑا بد ذات آدمی ہے۔

جب محل میں آتا ہے تو کنیزوں کو تاکتا رہتا ہے اور انہیں گھیر کر باتیں کرتا ہے۔ کنیزیں
چاری سلطانہ کی وجہ سے کچھ نہیں کہتیں"۔

"پھر ظل جاہ کا ہوا کیا"؟ نعمان نے بات کاٹ دی۔ "مختصر طور پر بتاؤ۔ مجھے الجھ
ہونے لگی ہے"۔

"یہی تو بتا رہی ہوں۔ "عنبر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میری بد قسمتی کہ اس کی نظ
مجھ پر پڑ گئی۔ وہ سلطانہ سے مل کر جا رہا تھا میں ماں سے ملنے سلطانہ کے پاس جا رہی تھ
راہداری میں مجھے ملا تو بس ریشہ خطمی ہو گیا۔ باتیں کر کر کے میرا دماغ چاٹ لیا۔ کسی طر
پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تھا۔ میں نے ماں سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا اور غلام گردش
چلی گئی۔ جب کہیں جا کر پیچھا چھوٹا"۔ عنبر نے لمبی سانس لی۔

"چلو اچھا ہوا۔ تمہاری جان چھوٹی اس شیطان سے"۔ نعمان نے اطمینان کا سان
لیا۔

"تم تو بیچ بیچ میں بول دیتے ہو"۔ عنبر ترشی سے بولی۔ "پیچھا کہاں چھوڑا اس نے م
کچھ دیر اپنے کمرے میں انتظار کرنے کے بعد باہر آئی۔ ابھی راہداری میں قدم رکھا تھا
وہ پھر سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ مجھے دیکھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا میرے پاس آگیا اور بڑ
انداز سے بولا۔ عنبر میں نے تمہیں سلطانہ سے مانگ لیا ہے۔ بس خوش ہو جاؤ۔ بہت جل
تمہیں بیاہ کر لے جاؤں گا"۔

"میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔ اس نے یہ کہنے کی جرات کیسے کی"؟ نعمان نے مٹھیا
بھینچتے ہوئے کہا۔ اسے سخت غصہ آگیا تھا اور اس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے تھے۔

"ہوش کے ناخن لو نعمان"۔ عنبر سختی سے بولی۔ "ظل جاہ شہزادہ ہے۔ سلطان کا رشتہ
دار اور تم۔ میرا مطلب ہے ہماری تمہاری کیا حیثیت ہے۔ تم اس کا مقابلہ کس طرح
سکتے ہو"؟

"تم نے اسے پھٹکارا نہیں"؟ نعمان کا غصہ کم نہ ہوا تھا۔ "جوتا مارا ہوتا اس کے
پر"۔

"پھر وہی فضول بات"۔ عنبر کو بھی غصہ آگیا۔ "میری اوقات کیا ہے جو اسے جوا
دیتی۔ میری ماں سلطانہ کی کنیز نور میں کنیز کی بیٹی۔ ہم تم ان کی کس طرح برابری کر
ہیں۔ لونڈی غلام تو بازار سے خریدا ہوا مال ہیں۔ مالک جس کو چاہے دے دے۔ سلطا
جس کو پسند کرے، میرا ہاتھ اسے پکڑا دے۔ میں آنا کانی کروں تو سولی پر ٹانگ دی جاؤں
میرے ساتھ ماں بھی ماری جائے۔ نعمان غصہ تھوک دو اور ٹھنڈے دل سے سوچو۔

تمہیں پسند کرتی ہوں۔ میرا دل تم سے ملا ہے مگر اب بیچ میں ایک آوارہ شہزادہ آگیا ہے۔
اس سے چھٹکارے کی کوئی تدبیر سوچو۔ غصہ کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا"۔

"عنبر تم یوں کرو کہ میرے گھر آجاؤ۔ باجی نایاب سب سنبھال لیں گی"۔ نعمان نے
اپنے خیال میں بہترین حل پیش کیا۔

"تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں"۔ عنبر نے کہا۔ "اپنی آگ میں انہیں بھی گھسیٹ لو۔
آج ان کی شادی ہو رہی ہے اور تم چاہتے ہو کہ وہ کل ہی سے سلطانہ کے مقابلے پر کھڑی
ہو جائیں باجی نایاب کے شوہر سلطان کے صرف ندیم ہیں پھر پتہ نہیں کہ وہ جھگڑے میں
ہاتھ ڈالیں یا انکار کر دیں۔ تمہیں باجی نایاب کی محبت سے غلط فائدہ نہ اٹھانا چاہئے"۔

نعمان کی عقل ٹھکانے آگئی تھی۔ اس نے افسردگی سے کہا۔ "پھر کیا کیا جائے عنبر
میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ"۔

عنبر نے نعمان کو افسردہ دیکھ کر کہا۔ "نعمان میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا کہ میں نے
تمہارے بارے میں ماں سے بات کی ہے۔ جس دن ظل جاہ کا معاملہ پیش آیا تھا تو میں
بہت پریشان تھی۔ میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ تمام باتیں ماں سے کہہ دوں مگر میری ہمت نہ
ہوئی۔ اس سلسلے میں تم سے بھی مشورہ کرنا تھا میں یہاں سے واپسی پر ماں سے تمہارے
بارے میں صاف صاف بات کروں گی"۔

"اور ظل جاہ کے بارے میں"؟ نعمان نے پوچھا۔

"ظل جاہ کا نام نہ میں لوں گی اور نہ تم باجی نایاب سے اس کا ذکر کرو گے"۔ عنبر
بڑے استقلال سے بولی۔ "اگر میری ماں اور تمہاری باجی کو معلوم ہو گیا کہ ظل جاہ نے مجھے
سلطانہ سے مانگا ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ دونوں خوف کھا جائیں گی اور ہمارے لئے
کوشش کرنا چھوڑ دیں گی"۔

"میری طرف سے اطمینان رکھو۔ میں باجی سے ظل جاہ کا کوئی تذکرہ نہیں کروں گا"۔
نعمان نے سعادت مندی دکھائی۔

عنبر کچھ جواب دینے والی تھی کہ اس کی نظر اچانک سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے
منہ بنا کر کہا۔ "نعمان تم نے مثل سنی ہو گی کہ شیطان کا نام لو تو وہ فوراً آجاتا ہے۔ ذرا
سامنے کی طرف تو دیکھو"؟

نعمان نے عنبر کے اشارے کی طرف دیکھا۔ ایک دبلا پتلا لمبا سا آدمی کنیزوں سے ہنس
ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔

"تمہارا اشارہ اس لمبے آدمی کی طرف تو نہیں"؟ نعمان نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں۔ وہی" عنبر ہونٹ دبا کر بولی۔ "یہی حضرت ظلِ جاہ ہیں۔ انہیں غور سے دیکھ لو۔ کس شان سے آئے ہیں یہاں۔ انہیں یہ بھی خیال نہیں کہ یہ کسی غیر کا زنان خانہ ہے۔ پرائی عورتیں بھی موجود ہیں۔ یہ شاہی محل نہیں کہ جہاں چاہیں گھومتے پھریں"۔

عنبر بڑبڑا رہی تھی اور نعمان غور سے ظل جاہ کو دیکھ رہا تھا۔ حضرت کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی۔ لمبے کھلے ہوئے بال شانوں سے گھوم کر آگے کی طرف لٹکے ہوئے تھے نصف بال سفید تھے جس سے ان کی عمر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ زرد پچکے ہوئے گال تھے اور آنکھوں میں موٹا موٹا سرمہ بھرا تھا ہونٹوں پر بھی کسی چیز کی پپڑی معلوم ہوتی تھی۔

"کیا صورت پائی ہے اس خبیث نے"۔ نعمان نے جل کر تبصرہ کیا۔

"انہیں اپنی خوبصورتی پر بڑا ناز ہے"۔ عنبر نے اور لگی میں لگائی۔ "مجھ سے کہہ رہے تھے کہ انہیں آج تک کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔ اسی وجہ سے کنوارے رہ گئے"۔

"لڑکیاں تو اس لنگور کو دیکھ کر منہ پھیر لیتی ہوں گی"۔ نعمان نے دل کے پھپولے پھوڑے۔

"کوئی بات بھی نہیں کرنا چاہتی ان سے مگر شہزادے ہیں اس لئے"۔

اسی وقت کھانے کا شور ہوا اور عنبر کی بات ادھوری رہ گئی۔ سلطان اور سلطانہ تو [illegible] کے بعد ہی چلے گئے تھے۔ سلطان کے کہنے پر سلطانہ نے اپنی خاص کنیز کو نایاب کے پاس چھوڑ دیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ نایاب کے ساتھ دلہا کے گھر جائے۔ عنبر بھی اسی لئے اب تک ٹھہری ہوئی تھی۔ کھانے کے دوران نعمان نے ظل جاہ کو بہت تلاش کیا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئے۔ ظل جاہ' سلطانہ کے بہانے اس محفل میں گھس آئے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ سلطانہ واپس جا چکی ہیں اور کنیزیں بھی ان پر کوئی توجہ نہیں دے رہی ہیں تو وہ بڑے مایوس ہو کر چلے گئے۔

کھانے کے بعد مہمان عورتیں اور مرد اپنے گھروں کو چلے گئے نعمان بھی رخصتی کی تیاریوں میں لگ گیا۔ گھر میں تنہائی ہوئی تو عنبر کی ماں کو نایاب سے گفتگو کا موقع مل گیا۔ اس نے ادب کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔ "میں سلطانہ کی کنیز ہوں۔ مجھے حکم ہوا ہے میں آپ کے ساتھ سردار زنگی کے گھر جاؤں"۔

"آپ سلطانہ کی کنیز خاص ہیں"؟ نایاب نے اسے بڑے تعجب سے دیکھا۔

"بس سلطانہ کی نوازش ہے جو وہ مجھ پر اس قدر مہربان ہیں"۔ عنبر کی ماں نے انکسار ظاہر کیا۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ عنبر کی والدہ ہیں"؟ نایاب نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"ہاں نایاب بیگم۔ عنبر میری بیٹی ہے"۔ اس نے فخر سے کہا' پھر فوراً تعجب سے پوچھا۔ "مگر آپ عنبر کو کس طرح .... جانتی ہیں"؟

"عنبر جاننے اور پہچاننے کی چیز ہے"۔ نایاب مسکرائی "آپ خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے آپ کو ایسی خوبصورت اور ذہین بیٹی عطا کی ہے"۔

عنبر کی ماں اپنی بیٹی کی تعریف سے پھولے نہ سمائی تھی عنبر کی آج تک کسی نے تعریف نہ کی تھی۔ محل کی دوسری .... کنیز زادیاں عنبر کے حسن و قابلیت کو دیکھ کر جلتی تھیں اور اس میں ہزار ہزار عیب نکالتی تھیں۔ عنبر کی ماں چاہتی تھی کہ نایاب یونہی عنبر کی تعریف کرتی رہے اور وہ خوش ہوتی رہے۔ نایاب کا کئی بار جی چاہا کہ وہ نعمان اور عنبر کی ملاقاتوں کا اس سے ذکر کرے مگر وہ ایک محتاط خاتون تھی۔ اس نے مناسب نہ سمجھا کہ ایک اجنبی سے پہلی ہی ملاقات میں سب کچھ کہہ ڈالے۔ وہ عنبر کی تعریف ہی کرتی رہی۔ نعمان کا ذکر زبان تک نہ لائی۔

رخصتی کا وقت آگیا۔ دلہا دلہن کو لے جانے کے لئے امیروں کی دی ہوئی سب سے اعلیٰ گھوڑا گاڑی آراستہ کی گئی تھی۔ جہیز وہیں چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ صرف کچھ ضروری سامان اور نوکر چاکر اس حویلی میں بھیج دیئے گئے جس میں دلہن کو اتارنے کا زنگی نے ایک امیر سے وعدہ کیا تھا۔ عنبر کو بھی اس کی ماں اپنے ساتھ ہی نایاب کے نئے گھر لئے جا رہی تھی۔ نعمان کو نایاب کے پرانے گھر پر ٹھہرنا تھا تاکہ جہیز کے سامان کی دیکھ بھال کر سکے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ عنبر اپنی ماں کے ساتھ نایاب کے گھر جا رہی ہے تو اس کا دل بھی ساتھ جانے کے لئے مچلنے لگا۔

رخصتی ہونے والی تھی اور عنبر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کی ماں بولائی ہوئی اسے کمروں کمروں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ عنبر صحن کے ایک نیم تاریک گوشے میں کھڑے نعمان سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کی ماں ڈھونڈتی ہوئی ادھر سے گزری تو اس کی نظر ان دونوں پر پڑی۔

"عنبر"۔ اس کی ماں نے اسے اتنی زور سے چیخ کر پکارا کہ چلتے پھرتے لونڈی غلام ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ عنبر گھبرا کر ماں کے پاس پہنچ گئی۔

"میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہلکان ہو گئی اور تم یہاں پر کھڑی باتیں بگھار رہی ہو"۔ اس کی ماں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

عنبر نے جواب دینا چاہا لیکن ماں آگے بڑھ گئی۔ عنبر خاموش ہو کر اس کے پیچھے چلنے

گئی۔

آراستہ پیراستہ گاڑی حویلی کے دروازے سے لگا دی گئی۔ عمادالدین زنگی اپنے ... کے ساتھ دلہن کو رخصت کرانے کے لئے گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ نایاب زنان خانے ... ایک ایک سے گلے مل کر روئی۔ عنبر کی ماں اسے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ نایاب آ... آہستہ سسکیاں بھرتی دروازے پر آئی۔ سوائے عمادالدین کے اور تمام مرد دوسری ط... ہٹ گئے۔ نایاب کی طرف سے مردوں میں صرف نعمان اسے رخصت کرنے کے لئے ... تھا۔

نایاب باہر آئی تو کسی عورت نے سرگوشی کی۔ "نایاب تمہارا بھائی نعمان کھڑا ہے ا... سے رخصت ہو لو"۔

بات اتنی آہستہ سے کہی گئی تھی کہ عنبر کی ماں بھی نہ سن سکی۔ حالانکہ وہ نایاب ... ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ نایاب نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر نعمان کو دیکھا اور "... بھائی" کہہ کر اس کی طرف جھکی۔

نعمان اسے گلے لگا کر رونے لگا۔ لڑکی کی رخصتی کا منظر بڑا پر اثر ہوتا ہے۔ دوس... دوست اس منظر کو دیکھ کر دشمن بھی رو پڑتے ہیں۔ لڑکی پرانے رشتے توڑ کر ایک نئ... بسانے جاتی ہے ایک ایسی دنیا جس کے بارے میں اسے بہت کم علم ہوتا ہے۔

نایاب رخصت ہو کر اپنے نئے گھر پہنچ گئی۔ عنبر اور اس کی ماں دو روز تک نایاب ... گھر رہیں۔ اس دوران میں نعمان نے نایاب کے گھر کے کئی چکر لگائے۔ وہ آتا تو اس ... نظریں عنبر کو تلاش کرتیں مگر عنبر اس کی نظروں سے بچتی رہی۔ شادی کی رات اس کی ... نے اسے نعمان سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ عنبر ماں سے ڈرتی تھی اس لئے اس نے ... کی نظروں سے بچنا شروع کر دیا۔ نعمان کو اس کی اس بے رخی پر بڑا غصہ آیا مگر پھر ... خیال سے اسے صبر آ گیا کہ عنبر کی ماں نے اسے منع کر دیا ہو گا جبھی وہ گھر میں ہونے ... باوجود اس کے سامنے نہیں آ رہی تھی۔

عنبر کی ماں نے نعمان کو پہلی مرتبہ عنبر سے باتیں کرتے دیکھا تھا پھر نایاب کی ر... کے وقت جب اس نے نعمان کو نایاب کو گلے لگا کر روتے دیکھا تو اسے بڑا تعجب ہوا... نے چاہا کہ نایاب سے اس لڑکے کے متعلق پوچھے مگر اسے یہ کچھ اچھا نہ معلوم ہوا... والی عورتیں کسی جوان کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے گھبراتی ہیں۔ لوگ ... کیا خیال کریں۔ اس دوران اس کا نعمان سے بھی سامنا ... ہوا نعمان نے اسے سلیقے ... سلام کیا۔ اس نے دعائیں بھی دیں لیکن بات دعا اور سلام سے آگے نہ بڑھی۔

عنبر کی ماں کے دل میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ نایاب کے گھر سے واپس آتے ہی اس نے عنبر کو محبت سے اپنے پاس بٹھایا عنبر ڈری ڈری اور سہمی ہوئی تھی۔ وہ سمجھی کہ آج اس پر جھاڑ پڑے گی لیکن ماں کا رویہ بڑا نرم تھا۔ ماں نے پیار سے پوچھا۔ "عنبر وہ لڑکا کون ہے"؟

عنبر نے تعجب سے ماں کو دیکھا پھر انجان بن کر بولی۔ "کون لڑکا ماں"؟

"اری وہی۔ جس سے تو نایاب کی شادی کی رات باتیں کر رہی تھی؟"۔

"وہ۔ وہ باجی نایاب کا بھائی ہے"۔

"نایاب کے تو آگے پیچھے کوئی نہیں۔ یہ بھائی کہاں سے نکل آیا"؟

"منہ بولا بھائی ہے ماں۔ باجی نایاب نے اسے گودوں میں کھلایا ہے"۔

"ہونہہ۔ جب ہی وہ نایاب کے گلے لگ کر رو پڑا تھا"۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ماں بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ عنبر چاہتی تھی کہ ماں کچھ اور پوچھے تو وہ دل کا حال کھول کر بیان کر دے مگر ماں کی خاموشی طول ہی کھینچتی گئی۔ جانے وہ کس سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

عنبر نے تنگ آ کر کہا۔ "ماں کیسا ہے نعمان"؟ اور عنبر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"نعمان"! اس کی ماں چونکی۔ "کون نعمان۔ کس کا ذکر کر رہی ہے تو"؟

"وہی' ماں جسے تم نے دیکھا تھا۔ باجی نایاب کا بھائی"۔

"تو اس کا نام نعمان ہے"۔ ماں کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ عنبر کا دل غنچے کی طرح کھل اٹھا۔

"تو اسے کب سے جانتی ہے"؟ ماں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بہت دنوں سے"۔ عنبر نے سر جھکا لیا۔ "باجی نایاب جب سلطان سے ملنے آتی تھیں تو نعمان مہمان خانے میں ٹھہر جاتا تھا"۔

"ہوں۔ اتنی پرانی شناسائی ہے اس سے"۔ ماں نے محبت بھری تلخی سے پوچھا۔ "مجھے اب تک کیوں نہیں بتایا۔ کیا میں تیری دشمن ہوں"؟

"ڈر لگتا تھا"۔

"اور اس رات کونے میں کھڑے ہو کر اس سے باتیں کرتے ڈر نہیں لگا"؟ ماں غصہ کرتے کرتے ہنس پڑی۔ بولی۔ "نادان ایسی باتیں لڑکے لڑکیاں خود طے نہیں کرتے۔ کسی بڑے کو بیچ میں ... ڈالتے ہیں"۔

"ہاں ماں۔ یہی نعمان بھی کہہ رہا تھا"۔ "کیوں آج کیا ہوا ماں"؟ عنبر نے شوخی دکھائی۔
"کیا کہہ رہا تھا نعمان"؟ ماں نے چونک کر پوچھا۔ "ارے وہ لم ڈگو۔ صبح سے سلطانہ کے پاس آیا ہوا ہے"۔ ماں نے تمسخر اڑایا۔
"نعمان کہہ رہا تھا کہ میں اپنی باجی کو تمہاری ماں کے پاس بھیجوں گا"۔ عمر چھچھوری طبیعت کا ہے۔ ہر ایک کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اس کی نظروں سے بچنا ہی اچھا
انگلیاں چٹخا چٹخا کر کہا۔ "اب باجی نایاب کی شادی ہو گئی ہے۔ وہ تمہارے پاس آئیں گی"۔
"ظل جاہ"! عنبر کا منہ خوف و دہشت سے کھل گیا۔
"ہوں اب میں سمجھی نایاب مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہی تھی"۔ ماں سر ہلا اس کی ماں باہر جا چکی تھی۔ عنبر کا جی چاہا کہ دوڑ کر ماں کو بتا دے کہ یہ شیطان تو
ہوئے بولی۔ لمبے سے اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کا سلطانہ کے پاس آنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے مگر
"باجی نایاب کچھ کہہ رہی تھیں، نعمان کے بارے میں"؟ عنبر نے ڈرتے ڈرتے پو عنبر سوچتی ہی رہ گئی اور ماں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
اس کے دل کی دھڑکنوں میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا۔ عنبر کی ماں راہداری سے گزر رہی تھی کہ اس کی نظر ظل جاہ پر پڑی۔ وہ شاید سلطانہ
"نعمان کے بارے میں نہیں"۔ ماں ایک بار پھر مسکرائی۔ "نایاب نے تیری تعریفوں سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ عنبر کی ماں نے راستہ کاٹ دیا اور دوسری طرف ہو گئی۔ وہ ظل
کے ایسی پل باندھے کہ میں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ اب معلوم ہوا کہ تیرے گن گا کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ظل جاہ اسے جب بھی ملتا جھک کر فرمائشی سلام کرتا تھا۔
گائے جا رہے ہیں"۔ نبر کی ماں کو اس کی اس گری ہوئی حرکت پر بڑی شرم آتی تھی۔ ظل جاہ شاہی خاندان کا
"اور کچھ کہا ہو گا انہوں نے"؟ عنبر اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ ایک کنیز کو اس طرح سلام کرنا واقعی معیوب بات تھی۔ عنبر کی ماں دوسرے
تھی۔ راستوں سے گزر کر سلطانہ کے پاس پہنچ گئی۔
"اور کیا کہتی بے چاری وہ تو گھونگٹ میں چھپی بیٹھی تھی"۔ ماں ہنستے ہوئے بو سلطانہ نے عنبر کی ماں کو دیکھتے ہی کہا۔ "آؤ عنبر کی ماں تمہاری بڑی عمر ہے۔ ہم
"میں نے بتایا کہ میں عنبر کی ماں ہوں تو بس لگی تیری تعریفیں کرنے۔ بڑی نیک ہے نایاب نہیں یاد ہی کر رہے تھے"۔
خدا اس کے دکھ درد دور کرے۔ سردار زنگی سے اس کی نبھ جائے گی میں نے بڑی تر عنبر کی ماں سوچ کر آئی تھی کہ وہ عنبر اور نعمان کی شادی کی اجازت بھی حاصل کر لے
سنی ہے ان کی"۔ لی اور کچھ جہیز وہیز کے بارے میں بھی بات کرے گی۔ اس نے سلطانہ کو خوش دیکھا تو فوراً
ماں کسی اور طرف چل پڑی۔ عنبر کی طبیعت الجھنے لگی۔ وہ اپنے مطلب کی بات مطلب کی بات منہ پر لے آئی۔ بولی۔ "سلطانہ معظمہ۔ اب میں عمر کو لے کر کیا کروں گی۔
چاہتی تھی اور ماں، سردار زنگی کے ترانے گانے بیٹھ گئی۔ یہ عمر آپ کو لگ جائے تو اچھا ہے۔ بس ایک فکر ہے اس سے نجات مل جائے تو کونے
آخر عنبر نے منہ پھوڑ کر پوچھا۔ "نعمان کے بارے میں کچھ نہیں کہا باجی نے"؟ بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گی"۔
ماں نے تیز نظروں سے عنبر کو دیکھا۔ "میں سمجھتی ہوں تیرا مطلب۔ خاموشی سے "ہماری زندگی میں تمہیں کس بات کی فکر ہے"۔ سلطانہ بڑے تکبر سے بولی۔
بیٹھ یہ کام میرا ہے اور میں ہی اسے نپٹاؤں گی۔" "تمہارے منہ سے فکر کا نام سن کر ہمیں صدمہ ہوا۔ کیا سلجوقی سلطانہ اپنی کنیز خاص کے
عنبر اداس ہو گئی۔ اس کا چہرا اتر گیا۔ ماں کو اس کی نادانی پر ہنسی آ گئی۔ اس نے پو لئے کچھ نہیں کر سکتی"؟
"اچھا یہ بتا۔ نعمان تجھے کیسا لگتا ہے"؟ "معاف کر دیجئے سلطانہ عالیہ۔ مجھ سے غلطی ہو گئی"۔ عنبر کی ماں گھبرا گئی۔ "دراصل
"اچھا بہت اچھا ماں"۔ عنبر بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں عنبر کی وجہ سے پریشان رہتی ہوں۔ وہ اپنے گھر کی ہو جائے تو پھر سکون سے سرکار کی
عنبر کی ماں سلطانہ کے پاس جانے کے لئے تیار ہوئی چلتے وقت اس نے عنبر کو سمجھ خدمت کر سکوں"۔
"آج ذرا خیال سے باہر نکلنا۔ اچھا تو یہ ہے کہ میری واپسی تک تم یہیں رہو"۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم عنبر کی طرف سے غافل ہیں"؟ سلطانہ اسی طنطنے سے

بولی۔ "عنبر کی تم سے زیادہ ہمیں فکر ہے"۔

"کنیز کو سلطانہ سے اسی نوازش کی امید تھی"۔ عنبر کی ماں نے بات سدھارتے ہو
کہا۔ "میں اب عنبر کی شادی کر دینا چاہتی ہوں اس کا رشتہ....."

"رشتہ ہم نے ڈھونڈ لیا ہے۔ تمہیں اس فکر کی ضرورت نہیں"۔ سلطانہ نے ا
کلام کیا۔

"جی۔ رشتہ۔ مگر کہاں، کس سے"؟ عنبر کی ماں گھبرا کر سلطانہ کا منہ دیکھنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم عنبر کو کسی کو بخشیں گے نہیں۔ اس کی باقاعدہ شادی ہو گی"
سلطانہ مسکرائی۔

"مگر کس سے سلطانہ عالیہ"؟ عنبر کی ماں کانپ اٹھی۔

"عنبر کو شہزادہ ظل جاہ اپنی بیوی بنا کر لے جائے گا"۔ سلطانہ بولی۔ "تم اس کا
غلام سے رشتہ کرنا چاہتی ہو گی اور ہم نے اس کے لئے ایک شہزادے کو پسند کیا ہے"۔

"ظل جاہ..." عنبر کی ماں کے دل پر چوٹ سی پڑی۔ اس نے لڑکھڑائی آواز میں کہا
"مگر سلطانہ عالیہ میں نے عنبر کا رشتہ پہلے ہی طے کر دیا ہے"۔

"کس سے رشتہ طے کیا ہے"؟ سلطانہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"وہ جی نایاب بیگم ہیں نا۔ امیر عمادالدین زنگی کی بیوی"۔ عنبر کی ماں نے سہم کر کہا
"ان کا ایک بھائی ہے نعمان۔ اس سے طے کیا ہے رشتہ"۔

"نایاب"۔ سطانہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ایک تو وہ زبردستی سلطان کی بہن
بیٹھی ہے اور اب اپنے بھائی کو بھی محل میں گھسیٹنا چاہتی ہے۔ یہ نہیں ہو گا"۔

"مگر سلطانہ....."

عنبر کی ماں نے کچھ کہنا چاہا مگر سلطانہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ "فضول بکواس کی ضرورت
نہیں"۔ اور سلطانہ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اب مزید گفتگو کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ عنبر کی ماں سمجھ گئی تھی کہ سلطانہ ا
معاملے میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی۔ وہ خوشی خوشی ملکہ کے پاس آئی تھی اور ر
ہوئی واپس چلی۔

غلام گردش میں اپنی کوٹھری پر پہنچی تو عنبر کو دروازے پر کھڑے پایا۔ وہ سر جھکا کر
گئی لیکن عنبر نے دوڑ کر اسے لپٹا لیا۔ عنبر خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔

ماں نے جھٹکا دے کر اسے الگ کیا اور غصے سے بولی۔ "قارون کا خزانہ مل گیا ہے
کیوں اتنا خوش ہو رہی ہو"؟

"ماں۔ وہ نایاب ہیں نا۔ باجی نایاب"۔ خوشی کے مارے عنبر کے منہ سے الفاظ نہ نکلتے
تھے۔

"ہوش میں رہ لڑکی۔ کیا ہوا نایاب کو"؟ ماں صدمے سے چڑچڑی ہو گئی تھی۔

"باجی نایاب سلطان سے ملنے گئی ہیں"۔

"سلطان سے ملنے گئی ہیں۔ مگر کیوں"؟ ماں کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ماں تم سمجھتی کیوں نہیں"۔ عنبر نے نخرے سے کہا۔ "نعمان کی شادی کی اجازت
مانگنے گئی ہیں"۔

"تیرے ساتھ"؟ ماں آگ بگولہ ہو گئی۔

"اور کس کے ساتھ ماں"۔ عنبر افسردگی سے بولی۔ "تم بگڑ کیوں رہی ہوں ماں کیا ہوا
ماں تمہیں"؟

"کان کھول کر سن لے عنبر"۔ ماں چارپائی پر بیٹھ گئی۔ "تری قسمت میں تو وہی اونٹ
لکھا ہے"۔

"کون ظل جاہ"۔ عنبر نے ناک بھوں چڑھائی۔ "میں تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھوں
گی اور اگر تم نے زبردستی کی تو میں جان دے دوں گی"۔

ماں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کچھ کر بیٹی۔ یہ تو سلطانہ کا حکم ہے۔ اسے تو سلطان بھی
نہیں ٹال سکتا۔ میں نے لاکھ سر مارا .... خوشامدیں کیں مگر سلطانہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
صاف کہہ دیا کہ عنبر کو میرا بھائی ظل جاہ بیاہ کر لے جائے گا۔ مجھے تو اس نے ڈانٹ کر بھگا
دیا"۔

"تم نے انکار کر دیا ہوتا ماں"۔ عنبر کمر پر ہاتھ رکھ کر غصے سے بولی۔

"انکار کرتی تو تو اور میں دونوں اب تک سولی پر چڑھ گئے ہوتے"۔ ماں نے شدت غم
سے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "ان محل والوں کی آنکھ میں سور کا بال ہوتا ہے۔ اپنے مطلب پر
تو سر پر بٹھاتے ہیں، آنکھیں بچھاتے ہیں اور ہمارا کوئی کام پڑ جائے تو آنکھیں سر پر رکھ لیتے
ہیں۔ ظل جاہ کو آج تک کوئی لڑکی نہیں جڑی۔ اب عنبر سے شادی کرے گا۔ خدا کرے
اسے ڈھائی گھڑی کا ہیضہ ہو اور یہ دلہا بننے سے پہلے ہی مر جائے"۔

"عنبر ماں کے گلے سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دوسری طرف نایاب نے سلطان سے نعمان کی شادی کی اجازت مانگی۔ سلطان کو کیا
عذر ہو سکتا تھا اس نے فوراً اجازت دے دی اور نایاب کے اس ارادے کو خوب سراہا
کیوں کہ اس طرح نایاب کا یہ دھڑکا بھی ختم ہو جاتا تھا کہ اس کا شوہر زنگی کہیں اس پر

شک نہ کرنے لگے۔ سلطان نے اس کا صاف الفاظ میں اظہار بھی کیا۔ "نایاب ہم تمہارے اس خیال کی پوری تائید کرتے ہیں۔ ہم نے زنگی کو نعمان کے بارے میں بتا دیا ہے مگر شک کی گنجائش پھر بھی رہتی ہے۔ نعمان کی شادی کے بعد یہ قصہ ہی ختم ہو جائے گا"۔

"ایک گزارش اور ہے سلطان معظم"۔ نایاب کے پیش نظر دوسرا پہلو بھی تھا۔ "میرا خیال ہے کہ عنبر کی ماں اس رشتے سے انکار نہ کرے گی پھر بھی اگر حضور والا اس سلسلے میں اعانت فرمائیں تو کرم گستری ہو گی"۔

"تم اس کی فکر نہ کرو نایاب"۔ سلطان نے تسلی دی۔ "عنبر کی ماں ہماری سلطانہ کی خاص کنیز ہے۔ ہم آج سلطانہ سے کہہ دیں گے کہ عنبر کی ماں انکار نہ کرنے پائے"۔

نایاب نے شکریے کا سلام پیش کیا پھر خوشی خوشی سلطان کے پاس سے اٹھ آئی۔ قصر سلطانی کے برابر سلطانہ کا بھی محل تھا۔ اس کا دل چاہا کہ خود بھی اسی وقت نایاب کی ماں سے بات صاف کر لے۔ دونوں محلوں کو ایک راہداری کے ذریعے ملایا گیا تھا۔ نایاب سلطانہ کے محل کی طرف چلنے لگی مگر تھوڑی دور چل کر وہ رک گئی۔ اسے خیال آیا کہ سلطان نے کہا ہے کہ وہ آج سلطانہ سے مل کر عنبر کی ماں پر زور ڈلوائے گا اس صورت میں اگر اس وقت وہ عنبر کی ماں سے ملنے گئی تو بات بگڑ بھی سکتی ہے اور شاہی وقار کی تذلیل کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ وہ فوراً پلٹی اور صدر دروازے کی طرف چلنے لگی۔

سلطان عام طور سے سلطانہ کو اپنے محل میں طلب کیا کرتا تھا لیکن کبھی کبھی خود بھی اس کے پاس چلا جاتا تھا۔ وہ ابھی سلطانہ کو بلوانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ سلطانہ کی ایک کنیز آ گئی۔ اس نے کورنش پیش کیا اور اذن گویائی کے لئے سر جھکایا۔

"کہو۔ ملکہ نے کیا پیغام بھیجا ہے"؟ سلطان نے اسے بولنے کی اجازت دی۔

"سلطانہ عالیہ نے پیغام دیا ہے کہ سلطان معظم خود ان کے پاس تشریف لے آئیں یا انہیں قدم بوسی کی اجازت مرحمت فرمائیں؟"۔

"کوئی خاص کام ہے سلطانہ کو"؟ سلطان فکر مند ہو گیا۔

"کنیز یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن بات کچھ ایسی ہے"۔ سلطان ایک دو لمحے سوچ کر بولا۔ "سلطانہ سے کہو کہ ہم آ رہے ہیں"۔

سلطانہ کا دوسری بیگمات کے مقابلے میں زیادہ وقار ہونے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو وہ سلطان محمود کے بیٹے شہزادہ داؤد کی ماں تھی دوسرے یہ کہ سلطانہ کا باپ سلطان سنجر تھا جو تاریخ میں "سلطان عظیم" کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان عظیم سلجوقیوں کی بزرگ ترین شخصیت تھی۔ اس کے حکم پر سب ہی سر جھکاتے تھے۔ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا صرف سلطانہ

ہی ایک بیٹی تھی جسے اپنے بھتیجے سلطان محمود سے بیاہ دیا تھا۔ سلطان محمود کو بادشاہت بھی سلطان عظیم کی کوششوں سے ملی تھی۔ ان دو وجوہات کی بنا پر سلطانہ کا مرتبہ تمام بیگمات میں بلند تھا۔

سلطانہ غصے میں بھری بیٹھی تھی لیکن سلطان کے آنے پر اس نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سلطانہ اگر یاد نہ کرتیں تب بھی ہم آج ان سے ملنے آ رہے تھے"۔

"اس کرم نوازی کا سبب"؟ سلطانہ کے لہجے میں کوشش کرنے کے باوجود آغاز سے تلخی پیدا ہو گئی۔

"وہ تمہاری کنیز ہے۔ عنبر کی ماں"۔

"کیا وہ آپ کے پاس گئی تھی"؟ سلطانہ نے سختی سے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔

سلطان نے اس سختی کو محسوس تو کیا مگر سلطانہ کا ایک انداز محبوبانہ سمجھ کر نظر انداز کر گیا۔ "وہ نہیں ہمارے پاس تو سردار زنگی کی بیوی نایاب آئی تھی"۔

"اچھا تو سلطان کی بہن تشریف لائی تھیں"۔ سلطانہ اور جل گئی۔ "اس نے تو شاہی محل کا دروازہ ایسا دیکھا ہے کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی"۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہئے سلطانہ۔ وہ تمہاری کنیز کی بیٹی کا رشتہ لائی تھی"۔ سلطان نے پھر بھی سلطانہ کے سخت لہجے سے در گزر کیا۔ "وہ اپنے بھائی نعمان کی شادی عنبر سے کرنا چاہتی ہے"۔

"سلطان نے کیا جواب دیا"؟

"ہم نے کہہ دیا کہ شادی ہو سکتی ہے"۔ سلطان بے پروائی سے بولا۔ "نایاب کا خیال تھا کہ شاید عنبر کی ماں اسے پسند نہ کرے۔ ہم نے کہہ دیا کہ اس سلسلے میں ہماری سلطانہ کوشش کریں گی۔ اسی لئے ہم ادھر آنے کا ارادہ کر رہے تھے"۔

"عنبر کی ماں پسند کرے تب بھی یہ شادی نہیں ہو سکتی"۔ سلطانہ نے بڑی سختی سے انکار کر دیا۔

سلطان نے حیرت سے سلطانہ کو دیکھا۔ اسے گمان گزرا کہ کہیں سلطانہ پاگل تو نہیں ہو گئی۔ اس کی سخت کلامی کو برداشت کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ سلطان کی بات کو اس انداز میں رد کر دے۔

"کیوں نہیں ہو سکتی"؟ سلطان محمود کا شاہانہ وقار عود کر آیا۔

سلطانہ نے سلطان کی بھاری آواز سنی تو ایک دم ہوش میں آ گئی۔ اسے اپنے تلخ و

ترش لہجے کا بھی افسوس ہوا۔ اس نے فوراً پیار و محبت کا سہارا لیا اور ہونٹوں پر معنی
مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔ "سلطان معظم۔ شادی بیاہ کے معاملات خواتین طے کر
ہیں۔ ہم نے عنبر کو اپنے بھائی ظل جاہ کے لئے پسند کر لیا ہے۔ عنبر اسی سے بیاہی جا
گی۔ سلطان کو اس وقت اسی لئے زحمت دی گئی ہے کہ وہ اس کی منظوری عطا فرمائیں"۔

سلطان کا جلال ابھی کم نہ ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "سلطانہ کو کوئی فیصلہ کرنے سے پ
ہم سے مشورہ کرنا چاہئے تھا۔ تمہیں ہماری بات رد کرنے کا حق کس نے دیا ہے"؟

سلطانہ مصالحت پر اتر آئی تھی۔ نرمی سے بولی۔ "یہ حق مجھے خود عالیجاہ نے عطا
ہے۔ ہماری شادی کی پہلی شب میں سلطان نے فرمایا تھا کہ محل کے تمام اندرونی معاملا
میں سلطانہ خود مختار ہو گی بشرطیکہ وہ ملکی معاملات میں دخل نہ دے۔ میں سلطان کے ا
حکم پر عمل پیرا ہوں۔ عنبر کی شادی محل کا اندرونی مسئلہ تھا جس کے لئے مجھے خود مختار ت
کیا گیا ہے"۔

سلطانہ نے اپنی شادی اور پہلی شب کا ذکر کیا تو سلطان کے تصور میں شادی کا پ
نقشہ گھوم گیا۔ اس کیف میں وہ ایسا ڈوبا کہ سب کچھ بھول گیا۔ اس نے سلطانہ کو پیار بھ
نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "سلطانہ تمہیں شادی کی شب اول اب تک یاد ہے"۔

سلطانہ شرما گئی۔ سر جھکا کر بولی۔ "کوئی عورت ان یادگار لمحوں کو زندگی بھر نہ
بھولتی"۔

نعمان اور عنبر کی شادی کا مسئلہ الجھ کر رہ گیا۔ نایاب نے محل سے واپس آتے
نعمان کی شادی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ سلطان کے رضا مند ہو جانے کے بعد تو ک
جھگڑے کا امکان ہی نہ تھا مگر تیسرے ہی دن نعمان منہ لٹکائے ہوئے اس کے پاس آ
نعمان اب تک نایاب کے محل میں منتقل نہ ہوا تھا اور پرانی حویلی میں رہ رہا تھا مگر نایاب
کے یہاں بلاناغہ آتا تھا کبھی کبھی تو اس کے دن میں تین تین پھیرے ہو جاتے تھے۔

نایاب نے نعمان کو افسردہ دیکھا تو وہ تڑپ اٹھی۔ وہ بھائیوں کی طرح اسے چا
تھی۔ اس نے ہنس کر پوچھا۔ "کیا ہوا میرے شہزادے کو کیا عنبر سے لڑائی ہو گئی"؟

"نہیں باجی"۔ نعمان نے افسردگی سے جواب دیا۔ "وہ بیچاری تو خود ہی مصیبت م
پھنس گئی ہے۔ اسے تو ایک لمحہ بھی قرار نہیں ہے"۔

"اب قرار آجائے گا"۔ نایاب نے ہنس کر کہا۔ "دو چار دن بعد میں سردار زنگی
ساتھ لے کر عنبر کی ماں کے پاس جاؤں گی۔ شادی کی تاریخ اسی دن پکی ہو جائے گی"۔

"میری شادی عنبر سے نہیں ہو سکتی باجی"۔ نعمان غمگین لہجے میں بولا۔ "سلطانہ عا

نے عنبر کی شادی اپنے بھائی ظل جاہ کے ساتھ طے کر دی ہے"۔

نایاب گھبرا گئی۔ پوچھا۔ "سلطانہ نے سلطان سے نہیں پوچھا؟ سلطان نے تو مجھے
اجازت دی ہے"؟

"مجھے کچھ پتا نہیں ہے باجی"۔ اور نعمان بچوں کی طرح سسکنے لگا۔ نایاب اسے تسلی
دے رہی تھی کہ سردار عمادالدین زنگی گھر میں داخل ہوا۔ اس کی پہلی نظر ان دونوں پر
پڑی۔ نایاب، نعمان کی طرف جھکی ہوئی کچھ کہہ رہی تھی۔ زنگی کو دیکھ کر سنبھلی اور جلدی
سے سر پر دوپٹہ ڈال لیا۔ زنگی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا ایک کمرے میں چلا گیا۔ نایاب
نے نعمان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجا اور تیز تیز قدموں سے شوہر کے پاس پہنچی۔ زنگی بغیر
لباس تبدیل کیے مسہری پر لیٹا تھا۔ اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ نایاب کے ذہن میں بھی نہ
تھا کہ زنگی اس وقت غصے میں بھرا ہوا ہے۔ اس نے زنگی کے ... شانے پر محبت سے ہاتھ
رکھتے ہوئے کہا۔ "سنئے۔ ایک مصیبت آپڑی ہے۔ آپ کچھ مدد کیجئے"۔

عمادالدین زنگی نے کروٹ لے کر نایاب کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور سخت لہجے میں
بولا۔ "مصیبت تو تم خود اپنے ساتھ لے کر آئی ہو۔ مجھ سے مدد مانگتے ہوئے شرم آنی
چاہئے"۔

نایاب ہکا بکا رہ گئی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس نے مردہ آواز میں
کہا۔ "سردار یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"؟

پھر جو نایاب نے رونا شروع کیا ہے تو خدا کی پناہ۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اس کی
سسکیوں پر تمام کنیزیں جمع ہو گئیں۔ وہ نایاب کو جتنا سنبھالتیں اتنا ہی نایاب مچھلی کی طرح
زیادہ تڑپتی۔ رو رو کر اس نے جان ہلکان کر لی۔ عورت کے آنسو دیکھنا بڑے دل گردے کا
کام ہے، پھر ایسی عورت جس سے مرد کو محبت ہو۔ ایسی عورت کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر
ہی سنگدل سے سنگدل مرد کا دل موم ہو جاتا ہے۔

زنگی گم سم بنا مسہری پر بیٹھا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ اسے اپنے اوپر بھی
غصہ آرہا تھا۔ بغیر نایاب کی بات سنے اس نے شک کیوں کیا نعمان کے بارے میں تو سلطان
نے بھی اسے سمجھایا تھا پھر اس نے جلد بازی کیوں کی کچھ پوچھا ہوتا۔ تحقیق کی ہوتی۔ زنگی
مسہری سے اٹھا اس نے کنیزوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا، پھر نایاب کے قریب بیٹھ کر اس کا
سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ نایاب کی سسکیاں بند ہو گئیں۔

زنگی نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "جان زنگی۔ مجھے معاف کر
دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی"۔

نایاب سنبھل کر بیٹھ گئی۔ پلو سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے بولی۔ "آپ مجھ سے م
مانگ کر گنہگار نہ کیجئے۔ غلطی میری ہے۔ میں نے کیوں ایک غیر بچے کو بھائیوں کی ا
چاہا"۔

"نہیں نایاب"۔ زنگی نے اس کے منتشر بال سمیٹتے ہوئے کہا۔ "میرا دل تمہا
طرف سے صاف ہو گیا۔ میں نعمان کو تمہارا بھائی ہی سمجھوں گا۔ سلطان نے مجھے حکم دا
کہ میں نعمان کو ساتھ رکھوں اور اس کی وفاداری پر شک نہ کروں"۔

"سردار۔ آج کے واقعے نے مجھ لرزا دیا ہے"۔ نایاب نے استقلال سے کہا۔ "
نعمان کو منع کر دوں گی کہ وہ یہاں نہ آیا کرے۔ شادی سے پہلے سلطان معظم اور نو
کے سوا میرا دنیا میں کوئی نہ تھا لیکن آپ میرے سرتاج اور محافظ ہیں۔ میں آپ کی محبۃ
سب کچھ قربان کر دوں گی۔ آپ نعمان کو یہاں کبھی نہ دیکھیں گے"۔

"نادان" زنگی نے نایاب کے گال تھپ تھپائے۔ "جب میں نے کہہ دیا کہ مجھے نو
سے کوئی شکایت نہیں تو پھر اسے روکنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اسے اپنے خا
سواروں میں شامل کر رہا ہوں"۔

نایاب کی ویران آنکھوں میں چمک آگئی اور اس نے زنگی کو کچھ اس انداز سے د
کہ اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اسی وقت کنیز نے اطلاع دی کہ شاہی چوبدار آیا
سلطان نے زنگی کو فوراً طلب کیا ہے۔ زنگی محبت سے پر اس ماحول کو چھوڑنا نہیں چاہتا
اس نے کنیز سے کہا۔ "چوبدار کو روکو۔ میں تیار ہو کر ابھی آتا ہوں"۔

کنیز کے جانے کے بعد زنگی نے پوچھا۔ "جان زنگی۔ وہ بات تو بتاؤ جو میرے شک ا
تمہارے آنسوؤں میں بہہ گئی تھی کیا مصیبت آ پڑی ہے تم پر۔ تمہاری مصیبت م
مصیبت ہے ہم دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے"۔

"سرتاج میں نے نعمان کی شادی طے کی تھی"۔

"ارے واہ۔ تم نے ہمیں خبر ہی نہ کی"۔ زنگی نے خوشی سے نایاب کی بات کا
دی۔

"یہی بتانے تو میں آپ کے پاس آئی تھی"۔ نایاب نے کہنا... شروع کیا۔ "نعمان
سلطانہ کی کنیز خاص کی بیٹی عنبر کو پسند کیا ہے میں نے اسے دیکھا ہے۔ بڑی خوبصورت ا
نیک بچی ہے"۔

"تو پھر نیک کام میں دیر کیسی۔ فوراً شادی کر دو"۔ زنگی نے پھر بات کاٹ دی۔
"سنئے تو میں نے شادی کی چپکے چپکے تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں لیکن سلطانہ

ساری خوشی خاک میں ملا دی ہے"۔ نایاب افسردہ ہو گئی اور اس کے آنسو چھلک آئے۔
سلطانہ کے نام سے سردار زنگی بھی مرعوب ہو گیا۔ آہستہ سے پوچھا۔ "کیا علیہ سلطانہ
کو نعمان پسند نہیں"؟

"نعمان کو انہوں نے دیکھا ہی نہیں"۔ نایاب نے کہا۔ "سلطانہ کے دور کے رشتے
کے ایک بھائی ہیں، ظل جاہ۔ انہوں نے آتے جاتے کہیں عنبر کو دیکھ لیا۔ بس لٹو ہو گئے
اس پر۔ انہوں نے سلطانہ سے کہا اور سلطانہ نے اعلان کر دیا کہ عنبر کی شادی ظل جاہ سے
ہو گی"۔

"یہ تو بہت برا ہوا"۔ زنگی کو بھی فکر لگ گئی۔ "علیہ سلطانہ کا کہا سلطان بھی نہیں
ٹال سکتا۔ اب کیا کیا جائے"؟

"یہی پوچھنے تو میں آپ کے پاس آئی تھی"؟

"خیر دیکھا جائے گا۔ میں کسی موقع پر سلطان سے ذکر کروں گا۔ اللہ نے چاہا تو بات
بن جائے گی"۔ زنگی جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

"آپ موقع کا انتظار کرتے رہیں گے اور عنبر بیاہ کر ظل جاہ کے پاس چلی جائے گی"۔
نایاب مایوسی سے بولی۔

"فکر نہ کرو نایاب۔ میں آج ہی سلطان سے بات کرنے کی کوشش کروں گا"۔

عمادالدین زنگی، سلطان کے پاس پہنچا تو اسے بہت فکر مند پایا۔ سلطان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا
تھا اور وہ مہینوں کا بیمار لگ رہا تھا۔

"زنگی"۔ سلطان نے دھیمی آواز میں کہا۔ "سلجوقی امیروں میں ہمیں تم پر سب سے
زیادہ اعتماد ہے ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہیں اب تک نظرانداز کرتے رہے لیکن اب ہم
تمہاری صلاحیتوں کے قائل ہو گئے ہیں۔ ہم نے ایک فرمان جاری کیا ہے جس کی رو سے
.... تمہیں، امیر کا خطاب دیا گیا ہے"۔

"عالیجاہ میری جان آپ پر قربان ہو"۔ زنگی نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے لئے
تو حضور کی خدمت ہی سب سے بڑا اعزاز ہے میں کوشش کروں گا کہ سلجوقی خاندان کی
خدمت کرتے کرتے میری عمر گزر جائے"۔

"ہم نے تم سے بڑی امیدیں لگا رکھی ہیں امیر زنگی"۔ سلطان نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔
"اس وقت ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ سلطانہ کی طبیعت ایک دم خراب ہو گئی
ہے۔ سلطانہ چونکہ سلطان عظیم کی بیٹی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان کا علاج بڑے
معقول طریقے سے کیا جائے۔ اس علاج کی ذمے داری ہم تمہیں سونپتے ہیں۔ شاہی طبیب

کے علاوہ دور اور نزدیک کے جس طبیب کو تم چاہوں بلا سکتے ہو۔ ہمیں سلطانہ سے بے
محبت ہے خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو ہم بھی زندہ نہ رہیں گے"۔

"ظلِ سبحانی قطعی فکر نہ کیجئے۔ زنگی سلطانہ کے علاج میں اپنی جان لڑا دے گا"۔

زنگی اپنے گھر واپس آیا۔ اس نے نایاب کو سلطانہ کی بیماری کی خبر سنائی اور اسی
ایک تیز رفتار سوار کو بغداد روانہ کیا اسے معلوم تھا کہ بغداد کے دربار خلافت سے کئی
قسم کے طبیب وابستہ ہیں۔ اس نے سوار کو خلیفہ کے نام ایک خط دیا تھا جس میں اس
درخواست کی تھی کہ سلجوقی سلطانہ کی جان بچانے کے لئے وہ اپنے خاص طبیب فوراً ہم
روانہ کر دیں۔

انسان لاکھ تدبیر کرے مگر تقدیر پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ زنگی کا سوار ابھی بغداد
راستے ہی میں تھا کہ سلطانہ کا انتقال ہو گیا۔ ہمدان کے طبیب اس کے مرض کی تشخیص
نہ کر پائے تھے کہ سلطانہ اس دنیا سے منہ موڑ گئی۔ زنگی جس وقت نایاب کو ساتھ لے
شاہی محل میں پہنچا تو وہاں قیامت کا منظر تھا۔ سلطان محمود کی عزیز ترین بیگم کی موت
طوفان برپا کر دیا تھا۔ غلام اور کنیزیں دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ امراء سلطان کو گھیر
ہوئے اسے سنبھال رہے تھے۔ سلطان ایک شب پہلے نڈھال ہو گیا تھا اس وقت تو ا
حال نہ دیکھا جاتا تھا۔ کبھی سر کے بال نوچتا کبھی منہ پر طمانچے مارتا۔ اس کا گریبان چاک
اور دیوانوں کی طرح محل کے کمروں میں بھاگتا پھرتا تھا۔ نو عمر شہزادہ داؤد اپنی ماں کی لا
سے چمٹ کر پچھاڑیں کھا رہا تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد سلطانہ کے جنازے کا خاموش جلوس آخر منزل کی طرف روا
ہوا۔ سلطان محمود برہنہ سر اور برہنہ پا جنازے کے ساتھ تھا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر ا
ہنستی بولتی سلطانہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دب گئی۔ سلطانہ کا باپ سلطان سنجر عظیم سلج
جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ وہ پانچویں دن ہمدان پہنچ سکا۔

سلطان محمود سلجوقی کو ممکن ہے کوئی پوشیدہ بیماری بھی ہو لیکن سلطانہ کی موت
اسے ہمیشہ کے لئے صاحب فراش کر دیا اس نے دربار میں جانا ترک کر دیا۔ صرف چند ا
کو اس سے ملنے کی اجازت تھی۔ شاہی دربار اجڑ گیا سلطانہ کا محل اس سے پہلے ہی ا
گیا تھا۔ عنبر کی ماں محلات کی سردارنی تھی۔ سلطانہ کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کی تما
ماتحتوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ سلطان بیمار تھا۔ وہ کسی سے شکایت بھی نہ کر سکتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صلیبی، اسلامی سلطنتوں پر چھاتے چلے جا رہے تھے۔ مسلمانوں
ایک ایک کر کے کئی علاقے انکے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ دمشق، حماۃ، حمص اور حلب

علاوہ تمام علاقوں پر صلیبیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ اس قدر
منہ زور ہو گئے تھے کہ چھوٹے چھوٹے مسلمان حاکموں سے خراج وصول کرتے تھے۔
سلطان کی طویل بیماری نے ملک میں خانہ جنگی کی صورت پیدا کر دی تھی۔ سلطان کے بھائی
اور دوسرے عزیز اپنے اپنے لشکر درست کر رہے تھے تاکہ سلطان کے مرتے ہی حکومت پر
قبضہ کر لیں۔

عنبر کی ماں محل کے حالات سے بد دل ہو گئی۔ اس کی کنیزیں بات بات پر اس کی توہین
کرتیں، مذاق اڑاتیں۔ نعمان کئی بار محل گیا لیکن محل کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ کنیزیں جو اس
کی آؤ بھگت کرتی تھیں، انہوں نے اس سے بات کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ ایک کنیز نے بڑی
مہربانی کو تو نعمان کو یہ خبر سنائی کہ عنبر کی ماں اسے لے کر کہیں چلی گئی ہے۔ نعمان کا دل
ٹوٹ گیا اس نے محل جانا چھوڑ دیا۔ نعمان کو یہ خبر غلط پہنچائی گئی تھی لیکن تقدیر کی گردش
دیکھئے کہ چند ہی دنوں کے بعد عنبر کی ماں نے شاہی محل ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور جوان
جہان عنبر کو لئے آنسو بہاتی کسی طرف نکل گئی۔

ادھر سلطان محمود نے بستر پر پڑے پڑے امیر عمادالدین زنگی کو موصل کی امارت کا
پروانہ عطا کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ موصل پہنچ کر لشکر اکٹھا کرے اور صلیبی سیلاب سے
مسلمان علاقوں کو بچائے۔ نعمان، عنبر کی طرف سے مایوس ہو گیا تھا۔ وہ بھی امیر زنگی کے
ساتھ موصل چلا گیا۔ زنگی نے موصل پہنچ کر وہاں کا بگڑا ہوا نظام.... اپنے حسن تدبیر سے
درست کیا اس وقت شام، کردستان اور جزیرہ میں چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران ایک
دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ اس سے اسلامی طاقت کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا۔ امیر
زنگی نے پہلے انہی حاکموں کی مزاج پرسی کی۔ ان کے خلاف کارروائیوں میں نعمان کے
اصل جوہر کھلے۔ اس نے مردانگی کے اور شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ امیر زنگی کا دل
خوش ہو گیا۔

ایک شب امیر زنگی نے نایاب سے کہا۔ "میں سمجھتا تھا کہ یہ لڑکا صرف عشق و عاشقی
میں آنسو بہانا جانتا ہے لیکن اس نے تو کمال کر دیا"۔

نایاب چہک کر بولی۔ "آخر بھائی کس کا ہے۔ یہ بھی آپ نے غور فرمایا ہے"؟

"وہ تو خیر ظاہر ہی ہے"۔ امیر زنگی ہنسا پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمام
محلات میں عنبر کی ماں کو تلاش کرایا تھا لیکن کہیں پتہ نہ چل سکا۔ نعمان بے چارے کا نہ
معلوم کیا حال ہو گا"۔

"امیر محترم۔ نعمان کے حق میں یہ اچھا ہی ہوا"۔ نایاب نے کہا۔ "نہ اس کا دل ٹوٹتا

اور نہ اس سے یہ بہادری ظاہر ہوتی"۔

"یہ تو ٹھیک ہے نایاب"۔ امیر افسردگی سے بولا۔ "مگر اسے عنبر ملنا چاہئے۔ خ
نہ معلوم اسے لئے کہاں کہاں پھر رہی ہوگی"۔

اس رات کے بیشتر حصے میں میاں بیوی نعمان ہی کا ذکر کرتے رہے۔

امیر عمادالدین زنگی نے تمام چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو زیر کیا اور موص
انتظامات سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اس نے شام کے ان علاقوں کا رخ
پر صلیبیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ شام میں صلیبیوں کا سب سے بڑا قلعہ اثارب تھا
مرکز سے نکل کر صلیبی، مسلمان علاقوں پر یورش کرتے تھے۔ امیر زنگی نے ۱۱۲۸ء
اثارب پر فوج کشی کی۔ صلیبیوں نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا۔ بڑی خونریز جنگ ہ
صلیبیوں نے بہت زور مارا مگر زنگی کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ صلیبیوں کو
فاش ہوئی۔ مسلمانوں کی عیسائیوں کے خلاف یہ پہلی فتح تھی۔ اس فتح سے دنیائے اسلا
مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

فتح کی رات زنگی نے پھر نایاب سے کہا۔ "نعمان نے آج ثابت کر دیا کہ وہ ا
کا ایک بہادر شہسوار ہے"۔

"میرے سرتاج یوں نہیں کہتے کہ نعمان شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ
بھائی بھی ہے"۔ اور نایاب کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"اب تو مجھے بھی عنبر کی فکر ہو گئی ہے"۔ زنگی نے فکر مندی سے کہا۔ "میرا
ہے کہ وہ بغداد گئی ہوگی۔ میں کل ہی دربار خلافت میں عرضی بھیجوں گا اور خلیفہ
درخواست کروں گا کہ اس بے سہارا کو تلاش کرانے میں میری مدد کریں"۔

صبح کو حارم کے قلعے کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اس نے اس مضمون
عریضہ دربار خلافت میں بھجوا دیا۔ اثارب کے قلعے پر قبضے کے بعد زنگی نے اسے م
دیا تھا۔ اس جنگ میں بے شمار عیسائی مارے گئے تھے، باقی بھاگ کر حارم کے قلعہ
گئے تھے۔ یہ عیسائیوں کا دوسرا مرکز تھا۔ امیر زنگی نے حارم پہنچتے ہی قلعہ کا محاصرہ
عیسائیوں کو کھلے میدان میں جنگ کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ ام
محاصرہ سخت سے سخت تر کرتا چلا گیا۔ قلعہ والے گھبرا اٹھے۔ اثارب کا حال وہ دیکھ
تھے۔ حارم کا بھی انہیں وہی حشر نظر آرہا تھا۔ چند ہی دنوں بعد عیسائیوں نے صلح کی
چیت شروع کر دی۔

امیر عمادالدین زیادہ دن تک موصل سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا۔ ادھر سلطان محمو

لق طرح طرح کی افواہیں اڑ رہی تھیں۔ شخصی حکومت میں اگر بادشاہ دو دن کے لئے
دربار سے غیر حاضر ہو جائے تو لوگوں کو اس کی موت کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ سلطان کی
ی کو تو دو سال گزر چکے تھے۔ زنگی اپنے لشکر کو بھی آرام دینا چاہتا تھا۔ اس نے صلح کی
چیت میں دل چسپی ظاہر کی۔ عیسائیوں نے حارم کی نصف آمدنی دینے کی زنگی کو پیش
کی۔ امیر نے یہ بات منظور کر لی اور کامیاب و کامراں موصل واپس ہوا۔

قلعہ اثارب اور حارم کی فتوحات پر دنیائے اسلام میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں
اسی وقت سلجوقی سلطنت میں صف ماتم بچھ گئی۔ امیر عمادالدین نے ابھی موصل میں
رکھا تھا کہ سلطان محمود سلجوقی کش مکش حیات سے آزاد ہو گیا۔ سلجوقی امراء اور شاہی
ان کے افراد میں جو لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا، وہ سلطان کی موت کی خبر اڑتے ہی
ٹ پڑا۔ سلطنت کے دعویدار خم ٹھونک کر سامنے آگئے۔ امیروں کی وفاداریاں کئی
وہوں میں تقسیم ہو گئیں۔

سلطان محمود کی وفات صرف ستائیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اسے شاید اس قدر
مر جانے کا امکان نہ تھا اسی لئے اس نے اپنے بیٹے داؤد کی ولی عہدی کا اعلان بھی نہ
تھا۔ اتنا ضرور تھا کہ بعض امیروں نے شہزادہ داؤد کو .... ولی عہد تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ
طان محمود کی وفات پر وزیر سلطنت ابوالقاسم اور اتابک آق سنقر نے (واضح رہے کہ آق
قر، عمادالدین زنگی کے باپ کا نام بھی تھا) سلطان کے کم سن بیٹے داؤد کو تخت نشین کر

داؤد کے تین چچا طغرل، مسعود اور سلجوق شاہ تھے جو سلجوقی تخت و تاج پر اپنا حق
ھتے تھے۔ انہوں نے داؤد کی تخت نشینی کو تسلیم نہ کیا اور اپنے لشکر لے کر میدان میں
گئے اس وقت کا دستور تھا کہ خلیفہ بغداد سے سند مانگی جاتی تھی عباسی خلیفہ مسترشد برسر
دار تھا۔ داؤد نے سب سے پہلے اپنی درخواست خلیفہ کو بھیجی کہ اسے سلجوق سلطنت کی
شاہت کی سند عطا کی جائے۔ اسی دوران داؤد کا چچا مسعود اپنا لشکر لے کر ہمدان پہنچ گیا۔
ن نے بھی اپنی بادشاہت کی سند کے لئے خلیفہ کو درخواست بھیج دی۔

خلیفہ مسترشد تھا تو نام کا خلیفہ لیکن سلجوقیوں کے اثر سے آزاد ہونے کی فکر میں لگا
تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ .... سلجوقیوں کا کوئی ایسا سلطان بنے جو اس کے اثر میں رہے اس
دونوں درخواستیں رکھ لیں اور خاموش ہو کر بیٹھ رہا۔

داؤد کا دوسرا چچا سلجوق شاہ زیادہ چالاک تھا۔ وہ سند کی درخواست بغداد بھیجنے کی
پورے لاؤ لشکر کے ساتھ خود ہی بغداد پہنچ گیا۔ سلجوق شاہ کا ساتھ اتابک قراجہ ساقی

دے رہا تھا جس کے ساتھ خوزستان اور فارس کا بہت بڑا لشکر تھا۔ خلیفہ مسترشد نے
بھی خوش آمدید کہا اور محل میں اتارا۔

امیر عمادالدین زنگی کی ہمدردیاں مسعود کے ساتھ تھیں مسعود کو معلوم ہوا کہ
شاہ بغداد پہنچ گیا ہے تو اس نے خلیفہ کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ اگر اسے سند نہ
اور اس کا نام خطبہ بغداد میں نہ پڑھا گیا تو وہ قوت استعمال کرے گا۔ خلیفہ کے پاس
وقت اپنی فوج کے علاوہ قراجہ ساقی کا کثیر لشکر موجود تھا۔ اس نے مسعود کی دھمکی کی
پروا نہ کی۔ مسعود کا سب سے بڑا حلیف امیر عماد الدین زنگی تھا۔ مسعود نے اسے حکم
فوراً بغداد پہنچے اور سلجوق شاہ کو وہاں سے نکالے۔

نایاب کی شادی جس دن سے زنگی کے ساتھ ہوئی تھی اسے ایک دن بھی چین
تھا۔ امیر زنگی کسی نہ کسی جنگ میں الجھا رہتا۔ وہ نایاب کو عام طور سے اپنے ساتھ ر
نایاب جنگ اور جنگی مناظر دیکھتے دیکھتے تھک گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ امیر زنگی سا
مہینے کہیں ٹک کر بیٹھے مگر زنگی کو تو گھوڑے کی پیٹھ ہی پر لطف آتا تھا۔

نایاب نے امیر زنگی کے بغداد جانے کی سخت مخالفت کی۔ اس نے کہا۔ "ان سلا
اور بادشاہوں کو تو بس حکم دینا آتا ہے۔ آخر یہ لوگ کیوں نہیں دیکھتے کہ کسی کو گھر
ہے کچھ دن عیش و عشرت کی زندگی بھی گزارنا ہے"۔

"نایاب"۔ امیر زنگی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "تمہارا امیر جس دور سے
ہے اس دور میں اگر اس کی تلوار کا خون خشک ہو جائے تو اس کی عزت، شہرت اور ا
ختم ہو جاتی ہے"۔

"تو کیا آپ عمر بھی یونہی میدانوں میدانوں گھومتے پھریں گے"؟ نایاب ادا سے بولی
آپ ہی آپ شرما گئی اور سر جھکا کر کہا۔ "امیر آپ جانتے ہیں کہ مجھے بھی ان دنوں
کی ضرورت ہے"۔

"اچھا"۔ کہہ کر امیر نے نایاب کو غور سے دیکھا پھر کہا۔ "پھر میں نایاب کو اس
بغداد نہیں لے جاؤں گا"۔

"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ نایاب تیزی سے بولی۔ "کیا میں یہاں اکیلی رہوں گی
"میں نعمان کو تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا"۔ امیر کے منہ سے نکلا تھا کہ نعمان
میں داخل ہوا۔ "لو وہ نعمان آگیا۔ اس سے پوچھتے ہیں"۔

نعمان کے کان میں اپنے نام کی آواز پڑ گئی تھی۔ اس نے امیر اور نایاب کو
ادب بڑی سعادت مندی سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"نعمان اس بار تمہاری باجی ہمارے ساتھ نہیں جا رہی ہیں"۔

"کیوں خیر تو ہے"؟ نعمان گھبرایا۔

"ہاں .... یہ .... انہیں آرام کی ضرورت ہے"۔ زنگی نے گفتگو میں وقفہ دے کر اپنا
مفہوم ادا کر دیا۔

نعمان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "باجی یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بغداد ہم پہلی
مرتبہ جا رہے ہیں۔ آپ ساتھ ہوتیں تو خوب سیر کرتے"۔

"پہلے ہی بہت سیر ہو چکی ہے"۔ نایاب نے جل کر کہا۔ "ان مسلسل جنگوں نے تو
شہروں کے چہرے بگاڑ دیئے ہیں۔ ہمارے قدم ایسے منحوس ہیں کہ ہم جس شہر میں قدم
رکھتے ہیں وہ پہلے ہی تباہ ہو چکا ہوتا ہے"۔

"نا... نا... باجی، ایسا نہ کہیے"۔ نعمان نے اسے منع کیا۔ "شہر تباہ نہیں ہوتے بلکہ
ہمارے امیر زنگی کو دیکھ کر شہر کی دیواریں زمین بوس ہو جاتی ہیں اور سجدے میں گر کر امیر
کو فتح کی مبارک باد دیتی ہیں"۔

"شاباش نعمان"۔ امیر عمادالدین زنگی نے نعمان کی پیٹھ تھپکی۔ "اپنی بہن کو تم ہی
جواب دے سکتے ہو"۔ پھر ذرا ٹھہر کر بولا۔ "نعمان میرا خیال ہے اس دفعہ تم نایاب کے
پاس ہی رہو"۔

نعمان نے اس کا جواب پہلے ہی سوچ لیا تھا اس نے فوراً جواب دیا۔ "امیر محترم۔ کیا
یہ آپ کا حکم ہے"؟

"نہیں نعمان"۔ امیر زنگی نے مسکرا کر کہا۔ "امیر کا حکم صرف میدان جنگ میں چلتا
ہے۔ یہ تو گھر ہے۔ گھر میں سب برابر ہوتے ہیں"۔

"امیر مجھے افسوس ہے کہ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے باجی کی پٹی کے پاس نہیں بیٹھنا
چاہتا"۔ نعمان نے ذرا جوش سے کہا۔ "میرے ساتھی یہی کہیں گے کہ نعمان چوڑیاں پہن
کر گھر بیٹھ گیا ہے۔ یہ بات شاید باجی نایاب بھی پسند نہ کریں"۔

نایاب چاہتی تھی کہ بغداد کی جنگ کچھ عرصے کے لئے ٹل جائے اور دونوں ہی موصل
میں رہیں پھر جب امیر نے کہا کہ وہ نعمان کو اس کے پاس چھوڑ جائے گا تو اسے کچھ
اطمینان ہوا تھا لیکن نعمان نے بات اسی پر ڈال دی۔ نایاب سوچتے ہوئے بولی۔ "مجھے تنہا
رہنا پسند ہے لیکن میں اپنے بھائی پر جس نے امیر کے ساتھ شہرت حاصل کی ہے، بزدلی کا
الزام نہ لگنے دوں گی"۔

"باجی نایاب زندہ باد"۔ نعمان نے نعرہ لگایا اور ہنسنے لگا۔

امیر زنگی اس حالت میں اپنی بیگم کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔
اس وقت ایک کنیز اندر آئی اور امیر سے کہا۔ "امیر عالی مقام۔ کچھ خواتین آپ سے

ملاقات کرنا چاہتی ہیں"۔

"خواتین؟ مجھ سے"؟ امیر نے بوکھلا کر کنیز کو دیکھا۔

نایاب نے اسی وقت ٹکڑا لگایا۔ "امیر آپ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گ
ہے۔ ابھی تو خواتین ملنے آئی ہیں کچھ دونوں کے بعد خواتین کے پیغامات آنا شروع
جائیں گے"۔

امیر زنگی کھسیانا سا ہو گیا۔ اس نے نایاب کو گھور کر دیکھا۔ نعمان نے نایاب کے ا
طنز سے خوب لطف اٹھایا لیکن فوراً سر جھکا لیا تاکہ امیر اس کے سامنے شرمندگی نہ محسو
کرے۔

کنیز نے خواتین کو انتظار کے کمرے میں بٹھا دیا تھا۔ امیر زنگی کمرے میں داخل ہوا
وہاں دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ دونوں زنگی کے لئے اجنبی تھیں۔ عورتیں اسے دیکھ کر تعظ
کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

امیر عمادالدین زنگی نے نرمی سے پوچھا۔ "بہن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے آپ
کہاں دیکھا ہے پھر بھی آپ فرمایئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"؟

عورتوں میں ایک عمر رسیدہ تھی۔ اس نے بے تابی سے پوچھا۔ "کیا نعمان آپ
ساتھ رہتے ہیں"؟

"ہاں ہاں وہ میرے ہی ساتھ رہتا ہے"۔ امیر نے جواب دیا۔ "اس وقت گھر
موجود ہے"۔

"اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے"۔ عورت نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے امیر
کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ میری بیٹی ہے۔ نعمان کی امانت۔ اگر نعمان اسے قبول کر
تو میں سمجھوں گی کہ مجھے سب کچھ مل گیا ہے"۔

"تمہاری بیٹی"! امیر نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا "کیا یہ عنبر ہے۔ تم عنبر کی
ہو"؟

"جی ہاں امیر۔ میں عنبر کی ماں ہوں"۔ اور اس عورت کے آنسو بہنے لگے۔

"ارے نایاب"۔ امیر وہیں سے چلایا۔ "جلدی آؤ۔ دیکھو کون آیا ہے۔ نعمان تم
آؤ عنبر کی اماں آئی ہیں"۔

امیر کی آواز پر نایاب اور نعمان تیزی سے کمرے میں آئے نعمان کی نظر سب
پہلے عنبر پر پڑی۔ اس کی زبان سے صرف "عنبر" نکل سکا عنبر بھی جذبات پر قابو نہ رکھ
اور نعمان کہہ کر رونے لگی۔

نایاب نے عنبر کی ماں کو سلام کیا اور عنبر کو گلے لگا کر تسلی دینے لگی۔ یہ بڑا

چسپ اور خوش گوار ملاپ تھا۔ عنبر..... اور نعمان کو ایک دوسرے سے ملنے کی کوئی امید نہ
تھی۔ عنبر کی ماں عنبر کو لئے خاک چھانتی بغداد پہنچی۔ خلیفہ کے پاس امیر زنگی کا خط پہنچ چکا
تھا۔ خلیفہ مسترشد' امیر زنگی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بہت خائف تھا اور اسے پسند نہ کرتا
تھا۔ لیکن ہمدان اور بغداد میں جو حالات پیدا ہو رہے تھے اس کے پیش نظر خلیفہ نے
پورے بغداد میں عنبر کی ماں کو تلاش کرایا عنبر اور اس کی ماں برآمد کر لی گئیں۔ خلیفہ نے
اسی وقت پانچ محافظوں کے پہرے میں عنبر اور اس کی ماں کو موصل بھجوا دیا۔

امیر نے خلیفہ کے آدمیوں کو انعام و اکرام سے نہال کر کے بغداد واپس بھیج دیا اور
اسی شام نعمان اور عنبر کا عقد پڑھایا گیا کیوں کہ دوسرے دن امیر زنگی اور نعمان کو بغداد
روانہ ہونا تھا۔

امیر نے رات کو نایاب سے کہا۔ "اب تم اکیلی نہیں رہوں گی نایاب۔ اپنے گھر غیبی
فرشتے آگئے"۔

"مگر امیر"۔ نایاب شوخی سے بولی۔ "کیا یہ نعمان پر ظلم نہ ہو گا کہ اسے دلہن سے
ایک دن کے بعد جدا کر دیا جائے"؟

"نایاب یاد رکھو"۔ امیر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "سپاہی کو جو لطف میدان جنگ میں
ملتا ہے وہ اسے پھولوں کی سیج پر حاصل نہیں ہوتا"۔

نایاب اپنے شوہر کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

دوسرے دن امیر عمادالدین زنگی اور نعمان لشکر لئے بغداد جا رہے تھے۔

خوبصورت قیدی

سلطنت روما کی مشرقی چوکی روشنیوں میں جگمگا رہی تھی۔

جاسوسوں نے راسیں کھینچ کے گھوڑے روک لیے۔ یہ دونوں سوار گزشتہ دو ماہ سے مسلسل سفر کرتے آرہے تھے۔ موصل سے قسطنطنیہ کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں لیکن وہ دن کے بجائے رات میں سفر کرتے تھے۔ اس سفر میں وہ مسلم علاقے سے بھی گزرے اور نصرانیوں کی زمین بھی ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے رہی۔ وہ مسلمان تھے اگر چاہتے تو مسلم آبادیوں میں ٹھہر سکتے تھے۔ ان کا تعلق امیر عمادالدین زنگی کی سلطنت سے تھا اور اس سلطنت کے مسلمان اپنے مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے تمام عالم اسلام میں شہرت رکھتے تھے لیکن انھیں مسلمانوں اور نصرانیوں سے اپنی شخصیت چھپانا تھی تاکہ وہ بغیر کسی پریشانی کے مشرقی رومی سلطنت کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پہنچ سکیں۔ اور قسطنطنیہ ہی ان کی کارروائیوں کا مرکز تھا۔

گرانڈیل سوار نے چوکی کی روشنیوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یوسف! خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقام پر آپہنچے جہاں سے ہمیں اپنے کام کا آغاز کرنا ہے۔ یاد رکھو ہم امیر زنگی کے باغی سوار ہیں۔ امیر نے ہماری گرفتاری کے لیے اپنا ایک دستہ مقرر کیا ہے اور ہم اس سے جان بچاتے یہاں تک پہنچے ہیں"

کم عمر جوان جو اپنے ساتھی کی باتیں غور سے سن رہا تھا' اس کے خاموش ہونے پر

بولا۔ "میرے آقا! یہ باتیں آپ مجھے ہر پڑاؤ پر سمجھاتے ہیں اور انھیں سنتے سنتے میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ میں امیر زنگی کا واقعی باغی ہوں اور میرے دل میں ان کے لیے نفرت سی پیدا ہونے لگتی ہے"

"شاباش یوسف" ساتھی نے خوش ہو کر کہا۔ "ہم دونوں کو اپنا ذہن انہی خطوط پر ڈھالنا ہے۔ اگر ہم شہنشاہ قسطنطنیہ کے سامنے خود کو امیر زنگی کا باغی ثابت کرنے میں ناکام رہے تو ہمیں یا تو کسی قید خانے میں ڈال دیا جائے گا یا پھر غلام بنا کے فروخت کر دیا جائے گا۔"

"آقا' آپ اطمینان رکھیے۔ امیر زنگی نے ہم پر اعتماد کیا ہے ہم ان کے اعتماد کو مجروح نہ ہونے دیں گے۔" یوسف نے بڑے جوش سے کہا

"تو پھر بسم اللہ کرو۔" ساتھی نے کہا۔ "اپنے گھوڑے کو پیچھے ہٹا کر اس تیز رفتاری سے چوکی میں داخل ہو کہ رومی یہ سمجھیں کہ تمھارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔"

یوسف اور گرانڈیل سوار اپنے گھوڑوں کو کچھ دور پیچھے ہٹا کے لے گئے پھر ایڑ دے کر آندھی اور طوفان کی طرح گھوڑے بھگانے لگے۔ ابھی رات کا پہلا حصہ تھا اور چوکی کے رومی سوار اور پیادے کھانے کا انتظام کر رہے تھے۔ انھوں نے دو اجنبی سواروں کو چوکی میں بے تحاشا داخل ہوتے دیکھا تو ہکا بکا رہ گئے مگر وہ فوراً سنبھلے اور گھوڑوں پر سوار ہو کے ان کے پیچھے بھاگے۔ یوسف اور اس کے ساتھی نے تھوڑی دور جا کر گھوڑوں کی رفتار کم کر دی اور جب رومی ان کے پاس پہنچے تو دونوں گھوڑے روک کر نیچے اتر آئے۔

"قیصر روم کی دہائی ہمیں دشمنوں سے بچالو۔" یوسف نے ہانپتے ہوئے کہا۔ وہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اور بار بار پیچھے کی طرف گھوم کے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

رومی انھیں بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کے لباس سے انھیں اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں پھر بھی ایک رومی سردار نے دریافت کیا۔ "تم لوگ مسلمان معلوم ہوتے ہو؟"

"ہاں سردار ہم مسلمان ہیں۔" یوسف نے سانس سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اب مسلمان ہی ہمارے دشمن ہو رہے ہیں۔ ہم تمہیں حضرت یسوع مسیح کا واسطہ دیتے ہیں۔ ہمیں ان کے حوالے نہ کرنا۔ وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔"

"کس کے حوالے نہ کرنا' کون ہے تمھارا دشمن؟" سردار نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔" یوسف نے سہمی نظروں سے مشرق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ موصل سے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہمیں بچاؤ' اپنی پناہ میں لے لو۔"

سردار کو یوسف کی حالت پر رحم آگیا۔ اس نے یوسف کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

۔"گھبراؤ نہیں۔ تم اب قیصر روم شہنشاہ جان کامنی نس کی حدود مملکت میں ہو۔ یہاں سوائے ہمارے کوئی اور تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ اب بتاؤ' تم کون ہو اور تم پر کیا بیتی ہے؟"

"میرا نام یوسف ہے۔" یوسف نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "اور یہ ہیں میرے آقا اسد الدین۔ میرے آقا امیر موصل عماد الدین زنگی کے ایک معتمد سردار تھے لیکن امیر کے بعض سرداروں سے ان کا جھگڑا ہو گیا۔ میرے آقا بہت بڑے شمشیرزن ہیں۔ انھیں غصہ آگیا اور بارہ سرداروں کو انھوں نے اکیلے قتل کر دیا۔ سردار آپ غور کیجیے یہ بہادری کا کتنا بڑا کارنامہ تھا مگر امیر موصل نے میرے آقا کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اپنے آقا کے بغیر میری زندگی اجیرن ہو گئی۔ میں جان توڑ کوشش کر کے آقا کو قید خانے سے نکال لایا۔ جب سے اب تک ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے' پھر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ رومی سلطنت میں داخل ہو کے ہم آپ سے پناہ مانگیں۔"

سردار یہ باتیں غور سے سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یوسف تمھاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ایک امیر یا بادشاہ کے مجرم ہو اور کسی دوسرے ملک کے شاہی مجرم کو مجھ جیسا ایک چوکی کا سردار پناہ نہیں دے سکتا۔"

"مگر سردار' اگر ہمارے دشمن یہاں آجائیں اور آپ سے ہمیں طلب کریں تو آپ ہمیں واپس تو نہیں کیجیے گا۔" یوسف نے گھبراتے ہوئے کہا اور پر امید نظروں سے سردار کو دیکھنے لگا۔

سردار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "رومی سرحد میں کوئی داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکتا اور اگر تمھارے دشمن یہاں آگئے تو تمھیں واپس کرنے کی بجائے ہم انھیں بھی گرفتار کر لیں گے۔"

"میں اور میرے آقا آپ کے شکر گزار ہیں۔" یوسف نے کہا۔

"اپنے ہتھیار اور دوسری چیزیں ہمارے حوالے کر دو۔" سردار نے گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کل ہی تمھیں قسطنطنیہ بھیج دیں گے۔ تم وزیر سلطنت کے سامنے اپنی روداد پیش کرنا۔ انھوں نے مناسب سمجھا تو وہ تمھیں قیصر روم کے سامنے پیش کر دیں گے' ورنہ انکے خیال میں تم جس قابل ہو اس کے مطابق تمھارے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔"

"سردار! کیا آپ کو امید ہے کہ شہنشاہ روم یا وزیر سلطنت ہمیں پناہ دے دیں گے؟" یوسف نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"میں اس کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا"۔

"آپ ہماری سفارش تو کر سکتے ہیں؟"

"تم کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" سردار ناگواری سے بولا۔ "قیصر روم کے دربار میں سفارش کرنا تو الگ بات ہے وہاں داخل ہونے کے لیے بڑے بڑے والیان ریاست کو مہینوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ تمھیں پہلے وزیر سلطنت جان قوش (جان کوس) کو مطمئن کرنا ہو گا۔ وہ چاہیں تو تمھاری سفارش کر سکتے ہیں۔"

یوسف اور اسد الدین کی تلاشی شروع ہوئی۔ انھوں نے رومی چوکی میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی تلواریں اور کمانیں جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں پوشیدہ کر دی تھیں۔ سوائے خنجر کے انکے پاس سے اور کچھ نہ نکلا۔ اسد الدین اس دوران بالکل خاموش رہا تھا مگر جب انھیں مسلح سواروں کے پہرے میں ایک خیمے میں رکھا گیا تو اسد الدین نے آہستہ سے کہا۔ "میں گھبرا رہا تھا کہ کہیں تمھارے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے کہ ہم پہلی ہی سیڑھی پر پکڑے جائیں مگر تم نے کمال کر دیا۔ سردار ہماری طرف سے مطمئن ہو گیا ہے۔"

"آقا یہ سب آپ کی مہربانی اور تربیت کا طفیل ہے۔" یوسف نے بڑے ادب سے کہا۔ "سب سے کٹھن وقت تو وہ ہو گا جب ہمیں قیصر کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

"قیصر نہیں یوسف۔" اسد الدین نے ٹوکا۔ "پہلے ہمارا وزیر سلطنت سے سابقہ پڑے گا۔"

"آپ نے ٹھیک فرمایا آقا۔" یوسف نے غلطی تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں یہ وزیر سلطنت درمیان میں کہاں سے آگیا۔ معلوم نہیں کس دماغ کا ہے وہ۔"

"آگے میں سنبھال لوں گا' تمھیں فکر کی ضرورت نہیں۔" اسد الدین نے اسے تسلی دی۔ "وزیر سلطنت اور قیصر سے میں گفتگو کروں گا۔ تم صرف اس وقت بولنا جب تم سے سوال کیا جائے اور جواب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا کہ تم عماد الدین زنگی کے باغی ہو۔ زنگی کی جس قدر ہو سکے برائی کرنا ہی ہمارے لیے مفید ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "آقا! میں آپ کے حکم کی پوری تعمیل کروں گا مگر اب جو ایک نئی مشکل آپڑی ہے اس کا آپ نے کیا حل سوچا ہے؟"

"یوسف!" اسد الدین نے سخت لہجے میں کہا۔ "مشکل کا نام نہ لو۔ ہم مشکلات ہی سے کھیلنے تو آئے ہیں۔ ہمارے اس سفر اور منصوبے کی بنیاد ہی مشکلات پر رکھی گئی ہے۔ ہمیں انہی کانٹوں کے درمیان سے راستہ بنانا ہے۔"

یوسف سہم گیا۔ بولا۔ "آقا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ ایک مانے ہوئے شمشیرزن ہیں۔ آپ کے جوہر میدان جنگ میں کھلتے ہیں۔ یہ جاسوسی کی ذمہ

داری ---"

"اب ان باتوں کے سوچنے سے کچھ حاصل نہیں" اسد الدین نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے دیکھا نہیں کہ محترم امیر عمادالدین زنگی نے اس کام کے لیے پچاس سرداروں میں سے میرا انتخاب کیا۔ جس طرح تم میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو اس طرح میرا فرض ہے کہ میں اپنے امیر کے اعتماد کو برقرار رکھوں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

یوسف نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسد الدین کو معاً خیال آیا۔ اس نے پوچھا۔ "یوسف تم کسی مشکل کا ذکر کر رہے تھے مجھے بتاؤ۔ میں اسے حل کرنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔"

یوسف نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "آقا اب تک ہمارا رابطہ کسی نہ کسی طرح امیر زنگی سے قائم تھا مگر رومی علاقے میں داخل ہونے کے بعد یہ رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ ہم موصل کوئی خبر کسی طرح پہنچا سکیں گے؟"

"یوسف تم ذہین ضرور ہو لیکن یہ بات تم نے ذرا دیر میں سوچی۔" اسد الدین نے نرمی سے کہا۔ "اس مسئلے پر میں نے پہلے ہی غور کر لیا تھا۔ صاف بات تو یہ ہے کہ رومی علاقے میں ہمیں بغیر کسی رابطے اور سہارے کے کام کرنا ہو گا لیکن اشد ضرورت کے وقت ہم مصری سفارت خانے کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آج کل سلطنت مصر اور قیصر قسطنطنیہ کے درمیان صلح کا معاہدہ ہے اور مصری سفارت خانہ قسطنطنیہ' میں کام کر رہا ہے۔ یہ بات مجھے امیر زنگی نے بتا دی تھی اور میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ضرورت کے وقت مصری سفارت خانے سے کام لوں گا۔"

"آفرین ہے آپ کی عقل و دانش پر۔" یوسف نے مسرت سے کہا۔ "جس طرح آپ میدان جنگ کے شیر ہیں اسی طرح سیاسی چالوں کو بھی خوب سمجھتے ہیں۔"

"وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے یوسف۔" اسد الدین نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "میرے خاندان کو قلعہ تکریت سے جس ذلت کے ساتھ نکلنا پڑا ہے' اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اپنے خاندان کی تباہی کا میں ذمہ دار ہوں اور جب تک اپنے خاندان کو وہی عزت اور شہرت واپس نہ دلاؤں گا' مجھے چین نہ ملے گا۔ مجھے قسمت نے ایک سنہری موقع دیا ہے اگر میں امیر کے اس کام کو بخیر و خوبی انجام دے سکا تو میرے خاندان کے لیے ترقی کے راہیں کھل جائیں گی۔"

"بے شک آقائے محترم۔ آپ صحیح فرما رہے ہیں۔" یوسف نے اس کی تائید کی۔

اسد الدین کو محسوس ہوا کہ کوئی خیمے کے پردے سے اندر کی طرف جھانک رہا ہے۔ "

فوراً" خاموش ہو گیا۔ شاید اس کی آواز تیز ہو گئی تھی اور محافظ اپنے اطمینان کے لیے اندر جھانک رہا تھا ---- اسد الدین اور یوسف اپنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے' اس لیے انھیں اطمینان تھا کہ اگر محافظ نے کوئی جملہ سن بھی لیا ہے تو وہ اس کے پلے نہیں پڑے گا۔

سوائے سخت پہرے کے انہیں اس خیمے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی اچھا کھانا دیا گیا اور آرام دہ بستر لگایا گیا۔ وہ بڑے اطمینان سے صبح تک سوتے رہے۔ دن کا اجالا پھیلنے سے پہلے انھوں نے تیمم کیا اور خیمے کے ایک کونے میں دو فرض ادا کیے۔

چوکی سردار نے ان کے جانے کا رات ہی میں انتظام کر دیا تھا۔ صبح انھیں گھوڑوں پر سوار کر دیا گیا اور دس مسلح محافظوں کی معیت میں انھیں قسطنطنیہ روانہ کر دیا گیا۔ دوسرے دن اسد الدین اور یوسف بحرا سود کے کنارے آبنائے باسفورس پہنچ گئے۔ باسفورس کے اس کنارے سے قسطنطنیہ کا عظیم الشان قلعہ اور شہر کے بلند و بالا محلات نظر آ رہے تھے۔ جب وہ کشتیوں کے ذریعے آبنائے باسفورس پار کر کے دوسری طرف پہنچے تو شہر کی شان و شوکت دیکھ کے ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

قسطنطنیہ کا قلعہ اور شہر شاخ زریں پر آباد ہے۔ اس کے ایک طرف باسفورس ہے اور دوسری طرف بحرا سود کی ایک پتلی پٹی خشکی میں دور تک گھستی چلی گئی ہے۔ اس طرح قسطنطنیہ کے تین طرف سمندر کی قدرتی فصیلیں موجود ہیں صرف چوتھی سمت خشکی ہے جہاں قلعہ کا صدر دروازہ ہے۔ اپنے اس محل وقوع کی وجہ سے قسطنطنیہ اس وقت ناقابل تسخیر تھا۔ یہ وہی قسطنطنیہ ہے' جس کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

"تم ضرور قسطنطنیہ فتح کر لو گے۔ وہ فتح بھی خوب ہے اور اس کا امیر بھی خوب ہے"

اس کے ساتھ ہی حضور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔

"میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اس کو اللہ نے بخش دیا ہے۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہر مسلمانوں کے لیے کس درجہ اہمیت کا حامل تھا اور مسلمانوں نے اس پیشین گوئی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہ کیا ہو گا چنانچہ اس پر پہلا حملہ امیر معاویہؓ کے عہد میں ۶۸۸ء میں ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے جو لشکر بھیجا اس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت ابن زبیرؓ حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ شامل تھے حضرت ابو ایوب انصاریؓ قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران بیمار ہو کر وفات پا گئے تھے اور انھیں قلعہ کی فصیل کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ دوسرا حملہ سلیمان بن عبدالملک'

تیسرا ہشام چوتھا عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں ہوا تھا۔ عباسی لشکر کا سپہ سالار ہارون الرشید تھا۔ پانچواں حملہ ملک شاہ سلجوقی نے کیا تھا۔ اس وقت تک یہی پانچ حملے ہوئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا تھا۔

قلعہ کی پرشوکت تعمیر دیکھ کر یوسف اور اسد الدین کے دماغ میں اس کی پوری تاریخ گھوم گئی۔ امن و امان کا زمانہ تھا اس لیے قلعے کے دروازے ہر فرد و بشر کے لیے کھلے ہوئے تھے وہ امرا کے محلات کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بہت بڑے محل کے سامنے ٹھہر گئے اس محل کے سامنے فوجی بیرکیں تعمیر تھیں۔ زرق برق لباس اور چمکتے ہتھیاروں سے لیس ساٹھ ہزار سے زیادہ سوار اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ محل کی سیڑھیوں پر نیچے سے اوپر تک سینکڑوں نیزے بردار کھڑے تھے۔

"آقا۔ ہم قیصر کے محل پر آ گئے ہیں۔" یوسف نے آہستہ سے کہا اسد الدین جواب دینے والا تھا کہ ایک محافظ سوار نے اس سے کہا۔" مسلمان کتو۔ تمہیں یہاں رکنا ہوگا میں وزیر سلطنت کے دفتر جا رہا ہوں وہاں سے جو حکم ملے گا۔ اس پر عمل کیا جائے گا"

سوار کی اس تحقیر آمیز گفتگو سے اسد الدین کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ یوسف نے گھبرا کر اسے ملتجیانہ نظروں سے دیکھا۔ اسد الدین کو بھی شاید وقت کی نزاکت کا احساس ہو گیا اس نے فوراً اپنا سر جھکا لیا۔ سوار گھوڑے سے اتر کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا اور عالی شان محل کی بھل بھلیوں میں کہیں غائب ہو گیا۔ باہر دھوپ پھیلی تھی اور سیڑھیوں پر کسی کو چڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ یوسف اور اسد الدین اپنے محافظوں کے ساتھ تمام دن دھوپ میں کھڑے تپتے رہے۔ محافظوں کو بھوک لگی تو وہ کہیں سے کچھ کھانے کے لیے لے آئے ورنہ یہ دونوں بھوکے ہی رہتے۔ شام کو ان کا سردار محل سے واپس آیا اور یوسف اور اسد الدین کو ساتھ لے کر فوجیوں کی بیرک میں گیا۔ وہاں ان سب کو رہنے کے لیے ایک خیمہ دے دیا گیا۔

اگلے ایک ہفتے تک ان قیدیوں یا جاسوسوں کو جانوروں کی طرح ہنکا کر محل کی سیڑھیوں تک لے جایا جاتا اور وہ شام تک اپنی باری کے انتظار میں گرمی اور پیاس کی شدت برداشت کرتے پھر ناکام واپس آ جاتے۔ آٹھویں دن جب محافظ سردار وزیر سلطنت کے پاس پیش ہونے سے معذور ہو گیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورے کے بعد طے کیا کہ اب وزیر سے ملاقات کی کوئی امید نہیں اس لیے دونوں جاسوسوں کو قسطنطنیہ کے جیلر کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنی طلبی تک وہاں محفوظ رہ سکیں لیکن شاید قدرت کو ان دونوں پر رحم آ گیا جس وقت یہ واپسی کے حکم کا انتظار کر رہے تھے، اسی وقت محافظ سردار بھاگتا ہوا

سیڑھیوں سے اتر کر ان کے پاس آیا اور دونوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ پہلے ان کی حاضری وزیر کے دفتر میں درج کی گئی پھر اچھی طرح تلاشی ہوئی۔ اس کے بعد انھیں محل کے خادم کے حوالے کر دیا گیا۔ محافظ سردار نے جاسوسوں کے ساتھ وزیر کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن دفتر کے ناظم نے اس کی درخواست رد کر دی۔ مگر کچھ سوچ کر اس نے اجازت دے دی۔

وزیر سلطنت کا محل ایک قلعے کی مانند تھا۔ جگہ جگہ پہرہ لگا تھا، اور ہر دروازے پر پوچھ گچھ ہوتی تھی۔ یوسف اور اسد محل کے خادم کے ساتھ ایک عظیم الشان محل کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے راہداریاں، روشیں اور دروازے پار کرتے رہے۔ آخر وہ ایک ایسے دروازے پر پہنچے جس پر نیزہ برداروں کا زبردست پہرہ تھا۔ دروازے پر دہرا پردہ پڑا تھا۔ پہلا پردہ موتیوں کی جھالر کا تھا۔ اور دوسرا حریری معلوم ہوتا تھا۔ خادم انھیں باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ یوسف اور اسد کنکھیوں سے پردے کے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر انھیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کسی کسی وقت موسیقی کی مدھر آواز پردے سے ٹکراتی ہوئی ان کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔

اب رات ہو چکی تھی اور پورا محل رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ یوسف اور اسد کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ڈر رہے تھے کہ کہیں وزیر کے دفتر کی طرح یہاں بھی انھیں کئی دن انتظار نہ کرنا پڑے۔ اسی وقت خادم آیا اور جاسوسوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ پردے کے پیچھے ایک بڑا ہال تھا۔ اس ہال سے ایک راستہ دوسری طرف جاتا تھا۔ انھوں نے دونوں ہال طے کیے، لیکن وزیر انھیں پھر بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر یہ پورا ہفت خواں طے کر کے ایک دروازے پر ٹھہرے۔ یوں تو ہال بیش قیمت سامان سے سجا ہوا تھا، لیکن اس دروازے پر جو پردہ پڑا تھا، اس میں جواہرات جگمگا رہے تھے۔ خادم اندر گیا، اور پھر واپس آ کر کہا۔ "تم دونوں کتوں کو وزیر سلطنت نے شرف ملاقات بخشا ہے، تعظیم کا پورا خیال رکھنا۔ آواز دھیمی رہے ورنہ سر قلم کر دیا جائے گا"

ان ہدایات کے ساتھ اس نے پردہ اٹھایا اور انھیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یوسف اور اسد اندر پہنچے تو بڑے کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مختلف خوشبوؤں سے کمرہ مہک رہا تھا۔ فرش مخملی پر کئی نازنینیں تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں، دو دوشیزائیں وزیر سلطنت کے سامنے کھڑی تھیں ایک کے ہاتھ میں صراحی تھی اور دوسری ساغر تھامے ہوئے تھی۔ وزیر سلطنت کا ایک ساغر خالی ہوتا تو دوشیزہ مسکرا کر دوسرا ساغر اس کی طرف بڑھا دیتی۔ قلقل مینا اور ساغر کی جھنکار سے کمرے کا سکوت ٹوٹتا اور جڑتا رہا۔

نشے کی حرارت بڑھی تو وزیر سلطنت نے ایک جھرجھری لی، اور مخمور آنکھوں
الدین کو دیکھا۔ یوسف اس کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ وزیر نے دو ایک بار آنکھیں جھپکا
بولا۔ "اے ذلیل کتے، تو نے سلطنت روما میں جاسوسی کی کیسے جرات کی؟"

اسد الدین نے وزیر سے آنکھیں ملائیں اور پر سکون لہجے میں کہا۔ "اے سل
کے ذی قدر وزیر اعظم۔ آپ نے مجھے کتے کا خطاب دیا اس کا مجھے گلہ نہیں، مگر آ
مجھے جاسوس کہہ کے میری توہین کی ہے۔"

وزیر سلطنت کو شاید اسد کے جواب پر تعجب ہوا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ
ہوئے کہا۔ "تو کس ملک کا باشندہ ہے کہ کتا کہنے پر تو خوش ہوا اور جاسوس کے نام پر
کر رہا ہے؟"

"وزیر اعلیٰ مقام۔" اسد نے اور سنبھل کے کہا۔ "میں نے رومی سرحد کے
بتایا تھا کہ میں ریاست موصل کے حاکم عمادالدین کا معتمد سردار ہوں۔ ایک غلط
ناراض ہو کر اس نے مجھے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ میں وہاں سے فرار ہوا اور
زور بادشاہ کی پناہ میں آنے کے لیے رومی حدود میں داخل ہو گیا۔ یہ تھا آپ کی پہلی
جواب۔ دوسری بات کا یہ جواب ہے کہ کتا اپنے دو خصلتوں کی وجہ سے میرے خیا
انسان سے بہتر ہے ایک تو یہ کہ کتا اس وقت تک کسی کو نہیں کاٹتا جب تک اس کے
پیر نہ رکھا جائے اس جانور کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا اس کی اولاد
وفادار ہوتا ہے۔"

"تیری باتوں میں کچھ کچھ سچائی محسوس ہوتی ہے۔" وزیر کا رویہ کچھ نرم ہوا۔
ہمیں بتایا گیا ہے کہ تجھے سرحد پر جاسوسی کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا ہے۔"

"یہ غلط ہے وزیر محترم" اسد الدین نے بے خوفی سے کہا "ہمیں گرفتار ہرگز
کیا گیا بلکہ ہم نے قیصر روم شہنشاہ قسطنطنیہ کی مضبوط پناہ میں آنے کے لیے خود کو
محافظوں کے حوالے کیا تھا۔ ہم نے ان سے درخواست کی تھی کہ ہمیں شہنشاہ یا وزیر
کے سامنے پیش کیا جائے۔"

وزیر کچھ سوچنے لگا۔ اسد نے یوسف کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ چند لمحو
وزیر نے سر اٹھا کر پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

"اسد الدین"

"اور تیرا یہ ساتھی؟"

"یہ میرا غلام ہے وزیر اعلیٰ مقام، اس کا نام یوسف ہے"

"اچھا نام ہے۔" وزیر نے کہا۔ "یہ خوبرو جوان مجھے پسند آیا۔ تو بھی اچھا وجیہہ سپاہی
میں تمہیں قتل نہیں کراؤں گا۔ تمھاری کم از کم سزا یہ ہے کہ تمہیں غلاموں کے
میں فروخت کر دیا جائے"

"سزا!" اسد الدین نے وزیر کو حیرت سے دیکھا۔ "وزیر اعظم ہمیں کس جرم کی سزا
رہے ہیں۔ کیا ایک کمزور کا کسی طاقتور سے پناہ مانگنا جرم ہے؟"

"دیکھو بحث نہ کرو، ورنہ یہ سزا بڑھ بھی سکتی ہے" وزیر سلطنت نے ایک جام خالی کر

"میں وزیر اعظم کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔" اسد الدین نے بڑی بے پروائی
کہا۔ "لیکن میں ایک درخواست ضرور کروں گا۔ امید ہے کہ آپ کی فیاض طبیعت اسے
قبول کرے گی۔"

"اپنی خواہش ظاہر کر۔ میں پورا کرنے کی کوشش کروں گا"

"اگر وزیر اعظم کا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ مجھے اور میرے ساتھی کو غلام بنا کر فروخت کر
جائے تو اس سلسلے میں ایک عرض ہے" اسد نے سانس لی اور بولا۔ "مجھے بازار میں بیچ
کسی اور کا غلام، بنانے کی بجائے اگر کسی بڑے رومی سردار کا غلام بنایا جائے تو عین
ش ہو گی۔"

وزیر نے چونک کے اسد الدین کو دیکھا، پھر سختی سے بولا۔ "تو قسطنطنیہ کے کس سردار
لام بننا چاہتا ہے مجھے اس کا نام بتا؟"

"مقتدر وزیر اعظم۔" اسد نے فوراً جواب دیا۔ "میں تو یہاں کے راستوں سے بھی
نہیں۔ سرحد سے سیدھا مجھے یہاں لایا گیا ہے۔ آپ سلطنت روما کی پہلی عظیم ہستی
جس نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے۔"

وزیر نے جیسے اطمینان کے سانس لیا۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "تو یہاں کسی کو جانتا بھی
تو پھر کس کا غلام بننا چاہتا ہے؟"

"اگر مجھے اسی دربار کی غلامی میں لے لیا جائے تو میرے لیے اس سے بڑی اور کیا
ت ہو سکتی ہے۔" اسد الدین نے بڑے ادب سے کہا اور امید بھری نظروں سے وزیر کو
ے لگا۔

"مگر تو۔" وزیر کہتے کہتے رکا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں پھر کہا۔ "مگر تم پر اعتبار کس
کیا جا سکتا ہے۔ تم مسلمان ہو اور ایک دوسرے ملک کے بھاگے ہوئے فوجی بھی ہو؟"

"وزیر محترم۔" اسد الدین نے محسوس کر لیا کہ وزیر کی نرمی بے وجہ نہیں کیونکہ اس

نے اس دفعہ "تو" کے بجائے تم سے مخاطب کیا تھا۔ اس بات کو پیش نظر رکھ کے
کہا۔ "اجنبی انسان رکھ کے یا پرکھ کے دیکھا جاتا ہے۔ میں یہاں رہا نہیں ہوں
پرکھ کے دیکھ سکتے ہیں۔"

وزیر کو اسد الدین کی ذات سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔ "تمھارا
سے کیوں ناراض ہوا تھا۔"

"میرے ہاتھ سے ایک آدمی قتل ہو گیا تھا" اسد نے مختصر سا جواب دیا۔

یوسف جو خاموش کھڑا تھا۔ اسے اپنے آقا کے اس مختصر جواب سے اطمینان
اس نے فوراً" داخل دیا۔ "مہربان وزیر اعظم! مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دی جا

"ہاں اے خوبروجوان میں تمھاری بات بھی سننا چاہتا ہوں" وزیر اعظم نے
ہوئے کہا۔

"ذی قدر وزیر اعظم۔" یوسف متانت سے بولا۔ "یہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے
موصل کے بڑے بازار میں آقا کا شہر کوتوال کے بھائی سے جھگڑا ہو گیا۔ دونوں
تلواریں کھنچ گئیں اس کے ساتھ گیارہ آدمی تھے' لیکن آقا نے اسے قتل کر دیا
کوتوال کے بھائی کے گیارہ ساتھی زخمی ہو کر بھاگ گئے مگر امیر زنگی نے میرے آقا
دیا۔"

"تم بھی اس لڑائی میں شریک تھے؟" وزیر نے پوچھا۔

"نہیں عالی جناب! میں بعد میں پہنچا تھا۔" یوسف نے بتایا۔ "مجھے بھی ان کے
گرفتا کیا گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اب تک تلوار نیام سے نہیں نکالی"

"ایسی بات نہیں ہے وزیر محترم۔" اسد الدین نے فوراً" اسے اپنی طرف متوجہ کر
لیا۔ "یہ خوبرو نوجوان جو دیکھنے میں آپ کو بھولا بھالا نظر آتا ہے لڑائی کے وقت
سفاک اور سنگدل بن جاتا ہے۔ میں جس قید خانے میں تھا اس کے پہرے پر اس کا
بھائی متعین تھا۔ ہم جب وہاں سے نکلے تو اس نے اپنے بھائی پر پہلا وار کیا تھا۔"

"اچھا" وزیر نے یوسف کو تعجب سے دیکھا۔ "تمہیں اپنے بھائی پر تلوار چلاتے
آیا؟"

"عالی مقام وزیر اعظم" یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سپاہی یہ نہیں دیکھتا
کے سامنے کون ہے۔ اسے تو اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کرنا ہوتی ہے۔ بھائی کیا
باپ بھی سامنے ہوتا تو میں اس پر وار کرنے میں ذرا بھی نہ چوکتا۔"

"نوجوان تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔" وزیر نے جیسے خواب میں کہا۔ "تم سے
بھی اہم کام لیا جا سکتا ہے۔"

یوسف نے اسد الدین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اپنے آقا کی خدمت کرنا میرا
ہے۔"

وزیر نے فوراً" سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ "تم ذرا باہر ٹھہرو۔ میں اس نوجوان کا
لینا چاہتا ہوں۔ اگر یہ میرے مقصد کا آدمی نکلا تو تم لوگ دنیا کی تمام فکروں سے
ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اپنے ملازموں میں شامل کروں گا اور تمہیں ایسی آسائشیں مہیا
ہیں گی کہ تم اپنے وطن اور عزیزوں کو بالکل بھول جاؤ گے۔"

اسد الدین سر جھکائے ہوئے باہر چلا گیا۔

وزیر سلطنت جان قوش شہنشاہ قسطنطنیہ کا سوتیلا بھائی تھا لیکن مشرقی روما کے تخت و تاج
کا حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا کیونکہ جان قوش ایک کنیز زادے کو تخت و تاج کا نا اہل
جاتا تھا۔ جان قوش کو ماں کی طرف سے بہت بڑی جاگیر ملی تھی اور مال اور دولت بھی
ہاتھ لگی تھی۔ وہ بڑا چالاک انسان تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ قسطنطنیہ' سے دور اپنی
پر چلا گیا تو اس کے خلاف دربار میں ضرور سازش ہو گی اور اسے کسی نہ کسی بہانے
کر دیا جائے گا۔ چنانچہ شہنشاہ قسطنطنیہ کے مرنے پر جب جانشینی کا سوال اٹھا تو موجودہ
جان کامنی نس کے کئی سوتیلے بھائی دعویدار بن کے اٹھے لیکن چالاک جان قوش
جان کامنی نس کے حق میں دست بردار ہو گیا اور خواہش کی کہ شہنشاہ اسے اپنی
ت میں لے لے اور اسے قسطنطنیہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔

تاج کے دوسرے دعویداروں نے جگہ جگہ فتنے کھڑے کیے اور بغاوتوں کے بیج بوئے مگر
قوش بالکل غیر جانبدار رہا اور فتنوں کے دوران اس نے قسطنطنیہ سے باہر قدم نہ نکالا۔
کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمام فتنے ختم ہو گئے تو شہنشاہ جان کامنی نس نے اسے وزیر
ت بنا دیا اور اسے ایک عالیشان محل رہنے کے لیے دیا۔ جان قوس کو جب شہنشاہ کی
حمایت حاصل ہوئی تو اس نے ہاتھ پیر نکالے اور اپنے محل کو ایک عظیم عشرت
ے میں تبدیل کر دیا۔ اس کے محل میں ملک ملک کی حسین ترین عورتیں موجود تھیں
ات دن محفل رقص و سرود جمی رہتی تھی۔ شہنشاہ کو اس بات کا علم تھا لیکن اس نے
بھائی کی وفاداری کی وجہ سے اس پر کوئی پابندی نہ لگائی پھر وہ دور ہی ایسا تھا کہ
ت روما کے ہر سردار' امیر و وزیر کی عشرت گاہیں پرستان بن کر رہ گئی تھیں اور تمام
ے سے دوشیزائیں اور جاذب نظر عورتیں قسطنطنیہ کھنچی چلی آ رہی تھیں۔

شہنشاہ کامنی نس کی بڑھی ہوئی ناز برداری کی وجہ سے جان قوش کچھ اس درجہ
تھا کہ اس نے کئی دوشیزاؤں کو زبردستی محل میں اٹھوا لیا تھا۔ ان میں جو دوشیزہ
دکھاتی اسے قتل کرا کے لاش سمندر میں بہادی جاتی تھی۔ جب اس طرح کی دو
ہوئے اور لوگوں نے شور وغل مچایا تو شہنشاہ نے لوگوں کے جذبات کو سرد کرنے
تحقیقات کا حکم دیا۔ سب کو شبہ تھا کہ یہ قتل جان قوش کے محل میں ہوئے ہیں
قوش اپنی دولت اور شہنشاہ کی قرابت داری کی وجہ سے صاف بچ گیا تھا لیکن اتنا
ہوا کہ جان قوش نے اس طرح کے قتل کرانا بند کر دیے۔

جان قوش شاید یوسف سے اس قسم کا کوئی کام لینا چاہتا تھا۔ تنہائی ہوتے ہی
یوسف کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔ یوسف اور قریب ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ یوسف۔" قوش نے بڑی ملائمت سے کہا۔

یوسف مخملیں فرش پر جس میں اس کے پیر دھنسے جا رہے تھے۔ قوش کے پا
بیٹھ گیا۔

"دیکھو یوسف" قوش نے کہنا شروع کیا۔ "مجھے سلطنت روما میں ایک اہم
حاصل ہے۔ کسی وجہ سے میں حکومت نہ حاصل کر سکا لیکن حکم میرا ہی چلتا ہے۔
کچھ ہے مگر میں پھر بھی اپنے کو تنہا محسوس کرتا ہوں اور میرا لشکر، محل میں میرے
پر چلنے والے کنیز و غلام دراصل میرے دشمن ہیں اور شہنشاہ کے لیے جاسوسی کرتے

قوش یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور غور سے یوسف کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ یو
لحاظ کی وجہ سے اپنی نظریں نیچی کر لیں۔ قوش نے اپنے آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا
وقت تھا کہ میرے ایک ادنیٰ اشارے پر دشمنوں کے سر قلم ہو جاتے تھے لیکن اب
مجبور ہو گیا ہوں کہ میں اس ہستی کو قتل نہیں کرا سکتا جس نے مجھ سے میرا سکون
ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک بہادر اور خوب صورت جوان ہو"

یوسف الجھ رہا تھا کہ جان قوش ایک ہی بار تمام باتیں کیوں نہیں کہہ دیتا مگر
گفتگو کے دوران بولنا اس نے کچھ، مناسب خیال نہ کیا۔ آخر قوش کی آواز پھر سنا
"یوسف میں چاہتا ہوں کہ اس خدمت پر میں تمہیں مامور کروں۔ کیا تم میں ہمت
اس ہستی کو تم میرے لیے قتل کر دو؟"

"وزیر اعلیٰ مقام۔" یوسف نے جواب دیا۔ "اگر آپ ایک اجنبی اور فلا
مسلمان پر اعتماد کر سکتے ہیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس ہستی کا سر ایک لمحے میں
قدموں میں لوٹتا نظر آئے گا خواہ وہ مجھ سے دگنی طاقت کا مالک کیوں نہ ہو۔ میں

کو مجروح نہ ہونے دوں گا۔"

"کسی مجبور پر رحم کھانا انسانی فطرت ہے۔" قوش کا لہجہ فلسفیانہ اور پراسرار بن
"جس ہستی کو تمہیں اس دنیا سے دوسرے عالم پہنچانا ہے وہ تم سے کمزور ہے بلکہ اس
ن اس قدر ہلکا اور نازک ہے کہ تم اسے سر سے بلند کر کے دور پھینک سکتے ہو۔ اس
حالت دیکھ کر تمہارے دل میں رحم کے جذبات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"وزیر محترم! فرض کی ادائیگی اور حکم کی بجا آوری میں کوئی جذبہ حائل نہیں ہوا
تا۔" یوسف نے بڑے استقلال سے کہا۔

"خوشامد، گڑگڑاہٹ اور اشک باری سے تو پتھر بھی موم ہو جاتے ہیں۔"

"آپ یوسف کو ثابت قدم پائیں گے۔"

"شاباش یوسف۔" وزیر سلطنت نے اطمینان کا سانس لیا۔ "اب تم جاؤ، کل شام کو
یں پھر طلب کیا جائے گا۔ اس دوران تم اپنے ساتھی سے مشورہ بھی کر لینا اور خود کو
کام کے لیے تیار کرتے رہنا"

یوسف نے اٹھ کر رخصتی سلام کیا اور جانے کے لیے مڑا۔

"ایک بات اور سن لو یوسف۔" جان قوش نے کہا ——— "تمہاری ضمانت میں تمہارا
تھی ہماری حراست میں رہے گا۔ اگر تم نے اس کام کو پوری طرح انجام نہ دیا تو پہلے
مارے ساتھی کو قتل کیا جائے گا اس کے بعد تمہیں سسکا سسکا کر مارا جائے گا۔"

"ایسا وقت نہیں آئے گا وزیر محترم۔" یوسف نے پرُوثوق لہجے میں کہا۔ "میں کامیاب
پس آؤں گا اور پھر" یوسف نے بات نامکمل چھوڑ کے جان قوش کو دیکھا۔

"اور پھر تم دونوں جس مقام پر ہو گے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" جان قوش
اب دے کر مسکرانے لگا۔

اسد الدین بڑے بے چینی سے باہر ٹہل رہا تھا۔ یوسف کو دیکھ کر وہ لپکا مگر ابھی کچھ
نے بھی نہ پایا تھا کہ دو غلام یوسف کے پیچھے اندر سے نکلے۔ انھوں نے قریب آ کر یوسف
ر اسد کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ یہ ان کے ساتھ چلنے لگے۔ غلام انھیں لے کر محل کے
یک کمرے میں پہنچے۔ کمرہ کافی سجا ہوا تھا۔ یہ اس سجاوٹ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ
یک غلام نے کہا۔ "تم دونوں وزیر مملکت کے مہمان ہو۔ باہر ایک خادم اور ایک کنیز ہر
قت موجود رہیں گے۔ جس چیز کی ضرورت ہو طلب کر لینا"

غلاموں کے جانے کے بعد اسد الدین نے کہا۔ "یوسف یہ تو میں بعد میں پوچھوں گا کہ
زیر سے کیا باتیں ہوئیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ تمہیں میرے ساتھ گرفتار

کر کے موصل کے قید خانے میں ڈالا گیا تھا۔"

"آقا ۔۔۔ مجھے اپنی غلطی کا اسی وقت احساس ہو گیا تھا۔" یوسف شرمندگی
۔"سرحد کے سردار کو ہم نے یہ بتایا تھا کہ میں نے آپ کو قید سے رہائی دلائی تھی
اپنی غلطی پر افسوس ہے مجھے معاف کر دیجئے آقا۔"

"آیندہ احتیاط برتنا یوسف۔" اسد الدین نے تنبیہہ کی "اگر سرحد کے سردار
ہماری گفتگو کی پوری تفصیل لکھ بھیجی ہوتی تو ہم دروغ بیانی میں پکڑے جاتے۔ خیر اب
نے کہا کیا؟"

"آقا۔ وزیر کے باتیں بڑی الجھی الجھی تھیں "۔۔۔۔۔ یوسف ایک دم رک
پریشان نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا' پھر دوڑ کے کھڑکی کے پاس پہنچا۔
کھڑکی سے ذرا ہٹ کے ایک خوبصورت کنیز کھڑی تھی۔ یوسف کو باہر جھانکتا دیکھ
قریب آئی اور مسکر کر بولی۔ "کیا میں مہمانوں کی لیے غسل کا انتظام کروں؟"

"شکریہ۔ ابھی نہیں۔" یوسف نے شائستہ لہجے میں کہا۔

کنیز نازک قدم اٹھاتی چلی۔ یوسف نے اسے روکا۔ "سنو۔ ایک بات کا جواب
گی؟"

"میں آپ کی کنیز ہوں" کنیز نے اٹھلا کے جواب دیا۔ "ہر بات کا جواب دوں گی۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ جب کمرے میں دروازہ موجود ہے تو پھر کھڑکی سے جھانکنے
ضرورت تھی؟" یوسف نے ذرا تلخی سے پوچھا۔

کنیز گھبرا گئی پھر سنبھل کر بولی۔ "میں اس غلطی کی معافی چاہتی ہوں۔ دراصل مجھے
گیا تھا کہ دو مسلمان جو آج وزیر سلطنت سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ بہت
صورت ہیں"

یوسف کو اطمینان نہ ہوا۔ اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں مہمانوں کی خدمت
لگایا گیا ہے۔ تم یوں کرو کہ پہلے اندر آکر ہمیں اچھی طرح دیکھ لو پھر کوئی اور کام کرنا"

"مجھے معاف کر دیجیے۔" کنیز کچھ شرماتے اور کچھ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔
دروازے پر موجود رہوں گی اور جب آپ بلائیں گے اسی وقت آؤں گی۔"

یوسف کھڑکی سے اسد الدین کے پاس آیا اور منہ بنا کے بولا۔ "آقا یہ محل عجب
خانہ ہے وزیر نے بھی معموں میں باتیں کیں اور یہ کنیز' اسے تو میں سمجھ ہی نہیں سکا"
اسد الدین نے مسکر کر کہا۔ "وزیر کی باتوں کا مجھے علم نہیں لیکن اس کنیز نے کوئی
بات نہیں کی۔ میرے خیال میں تم نے اس پر ظلم کیا۔ وہ بیچاری تم سے محبت کی باتیں

رہی تھی اور تم اس سے الٹے سیدھے سوال پوچھ رہے تھے۔"

"پیار۔ محبت!" یوسف نے تعجب سے کہا۔ "آقا۔ آپ نے اس کی صورت اور گفتگو
کرنے کا انداز نہیں دیکھا۔ آخر اسے اس طرح اندر جھانکنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم جیسے خوبرو جوان کو دیکھنے کی کون لڑکی خواہش نہیں کرے گی؟" اسد الدین نے
مزاحیہ انداز میں کہا۔ "تم ایک ایسے جوان ہو جس کا چہرہ دوشیزاؤں کے تصور میں گھوما کرتا
ہے"

"آقا۔ آپ مجھے کیوں بنا رہے ہیں۔" یوسف جھینپ گیا "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ
آپ جیسا قد آور اور سجیلا جوان امیر زنگی کے پورے لشکر میں موجود نہیں ۔۔۔۔"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو ۔۔۔" اسد الدین نے قطع کلام کیا۔ "اس عیار بوڑھے
نے کیا کہا؟"

یوسف نے سوچ سوچ کر پوری رام کہانی اسد الدین کو سنادی۔ اسد پوری توجہ سے سن
رہا تھا۔ یوسف کی بات ختم ہونے کے بعد وہ گہری سوچ سے نکلتے ہوئے بولا۔ "معاملہ' الجھا
ہوا کم' مگر سنگین زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ آخر وہ کون سی ایسی ہستی ہے جسے وہ کسی رومی سردار
سے قتل نہیں کرا سکتا۔ اسے کس بات کا ڈر ہے؟ وہ صاحب اقتدار ہے اگر دو چار آدمیوں
کو قتل کرا کے باغ کے کسی کونے میں دفن کرا دے تو اس سے کون پوچھنے آئے گا اگر وہ
ہستی وزیر کے قبضے میں ہے تو اسے قتل کرانے کی بجائے زہر بھی دلوایا جا سکتا ہے۔"

"آقا۔ مجھے ایک بات کا اور شبہ ہو رہا ہے۔"

"شبہ تو مجھے بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔" اسد الدین نے کہا۔ "تم اپنا شبہ بیان کروں۔
ممکن ہے کہ ہم تم ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وزیر جسے قتل کرانا چاہتا ہے وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" اسد خوش ہو گیا۔ "تمہیں صرف شبہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ
عورت اور صرف عورت ہے اور عورت بھی ایسی کہ جس کے قتل میں وہ اپنا نام ملوث
نہیں ہونے دینا چاہتا۔ اور کسی رومی کے بجائے مسلمان سے قتل کرانا چاہتا ہے تاکہ اگر
بات کھل جائے تو وہ تم کو فوراً" قتل کرا کے اس راز پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دے۔"

یوسف کے چہرے پر لحہ بھر کے لیے پریشانی کے آثار پیدا ہوئے لیکن وہ خود کو سنبھالتے
ہوئے بولا۔ "آقا۔ آپ کو میرا ضامن کیا گیا ہے۔ میں انشاء اللہ آپ پر کوئی آنچ نہ آنے
دوں گا۔ میں وزیر کے حکم کی ضرور تعمیل کروں گا خواہ مجھے اس کے لیے انسان سے حیوان
ہی کیوں نہ بننا پڑے۔"

"تم میری فکر نہ کرو یوسف۔" اسد نے سے سمجھایا۔ "اگر تمہاری ناکامی کی صو
میں، میں قتل کر دیا گیا تو میری روح مطمئن ہو گی۔ چونکہ ابھی اصل معاملے کی نوعیت
ہم دونوں کو آگاہی نہیں۔ اس لیے میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ سوائے اس
کہ اگر تم خدانخواستہ ناکام ہو جاؤ اور تمہیں پناہ کی ضرورت ہو تو مصری سفارت خا
دروازہ ضرور کھٹکھٹانا۔ پورے قسطنطنیہ میں تمہیں صرف وہیں پناہ مل سکتی ہے۔"

"خدا نہ کرے کہ وہ وقت آئے اور مجھے پناہ کی ضرورت پڑے۔" یوسف نے
اپنے آپ سے کہا۔ "میں اپنے آقا کے لیے خود اپنی جان دے دوں گا۔"

اس رات اور دوسرا تمام دن دونوں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے
کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ دوسری شام یوسف وقت مقررہ پر وزیر سلطنت کے محل جانے
لیے تیار ہو رہا تھا کہ پہلے والے دونوں غلام آگئے۔

ایک غلام نے آگے بڑھ کے یوسف کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ "آپ کو عالی جا
وزیر سلطنت یاد فرما رہے ہیں۔"

یوسف اور اسد الدین کو غلاموں کے اس بدلے ہوئے رویے پر تعجب سا ہوا۔ ا
وہ اس کا اظہار زبان سے نہیں کر سکے۔ یوسف نے اسد کی طرف جھک کے آہستہ سے

"آقا خدا حافظ! آپ میری کامیابی کی دعا کیجیے۔"

"خدا تمہیں کامیابی اور سرخروئی سے ہم کنار کرے۔" اسد نے دعا دی۔

یوسف غلاموں کے ساتھ ہو لیا۔ وزیر سلطنت کے دروازے پر پہنچ کے یوسف
جھجکا۔ اس نے پلٹ کے غلاموں کو دیکھا۔

"آپ بے تکلف تشریف لے جائیے۔" ایک غلام نے کہا۔

"اندر اطلاع تو کر دو۔"

"اطلاع کی ضرورت نہیں۔" دوسرے غلام نے جواب دیا۔ "وزیر سلطنت بے
سے آپ کے منتظر ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے۔"

یوسف نے دل ہی دل میں بسم اللہ پڑھی اور بڑی بے خوفی سے اندر پہنچ گیا۔
سلطنت واقعی بڑے اضطراب کے عالم میں کمرے کے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم آگئے یوسف!" وزیر اضطرابی کیفیت میں بولا۔ "میں اس بوجھ سے نجات
ہوں۔ ذہنی دباؤ سے میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔"

"حضور والا کو مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے بتائیے میں منٹوں میں اس
ہستی کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔" یوسف نے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے کہا

"یوسف! میں نے جو فیصلہ کیا ہے اسے نہیں بدل سکتا۔" وزیر سلطنت نے یوسف کا
مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "اس کا خاتمہ ضروری ہے میں ایک لمحہ کو بھی اسے برداشت نہیں
سکتا۔"

"نہ آپ کو فیصلہ بدلنے کی ضرورت ہے اور نہ برداشت کرنے کی۔" یوسف نے اس
ہذیانی کیفیت کو پرسکون کرنے کے لیے کہا۔ "آپ نے اس کا معاملہ میرے سپرد کیا ہے
اسے جلد سے جلد آپ کے خیالوں سے نکال دینا چاہتا ہوں۔"

"تم میرے پاس اس کی سفارش کرنے نہیں آؤ گے۔" وزیر سلطنت نے تنبیہہ کی۔

یوسف چونک پڑا۔ اسے محسوس ہوا کہ وزیر اس وقت جوش انتقام یا شدید جذبہ نفرت
تحت اپنے حواس میں نہیں ہے۔ وہ وزیر سلطنت کو جو اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا بڑی
سی کے پاس لے گیا اور اسے بٹھاتے ہوئے بولا "آپ بالکل اطمینان رکھیے۔ نہ میں
کی سفارش کروں گا اور نہ رحم کھاؤں گا۔" حالانکہ یوسف کو ابھی یہ بھی معلوم نہ تھا
وزیر یہ سب کچھ کس ہستی کے بارے میں کہہ رہا ہے۔

وزیر سلطنت نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ ہاتھ کی انگلیوں سے آنکھوں کو دبایا پھر سر کو
ٹکتے ہوئے کہا۔ "وہ رومی" گورنر قیل مانس کی بیٹی ہے۔ سرحدی علاقے کے دورے کے
ن، میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ مجھے پسند آئی اور میں نے اسے بڑی رازداری سے اغوا کرا
لیکن وہ بدذات ــــــ۔"

وزیر سلطنت ایک دم طیش میں آگیا اور غصے کے مارے اس کے منہ سے تھوک اڑنے
۔ یوسف بڑی دلچسپی سے اس ہستی کی کہانی سن رہا تھا جس کی زندگی اس کے حوالے کی
نے والی تھی مگر وزیر سلطنت "بدذات" کہنے کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔

"اس بدذات کا خاتمہ ہونا ضروری ہے۔" یوسف نے بات اس جگہ سے شروع کی
ہاں سے وزیر سلطنت نے چھوڑی تھی۔

یوسف کے کہنے کا وزیر پر اچھا اثر ہوا۔ اسے جیسے یاد آگیا۔ فوراً بولا۔ "ہاں وہ بدذات
ہ سے مخاطب نہیں ہوتی۔ میں جاتا ہوں تو منہ پھیر لیتی ہے۔ شاید اس کو یہ زعم ہے کہ
ن کا باپ سرحد کا گورنر ہے اور اسے یہاں سے چھڑا لے جائے گا مگر اس کے باپ کو
رف یہ علم ہے کہ اس کی بیٹی برجیس جنگل میں شکار کھیلتے کھیلتے کسی درندے کا شکار
گئی۔ یوسف تم برجیس کا خاتمہ کر دو، میں اس کے باپ کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

وزیر سلطنت کے چند بے ربط جملوں اور اس کی جنونی کیفیت سے یوسف نے پوری
انی سمجھ لی۔ وزیر سلطنت کی نظر میں مظلوم لڑکی برجیس اس لیے واجب القتل تھی کہ وہ

اس کی ہوس کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ یوسف کے دل میں برجیس کو دیکھے بغیر کے لیے رحم اور ہمدردی کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا مگر اس نے اس جذبے کو کچل دیا۔ اس کا ضامن اس کا آقا اسد الدین تھا۔ اگر وہ برجیس کو قتل کرنے میں ناکام ر الدین فوراً" قتل کر دیا جائے گا۔ یوسف کو اپنے آقا سے زیادہ کوئی عزیز نہ تھا۔ میں اسد الدین کے علاوہ اس کا کوئی اور تھا ہی نہیں۔

یوسف نے بڑے عزم سے کہا۔ "وزیر سلطنت میری طرف سے بالکل بے فکر میں اس ذلیل لڑکی کو دیکھتے ہی قتل کر دوں گا۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"یوسف اس حکم کے ساتھ ایک اور بات بھی ہے۔" وزیر نے بڑی سنجیدگی سے یوسف حیران رہ گیا۔ اس نے کہا۔ "اس سلسلے میں جتنی باتیں ہوں گی مجھے ان سے آگاہ کر دیجیے حضور۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہاری کامیابی کا ذمہ دار تمہارا آقا ہے۔" وزیر نے کی بات جیسے ان سنی کر دی۔ "دوسری بات یہ ہے کہ برجیس ایک حسین ساحرہ، معلو اور کسی اور دنیا کی حور ہے۔ اس کے دیکھنے سے دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ وہ تم کے تیر پھینکے گی، خوشامد کرے گی، اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرنے کی قسمیں گی۔ اس وقت اگر تمہارے قدم بہک گئے تو تم اپنے آقا کی صورت کبھی نہ دیکھ سکو میں اس کے ٹکڑے کرا کے تمہارے سامنے ڈالوں گا۔"

"نہیں نہیں۔" یوسف کانپ گیا۔ "میں ایسا وقت نہیں آنے دوں گا۔"

جان قوش نے اپنی ہیجانی کیفیت پر قابو پالیا اور اپنی پشت کے دروازے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "تم اس دروازے سے نکلو گے تو اس دروازے کے بالمقابل ہا دوسرے سرے پر ایک دروازہ نظر آئے گا جو باہر کی طرف راہداری میں کھلتا ہے۔ ایک چھوٹی سی بارہ دری ہے اس کا دروازہ باہر سے بند ہے۔ تم اسے کھول کے اند جانا۔ اس بارہ دری کے پہلے ہی کمرے میں تمہیں وہ خطرناک ناگن نظر آئے گی تمہیں قتل کرنا ہے مگر خبردار تم اس پر تلوار نہ اٹھانا اور اپنے آپ کو اس کا ہمدر کرنا۔ تم اسے اپنے خوب صورت پیکر سے ضرور متاثر کر لو گے۔ جب تمہیں اس کا حاصل ہو جائے تو اسے بتانا کہ تم نے اس کے فرار کے تمام انتظامات کر لیے ہیں، وہ تم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اسے لیکر محل کی چار دیواری کے پاس جا دیواری کے چور دروازے کا قفل کھلا ہو گا۔ باہر نکل کر دیکھو گے تو دائیں بائیں دو دکھائی دیں گے۔ بائیں جانب کا راستہ گھوم کر اس محل کے صدر دروازے کی طرف

اور دائیں طرف کا راستہ تمہیں سیدھا ساحل سمندر تک لے جائے گا۔ سمندر کی کنارے تمہیں جھاڑیوں سے بندھی ایک کشتی ملے گی۔ اس پر بیٹھ کے ساحل کے ساتھ ساتھ دائیں طرف جانا اب تم آبنائے باسفورس کے پانی میں ہو گے۔ کشتی کو تھوڑی دور سمندری کے اندر لے جانا اور پھر برجیس کو اٹھا کر باسفورس کی لہروں کے سپرد کر دینا۔ تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ انہی راستوں سے گزر کر میرے پاس آجانا۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔"

یوسف اس کی تمام ہدایات کو ذہن نشین کرتا گیا۔ قوش خاموش ہوا تو یوسف نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ قوش کی نظریں اس کے چہرے پر لگی تھیں۔ قوش نے کہا۔ "تم سوچ رہے ہو گے کہ ان تمام مراحل سے گزرنے کے دوران تمہیں کوئی حادثہ بھی پیش آسکتا ہے اور کوئی تمہارا راستہ روک سکتا ہے۔ اگر تمہارے دل میں کوئی ایسا خیال پیدا ہوا ہے تو اسے نکال پھینکو۔ خشکی اور سمندر پر میں نے تمام انتظامات کر دیے ہیں یہاں تک کہ اگر برجیس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی، تو بھی اس کی مدد کو کوئی نہ پہنچے گا۔ تم اپنی کشتی کو اس وقت تک وہاں ٹھہرائے رکھنا جب تک تمہیں برجیس کے غرقاب ہونے کا پورا اطمینان نہ ہو جائے۔ تمہارے لیے آخری ہدایت یہ ہے کہ اگر برجیس کسی موقع پر بھی مزاحمت کرے تو تم اسے قتل کر سکتے ہو لیکن اس کی لاش تمہیں اسی جگہ سمندر کی لہروں کے سپرد کرنا ہے جس کی میں نے نشاندہی کی ہے۔"

"حضور والا۔" یوسف نے دل مضبوط کر کے کہا۔ "میں اس ضدی لڑکی کو آپ کے حکم کے مطابق جہنم رسید کر دوں گا۔ آپ کو اس معاملے میں ذرا بھی شبہ نہ رہنا چاہیے۔ آپ کے حکم کے علاوہ میرا آقا میرا ضامن ہے۔ میں کوئی غلط قدم اٹھا کر انھیں مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔"

"مجھے تم سے ایسی ہی امید ہے۔" قوش بولا۔ "تمہارا ساتھی زیادہ طاقت ور ہے۔ میں اسے بھی منتخب کر سکتا تھا لیکن اس سے کسی نرمی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ تم چونکہ عورتوں کے لیے بہت جاذب نظر ہو اور صرف تم ہی اس خطرناک لڑکی کو پھسلا کر اس کے مقتل تک لے جا سکتے ہو۔ شام ہو رہی ہے، چراغ روشن ہوتے ہی تم اپنا کام شروع کر دینا اور یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا کہ اس محل سے سطح سمندر تک میری آنکھیں تمہارے تعاقب میں رہیں گی۔"

جان قوش دوسرے کمرے میں چلا گیا اور یوسف اس سنگین معاملے کے مدو جزر پر غور کرنے لگا۔ اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ برجیس کو باسفورس کی لہروں

کے حوالے کرکے اپنے آقا کی جان بچائے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اندھیرا پھیل گیا اور
محل شمعوں سے جگمگا اٹھا۔ اس عرصے میں سوائے شمعیں جلانے والی کنیز کی اس کے
کوئی نہ آیا۔ حالانکہ وہ اس وقت بھی جان قوش کی نظروں میں تھا۔ جان قوش وہاں
اٹھ کے دوسرے کمرے میں ایسی جگہ جا کے بیٹھ گیا تھا جہاں سے وہ یوسف کے چہرے
پورے تاثرات دیکھ سکتا تھا۔

یوسف' وزیر کے اس وسیع کمرے میں ایک الجھن میں گرفتار تھا۔ اسے یاد آیا کہ
نے کہا تھا کہ مجبوری کی حالت میں وہ برجیس کو قتل کر سکتا تھا لیکن اس کے پاس نہ
تھی اور نہ خنجر' پھر وہ کس طرح برجیس کا خاتمہ کرے گا۔ اس خیال سے وہ سخت پر
تھا۔ اس نے پورے کمرے میں ادھر ادھر گھوم کے دیکھا لیکن وہاں اسلحہ نام کی کوئی
تھی۔ وقت گزر رہا تھا اور اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اس دروازے کے پا
جس سے قوش دوسرے کمرے میں گیا تھا لیکن وہ دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔
---- کا بڑا دروازہ بھی ---- جس سے وہ داخل ہوا تھا وہ بھی باہر سے بند تھا۔

آخر یوسف نے بغیر اسلحے کے اپنا کام شروع کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس دروازے
پاس گیا جس سے اسے باہر نکلنا تھا۔ اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ فوراً کھل گیا
نے احتیاط کے طور پر گردن نکال کر راہداری میں دونوں طرف دیکھا۔ سوائے مدھم ر
کے اسے دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ باہر میدان میں سفید چاندنی بکھری ہوئی تھی یو
راہداری میں آیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک ستون کے ساتھ تلوار اور خنجر
ہوئے ہیں۔ یوسف' وزیر کی دور اندیشی اور احتیاط پر بڑا حیران ہوا۔ یہ اسلحہ اسے وزیر
دے سکتا تھا لیکن شاید اسے شبہ تھا کہ وہ تلوار پاتے ہی کہیں اس پر حملہ نہ کر دے۔ ا
لیے اس نے اسلحے کا انتظام اپنے کمرے سے باہر کیا تھا۔

یوسف نے خنجر کمر میں اڑس لیا اور تلوار ہاتھ میں لئے راہداری سے نیچے اترا۔ ا
نے تمام راستہ ذہن نشین کر لیا تھا۔ وہ پنجے تلے قدم اٹھاتا اس بارہ دری میں پہنچ گیا ج
میں اس کا شکار قید تھا۔ اس قید خانے کے تمام دروازوں پر بڑے بڑے قفل لگے تھے مر
سامنے کے دروازے پر زنجیر تھی ---- یوسف نے بڑی احتیاط سے زنجیر کھولی اور بڑ
تیزی سے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ پورا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا صرف ایک چھوٹا
روشندان کھلا تھا جس سے چھن چھن کے چاندنی اندر آ رہی تھی۔ یوسف دروازے ک
ایک طرف ہٹ کر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور تلوار نیام سے نکال کر مضبوطی سے پکڑ
اس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے برجیس کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن ا

سوائے کمرے کے درمیان میں ایک محدود جگہ پڑتی ہوئی چاندنی کے ایک ٹپے کے اور کچھ نہ دکھائی دیا۔

یوسف نے تلوار سر سے بلند کی اور آہستہ سے کہا۔ "برجیس تم کہاں ہو؟" یہ کہہ کر وہ فوراً اپنی جگہ سے ہٹ کے دوسری جگہ پہنچ گیا۔

یوسف کی آواز پر کمرے میں ایک جگہ آہٹ ہوئی مگر برجیس نے جواب نہ دیا۔ ذرا انتظار کے بعد یوسف نے نہایت ملائمت سے کہا۔ "برجیس! میں جان قوش نہیں ہوں۔ میں تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گا۔"

آخر ایک کونے سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ "اے ظالم قاتل' تجھے ایک بے گناہ قیدی لڑکی کو قتل کرتے ہوئے خداوند یسوع مسیح کا ذرا خوف نہیں آتا؟"

"برجیس' یقین کرو میں تمہیں قتل کرنے نہیں آیا۔" یوسف نے اسے یقین دلانے کے لیے کہا۔ "میں نہ تو رومی ہوں اور نہ جان قوش کا غلام۔ مجھے ایک خاص ہستی نے تمھاری رہائی پر مقرر کیا ہے۔ میں ریاست موصل کا رہنے والا ایک مسلمان ہوں اور مسلمان بے گناہوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے۔ عورتوں پر ہاتھ اٹھانا میرے مذہب میں جائز نہیں۔"

"تو مجھے چند لمحوں کی زندگی کا فریب کیوں دینا چاہتا ہے۔" برجیس نے بے کسی سے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ موت نہ رومی ہوتی ہے اور نہ مسلمان۔ صاف کیوں نہیں کہتا کہ تو مجھے قتل کرنے آیا ہے؟"

"برجیس! کیا اس کمرے میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں؟"

"ہے لیکن میں شمع جلا کر اپنے قاتل کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی"

"برجیس شمع روشن کر کے مجھے دیکھو۔ تم دیکھو گی کہ میرے چہرے پر قاتل کا کوئی نشان نہیں۔" یہ کہتے ہوئے یوسف کی زبان کئی بار کانپ گئی۔ وہ صاف جھوٹ بول رہا تھا اسے اس بات کا افسوس تھا کہ اس نے اپنے مذہب کے حوالے سے برجیس کو فریب دینے کی کوشش کی ہے۔

برجیس کی طرف سے دیر تک خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ ملا۔ یوسف کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اسے پہلے ہی قدم پر خنجر سے کام لینا پڑ رہا ہے۔ اس نے ایک بار اور کوشش کی۔ "برجیس! شمع روشن کرو۔ میں تمھارا ہمدرد ہوں۔ تمہیں اس قید سے نکال کر باہر لے جاؤں گا۔ میرے ساتھی کشتی لئے ساحل پر میرا انتظار کررہے ہوں گے۔ وقت بہت کم ہے۔ تمہیں فضول باتوں میں نہیں الجھنا چاہیے"

"کیا تم مجھے یہاں قتل نہ کرو گے' باہر لے جانا ہے مجھے؟" برجیس نے خاموشی توڑتے

ہوئے جواب دیا۔

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ تمہیں چھڑانے آیا ہوں۔" یوسف نے اسے پھر
دیا۔"اگر تم نے دیر کی تو تمھارے ساتھ میں بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔"

یوسف کا آخری جملہ کام کر گیا۔ برجیس نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔"یقین تو نہیں آ
کبھی موت کو بھی رحم آسکتا ہے۔ میں شمع جلا رہی ہوں۔ پتہ نہیں میرے دل میں
موت کو دیکھنے کی خواہش کیوں پیدا ہوئی ہے؟"

شمع روشن ہو گئی۔ یوسف نے جلدی سے تلوار نیام میں کر لی۔ برجیس نے یوسف
اور یوسف نے برجیس کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں کیا چار ہوئیں کہ نظریں ایک دوسر
میں الجھ کر رہ گئیں۔ وہ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ برجیس کی عمر چودہ پند
سال سے زیادہ نہ تھی۔ روشن آنکھوں سے جھانکتی بے بسی اور خوف نے اس کی نظروں
پر اسرار بنا دیا تھا۔ وہ سرو قامت اور چھریرے بدن کی دوشیزہ تھی۔ باوجود اس قید تنہائی
شباب کی جولانیاں اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑتی تھیں

یکایک یوسف محویت سے چونکا۔ اسے اپنے فرض کا خیال آیا لیکن برجیس کی معصو
اور سحرانگیز جوانی نے اس کے فرض میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔

یوسف نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔"برجیس تم واقعی حور ارضی ہو"

برجیس نے بھی ایک آہ بھری اور بولی۔"میں سوچ رہی ہوں کہ میری موت کیا تم جی
خوب رو جوان کا روپ دھار سکتی ہے۔"

"میرے تصور میں ایک روتی اور منہ بسورتی مجبور لڑکی تھی۔" یوسف نے جیسے خوابو
میں کہا۔"لیکن تم تو گہنایا ہوا چاند ہو برجیس۔ میں تمہیں اس گہن سے نکالوں گا خواہ اس
میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے"

"تمہارے خوب صورت منہ سے یہ فریب کی باتیں اچھی نہیں لگتیں نوجوان۔"
برجیس نے زہر خند کیا۔"موت کا کام صرف ہلاک کرنا ہے۔ میں اپنے مقدر پر شاکر ہو
میں اپنا سر جھکاتی ہوں۔ تم ایک ہی وار میں میرا خاتمہ کردو۔ میں شور نہ مچاؤں گی، کوئی
مزاحمت نہیں کروں گی" اور برجیس نے فرش پر گھٹنے ٹیک کے سر جھکا دیا۔

یوسف جلدی سے آگے بڑھا۔ اس نے برجیس کے شانے پکڑ کے اسے کھڑا کر دیا اور
والہانہ انداز سے بولا۔"یہ وہ سر نہیں ہے جو کسی کے سامنے جھکے۔ میں اس سر کو بلند کروا
گا اور حوصلہ دوں گا کہ تم سر اٹھا کر چل سکو"

برجیس نے حیرت سے دیکھا اور پوچھا۔"اے کمزور دل قاتل! کیا نام ہے تمھارا؟"

"یوسف"

"تم واقعی یوسف ثانی ہو۔" برجیس نے کانپتے ہونٹوں سے کہا۔"مگر تم پاگل اور جذباتی
جوان ہو۔ اگر تم نے میری خوبصورتی سے متاثر ہو کر مجھے بچانے کی کوشش کی تو تم بھی
واقعی قتل کر دیے جاؤ گے۔ تم مجھے قتل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہو۔ لاؤ خنجر
مجھے دو۔ میں خود اپنا خاتمہ کر لوں گی۔ میں تمھاری آستینوں پر اپنے خون کے چھینٹے نہیں
دیکھنا چاہتی"

"برجیس! مت کرو ایسی باتیں۔" یوسف نے محبت بھرے لہجے میں احتجاج کیا۔"میں
اس وقت بہت طاقت ور ہوں۔ جن بلند و بالا فصیلوں اور دروازوں کو پھلانگ کر میں یہاں
تک پہنچا ہوں اسی طرح یہاں سے باہر نکلوں گا۔ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ برجیس۔" یوسف
نے اس کا ایک ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

برجیس ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔"یوسف نادان نہ بنو۔ اگر یہ
یقین کر لیا جائے کہ تم اپنی کوشش سے یہاں تک پہنچے ہو تو یہ قطعی ممکن نہیں کہ تم مجھے
محل سے باہر لے جا سکو۔ یہاں کے چپے چپے پر پہرہ ہے۔ تمام لوگ جان قوش کے غلام
ہیں۔ کئی ماہ سے میں اس قید میں ہوں لیکن کھانا پہنچانے والے کے سوا اور کوئی میرے پاس
نہیں آیا۔"

"کیا جان قوش بھی نہیں آتا؟"

"وہ خبیث تو اپنی منحوس صورت کے ساتھ روز آتا ہے" اس نے بڑی نفرت سے کہا
"آج دوپہر اس نے آخری بار مجھے رضا مند کرنے کے کوشش کی تھی۔ جب میں نے انکار کر
دیا تو اس نے بتایا کہ میں کل کے سورج کی روشنی اس روشن دان سے اندر آتے نہ دیکھ
سکوں گی۔ اس لیے میں نے آج شمع بھی روشن نہیں کی تھی۔ میں اپنے قاتل کا خوفناک چہرہ
نہیں دیکھنا چاہتی تھی --- مگر تم --- تم نہ معلوم کون ہو یوسف۔ مجھے واقعی بچانا چاہتے
ہو یا موت نے کوئی اور پھندہ میرے لیے تیار کیا ہے۔"

"سب پھندے کھل گئے ہیں۔" یوسف اطمینان سے بولا۔"تم دیکھو گی کہ میں کس
آسانی سے تمہیں باہر لے جاتا ہوں۔"

یوسف اس کا ہاتھ پکڑے باہر آیا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چودھویں کی تیز اور
شفاف چاندنی میں نظریں دوڑانے پر بھی برجیس کو کوئی پہرے دار نظر نہیں آیا۔ یہ بڑی
حیرتناک بات تھی پھر جب برجیس نے محل کے چور دروازے کا قفل کھلا ہوا دیکھا تو اس کی
حیرت کی انتہا ہو گئی۔ اسے یاد آیا کہ ایک ماہ قبل ایک اندھیری رات میں اسے اس

دروازے سے محل میں لایا گیا تھا۔ باہر آکر وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے سا
سمندر پر آ گئے۔ یوسف نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اسے ایک جھاڑی سے کشتی بندھی
دکھائی دی۔ اس نے کشتی کھولی اور دھکیل کر پانی میں اتاری۔ برجیس کو سہارا دے کر ا
میں سوار کر لیا۔ اب کشتی شاخ زریں کے پانی میں آہستہ آہستہ رواں تھی۔ کشتی کا ر
آبنائے باسفورس کی طرف تھا۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ برجیس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا وہ واقعی قید سے رہا ہو
ہے۔ یوسف کون ہے اور یہ اسے بچانا چاہتا ہے یا دور سمندر میں لے جا کر غرق کر دے
یوسف کے دل و دماغ میں طوفان اٹھا ہوا تھا۔ جان قوش نے اسے برجیس کے قتل پر ما
کیا تھا۔ اس کا آقا اسد الدین اس کا ضامن تھا۔ دوسری طرف ایک بے گناہ حسینہ تھ
جس کی صرف یہ خطا تھی کہ وہ جان قوش کے حکم پر سر تسلیم خم نہ کر سکی۔ اس نے ا
عصمت کی خاطر جان کی بازی لگا دی۔ ایک ایسی حسینہ کا قتل اس کے خیال میں کسی طر
جائز نہ تھا۔ یوسف کے ہاتھ پتوار پر تھے لیکن نظریں سطح آب پر کچھ تلاش کر رہی تھیں
دماغ کہتا کہ برجیس کو غرق کر کے جان قوش کی خوشنودی حاصل کر اور اپنے آقا کی جان
مگر دل ایک معصوم کی جان لینے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں یوسف؟" برجیس نے نہ جانے کس آس اور پیار سے کہا کہ
یوسف کا پورا وجود ہل کر رہ گیا۔

یوسف نے پہلے سمندر میں پڑتے ہوئے ماہتاب کے عکس کو دیکھا پھر برجیس کے چہرے
پر نظر ڈالی۔ اس نے اپنے پورے حوصلے کو بروئے کار لاتے ہوئے کہا۔ "اگر میں یہ کہوں کہ
جان قوش نے مجھے تمہاری ہلاکت پر مامور کیا ہے تو تم کیا جواب دو گی؟؟"

برجیس کی رگوں میں خون جم کے رہ گیا۔ اس نے گھٹی آواز میں جواب دیا۔ "یوسف
مجھے اس بات کا پہلے بھی یقین تھا اور اب بھی تمہاری بات پر اعتبار کرتی ہوں لیکن افسو
یہ ہے کہ تم میرے خون ناحق کا داغ اپنے دامن پر لگا رہے ہو۔ میں تمہارے خنجر سے
اپنے آپ کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ کاش تم نے اس وقت میری بات مان لی ہوتی۔"

"اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا برجیس۔" یوسف نے کھوکھلی آواز میں کہا۔ "جان قوش
چاہتا ہے کہ تمہیں قتل کرنے کے بجائے باسفورس کی لہروں کے سپرد کر دیا جائے۔ میں بھی
یہ ناگوار فرض ادا کرنے پر مجبوری سے آمادہ ہوا ہوں۔ چالاک جان قوش نے میرے آقا کو
ضمانت کے طور پر اپنی حراست میں رکھا ہے اگر میں اس کام سے انحراف کروں تو میرا آقا
قتل کر دیا جائے گا۔"

"مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" برجیس اکتاہٹ سے بولی۔ "مجھے افسوس ہے کہ
تم نے مجھے فریب دیا لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری موت تمہارے ہاتھ سے ہو۔ میں خود
اپنی جان دیے دیتی ہوں۔" برجیس کھڑی ہو گئی اور چاہا کہ سمندر میں چھلانگ لگا دے۔

یوسف بجلی جیسی تیزی سے اپنی جگہ سے اچھلا اور برجیس کو مضبوطی سے دبوچ
لیا۔ "برجیس میں تمہیں اس جوانی میں نہیں مرنے دوں گا۔" یوسف نے اسے بٹھاتے ہوئے
کہا۔ "میں تمہیں بچاؤں گا برجیس۔ انسان کو آس کا دامن کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ میں نے
پہلے جو کچھ کہا وہ اس حقیقت کا اظہار تھا کہ میں کن حالات کے تحت اس ہیبت ناک قتل پر
آمادہ ہوا۔"

"میں تمہاری ہمدردی کی شکر گزار ہوں یوسف۔" برجیس سسکیوں میں بولی۔ "مجھے
مر جانے دو۔ جب تک میں زندہ ہوں جان قوش چین سے نہ بیٹھے گا۔"

"ان باتوں کو چھوڑو۔" یوسف نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ کہ قسطنطنیہ میں
تمہیں کس جگہ پناہ مل سکتی ہے؟؟"

"کہیں بھی نہیں۔" برجیس نے بے بسی سے انکار میں سر ہلایا۔ "قسطنطنیہ کا ہر گھر اور
ہر راستہ میرے خون کا پیاسا ہے۔ جان قوش کے اقتدار سے سب ڈرتے ہیں۔ جس کے گھر
پناہ لوں گی وہ جان قوش سے منہ مانگا انعام حاصل کر کے مجھے اس کے حوالے کر دے گا۔
میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم مجھے بچا کے اپنی اور اپنے دوست کی جان داؤ پر لگاؤ۔ مجھے تو بہر
صورت قتل ہونا ہے۔ میں تم دونوں کو اس میں کیوں شریک کروں؟؟"

"برجیس! میں تمہیں کنواری حضرت مریم کی قسم دیتا ہوں کہ سمندر میں چھلانگ لگانے
کی کوشش نہ کرنا۔" یوسف نے جذبات سے پر لہجے میں کہا "اگر تمہارے بچاؤ کی کوئی
صورت پیدا نہ ہوئی تو میں تمہارے ساتھ ہی سمندر میں کود جاؤں گا۔"

"یوسف!" برجیس اور کچھ نہ کہہ سکی اور یوسف کو حیرت اور محبت کے ملے جلے
جذبے سے تکنے لگی۔

یوسف اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ کشتی سطح آب پر رواں دواں تھی اور یوسف کے
خیالات اسے نہ جانے کہاں سے کہاں اڑائے پھر رہے تھے۔ معاً ایک خیال تیزی سے اس
کے دماغ میں آیا۔ اس نے پوچھا۔ "برجیس، تمہیں معلوم ہے کہ قسطنطنیہ میں حکومت مصر
کا سفارت خانہ ہے۔"

"مجھے علم ہے یوسف۔" برجیس نے ٹھنڈی سانس لی۔ "دو سال پہلے میں مصری سفارت
خانے کی ایک تقریب میں اپنے باپ کیساتھ شریک ہوئی تھی۔ میرا باپ سرحد ——"

"مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔" یوسف نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ بتاؤ کہ سفارت خانہ کس جگہ ہے؟"

برجیس نے جگمگاتے ساحل کی روشنیوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کشتی سفارت خانے کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ شہنشاہ نے احتیاط کے طور پر تمام سفارت خانوں کو شہر سے باہر منتقل کر دیا ہے۔"

"اگر ہم کشتی ساحل پر لے جائیں تو کیا تم سفارت خانے کے راستے کی رہنمائی کر سکو گی؟" یوسف نے بے تابی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ میں قسطنطنیہ کی گلیوں میں کھیل کر جوان ہوئی ہوں۔" برجیس نے جواب دیا۔ "تمام سفارت خانوں کو آبادی سے الگ رکھا گیا ہے۔ اس طرف کسی رومی کو جانے کی اجازت نہیں۔"

"بہت خوب۔" یوسف خوش ہو گیا۔ "خدا نے چاہا تو ضرور کوئی صورت نکل آئے گی۔"

یوسف نے کشتی ساحل کی طرف موڑ دی اور برجیس نے جس جگہ نشاندہی کی وہاں کشتی ساحل سے لگ گئی۔ یوسف نے کشتی ایک رسی سے درخت سے باندھ دی۔ اس جگہ ساحل سنسان پڑا تھا نہ کوئی سوار تھا نہ پیدل۔ برجیس اسے لیے ہوئے مختلف راستوں سے گزر کر سفارت خانے کی عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔

موصل کا امیر عماد الدین زنگی تھا۔ یہ وہی عماد الدین زنگی ہے جس نے سلجوقی شہزادوں کی جانشینی کی جنگ میں قراچہ ساقی سے شکست کھائی تھی۔ زنگی اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ قلعہ تکریت پہنچا۔ وہاں کے ایک غیر معروف حاکم نجم الدین ایوب نے اسے قلعہ میں بڑی عزت سے اتارا اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ نجم الدین اور عماد الدین زنگی میں شناسائی تک نہ تھی۔ نجم الدین نے زنگی کے ساتھ جو سلوک کیا وہ وقت کی نزاکت اور انسانی ہمدردی کے تحت کیا لیکن زنگی کے رخصت ہونے کے بعد نجم الدین کو اس مہمان نوازی کا بڑا سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔

کہتے ہیں کہ مجاہد الدین بہروز ایک بڑا سلجوقی امیر تھا۔ سلجوقی شہزادوں کی تخت نشینی کی جنگ کے وقت وہ سلجوقی سلطان کی طرف سے بغداد کا شحنہ (گورنر) تھا۔ موصل کا زنگی اور بغداد کا بہروز دونوں ہم عصر تھے اور دونوں میں لاگ ڈانٹ رہتی تھی زنگی بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا اور یہ بات بہروز کو پسند نہ تھی۔ بہروز ومنہیا کے علاقے داوین کا رہنے والا تھا اسی جگہ شادی نام کا ایک شخص رہتا تھا جو بہروز کا گہرا دوست تھا۔ جب بہروز بغداد کا

گورنر بنا اور شادی اپنی مفلسی سے پریشان ہو کر داوین سے نقل مکانی کر کے بغداد پہنچا تو بہروز نے پرانی دوستی کی بنا پر شادی کو تکریت کے ناقابل تسخیر قلعہ کا حاکم مقرر کرا دیا۔ شادی کے مرنے کے بعد یہ عہدہ اس کے بڑے بیٹے نجم الدین ایوب کو دیا گیا۔

بہروز کو جب علم ہوا کہ اس کے قلعہ دار نجم الدین نے اس کے دشمن عماد الدین زنگی کو تکریت میں پناہ دی تھی تو وہ غصے سے بھڑک اٹھا اور نجم الدین کو معزول کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ اسی زمانے میں نجم الدین کے چھوٹے بھائی اسد الدین کے ہاتھ سے کوئی ذی اثر آدمی مارا گیا۔ اس کے عزیزوں نے بغداد پہنچ کر عباسی خلیفہ سے فریاد کی۔ بہروز کو اچھا موقع ہاتھ لگا۔ اس نے خلیفہ سے کہہ کر نجم الدین کو معزول کرایا۔ خلیفہ بغداد نے اپنے حکم میں لکھا کہ نجم الدین فوراً تکریت سے چلا جائے اور وہ دوسری صبح کا سورج دریا پار کسی اور جگہ دیکھے۔

حاکم تکریت نجم الدین کو عباسی خلیفہ کا فرمان شام کے وقت موصول ہوا۔ فرمان پڑھ کے نجم الدین کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ ایک تو صبح ہونے سے پہلے تکریت چھوڑنے کی فکر دوسرے یہ غم کہ اس کی بیوی امید سے تھی اور بچے کی پیدائش کسی بھی وقت متوقع تھی۔ فرمان سے سرتابی کی اس میں ہمت نہ تھی لیکن ایک ہی رات میں یہ سب کچھ ہونا مشکل نظر آرہا تھا' پھر بھی اس نے تکریت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور سامان باندھا' جانے لگا مگر وائے قسمت کہ نصف شب کے فوراً بعد سامان باندھنے کی دوڑ دھوپ کے درمیان زنان خانے میں ایک نومولود بچے کی پہلی چیخ بلند ہوئی۔ یہ نجم الدین کا پہلا بیٹا تھا اور اگر حالات درست ہوتے تو اس ولادت پر جس قدر بھی خوشی منائی جاتی وہ کم تھی لیکن نجم الدین تو غموں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نئی فکر سے وہ اس قدر گھبرایا کہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ایسی رات اور ایسے گمبھیر وقت میں کسی بچے کی پیدائش کو نحوست اور بدشگونی سمجھا جاتا ہے لیکن قدرت نے شاید اس بدشگونی اور وہم کو رد کرنے کے لیے اس بچے کو پیدا کیا تھا کیونکہ توہم پرستوں کے خیال کے برعکس یہی بچہ جب جوان ہوا تو اس نے مجاہد کبیر صلاح الدین ایوبی کا نام پایا جس کے نام سے یورپ اور ایشیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔

نجم الدین نے خلیفہ کے فرمان کی تعمیل کی۔ وہ زچہ بچہ اور دیگر اہل خاندان کو ساتھ لے کر صبح سے پہلے ہی دریائے دجلہ پار کر گیا۔ دوسری طرف پہنچ کے اسے موصل کے حاکم امیر عماد الدین زنگی کا خیال آیا۔ زنگی اس سے چلتے وقت کہہ گیا تھا کہ نجم الدین اسے جب بھی آواز دے گا زنگی کو دجلہ کے کنارے کھڑے پائے گا۔

نجم الدین نے فوراً" موصل کا رخ کیا۔ عماد الدین نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا اور نجم
الدین اور اس کے بھائی اسد الدین کو اپنے خاص سرداروں میں داخل کر لیا۔

سلجوقی سلطنت کا جس تیزی سے شیرازہ بکھر رہا تھا اسی تیزی سے زنگی خاندان کا سورج
چڑھ رہا تھا۔ زنگی دیکھتے ہی دیکھتے سلجوقی سلطنت کا سب سے زیادہ طاقت ور امیر بن گیا۔
وہ زمانہ تھا جب ملک شام اور جزیرہ میں صلیبی سورما اودھم مچائے ہوئے تھے۔ کسی مسلم
انھیں روکنے کی طاقت نہ تھی۔ بارین سے لے کر مصر کی سرحد تک نصرانیوں کا قبضہ تھا۔
مسلمان امیر خانہ جنگی میں الجھے ہوئے تھے۔ امیر زنگی ان صلیبیوں سے کئی جھڑپیں کر چکا تھا
لیکن ان سے بڑا مورچہ لینے سے پہلے اسے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کو زیر کرنا تھا۔

تکریت سے واپس آنے کے بعد عماد الدین زنگی چار سال تک اندرونی حالات کو
درست کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس نے مسلم حکمرانوں کے علاوہ نصرانیوں کے مضبوط قلعہ
اثارب پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ نصرانیوں کے خلاف جہاد کے لیے پوری طرح تیار تھا
لیکن جہاد کی کامیابی کے لیے دمشق پر قبضہ ضروری تھا۔ دمشق کا حکمران مجیر الدین تھا لیکن
اصل اقتدار اس کے سپہ سالار معین الدین انز کے ہاتھ میں تھا۔ انز اور زنگی میں بڑے
سخت اختلافات تھے ۱۱۳۵ء میں زنگی نے دمشق پر حملہ کیا' لیکن سپہ سالار انز کی جنگی چالوں
اور تدبر کے سامنے زنگی کی ایک نہ چلی اور اس کا یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔

دو سال بعد زنگی نے دمشق پر دوسرا حملہ کیا۔ سپہ سالار انز نے بڑی زبردست چال
چلی۔ اس نے زنگی کے خلاف نصرانی شاہ یروشلم بالڈون کا تعاون حاصل کر لیا۔ زنگی دمشق
پہنچا تو اس نے انز کے لشکر کے ساتھ شاہ یروشلم کو بھی اپنے خلاف صف آرا دیکھا۔ انز
کی مسلمانوں سے اس غداری پر زنگی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے ایسا زبردست
حملہ کیا کہ دمشق اور یروشلم کے لشکریوں کو پسپا ہو کر قلعہ بارین میں پناہ لینا پڑی۔ اس
قلعہ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اس کی بلندی پہاڑوں کی چوٹیوں سے زیادہ اونچی اور
جوزا کی چوٹی کے برابر تھی لیکن زنگی کی منجنیقوں نے قلعہ کی دیواروں کے پرخچے اڑا دیے
اور بارین کا جھنڈا سرنگوں ہو گیا۔ عماد الدین زنگی نے غیر معمولی نرمی کا اظہار کیا۔ اس
نے بارین کے بادشاہ فولک کو ایک خلعت بخشی اور شکست خوردہ فوج کو پورے اعزاز کے
ساتھ قلعہ سے باہر آنے کی اجازت دے دی۔

اس فتح کے بعد زنگی اپنے مستقر موصل واپس آگیا۔ اسے قلعہ بارین کے محاصرے
کے دوران ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اثارب کے نصرانی قلعہ کی فتح کے بعد ہی سے پورے
یورپ پر صلیبی جنگوں کا بخار چڑھ گیا تھا۔ شکست خوردہ نصرانی پادری پاپائے روم جو
نصرانیوں کا سب سے بڑا پیشوا تھا' کے دربار میں پہنچ گئے تھے اور پاپائے روم نے یورپ کے
تمام نصرانی بادشاہوں اور خصوصاً" شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس پر زور دیا تھا کہ وہ زنگی
سے عیسائی علاقے واپس لے اور اسے اس زیادتی کی خاطر خواہ سزا دے۔ امیر موصل کی
دوربین نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ یورپ کے مذہبی جنونیوں کا طوفان کسی وقت بھی ایشیا میں
داخل ہو سکتا ہے۔ اسی لیے وہ بارین سے فوراً" واپس آ کر اپنی جنگی تدبیروں میں لگ گیا۔

امیر زنگی کو سب سے بڑا خطرہ شہنشاہ قسطنطنیہ سے تھا۔ وہ ایشیا کے تمام چھوٹے بڑے
نصرانی لارڈوں اور شاہوں سے پنجہ آزمائی کر چکا تھا۔ شاہ یروشلم کا زور بھی اس نے بارین
کے محاصرہ میں دیکھ لیا تھا لیکن شہنشاہ قسطنطنیہ کے بارے میں اسے کچھ بھی علم نہ تھا۔ زنگی
کے میدان میں آنے سے پہلے تمام مسلم امیر' نصرانیوں سے خوف زدہ رہتے تھے۔ شہنشاہ
قسطنطنیہ تو ان کے خیال میں ایک ایسی عظیم طاقت تھی جس سے مقابلے کا تصور بھی نہیں
کیا جا سکتا تھا

یہی یہ وہ موقع تھا جب زنگی نے اپنے بڑے سرداروں کو صلاح مشورے کے لیے بلایا۔
نجم الدین ایوب اور اس کا بھائی اسد الدین زنگی دربار سے منسلک تھے۔ دونوں بھائیوں نے
زنگی کے ساتھ تمام جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ اور شجاعت کا اعلیٰ مظاہرہ کیا تھا۔ زنگی نے نجم
الدین کو بعلبک کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور چھوٹا بھائی اسد الدین زنگی کے سرداروں میں

شامل تھا۔

زنگی نے اپنے سرداروں کو شہنشاہ قسطنطنیہ کے خطرے سے آگاہ کرتے کہا۔"بہادر سردارو، نصرانیوں کے سب سے بڑے پیشوا پاپائے روم نے قسطنطنیہ کے کو ہم سے بدلہ لینے کی تاکید کی ہے۔ مسلمان سوائے خدا کے دنیا کے کسی شہنشاہ سے ڈرتے لیکن دشمن کو کمزور سمجھنا ایک بڑی غلطی ہے۔"

زنگی کے سرداروں نے فورا" تلواریں بلند کر کے اپنی وفاداری اور جہاد میں شہید کا بڑے جوش سے اعلان کیا۔

زنگی نے ان کے جذبے کو سراہا اور کہا۔"میں تمھاری بہادری اور جذبے کے قدر ہوں لیکن مجھے اب ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو دشمن پر تلوار کے بجائے اپنی و فراست سے حملہ کرے۔ جنگ تلوار اور فراست دونوں سے لڑی جاتی ہے۔ اس جنگی حکمت عملی ہے۔"

سرداروں کی سمجھ میں زنگی کی بات نہ آئی۔ وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ الدین ہمت کر کے بولا۔ "امیر محترم! یوں تو آپ کا ہر سردار اطاعت و فرماں برداری بہادری میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ جس کو جس کام کے لیے منتخب کریں گے وہ آ حکم بجالائے گا۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں عقل اور فراست کا مالک ہوں پھر بھی کام کے لیے جس تک ہماری عقل کی اب تک رسائی نہیں ہو سکی میں اپنی خدمات کرتا ہوں اور امید ہے کہ امیر مجھے اس کے بجا لانے کا حکم دیں گے۔"

زنگی نے مسکرا کے کہا۔"اسد الدین تمھاری تلوار کے جوہر میں نے میدان جنگ دیکھے ہیں۔ مجھے تمھاری لڑائی کا انداز بھی پسند ہے لیکن تم نہایت منچلے جوان ہو اور بڑے صبرو تحمل کا ہے۔"

اسد الدین کے بعد تمام سرداروں نے باری باری اپنی خدمات پیش کیں۔ زنگی کچھ غور کرنے کے بعد بولا۔"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کام پر سب سے پہلے میں اسد الد کو مامور کروں گا کیونکہ اس نے پہلے اس کی خواہش کی ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ ناکام اس صورت میں کسی دوسرے کا انتخاب کیا جائے گا۔"

زنگی کے دوسرے سرداروں نے اسد الدین کو مبارک باد دی۔ اسد الدین کا سینہ سے پھول گیا۔ سرداروں کو رخصت کرنے کے بعد زنگی نے اسد الدین سے کہا۔ الدین میں نے تمھارا اس لیے انتخاب کیا ہے کہ تم میرے محسن نجم الدین کے بھائی میں نے شہنشاہ قسطنطنیہ کے خطرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ میرے جاسوس یہ اطلاع

سے قاصر ہیں کہ قیصر روم کے پاس کتنا لشکر ہے۔ بہادری میں اس کا کیا مقام ہے۔ اگر وہ ہمارے ملک میں داخل ہوا تو کون سا راستہ اختیار کرے گا' اور اگر ضرورت پڑے تو اسے جنگ سے باز رکھنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔"

اسد الدین ہر بات غور سے سن رہا تھا لیکن اصل مسئلہ اب تک اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ اس نے کہا۔"امیر مجھے حکم دیجئے مجھے کیا کرنا ہے۔ میں امیر کے اعتماد کو انشا اللہ ٹھیس نہ پہنچنے دوں گا۔"

زنگی نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔"اسد الدین تمھیں فورا" قسطنطنیہ جانا ہے اور اپنی فراست سے ان تمام باتوں کا پتہ لگانا ہے جس میں میرے تمام جاسوس ناکام رہے ہیں۔ اس سلسلے میں' میں تمھاری کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ تمھیں اس کا منصوبہ خود بنانا ہے اور کسی طرح یہ اطلاعات جلد سے جلد مجھ تک پہنچانا ہے۔ میں تمھیں صرف یہ مشورہ دے سکتا ہوں' کہ اگر تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو مصری سفارت خانے کا تعاون حاصل کرنا۔ شاہ مصر نے میری اور نصرانیوں کی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کیا ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ یروشلم اور قسطنطنیہ میں اس کے سفارت کار میری در پردہ مدد سے دریغ نہ کریں گے۔"

عماد الدین زنگی نے اسد سے کوئی مزید گفتگو نہ کی اور اسے فورا" روانہ ہونے کا حکم دے کر رخصت کر دیا۔ یہی وہ حکم تھا جس کے تحت اسد الدین اپنے غلام یوسف کے ساتھ راستے کی صعوبتیں برداشت کرتا رومی سرحد پر پہنچا اور خود کو رومیوں کے حوالے کر دیا۔ سرحد سے وہ قسطنطنیہ بھی پہنچ گیا اور رومی وزیر سلطنت جان قوش کا اعتماد بھی حاصل کر لیا لیکن اس بوڑھے مکار وزیر نے اسے اور یوسف کو جس امتحان میں ڈالا اسے سوچ سوچ کر وہ پریشان ہو رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ جان قوش نے یوسف کو کس بے گناہ کے قتل کا حکم دیا اور اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ وہ تو یوسف کا ضامن بنا پہرے داروں کی سخت حفاظت میں بیٹھا تھا رات گزرتی جارہی تھی اور اسد پر ایک نامعلوم خوف طاری ہوتا جا رہا

مصری سفارت خانے کے دروازے پر دونوں طرف دو شمعیں پھیکی پھیکی روشنی بکھیر رہی تھیں اور ایک مصری چوکیدار اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ یوسف اور برجیس کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم سو رہے ہو چوکیدار؟" یوسف نے ذرا رعب سے کہا

"نہیں جناب۔" چوکیدار نے آنکھیں پٹ پٹائیں۔ "مگر آپ کون ہیں اور کیا چاہتے

ہیں؟"

"مجھے اسی وقت سفیر سے ملنا ہے۔"

"اس وقت؟" چوکیدار نے بات کاٹ دی ۔"سفیر صاحب آرام فرما رہے ہیں۔ ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"جس طرح تم سو رہے ہو اسی طرح تمھارا ذہن بھی نیند میں ڈوبا ہوا ہے۔" نے اور زیادہ رعب سے کہا۔

"میں قاہرہ سے آیا ہوں اور شاہ مصر کا ایک ضروری پیغام سفیر مصر کو پہنچانا ہے۔"

چوکیدار نے بڑی حیرت سے یوسف کو سر سے پیر تک دیکھا اور فوراً" جھک کر کیا۔"صاحب آپ صرف چند لمحے یہاں انتظار فرمائیے میں ابھی صاحب کو خبر کرتا ہوں

چوکیدار نے لوہے کا گیٹ کھولا اور اندر جا کر اسے دوسری طرف سے بند کر باوجود گھبراہٹ کے اس نے گیٹ کھلا نہیں چھوڑا ' پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا حویلی میں ہو گیا۔

برجیس نے پوچھا۔ "تم شاید عربی بول رہے تھے ۔ کیا کہا اس سے۔ میرے بتایا؟"

یوسف خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر برجیس کو دیکھا ۔ بولا ۔" عربی نہ بولتا تو وہ مجھ سے بات بھی نہ کرتا ۔ میں نے کہہ دیا کہ میں شاہ مصر کا ایک سفیر کے لیے لایا ہوں ۔"

تم نے اس سے جھوٹ کہا ہے کہیں اس کا الٹا اثر نہ ہو ۔ برجیس گھبرا گئی تھ

"جھوٹ نہیں برجیس' یہ مصلحت تھی"۔ یوسف نے سمجھایا۔ " سفیر مصر سے الگ گفتگو کرنے کی صرف یہی تدبیر ہو سکتی تھی"۔

"اور اگر سفیر نے بگڑ کر تمھاری مدد کرنے سے انکار کر دیا تو؟ " برجیس نے ظاہر کی۔

"امید پر دنیا قائم ہے برجیس"۔ یوسف نے کہا۔ "اگر سفیر نے پناہ دینے سے تو تم اور میں دونوں قتل کر دیے جائیں گے۔"

"یوسف"۔ برجیس گلوگیر آواز میں بولی۔ " تم میرے ساتھ مرنے کی کوشش ہو۔ مجھے اجازت دو کہ میں واپس جا کر سمندر میں چھلانگ لگا دوں اور تم جا کر وزیر سے کہہ دو کہ برجیس کا خاتمہ ہو گیا"۔

یوسف نے کوئی جواب نہ دیا۔ چوکیدار تیزی سے واپس آ رہا تھا۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا اور ان سے کہا۔ " تشریف لائیے' سفیر صاحب آپ سے ملنے لیے بے چین ہیں"۔

ی اور برجیس گیٹ میں داخل ہوئے۔ چوکیدار نے گیٹ پھر بند کیا اور آگے آگے چلنے اس کی رہنمائی میں یہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کے ایک دروازے کے سامنے رکے اسی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص نے باہر نکل کے کہا۔ "مالک بن خضر آپ کو خوش ید کہتا ہے"۔

اس کے ساتھ مالک نے تجسس بھری نظروں سے برجیس کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"شاید میں عالی جناب سفیر مصر سے مخاطب ہوں؟" یوسف نے تصدیق چاہی۔

"بالکل' میں ہی سفیر ہوں۔" مالک بن خضر نے کہا۔ " آپ شاہ مصر کا پیغام بے پہنچا سکتے ہیں۔ اگر حکم نامہ تحریری ہے تو مجھے عنایت کیجیے۔؟"

یوسف نے برجیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان خاتون کو کسی جگہ بٹھا یے۔ میں تنہائی میں گفتگو کروں گا"۔

گیٹ کا چوکیدار واپس جا چکا تھا۔ سفیر نے دروازے کے ساتھ لٹکتی ریشم کی ایک ی کو کھینچا۔ اس سے مترنم سی آواز پیدا ہوئی اور ایک غلام کسی طرف سے بھاگتا ہوا ر کے پاس پہنچ گیا۔

"ان خاتون کو عزت سے دوسرے کمرے میں بٹھاؤ"۔

سفیر حکم دے کر پیچھے ہٹا اور یوسف سے اندر آنے کی درخواست کی۔ یوسف اس کے کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ کافی روشن تھا اور ہر طرف بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

کمرے کا جائزہ لے رہا تھا لیکن مالک شاہی پیغام کے لیے بے چین تھا۔ اس سے نہ گیا بولا۔ "مہربان نوجوان۔ آپ میری بے چینی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ خدا کے لیے جلد یے۔ میرے لیے شاہ کا کیا حکم ہے؟"

"آپ قطعی پریشان نہ ہوں"۔ یوسف نے کہا۔ " میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں ہ شاہ مصر نے امیر موصل عماد الدین زنگی کو نصرانیوں کے خلاف یہ مدد دینے کی زبان دی ے"۔

مالک نے بڑی متوحش نظروں سے یوسف کو دیکھا اور نہایت نرم آواز میں کہا۔ " رم نوجوان' کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ شاہ مصر یا امیر زنگی سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"۔

"محترم مالک صاحب! آپ نے یہ تو اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میرا کسی حکومت سے اتنا گہرا لق ہے کہ میں اس راز کو بھی جانتا ہوں جس تک عام آدمی کی قطعی پہنچ نہیں۔" یوسف

نے اطمینان سے کہا۔ " آپ کسی الجھن میں نہ پڑیے۔ میں سب کچھ بتاتا ہوں۔
یوسف ہے۔ میں اور میرے آقا اسدالدین امیر موصل عماد الدین زنگی کے خاص
ہیں۔ آپ کو یہ سن کر تعجب نہ کرنا چاہیے کہ ہم دونوں اس وقت وزیر سلطنت جا
کی ملازمت کر رہے ہیں۔ جان قوش نے ایک خاص کام سے مجھے ساحل پر بھیجا تھا
سیدھا وہیں سے آرہا ہوں۔" یوسف نے رک کر مالک بن خضر کو دیکھا۔ اس کا
سے کھلا ہوا تھا۔

"عالی جناب سفیر مصر"۔ یوسف نے باوقار انداز میں کہا۔ "میرے امیر والئ
عمادالدین زنگی نے مجھے حکم دیا تھا کہ اگر مجھے کسی وقت ضرورت پڑے تو میں سف
تعاون حاصل کر سکتا ہوں۔ کیا آپ شاہ مصر کے حکم کے مطابق مجھ سے تعاون
ہیں؟"۔

"مگر آپ .... برادر یوسف.... آپ کیا واقعی امیر زنگی کے کارندے ہیں؟" مالک
گھبرائے اور وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ رات کو یوسف کا ایک جوان اور خوب صور
کو ساتھ لے کر آنا' خود کو امیر زنگی کا کارندہ ظاہر کرنا اور یہ بھی بتانا کہ .... جان قو
اسے ساحل پر بھیجا ہے۔ یہ سب اسے خواب کی سی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔

یوسف نے اس کی حالت کا اندزہ کر لیا اور کہا۔ "محترم سفیر۔ آپ کو میری
مشکل ہی سے یقین آئے گا۔ جان قوس کے پاس میرا پہنچنا اور اس کا اعتماد حاصل کر
باتیں ہیں جن پر مشکل ہی سے یقین کیا جاسکتا ہے لیکن یہ سب حقیقتیں ہیں جن کی
میں پھر کسی وقت بیان کروں گا۔ آپ مجھ پر اعتبار کیجئے۔ میرے پاس وقت بہت کم
مجھے ابھی واپس جا کر جان قوش کو رپورٹ دینی ہے۔ کیا میں امید کروں کہ آپ کو
باتوں پر یقین آگیا ہے؟"

مالک بن خضر کے حواس اس وقت تک درست ہو چکے تھے۔ اس نے سمجھ لیا
خوب صورت جوان ضرور امیر موصل کا کوئی خاص آدمی ہے اور اس کی یہ کمال ہے
ہے کہ رومی وزیر سلطنت کے محل میں داخل ہو کر اس کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ مالک
لجاجت سے کہا۔ " برادر یوسف ! آپ کی باتیں بڑی سحر انگیز ہیں۔ مجھے آپ کی شخ
اندزہ ہو گیا ہے۔ فرمایئے میرے لیے کیا حکم ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون
پر آمادہ ہوں۔؟"

یوسف کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے کہا۔ "اس وقت آپ سے
یہ التماس ہے کہ یہ لڑکی جسے میں آپ کی سپردگی میں دے رہا ہوں۔ میرے منصوبے

خاص مہرہ ہے۔ جان قوش اس کی جان کا دشمن ہے۔ میں آپ کے پاس اسی لیے لایا ہوں
جان قوش کا تصور بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے حالات کا
اندازہ لگا لیا ہوگا۔ اس کے علاوہ نصرانی دوشیزہ برجیس سے مجھے کچھ تعلق خاطر بھی ہے۔ مجھے
امید ہے کہ آپ اس کی پوری حفاظت کریں گے۔"

مالک نے مسکرا کر کہا۔ " نوجوان یوسف! آپ مجھ پر اعتماد کریں۔ نصرانی دوشیزہ کی
پوری حفاظت کی جائے گی اور وہ میرے گھر میں آپ کی امانت ہو گی بشرطیکہ اس نے مجھ
سے تعاون کیا"۔

" میں برجیس کو سمجھا دوں گا"۔ یوسف نے کہا۔ " وہ مصیبت زدہ ہے اور یہاں سے
فرار ہونے کی کبھی کوشش نہ کرے گی۔ اب مجھے اجازت دیجیے میں جانے سے پہلے برجیس
کو کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں"۔

" جیسے آپ کی مرضی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی خاطر نہیں کرسکا"۔

مالک اسے لیے اس کمرے پر پہنچا جہاں برجیس کو بٹھایا گیا تھا۔ " آپ اندر جا کر
برجیس سے گفتگو کریں۔ میں چوکیدار سے کہے دیتا ہوں کہ وہ آپ کو باہر جانے دے۔ اس
کے علاوہ میرے لیے کوئی اور حکم ہو تو فرمایئے؟"

"آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ یوسف نے جذبہ احسان مندی سے کہا۔ " اگر خدا
نخواستہ میں مارا جاؤں یا مجھے کہیں اور جانا پڑے تو آپ برجیس کو کسی طرح قاہرہ پہنچا دیجیے
گا۔ قاہرہ والے خود اسے زنگی دربار بھجوا دیں گے۔ یہ بات میں برجیس کو بھی سمجھا دوں
گا۔"

سفیر مصر' یوسف کو دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا۔ برجیس دروازے سے لگی کھڑی باتیں
سن رہی تھی۔ سفیر کے جاتے ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ یوسف تیزی سے اندر داخل
ہوا۔

"یوسف' میرا خیال ہے کہ تم نے اپنی مسحور کن باتوں سے سفیر کو رام کر لیا ہے۔؟"
برجیس نے والہانہ انداز میں کہا۔

"برجیس ! میں خداوند تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایک معصوم کی زندگی
بچانے کی توفیق بخشی۔" یوسف نے جلدی جلدی کہا۔ " تم یہاں اس وقت تک محفوظ رہو
گی جب تک قسطنطنیہ میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔ اگر خدانخواستہ تمھیں میرے
قتل ہونے کی اطلاع ملے تو تم مصر چلی جانا۔"

میں نے سن لیا یوسف۔" برجیس خوشی اور کسی نا معلوم جذبے کی شدت سے کانپنے

لگی تھی۔ "یوسف مجھے اجازت دو کہ میں شکرگزاری کے اظہار کے طور پر تمہارے
بوسہ دوں۔" یہ کہتے ہوئے برجیس نے اس کا ہاتھ پکڑا۔
"نہیں برجیس۔" یوسف نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ "میرا مذہب یہ اجازت نہیں دیتا
کہ کوئی مرد سوائے اپنی بیوی کے کسی اور عورت کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرے"
"تو پھر مجھے اپنے پیر چھونے کی اجازت دو۔" برجیس نے بھری بھری نظروں سے
کی۔
"یہ پرستش کا طریقہ ہے۔" یوسف نے بتایا۔ "تم نہیں جانتیں کہ مسلمانوں
سوائے خدائے واحد کے کسی اور کی پرستش کا خیال بھی گناہ ہے۔"
"تم بہت عظیم ہو یوسف۔" برجیس ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "تمہاری بیوی
بڑی خوش قسمت عورت ہے جسے تم جیسا شوہر میسر آیا۔"
برجیس کے الفاظ پر یوسف ایسے نازک حالات میں بھی اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ
سکا۔ "برجیس! میری زندگی میں اب تک کوئی عورت داخل نہیں ہوئی۔ مجھے بھی ایک
اور وفادار جیون ساتھی کی ضرورت ہے۔ اگر میں زندہ رہا اور قسمت نے یاوری کی تو
ساتھی کے انتخاب میں میری نظریں سب سے پہلے تم پر....." یوسف نے جملہ نامکمل چھوڑ
دیا اور تیزی سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر پہنچ کے وہ رکا اور مڑ
کر بولا۔ "اچھا برجیس! میں تمہیں اپنے خدا کی حفاظت میں چھوڑ رہا ہوں۔ فی امان اللہ
یوسف دروازے سے نکل گیا۔ برجیس اسے کوئی جوب نہ دے سکی۔ اس کی نظریں دونوں
دروازے پر جم کے رہ گئیں۔
یوسف سفارت خانہ کے گیٹ پر پہنچا۔ سفیر نے چوکیدار کو ہدایات دے دی تھیں۔
اس نے بلا عذر دروازہ کھول دیا یوسف باہر آیا اور پلٹ کر سفارت خانہ پر ایک نظر ڈالی
تیز قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی طرف چلنے لگا۔ اس کے دل میں خیالات اور جذبات کا طوفان
اٹھا ہوا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ کس طرح وزیر کے محل میں واپس پہنچا۔ وزیر
کمرے کے دروازے پر جب اس نے ہاتھ رکھا تو کھل گیا۔ جان قوش شمع کی روشنی
کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس نے چونک کر یوسف کو دیکھا پھر دیر تک دیکھتا ہی رہا۔ یوسف
وحشت زدہ سا سر جھکائے کھڑا تھا۔
"یوسف!" ٹھہری ہوئی آواز میں جان قوش نے اسے مخاطب کیا۔
یوسف نے ویران ویران آنکھوں سے جان قوش کو دیکھا۔
"کیا ہوا یوسف! تم نے کام کر دیا؟"۔

"جی... وزیر محترم' آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔"
"کیا.... کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟" وزیر کتاب پھینک کر کھڑا ہو گیا۔
"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" یوسف نے افسردگی سے جواب دیا۔
"مگر تم نے اتنی دیر کیوں کی؟ اب تو رات ختم ہونے والی ہے۔"
"آپ اس رات کو کہہ رہے ہیں۔" یوسف نے پاگلوں جیسے انداز میں کہا۔ "میرے
تو ہزاروں راتیں گزر گئیں' وزیر محترم۔ جس پرندے کو اپنی موت کا یقین ہو اسے
قابو میں کرنا کس قدر مشکل ہے۔ برجیس کو قید خانے میں خاموش رکھنا اسے رہائی کا فریب
دے کر سمندر تک لے جانا کسی ملک کے فتح کرنے سے کسی طرح کم نہیں۔ میں نے میدان
جنگ میں کتنوں کے گلے کاٹے ہیں' خون کے سمندر میں گھوڑا تیرایا ہے۔ مرنے والوں کی
چیخیں اور آہ وزاری سنی ہے مگر برجیس کی خوفناک اور کربناک موت کا منظر میں کبھی نہ
بھول سکوں گا۔ برجیس کا قتل ہزاروں قتلوں پر بھاری تھا۔"
"تمہیں اسے قتل کرنا پڑا؟" جان قوس نے بے چینی سے پوچھا۔
"کسی کو غرق کرنا قتل کرنے سے کہیں مشکل ہے۔" یوسف نے افسردگی سے کہا۔ "
آہ! میں اس منظر کو کس طرح بھلاؤں گا۔ برجیس کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اسے قید سے
چھڑا کر کسی محفوظ مقام کی طرف لیے جا رہا ہوں۔ وہ جانے مستقبل کے کیا کیا منصوبے بنا
رہی تھی۔ اسے آخری لمحے تک مجھ پر اعتماد رہا' پھر جب میں نے انتہائی تیزی سے اسے
دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر سر سے بلند کیا تو اس نے بڑی محبت سے میرا نام لیا۔ میرا جسم
کانپ اٹھا مگر میں نے بڑی بے دردی سے اسے باسفورس کی لہروں کے سپرد کر دیا۔ اس کی
ایک چیخ بھی نہ نکل سکی اور وہ ڈوبتی چلی گئی۔ میں سر سے پیر تک لرزہ براندام تھا۔ میں
اپنے اس گھناؤنے فعل پر ضرور پشیمان ہوا ہوں گا۔ مجھے اس پر رحم بھی آیا ہو گا مگر یہ سب
کچھ بعد از وقت ہوا تھا برجیس غرق ہو چکی تھی اور باسفورس کی لہریں بدستور رواں دواں
تھیں۔"
"یوسف میرے نوجوان دوست۔" جان قوش نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔
"تم پہلے ہی مرحلے پر ایک بڑے امتحان میں کامیاب ہوئے ہو میں جانتا ہوں کہ جوان
عورت مرد کی سب سے بری کمزوری ہے اور تم جیسے خوبرو جوان کے لیے تو برجیس کی ایک
لمحے کی رفاقت بھی نہایت طوفانی اور ہلاکت خیز ہو سکتی تھی لیکن تم ان تمام مراحل سے
کامیاب گزر کر میرے پاس آئے ہو۔ میں تمہیں وہ مقام اور درجہ دوں گا کہ تم اپنے وطن
اور عزیز و اقارب کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ گے۔"

"وزیر عالی مقام۔" یوسف نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "وطن میں نے خود چھوڑا امیر زنگی کی زندگی میں موصل کا ذرہ ذرہ میرا دشمن رہے گا' پھر اس دنیا میں آقا اسد کے علاوہ میرا کوئی عزیز و اقارب نہیں۔ میرے لیے سب سے بڑا یہ اعزاز ہے کہ مجھے میرے آقا کو آپ کے قدموں میں جگہ مل گئی۔"

برجیس

برجیس کو مصری سفارت خانے میں رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔

اسے یہ تو اطمینان تھا کہ وہ جان قوش کی قید سے آزاد ہو کر ایک محفوظ جگہ آگئی تھی لیکن اس کا مستقبل کیا ہو گا۔ اس کے بارے میں اسے کوئی علم نہ تھا اس کا باپ اگرچہ روی سرحد کا ناظم تھا لیکن وزیر سلطنت جان قوش کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے والدین اس کے اغوا کو قتل سمجھ کے اسے رو پیٹ چکے ہوں گے اور وقت نے ان کے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہوگا ایسی صورت میں اگر وہ اپنے والدین کے پاس واپس جانے کی کوشش کرے تو اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس تصور ہی سے وہ لرز اٹھتی تھی۔ وزیر سلطنت تو قیامت برپا کر دے گا اور اس کا باپ جو اسے صبر کر چکا ہے ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس قسم کے خیالات اسے ہر وقت گھیرے رہتے۔ جب وہ زیادہ الجھتی تو اپنے محسن یوسف کے بارے میں سوچنے لگتی۔ یوسف پر کیا گزری اس کا اس کو صحیح علم تو نہ تھا سوائے اس کے کہ مصری سفیر مالک بن خضر نے اسے بتایا تھا کہ یوسف اور اس کا ساتھی بدستور وزیر سلطنت کی ملازمت میں ہیں اور بظاہر خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ مصری سفیر برجیس پر بہت مہربان تھا اور دن میں ایک بار اس کی مزاج پرسی اور تسلی دینے کے لئے آتا تھا۔

دوسری طرف یوسف اور اسد الدین کے دن رات بغیر کسی خاص واقعے کے گزر رہے تھے۔ وزیر سلطنت نے انہیں اب تک کوئی اہم کام سپرد نہیں کیا تھا۔ وزیر سلطنت کے

اس اظہار کے بعد کہ شہنشاہ قسطنطنیہ امیر موصل کے خلاف ایک زبردست صلیبی
شروع کرنے والا ہے۔ ان کی پریشانیاں بڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے بہت کھوج لگا
کوشش کی کہ جنگی تیاریوں کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم ہو سکے مگر وزیر سلطنت
منہ میں زبان ہی نہ رکھتا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں مزید کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا۔
نے یوسف کو منع کر دیا تھا کہ وہ فوجی تیاریوں کے سلسلے میں کھوج نہ کرے کیونکہ اس
جان قوش کو شبہ ہو سکتا تھا۔

یوسف کو برجیس کی فکر الگ لاحق تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ برجیس پر کیا گز
ہے اور مصری سفیر کا اس کے ساتھ کیسا رویہ ہے اسے زیادہ پریشانی اس بات کی تھ
کہیں برجیس جلد بازی میں سفارت خانے سے فرار ہو کر اپنے باپ کے پاس پہنچ
کوشش نہ کرے کیونکہ اس کے خیال میں برجیس کا یہ قدم اس کی اور اس کے والد
ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے اور خود یوسف اور اسد کی تباہی کا بھی سامان ہو سکتا تھا۔

ادھر کئی دن سے وزیر سلطنت نے مصری سفیر کو کئی بار بلوایا تھا۔ یوسف اور اسد
لئے یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔ وزیر سلطنت مصری سفیر سے تخلئے میں گفتگو کرتا اور بعد
یوسف یا اسد کو اس کا ایک لفظ نہ بتاتا۔ ایک بار یوسف اور مصری سفیر مالک بن خض
راہداری میں سامنا ہو گیا۔ مصری سفیر وزیر سلطنت کے دو غلاموں کے پہرے میں گفتگو
بعد واپس آ رہا تھا اگر غلام ساتھ نہ بھی ہوتے تو بھی یوسف اس سے گفتگو کا خطرہ مول
لیتا۔ دونوں کی صرف آنکھیں چار ہوئی تھیں۔ لیکن نظروں کے اس لمحاتی تصادم میں
مصری سفیر نے وہ سب کچھ کہہ دیا جس کے لئے یوسف اور اسد بے چین تھے۔ یوسف
دیکھ کر مصری سفیر کے چہرے پر ہلکی سی چمک اور مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اور آنکھ
میں اطمینان کی جھلک تھی۔ یوسف کو اس بے زبانی کی زبان سے یہ اندازہ ہو گیا کہ بر
بالکل خیریت سے ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی اطمینان ہوا کہ مصری سفیر کا
سلطنت کے پاس بار بار آنا برجیس یا ان کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس نے
اسد کو بتایا تو اس نے اس خیال کی تائید کی۔

ایک دن جب یوسف اور اسد راہ داری میں کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ تو شہنشا
چوبدار آتا دکھائی دیا۔ یہ شہنشاہ جان کامنی نس کا خاص غلام تھا۔ اس کی وردی نہایت
اور بھڑکیلی تھی۔ سر پر جو ٹوپی تھی اس پر سونے چاندی کا کام کی ہوئی جھالر لٹک رہی
اور ہاتھ میں چاندی کا ایک لمبا عصا تھا جس کے سرے پر نیزے کی انی لگی تھی۔

"خدا خیر کرے۔ شاہی چوبدار کا آنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے"۔ اسد الدین نے آ

سے کہا۔

یوسف نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "آقا درست فرما رہے ہیں۔ آج پہلی بار یہ وزیر سلطنت کے محل میں دکھائی دیا ہے"۔ "میرا خیال ہے کہ شہنشاہ نے جان قوش کو طلب کیا ہے"۔ اسد نے خیال ظاہر کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وزیر سلطنت کی طلبی جنگی تیاروں کے سلسلے میں ہو"۔

"جی ہاں آقا۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" یوسف نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہوا کہ رومی فوجوں کی نقل و حرکت کی پوری ذمہ داری وزیر سلطنت کے سپرد ہے"۔

"اس حد تک تو مجھے بھی علم ہے"۔ اسد الدین اس طرح مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں یہاں کے حالات سے تجھ سے کہیں زیادہ باخبر ہوں۔

شاہی چوبدار بڑی رعونت سے قدم اٹھاتا ان کے قریب سے گزر کر وزیر کے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ دروازے کے دونوں مسلح پہریدار فوراً اس کے سامنے جھک گئے اور بغیر کوئی سوال کئے دروازہ کھول دیا۔ چوبدار بڑی شان سے اندر چلا گیا۔ اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

وزیر سلطنت باتوں میں مصروف تھا۔ دروازہ اچانک کھلا تو اس نے سر اٹھا کر قہر آلود نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا چوبدار کو دیکھتے ہی اس کا غصہ ختم ہو گیا اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے چوبدار کے استقبال کو کھڑا ہو گیا۔

"آیئے آیئے۔ آپ کا آنا مبارک۔ خداوند یسوع مسیح کی آپ پر برکتیں ہوں۔" وزیر سلطنت نے اس قدر عاجزی سے کہا جیسے وہ چوبدار کی بجائے شہنشاہ کا استقبال کر رہا ہو۔

چوبدار نے وزیر سلطنت کو کوئی تعظیم پیش نہیں کی اور اس کے قریب پہنچ کے بڑے کھردرے لہجے میں بولا۔

"شہنشاہ عالم کے حضور وزیر سلطنت کی طلبی ہے"۔

"کتنا مبارک حکم ہے۔ شہنشاہ عالم نے مجھ ناچیز کو قدم بوسی کے لئے طلب کر کے کتنی بڑی عزت بخشی ہے۔ میں شہنشاہ کی اس نوازش ------"

"میرے پاس باتوں کا وقت نہیں ہے"۔ چوبدار نے رعب دار آواز میں قطع کلام کیا۔ "اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہے"۔

"ضرور کیوں نہیں" وزیر سلطنت نے لجاجت سے کہا۔ جان قوش فوراً چوبدار کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور سفیر مصر سے کہا "مالک بن خضر' میں اس وقت شہنشاہ کی قدم بوسی کو جا رہا ہوں۔ آپ کو پھر کبھی بلوا لوں گا"۔

مالک بن خضر سلام کر کے کمرے سے نکلا۔ اس کے پیچھے چوبدار اور چوبدار کے
میں وزیر سلطنت سر جھکائے ہوئے نکلا۔ وزیر سلطنت کا رنگ اڑا ہوا تھا اور پیر لڑکھڑا
تھے۔ وہ سخت متفکر اور گھبرایا ہوا تھا۔ شہنشاہ کا کسی امیر وزیر کو گھر سے طلب کرنا
کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتا تھا۔ ایک دن پہلے ہی شہنشاہ نے دربار خاص لگایا تھا اور
میں وزیر سلطنت بھی حاضر تھا پھر اسے کیوں طلب کیا گیا۔ دربار میں وزیر سلطنت کے
شمار دشمن موجود تھے اور اس اہم عہدے سے اسے ہٹانا چاہتے تھے۔ کیونکہ وزیر سل
میں سوائے سوتیلے بھائی ہونے کے اور کوئی خوبی نہ تھی۔ نہ اسے امور سلطنت کی سوجھ
تھی اور نہ جنگی ضرورتوں اور مصلحتوں کا اسے علم تھا۔

جان قوش بھیگی بلی بنا شہنشاہ کے حضور پیش ہوا۔ شہنشاہ اس وقت بالکل تنہا
صرف دو کنیزیں ساقی گری کی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ شہنشاہ قسطنطنیہ جان
نس مشرقی یورپ میں نصرانیوں کی سب سے بڑی طاقت تصور کیا جاتا تھا۔ ایک طرف وہ
کی فاطمی سلطنت پر آئے دن حملے کیا کرتا تھا۔ دوسری طرف یورپ کی تمام ریاستوں پر
کا سکہ جما ہوا تھا۔ شہنشاہ کا محل دربار اور ہر کمرہ اپنی سجاوٹ اور دل آویزی میں اپنی
آپ تھا۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک الگ باب کی ضرورت ہے۔

جان قوش نے فرش تک جھک کر اسے سلام پیش کیا۔ شہنشاہ نے ساقی کنیزوں کو
جانے کا حکم دیا۔ کنیزیں ساغر و مینا سمیٹتی جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"جان قوش"۔ شہنشاہ نے کچھ اس رعب سے کہا کہ جان قوش کا بدن لرز اٹھا۔
جان قوش نے جواب کے لئے منہ کھولا مگر شاہی رعب ۔ ۔ ۔ سے اس کا حلق
ہو گیا۔ وہ اپنے سر کو اثبات میں صرف ہلا سکا۔

"جان قوش" شہنشاہ نے اس کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے اپنی آواز نرم اور
ملائم کر دیا "خوف کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف مجرموں کے لئے قہر ہیں۔ تمہاری رگوں
تو ہمارے باپ کا کچھ نہ کچھ خون موجود ہے"۔

جان قوش کی جان میں جان آئی۔ آہستہ سے بولا۔ "یہ ناچیز تو صرف عالی
نوازشوں پر زندہ ہے۔ اگر غلام سے کوئی نادانستہ غلطی ہوئی ہو تو ازراہ الطاف خسروانہ
فرمایا جائے"۔

"نہیں جان قوش۔ ہم جانتے ہیں کہ تم ہمارے وفادار ہو اور ہم اپنے وفاداروں
کھول کے انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔" شہنشاہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔
ایک بات کا افسوس ضرور ہے اور اس کی وضاحت۔

جان قوش کی آدھی جان نکل گئی۔ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ عالیجاہ۔ انسان ہونے کی
حیثیت سے میں غلطیاں کر سکتا ہوں لیکن حضور والا کو یقین دلاتا ہوں کہ میں شہنشاہ عالی
مقام کے خلاف خواب میں بھی ایک لفظ کہنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ میں ہمیشہ سے شہنشاہ کی
اس غلامی میں مرنا چاہتا ہوں"۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے جان قوش!" شہنشاہ نے حیرت کا اظہار کیا۔ "ہمیں تم سے کوئی
شکایت نہیں اور اگر تم نے ہمارے خلاف ایک لفظ بھی کہا ہوتا تو تم ایک لمحہ بھی زندگی
نہیں رہ سکتے تھے۔ ہم تو ان دو جاسوسوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے جو تمہارے محل
میں بڑی آزادی سے گھومتے پھر رہے ہیں۔ کیا یہ غلط ہے کہ وہ دونوں ذلیل مسلمان ہیں؟۔

"عالیجاہ کو صحیح اطلاع دی گئی کہ دو مسلمان گرفتار کر کے میرے پاس لائے گئے ہیں"۔
جان قوش نے سنبھل کر کہا۔ ابھی وہ اس کی تفصیل بیان کرنا چاہتا تھا کہ شہنشاہ بول
پڑا۔

"جان قوش۔ تمہیں جاسوسوں کو ہمارے سامنے پیش کرنا تھا"۔ شہنشاہ کا لہجہ سخت ہو
گیا۔

"عالیجاہ۔ مجھے اس غلطی کی وضاحت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔" جان قوش نے
حواس پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"اجازت ہے"۔

"عالیجاہ۔ میرے پاس موجود دونوں مسلمانوں میں سے ایک کا نام اسد الدین ہے اور
دوسرا اس کا غلام یوسف ہے"۔

جان قوش نے پر سکون لہجے میں بتانا شروع کیا۔ "ان دونوں کا تعلق ہمارے دشمن امیر
عماد الدین زنگی کے لشکر سے ہے"۔

"کیا۔ کیا وہ موصل کے حاکم کے آدمی ہیں؟ شہنشاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"جی عالیجاہ" جان قوش نے تائید کی۔ "اسد الدین والی موصل کا خاص سردار تھا۔
لیکن اس کا کوئی فعل امیر زنگی کو ناگوار گزرا اور اسد الدین اور اس کے غلام کو قید میں
ڈال دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد یہ قید سے نکل بھاگے اور چھپتے چھپاتے رومی سلطنت کی سرحد پر
آ گئے۔ انہیں ہماری سرحدی چوکی کے محافظوں نے گرفتار نہیں کیا بلکہ ان دونوں نے اپنے
آپ کو ان کے حوالے کر دیا اور پناہ کے لئے طلب گار ہوئے ۔ سرحد کے ناظم نے انہیں
سخت پہرے میں مزید تفتیش کے لئے میرے پاس بھیج دیا"۔

"تو کیا تم نے انہیں پناہ دے دی؟" شہنشاہ نے جلدی سے پوچھا۔

"عالیجاہ۔ غلام یہ جسارت کیسے کر سکتا تھا" جان قوش نے جوش سے کہا۔ "دنیا ک
دینے والے تو شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامی نس ہیں"۔

"بے شک بے شک۔ ہم تمہاری بات سے خوش ہوئے جان قوش" شہنشاہ نے
کا اظہار کیا۔ "اب وہ دونوں کہاں اور کس حال میں ہیں؟"۔

"عالیجاہ۔ میں نے انہیں اپنے پاس اس لئے روک لیا تھا کہ ان کے بارے میں پو
تحقیق کروں۔ اگر وہ جاسوس ثابت ہوں تو شہنشاہ کے حکم سے انہیں قتل کرا دوں یا غلا
کے بازار میں فروخت کرا دوں۔ "لیکن عالیجاہ"۔ جان قوش جان بوجھ کے کہتے کہتے ر
گیا۔

"اپنی بات پوری کرو جان قوش" شہنشاہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا "انہیں کب پیش
رہے ہو ہمارے سامنے؟"۔

"عالیجاہ۔ میں عرض کر رہا تھا کہ ان کے بارے میں مزید کچھ اور معلومات حاصل
لوں پھر دونوں کو آپ کی قدم بوسی کے لئے لے آؤں گا۔ میں نے اپنی طرف سے
واقعات معلوم کئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں کام کے آدمی ہیں اور حضور ا
انہیں کوئی خدمت سپرد کریں تو اسے پورا کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔ وہ دراصل سلطن
روما کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ انہیں امیر زنگی کو کسی قیمت پ
واپس نہ کیا جائے"۔

شہنشاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "جان قوش کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ مسلمانوں ک
خلاف ہماری کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر وہ کچھ بھی نہ کر
تب بھی ان سے زنگی پر حملے کے وقت رہنمائی کا کام لیا جا سکتا ہے"۔

"عالیجاہ میرا خیال ہے کہ وہ اس سے زیادہ اہم خدمات انجام دے سکتے ہیں" جان قو
نے شہنشاہ کی خوشنودی کے لئے کہا "شہنشاہ اگر مناسب خیال فرمائیں تو انہیں بلا کر صر
یہ یقین دلا دیں کہ ان کی جانوں کا ہر صورت میں تحفظ کیا جائے گا۔ اس صورت میں ا
سے ہر قسم کا کام لیا جا سکتا ہے"۔

"جان قوش" شہنشاہ نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔ "ہمیں سلطنت مصر کی طر
سے پورے اطمینان کی ضرورت ہے۔ مصر نے بظاہر تو یہی معاہدہ اور اعلان کیا ہے کہ
ہمارے خلاف کسی حکومت کا ساتھ نہیں دے گا لیکن مصر کا فاطمی اور موصل کا زنگی دو
مسلمان ہیں۔ ان کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ بھی ہو سکتا ہے"۔

"شہنشاہ کی عقل و دانش کو بھلا کون پہنچ سکتا ہے" جان قوش نے خوشامدانہ اند

اختیار کیا "عالیجاہ نے جس خیال کا اظہار کیا ہے۔ میری عقل اس تک نہیں پہنچی تھی۔ اس
بات کا امکان نہیں بلکہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں جنگ کے وقت ایک ہو جائیں۔
شہنشاہ کا اقبال بلند ہے وہ سلطنت روما کا کچھ بگاڑ تو نہ سکیں گے لیکن خواہ مخواہ کی مشکلات
پیدا ہو سکتی ہیں"۔

"تم نے اس کا کیا علاج سوچا ہے؟" شہنشاہ نے مسکرا کے سوال کیا۔

جان قوش گھبرا گیا۔ گڑبڑاتے ہوئے بولا "میری کیا مجال ہے کہ شہنشاہ کے سامنے کوئی
منصوبہ پیش کروں۔ آپ شہنشاہ عالم ہیں۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں" جان قوش نے اپنی بلا ٹال
دی۔

شہنشاہ دراصل اس کی ذہانت کا امتحان لینا چاہتا تھا لیکن جان قوش نے وہ بات ہی گول
کر دی۔ آخر شہنشاہ نے کہا "جان قوش اگر تم ان جاسوسوں کا امتحان لینا چاہتے ہو تو مصری
سفارت خانے سے کام لو"

جان قوش بوکھلا کے شہنشاہ کا منہ دیکھنے لگا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ سفارت خانے
سے آخر کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ "عالیجاہ آپ کا قیمتی مشورہ غلام کی سمجھ میں نہ آسکا۔ مجھ پر
مہربانی فرمائیے اور حکم دیجئے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"ہمیں تمہاری عقل پر افسوس ہوتا ہے جان قوش" شہنشاہ نے چیں بجبیں ہو کے کہا
"اتنی سی بات تمہارے اتنے بڑے سر میں نہیں آتی۔ کیا تم انہیں مصری سفارت خانے
نہیں بھیج سکتے کہ یہ وہاں سے مصری خلیفہ کے خیالات معلوم کریں اگر انہوں نے اس کام
میں کامیابی حاصل کر لی تو ان پر اعتبار کیا جائے ورنہ دونوں کو قتل کر دیا جائے"

"شہنشاہ معظم۔ میں واقعی بڑا احمق ہوں" جان قوش نے گڑگڑا کر کہا "لیکن حضور والا
مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جو بات ذہن شاہی کو اتنی سی اور معمولی معلوم ہوتی ہے
اس تک سلطنت روما کا کوئی امیر وزیر اور دانشور ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتا"

شہنشاہ اس کی اس چاپلوسی اور خوشامد سے خوش ہو گیا۔ نرم ہو کے بولا "جان قوش۔
ہم نے تمہیں وزیر سلطنت بنایا ہے۔ تم بے وقوف کس طرح ہو ۔ سچ سچ بتاؤ کیا اس
ترکیب سے ہمیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا؟"

"عالیجاہ۔ یہ سو تدبیروں کی ایک تدبیر ہے" جان قوش نے خوشامد کا سلسلہ جاری رکھا
"اگر ان مفرور لوگوں نے مصری سفیر کے دل میں جگہ پیدا کر کے اس سے کوئی اہم راز
اگلوا لیا تو پھر ہم ان سے ایک دوسرا کام بھی لے سکتے ہیں"۔

"دوسرا کام" شہنشاہ نے چونک کے پوچھا "اور کیا کام لیا جا سکتا ہے ان سے؟"

"عالیجاہ۔ اگر مصری سفیر نے ذرا بھی اس بات کا اشارہ کیا کہ مصر اور موصل
درمیان کوئی معاہدہ ہوا ہے یا کسی قسم کا کوئی رابطہ قائم کیا جا رہا ہے تو ہم فوراً" مصر
سفارت بھیج سکتے ہیں اور یہ سفارت انہی دونوں کے سپرد کی جا سکتی ہے" جان قوش
بات ختم کر کے شہنشاہ کو دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔

"بہت خوب جان قوش" شہنشاہ نے بڑی مسرت سے کہا "تم بہت دور کی کوڑی لا
ہو مگر ان دونوں کو ایک ساتھ ضائع نہ کر دینا۔ پہلے ایک سے کام لینا اور اگر وہ ناکام
جائے تو پھر دوسرے کو آزمانا۔ ہم یہ کام تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ تم جس طرح چاہو ا
پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہو"

جان قوش شاہی محل سے واپس ہوا تو خوشی کے مارے اس کے قدم زمین پر نہ پڑ
تھے۔

☆

جان قوش کی شاہی محل میں طلبی اچانک ہوئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد یوسف ا
اسد نے وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔ ان کا خیال تھا
محل سے واپسی پر جان قوش انہیں بلائے گا اور انہیں بتائے گا کہ اسے کیوں طلب کیا گیا
لیکن پورا دن گزر گیا۔ رات بھی ہو گئی لیکن جان قوش کی طرف سے کوئی بلاوا نہ آیا۔ ا
کی قیام گاہ پر ان کی خدمت کے لئے دوسرے غلاموں کے ساتھ اس شوخ چشم کنیز کو بھ
مقرر کیا گیا تھا۔ شوخ چشم کنیز۔ یوسف پر کچھ اس درجہ فریفتہ ہو گئی تھی کہ دن رات اس
کے دروازے پر موجود رہتی اور یوسف یا اسد جب کسی کام کے لئے غلام کو بلاتے تو کنیز
اسے روک کر خود اندر چلی جاتی اور ان کا حکم بجا لاتی۔ اسد نے اسے ایک بار ڈانٹ دیا
تھا۔ اس لئے وہ اس کی طرف تو توجہ نہ دیتی مگر جب تک اندر رہتی چور نظروں سے یوسف
کو دیکھتی رہتی۔ اسد دل ہی دل میں اس کی بے وقوفی پر ہنستا رہتا لیکن شب تک جب جان
قوش نے انہیں طلب نہ کیا تو خود اسدالدین نے یوسف سے کہا "یوسف میرا ذہن سخت
پریشان ہے۔ ہمیں تو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کم بخت محل سے واپس آ
بھی کہ نہیں"

یوسف کو شرارت سوجھی۔ اس نے کہا "اگر آقا اجازت دیں تو میں شوخ چشم کو بھیج
کر ابھی معلوم کرا لوں"

"تمہاری مرضی" اسد نے بے پروائی سے جواب دیا۔ حالانکہ وہ خود ہی چاہتا تھا کہ

کسی طرح وزیر کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔
آقا کی اجازت پا کر یوسف نے شوخ چشم کو آواز دی اور شوخ چشم اتنی پھرتی سے اندر
آئی جیسے وہ اسی بات کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے آتے ہی مسکرا کر کہا۔ کیا خوبرو یوسف
نے مجھ کنیز کو طلب کیا ہے"

یوسف نے بڑی مشکل سے ہنسی روکی اور کہا "ہاں تم ہی کو بلایا ہے شوخ چشم۔ میرا
ایک کام کر دو گی؟"

"آپ کام کو کہتے ہیں کہئے تو سینہ چیر کر دل نکال کر رکھ دوں"

"اپنا دل اپنے پاس رکھو۔ ضرورت پڑی تو مانگ لوں گا" یوسف نے اسے رام کرنے
کے لئے شوخی دکھائی۔ "اس وقت تم سے ایک کام آن پڑا ہے اور وہ کام صرف تم کر سکتی
ہو"

"حکم دیجئے سرکار" شوخ چشم چہک کے بولی "آپ کا کام کرنے میں اگر جان بھی گنوانا
پڑے تو مجھے عذر نہ ہوگا"

"اچھا تو یہ معلوم کرو کہ وزیر سلطنت شاہی محل سے واپس آ گئے" یوسف نے مدعا
بیان کیا "اگر آ گئے ہیں تو ان کے چہرے کے تاثرات کیسے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ---"

"میں سمجھ گئی" شوخ چشم نے بات کاٹی "آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وزیر
سلطنت کی شاہی محل میں کیا درگت بنی کیونکہ وہ جب بھی طلب کئے جاتے ہیں شہنشاہ کی
جھاڑ کھا کے آتے ہیں۔ دو تین روز تک وہ کسی سے بات بھی نہیں کرتے"

"تم کافی سمجھدار ہو شوخ چشم"

"اگر آپ کی چشم عنایت کو بھا جاؤں تو میری خوش نصیبی ہوگی" یہ کہہ کر وہ تیزی
سے باہر کی طرف چلی مگر دروازے پر رکی اور پلٹ کر بولی "کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ پہلے
کھانا حاضر کروں؟"

"نہیں شوخ چشم۔ اس وقت بالکل بھوک نہیں ہے۔ تم میرا کام کرو"
شوخ چشم۔ اسے گھورتی اور مٹکتی ہوئے باہر چلی گئی۔

"بڑی چالاک ہے یہ کنیز" اسدالدین بڑبڑایا۔

"آقا اگر وہ کوئی اچھی خبر لائی تو یہ اس کی چالاکی کا ہی طفیل ہوگا" یوسف نے کہا۔
"رات کے وقت تو وزیر کی خواب گاہ کے قریب کوئی پھٹک بھی نہیں سکتا"

یوسف کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ شوخ چشم نصف گھنٹے کے اندر ہی اندر وزیر مملکت کے محل
کا چکر لگا کر واپس آ گئی اور ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ اسدالدین بھی اس کی باتیں سننے

کے لئے بے چین تھا۔ اس نے اپنا وقار برقرار رکھنے کے لئے شوخ چشم کی طرف
کرلی مگر اس جگہ بیٹھ گیا جہاں سے وہ اس کی گفتگو آسانی سے سن سکتا تھا۔
یوسف نے شوخ کو خوش دیکھ کر یہ تو سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی
بھی اس نے سوال کیا "کہو شوخ چشم کچھ پتہ لگا؟"
شوخ چشم نے ادھر ادھر دیکھا اور اطمینان کر کے کہ اسدالدین کی اس کی طرف پڑ
آواز دبا کے بولی۔ "خوبرو یوسف حکم دیں اور میں پتہ نہ لگاؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے"
ہوئے شوخ چسم کا چہرہ گلنار ہو گیا۔
"ذرا آہستہ بولو۔ آقا نے سن لیا تو غضب ہو جائے گا" یوسف نے تاکید کی۔
شوخ چشم نے اس کی طرف جھک کر اور زیادہ دبی آواز میں کہا "آپ کے آقا
میں جوان ہیں پھر انہیں میری باتوں سے کیوں الجھن ہوتی ہے؟"
"انہیں چھوڑو۔ تم اپنی بات کرو" یوسف نے بے چینی سے پوچھا۔
"سنئے میرے سرکار" شوخ چشم نے بھاری پلکیں جھکائیں۔
"جان قوش محل سے واپس آگیا ہے اور وہ بہت خوش ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ
نے اسے ڈانٹنے پھٹکارنے کے بجائے کوئی انعام دیا ہے"
"مگر شوخ چشم" یوسف نے سوچتے ہوئے کہا "رات کے وقت اس کے کمرے
پاس سے کوئی گزر بھی نہیں سکتا پھر تمہیں اس کی خوشی کا اندازہ کیسے ہوا؟"
"ہونہہ۔ تو آپ بھی یہاں کے قاعدہ قانون سے واقف ہو گئے" شوخ چشم اٹھلائی
"جان قوش جب پریشان ہوتا ہے تو کمرہ اندر سے خود بند کر کے پڑ جاتا ہے۔
دنوں میں اس کے پاس دو ساقی کنیزیں موجود رہتی ہیں لیکن اس وقت اس کا یہ عالم
اس کا کمرہ کھلا ہوا ہے۔ تمام شمعیں روشن ہیں اور دو کنیزوں کی بجائے ایک درجن
زیادہ کنیزیں ساقی گری کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ ایسی صورت صرف اس وقت
ہوتی ہے جب وہ بہت خوش ہو اس نے کوئی خاص کارنامہ انجام دیا ہو"
یوسف کو ادھر سے اطمینان ہوا تو ہنس کر بولا "وزیر کی ساقی گری کا تمہیں کبھی
موقع ملا ہے؟"
لعنت ہو اس بوڑھے پر" شوخ چشم نے تنگ کے اپنی صفائی پیش کی "بغیر
ضرورت کے میں اس رہداری کے قریب سے بھی نہیں گزرتی۔ ہاں اگر کبھی تمہاری
کی ساقی گری کا موقع ملے تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی"
"خاموش" یوسف نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تمہیں خیال رکھنا چا

کہ میرا آقا سخت مذہبی آدمی ہے۔ شراب کباب تو اس کی زندگی سے بالکل خارج ہیں"
"تو پھر اس محل میں آنے کی کیا ضرورت تھی" شوخ چشم نے ناگوار لہجے میں کہا "اس
محل کو تو وزیر سلطنت نے جنت بنا دیا ہے۔ عیش عشرت کے تمام سامان یہاں موجود ہیں۔
کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ وزیر سلطنت کو ہم لوگ پسند نہیں کرتے لیکن وہ ہم لوگوں میں
بے تحاشا مال و دولت تقسیم کرتا ہے جس کی وجہ سے ہم سب کے منہ بند ہو گئے ہیں اور
ہم جان قوش کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیتے۔"
یوسف کو یہ اطلاع نئی معلوم ہوئی۔ اس نے کرید کی "کیا جان قوش کے خلاف کوئی
سازش ہوئی تھی؟"
"ایک بار کیا اسے کئی بار قتل کرانے کی کوشش کی گئی لیکن ہم نے اسے بچا لیا۔"
شوخ چشم نے سنجیدگی سے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ درباری امیر اسے وزیر مملکت کے عہدے سے ہٹانا چاہتے ہوں
گے؟"
یوسف نے اسے ٹٹولا "اس کے علاوہ بھی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے؟"
"ہاں۔ ایک درجہ اور ہے" شوخ چشم بولی "جان قوش کو تروتازہ غنچے اور پھول مسلنے
کا شوق ہے۔ اس بری لت نے اسی بہت بدنام کیا۔ شہنشاہ کو بھی خبر ہو گئی اور معاملہ بڑی
مشکل سے رفع دفع ہوا مگر چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے باز نہیں رہتا پچھلے مہینے
اس نے ایک لڑکی کو کہیں سے اٹھوایا تھا اور اسے محل کی بارہ دری میں قید کر دیا تھا"
یوسف کا جسم کانپ اٹھا۔ اسدالدین نے بھی کان کھڑے کیے۔ شوخ چشم کا اشارہ
برجیس کی طرف تھا۔ یوسف نے اپنے حواس درست کیے اور آہستہ سے پوچھا "کیا وہ لڑکی
اب تک قید ہے؟"
شوخ چسم ہنس کر بولی "بڑے بھولے ہیں آپ۔ ایسی لڑکیاں زیادہ دن قید نہیں رکھی
جاتیں۔ جان قوش نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔"
"یعنی وہ قتل کر دی گئی؟" یوسف نے تھوک نگلتے ہوئے کہا "مگر کہاں۔ کیسے۔ کس
نے اسے قتل کیا؟"
"ان باتوں میں ہم لوگ نہیں پڑا کرتے۔ یہ جان قوش کا ذاتی فعل ہے" شوخ چشم
نے بے پروائی سے بولی "میں تو اسے دیکھ بھی نہیں سکی۔ جن لوگوں نے اس کی جھلک
دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ پری معلوم ہوتی تھی۔ دنیا میں اس قدر خوبصورت لڑکیاں پیدا
نہیں ہوا کرتیں"

"اسدالدین نے جو منہ گھمائے بیٹھا تھا' محسوس کیا کہ مطلب کی تمام باتیں معلوم ہو
چکی ہیں اور شوخ چشم بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس نے زور سے چھینک ماری اور کم
ہوگیا اور اس کے ساتھ یوسف اور شوخ چشم کی باتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ شوخ چشم کو پہلی
بار یوسف سے اس قدر کھل کے باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ تمام رات
باتیں ہوتی رہیں مگر وہ اسدالدین سے ڈرتی تھی۔ اس نے نازک انگلیوں سے یوسف کو سلام
کیا اور باہر چلی گئی شوخ چشم کی باتوں سے اسد الدین کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ
تمام رات بے چین رہا۔ رات کا کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اس کی طبیعت ست ہو گئی
تھی۔ یوسف نے کئی بار اپنے آقا کو اطمینان دلانے کا ارادہ کیا لیکن اس کی بے چینی کچھ
اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ یوسف کو ہمت نہ پڑی اور چپ چاپ اپنے بستر پر پڑا آقا کو
کن انکھیوں سے دیکھتا رہا۔ صبح کو اسد الدین کی طبیعت میں تساہل کے ساتھ چڑچڑا پن پیدا
ہو گیا۔ یوسف پھر بھی خاموش رہا یہاں تک کے دوپہر ہو گئی اور شوخ چشم بغیر طلب کے
ان کا کھانا لے آئی۔

"کھانا کس نے منگایا ہے؟" اسد الدین پر غصہ سوار تھا اس نے شوخ چشم پر غصہ
اتارنا شروع کر دیا۔

شوخ چشم گھبرا گئی۔ اسدالدین کی بھاری آواز نے اسے سہما دیا اس نے بڑے ادب
سے سر جھکا کر کہا "مہمان محترم کنیز نے حکم کی تعمیل کی ہے"

"کس نے حکم دیا تھا؟" اسدالدین بھر دہاڑا اور یوسف کو گھور کے دیکھا۔

"میرے فرض نے۔ معزز مہمان" شوخ چشم نے فوراً" جواب دیا۔ اسدالدین اس کا
منہ دیکھ کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یوسف نے کھانا منگایا ہے لیکن شوخ چشم نے یہ
الزام اپنے اوپر لے لیا

شوخ چشم نے اسدالدین کو بولنے کا موقع منہ دیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا
"کنیز مہمانوں کی میزبانی پر مامور ہے اس لئے کنیز کا فرض ہے کہ اگر مہمان کھانے کے وقت
پر کسی کام یا فکر میں گرفتار ہوں تو ان کے کام میں حارج ہوئے بغیر ان کی ضرورت کا خیال
رکھا جائے۔ مہمان نوازی کا یہی تکاضا ہے معزز مہمان"

شوخ چشم کی مہذب حاضر جوابی نے اسد الدین کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ اس نے کہا
"اچھا تم باہر جاؤ"

اس کے جانے کے بعد اس نے یوسف سے کہا "یوسف یہ کنیز بلا کی ذہین ہے۔ اس
کی باتوں میں عجب طرح کا سحر ہے۔ میں تمہیں اس سے ہشیار کرنا چاہتا ہوں"

"میرے آقا" یوسف رات بھر کی خموشی توڑتے ہوئے بولا۔ "ایک دل میں صرف
ایک ہی تصویر آویزاں ہو سکتی ہے اور وہ پہلے ہی موجود ہے۔ پتہ نہیں ابھی ہمیں جان قوش
کے ساتھ کتنے دن گزارنا ہیں اگر شوخ چشم جیسی چالاک کنیز کا تعاون مجھے محض ہنس بول
کے حاصل ہو جائے تو یہ سودا بہت ستا ہے" یہ کہتے ہوئے یوسف نے ایک ٹھنڈی سانس
لی۔

"مجھے یہی امید ہے" اسدالدین جواب دے کر پھر خیالوں میں کھو گیا۔

"آقا کھانا تناول فرمایئے۔ پیٹ خالی ہو تو خیالات بھٹکنے لگتے ہیں"

اسد کو یوسف کی بات پر ہنسی آگئی اور وہ کھانا کھانے پر آمادہ ہو گیا۔

ابھی انہوں نے پہلا نوالہ توڑا تھا کہ شوخ چشم بڑی تیزی سے اندر آئی اور ادب سے
بولی "میں معذرت خواہ ہوں کہ مجھے پھر آنا پڑا۔ وزیر سلطنت نے آپ دونوں کو فوراً" طلب
کیا ہے"

اسدالدین کے چہرے پر ابھرتی ہوئی شکنیں برابر ہو گئیں ۔ اس نے کھانے سے ہاتھ
کھینچ لئے اور یوسف کو ساتھ لے کر وزیر سلطنت کی طرف روانہ ہوا۔ دونوں کو خیالات
نے گھیر رکھا تھا۔ تمام راستے وہ کوئی گفتگو نہ کر سکے۔ وزیر سلطنت کے کمرے کے دروازے
پر ایک مسلح محافظ نے ان کا استقبال کیا۔

"اندر تشریف لے جایئے۔ حضور بہت بے چینی سے آپ کا انتظار فرما رہے ہیں" محافظ
نے ادب سے کہا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

دوپہر کا وقت تھا اور باہر دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن جان قوش کے کمرے میں صدہا
شمعیں اپنی روشنیاں بکھیر رہی تھی اور پورا کمرہ بقعہ نور ہوا تھا۔ اسد اور یوسف نے اندر
پہنچ کر سامنے نظر ڈالی تو جھجک کر کھڑے ہوگئے اور ان کی نظریں شرم سے جھک گئیں۔
درجنوں کنیزیں جان قوش کے گرد پروانوں کی طرح منڈلا رہی تھی مگر ان کے لباس صرف
نام کے تھے۔ عریانی اور نیم عریانی لباس کے اس بے محابہ جلوے نے اسد اور یوسف کو
خجالت اور شرم کے پسینے میں نہلا دیا۔ ان کی نظریں فرش پر گڑ کے رہ گئیں اور جسم ساکت
ہوگئے۔

اسی وقت جان قوش کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی "ارے آؤ۔ آگے آؤ۔
دروازے میں رک کیوں گئے تمہیں معلوم ہے کہ کل شہنشاہ نے مجھے کیوں بلایا تھا۔ یہ
میرے دشمن" جان قوش کہتے کہتے ایک دم رک گیا۔

دونوں شرم کے مارے زمین میں دھنسے جارہے تھے۔ جان قوش چپ ہوا تو وہ سمجھے کہ

شاید اسے ان کی حالت کا اندازہ ہوگیا ہے مگر ان کا یہ خیال غلط تھا جان قوس کی آواز پھر بلند ہوئی اب وہ ان کے بجائے کنیزوں اور ساقی لڑکیوں سے مخاطب تھا۔

"کم بختو۔ تم اب تک یہاں کھڑی ہو۔ جاتی کیوں نہیں۔ دیکھتی نہیں کہ میں شہنشاہ عالم کا ذکر کر رہا ہوں۔ جاؤ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔"

اسد اور یوسف کو کپڑوں کی سر سراہٹ اور ساغرو مینا اٹھانے کی آوازیں سنائی دیں۔ لمحہ بھر میں تمام گندگی قہقہے لگاتے ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اسد اور یوسف نے آنکھیں کھولیں اور سراٹھا کر جان قوش کو دیکھا۔

جان قوش معصومیت سے بولا "یہ شراب خانہ خراب انسان کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہے۔ میں بھول گیا کہ کنیزیں یہاں موجود ہیں اور ان کے سامنے ہی وہ راز کی باتیں بتانے لگا جو صرف تمہیں سنانا تھیں۔"

"وزیر محترم" یوسف نے شرارت سے کہا "شراب کے ساتھ اگر شباب شامل ہو جائے تو اسے دو آتشہ کہتے ہیں۔ اس عالم میں تو عقل سلام کر کے رخصت ہو جاتی ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم" جان قوش نے سر کو کئی بار جھٹکے دیے جیسے نشہ اتار رہا ہو

"آپ نے ہمیں طلب فرمایا ہے؟" اسد نے کوشش کی کہ جان قوش جلد سے جلد اصل بات پر آجائے۔

"ہاں بات تو تم سے رات ہی میں کرنی تھی۔" جان قوش بے تکے پن سے ہنسا۔ "لیکن رات یہاں اس قدر ہنگامہ تھا کہ تم لوگ یاد ہی نہیں آئے۔"

"یہ ہماری بد نصیبی ہے وزیر محترم" اسدالدین نے جل کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ بد نصیبی اب خوش نصیبی میں بدل جائے گی" وزیر نے پر سکون ہوتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ مصری سفارت خانے کون جائے گا؟"

اسد اور یوسف کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ وہ یہ سمجھے کہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے اور ان کے قتل کا حکم ہونے والا ہے۔ یوسف نے ہمت کر کے کہا "مصری سفارت خانے سے ہمارا کیا تعلق ہے ہم نے تو آپ کے قدموں میں پناہ حاصل کی ہے کیا آپ ہمیں اپنے سے جدا کر رہے ہیں؟"

یہ بات نہیں ہے یوسف" جان قوش نے سنجیدگی سے کہا "تمہیں شاید علم نہیں کہ مصر اور سلطنت روما ایک معاہدہ کے تحت آپس میں دوست ہیں لیکن شہنشاہ کو قاہرہ کے ایک جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ مصر کے فاطمی خلیفہ اور تمہارے امیر موصل زنگی کے

درمیان نامہ و پیام جاری ہے۔ شہنشاہ کی طبیعت اس اطلاع سے مکدر ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں اصل حالات معلوم ہوں تاکہ وہ اس کے مطابق کوئی قدم اٹھائیں۔"

"مگر ہم اس بارے میں کیا کر سکتے ہیں۔ یہ تو حکومتوں کے معاملات ہیں" یوسف نے بظاہر اپنی بے دلی کا اظہار کیا حالانکہ یہی مسئلہ ان کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا۔

"خیر یہ تو میں بعد میں بتاؤں پہلے یہ سنو کہ شہنشاہ نے مجھے کیوں بلایا تھا" جان قوش نے کہا "تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں شہنشاہ کا بڑا بھائی ہوں مگر میں نے خود ہی شہنشاہیت پسند نہیں کی اور اپنا حق جان کامنی نس کو دے دیا۔ شہنشاہ اسی وجہ سے ہر دم مجھ سے خائف رہتا ہے۔ کسی نے شہنشاہ کو اطلاع دی کہ میں نے دو مسلمان جاسوسوں کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔ اس خبر سے وہ اس قدر بدحواس ہوا کہ مجھے فوراً بلا بھیجا۔ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ موصل کے دو جوان میرے محل میں زیر حراست ہیں لیکن وہ جاسوس نہیں ہیں پھر میں نے تم دونوں کی اتنی تعریفیں کیں کہ شہنشاہ تمہیں دیکھنے کا مشتاق ہوگیا اسے دوران مصری سفارت خانے کا ذکر آگیا۔ شہنشاہ نے مجھ سے کہا کہ اگر تمہیں ان آدمیوں پر اعتماد ہے تو پھر ان میں سے ایک کو مصری سفیر کے پاس بھیجو اور اس سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اگر سلطنت روما اور موصل کے حکمران کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو مصر کس کا ساتھ دے گا"

مصری سفارت خانے کا نام سن کے یوسف کے دل میں گدگدی ہو چکی تھی مگر اسدالدین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود بولا "وزیر عالی مقام اگر ہمیں اس آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہیں تو وہ ہمیں ثابت قدم پائیں گے۔ ہم مصری سفیر کے دل میں جگہ پیدا کریں گے اور اس سے وہ سب کچھ اگلوا لیں گے جو اس کے دل میں ہے"

"شاباش اسدالدین۔ تم ہماری بات پوری طرح سمجھ گئے" پھر وزیر نے یوسف کی طرف گھوم کر کہا "کیوں یوسف اگر یہ کام تمہارے سپرد کیا جائے تو کیا تم کر سکو گے؟"

یوسف نے ایک لمحے کے لئے اسدالدین کی طرف دیکھا پھر سنبھل کے کہا "آقائے محترم میں بالکل تیار ہوں اور اس دفعہ بھی آپ کا کام پورا کر کے سرخرو ہوں گا"

"تمہیں بھی شاباش ہے یوسف" جان قوش نے تعریف کی اور کچھ سوچنے لگا۔ ذرا دیر بعد بولا "اسدالدین تمہارے چہرے پر دہشت اور سختی ہے یوسف تمہارے مقابلے میں خوش رو اور بھولا معلوم ہوتا ہے۔ میں یہ کام بھی اسی کے سپرد کر رہا ہوں۔ اس دوران تم اپنی قیام گاہ پر رہو گے اگر یوسف نے کوئی گڑبڑ کی تو تم اس کے ذمہ دار ہوگے"

"میں حکم کی تعمیل کروں گا اور گھر سے باہر نہیں جاؤں گا" اسد نے وزیر کو یقین

دلایا۔

"میں مصری سفارت خانے جاؤں گا اور وزیر سلطنت نے جو باتیں کہی ہیں ا
زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا" یوسف کے الفاظ سے خوشی پھو
تھی۔ اس کی مراد بر آئی تھی اور برجیس کا نقشہ اس کے تصور میں گھومنے لگا تھا۔

وزیر جان قوش بھی بہت پر امید تھا اس نے سوچا اگر یوسف یہ کام بھی حسب دل
کر گیا تو اس کی وقعت شہنشاہ کی نظروں میں بڑھ جائے گی۔ اس کے دشمن ذلیل ہو
اور اسے اپنی من مانی کرنے کا موقع مل جائے گا۔

"تم کل کسی وقت مصری سفارت خانے چلے جانا۔" جان قوش نے یوسف کو
کیا۔

"جی بہتر مگر——" یوسف یہ کہنا چاہتا تھا کہ مصری سفارت خانے کی طرف جا
ممانعت ہے۔ اس نے فوراً اپنی زبان بند کر لی۔

"کہو یوسف۔ کیا تمہیں سفارت خانے کا راستہ نہیں معلوم؟" وزیر نے اسے ا
دیکھ کے پوچھا۔

وزیر نے یوسف کی مشکل خود ہی آسان کر دی۔ یوسف نے کہا "جی وزیر محترم
قسطنطنیہ کے راستوں کا کوئی علم نہیں - میں نے تو ابھی شہر کا ایک کونا بھی نہیں دیکھا"

"اس کا انتظام کر دیا جائے گا" جان قوش بولا "تمہیں ایک حکم نامہ بھی جا
جائے گا جسے دکھا کر تم قصر شاہی کے علاوہ کسی مقام پر بھی جا سکتے ہو۔ تمہیں کوئی
روکے گا"

وزیر نے کچھ اور بھی ہدایات دیں جنہیں یوسف غور سے سنتا رہا۔ اسد الدین
باتیں سن رہا تھا اور دل میں مسکرا رہا تھا کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ یوسف کو س
خانے جانے کا کیا اچھا موقع ہاتھ لگا ہے۔

○

یوسف جب مصری سفارت خانے جارہا تھا تو اس کے پیروں میں جیسے پر لگ گ
وہ بار بار گھوڑے کو ایڑ لگا دیتا اور اس کا رہنما اس سے آہستہ چلنے کی درخواست
یوسف کو سفارت خانے کا راستہ بتانے کے لئے ایک سوار مقرر کیا گیا تھا جسے حکم تھا
یوسف کو سفارت خانے کی عمارت کے قریب تک پہنچا آئے۔ یوسف کا دل مسر

جذبات سے پر تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسے برجیس سے اس قدر جلد اور اتنے
اطمینان سے گفتگو کرنے کا موقع میسر آ جائے گا۔

رومی راہنما سوار یوسف کو سفارت خانے کی عمارت کے سامنے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔
یوسف نے گھوڑا بڑھایا۔ اس کے دل میں صدہا ارمان کروٹیں لے رہے تھے اسے وہ تاریک
شب یاد آئی جب وہ برجیس کو لے کر یہاں آیا تھا امید اور بیم میں ڈوبا ہوا اس کے برعکس
آج وہ بڑے فاتحانہ انداز سے سفارت خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گیٹ کے چوکیدار نے
ایک سوار کو آتے دیکھا تو حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ یہ وہی چوکیدار تھا جس سے یوسف کی
ملاقات اس خطرناک رات ہوئی تھی۔

یوسف نے گھوڑے سے اتر کر چوکیدار کو "السلام علیکم" کہا۔

چوکیدار نے آنکھیں جھپکائیں۔ دو ایک بار سر کو جھٹکا دیا پھر بڑی حیرت سے بولا۔
"وعلیکم السلام کیا آپ۔ آپ وہی ہیں؟"

یوسف مسکرایا۔ بولا "بالکل وہی ہوں لیکن کیا تم رات دن یہاں پہرا دیتے ہو؟"

"نہیں جناب" چوکیدار نے سنبھلتے ہوئے کہا "جب آپ پہلے آئے تھے تو میری رات
کی ڈیوٹی تھی اور آج کل میں دن میں پہرا دیتا ہوں" پھر ذرا رک کے کہا "آپ بہت دن
بعد آئے۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"حکم کوئی نہیں" یوسف نے ہنستے ہوئے کہا "سفیر کو میرا سلام کہو میں ملاقات کے لئے
آیا ہوں"

چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا "اندر آجائیے۔ میں ابھی اطلاع کرتا ہوں جب تک
آپ مہمان خانے میں تشریف رکھئے"

چوکیدار نے یوسف کو گھوڑا ایک طرف باندھ دیا اور اسے مہمان خانے میں پہنچا کر اندر
چلا گیا۔ یوسف کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ برجیس اسے اچانک
یہاں دیکھے گی تو پتہ نہیں اس کا خوشی سے کیا حال ہو گا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ مالک
بن حضر حیرت سے منہ کھولے مہمان خانے میں داخل ہوا۔ یوسف نے اسے بھی سلام کیا۔

سفیر اس قدر حیران اور پریشان تھا کہ سلام کا جواب دینے کے بجائے اس نے کہا۔
"جناب آپ۔ اس وقت دن کی روشنی میں خیریت تو ہے؟"

"بالکل خیریت ہے وزیر محترم" یوسف مسکرایا "خدا کا شکر ہے کہ میں جان قوش کا
اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اب اس قابل ہوں کہ آپ سے دن رات کسی
بھی وقت بھی مل سکتا ہوں"

"بڑی حیرت کی بات ہے یوسف صاحب" مالک نے حیرت کا تاثر ختم کرتے ہو
"برجیس کے متعلق کیا جان قوش کو اطمینان ہو گیا؟"

یوسف خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا "برجیس بے چاری تو ا
خیال میں کب کی ملک عدم سدھار چکی ہے۔ آپ کو یہ سن کر اور بھی تعجب ہو گا کہ
آپ کے سفارت خانے کی جاسوسی پر مقرر کیا گیا ہے۔"

"سفارت خانے کی جاسوسی" مالک کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "آپ میری جاسوسی
آئے ہیں؟"

"جی ہاں" یوسف خوش دلی سے بولا "مجھے یہ معلوم کرنے پر مامور کیا گیا ہے کہ
اور موصل کی جنگ کی صورت میں فاطمی خلیفہ کیا رخ اختیار کریں گے" پھر وہ فورا
موضوع بدلتے ہوئے بولا "خیر یہ تو باتیں ہوتی رہیں گی۔ برجیس کے بارے میں بتا
خیریت سے تو ہے؟"

"یوں تو برجیس بالکل خیریت سے ہے" مالک نے کہنا شروع کیا "میں نے اس
رہائش کے لئے باغ کی طرف کا کمرہ دیا ہے۔ اس کی دیواریں اونچی ہیں۔ میں نے کہہ دیا
وہ جب چاہے باغ میں جا سکتی ہے لیکن وہ تو کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی ہر وقت
سہمی سے رہتی ہے۔ میری بیگم گھڑی دو گھڑی کو اس کے پاس جا بیٹھتی ہیں۔ ان سے بھ
بہت کم گفتگو کرتی ہے۔ ہر وقت اس پر خوف سا طاری رہتا ہے۔ اس سے اس کی صحت
کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے"

"آپ فکر نہ کیجئے" یوسف مسکرایا "میں آگیا ہوں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا"

"مگر وہ بے چاری کب تک یہاں قیدیوں کی سی زندگی بسر کرتی رہے گی؟" مالک
بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا" یوسف نے لمبی سانس لی "اللہ نے اس کی جان بچا
ہے۔ وہی یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کرے گا"

"برجیس سے ملنے گا نہیں؟" مالک نے ہنستے ہوئے کہا

"کیوں نہیں" یوسف بھی مسکرایا "چلئے وہ کس کمرے میں ہے؟"

مالک بن خضر اسے ساتھ لے کر چلنے لگا۔ ایک راہداری سے گزر کر وہ دوسری
راہداری میں داخل ہوا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"دروازے پر دستک دیجئے۔ برجیس اسی کمرے میں ہے" مالک نے یوسف کو شرارت
بھری آنکھوں سے دیکھا۔

پ ساتھ نہیں چلئے گا" یوسف نے تکلفاً کہا۔
یں جناب میں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا" یہ کہہ کے مالک گھوم کر دوسری طرف

سف دھڑکتے دل اور امڈتے جذبات کے ساتھ آہستہ آہستہ دروازے پر پہنچا پھر
ے ہاتھ سے دستک دی۔

یک لمحے بعد اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

سف کا دل مچلنے لگا۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ برجیس کی آواز ہے۔ اس نے آہستہ
"تمہارا یوسف"

جیس کرسی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی "یوسف" اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا پھر
ا دی۔ مجھے کیسا وہم ہو گیا ہے۔ ہر آواز یوسف کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ بھلا
یہاں کیسے آسکتا ہے۔ دروازے پر کسی نے بھی دستک نہیں دی۔ یہ سب میرا وہم

جیس کی سوچیں طویل ہوتی جا رہی تھیں کہ پھر دستک ہوئی۔ برجیس خیالوں سے چونکی
ے پر ضرور کوئی ہے مگر کون ہو سکتا ہے بھی تو ملازمہ کھانے کے برتن واپس لے کر
مگر ہے کوئی ضرور۔

کون ہے؟" برجیس نے آواز پر زور دے کر پوچھا۔

میں یوسف ہوں برجیس میری آواز نہیں پہچانی"

جیس کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک دم ترو تازہ ہو گیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف
پہلے کرسی سے الجھی اور پھر میز سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ برجیس نے دروازہ کھولا۔
سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ برجیس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ یوسف اس کے ہاتھ
ہوئے اندر آگیا۔

کیا میں یقین کروں کہ تم واقعی یوسف ہوں؟" برجیس جذباتی ہو گئی۔

ہاں ہاں بالکل یقین کرو" یوسف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

مجھے یقین نہیں آتا ٹٹول کے دیکھنا چاہتی ہوں کہیں میرا وہم مجھے دھوکا تو نہیں دے
کے ساتھ ہی برجیس نے یوسف کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا پھر شانوں پر ہاتھ رکھ کے

اطمینان ہو گیا ہو تو اب بیٹھ جاؤ برجیس" یوسف کو اس کی بوکھلاہٹ پر ہنسی آرہی

"ہاں۔ اب اطمینان ہو گیا۔" برجیس دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "
چھوڑ کے تو نہیں جاؤ گے۔ تنہائی مجھے کھائے جا رہی ہے یوسف"

"نہیں بھئی نہیں جاؤں گا۔ میری بات تو سنو تم" یوسف نے اسے پر سکون
لئے کہا۔

برجیس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ اپنی رو میں بولی "میں نے
مسیح سے تمہاری سلامتی کے لئے کتنی دعائیں مانگی ہیں۔ رات دن دعائیں مانگی

"تم نے خدا سے دعا مانگی تھی نا؟" یوسف نے اسے محبت سے دیکھا۔

"اور کیا تمہیں یقین نہیں آتا میرا؟"

"تو پھر یہ سمجھو خدا نے تمہاری دعا قبول کرلی اور میں تمہارے پاس آگیا"

برجیس کو فوراً ایک خیال آگیا۔ اس نے یوسف کو حیران نظروں سے
کہا۔

"مگر تم آکیسے گئے۔ دن کے وقت کسی نے دیکھا نہیں تمہیں؟"

"سب نے دیکھا ہے" یوسف ہنسا "مجھے جان قوش نے بھیجا ہے تمہارے

برجیس نے حیرت اور شک کی نظروں سے اسے دیکھا۔ "یوسف! کیا تم
کہ میں یہاں ہوں۔ یہ کیا کیا تم نے۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میری
دے گا یہ بہت برا ہوا یوسف بہت برا۔"

یوسف گھبرا گیا اس نے دیکھا کہ برجیس نے مضمحل ہو کر کرسی سے سر
آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے ہیں۔

"برجیس۔ برجیس" یوسف نے اس کا سر سیدھا کرتے ہوئے کہا "تم غلط
میں اگر جان قوش کو بتاتا کہ برجیس اب تک زندہ ہے تو وہ مجھے کب چھوڑتا
یقین ہو گیا ہے کہ تم اس دنیا میں موجود نہیں ہو"

برجیس نے بھاری پلکیں جھپکائیں تو موتیوں نے ٹپکنا شروع کر دیا "سچ
تم؟" برجیس نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔

"بالکل سچ برجیس" یوسف نے اپنے کرتے کے دامن سے اس کے آنسو
کہا" میں نے تو بس یونہی کہہ دیا تھا"

"ایسا پھر نہ کہنا یوسف" برجیس نے منت کے لئے ہاتھ جوڑے "میرا
ہے"

"مجھے معلوم ہے" یوسف نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ کھول دیے

دعا کا کام لیا ہے۔ جاؤ منہ دھو ڈالو پھر اطمینان سے باتیں کریں گے"

"تم چلے تو نہیں جاؤ گے؟"

"برجیس تم بار بار یہ کیوں کہہ رہی ہو۔ میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں جاؤں گا"

"ایسا کروں یوسف" برجیس جذبات سے مغلوب آواز بولی۔ "میرے دل کو یقین نہیں

برجیس نے ہاتھ منہ دھوئے پھر کیا سوجھی اسے کہ ایک نیا بھڑکیلا جوڑا پہن لیا۔ مالک
نے اسے درجنوں کپڑے بھجوائے تھے مگر وہ کپڑے نہ بدلتی۔ آج کچھ ایسا دل خوش
اس نے نیا جوڑ پہن لیا۔ بال بنائے اور چہرے پر غازہ لگایا۔ جب نئے لباس اور سج و
واپس آئی تو یوسف اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"ماشاء اللہ۔ سبحان اللہ۔ اس وقت تم واقعی دلہن لگ رہی ہو" یوسف پیار سے بولا۔

بنائیے نہیں" برجیس بستر پر سکڑ کے بالکل دلہن بن گئی۔ "میں ہفتوں کپڑے تبدیل
تی تھی مگر آج پتہ نہیں نئے کپڑے پہننے کو کیوں دل چاہا"

نئے کپڑے نہیں بلکہ دلہن کے کپڑے" یوسف نے چھیڑا "خدا نے چاہا دلہن بنوگی"

ف ایک ٹھنڈی سانس لے کر افسردہ ہو گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ وقت آئے گا
ہ برجیس کو دلہن بنا کر رخصت کرائے گا وہ سلطنت روما میں تھا۔ خود تو شائد اپنی جان
ل سکتا لیکن برجیس کو یہاں سے نکال کے لے جانا شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے سے
طرناک کام تھا۔

وسف کو افسردہ دیکھ کر برجیس کے چہرے پر بھی غمگین پرچھائیاں دوڑنے لگیں اور چند
ں میں وہ ہچکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔ یوسف نے اسے منع نہیں کیا۔ آنسو بہانے
یس کا دل کچھ ہلکا ہو گیا۔

وسف نے کہا "برجیس دل مضبوط رکھو۔ سختیوں کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا لیکن ہر
ایک انتہا ہوتی ہے مجھے ایک ایسا کام ملا ہے جس میں کسی وقت بھی کوئی صورت
تی ہے۔"

اس کے بعد یوسف نے برجیس کو ان باتوں سے آگاہ کیا جو اس عرصے میں گزری
یوسف کی باتوں کا اس کی طبیعت پر اچھا اثر ہوا اسے اس بات کی بہت خوشی تھی کہ
اس سے اب برابر ملتا رہے گا۔ برجیس سے تفصیلی گفتگو کرنے اور اسے تسلیاں
کے بعد یوسف وہاں سے اٹھ کے مالک بن خضر کے پاس گیا۔

مالک بڑی بے چینی سے یوسف کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے خوش خوش دیکھ کر مالک نے

کہا "برجیس سے یہ اچانک ملاقات مبارک ہو"

یوسف کچھ جھینپ گیا۔ سر جھکائے بولا "یہ سب آپ کی مہربانی کا نتیجہ برجیس کو پناہ نہ دیتے تو یہ وقت کیسے آسکتا تھا"

"خیر چھوڑیے اس قصے کو" موضوع بدل دیا۔ اب یہ فرمایئے کہ آپ وزیر اپنی کیا کارکردگی دکھائیں گے۔ مصر کی پالیسی کے بارے میں اس رات بھی میں تھا۔ میں جانتا ہوں کہ سلطنت روما اور پورے یورپ میں صلیبی جنگ کی تیاریاں سے جاری ہیں۔ اس کی خبر ہماری فاطمی خلافت کو بھی ہوگی۔ یہ تو میں نہیں کہ اپنی غیر جانب دارانہ پالیسی چھوڑ دے گا لیکن موجودہ حالات میں اس میں کی کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے "یوسف نے کہا "امیر موصل عمادالدین خواہش ہرگز نہیں کہ مصران کے حلیف کی حیثیت سے شہنشاہ قسطنطنیہ کے مقابلے آئے ۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ مصر بدستور اپنی غیر جانبداری قائم رکھے جیسا معلوم ہے مصر نے اس طرف واضح اشارے کیے ہیں اور در پردہ ہماری مدد کا ہے"

"ٹھیک ہے یوسف صاحب" مالک نے کہا "یہ وہ باتیں ہیں جن سے ہم ہیں لیکن اس وقت تو یہ سوال سامنے ہے کہ آپ یہاں سے واپس جا کر وزیر قوش کو کیا جواب دیں گے؟"

"جی ہاں۔ بالکل یہی سوال میرے ذہن میں گھوم رہا ہے" یوسف نے جواب

یوسف اور مالک اس مسئلے پر دیر تک گفتگو کرتے رہے اور جب وہ اٹھے چہروں پر خوشی کی چمک تھی۔ یوسف کو پہلی خوشی تو برجیس سے ملاقات کی تھی سے گفتگو کی تو وہ ایک ایسے جواب پر رضا مند ہوگئے جو جان قوش کو دیا جانا تھا

چار گھنٹے کی طویل ملاقات کے بعد وہ وزیر سلطنت کے محل میں پہنچا اس روشن کی جا رہی تھی ۔ یہ وقت جان قوش کی مے نوشی کا تھا۔ ساقی لڑکیاں الہڑے اٹھلا کر جام پیش کر رہی تھیں لیکن یوسف یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وزیر کے میں سناٹا پڑا ہے۔ شمعیں روشن ہیں اور جان قوش ایک آرام دہ کرسی پر سر جھکا بند کئے نیم دراز ہے۔

یوسف کو دیکھ کر نیزہ بردار محافظ ایک طرف ہو گیا تھا۔ جان قوش کو اس کر یوسف کو اندازہ ہوا کہ وہ اس کی واپسی کے لئے پریشان ہوگا ورنہ شراب

منہ موڑ کر اس طرح خاموش بیٹھنا اس کی عادت کے خلاف ہے۔

وزیر سلطنت کو یہ خادم کورنش پیش کرتا ہے۔" یوسف نے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے اسے کورنش پیش کیا۔

جان قوش جیسے خواب سے چونک پڑا پھر مسکرا کے بولا۔ "تم نے بہت دیر کر دی یوسف میں تو انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ شہنشاہ نے بھی ایک بار تمہارے بارے میں پوچھا تھا"

"میرے بڑے آقا" یوسف نے مسکرا کے جواب دیا "خادم کا یہ فرض ہے کہ اسے جو کام سپرد کیا جائے اسے بجالانے میں وقت کی پرواہ نہ کرے۔ وقت ہی کیا اسے جان کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ آپ کا خادم سفارت خانے سے بہت سی معلومات حاصل کر کے آیا ہے"

اچھا۔ کیا بکتا ہے سفیر" پھر سرہلاتے ہوئے بولا "نہیں نہیں پہلے یہ بتاؤ تم نے سفیر سے اپنا عارف کس طرح ـــــ کرایا؟

"وزیر محترم میں نے سفیر سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں امیر موصل کا باغی وں" یوسف نے بڑے جوش سے کہا "اسے یہ بھی بتایا کہ میرا ارادہ پہلے مصر جانے کا تھا لیکن میں رومی دستوں کے ہاتھوں گرفتار ہوکے وزیر سلطنت کی غلامی میں دے دیا گیا اور وزیر محترم نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے میں نے کہا کہ قسطنطنیہ میں سوائے مصری سفارت خانے کے کوئی اور جگہ نہیں ہے جہاں میں کسی معقول ہم قوم سے مل سکوں۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے گاہے گاہے ملاقات کی اجازت دے تاکہ میں تنہائی کا شکار نہ ہو جاؤں۔"

"پھر اس نے کیا جواب دیا؟" وزیر نے بے چینی سے پوچھا۔

"وزیر سلطنت میری خوش قسمتی دیکھیے کہ سفیر مصر بھی اپنی تنہائی سے پریشان ہے" یوسف نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "اس نے میری درخواست یہ کہہ کر قبول کی کہ یہ خود اس کی خواہش ہے۔ وہ سفارت خانے کی تنہائی سے تنگ آگیا ہے اس نے بتایا کہ وہاں آنے جانے پر اسے اس لیے اور بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ سلطنت مصر خود بھی موصل کے امیر اور سلجوقی سلطان کو پسند نہیں کرتی۔ سلجوقی علاقے بغداد کے عباسی خلیفہ کو تسلیم کرتے ہیں جب کہ مصر میں فاطمی خلافت ہے۔ یہ دونوں خلافتیں مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے تعلق رکھتی ہیں"

"یوسف۔ تمہاری باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصر اور امیر موصل کبھی ایک نہیں ہوسکتے" وزیر نے اندازہ لگایا۔

"جناب صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا بلکہ سفیر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ پچھلے سال جب
قاہرہ گیا تھا تو فاطمی خلیفہ حافظ الدین نے اسے ہدایات دی تھیں کہ وہ سلطنت روما سے
زیادہ بہتر تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کرے اور شہنشاہ قسطنطنیہ کو ایک فوجی معاہدہ کا
دے جس میں یہ تحریر ہو کہ ہر دو حکومتیں بیرونی حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی
مدد کریں گی خواہ ان کا کسی بھی ملک یا قوم سے تعلق ہو" یوسف نے ایک ہی سانس میں
تمام باتیں کہہ دیں جن پر سفیر مصر اور یوسف متفق ہوگئے تھے۔

جان قوش پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے یوسف کو حیرانی سے دیکھا اور کہا "یوسف تم
کمال کے آدمی ہو تم نے مصر کے سفیر کا پہلی ہی ملاقات میں اس قدر اعتماد حاصل کر
اس نے حکومت کا ایک اہم راز تم سے کہہ دیا۔ مجھے ان باتوں کا علم ہے یوسف۔ سفیر
اس قسم کا ایک مسودہ مجھے غور کرنے کے لئے دیا ہے۔ میں اسے فوراً منظور کرا کے
بھجوا دوں گا۔"

"آپ کا خیال بہت نیک ہے" یوسف نے اس کی تائید کی "فوجی معاہدہ ہونے کے
مصر اگر شہنشاہ کی مدد نہ بھی کرے تو کم از کم غیر جانب دار ضرور رہے گا"

"تم نے دوسرا کام بھی نہایت عقل مندی سے انجام دیا ہے" جان قوش کھڑے
ہوئے بولا "میں ابھی شہنشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کرتا ہوں۔ امید ہے کہ شہنشاہ تمہارے
اس کارنامے سے خوش ہو کے تم دونوں کو سلطنت روما کی پناہ میں لے لے گا اور تم
ساتھ آزادی سے رہ سکو گے"

○

"یوسف نے اپنی رہائش گاہ پر جا کر اپنے آقا اسدالدین کو آج کے تمام واقعات
اسد اس کی کارکردگی سے بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا "یوسف تمہارا میرے ساتھ آنا
مفید ثابت ہوا۔ اب تک تمام کامیابیاں تمہارے کھاتے میں جاتی ہیں"

"آقا۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں" یوسف عاجزی سے بولا۔ "اگر آپ نے مجھے
نہ دی ہوتی تو میں کیا کر سکتا تھا یہ تمام کامیابی آپ کی جوتیوں کی طفیل ہے"
اسی وقت شوخ چشم نے دروازہ کے قریب آکر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اسد
وقت اتنا خوش تھا کہ یوسف کے کچھ بولنے سے پہلے ہی بول پڑا "آجاؤ شوخ چشم۔ تمہارے
آنے پر کوئی پابندی نہیں۔"

شوخ چشم ناز کے پھول بکھیرتی ہوئی ان کے پاس آئی اور بولی "مبارک ہو۔ فوجی پہرہ آپ
کی رہائش گاہ سے ہٹا لیا گیا ہے آپ کو ہر جگہ آنے جانے کی اجازت ہے"
یہ کہتے ہوئے شوخ چشم کا رخ اسدالدین کی طرف تھا۔ اسد نے ہنستے ہوئے کہا "یہ
مبارک باد تم یوسف کو دو۔ جب یہ کہیں باہر جاتے ہیں تو میں قید میں ہوتا ہوں اور ان کے
مبارک قدم آتے ہی مجھے آزادی مل جاتی ہے"
خشک مزاج اسدالدین کے اس شوخ جواب پر یوسف اور شوخ چشم مسکرائے بغیر نہ رہ
سکے۔

شوخ چشم نے کہا "اجازت ہو تو کھانا حاضر کیا جائے"
یوسف نے اسد کی طرف دیکھا۔ اسد نے کہا "میری طبیعت کچھ کسلمند ہے۔ میں
غسل کرنے کے بعد کھاؤں گا۔ یوسف کے لئے کھانا بھیج دو"
"میں آپ کے ساتھ کھاؤں گا آقا" یوسف بولا۔ "ابھی مجھے بھوک بھی نہیں لگی"
شوخ چشم مسکرائی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر چلی گئی۔
کھانا کھانے کے بعد یوسف اور اسد آرام سے سو گئے۔ رات کو وہ اس لیے نہ جاگے
کہ جان قوش کی طرف سے یہ امکان نہ تھا کہ وہ شہنشاہ سے گفتگو کے بعد انہیں فوراً
طلب کرے گا۔ ہاں صبح کو انہیں امید تھی کہ وہ دونوں یا کم از کم یوسف کو ضرور بلایا جائے
گا صبح کو وہ لباس تبدیل کر کے دوپہر تک طلبی کے انتظار میں بیٹھے رہے مگر جان قوش کی
طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی۔ ان کی پریشانی فطری تھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جان قوش
نے اب تک انہیں کیوں نہیں بلایا۔
شوخ چشم انہیں کھڑکی اور دروازے سے ان کی نظریں بچا کر جھانک چکی تھی۔ اسے
ان کی پریشانی کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ آخر وہ دوپہر کے کھانے کی اطلاع دینے کے بہانے
اندر آئی یوسف اور اسد کو پریشان دیکھ کر اس نے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی تھی
اس لئے شوخ نظریں اس وقت جھکی ہوئی تھیں اور قدم بالکل پر سکون تھے۔
قریب آ کے بولی "معزز مہمان پریشان دکھائی دیتے ہیں میں اس وقت مخل نہیں ہونا
چاہتی تھی لیکن کھانے کا وقت ہو گیا ہے حکم ہو تو کھانا منگایا جائے"
"نہیں شوخ چشم۔ ابھی بھوک نہیں ہے" اسدالدین نے فوراً انکار کر دیا۔
شوخ چشم مایوس ہو کے جانے لگی۔ ابھی وہ کمرے کے اندر ہی تھی کہ یوسف نے
اسے پکارا "سنو"
شوخ چشم خوش ہو کے واپس آگئی اور یوسف کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

یوسف نے کہا "شوخ چشم کیا یہ ممکن ہے کہ تم وزیر سلطنت کے محل سے
کرو کہ وہ اس وقت کس کام میں مصروف ہیں؟"

"کیا آپ لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے اس قدر پریشان ہیں؟" شوخ چشم
سوال کر دیا۔

"یہی سمجھ لو" یوسف نے ٹالنے کے لئے کہا "وزیر نے اب تک طلب نہیں کیا

"آپ بیکار انتظار کر رہے ہیں" شوخ چشم نے فوراً" جواب دیا۔ "وزیر سلطنت
محل میں نہیں ہیں۔ آپ کو بلوائے گا کون؟"

اسد الدین نے چونک کے شوخ چشم کو دیکھا "شوخ چشم کیا تم یقین سے کہہ رہی
وزیر سلطنت محل میں نہیں ہیں ؟"

معزز مہمان۔ مین محل کی دوسری کنیزوں کی طرح جھوٹ نہیں بولتی" شوخ چشم
سے بولی۔

ابھی دو گھنٹے پہلے شاہی چوبدار انہیں بلانے آیا تھا اور اپنے ساتھ ہی شہنشاہ کے
میں لے گیا ہے۔ آپ کے اطمینان کے لئے میں یہ بھی بتا دوں کہ وزیر سلطنت
غلاموں اور کنیزوں کے درمیان یہ زبانی معاہدہ ہے کہ وہ وزیر سلطنت کی نقل و حرکت
فوراً" ایک دوسرے کو مطلع کردیں گے۔ آج جب میں صدر دروازے کی طرف جا
تو میں نے اپنی آنکھوں سے وزیر مملکت کو شاہی چوبدار کے ساتھ باہر جاتے دیکھا
جس وقت بھی واپس آئیں گے محل کے فرد و بشر کو ان کی واپسی کی اطلاع پہنچا دی
گی۔ میں نے یہ بات اسی لئے اتنے یقین سے کی ہے"

اسد الدین کو اس کی بات پر یقین کرنا پڑا اس نے شوخ چشم سے کھانا منگوایا اور
خاموشی سے کھانا کھانے لگے شوخ چشم چپ چاپ ہاتھ باندھے کھڑی رہی۔ کھانے
وہ خالی برتن اٹھا کر چلی گئی لیکن چند ہی لمحوں بعد ہنستی ہوئی واپس آئی اس کی شوخی
کر آئی تھی۔

"مبارک ہو وزیر سلطنت واپس آگئے ہیں"

اسد نے اطمینان کا سانس لیا۔

"دوسری اطلاع یہ ہے" شوخ چشم نے یوسف کو مخاطب کیا۔ "وزیر سلطنت
سے واپس آتے ہیں آپ کو طلب کیا ہے"

"آپ دونوں مہمانوں کو" شوخ چشم نے بڑی محبت سے کہا "وزیر سلطنت
ملازم دروازے پر آپ کا انتظار کر رہا ہے"

یوسف اور اسد پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ باہر نکلے اور وزیر سلطنت کے غلام کے ساتھ
پہنچ گئے۔ وزیر سلطنت بڑے خوشگوار موڈ میں تھا ان کی تعظیم پر وہ مسکرایا اور بولا "تم
ں کے قسطنطنیہ آنے سے فوجی حکمت عملی کا دھارا بدل گیا ہے۔ نئی نئی تبدیلیاں ہو رہی
اور عجیب عجیب باتیں سننے اور دیکھنے میں آرہی ہیں"

وزیر سلطنت نے رک کر اپنے غلام کو دیکھا جو اب تک ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور وزیر
سلطنت کی گفتگو بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ وزیر چپ ہوا تو اس نے گھبرا کر وزیر کی طرف
ھا اور بڑی تیزی سے باہر نکل گیا۔

وزیر نے ہنس کر کہا " دیکھا تم نے یہ میرا خاص ملازم ہے مگر شہنشاہ کی طرف سے
ری جاسوسی پر مقرر ہے مجھے اتنا بھی اختیار نہیں کہ اسے تبدیل کر سکوں۔ اب تم ہی بتاؤ
ہ یہاں کس پر اعتبار کیا جائے۔ میں نے بھی اسے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے میں اس
ے سامنے صرف وہ باتیں کہتا ہوں جو مجھے شہنشاہ تک پہنچانا ہوتی ہیں ارے تم لوگ بولتے
یوں نہیں کچھ کہو؟"

"آپ ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ ہم آپ کے سامنے کیا کہہ سکتے ہیں" یوسف نے
بات ختم کرنے کے لئے کہا "آپ کل شہنشاہ کے پاس تشریف لے گئے تھے" اتنا کہہ کر
یوسف خاموش ہو گیا اس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ وزیر کے آج پھر شاہی محل جانے سے
واقف ہے۔

"ہاں۔ میں کل شہنشاہ کے پاس گیا" وزیر بولا۔ میں اپنے ساتھ وہ مسودہ بھی لے گیا
تھا جو مجھے مصر کے سفیر نے دیا تھا۔ تمہارے کارنامے سن کر شہنشاہ بہت خوش ہوا۔ اس
نے مجھے حکم دیا کہ میں اس مسودہ کو سلطنت روم کی طرف سے منظور کر کے سفیر کو واپس
کر دوں اور سفیر اس منظور شدہ مسودہ کی ایک نقل قاہرہ بھیج کر فاطمی خلیفہ کے دستخط اور
مہر لگوالے تاکہ وہ فوری طور پر قابل عمل ہو جائے"

شہنشاہ نے اس سلسلے میں آپ کی خدمات کو ضرور سراہا ہوگا" یوسف نے وزیر سلطنت
کو خوش کرنے کے لئے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا "اس معاہدے کی تکمیل کا سہرا آپ
ہی کے سر بندھے گا"

وزیر کی باچھیں کھل گئیں۔ بولا "معاہدے کو اب مکمل ہی سمجھو۔ شہنشاہ نے مجھے آج
پھر بلایا تھا"

"آج بلایا تھا؟" یوسف نے مصنوعی تعجب کا اظہار کیا تھا۔

"ہاں۔ آج بلایا تھا اور وہاں ایک بالکل نئی بات ہوئی جس کا کوئی امکان ہی نہ تھا"

وزیر سلطنت اس وقت خواہ مخواہ مسکرائے جا رہا تھا۔
اسدالدین کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے کن انکھیوں سے یوسف کو دیکھا
رہا ہو کہ وہ وزیر سے اس نئی بات کی تفصیل پوچھے۔
یوسف نے سنبھل کے کہا۔ "وزیر محترم اگر مناسب سمجھیں تو اس نئی بات سے
آگاہ کریں"
اور تمہیں کس لئے بلایا ہے؟" وزیر نے کہا "صبح جب میں شاہی چوبدار
محل میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں مصری سفیر بیٹھا ہے"
"مصری سفیر!" یوسف کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور وہ گھبرا کر وزیر سلطنت
لگا

یہی تو نئی بات تھی "وزیر کی مسکراہٹ قائم تھی "شہنشاہ نے میرے آنے
سفیر کو مہمان خانے میں انتظار کرنے کا حکم دیا اور مجھے راز داری سے بتایا کہ مصر
خلیفہ کا قاصد آیا ہے۔ مصری سفیر کو فوراً قاہرہ طلب کیا گیا ہے"
یوسف کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی وہ سوچنے لگا کہ اگر مصری سفیر قاہرہ چلا گیا تو بر
بنے گا۔ وہ کہاں رہے گی اور خود وہ سفارت خانے کس بہانے سے جائے گا۔ یوسف
اچھا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

وزیر سلطنت جان قوش یوسف کے جواب پر توجہ نہ دی اور کہا "میں نے شہ
خیال ظاہر کیا کہ مصری سفیر کی طلبی بڑی معنی خیز ہے۔ ممکن ہے کہ فاطمی خلیفہ
موصل سے کوئی معاہدہ کر لیا ہو اس قسم کی کوئی بات ہو جس کے لیے خلیفہ نے ا
بلوایا ہو۔"

اسدالدین نے دخل دیتے ہوئے کہا "وزیر سلطنت نے بالکل صحیح خیال ظاہر
امیر موصل بہت چالاک آدمی ہے۔ اس نے خلیفہ کو اپنے ساتھ ملانے کی ضرور کو
ہوگی کیونکہ امیر موصل اور شہنشاہ کے درمیان اگر جنگ چھڑ گئی اور اس وقت مصر
سے کوئی شرارت ہوئی تو رومی سلطنت کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں"

تم زیادہ عقل مند ہو اسدالدین" جان قوش نے تعریف کی "میرے دماغ میں یہی خیال پیدا
ہوا تھا اور میں نے اس کا فوراً تدارک بھی سوچ لیا"
"کیوں نہیں وزیر محترم" اسدالدین نے ادب سے کہا "وزیر سلطنت ہونے کی حیثیت
سے آپ پر بھاری ذمہ داریاں ہیں۔ آپ نے ضرور اس کا توڑ سوچا ہوگا"
"یہی تو مزے کی بات ہے" جان قوش پر مسرت لہجے میں بولا "میں نے توڑ بھی پیش
کیا اور شہنشاہ نے اس کی منظوری دے دی ہے"
اسدالدین کے دل میں کھلبلی مچ گئی مگر وہ وزیر سلطنت سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔
جان قوش چند لمحے بعد بولا "یوسف تمہیں تیسری ذمہ داری سونپی جا رہی ہے"
"مجھے؟" یوسف نے چونک کے جان قوش کو دیکھا۔
"ہاں۔ تم معاہدے کا مسودہ لے کر سفیر کے ساتھ قاہرہ جاؤ گے"
"جی۔ میں قاہرہ جاؤں گا۔ یعنی میں اور میرے آقا سفیر کے ساتھ جائیں گے؟"
"تم اور صرف تم جاؤ گے"
"اور میرے آقا؟"
"اسدالدین میرے پاس تمہارا ضامن بن کے رہے گا۔" جان قوش نے بھاری آواز
ں کہا "تم سلطنت روما اور شہنشاہ کے نمائندے کی حیثیت سے فاطمی خلیفہ سے ملو گے اور
ے اس بات پر قائل کرو گے کہ مصر کا مفاد سلطنت روما کی دوستی میں ہے۔ اس سلسلے میں
امیر موصل کے مزموم ارادوں کی جس طرح کاٹ کر سکتے ہو اس میں دریغ نہ کرنا۔ اگر
فوجی معاہدے پر فاطمی خلیفہ کے دستخط اور مہر لگوانے میں کامیاب ہو گئے تو میری اور
نشاہ کی نظروں میں بلکہ پوری سلطنت روما میں تم سے زیادہ وفادار کوئی اور نہیں ہوگا"
یوسف کو اس بات کی خوشی تھی کہ قدرت نے برجیس کی رہائی کی ایک صورت پیدا کر
ی تھی لیکن وہ اپنے آقا اسدالدین کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ اس کا آقا قسطنطنیہ میں
ں کا ضامن بن کے رہ گیا تھا اور اب علم نہ تھا کہ اس کے مصر جانے کے بعد کیا حالات
ا ہوں گے اور اسدالدین پر کیا گزرے گی۔ اسدالدین بڑا حوصلہ مند انسان تھا۔ یوسف
نے جب اس سے اپنی خدشات کا ذکر کیا، تو وہ ذرا بھی ہراساں ہوا۔ اس نے یوسف کو تسلی
ا کہ اس کے مصر جانے سے کم از کم بے گناہ لڑکی کو آزادی مل جائے گی۔ رہا اس کا
ال تو ابھی اسے قسطنطنیہ میں بہت سے کام کرنے تھے جس کے لئے وہ ہر قسم کے مصائب
داشت کرنے لے لئے تیار تھا۔
تیسرے دن مصری سفیر مالک بن حضر اہل و عیال کے ساتھ ایک رومی بحری جہاز

پر سوار ہوا اس کے ساتھ برجیس بھی تھی جسے اس نے اپنی بیٹی ظاہر کیا تھا۔ یوسف کو
اس جہاز سے قاہرہ جانے کا حکم ہوا تھا۔ مالک نے اسے تاکید کر دی تھی کہ رومی جہاز پر
برجیس سے ملنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ خواہ مخواہ کوئی شک پیدا ہو سکتا تھا۔ برجیس
مالک کے گھروالوں کے ساتھ نقاب ڈالے جہاز پر سوار ہوئی تھی اور وہ سفر میں اس بات کی
احتیاط کرتی رہی کہ اس پر کسی رومی ملاح کی نظر نہ پڑ سکے۔

رومی جہاز بحر متوسط (بحر روم) کا سینہ چیرتا ہوا اسکندریہ میں لنگر انداز ہوا۔ اس پر
رومی جھنڈا لہرا رہا تھا اس لئے اس سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ اسکندریہ سے قاہرہ تک
خشکی کے راستے طے کیا گیا اور یہ سب کے سب بخیریت قاہرہ پہنچ گئے۔ مالک کو
مہمان خانے میں اتارا گیا اور یوسف کو رومی سلطنت کے نمائندے کے طور پر ایک
عالی شان محل میں جگہ دی گئی۔

بغداد کی عباسی خلافت اور قاہرہ کی فاطمی خلافت نے اپنے دور عروج میں بڑے
کارنامے سرانجام دیے تھے لیکن اب دونوں خلافتوں پر زوال آ گیا تھا۔ ان کے زوال کی
سب سے بڑی وجہ مفاد پرستی اور مذہب سے بیگانگی تھی۔ مسلمان خلفا نے لہو لعب
اختیار کر لیا تھا اور ان کی طاقت کمزور ہوتے ہوتے محلات کی حدود تک باقی رہ گئی تھی۔
خلیفہ کا درجہ ایک پیشوا سے زیادہ نہ تھا۔ بغداد ہو یا قاہرہ دونوں جگہ --- وزیر یا امیر
سلطنت ملک پر قابض تھے اور خلفاء بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔

مصر میں جب فاطمی خلافت کمزور ہوئی تو ممالیک نے سر اٹھایا۔ یہ دراصل
غلاموں کے مختلف گروہ تھے جنہیں خلفاء نے خرید کر فوج میں بھرتی کیا تھا۔ یہ سرحدی
علاقوں اور کوہستانوں سے تعلق رکھتے تھے اور فطری طور پر جنگجو اور شجاع تھے۔
بحریہ اور برقیہ ممالیک زیادہ طاقت ور تھے اور انہی کے نمائندے حکومت پر چھائے
تھے۔ ان میں سے جسے موقع ملتا وہ طاقت کے زور پر مصر کا وزیر اعظم بن جاتا اور
اعظم خلیفہ کے بجائے حکومت چلاتا تھا۔

۱۱۳۰ء میں فاطمی خلیفہ الآمر کو حسن بن صباح کے ایک پیرو کار باطنی نے قتل کر دیا۔
اس کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے اس کا چچا زاد بھائی میمون عبدالمجید بن ابی
القاسم بن خلیفہ مستنصر باللہ سریر خلافت پر متمکن ہوا اور اپنا لقب حافظ الدین اللہ رکھا۔
یہ خلیفہ بالکل ان پڑھ تھا مگر اپنی چالاکی فریب کاری اور غیر معمولی ذہانت کے زور پر
سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے زمانے میں موصل کی حکومت عمادالدین زنگی کے پاس
آئی اور امیر نے دو صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کو شکست دے کر ان سے بہت

ئے اور اب وہ شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس سے مقابلے کی تیاری کر رہا

فاطمی خلیفہ حافظ کی خلافت کا آغاز ہی غلط طریقے سے ہوا حافظ نے مقتول الامر کی
وصیت کے مطابق ہزبر کو قلم دان وزارت دیا لیکن فاطمی سپہ سالار رضوان بن ولخش نے
ہنگامہ کر دیا چنانچہ ہزبر کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ ابو علی بن افضل کو
وزارت ملی۔ ابو علی نے خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر لئے اور شاہی خزانہ اپنے گھر اٹھا
لے گیا پھر اس نے خلیفہ کو قید کر دیا اور اس کے قتل پر آمادہ ہوا۔ ابو علی کے ساتھی اس
سے بگڑ گئے اور چوگان کھیلنے کے دوران اسے قتل کر دیا۔ خلیفہ حافظ کو قید سے نکال کر
دوبارہ خلافت پر متمکن کیا گیا۔ حافظ نے یانس کو وزیر مقرر کیا لیکن ایک سال بعد ہی اسے
زہر دے کر ختم کرا دیا اور وزارت پر اپنے بیٹے سلمان کو بٹھایا۔ وہ قضائے الٰہی سے کچھ ہی
دن بعد مر گیا۔ اب وزارت دوسرے بیٹے حسن کو تفویض ہوئی۔

حسن اپنے باپ حافظ کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا اس نے چاہا کہ باپ کا خاتمہ کر کے
خود خلیفہ بن جائے مگر سازش ناکام ہوئی۔ حسن گرفتار ہو کے باپ کے ہاتھوں قتل ہوا اور
حافظ نے بہرام ارمنی کو وزیر مقرر کیا۔ وزیر بہرام اور سپہ سالار رضوان بن ولخش میں چل
گئی۔ رضوان نے لشکر کو قاہرہ گھیرنے کا حکم دیا۔ بہرام بھاگ نکلا مگر گرفتار ہو کر قید کیا گیا۔
رضوان نے وزارت اور سپہ سالار دونوں عہدے اپنے پاس رکھے۔ حافظ نے اسے قتل
کرانے کی کوشش کی۔ رضوان نکل بھاگا پہلے شام پھر حیرہ گیا اور بزور شمشیر وزارت پر قبضہ
کر لیا۔

مصر میں خلیفہ اور وزیر میں یہ کشمکش ہو رہی تھی کہ صقلیہ کا عیسائی حاکم راجر ثانی
ڈھائی سو جنگی کشتیوں کے ساتھ ساحل افریقہ پر برقہ کے مقام پر اترا۔ یہ علاقہ فاطمی خلافت
میں تھا۔ راجر ثانی نے برقہ کے بیشتر مردوں کا قتل کرا دیا اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار
کر کے لے گیا۔ قاہرہ یہ خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ رعایا نے ادھم مچا دیا اور حافظ کے سپہ
سالار پر زور دیا کہ مغربی علاقوں کی پوری حفاظت کی جائے اور راجر ثانی سے بدلہ لیا
جائے۔

خلیفہ حافظ اور وزیر اعظم (سپہ سالار) کے درمیان سخت مخالفت تھی لیکن راجر کے
حملے نے ان دونوں کی آنکھیں کھول دیں۔ دونوں میں صلاح مشورے شروع ہوئے اور طے
پایا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس کا تعاون حاصل کیا جائے۔ قسطنطنیہ میں مقیم مصری سفیر
مالک بن خضر کو معاہدے کا مسودہ پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا لیکن اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوا

تھا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ مصری سفیر کو قاہرہ بلا کر رومی سلطنت کے
معلوم کئے جائیں۔ مالک بن خضر کی قاہرہ میں آمد اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

حافظ کو جب یہ معلوم ہوا کہ سفیر کے ساتھ رومی سلطنت کا ایک نمائندہ بھی
وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے سفیر کو گفتگو کے لئے فوراً طلب کر لیا۔ گفتگو
رضوان بن وغش بھی موجود تھا۔ سب کو اس بات پر بڑا تعجب تھا کہ شہنشاہ روم
مسلمان کو اپنا نمائندہ بنا کر کیوں بھیجا ہے۔

خلیفہ حافظ نے سفیر سے پہلا سوال اسی کے بارے میں کیا۔ اس نے پوچھا "
تم اس بات پر روشنی ڈال سکتے ہو کہ جان کامنی نس نے ایک مسلمان کو اپنا نمائندہ
کیوں بھیجا۔؟"

"اے امیرالمومنین" مالک نے ادب سے کہا "میرے ساتھ آنے والے رومی
کے نمائندے کا نام یوسف ہے یہ خوبرو نوجوان اپنے آقا اسدالدین کے ساتھ موصل
قسطنطنیہ آیا اور ان دونوں نے اپنے آپ کو امیر موصل عمادالدین زنگی کا باغی بتایا
دونوں امیر موصل کے خاص آدمی ہیں اور انہیں رومی سلطنت کی جاسوسی کے لئے
بھیجا گیا ہے"

"مگر کیا جان کامنی نس کی عقل پر بالکل پتھر پڑ گئے ہیں کہ وہ باغی اور جاسوس
نہ کر سکا؟" سپہ سالار رضوان و غش نے سفیر کو ٹوکا۔

"سالار محترم۔ یہ دونوں اس قدر چالاک اور شاطر ہیں کہ کوئی بھی ان سے ...
سکتا ہے" سفیر نے جواب دیا "روم کے وزیر سلطنت جان قوس نے بہت زور مارا کہ
طرح ان کی اصلیت معلوم کرے مگر وہ ناکام رہا۔ دوسری طرف ان لوگوں نے ...
شہنشاہ قسطنطنیہ کے بعض اہم کام اسی خوبی سے انجام دیئے کہ وہ دونوں ان پر پورا ...
کرنے لگے اور جب میرے ساتھ ایک نمائندے کو بھیجنے کا سوال پیدا ہوا تو اس ...
انہیں یوسف سے زیادہ بہتر اور قابل اعتماد آدمی اور کوئی نظر نہیں آیا"

"خیر اس مسئلے پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے" خلیفہ نے بات کا رخ موڑا "
اس مسودے کا کیا بنا جو تمہیں دیا گیا تھا ہمیں اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ کے تعاون کی
ضرورت ہے کیونکہ صقلیہ (سسلی) کے حاکم راجر ثانی نے برقہ پر حملہ کر کے بڑی تباہی
ہے" "امیرالمومنین کو یہ سن کے خوشی ہوگی کہ رومی سلطنت نے فوجی معاہدے کی
کر دی"

"کیا۔ تم سچ کہہ رہے ہو مالک؟" خلیفہ نے کمال مسرت اور حیرت سے پوچھا

"میں امیرالمومنین کے حضور دروغ بیانی کا جرم نہیں کر سکتا" مالک نے بڑے فخر سے
کہا "امیرالمومنین کو علم ہے کہ عراق اور شام کے نصرانیوں نے صلیبی جنگ کا آغاز کر دیا
ہے اور امیر موصل عمادالدین زنگی جہاد کا نعرہ لگا کر ان کے سامنے آگیا ہے۔ امیر موصل
نے دو جنگوں میں نصرانیوں کا زور توڑ کر رکھ دیا ہے۔ نصرانیوں کی اس شکست کی بازگشت
پاپائے روم کے دربار تک پہنچی ہے اور اس نے شہنشاہ قسطنطنیہ کو امیر موصل کے خلاف کار
روائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ شہنشاہ کو امیر موصل کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں ہے کیونکہ
ان دونوں جاسوسوں نے غلط اعداد و شمار پیش کر کے شہنشاہ کو خوف میں مبتلا کر دیا ہے"

خلیفہ حافظ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ اس نے مسکرا کے کہا "شاید یہی وجہ ہے کہ
شہنشاہ نے اس معاہدے پر توجہ دی ہے۔ مسودہ کہاں ہے شہنشاہ نے اس میں کیا ترمیم کی
ہے؟"

"مسودہ تو یوسف رومی نمائندہ کی حیثیت سے آپ کے حضور میں پیش کرے گا"
مالک نے بتایا۔ "شہنشاہ نے مصر کا تعاون حاصل کرنے کے لئے ہمارے معاہدے کو اور زیادہ
نرم کر دیا ہے اس نے ایک نئی شق یہ شامل کی ہے کہ قسطنطنیہ اور موصل کی جنگ میں
مصر غیر جانب دار رہے گا اور اگر مصر پر کسی نصرانی سلطنت نے حملہ کیا تو شہنشاہ اپنے لشکر
سے مصر کی مدد کو پہنچے گا۔"

"بہت خوب" خلیفہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں "ہم نے تمہیں اس لئے بلوایا
تھا کہ تمہارے ذریعہ شہنشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ صقلیہ سے حملے کی صورت میں
وہ ہماری مدد کرے"

"امیرالمومنین۔ قدرت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ جو بات ہم چاہتے تھے
شہنشاہ نے ہمارے کہے بغیر ہی اسے تسلیم کر لیا ہے۔ دراصل شہنشاہ پر عمادالدین زنگی کا ایسا
ہوا بیٹھ گیا ہے کہ وہ ہر حال میں مصر سے فوجی معاہدے کی تکمیل چاہتا ہے تاکہ موصل سے
جنگ کی صورت میں مصری لشکر نصرانیوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر دے"

سفیر سے گفتگو کے دوران ہی خلیفہ نے یوسف کو بھی بلوا لیا۔ یوسف نے اسلامی
طریقے سے خلیفہ کو تعظیم پیش کی۔ خلیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا "تمہارے بارے میں مالک
نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ امیر موصل کے ساتھ تمہاری وفاداری قابل رشک ہے۔
ہمیں امیر زنگی سے کوئی پرخاش نہیں۔ موصل اور قسطنطنیہ کی آویزش میں ہم ملوث نہیں
ہونا چاہتے ہم شہنشاہ روم سے امن کا معاہدہ کر رہے ہیں ہمارے خیال میں تمہارے امیر کو
اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا"

"امیرالمومنین نے بجا ارشاد فرمایا" یوسف ادب سے بولا "امیرالمومنین کی غیر[...] داری سے امیر کو ضرور مسرت ہوگی۔ اگر امیرالمومنین اس امر کی اطلاع کسی طرح [...] بھجوا سکیں تو عین نوازش ہوگی"

خلیفہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر سر اٹھا کر اپنے سپہ سالار سے کہا۔ "رضوان تمہارے [...] کوئی ایسا معقول آدمی ہے جو ہمارا پیغام جلد از جلد موصل تک پہنچا دے"

رضوان بن وغش کے ذہن میں فوری طور پر کوئی نام نہ آ سکا۔ اس نے کہا "[...] المومنین ۔ قاصد کا کام تو ہر کوئی کر سکتا ہے میں چند سواروں کو ابھی امیرالمومنین کے خطے کے لئے بھیجتا ہوں ان میں جسے مناسب سمجھا جائے اسے موصل بھیج دیا جائے گا"

"نہیں ابن وغش خلیفہ تند لہجے میں بولا "یہ اتنا اہم کام ہے جسے صرف کوئی معتبر ہی انجام دے سکتا ہے"

"امیرالمومنین پھر یہ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کا پیغام لے کر خود ہی موصل چلا جا[ؤں]" ابن وغش نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ خلیفہ نے اسے گھور کے دیکھا مگر معلوم نہیں کی[وں] ضبط سے کام لیا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت فاطمی خلیفہ کا اقتدار برائے [نام] رہ گیا تھا اور اصل طاقت وزیر کے ہاتھ میں آگئی تھی"

خلیفہ نے اسے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس تلخی کے بعد مجلس برخاست کر د[ی] یوسف نے خلیفہ سے اجازت حاصل کر لی۔ کہ وہ سفیر کے ساتھ رہے گا کیونکہ تنہائی [میں] اس کی طبیعت گھبراتی ہے۔ سفیر کو بھی اس پر کو اعتراض نہ تھا اس لئے خلیفہ نے یوسف [کو] اجازت دے دی۔ یوسف اور سفیر مالک ایک ساتھ ہی دربار سے اٹھے۔ یوسف کا [دل] برجیس سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا اور وہ جلد از جلد مالک کی رہائش گاہ پ[ر پہنچنا] چاہتا تھا لیکن مالک اسے اپنے عزیزوں سے ملانے لے گیا جو قاہرہ میں رہتے تھے مالک [کو] شاہی مہمان خانے ہی میں رکھا گیا تھا۔ اس لئے وہ اب تک اپنے عزیزوں سے بھی ملا[قات] نہ کر سکتا تھا۔

یوسف پہلی بار قاہرہ آیا تھا۔ قاہرہ قسطنطنیہ جیسا بارونق اور بڑا شہر تو نہ تھا لیکن [...] اور شام میں سوائے بغداد کے اور کوئی شہر اس کے مقابلے کا نہ تھا۔ موصل کا شہر [تو اس] کے پاسنگ کا برابر بھی نہ تھا۔ شہر میں ہر طرف دلچسپیاں پھیلی تھیں لیکن یوسف نے [اس] طرف دھیان بھی نہیں دیا۔ اس کے ذہن پر تو برجیس سوار تھی۔ راستے میں وہ سر جھ[کائے] چلتا رہا۔ مالک نے اسے اپنے جس عزیز سے ملایا وہ ملا تو ضرور مگر محض ظاہر داری کے [...] پر مالک کافی عرصے کے بعد قاہرہ آیا تھا۔ وہ عزیزوں سے مل کے [...]شی سے [...] نہ ہو [...]

اس لئے یوسف کی افسردگی اور بے دلی محسوس نہ کر سکا۔

کئی گھنٹوں تک شہر میں گھومنے اور ملاقاتیں کرنے کے بعد جب دونوں واپس آئے تو یوسف کا دل کچھ کھلا برجیس مالک کے اہل خانہ کے ساتھ مقیم تھی اور یوسف کو مالک کے ساتھ قیام کی اجازت مل گئی تھی۔ مالک کی رہائش گاہ پر پہنچ کے یوسف کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ اس کے چہرے سے مسرت ٹپکی پڑتی تھی چند لمحوں بعد برجیس سے اس کی ملاقات ہونے والی تھی مگر وائے قسمت کہ مالک کا ملازم اسے دیکھ کر بھاگتا ہوا آیا و ر ہانپتے ہوئے کہا "صاحب۔ امیرالمومنین نے آپ دونوں کو فوراً طلب کیا ہے۔ خلیفہ کا ہرکارہ تین بار آ چکا ہے۔ آپ ابھی قصر خلافت تشریف لے جایئے"

ملازم کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ خلیفہ کا ہرکارہ چوتھی بار آتا ہوا دکھائی دیا۔ ملازم کی نظر اس پر پڑی تو گھبرا کر بولا "صاحب وہ پھر آگیا"

مالک اور یوسف نے گھوم کر دیکھا ہرکارہ بڑی شان سے چلا آرہا تھا۔ ان کے قدم جم کے رہ گئے مالک کو اندر جانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ یوسف کا دل تو جیسے زخمی ہوگیا۔ کتنی دعاؤں کے ساتھ تو وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ برجیس کی شکل آنکھوں میں پھر رہی تھی کہ ہرکارے نے قریب پہنچ کر اس کے شوق ملاقات کا گلا گھونٹ دیا۔ ہرکارے نے مالک کو خلیفہ کا حکم سنایا اور تاکید کی وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کے ساتھ ہی چلیں اور قسطنطنیہ سے آئے ہوئے نمائندے کو بھی ساتھ لے لیں۔ یوسف دل مسوس کر رہ گیا۔

فاطمی خلیفہ حافظ ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں فوراً ہی اس کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ خلیفہ نے تخلیہ کا حکم دیا تمام کنیزیں اور غلام وہاں سے ہٹ گئے۔ خلیفہ نے دبی زبان میں مالک سے کہا "مالک کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم ابن وغش کے سامنے نہیں کہنا چاہتے تھے۔ وزارت اور سپہ سالاری کے عہدے حاصل ہونے کے بعد اس میں خود سری پیدا ہوگئی ہے۔ خیر یہ تو اک الگ مسئلہ ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم امیر موصل کے پاس یوسف کو بھیجیں۔ یوسف اسی کا آدمی ہے اور ہمارے خیالات کی بہتر طور پر ترجمانی کر سکتا ہے۔

یوسف گھبرا گیا۔ اس نے کہا "امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کرنا میرے لئے عین سعادت ہے لیکن مجھے جس وقت قسطنطنیہ سے یہاں بھیجا گیا تھا تو میرے آقا اسدالدین کو ضمانت کو طور پر حراست میں لے لیا گیا تھا اگر میری واپسی میں تاخیر ہوئی تو آقا کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے"

"تمہیں فکر کی ضرورت نہیں" خلیفہ نے کہا "ہم معاہدے پر دستخط کر کے قسطنطنیہ

بھیج دیں گے اور شہنشاہ کو مطلع کر دیں گے ہم نے مزید صلاح مشورے کے لئے ان
نمائندے کو قاہرہ میں روک لیا ہے۔"

"مگر امیرالمومنین" یوسف کی آواز اس کا ساتھ نہ دے سکی اور اس نے بے بسی سے
مالک کو دیکھا۔

مالک سمجھ گیا تھا کہ یوسف کی ہچکچاہٹ کی اصل وجہ برجیس ہے جسے شاید وہ قاہرہ
اکیلا نہ چھوڑنا چاہتا ہو۔ اس نے خلیفہ سے کہا "امیرالمومنین۔ یوسف نے جس خدشے
اظہار کیا ہے اس پر قطعی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن یوسف کی موصل جانے
ہچکچاہٹ کی وجہ ایک اور بھی ہو سکتی ہے۔ یہ یوسف کا خالص ذاتی معاملہ ہے اور میں
یوسف کی اجازت کے اسے بیان نہیں کر سکتا۔"

"ذاتی معاملہ" خلیفہ نے الجھتے ہوئے پوچھا" یوسف تم ہم پر اعتبار کر سکتے ہو اگر
کسی مصیبت میں ہو تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر یہ کوئی راز ہے تو وہ ہمارے دل
بھی راز بن کے رہے گا۔"

"امیرالمومنین سے بڑھ کر کس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے" یوسف نے جواب دیا در
مجھے اس کے اظہار میں شرم محسوس ہوتی ہے بھائی مالک جس طرح چاہیں آپ بے
کر دیں۔"

یوسف کے اجازت دیتے ہی مالک بن خضر نے یوسف اور برجیس کے رومان کی داستان
فاطمی خلیفہ کے گوش گزار کر دی۔ خلیفہ نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے یہ رومان انگیز
سنی۔ یوسف کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔

خلیفہ نے احوال سننے کے بعد کہا۔ یوسف اب یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔ برجیس
حفاظت کی ہم ذمہ داری لیتے ہیں لیکن ہمارا مشورہ ہے تم سب سے پہلے برجیس سے شا
کر لو تاکہ تمہارا اس سے ملنا جلنا شرعی حدود میں آجائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ عیسائی
اہل کتاب ہیں اور ان سے رشتہ قائم کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہے۔"

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ یوسف چاہتا ہی یہی تھا۔ مگر شرم کی وجہ سے کچھ نہ بول
اور پر امید نظروں سے مالک کو دیکھنے لگا۔ مالک نے خلیفہ سے کہا "یوسف کو امیرالمومنین
شکر گزار ہونا چاہیے۔ برجیس سے عقد ہی یوسف کی ذہنی پریشانی کا علاج ہے۔"

"ہم یوسف کی زبان سے بھی کچھ سننا چاہتے ہیں" خلیفہ نے مسکرا کے یوسف
دیکھا۔ یوسف نے جھجکتے اور شرماتے ہوئے کہا۔ "امیرالمومنین نے جب یہ معاملہ اپنے
میں لے لیا ہے تو میں اب کیا بول سکتا ہوں سوائے اس کے کہ امیرالمومنین۔ نے مجھ

الوطن پر جو نوازش کی ہے۔ اسے میں تمام عمر نہ بھلا سکوں گا۔"

یوسف اور برجیس کی شادی میں اب کوئی امر مانع نہ تھا صرف برجیس کی اجازت
حاصل کرنا تھی۔ خلیفہ سے رخصت ہو کر وہ سیدھے برجیس کے پاس آئے۔ مالک چاہتا تھا
کہ اس مسئلے کو فوراً نپٹا دیا جائے تاکہ برجیس اور یوسف کو سکون حاصل ہو ---- یوسف
اور مالک جب پہلے واپس آئے تھے تو برجیس کو معلوم ہو گیا تھا اس نے یوسف کو جھانک کر
دیکھا بھی تھا لیکن وہ اندر آنے کے بجائے باہر ہی سے واپس چلے گئے تھے۔ برجیس کے دل
پر ایک چوٹ سی لگی تھی اور کئی طرح کے وسوسے بھی پیدا ہوئے تھے۔ برجیس خود کو قاہرہ
میں قسطنطنیہ سے کہیں زیادہ محفوظ محسوس کر رہی تھی لیکن وہ ایک غیر ملک اور غیر مذہب
سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر خوبصورت جوان اور کنواری تھی۔ لڑکیوں کے لئے اکثر یہ چیزیں
مصیبت بن جاتی ہیں۔

مالک اور یوسف کو قصر شاہی سے واپس آتا دیکھ کر برجیس خوشی سے کھل اٹھی۔ اس
کا جی چاہا کہ باہر نکل کے یوسف کو خوش آمدید کہے لیکن اس نے اپنے قدم روک لئے
مالک نے اسے سخت تاکید کی تھی کہ وہ کمرے سے باہر قدم نہ نکالے اور اگر کوئی غیر مرد یا
عورت ان سے ملنے آئے تو برجیس خود کو اس سے پوشیدہ رکھے۔ مالک نے برجیس کے
کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اپنی بیوی کو آواز دے کر بلا لیا اور یہ تینوں ایک ساتھ
برجیس کے پاس پہنچے۔ برجیس کا خیال تھا کہ صرف یوسف اس کے پاس آئے گا مالک اور
ان کی بیوی کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔

مالک نے برجیس کی پریشانی محسوس کر لی اس نے مسکرا کر کہا "برجیس گھبراؤ نہیں۔ ہم
تمہارے لئے خوش خبری لے کے آئے ہیں"

برجیس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے سر جھکا لیا۔

مالک نے کہا "یوسف کا نمائندہ میں ہوں اور برجیس کی نمائندگی میری بیوی کرے گی"
بیوی مسکراتی ہوئی برجیس کے برابر جا کر بیٹھ گئی۔

مالک نے گلا صاف کیا اور کہا "میں یوسف کی طرف سے برجیس کو شادی کا پیغام دیتا
ہوں اگر برجیس کو یہ رشتہ منظور ہو تو وہ اپنی نمائندہ کے ذریعے جواب دیں اور انکار ہے تو
وہ خود اپنی زبان سے انکار کریں"

برجیس کو یہ خیال تھا کہ آج اس کے بارے میں کوئی خاص فیصلہ ہونے والا ہے مگر
شادی کے پیغام کی طرف اس کا ذہن نہ گیا تھا۔ مالک کی زبان سے پیغام سن کر وہ بھونچکا رہ
گئی۔ مالک کی بیوی نے اس کی مدد کی۔ وہ دونوں کچھ دیر کھسر پھسر کرتی رہیں پھر مالک کی

بیوی نے کہا "میں برجیس کی نمائندہ کی حیثیت سے اطلاع دیتی ہوں کہ برجیس کو یوسف
رشتہ منظور ہے۔ اس سلسلے میں کوئی خاص شرط ہو تو اس کا اظہار کیا جائے؟"

مالک نے یوسف سے چند منٹ گفتگو کے بعد کہا "شادی کے لئے یوسف کی طرف
کوئی شرط نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یوسف مسلمان اور برجیس عیسائی مذہب سے تع
رکھتی ہیں۔ مگر یہ مسئلہ امیرالمومنین خلیفہ حافظ الدین نے پہلے ہی طے کر دیا ہے انہوں
ارشاد فرمایا تھا کہ عیسائی قطع نظر اپنے افعال اور کردار کے آسمانی کتاب مقدس انجیل
پیروکار ہیں اس لئے مسلمان کا عقد عیسائی خاتون سے ہو سکتا ہے خواہ وہ اپنا مذہب تبدیل
کرے"

اس وقت برجیس نے مالک کی بیوی سے کچھ کہا۔ اس کی بات سن کر مالک کی بیوی
"اس بات کا جواب برجیس خود دینا چاہتی ہیں"

برجیس جو کہنا چاہتی ہیں ضرور کہیں "مالک جلدی سے بولا۔ مگر یوسف نے کوئی
عائد نہیں کی ہے۔ وہ عیسائی مذہب رکھتے ہوئے بھی یوسف سے عقد کر سکتی ہیں"

برادر محترم" برجیس نے خود جواب دینا شروع کیا "یہ ٹھیک ہے کہ میں عیسائی گھرا
میں پیدا ہوئی میرے والدین عیسائی ہیں لیکن میرے ہم مذہب جان قوش نے مجھ بے
جو اذیتیں دی ہیں ان کے تصور سے میرا جسم لرزنے لگتا ہے اس نے کسی وقت یہ
سوچا کہ میں بھی اسی طرح کی عیسائی مذہب اور گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ جان
کے مقابلے میں میرے سامنے یوسف کا کردار ہے۔ یوسف کو میرے قتل پر مقرر کیا گیا
مجھے قتل کر کے بڑے سے بڑا انعام حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے مجھ پر رحم کھایا
اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر آپ کے سفارت خانے میں لے گیا۔ اگر آپ اس وقت
پناہ نہ دیتے اور وزیر سلطنت کے حوالے کر دیتے تو آپ بھی انعام کے مستحق ہو جاتے

برجیس کا گلا خشک ہونے لگا۔ اس نے اٹھ کے ایک گلاس پانی پیا۔ اس نے
انتظام اپنے کمرے ہی میں کر لیا تھا۔ کہ بار بار خادمہ کو آواز نہ دینا پڑے۔

مالک فوراً" اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا تھا اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
"برجیس۔ وزیر سلطنت جان قوش کے اعمال اس کے ساتھ ہیں۔ اس کی جزا اور سزا
خدا سے ملے گی۔ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ محض ایک انسانی ہمدردی
میں نے اس وقت یہ بھی سوچا تھا کہ جب یوسف جیسا جوان جسے سوائے حکم کی تعمیل
اور کوئی چارہ نہ تھا وہ تمہیں موت کے منہ سے بچا لایا تو میں تمہیں پھر کس طرح
جان قوش کے حوالے کر سکتا تھا"

"آپ اور یوسف کا یہی کردار ہے جو مجھے اپنے ہم مذہبوں نیں نظر نہیں آتا" برجیس
نے جواب دیا "اور سچے دل سے چاہتی ہوں کہ مجھے بھی مسلمان کر لیا جائے تاکہ بعد میں
کوئی شخص یہ انگلی نہ اٹھا سکے کہ یوسف نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کی ہے"

"مرحبا۔ برجیس۔ "مرحبا" مالک کی بیوی نے اک دم آواز لگائی "تم نے خلوص دل
سے اسلام کو پسند کیا ہے۔ اب تم مسلمان ہو اور ہماری پہلے سے زیادہ عزیز بہن ہو"

"یوں نہیں محترم خاتون" برجیس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی "مجھے اس وقت سکون
ملے گا جب آپ مسلمان ہونے کی تمام رسومات ادا کر کے مجھے باقاعدہ مسلمان بنائیں گی"

"یہ کیا کہہ رہی ہو برجیس؟" مالک نے ہنس کے کہا۔ "مسلمان ہونے کے لئے کسی
رسم کی ضرورت نہیں۔ صرف سچے دل سے مسلمانوں کا کلمہ پڑھو اور مسلمان ہو جاؤ"
اور فوراً" ہی مالک نے برجیس کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا مالک کی بیوی نے اسے پیار سے
سینے سے لگایا۔ مالک نے یوسف کو مبارک باد دی۔

برجیس نے کہا "اسلام میں داخل ہونے کا کس قدر آسان طریقہ ہے۔ میں سمجھتی تھی
کہ جس طرح عیسائی بننے کے لئے ہزاروں مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے کچھ اسی طرح یہاں
بھی ہوگا مگر میں ایک لمحے میں عیسائی سے مسلمان ہو گئی"

"اور اب وہ لمحہ بھی آنے والا ہے جب تم برجیس سے بیگم یوسف بن جاؤ گی" مالک
کی بیوی نے ہنس کے کہا۔

برجیس کا سر حیا سے جھک گیا۔

مالک نے کہا "برجیس ہمیں افسوس ہے کہ اب ہم تمہیں یوسف سے براہ راست
گفتگو کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ تمہیں اب دلہن بنا کے مائیوں (ماجھے) بٹھانا ہے۔
میرا خیال ہے کہ یوسف بھی ایک اچھے اور سعادت مند دلہا کی طرح اپنے دل کو سنبھالے
رکھیں گے اور تمہیں پریشان نہیں کریں گے"

یوسف مالک کی اس خوش کلامی پر مسکرا دیا۔

یوسف بن خضر کے قسطنطنیہ جانے کا ابھی کوئی امکان نہ تھا۔ اس نے خلیفہ سے اپنے
آبائی مکان میں جانے کی اجازت مانگی جو اسے مل گئی۔ مالک شاہی مہمان خانے میں تمام
آسائشوں کے باوجود کچھ زیادہ خوش نہ تھا۔ اپنے مکان میں آکے اسے بڑی خوشی حاصل
ہوئی۔ یہ مکان ایک طویل اور عریض حویلی تھی اس کی غلام گردش میں صرف ایک غلام
اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا باقی حویلی کئی سال سے خالی تھی۔ ان کے آنے سے مکان میں
چہل پہل ہو گئی۔ مالک خلیفہ کی اجازت سے یوسف کو بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا لیکن اس

نے برجیس اور یوسف پر اخلاقی پابندی لگا دی تھی ایک جگہ رہتے ہوئے دونوں کا آمنا
اکثر ہو جاتا لیکن وہ سوائے سلام کرنے کے اور کوئی لفظ زبان پر نہ لاتے تھے۔

برجیس اور یوسف کی شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ خلیفہ کی طرف سے قیمتی پارچہ
اور زیورات بھیجے گئے مالک نے بھی یوسف اور برجیس کو اپنا ہی سمجھا اور شادی کے پو
پورے انتظامات کیے۔ خلیفہ کی ہدایت پر صرف محدود مہمانوں کو دعوت نامے بھیجے گئے
احتیاط اس لئے برتی گئی کہ خلیفہ نے یوسف کے عقد میں شریک ہونے کی رضامندی ظا
تھی۔

تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ کل صبح بارات مالک کے ایک بھائی کے گھر
چڑھنی تھی۔ یوسف کو شام کے وقت مالک کے بھائی کے گھر بھیج دیا گیا تھا بارات کے
آنے والا بری کا جوڑا اور لوازمات بھی وہیں بھجوا دیے گئے تھے۔ یوسف اور برجیس
ملاقات کے درمیان صرف آج کی رات اور کل کا دن حائل تھا مگر یہ رات پہاڑ بن
یوسف اور برجیس سے یہ رات کاٹے نہ کٹتی تھی ہزاروں کروٹیں بدل بدل کے دونوں
سویر کیا ہوگا لیکن یہ سویر رات سے بھی زیادہ تاریک تھا۔ رات کو ایک ایسا واقعہ پیش
تھا جس نے دن کے سورج کو گہنا دیا تھا۔ مصر کے مرد آہن وزیر اور سپہ سالار رضوان
وغش کو کسی نے رات کے اندھیرے میں قتل کر دیا تھا۔ پورے قاہرہ میں کہرام مچا ہوا

لوگوں کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ وزیر رضوان بن وغش کو خلیفہ حافظ نے
کرایا ہے کیونکہ جب رضوان بن وغش فاطمی افواج کا سپہ سالار تھا اس میں اور خلیفہ
بہت اچھے تعلقات رہے۔ خلیفہ ہمیشہ ابن وغش کی بات کو مقدم رکھتا تھا لیکن جب
سالار نے بزور شمشیر وزارت پر قبضہ کر لیا تو دونوں میں شدید اختلافات پیدا ہوگئے
خیال ہے کہ تاریخ اسلام میں سوائے فاطمی خلیفہ حافظ کے کوئی اور خلیفہ یا بادشاہ ایسا
جس نے اپنے دور اقتدار میں یکے بعد دیگرے سات وزیر بدلے ہوں اور انہیں قتل
کرایا ہو۔

خلیفہ حافظ نے پہلے وزیر ہزبر کو معزول کر کے قتل کرایا پھر ابو علی بن افضل اس
حکم سے مارا گیا۔ اس طرح فاطمی حکومت کے سات وزیر ایک کے بعد ایک آئے اور
ہوتے رہے۔ ان میں اس کے دو بیٹے بھی شامل ہیں جن میں پہلا بیٹا اپنی موت مرا
دوسرا باپ کے حکم سے قتل ہوا۔ آخری وزیر اور سپہ سالار رضوان بن وغش کے بعد
حافظ نے وزارت کا عہدا ہی ختم کر دیا اور تمام کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیا
کے ساتھ ہی حافظ نے اپنے بیٹے ابو منصور اسمٰعیل کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تاکہ کم از

اولاد کی طرف سے اس کے تخت کو کوئی خطرہ نہ رہے۔

ان حالات میں شادی کی تقریب کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ ایک یوسف ہی نہیں اس
کی طرح قاہرہ میں نہ جانے کتنے جوان اپنے سینے میں ارمان دبائے ایک ماہ سے زیادہ عرصے
تک ہنگامی صورت حال کے خاتمے کا انتظار کرتے رہے۔ جب ہر طرف امن وامان ہوگیا
اور خلیفہ حافظ نے پوری طرح حالات پر قابو پا لیا تو ایک دن سفیر نے دبے الفاظ میں خلیفہ
سے برجیس اور یوسف کی شادی کی اجازت مانگی۔ خلیفہ نے مسکرا کے اجازت تو دی لیکن
شرکت سے معذوری ظاہر کی کیونکہ عوام کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے اور خلیفہ کو ایک
عام جگہ کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔

یوسف اور برجیس کی شادی بظاہر پھیکی سی رہی۔ مالک نے صرف پندرہ مہمانوں کو مدعو
کیا تھا اور ان مہمانوں ——— کو اپنے ساتھ خواتین کو نہ لانے کے خاص درخواست کی
گئی تھی۔ شہر کے حالات بہت خراب تھے اور خواتین نے خود ہی گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا
تھا۔ یوسف اور برجیس کو کسی دھوم دھڑکے کی خواہش نہ تھی وہ تو اپنی دھن میں مست
تھے۔ شادی کی چار راتیں اور چار دن یوں گزر گئے کہ ان محبت بھرے دلوں کو اس کی خبر
ہی نہ ہوئی۔

دوسرے ہفتے خلیفہ نے مالک بن خضر کو قسطنطنیہ اور یوسف کو موصل جانے کا حکم دیا۔
مالک بن خضر بحری رستے سے روانہ ہوا یوسف کے ساتھ برجیس تھی اس لئے اس نے ایک
قافلے کے ساتھ ریگستانی راستہ اختیار کیا تاکہ بحر روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی
نصرانی ریاستوں سے اسے نہ گزرنا پڑے۔ ادھر مالک بن خضر قسطنطنیہ پہنچا اور دوسری طرف
یوسف اوز برجیس نے موصل کے شہر میں قدم رکھا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ موصل
اور قسطنطنیہ دونوں کے حالات بدل چلے تھے۔

نامراد کلائیڈ

شاہ یروشلم بالڈون کے وسیع اور عریض خیمے میں شاہانہ دعوت ہو رہی تھ
گردش میں تھے اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، رقاصائ
ابرو دست و پا اور کمر کے پیچ و خم سے حاضرین محفل کو محظوظ کر رہی تھیں شاہ ا
نوعمر بھانجی شہزادی جینا لو تالیاں بجا بجا کر داد دے رہی تھی۔ شہزادی بہت خوش تھ
اس لئے کہ یہ اس کی زندگی کی پہلی بڑی محفل تھی جس میں مشرق وسطیٰ کے تما
بادشاہ مع اپنی بیگمات اور شہزادیوں کے شریک ہوئے تھے۔

یکایک شہزادی جینا لو کے چہرے کے سامنے ایک تھرکتا ہوا ساغر آگیا۔ شہزادی
بجاتے ہاتھ ایک دم رک گئے۔ اس نے گھبرا کر سر پیچھے کر لیا اور کرسی کی ٹیک
لرزتا ساغر پھر اس کے منہ کے قریب آگیا۔ شہزادی نے غصے سے سامنے کی طرف د
کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

"کیا بدتمیزی ہے کلائیڈ! تم آداب محل بھی نہیں جانتے؟"

غصے کے مارے اس کا جسم کانپنے لگا۔

"تمیز!" کلائید نے ایک بدمست قہقہہ لگایا "تم .... اور مجھے تہذیب سکھا رہی
جینا"

"نادان تم ہو کلائیڈ" شہزادی نے دونوں مٹھیاں بند کر لیں "کیا میزبانی کا یہ طر
کہ تم دوسروں کو بلا کے انہیں ذلیل کرو؟"

"بکواس بند کرو!" کلائیڈ نے جیسے حکم دیا "میں کہتا ہوں یہ ساغر تم پی لو"

"میں نہیں پیتی کیوں پیوں؟" شہزادی اکڑ کر بولی۔

"میں نے آدھا ساغر خالی کیا ہے۔ باقی تم پیو گی۔ یہ میرا حکم ہے"

"میں اس جھوٹے ساغر اور تم پر لعنت بھیجتی ہوں"

"جینا!" کلائیڈ چیخ پڑا "تم نہیں جانتی میں کون ہوں؟"

"مجھے معلوم ہے کہ شاہ یروشلم کے بھتیجے ہو۔ تمہارا رعب مجھ پر نہیں چل سکتا"

"میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں جینا" کلائیڈ نے دوسرا قہقہہ لگایا۔

"اس کے علاوہ تم ایک آوارہ مزاج جوان ہو اور میں ایسے لوگوں کو کا دماغ صحیح کرنا جانتی ہوں" شہزادی کی دنوں مٹھیاں اور زیادہ کس گئیں۔

"اچھا تو میں تیرا غرور ابھی توڑے دیتا ہوں"

شہزادہ کلائیڈ لڑکھڑاتا ہوا میز کے گرد چکر لگا کر شہزادی جینا لو پر جھپٹا۔ شہزادی نے اندازہ کر لیا تھا کہ کلائیڈ نشے میں دھت ہے اور اس کا جسم اس کے قابو میں نہیں ہے۔ وہ تیار کھڑی تھی۔ کلائیڈ نے اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور جواب میں شہزادی کا دایاں ہاتھ بلند ہوا۔ اس کی بند مٹھی نے گھونسے کی شکل اختیار کی اور یہ گھونسا اتنی شدت سے کلائیڈ کے منہ پر پڑا کہ کلائید لڑکھڑا کر ایک رقاصہ سے ٹکرا گیا۔ رقاصہ نے ہنستے ہوئے اسے سہارا دے کر سیدھا کیا اور آگے بڑھ گئی۔

شہزادی جینالو کا خیال تھا کہ کلائیڈ نشے کی وجہ سے زمین پر گر جائے گا اور وہ اس میز سے ہٹ کر کسی محفوظ جگہ چلی جائے گی مگر کلائیڈ اس حملے کو برداشت کر گیا۔ اس نے سر جھٹک کر آنکھیں کھولیں اور کسی بھینسے کی طرح نتھنے پھلا کر ڈکارا "تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ میں تیرے خون میں اپنا خنجر ڈبوؤں گا"

کلائیڈ کمر سے خنجر کھینچ کر شہزادی جینا لو کی طرف خونخوار درندے کی طرح بڑھا شہزادی کو اس خطرے کی قطعی توقع نہ تھی۔ اس نے مدد کے لئے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔ سب اپنے رنگ میں مست تھے کسی کو کسی کی خبر نہ تھی شراب کے چھوٹے بڑے پیالے اور گلاس چل رہے تھے، چھلک رہے تھے اور ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ رہے تھے ایسے میں شہزادی کی مدد کون کرتا۔ اگر کسی نے کلائیڈ کو دیکھا بھی ہو گا تو یہی سمجھا ہو گا کہ یہ شاہانہ دعوت کی عام خوش فعلیوں کا ایک حصہ ہے۔

شہزادی کو شدید خطرے کا احساس ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اگر اس نے خود اپنی مدافعت نہ کی تو کلائیڈ اسے ضرور زخمی کردے گا۔ کلائیڈ کی کمینی حرکتوں سے تمام لشکر

واقف تھا۔ وہ روز کسی نہ کسی شہزادی یا عام لڑکی کو چھیڑتا اور ایک فساد کھڑا ہو جاتا۔
یروشلم سے کوئی شکایت نہ کرتا سب کو معلوم تھا کہ کلائیڈ شاہ یروشلم کا منہ چڑھا بھتیجا
کلائیڈ لوگوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا تھا اور اس کی بیباکیاں اور آوارگیاں بڑھ
رہی تھیں۔

اس ہنگامہ ہاؤ ہو میں نہ کسی نے کلائیڈ کی ہاتھ میں کھلا ہوا خنجر دیکھا اور نہ کسی کی
شہزادی کی بے بسی پر گئی۔ کلائیڈ جھومتا ہوا شہزادی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ شہزادی
نظریں پورے خیمے میں گھومتی ہوئی اپنے باپ پر پڑیں مگر وہ بھی دوسرے مہمانوں کی طرح
شغل مے نوشی میں لگا ہوا تھا اور ایک خوب صورت کنیز اسے جام پر جام پیش کر رہی تھی
اس کی پشت شہزادی کی طرف تھی اور خیمے میں اس قدر شور تھا کہ وہاں تک آواز
قطعی ناممکن تھا شہزادی نے فوراً خود کو سنبھالا اور تیزی سے خیمے کے دروازے کی طرف
بھاگی۔ اس کے راستے میں کتنے ہی میخوار رقاصاؤں اور کنیزوں کو پکڑے تھرکتے پھر رہے
شہزادی انہیں دھکیلتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ وہ پلٹ پلٹ کر کلائیڈ کو بھی دیکھتی جاتی تھی
اسی طرح خنجر تانے ہوئے اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ کئی مقام پر تو کلائیڈ بالکل اس
قریب پہنچ گیا تھا مگر شہزادی نے بڑی پھرتی سے میزیں الٹ کر راستہ روک دیا تھا۔

شہزادی نے خیمے سے باہر آ کر ایک طرف بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ اس کا
پڑاؤ یہاں سے قریب تھا مگر اس خیمے میں کوئی نہ تھا۔ وہ تنہا اپنے باپ کے ساتھ صلیبی
جنگ کا ثواب حاصل کرنے آئی تھی اور اس کا باپ دعوت والے خیمے میں رنگ رلیوں میں
مصروف تھا۔ شہزادی خیموں کے اس شہر میں پناہ حاصل کرنے کے لئے بھاگ رہی تھی
تاحد نظر خیموں کا جنگل بکھرا ہوا تھا۔ یہ مسلمانوں کے مشہور قلعہ شیزر کا محاذ تھا اور صلیبی
سورما ایک ہفتے سے اس قلعہ کو گھیرے ہوئے تھے۔

شہزادی جان بچا کر بھاگی تھی۔ اس لئے اس کے قدم تیز تیز اٹھ رہے تھے۔ وہ جانتی
تھی کہ اگر وہ سانس لینے کے لئے کہیں رکی تو شہزادہ کلائیڈ اسے دبوچ لے گا۔ برخلاف
کے کلائیڈ نے خوب پی رکھی تھی اس کی رفتار ست تھی اور قدم لڑکھڑا رہے تھے پھر بھی
شہزادی پر نظریں جمائے ہوئے سیدھا چلا آ رہا تھا۔ اس رات پندرھویں کا چاند تھا
دودھیا چاندنی ہر طرف چٹکی ہوئی تھی۔ شہزادی جس خیمے سے بھاگی تھی۔ وہ شاہ یروشلم
خیمہ گاہ تھی۔ اس کے قریب ہی شاہ انطاکیہ یعنی شہزادی جینالو کی اپنی خیمہ گاہ تھی مگر
نے ادھر کا رخ نہ کیا تھا اور وہ نصرانی شاہ اڈیسہ کی خیمہ گاہ کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی
تھی۔ وہ مدد کے لئے برابر چیخیں مار رہی تھی۔ خیموں کے باہر مسلح پہرے دار کھڑے تھے

وہ شہزادی کی چیخ پکار پر کان نہ دھر رہے تھے بلکہ ایک دوسرے کو اشارے کر کے ہنس رہے
تھے۔ شہزادی جینالو اور شہزادہ کلائیڈ کی ان کے لئے اجنبی نہ تھی مگر وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ
یہ شہزادی شہزادے کا مذاق کا کھیل ہے اور وہ ایک دوسرے کو پریشان.... کر رہے ہیں۔
اڈیسہ والوں کی حدود ختم ہو گئیں اور شہزادی طرابلس کے نصرانی شاہ کے خیموں کے
قریب پہنچ گئی مگر اسے وہاں بھی پناہ نہ مل سکی۔ پہرے دار اسے ہنس ہنس کر تیز دوڑنے کو
کہہ رہے تھے۔ شہزادی کی سانس پھولنے لگی تھی اور اس کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ اسی
وقت اس کی نظر ایک بڑے خیمے پر پڑی خیمے کے اوپر ایک پرچم لہرا رہا تھا اور اس پرچم پر
چاند کا نشان تھا جو صلیبی دیوانوں کے ساتھ مل کے خود اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہا
رہے تھے۔

شہزادی نے ایک لمحہ رک کر فوراً ایک خطرناک فیصلہ کیا اور اب اس کے قدم مسلم
خیموں کی طرف اٹھ رہے تھے۔ اسی وقت بڑے خیمے سے دو آدمی نکلے۔ شہزادی نے انہیں
دیکھتے ہی دور سے آواز لگائی۔ "بچاؤ بچاؤ... مسلمانو تمہیں اپنے خدا کی قسم ہے مجھے اس
ظالم سے بچاؤ"

دونوں مسلمان ایک دم رک گئے۔

"آگے بڑھ کر دیکھو سرم!" ایک نے کہا "کوئی مظلوم عورت ہے۔ اس نے ہمیں خدا
کا واسطہ دیا ہے"

"سردار اسد الدین! آپ فکر نہ کریں" سرم نے پر جوش لہجے میں کہا "میں بھی
اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ مظلوم کی مدد نہ کرنا سب سے بڑی بزدلی ہے"

سرم آگے بڑھ گیا۔ شہزادی اس کے قریب آ گئی تھی۔

"مجھے کلائیڈ سے بچاؤ مسلم سردار!" شہزادی کی سانس پھول رہی تھی۔ الفاظ اس کی
زبان سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔

"آپ خود کو سنبھالیے خاتون!" سرم نے ادب سے کہا۔ "اب آپ مسلمانوں کی پناہ
میں ہیں میرے سردار سامنے کھڑے ہیں۔ آپ ان کے پاس چلی جائیے میں اس بدمعاش
سے نمٹتا ہوں"

شہزادی تیزی سے اسد الدین کے پاس پہنچ گئی۔ سرم کی آواز اسد الدین تک پہنچ چکی
تھی۔ اس نے شہزادی سے کہا "خاتون! تم نے خدا کا واسطہ دے کر مدد مانگی ہے۔ تم محفوظ
پناہ میں آ گئی ہو کسی بات کی فکر نہ کرو۔ تمہارا پیچھا کرنے والا کوئی بھی ہو' اب اس کا ہاتھ
تم تک نہیں پہنچ سکتا"

"مگر مسلم سردار۔۔۔وہ۔۔۔وہ۔۔" شہزادی سے کھڑا نہیں رہا گیا۔ وہ پتھریلی زمین پر گر گئی۔

"تم سانس لے لو خاتون" اسد الدین نے اسے تسلی دی "تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا"

شہزادی نے جلدی جلدی کئی سانسیں لیں پھر قدرے سنبھل کر بولی "میرا پیچھا کرنے والا شہزادہ کلائیڈ ہے۔ وہ شاہ یروشلم بالڈون کا بھتیجا ہے۔ کیا تم اسے روک سکو گے؟"

"شاہ یروشلم کا بھتیجا" اسد الدین نے حقارت سے کہا "خاتون تم نے جس خدا کا واسطہ دیا ہے اس کے لئے تو مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ شاہ یروشلم کے بھتیجے کی کیا مجال ہے اگر خود شاہ یروشلم بھی تمہیں ہماری پناہ سے لے جانا چاہے تو بھی ہم انکار کر دیں گے"

"میں تمہاری بہت احسان مند ہوں مسلم سردار شہزادی نے بڑے خلوص سے کہا اور زمین سے اٹھ کر اسد الدین کے برابر کھڑے ہو گئی۔

دوسری طرف شہزادہ کلائیڈ خنجر بکف لڑکھڑاتا ہوا آیا تو اس نے راستے میں سرمر کو کھڑے دیکھا۔ سرمر بیچ راستے میں دونوں ہاتھ پھیلا کے اس طرح کھڑا تھا جیسے بچوں کو آگے بڑھنے سے روکا جاتا ہے۔

"تو کون ہے" ہٹ جا سامنے سے!" کلائیڈ نے اپنی شہزادگی بگھاری۔

"اور تو کون ہے جو ایک مظلوم لڑکی کے پیچھے خنجر تانے ہوئے چلا آرہا ہے؟"

کلائیڈ نے اسے گھورا میں شہزادہ ہوں شہزادہ......"

"یقین نہیں آتا کہ تمہاری رگوں میں شاہی خون ہے" سرمر نے منہ بنا کر کہا شہزادے لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے"

"وہ میری محبوبہ ہے۔ مجھ سے ناراض ہو کر بھاگی ہے"

"محبوبہ کو خنجر سے نہیں پیار سے منایا جاتا ہے"

"میں اسے پیار سے منا کر لے جاؤں گا"

"مگر اب تو وہ مسلمانوں کی پناہ میں ہے۔ ہمارے سردار اسد الدین نے اسے پناہ دی ہے" سرمر نے اطمینان سے کہا اور پھیلے ہوئے ہاتھ سمیٹ کر بغلوں میں دبا لئے۔

"مگر تم ہو کون۔ شہزادے کلائیڈ یعنی شاہ یروشلم ---- بالڈون کے بھتیجے کو روکنے کی تم نے کیسے ہمت کی۔" کلائیڈ کا دماغ پھر الٹ گیا اور وہ بڑبڑانے لگا "شہزادی جینا لوکی مسلمان کی پناہ میں نہیں رہ سکتی میں اسے واپس لے کر جاؤں گا۔

"کس طرح لے جاؤ گے۔ خنجر کے زور پر؟" سرمر مسکرانے لگا۔

"اوہ---- ذلیل مسلمان! میرا مذاق اڑاتا ہے۔ ہٹ جا میرے راستے سے" اس کے ساتھ ہی کلائیڈ نے سرمر پر خنجر کا بھرپور وار کیا۔

سرمر کے بغلوں میں دبے ہوئے ہاتھ بجلی جیسی تیزی سے ہوا میں لہرائے اور دوسرے ہی لمحے کلائیڈ کی کلائی سرمر کے مضبوط پنجے میں تھی۔ سرمر نے اس کی کلائی موڑی اور خنجر کلائیڈ کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ کلائیڈ نے حیران نظروں سے سرمر کو دیکھا اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

"خنجر اٹھا کے کمر میں لگا لو اور چپ چاپ میرے ساتھ چلو" سرمر نے حکم دیا۔

"تم مجھے کہاں لے جاؤ گے؟" کلائیڈ گڑگڑایا۔ مجھے معاف کر دو سردار میں تم سے شرمندہ ہوں

"تم نے مجھ پر حملہ کیا ہے میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا" اور سرمر نے اسے چلنے کا اشارہ کیا کلائیڈ نے خنجر کمر میں لگا لیا اور خاموشی سے سرمر کے ساتھ چلنے لگا۔

"سردار! آپ نے دیکھا---- اس بچے نے مجھ پر وار کیا؟" قریب پہنچ کر سرمر نے اسد الدین سے کہا۔

اسد الدین نے سرمر کو جواب دینے کی بجائے کلائیڈ کو مخاطب کیا "شاہ یروشلم کے بھتیجے! جانتے ہو اسلحہ کون استعمال کرتا ہے؟"

کلائیڈ پہلے ہی پریشان تھا اسد الدین کے سوال نے اسے اور گھبرا دیا۔ وہ حیرت اور تجسس سے اسے دیکھنے لگا۔

"سنو۔ اگر نہیں جانتے تو میں تمہیں بتاتا ہوں" اسد الدین مسکرایا "حکومت وہ لوگ کرتے ہیں جن کی تلوار میں طاقت ہو اور اسلحہ وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جن کے ہاتھ مضبوط ہوں۔ تمہارے نازک ہاتھ بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے تم سے دو جرم سرزد ہوئے ہیں۔ ایک تو تم نے ایک معزز شہزادی کو پریشان کیا دوسرے تم نے والئی دمشق کے محافظ سرمر پر خنجر سے حملہ کیا۔ آج کی رات تم ہمارے مہمان رہو گے۔ صبح تمہارا مقدمہ پیش کیا جائے گا"

"مجھے کس کے سامنے پیش کیا جائے گا؟" کلائیڈ کا خون خوف سے کانپ اٹھا۔

"تم نے والی دمشق مجیر الدین آبق کی خیمہ گاہ میں جرم کیا ہے تمہیں ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اگر انہوں نے کوئی سزا دی تو تمہیں بھگتنا ہوگی اور اگر معاف کر دیا تو تمہیں شاہ یروشلم کے پاس پہنچا دیا جائے گا"

شہزادہ کلائیڈ کے دماغ میں غرور کا کیڑا پھر کاٹنے لگا۔ اس نے ذرا اکڑ کے کہا "اسد الدین ہمارے شاہ یروشلم کا ماتحت ہے۔ اس کے سامنے پیش ہونا میری توہین ہے میرے چچا شاہ یروشلم کے سامنے پیش کیا جائے"

"تم غلط سمجھ رہے ہو کلائیڈ!" اسد الدین کا لہجہ سخت ہو گیا "والئی دمشق شاہ الدین نے صلیبیوں سے دوستی کا معاہدہ کیا ہے۔ وہ کسی کے ماتحت نہیں ہیں"

"اچھا میں خود والی دمشق کے سامنے صبح کو پیش ہو جاؤں گا مجھے اس وقت اپنے میں جانے دو" شاہ یروشلم آج بیمار ہیں ان کی دی ہوئی دعوت کا اہتمام میرے سپرد ہے ان کی طرف سے میزبانی کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ تمہیں ایک معزز شہزادے زبان پر اعتبار کرنا چاہیے۔"

"معزز شہزادے نے اپنے فرائض کا ذکر کر کے اپنا جرم اور زیادہ سنگین کر لیا ہے" اسد الدین نے چڑ کے کہا۔ "کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ جس محفل کے تم میزبان اس محفل کی ایک معصوم شہزادی پر تم نے خنجر اٹھایا۔ کیا تمہارا یہ اقدام قابل نفرت ہے۔"

اسد الدین یہ کہتے ہوئے اپنے خیمے کی طرف چلا شہزادہ کلائیڈ اور سرمم اس کے پیچھے خیمے میں آ گئے۔

کلائیڈ کو اپنی غلطی پر بڑا افسوس ہوا۔ اس نے ملتجی نظروں سے شہزادی جینالو کی طرف دیکھا شہزادی سردار اسد الدین کی پشت پر کھڑی کلائیڈ کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی اسد الدین نے کلائید سے پوچھا۔

"یروشلم کے شہزادے شاید تم شہزادی سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟" کلائیڈ کی نظریں جھک گئیں۔

"تم گفتگو کر سکتے ہو لیکن میں پہلے شہزادی سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں" اسد الدین نے شہزادی جینالو کی طرف دیکھا اور شہزادی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک سا پڑا شہزادی بڑی محویت کے عالم میں شاہی محافظ سرمم کو دیکھ رہی تھی اور سرمم کی نظریں بھی شہزادی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"شہزادی" ایک دو لمحوں بعد اسد الدین نے شہزادی کو چونکا دیا۔

"جی ---- ہاں سردار ---!" شہزادی کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"سامنے کھڑا ہوا شخص جو خود کو شاہ بالڈون کا بھتیجا بتاتا ہے کیا تمہارا منگیتر ہے؟" اسد الدین نے چند ثانیوں تک شہزادی کو سنبھلنے کا موقع دینے کے بعد نرمی سے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے ---"

شہزادی جینالو نے صاف انکار کیا۔ "یہ بات ٹھیک ہے کہ کلائیڈ شاہ یروشلم کا بھتیجا اور معزز شاہ کے نام پر دھبہ لگا رہا ہے"

"کلائیڈ تمہارا دور یا نزدیک کا عزیز ہے؟"

"یہ بات بھی نہیں ہے" شہزادی نے واضح لفظوں میں تردید کی "میں شاہ انطاکیہ کی بھانجی ہوں۔ پورے یروشلم میں میرا کوئی عزیز نہیں ہے"

"یہ تم سے اپنی غلطی کی معافی مانگنا چاہتا ہے" اسد الدین نے کلائیڈ کی طرف دیکھا "کیا تم اس سے گفتگو کرنا پسند کرو گی۔؟"

"میں اس کی سنگین غلطی معاف کر کے اسے اس سے زیادہ سنگین جرم کی شہ نہیں دے سکتی" شہزادی جینالو نے غصے سے کہا "آپ اگر اسے معاف بھی کر دیں گے تو بھی میں اپنا مقدمہ شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس کے سامنے پیش کروں گی۔ شہنشاہ ہم سب کے سردار اعلیٰ ہیں اور وہی اس بدلگام شہزادے کو سزا دے سکتے ہیں"

"کلائیڈ! تم نے شہزادی کا جواب سنا" اسد الدین مسکرایا "یہاں سے جان چھوٹنے کے بعد بھی وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گی تمہیں اپنے شہنشاہ کا بھی سامنا کرنا ہو گا"

"شہزادی جینالو! مجھے ان مسلمانوں نے پہلے ہی بہت ذلیل کیا ہے۔ اب مجھے شہنشاہ کی نظروں سے نہ گراؤ"

سرمم کو کلائڈ کی بات بہت ناگوار گزری اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "شرم کرو کلائیڈ! تم کہتے ہو کہ ہم نے تمہیں ذلیل کیا ہے تم نے مجھ پر خنجر سے وار کیا اگر میں وہی خنجر تمہارے سینے میں پیوست کر کے ہمیشہ کے لئے تمہارے وجود سے یہ دنیا پاک کر دیتا تو مجھ سے کون پوچھتا۔ تم بے شرم ہی نہیں احسان فراموش بھی ہو"

کلائیڈ کی نظریں پھر جھک گئیں اور شہزادی نے بڑی نفرت سے کلائیڈ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔



موصل کا زنگی امیر عماد الدین بڑی خاموشی سے جنگی تیاروں میں مصروف تھا دراصل یہ تیاریاں نصرانی ریاستوں کے خلاف جہاد کی تھیں مسلم علاقے ایک تو غیر محفوظ تھے' دوسرے مسلم والیان ریاست آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ امیر زنگی نے ایسے امراء کو کسی

نہ کسی طرح درست کیا۔ بعض علاقوں پر قبضہ کیا اور بعض کا تعاون حاصل کیا لیکن
کی مسلم ریاست پر اس کا کوئی زور نہ چلتا تھا کہنے کو تو وہاں کا امیر مجیر الدین تھا مگر
کی باگ ڈور دراصل وہاں کے وزیر معین الدین انر کے ہاتھ میں تھی۔ انر اور زنگی
شدید مخالفت تھی۔ زنگی کو علم تھا کہ جب تک دمشق پر قبضہ نہیں ہوتا اس وقت
نصرانیوں کے خلاف کوئی مضبوط قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ انر بھی زنگی کے اس خیال
تھا۔ اس نے اسی وجہ سے عیسائی (نصرانی) ریاستوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے
اور نصرانیوں کی مدد سے اس نے دمشق پر امیر زنگی کے دو حملے پسپا کر دیئے تھے۔

اسی دوران امیر زنگی کو خبر ملی کہ قسطنطنیہ کا نصرانی شہنشاہ جان کامنی نس شام کی
ریاستوں کی مدد کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ امیر نے فوراً" اپنے سردار اسد الدین
قسطنطنیہ جاسوس بنا کر بھیج دیا تاکہ شہنشاہ قسطنطنیہ کے عزائم سے پوری طرح واقف ہو
اسد الدین نے اپنے ساتھی یوسف کے ساتھ دربار قسطنطنیہ میں قدم جما لیے لیکن
دوران یورپ میں صلیبی جنگ کا غلغلہ بلند ہوا اور پاپائے روم نے شہنشاہ قسطنطنیہ جان
نس کو حکم دیا کہ وہ بلا تاخیر شام کا رخ کرے اور عیسائیوں کے وہ علاقے واگزار کرائے
پر امیر زنگی نے قبضہ کر لیا تھا اس وقت جان کامنی نس مصر سے غیر جانبدار رہنے کی گفتگو
رہا تھا اور اس کام پر اسد الدین کے غلام یوسف کو مامور کیا گیا تھا۔ اسد الدین بطور
قسطنطنیہ میں مقیم تھا۔

پاپائے روم کے حکم پر جان کامنی نس کو سر تسلیم خم کرنا پڑا اور وہ تمام مصلحتوں
بالائے طاق رکھ کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ شہنشاہ کی روانگی سے صرف دو دن پہلے قسطنطنیہ
کے وزیر سلطنت جان قوش کو اس وقت قتل کیا گیا جب اسد الدین شہنشاہ کے حضور
تھا اور شہنشاہ اس سے موصل کے امیر زنگی کی فوجی طاقت کے سلسلے میں تفصیلات حاصل
رہا تھا

ورنہ ممکن تھا کہ اس قتل کا الزام اسد الدین پر لگایا جاتا اس کا غلام یوسف بھی
گیا ہوا تھا۔ اس لئے جان قوش کے قتل کے سلسلہ میں ان دونوں پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا
اسد الدین کو شہنشاہ نے براہ راست اپنی پناہ میں لے لیا اور حکم دیا کہ شام کے علاقے
وہ صلیبی لشکر کی رہنمائی کرے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کی روانگی بالکل غیر متوقع تھی اسد الدین نے بہت کوشش کی کہ
زنگی کو قسطنطنیہ کے شہنشاہ کی طوفانی روانگی کی اطلاع دے سکے لیکن وہ کامیاب نہ ہو
مصر سے یوسف اس کے پاس پہنچ چکا تھا جس سے امیر زنگی کو صرف یہ اطلاع مل سکی

زنگی اور نصرانیوں کی جنگ میں مصر غیر جانبدار رہے گا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کے ملک شام
داخل ہونے کی خبر خود شہنشاہ کے ایک وفد نے امیر زنگی تک پہنچائی۔ امیر موصل عماد
الدین زنگی کو شہنشاہ کے سفیر کی آمد کی اطلاع دی گئی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اسے جنوب اور
مغرب سے آنے والے تاجروں سے یہ خبر تو ملی تھی کہ نصرانی ریاستیں صلیبی جنگ
تیاریاں کر رہی ہیں لیکن اسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ شہنشاہ جان کامنی نس ایک لشکر
کے ساتھ شام میں داخل ہو چکا ہے۔

شہنشاہ جان کامنی نس کا سفیر عجب شان سے زنگی دربار میں حاضر ہوا۔ وہ نہ صرف
شہنشاہ کی طرف سے دوستی کا پیغام لایا تھا بلکہ شہنشاہ نے امیر زنگی کے پاس تحائف بھی بھیجے
ان تحفوں میں شکاری باز اور چیتوں کا ایک جوڑا تھا یہی نہیں بلکہ شہنشاہ نے اپنے
دستخطوں سے ایک دوستی کا معاہدہ بھی بھیجا تھا جس میں درج تھا کہ نصرانی لشکر امیر زنگی کے
علاقے میں نہیں داخل ہوگا خصوصاً" حلب پر کسی صورت میں قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ اس
معاہدہ کی شرائط بڑی پر فریب تھیں۔ خود امیر زنگی بھی پوری تیاری کے بغیر شہنشاہ قسطنطنیہ
کے ساتھ نصرانی ریاستیں تعاون کر رہی ہیں۔ یروشلم کا شاہ بالڈون اور انطاکیہ اڈیسہ اور
طرابلس کے والیان ریاست مع اپنے لشکر کے شہنشاہ کے ساتھ ہیں۔ ملک شام کی مضبوط
ریاست دمشق کا شاہ مجیر الدین بھی اپنے وزیر انز کے کہنے پر شہنشاہ قسطنطنیہ سے مل گیا ہے
اسد الدین نے موجودہ سفارت کے بارے میں مطلع کیا تھا اور امیر کو مشورہ دیا تھا کہ اگرچہ
شہنشاہ کا فریب ہے لیکن دوستی کا معاہدہ کر کے جنگی تیاریاں جاری رکھی جائیں۔

اسدالدین کے پیام سے امیر زنگی کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ معاہدہ کے سلسلے میں جو
تذبذب تھا' وہ ختم ہو گیا۔ اگلے دن امیر نے دوستی کے معاہدے پر دستخط کر دیے اور سفیر کو
انعام دے کر رخصت کر دیا لیکن اس معاہدے کا فریب جلد ہی کھل گیا۔ شہنشاہ معاہدے
کی پابندی کرنا چاہتا تھا لیکن نصرانی لشکر میں جو جنونی پادری موجود تھے' انہوں نے اعلان کر
دیا کہ کافروں کے ساتھ معاملات کرتے وقت ہر قسم کی قسم توڑنا اور معاہدے کی خلاف
ورزی کرنا جائز اور درست ہے۔ نصرانیوں کے خیال میں مسلمان (خاکم بدہن) کافر تھے۔
چنانچہ شہنشاہ جان کامنی نس نے بزاع پر حملہ کر کے اس معاہدے کی دھجیاں بکھیر
دیں۔ بزاع کا مسلم علاقہ حلب سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ یہ ایک مقدس
مقام ہے اور یہاں حضرت عقیل بن ابی طالب" کا مزار مبارک ہے۔ صلیبیوں نے قلعہ اور
بستی میں آگ لگا دی اور پوری آبادی کو تہ تیغ کر دیا۔ بچے' بوڑھے اور خواتین تک ظلم و
ستم کا نشانہ بن گئیں' پھر موت کے لہراتے ہوئے سائے' صلیبیوں کی خون آشام تلواروں

کے ساتھ مسلمانوں کے دوسرے مرکز کفر تاب میں داخل ہوئے اور وہاں کی آبادی
بربریت کا نشانہ بنایا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں بستیوں میں سے ایک شخص بھی زندہ
سکابزاع اور کفر تاب کو برباد کرنے کے بعد صلیبی سیلاب مشہور مسلم قلعہ شیزر کی
تک پہنچ گیا۔

شیزر یا شیزار کا مشہور قلعہ حمات سے ایک منزل کے فاصلے پر دریائے عاصی
کنارے ایک نہایت بلند پہاڑی پر واقع تھا۔ قلعے تک پہنچنے کے لیے صرف ایک پ
تھی جو لکڑی کے پل پر سے گزرتی تھی۔ خطرے کے دوران لکڑی کے اس پل کو توڑ
تھا اور اس طرح یہ قلعہ ناقابل تسخیر بن جاتا تھا۔ یہاں کا حاکم سلطان ابو عساکر تھا
کے امیر زنگی سے گہرے مراسم تھے۔ قلعہ شیزر صدیوں سے ایک آزاد مسلم ریاست
طور پر چلا آرہا تھا۔ حشیشین اور نصرانیوں نے بارہا اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی
کامیاب نہ ہو سکے۔ صلیبی لشکر کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی لکڑی کا پل توڑ کر قلعہ کو
کر لیا گیا مگر شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس قلعے پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے نہیں بڑھ
تھا۔ وہ کہتا تھا کہ دشمن کے مضبوط قلعے کو پشت پر چھوڑ کر آگے بڑھنا اپنے پیر پر
مارنے کے برابر ہے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ نے قلعے کا سخت محاصرہ کر لیا تھا۔ تمام نصرانی والیان ریاست اور
کا مسلم بادشاہ اس کے ساتھ تھا۔ اس لیے اسے امید تھی کہ بہت جلد قلعے پر قبضہ ہو
گا مگر اس کی تمام کوششیں بیکار ہو گئی تھیں اور محاصرہ طول کھینچتا جا رہا تھا۔ دمشق کے
اور وزیراعظم انز کی یہ کوشش تھی کے شہنشاہ آگے بڑھ کے حلب پر حملہ کرے
نصرانیوں کا براہ راست امیر زنگی سے مقابلہ ہو انز مسلمان ہوتے ہوئے محض امیر ز
مخالفت میں نصرانیوں کا ساتھ دے رہا تھا اور امیر کو بہر صورت تباہ کرنا چاہتا تھا لیکن
کو سوائے اپنے لشکر کے دوسرے نصرانی بادشاہوں پر کوئی اعتبار نہ رہ گیا تھا۔ ان
شاہوں اور شہزادوں نے بزاع اور کفر تاب پر قبضے کے دوران میں ظلم و ستم کے علاوہ
و عشرت کا ایسا بازار گرم کیا تھا کہ شہنشاہ کو ان سے کدسی ہو گئی تھی۔

شہزادہ کلائیڈ کی اس تازہ حرکت نے شہنشاہ کو لاطینی شہزادوں کی طرف سے اور زیا
دل کر دیا۔ اسد الدین اور سمرم نے کلائیڈ کو رات بھر اپنے خیمے میں روکے رکھا۔ ادھر
رات گئے محفل شباب کا اختتام ہوا تو قائم مقام میزبان یعنی شہزادہ کلائیڈ کی تلاش
کلائیڈ، جس وقت دعوتی خیمے سے نکلا تھا تو محفل اپنے شباب پر تھی شراب کی حدت
شدت نے ان کی آنکھوں پر پہلے ہی پردہ ڈال رکھا تھا پھر کسے فرصت تھی کہ وہ کلا

فکر کرتا۔ شہزادی جینالو اور کلائیڈ خیمے سے ایسے عالم میں نکلے تھے کہ اگر کسی کو ذرا بھی
ہوش ہوتا تو وہ شہزادی کی چیخ و پکار اور کلائیڈ کے ہاتھ میں کھلے ہوئے خنجر پر توجہ دیتا مگر
اس حمام میں تو سب ہی ننگے تھے۔

اسد الدین نے بزاع اور کفر تاب کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اس کی
آنکھیں خون کے آنسو رو رہی تھیں لیکن وہ مجبور تھا۔ امیر زنگی نے اسے دربار قسطنطنیہ میں
جاسوسی کے لیے بھیجا تھا اور اب وہ دربار، قسطنطنیہ جان کامنی نس کا پورا اعتماد حاصل کر لیا
تھا۔ اس نے کئی بار ارادہ کیا کہ نصرانی لشکر چھوڑ کے امیر زنگی کے پاس چلا جائے مگر اسے
اپنے دوست غلام، یوسف کے بارے میں کچھ علم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اب اگر وہ بھی
نصرانی شہنشاہ کو چھوڑ کر چلا گیا تو پھر یہاں کی خبریں امیر زنگی کو کس طرح پہنچیں گی۔ یہی
خیال اسے نصرانی لشکر میں روکے ہوئے تھا۔

اسد الدین کو جلدی ہی اندازہ ہو گیا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ اپنے لاطینی والیان ریاست سے
کچھ زیادہ خوش نہیں ... کیونکہ یہ سب کے سب پرلے درجے کے عیاش طبع تھے۔ وہ مذہبی
جنگ لڑنے کے مقابلے میں عشرت اور شراب و کباب کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ شہنشاہ نے
اپنے اس خیال کا اسد الدین کے سامنے بند لفظوں میں کئی بار اظہار کیا تھا مگر اسد الدین
نے ایسے ہر موقع پر خاموشی اختیار کی تھی۔ اس کی مصلحت بینی اس بات کی اجازت نہ دیتی
تھی کہ وہ شہنشاہ کی ہاں میں ہاں ملائے۔ دراصل وہ کسی مناسب وقت کا منتظر تھا اور وہ وقت
اب قریب آگیا تھا۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کو دمشق کے مسلم حکمران مجیر الدین پر کچھ شبہ تھا۔ اس نے اپنے شبہ
کا اظہار اسد الدین سے کیا اور اس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ حاکم دمشق کے لشکر میں جا کر
اصل حالات کی تحقیقات کرے۔ اسد الدین تو چاہتا ہی یہی تھا اسے دمشق اور موصل کے
اختلاف کا پورا پتہ تھا کہ دمشق کے حکمران اور موصل کے امیر زنگی کے اختلافات کسی
طرح ختم ہو جائیں اور دمشق ان جنونی صلیبیوں کی مدد سے دست کش ہو جائے۔ چنانچہ
جب شہنشاہ نے اسے دمشق کے لشکر میں جانے کا حکم دیا تو اس نے کوئی عذر نہ کیا۔

دمشق کے لشکر میں سب سے پہلے اس کی ملاقات سمرم سے ہوئی۔ یہ نوجوان والیٔ
دمشق کے خاص محافظ دستے میں شامل تھا۔ اسد الدین کی مردانہ وجاہت اور سنجیدہ گفتگو نے
سمرم کو پہلی ہی ملاقات میں ایسا مسحور کیا کہ وہ اسد الدین کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے اسد
الدین کو اپنے ہی خیمے میں ٹھہرا لیا۔ قلعہ شیزار کے طویل محاصرے کے دوران میں ان کی
دوستی اور زیادہ گہری ہو گئی تھی اور وہ ہمہ وقت ایک ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ پچھلی رات

بھی یہ دونوں چاندنی کا لطف اٹھانے خیمے سے نکلے تھے کہ ان کی مڈبھیڑ شہزادہ کلا
شہزادی جینالو سے ہو گئی۔

رات ختم ہو گئی اور صبح کا سورج بلند ہوا تو شاہ بالڈون والئی یروشلم کے سرا
کلائیڈ کی اور زیادہ فکر ہوئی ان کا خیال تھا کہ شہزادہ کلائیڈ شراب کے نشے میں دھ
کسی کنیز یا رقاصہ کے خیمے میں پڑا ہو گا اور صبح ہوتے ہی اپنے خیمے میں واپس آجا
کلائیڈ اب تک واپس نہ آیا تھا اور اسے تلاش کرنے والے تھک ہار کے بیٹھ گ
شاہ بالڈون کے سپہ سالار کے لیے کلائیڈ کی گمشدگی کو چھپانا اب مشکل ہو گیا تھا۔
یہ ضروری خیال کیا کہ شاہ کو اس خبر بد اثر سے آگاہ کر کے اپنی پوزیشن صاف کر
کے خیمے پر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ شاہ کی طبیعت اب بحال ہے۔ اور انہوں نے
معمول صبح کا پورا ناشتہ کیا ہے۔ سپہ سالار ڈرتا خیمے میں داخل ہوا اور شہنشاہ کو کورا
کیا۔

"سالار!" شاہ بالڈون مسکرایا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ ہم رات دعوت میں شر
کر سکے۔ ہمارے دوستوں نے ہماری کم تو ضرور محسوس کی ہو گی؟"

"جی عالی جاہ!" سپہ سالار نے خوشامد کے انداز میں کہا۔ شاہ انطاکیہ، شاہ ا
شاہ طرابلس، عالی جاہ کو بار بار پوچھ رہے تھے۔ سب کہہ رہے تھے کہ عالی جاہ کی عدم
کی وجہ سے محفل کا لطف آدھا رہ گیا۔"

"ہاں سالار!" شاہ بالڈون نے ایک سرد سانس بھری۔ "ہم کیا کریں پتہ نہیں
کل کیا ہو گیا تھا بستر سے اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ خیر تم ----- تم نے اور کلا
محفل کو سنبھال تو لیا ہو گا۔ کسی کو شکایت کا موقع تو نہیں ملا ہم نے کلائیڈ کو خاص
تھی۔"

"عالی جاہ! آپ کی دعوت میں کسی کو شکایت ہو سکتی ہے۔" سپہ سالار نے چاپلو
"دعوت کا اختتام پر سب نے فردا" فردا" دعوت کے اعلیٰ انتظام کی تعریف کی اور
کی عدم موجودگی پر اظہار افسوس کیا تھا۔"

شاہ بالڈون ایک لمحہ خاموش رہا پھر بولا۔ "شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس کا تو
نے خاص خیال رکھا ہو گا۔ انہوں نے ہماری اچانک بیماری اور دعوت کے بارے
تبصرہ کیا؟"

"عالی جاہ! رات کو کچھ عجیب اتفاق ہوا۔" سپہ سالار نے سانس لے کر اپنے
سنبھالا۔ "ادھر آپ کی طبیعت ناساز ہوئی ادھر شہنشاہ عالی جاہ بیمار پڑ گئے۔ انہوں
بہت معذرت کی تھی۔"

اچھا تو شہنشاہ بھی شرکت نہیں کر سکے۔"

"جی عالی جاہ! ان کے نہ آنے کا ہم سب کو بہت افسوس ہوا۔"

"سالار! شہنشاہ قسطنطنیہ کی مزاج پرسی کو کون گیا تھا؟"

"عالی جاہ!" سپہ سالار گھبرا گیا۔ "غلام تو انتظام----- میں مصروف تھا۔ ایک لمحے کی
بھی فرصت نہیں ملی"۔

"کلائیڈ گیا ہو گا؟" شہنشاہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"جی عالی جاہ!-----وہ-----رات-----" سپہ سالار کے حلق میں الفاظ اٹک گئے۔

"وہ بھی مصروف تھا؟" شہنشاہ نے ناگواری کا اظہار کیا۔ "ہم نے تم سے کتنی بار کہا
کہ کلائیڈ غیرذمے دار شہزادہ ہے اسے کوئی غیر معمولی کام نہ سونپا جائے۔ بھلا غور تو کرو
شہنشاہ ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہو گا وہ ہم سب کا مہمان ہے۔ کل وہ ہماری دعوت میں
مدعو تھا۔ بیماری کی خبر ملتے ہی تمہیں یا کلائیڈ کو ان کے پاس جا کر ہماری طرف سے عیادت
کرنا تھی"۔

"مگر عالی جاہ! شہزادہ کلائیڈ کل رات-----؟

"کل رات اس نے اتنی پی لی تھی کہ اسے کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ یہی کہنا
چاہتے ہونا۔" شاہ ترشی سے بولا۔ "اسے اب تک ہوش آیا کہ نہیں جاؤ اسے ہمارے پاس
بھیجو"۔

"عالی جاہ! شہزادہ کلائیڈ رات سے غائب ہے"۔ سپہ سالار نے ہمت کر کے کہہ دیا۔
نظر ڈالو ورنہ ذلت اور رسوائی تمہارا مقدر بن جائے گی؟"۔

"میں شرمندہ ہوں شہنشاہ! میں یقین دلاتا ہوں کہ-----"

"تمہاری شرمندگی شہزادی جینالو کے زخموں کا مرہم نہیں بن سکتی" ۔ شہنشاہ نے قطع
کلام کیا۔ "ہم مجبورا" تمہارا مقدمہ اپنی عدالت سے خارج کرتے ہیں لیکن شاید معاملہ دب
نہ سکے۔ شہزادی اپنے شاہ یا تمہارے شاہ یروشلم سے فریاد کر سکتی ہے۔ اگر شہزادی نے یہ
خطرناک قدم اٹھایا تو جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ ہو گا۔ شاہ انطاکیہ اور شاہ یروشلم میں اختلاف
پیدا ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ ہمارے یہ دونوں حلیف ایک دوسرے سے لڑ پڑیں پھر اس
محاصرے کا کیا ہو گا۔ کیا ہمارے عزائم خاک میں نہ مل جائیں گے۔"

"شہنشاہ! مجھے اجازت دی جائے کہ میں، شہزادی جینالو سے معافی مانگ لوں" کلائیڈ نے
دوسری درخواست کی۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔ شہنشاہ نے شہزادی جینالو کو دیکھا۔ "اگر شہزادی سچے دل

سے تمہیں معاف کر دے تو یہ بات یہیں پر ختم ہو سکتی ہے"۔

"شہنشاہ عالی مقام!" شہزادی نے تیز نظروں سے کلائیڈ کو دیکھا۔ "درندے کے
خون لگ جائے تو وہ بار بار حملہ کرتا ہے میں یہ ہرگز نہیں چاہتی کہ شاہ انطاکیہ اور
یروشلم کے درمیان اختلاف پیدا ہو۔ اس لیے میں کسی اور کے سامنے اپنا مقدمہ پیش
کروں گی لیکن کلائیڈ نے میری جو بے عزتی کی ہے اسے میں نہیں بھلا سکتی اور نہ
معاف کروں گی"۔

"ہم شہزادی کو کسی بات پر مجبور نہیں کرتے"۔ شہنشاہ نے پہلو بدلا۔ "کلائیڈ کو
کی اجازت دی جاتی ہے اور شہزادی جینالو کو حفاظت کے ساتھ شاہ انطاکیہ کی خیمہ
پہنچا دیا جائے"۔

کلائیڈ اجازت ملتے ہی سر پر پیر رکھ کر ایسا بھاگا کہ اس نے اپنے خیمے میں جا
لیا۔ شہزادی جینالو بری پژمردہ ہو رہی تھی۔ اس نے کھڑے ہو کر شہنشاہ کو سلام کیا
شہنشاہ کی شکرگزار ہوں مگر میں کلائیڈ سے بدلہ لیے بغیر نہ رہوں گی"۔

"میں شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کروں گی"۔ شہزادی چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

"تم جو چاہو کر سکتی ہو شہزادی!" سنہشاہ نے کہا "لیکن بدلہ لیتے وقت اس با
ضرور خیال رکھنا کہ انطاکیہ اور یروشلم کے لشکر آپس میں نہ ٹکرانے پائیں۔ اس
سب کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"اسدالدین! شہزادی کو ان کی لشکر گاہ تک پہنچانے کی ذمے داری تمہارے
جاتی ہے"۔ شہنشاہ نے پلٹ کر اسدالدین سے کہا۔ "اگر شاہ انطاکیہ کو اس واقعے
چکی ہو اور وہ تم سے اس سلسلے میں کوئی بات کریں تو تمہارا فرض ہے کہ ایسی بات
ہرگز نہ نکالنا جس سے ہمارے وقار کی توہین ہوتی ہو۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ شہزا
مسلم خیمہ گاہ کی بجائے ہمارے لشکر میں رات گزاری ہے اور اس کی نگرانی ہم نے
ہے"۔

"عالی جاہ کے حکم کی اسی طرح تعمیل ہو گی"۔

اسدالدین نے سرخم کر کے کہا اور بڑھ کر شہزادی کے پاس آگیا۔ اس نے آہستہ
کہا۔ "شہزادی اگر اجازت ہو تو میں سرم کو اپنے ساتھ آپ کی خیمہ گاہ تک لے
واپسی میں ہم دونوں باتیں کرتے آئیں گے اور دل بہل جائے گا"۔

شہزادی سمجھ گئی کہ اسدالدین نے اس پر پیار بھرا طنز کیا ہے پھر بھی وہ انکار نہ
سکی۔ "سردار کی مرضی ہے، وہ جسے چاہیں ساتھ لے سکتے ہیں"۔

شہزادی جینالو نے شہنشاہ قسطنطنیہ کی بات گرہ میں باندھ لی تھی۔ وہ انتقام کی

اس نے کلائیڈ کی بات کو طول دیا اور یہ خبر شاہ انطاکیہ تک پہنچی تو ممکن ہے انطاکیہ اور
یروشلم کے لشکر ایک دوسرے کا خون بہانے پر آمادہ ہو جائیں آخر وہ بھی ایک نصرانی
شہزادی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی قوم آپس میں ٹکرا کر صلیبیوں کی کمزوری کا باعث
ہو۔ اس لیے اس نے باپ کے پاس پہنچ کر کلائیڈ کی نازیبا حرکت کو محض اک اتفاقیہ حادثہ
بنا کر پیش کیا اور تمام الزام اس کی میخواری پر ڈال دیا۔ اس طرح یہ معاملہ دب گیا اور اس
کی اطلاع شاہ انطاکیہ کو نہیں ہو سکی۔

شہزادی اور اس کے باپ نے اسدالدین اور سرم کی بڑی خاطر مدارات کی۔ اسد
الدین کی خاطرداری اس وجہ سے بھی کی گئی کہ وہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا مقرب خاص تھا۔ تمام
نصرانی والیان ریاست اس کی عزت کرتے تھے۔ ہر خیمہ گاہ اور مورچے میں اسدالدین کو
گھومنے پھرنے کی کھلی آزادی تھی--- شہزادی جینالو زیادہ تر سرم کی خاطر میں لگی رہی۔
ایک تو سرم نے اس کی مدد کی تھی۔ دوسرے اس دمشقی جوان کی شخصیت نے شہزادی کے
دل پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسے سرم سے کھل کر گفتگو کا موقع نہ ملا تھا مگر اس کے خیمے میں
اسے پوری آزادی تھی۔ اسدالدین خود بھی چاہتا تھا کہ سرم اور شہزادی دل کھول کر باتیں
کر سکیں۔ وہ شہزادی کے باپ سے گفتگو میں مصروف ہو گیا---- دوسرے الفاظ میں اسد
الدین نے شہزادی کے باپ کو گفتگو میں مصروف کر کے شہزادی کو موقع فراہم کیا کہ وہ سرم
سے تنہائی میں گفتگو کر سکے۔

شہزادی اور سرم خیمے میں تنہا تھے مگر دونوں خاموش خاموش۔ بات شروع کرنے میں
دونوں ہچکچا رہے تھے۔ ان کی جھکی ہوئی نظریں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اٹھتیں پھر ٹکرا کر جھک
جاتیں شہزادی نے اسدالدین اور سرم کو دوپہر کے کھانے کے لیے روک لیا تھا مگر اس طرح
خاموش بیٹھے رہنے سے وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ آخر شہزادی نے خاموشی کا
قفل توڑا۔ "آپ کا نام شاید سرم ہے؟"

"شاید نہیں میں یقیناً سرم ہوں۔" سرم مسکرایا۔ "مگر آپ کو میرا نام کیسے معلوم
ہوا؟"

"آپ کے سردار نے اسی نام سے آپ کو مخاطب کیا تھا"۔ شہزادی بھی مسکرا دی۔
اس کے بعد پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا بات کریں۔
شہزادی نے پھر حوصلہ کیا۔ "خاموشی بری بری چیز ہے۔ مجھے اس سے الجھن ہوتی
ہے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں خود بھی زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتا"۔

"تو کیا پھر یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہم کچھ نہ کچھ باتیں کرتے رہیں"۔

"شہزادی کا خیال نیک ہے۔ میں باتیں کرنے پر تیار ہوں"۔

"تو پھر باتیں کیجئے نا۔"

"ہاں باتیں کیجئے.... ضرور کیجئے"

شہزادی پھر الجھ گئی۔ کیا باتیں کی جائیں۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ آخر سرم نے اسے سہارا دیا۔ اس نے پوچھا۔ "آپ نے اپنے والد محترم سے کلائیڈ کے بارے میں بات کی ہوگا تو انہیں غصہ تو بہت آیا ہوگا"۔

شہزادی مسکرائی۔ "شکر ہے آپ نے گفتگو کا کوئی موضوع تو تلاش کرلیا"۔

"پھر گفتگو شروع کیجئے۔ میں آپ کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں"۔ سرم نے [illegible] دکھائی۔

"دیکھو سرم!"

"میں اس بے تکلفی کے لیے شہزادی کا شکر گزار ہوں"۔ سرم نے پر شوق [illegible] سے شہزادی کو دیکھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اسی طرح بے تکلف ہو جاؤ"۔ شہزادی نے ہنستے [illegible] کہا۔ "مجھے شہزادی کی بجائے اگر جینالو یا جینا کہہ کر مخاطب کرو تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی"۔

"میں جینا کے حکم کا خیال رکھوں گا"۔

"اچھا تو کس موضوع پر گفتگو شروع ہوئی تھی۔۔۔؟" شہزادی نے معصومیت [illegible] پوچھا۔

سرم کو اس کی معصومیت بہت پیاری لگی۔ "موضوع کلائیڈ ہے جینا"۔

شہزادی ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔ "سرم! یہ ہمارا قومی مسئلہ ہے۔ شہنشاہ قسطنطنیہ [illegible] خواہش کی تھی کہ میں اس بات کو طول نہ دوں ورنہ نصرانی دوسرے نصرانی کا خون [illegible] لگے گا۔ اس سے ہماری نصرانی قوم کو نقصان پہنچے گا۔ میں اپنی قوم کو کمزور نہیں [illegible] چاہتی۔۔۔۔ اس لیے میں نے اپنے باپ کو سمجھا بجھا کے خاموش کر دیا ہے۔ وہ بھی [illegible] طرح اپنی قوم کے ہمدرد ہیں"۔

سرم اس کی سنجیدہ گفتگو سن کر پریشان ہوگیا۔ اسے کوئی جواب نہیں سوجھا۔

شہزادی نے چند لمحے انتظار کے بعد کہا۔ "سرم! خاموش کیوں ہو۔ کیا تمہیں [illegible] قدم پسند نہیں آیا؟"

"نہیں، یہ بات نہیں جینا"۔ سرم جلدی سے بولا۔ "تم نے معاملہ کو [illegible]

قوم کی خدمت کی ہے، مجھے تمہارے اقدام سے بہت خوشی ہوئی ہے"۔

شہزادی نے سرم کو پریشان دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید کلائیڈ کو اس طرح معاف کر دینا سرم کو اچھا نہیں معلوم ہوا۔ اس نے اپنی صفائی میں دلیل دی۔ "سرم سچ سچ بتاؤ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔ تم مسلمان ہو۔ اگر مسلمان دوسرے مسلمان سے ٹکرا جائے تو تمہیں ضرور صدمہ ہوگا۔ کیا میں نے غلط کہا ہے؟"

"تم نے درست کہا ہے جینا"۔ سرم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "ہر شخص اپنی قوم کا ہمدرد ہوتا ہے تمہاری جگہ میں ہوتا تو یہی کرتا لیکن میرا اپنا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ بعض اوقات بھائی کو بھائی کا گلا کاٹتے دیکھ کر خاموش رہنا پڑتا ہے"۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکی سرم!" شہزادی جینالو الجھنے لگی۔

"مطلب صاف ہے جینا!" سرم نے بڑے دکھ سے کہا۔ "کیا تم دیکھتی نہیں کہ میرا بادشاہ مجیرالدین مسلمان ہے اور وہ نصرانی لشکر کے ساتھ قلعہ شیزار کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ قلعے کا حاکم بھی تو ایک مسلمان ہی ہے۔ کیا یہ بات قومیت کے خلاف نہیں؟"

"سرم! مجھے افسوس ہے کہ میری بات سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے"۔ شہزادی نے فوراً بات بنائی۔ "یقین کرو سرم! تمہارا دل دکھانے کے لیے یہ بات ہرگز نہیں کہی تھی۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں"۔

شہزادی کی خوب صورتی کے ساتھ اس کی معصومیت بھی سرم کے دل و دماغ پر چھاتی چلی جارہی تھی۔ جینالو کا تعلق انطاکیہ کے شاہی گھرانے سے تھا مگر اس میں ذرا بھی غرور نہ تھا۔ سرم کے ساتھ گفتگو کے دوران وہ بالکل ایک عام گھریلو لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ برخلاف اس کے کہ سرم کسی بڑے گھرانے سے نہ تھا۔ اس کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا اور وہ اپنے اس پیشہ پر فخر کرتا تھا۔ سرم کا باپ دمشق کے موجودہ بادشاہ مجیرالدین کے والد کے وقت میں شاہی محافظ دستے میں محض پانچ سواروں کا سردار تھا لیکن جب ایک موقع پر وہ شاہ وقت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھا تو اس کے خاندان کی وقعت بڑھ گئی اور حکم دیا گیا کہ اس خاندان کے ہر فرد کو شاہی محافظ دستوں میں شامل کیا جائے۔ اپنے باپ کی جاں نثاری کے طفیل ہی سرم کو شاہی محافظوں میں ملازمت ملی تھی۔

شہزادی جینالو کی لہراتی زلفوں اور کٹورا جیسی بڑی بڑی آنکھوں میں دوپہر تک سرم کا دل ڈوبتا رہا۔ ان کی باتوں کا موضوع بدلتا رہا مگر جب بھی آنکھیں چار ہوتیں دونوں طرف سے ایک ہی پیغام ہوتا اور وہ پیغام تھا پیار و محبت کا۔ شہزادی اپنے وقار کو بھول کر اس کی محبت کے سائے میں سانس لیتی رہی اور سرم بے خودی کے عالم میں [illegible] کی۔۔۔ مسکراہٹوں میں

کھویا رہا۔ ادھر اسدالدین شہزادی کے باپ کو گفتگو میں مصروف رکھے ہوئے تھا کہ
دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو اس نے سرم کو بلوایا۔

کھانے پر بھی سرم اور شہزادی کی دبی دبی گفتگو جاری رہی۔ اسدالدین کو خطرہ
کہیں شہزادی کے باپ کو سرم اور شہزادی کی گفتگو ناگوار نہ گزرے مگر اس کا یہ خیال
ثابت ہوا۔ شہزادی کا باپ بھی درمیان درمیان میں ان دونوں کی گفتگو میں دخل
کبھی کبھی زور زور سے قہقہے بھی لگاتا۔ کھانے کے بعد سرم اور شہزادی جینالو روایتی عا
کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ دونوں کے چہرے فق تھے اور زبان لڑکھڑا
تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں یا
کسی ایسے محاذ جنگ پر جا رہا ہے جہاں سے واپسی کی بہت کم امید تھی حالانکہ دمشق
انطاکیہ کی خیمہ گاہوں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ بغیر گھوڑے پر سوار ہوئے پیدل
طے کیا جا سکتا تھا۔ شہزادی نے اسی شام کو سرم سے اس کے خیمے میں ملنے کا وعدہ
تھا مگر سرم پھر بھی گھبرایا ہوا تھا اور وقت رخصت شہزادی کو بڑی حسرت ناک نظروں
دیکھ رہا تھا۔

بزاع اور کفر تاب کی تباہی نے زنگی دربار میں قیامت بپا کر دی۔ ان علاقوں کی
آبادی کو نصرانی لشکر نے تہ تیغ کر دیا تھا۔ چند آدمی جو جان بچا کر بھاگ نکلے تھے۔ ا
نے سیدھے زنگی دربار کا رخ کیا۔ امیر زنگی نصرانیوں سے معاہدہ کرنے کے بعد بڑی
سے جنگی تیاریاں کر رہا تھا لیکن جس وقت بزاع اور کفر تاب کے تباہ حالوں نے دربار
پہنچ کر نصرانیوں کے ظلم و ستم کی داستان بیان کی تو ہر آنکھ آبدیدہ ہو گئی۔ بعض لوگو
چیخیں تک نکل گئیں۔ ہر طرف جہاد، جہاد اور انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

امیر زنگی کو یہ تو خیال تھا کہ نصرانیوں کا یہ سیلاب کچھ نہ کچھ آفت ضرور مچا
لیکن یہ اس کے تصور میں بھی نہ تھا کہ معاہدے کے فوراً بعد نصرانی بزاع اور کفرتاب
مسلم علاقوں کو خاکستر کر کے رکھ دیں گے۔ اس کا خون کھول کے رہ گیا۔ اس کے
بڑے جوش میں تھے اور جہاد کے نعرے لگا رہے تھے۔ امیر نے بڑی مشکل سے ان کا
ٹھنڈا کیا۔۔۔۔ اور صلاح و مشورے ہونے لگے۔ امیر زنگی، نصرانیوں سے معاہدہ کرتے
ہچکچا رہا تھا ور نصرانیوں کے خلاف فوراً جہاد کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے مشیر اور جا
اسدالدین ۔۔۔۔ جو شہنشاہ قسطنطنیہ کے لشکر میں موجود تھا۔۔۔۔ نے امیر کو معاہدہ کر
مشورہ دے کر اسے تیاری کرنے کا موقع دیا تھا۔ امیر نے اس موقع سے بھرپور فائدہ
اور اس وقت اس کے گرد ایک عظیم لشکر اکٹھا ہو گیا تھا جو اگرچہ نصرانیوں کے مقابلے
ایک تہائی سے بھی کم تھا مگر لشکر کا جوش و جذبہ دیکھتے ہوئے امیر زنگی کو اپنی کامیابی کی

امید تھی۔

صبح سے دوپہر تک مجلس مشورت جمی رہی اور جنگی تدابیر پر غور ہوتا رہا۔ دوپہر کا کھانا
امیر نے سرداروں کے ساتھ کھایا۔ اس کے بعد پھر گفتگو ہوئی۔ امیر نے ہر سردار کی بات
غور سے سنی تھی اور وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تمام سردار جوش جہاد سے سرشار ہو رہے ہیں
اور اب انہیں مزید صبر کی تلقین کرنا مصلحت کے خلاف ہوگا۔ اسی وقت امیر کو اطلاع دی
گئی کہ ایک سوار کسی دور دراز علاقے سے آیا ہے اور امیر سے فوراً ملاقات کا خواہش مند
ہے۔ امیر نے اسے فوراً دربار میں طلب کر لیا۔

سوار بہت تھکا ماندہ معلوم ہوتا تھا۔ امیر نے اسے حکم دیا کہ شام تک آرام کرے۔
مشورت کی محفل کے بعد اس سے گفتگو کی جائے گی مگر سوار نے آرام کرنے سے انکار کر
دیا اور بڑی بے خوفی سے بولا۔ "اے امیر آپ مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں،
جب کہ میری ریاست، میرا قلعہ، میرا حاکم اور رعیت بے آرام اور بے سکون ہے۔ خدا را
میری بات سنئے۔ اور جلد فیصلہ کیجئے ورنہ ۔۔۔۔ ورنہ قیامت کی روز شہیدوں کی روحیں
آپ کے گریباں میں ہاتھ ڈالیں گی اور داور محشر آپ کی غفلت کی باز پرس کرے گا"۔

سوار کی باتیں سن کر امیر عماد الدین زنگی کا پورا وجود ہل کے رہ گیا اور پورا دربار دم
بخود رہ گیا۔ امیر نے نہایت عاجزی سے کہا۔ "اے اجنبی مسافر! میں اپنے کلام پر شرمندہ
ہوں۔ جلد بتاؤ! مجھ سے کیا غفلت ہوئی ہے جس کے لیے تم مجھے حشر کا منظر دکھا رہے ہو؟"

"اے امیر محترم!" سوار نے سنبھل کر کہا۔ "میں شاہ ابوعساکر حاکم قلعہ شیزار کا
پیامبر ہوں۔ قلعہ شیزار کے گرد کے تمام مسلم علاقوں پر ظالم نصرانیوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور
ان کی قلعہ شکن منجنیقیں مسلمانوں کے بلند قلعے پر پتھر برسا رہی ہیں۔ شاہ ابوعساکر نے
آپ کو سلام اور اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا ہے اور صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر اسلام
کا یہ قلعہ سرنگوں ہو گیا تو نصرانیوں کے ظالم ہاتھوں سے حلب کو کوئی نہ بچا سکے گا۔ آپ
خدا کے خوف سے ڈریئے اور فوراً شیزار کو بچانے کے لیے قدم بڑھایئے ورنہ شیزار اور
حلب کا وہی حشر ہوگا۔۔۔۔ جو بزاع اور کفر تاب کا ہوا ہے"۔

امیر زنگی کے دربار میں اب تک تو بزاع اور کفر تاب کی تباہی کا رونا رویا جا رہا تھا۔
شیزار تک نصرانیوں کے پہنچنے کی خبر سے امیر زنگی چند لمحوں کے لیے بدحواس سا ہو گیا۔
شیزار کی تباہی کے بعد صلیبیوں کو حلب اور امیر زنگی کے مستقر موصل تک پہنچنے سے کون
روک سکتا تھا۔ امیر زنگی نے فوراً خود کو سنبھالا وہ کوئی اعلان کرنے ہی والا تھا کہ پہرے
دار نے پھر حاضر ہو کر امیر کو ایک اور سوار کے آنے کی اطلاع دی۔ امیر نے اس سوار کو

بھی دربار میں بلا لیا۔ آنے والے سوار نے امیر کو ایسے غیر مانوس طریقے سے سلام
تمام درباری حیران رہ گئے۔ سلام کا یہ طریقہ موصل یا اس کے گردو نواح میں رائج
مگر اس سلام کا امیر پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے درباریوں سے چند لمحوں کی اجازت طلب
اور سوار کا ہاتھ بڑے دوستانہ انداز میں پکڑ کر ایک الگ کمرے میں چلا گیا۔

"اسدالدین کا کیا حال ہے اور اس نے کیا پیام بھیجا ہے؟" امیر نے بے چینی
پوچھا۔

"اے امیر عالی مقام! سردار اسدالدین خیریت سے ہیں---- اور انہوں
درخواست کی ہے کہ امیر فوری طور پر قلعہ شیزار کی مدد کو تشریف لائیں۔ نصرانیوں نے
سخت محاصرہ کیا ہے اور اگر خدا نخواستہ یہ قلعہ نصرانیوں کے ہاتھ آگیا تو مسلم علاقوں کو
سے سخت نقصان پہنچے گا"۔

امیر زنگی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "کیا تم اسدالدین تک ہمارا پیغام پہنچا سکو گے"

"میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں امیر محترم!" نووارد نے جواب دیا۔ "سردار اسدالدین
آپ کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں"۔

"اسدالدین سے کہہ دینا کہ ہم جلد سے جلد شیزار پہنچ رہے ہیں"۔ امیر اس مختصر
گفتگو کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"امیر محترم! سردار نے ایک پیغام اور بھی دیا ہے"۔

"ہاں' ہاں ضرور کہو"۔

"سردار نے دریافت فرمایا ہے کہ کہ اگر امیر مناسب خیال فرمائیں' وہ موصل واپس
آجائیں"۔

"نہیں' نہیں۔ اسدالدین کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ اگر ہم نے مناسب سمجھا تو شیزار
پہنچ کے اس کے بارے میں کچھ فیصلہ کریں گے"۔

"بہتر ہے امیر! کیا اب مجھے واپس جانے کی اجازت ہے؟"

"بہتر تو یہ تھا کہ تم ہمارے ساتھ چلتے اگر تمہیں جلدی ہے تو چوبیس گھنٹے آرام کر
واپس جا سکتے ہو"۔

اسدالدین کو جب امیر زنگی نے قسطنطنیہ کے دربار میں بھیجا تھا تو اسے کچھ خاص
اشارے سمجھا دیے تھے۔ امیر زنگی نے یہ بات پہلے ہی سوچ لی تھی کہ اسدالدین کسی
مصیبت میں بھی پڑ سکتا ہے۔ اس کے لیے امیر نے اسے سمجھایا تھا کہ اگر وہ گرفتار
جائے یا کوئی خاص پیغام بھیجنا چاہے تو جس شخص کو اس کام کے لیے مقرر کرے اسے سلام

کرنے کا ایک خاص طریقہ بتا دے تاکہ جب وہ امیر کے دربار میں پہنچے تو امیر اس کے سلام
کا انداز دیکھ کر اسے فوراً" شناخت کرے۔

امیر زنگی جس طرح نووارد کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں لایا اسی طرح اسے لیے
ہوئے دربار میں واپس آیا۔ اس کے سردار بہت حیران تھے کہ اس نووارد سوار میں کیا
خصوصیت ہے کہ اس کے لیے امیر نے جاری دربار کو بھی کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا۔
درباری اس مسئلے کو تو حل نہ کر سکے لیکن جب امیر زنگی نے دربار میں آتے ہی اپنی تلوار
میان سے نکال کر ہوا میں بلند کر دی تو سب کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔ امیر کا تلوار
بلند کرنا اس بات کی علامت تھی کہ امیر نے اعلان جنگ کر دیا ہے۔

دوسرے دن امیر زنگی نے اسدالدین کے قاصد کو پھر طلب کیا اور اس سے شہنشاہ
قسطنطنیہ کے لشکر کی تعداد دریافت کی۔ قاصد نے سر جھکا کر اس طرح سوچنا شروع کیا' جیسے
وہ دل ہی دل میں لشکر کے اعداد و شمار کا حساب لگا رہا ہو۔ امیر زنگی پر قاصد کے یہ لمحات
بہت سخت گزرے۔ آخر قاصد نے سر اٹھا کر کہا۔ "اے امیر' میرے اندازے کے مطابق
نصرانی لشکر ڈیڑھ دو لاکھ سے کسی طرح کم نہیں ہے"۔

"تمہارا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے"۔ امیر زنگی نے بے چینی سے پوچھا۔ "کیا
اسدالدین نے یہی تعداد بتائی ہے؟"

"یہ میرا اپنا اندازہ ہے"۔ قاصد نے جواب دیا۔ "سردار نے صرف شہنشاہ کے لشکر
کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی تھی۔ اس لشکر میں لاطینی والیان ریاست کے لشکروں کو
شامل کیا جائے تو مجموعی تعداد دو لاکھ تک ضرور پہنچے گی۔ اس کے علاوہ لوٹ مار کرنے
والے نصرانیوں کے گروہ کے گروہ روزانہ اس لشکر میں شامل ہوتے جا رہے ہیں"۔

امیر زنگی کو فکر تو ضرور ہوئی لیکن وہ نصرانیوں کی کثرت تعداد سے ہراساں نہ ہوا۔ وہ
ایک سچا مجاہد تھا اور اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہر وقت رہتا تھا کہ اس نے اکثر
قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر حاوی رکھا ہے۔

تیسرے روز کوچ کا نقارا بجا اور امیر زنگی مجاہدین کا لشکر لے کر قلعہ شیزار کی جانب
روانہ ہوا۔ اس کا لشکر پچاس اور ساٹھ ہزار کے درمیان تھا۔ شیزار کا راستہ انتہائی ناہموار
اور دشوار گزار تھا لیکن مجاہدین اسلام جوش جہاد سے سرشار تھے۔ وہ ناہموار راستوں اور
خوفناک گھاٹیوں کو عبور کرتے ہوئے آخر شیزار کے قریب پہنچ گئے۔ شیزار کا بلند قلعہ انہیں
صاف نظر آرہا تھا اور اس پر اب تک اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

امیر زنگی کا لشکر تھکا ہوا تھا لیکن اس کے سرداروں نے مشورہ دیا کہ دشمن کو قطعی

موقع نہ دیا جائے اور ان پر فوراً" حملہ کر دیا جائے مگر امیر نے ان کی رائے سے اتف
کیا اور قلعے سے کئی فرسنگ پہلے لشکر کو ڈیرے ڈالنے کا حکم دیا پھر اس نے چند سوار
آگے روانہ کیا تاکہ وہ دشمن کی پوزیشن کا صحیح اندازہ لگائیں۔ ان جاسوس سواروں
دشمن کی خیمہ گاہوں تک چکر لگایا اور چھ گھنٹے بعد جب وہ واپس آئے تو امیر زنگی
سامنے ایک نیا انکشاف کیا۔

"اے امیر! نصرانیوں کے لشکر نے پہاڑیوں میں بڑے مضبوط اور محفوظ مورچے
لیے ہیں ان کا جو لشکر میدانی حصے کی طرف ہے۔ اس نے خندقیں کھود لی ہیں اور
چٹانوں پر تیر اندازوں کے پرے جمے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصرانی لشکر
جنگ لڑنا چاہتا ہے"۔

یہ اطلاع امیر زنگی کے لیے بڑی پریشان کن تھی' پھر بھی اس نے ہمت نہیں
اسے بھی مجبوراً" میدان میں خندقیں کھود کر مورچے بنانے پڑے۔ دوسرے دن ا
سواروں اور پیادہ فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے قائم کر کے نصرانی لشکر پر عام حملے
دیا۔ اس نے دستور کے مطابق پہلے طبل جنگ بجوایا اور نصرانیوں کو میدان میں
مقابلے کی دعوت دی مگر دوسری طرف بالکل خاموشی طاری رہی۔ امیر دوپہر تک نصرانی
کے میدان میں آنے کا انتظار کرتا رہا لیکن ان کا ایک سوار بھی پہاڑیاں چھوڑ کے
آیا۔ آخر امیر نے چاروں طرف سے اپنے دستوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب ا
سوار چٹانوں کے قریب پہنچے تو اوپر سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ
منجنیقیں جو قلعہ شیزار پر پتھر برسا رہی تھیں ان کا رخ بھی امیر کے لشکر کی طرف کر
اور من من بھر کے بھاری پتھر امیر کے سواروں پر گرنے لگے۔ امیر نے فوراً" واپسی
دیا اور اس کے دستے مورچوں میں واپس آگئے۔ امیر زنگی تمام دن اور پوری رات
صورت حال پر غور اور مشورہ کرتا رہا مگر کوئی حکمت عملی سمجھ میں نہ آئی۔ امیر
دوسرے اور تیسرے دن بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن اسے چنداں کامیابی نہ
جس وقت امیر کے دستے آگے بڑھتے اسی وقت قلعے کے اوپر سے بھی نصرانیوں پر
بھاری پتھر پھینکے جاتے مگر نصرانیوں نے ایسے محفوظ مورچے قائم کیے تھے کہ ان پر ذرا
اثر نہ ہوتا۔

امیر زنگی کے روزانہ حملوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ نصرانیوں کے لشکر کی توجہ قلعہ
سے ہٹ کر امیر زنگی کی طرف ہو گئی اور قلعہ نصرانی حملے سے محفوظ ہو گیا۔ اسی طرح
دن بعد میدان جنگ کی یہ صورت ہو گئی کہ نصرانی لشکر تو قلعہ شیزار کو گھیرے ہوئے تھا

نصرانی لشکر کے گرد امیر زنگی نے گھیرا ڈال رکھا تھا کہنے کو تو جنگ کا نقارہ روز بجتا۔ اسلامی
لشکر بھی آگے بڑھتا مگر بے مقصد۔ نصرانی لشکر کسی صورت میں میدان میں نکل کے مقابلہ
کرنے پر تیار نہ ہو رہا تھا اور امیر زنگی کے لیے یہ تقریباً" ناممکن تھا کہ اس قدر عظیم لشکر کو
ان کے مورچوں سے باہر نکال دیتا۔

نصرانیوں کے اگلے مورچوں کی پشت پر پہاڑیوں کے دامن میں کاروبار زندگی جاری
تھا۔ خیمہ گاہوں میں لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے تھے۔ دن میں کافی دکانیں لگتیں اور
خرید و فروخت کا بازار گرم ہوتا۔ راتیں جاگتیں اور شراب اور کباب کی محفلیں جمتیں۔
لاطینی شاہ اور شہزادے راگ و رنگ میں مصروف رہتے۔ نصرانی لشکر کے ساتھ سامان رسد
کی اس قدر فراوانی تھی کہ اگر باہر سے اسے کچھ نہ ملتا تو بھی وہ چھ سات ماہ تک اپنا گزارہ
کر سکتا تھا۔ امیر زنگی کا خیال تھا کہ اگر محاصرہ طول کھینچ گیا تو نصرانی لشکر میں سامان رسد کی
کمی واقع ہوگی اور وہ میدان میں نکلے گا مگر اس کا یہ خیال' خیال ہی رہا اور اس طرح ایک
ماہ کا عرصہ گزر گیا۔

امیر زنگی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ نصرانی اس طرح جم گئے تھے جیسے وہ ان
پہاڑوں میں ہمیشہ کے لیے آباد ہو گئے ہیں۔ دونوں لشکروں کے آمنے سامنے ہونے سے قلعہ
شیزار اور اسدالدین سے امیر زنگی کا رابطہ بالکل کٹ کر رہ گیا تھا۔۔۔۔ نصرانی لشکر بڑی
تندہی سے اپنے چاروں طرف نظریں رکھے ہوئے تھے۔ رات کے وقت ان کا پہرہ زیادہ
سخت ہو جاتا تھا۔ اسدالدین نے کئی بار کوشش کی کہ وہ امیر کو نصرانی لشکر کے حالات سے
آگاہ کرے مگر وہ سخت پہرے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔

سرم اور شہزادی جینالو کی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ روزانہ جھڑپوں کی وجہ سے
انہیں کچھ زیادہ ہی موقعہ مل گیا تھا۔ شہزادی کا باپ صبح ہوتے ہی شاہ انطاکیہ کے خیمے میں
چلا جاتا اور شاہ انطاکیہ اسے ساتھ لے کر شہنشاہ قسطنطنیہ کے دربار میں حاضری دیتا تھا۔
شہنشاہ کا خیمہ پہلی جگہ سے ہٹا کر زیادہ محفوظ جگہ پر نصف کیا گیا تھا۔ اس کے دربار میں
تمام لاطینی بادشاہ روز حاضر ہوتے تھے۔ میدان جنگ میں صرف جنگ کی باتیں ہوتی ہیں لیکن
تمام لاطینی بادشاہ جنگ پر بہت کم تبصرہ کرتے۔ ان کی باتیں عام طور پر ذاتیات تک محدود
ہوتی تھیں۔ چونکہ جنگ محدود پیمانے پر ہو رہی تھی۔ اس لیے انہیں جنگ کی بالکل فکر نہ
تھی۔ وہ گپیں ہانکتے' شراب پیتے اور ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے تھے۔ شہزادی جینالو اور
کلائیڈ کا واقعہ ایسا سنگین تھا کہ یروشلم کے شاہ بالڈون کو اس کے بارے میں تحقیقات کرنا
چاہیے تھی۔ اسدالدین نے شہنشاہ کو بتا دیا تھا کہ کلائیڈ کی کمینی حرکت کی اطلاع شاہ

یروشلم کو مل گئی ہے مگر اس نے کلائیڈ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ـــــ کا
حوصلے اور بڑھ گئے تھے اور وہ ہر محفل میں اسی قسم کی سوقیانہ حرکتیں کر رہا تھا۔
اس دو طرفہ مگر محدود جنگ میں شہنشاہ قسطنطنیہ کی جنگی حکمت عملی بڑی عجیب ک
شہنشاہ نے دونوں مورچوں پر اپنا لشکر لگا رکھا تھا انطاکیہ' طرابلس' اڈیسہ یا یروشلم
سوار بھی اس جنگ میں شامل نہ تھا۔ شہنشاہ نے لاطینی لشکریوں کو خیمہ گاہوں میں ر
حکم دیا تھا۔ بظاہر شہنشاہ نے سب کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ ابھی کوئی بڑی جنگ
ہو رہی ہے اور وہ موصل کے لشکر کو تھکا رہا ہے اس لیے لاطینی لشکر کو آرام کرنا
جس وقت میدان کار زار گرم ہوگا ـــــ لاطینی لشکر بھی جنگ میں شریک ہو جائے گا۔
شہزادی جینالو نے اپنی تفریحات اور تگ و دو کو سرمر کے خیمے تک محدود کر رکھا
باپ کے جانے کے بعد جینا تیر کی طرح سرمر کے خیمے میں پہنچ جاتی پھر جو باتوں کا دفتر
ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا۔ سرمر شاہ دمشق کے محافظ دستے میں شامل تھا۔ اسے دن ر
صرف آٹھ گھنٹے شاہ دمشق کے خیمے کے اندر باہر پہرہ دینا ہوتا تھا لیکن شاہ دمشق مجیر
اس وقت نو عمر تھا اور سرمر کا بھی عنفوان شباب تھا اس لیے آقا اور غلام کا رشتہ دوستی
بدل گیا تھا اور سرمر بادشاہ کا مصاحب اور ہم پیالہ' ہم نوالہ ہو گیا تھا۔ اس بات کا
لوگوں کو بھی تھا اس لیے اگر سرمر اپنی محبوبہ شہزادی جینالو سے گفتگو کرتے وقت اپ
سے بھی غیر حاضر ہو جاتا تو اس سے کوئی باز پرس نہ ہوتی ۔ شاہ کو معلوم تھا کہ
امیر زنگی کے باغی سردار اسدالدین میں گہری چھنتی ہے اس لیے اس نے سرمر کو اور
دے رکھی تھی۔ بظاہر حکومت دمشق اور حکومت موصل میں شدید اختلاف تھا
اختلاف دراصل موصل کے امیر زنگی اور دمشق کے وزیر معین الدین انز کے درمیان
شاہ دمشق مجیرالدین کا اس اختلاف اور دشمنی سے کوئی تعلق نہ تھا مگر حکومت کی باگ
اصل میں انز کے ہاتھ میں تھی اور مجیرالدین محض ایک کٹھ پتلی بادشاہ تھا اس لیے
اپنے وزیر کا ہر مشورہ ماننا پڑتا۔ حالانکہ شاہ دمشق' امیر زنگی کی بہادری اور فراست
سے قدر دان تھا۔
جس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اسلامی علاقوں کی طرف بڑھا تو
بادشاہ نے اپنے وزیر سے درخواست کی تھی کہ وہ بجائے نصرانی شہنشاہ کے مسلم امیر
ساتھ دے تاکہ مسلم دشمن طاقتوں کو پیچھے دھکیلا جا سکے۔ وزیر چونکہ امیر زنگی کا د
اس لیے وہ دمشقی لشکر لے کر شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس کی خیمہ گاہ میں پہنچ
اور شہنشاہ کو اپنی دوستی کا یقین دلایا ۔ شہنشاہ کو دراصل اپنے لاطینی حلیفوں ہی پر اعتماد

پھر وہ انز کا کس طرح اعتماد کرتا اس لیے اس نے اسدالدین کو شاہ دمشق کی جاسوسی پر لگایا
تھا مگر اسدالدین اور سرمر کی دوستی نے شہنشاہ کے منصوبے کو الٹا کر دیا۔
سرمر کو اسدالدین کا سہارا ملا تو وہ اپنی محبت میں کھل کھیلا۔ سرمر اور شہزادی یہ بھول
گئے کہ وہ میدان جنگ میں ہیں اور ان میں کسی وقت بھی جدائی ہو سکتی ہے۔ شہزادی
کسی وقت جدائی کے تصور سے چونک پڑتی تھی۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ کہتی لیکن اکثر باتیں
کرتے کرتے خاموش ہو جاتی اس وقت سرمر الجھنے لگتا اور اسے فوراً" اپنی حیثیت کا احساس
ہونے لگتا۔ اس دن بھی شہزادی باتیں کرتے ہوئے ایک دم چپ ہو گئی تھی اور سرمر
بے بسی کے عالم میں اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔
"جینا' شاید تمہیں میری محبت پر افسوس ہو رہا ہے" ۔ سرمر کا لہجہ درد میں ڈھل گیا۔
"سرمر! تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ محبت پر افسوس کرنے والے بزدل ہوتے
ہیں۔ تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟"۔
"جینا!" سرمر بے چین ہو گیا۔ "میں تمہارے بارے میں کوئی غلط بات سوچ ہی نہیں
سکتا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شاید تمہیں میری کم مائیگی کا خیال ستاتا ہے۔ اسی
لیے تم اکثر خاموش ہو جاتی ہو۔ میری حیثیت یقیناً" ایک معمولی ـــــ رسالدار سے زیادہ
نہیں لیکن یہ بات تمہیں شاید پہلے ہی معلوم تھی پھر اب اس پر افسوس کرنے سے کیا
فائدہ۔ مجھے علم ہے کہ تم میری پہنچ سے دور ہو اور تمہارے ساتھ یہ گزرتے ہوئے لمحات
میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں جن کے سہارے میں عمر کے باقی دن گزار سکوں گا"۔
"کیا بیکار بات کر رہے ہو سرمر!" شہزادی کی آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو گئے "یہ
لمحے ہی تو اصل زندگی ہیں ۔ میں ان میں کھو جانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ لمحے
کبھی ختم نہ ہوں اور ہم تم اسی طرح کیف و مستی میں ڈوبے ہوئے پوری زندگی گزار دیں
ـــــ" شہزادی ایک بار پھر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔
"جینا! خدا کے لیے خاموش نہ ہو۔ تمہاری یہی خاموشی تو مجھے مایوسیوں کے دلدل میں
دھکیل دیتی ہے۔ مجھے بتاؤ۔! آخر تمہیں کیا پریشانی ہے کس کا ڈر ہے؟ سرمر جذباتی ہو گیا۔
"مجھے کسی کا ڈر نہیں سرمر!" جینا نے پر جوش لہجے میں کہا۔ "میں اپنے معاملات میں
خود مختار ہوں لیکن وقت پر میرا اختیار نہیں ہے۔ یہ جنگ کسی وقت بھی بند ہو سکتی ہے۔ اس
کے بعد کیا ہوگا۔ یہی خیال مجھے پریشان کر دیتا ہے۔ جنگ کے خاتمے پر تم دمشق واپس جاؤ گے
اور مجھے انطاکیہ جانا ہوگا"۔
سرمر تو ہر وقت احساس کمتری میں گرفتار رہتا تھا۔ شہزادی کی باتوں سے یہ تو معلوم نہ ہو

گیا کہ اسے سرم کے عہدے اور مرتبے کی کوئی فکر نہیں ہے اور وہ جدائی
ہے۔ سرم نے شاید اس بارے میں پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ جینا! ایک تو ابھی
اختتام کا کوئی امکان نہیں ہے۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مورچوں میں بیٹھے ہیں اور
برسوں تک چل سکتا ہے۔ فرض کرو! یہ جنگ ختم ہو گئی اور تمہارے انطاکیہ جا
آگیا تو----- اس وقت تک تم میرے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کر چکی ہو گی
ہے کہ اگر تم نے والد سے سب کچھ صاف صاف بتادیا تو شاید وہ تمہاری مرضی
قدم نہیں اٹھائیں گے"۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو سرم!" جینا نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ "جنگ
والی ہے' مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا ہو گا"۔

"کیا---- کیا کہا جینا!----جنگ ختم ہونے والی ہے۔ تمہارے دل میں
خیال آیا؟" سرم اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس وجہ سے نہیں کہ جینا نے
بات کہی تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے بھی یہی بات سنی تھی۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ جنگ کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے"۔ جینا بے
بولی۔ "جنگ کے دونوں فریق اپنی اپنی جگہ محتاط ہیں۔ جنگ کا یہ طریقہ تو نہیں ہوا

"تمہارا دل ٹھیک ہی کہہ رہا ہے جینا!" سرم نے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں نے
ہے کہ شہنشاہ جنگ ختم کرنے والے ہیں"۔

"کس سے سنا ہے تم نے؟" جینا کی دلچسپی جیسے بڑھ گئی۔

"میں نے جس سے سنا ہے' وہ قابل اعتماد ہستی ہے"۔

"کیا اس کا نام بتانے میں کوئی حرج ہے"۔

"جینا! میں تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا لیکن وعدہ کرو کہ تم کسی پر ظاہر
گی۔"

جینا کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ "اطمینان رکھو سرم
میرے دل میں رہے گی"۔

سرم نے اطمینان کا سانس لیا۔ "جینا! تم جانتی ہو کہ سردار اسدالدین
مہربان ہیں۔ وہ شہنشاہ----- قسطنطنیہ کے مشیر خاص ہیں اور ان کے ساتھ ہی
آئے ہیں۔ یہ بات میں نے ان کے منہ سے سنی ہے"۔

شہزادی جینالو سوچ میں پڑ گئی۔ اسدالدین اس کا بھی محسن تھا۔ شہزادی
سردار اسدالدین کی بہت عزت تھی ذرا دیر بعد بولی۔ "سردار نے کہا ہے تو

لیکن اس کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔ شہنشاہ صلیبی جنگ لڑنے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ
سوں پادری اور بشپ ہیں۔ اگر شہنشاہ نے جنگ کے خاتمے کا اعلان کر دیا تو کیا مذہبی پیشوا
کے خلاف نہیں ہو جائیں گے۔؟"

"تم جو کہہ رہی ہو یہ بھی ٹھیک ہے جینا!" سرم نے اسے قائل کرنے کا انداز اختیار
"لیکن تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہ لشکر میدان جنگ میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا
کی صفوں میں اتحاد نہ ہو۔ تمہارے تمام والیان ریاست نے شہنشاہ کو اپنا سردار اعلیٰ
تم کیا ہے اور ہم سب کا مشترکہ لشکر انہی کی کمان میں ہے لیکن تم ان بادشاہوں اور
ادوں کو دیکھ رہی ہو۔ ان کی نظر میں شہنشاہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ اپنے لشکر شہنشاہ
لشکر سے الگ سمجھتے ہیں۔ ان کے لشکر شہنشاہ کا حکم نہیں مانتے۔ شہنشاہ کو بدیسی آدمی
جا رہا ہے۔ شہنشاہ نے تنگ آکر لاطینی لشکروں کو خیمہ گاہ میں پابند کر دیا ہے ہم سب
وقت ایک طرح سے محصور ہیں لیکن اس شہزادوں کو دیکھو یہ دن رات شراب کے نشے
مست رہتے ہیں' جنگ کی ذمے داری شہنشاہ پر ڈال کر یہ عیش و عشرت اور خوا مخواہ
لڑائی جھگڑوں میں وقت گزارتے ہیں۔ کیا شہنشاہ کو ان باتوں کی خبر نہیں ہے؟"

"ہوں---- یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے سرم!" شہزادی نے سرم کے خیال سے اتفاق

"اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے اور وہ بڑی خطرناک اور خوفناک ہے"۔

"وہ کیا بات ہے؟" شہزادی نے گھبرا کر پوچھا۔

سرم نے ادھر ادھر دیکھ کر جواب دیا۔ "شہنشاہ کو بتایا گیا ہے کہ لاطینی بادشاہ امیر زنگی
سے صلح کی گفتگو کر رہے ہیں۔

"سرم!" شہزادی اچھل پڑی "کیا واقعی ایسا ہے یہ تو شہنشاہ کے خلاف بہت بڑی
ش ہے۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے ۔ شہنشاہ مذہبی جنگ لڑ رہا ہے۔ اس میں تو ان
کا بھلا ہے"۔

"یہ میں نہیں جانتا لیکن یہ حقیقت ہے"۔ سرم نے وثوق کے ساتھ کہا۔ "تمام نصرانی
تیں جانتی ہیں کہ امیر عمادالدین زنگی اگر ان کی آزاد ریاستوں کی حیثیت تسلیم کر لے تو
شہنشاہ سے الگ ہو جائیں گے"۔

سرم! میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا۔ وہ محض میرا خیال تھا"۔ شہزادی بہت پریشان ہو
تھی۔ "لیکن تم نے جو باتیں بتائی ہیں اس سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں
حالات تو بہت خراب ہو گئے۔ اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"۔

"مجھے تو جو کہنا تھا' وہ کہہ چکا ہوں۔ اب کیا کہہ سکتا ہوں"۔

"تم چاہتے ہو کہ میں اپنے والد سے تمہارے بارے میں بات کروں؟"

"میں تو اور بھی بہت کچھ چاہتا ہوں جینا! سرم نے پیار سے بھرپور لہجے میں میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ بات کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے"۔

"سرم! تم اس قدر غیریت کی باتیں نہ کیا کرو"۔ جینا نے بھی اسی انداز دیا۔ "تمہارا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ "میں تم سے یہ پوچھ رہی ہوں ان بگڑے ہوئے حالات میں کہیں میرا کہنا الٹا اثر تو نہ کرے گا"۔

سرم ایک نیک فطرت سپاہی زادہ تھا۔ معاملے کی تہ تک پہنچنا اس کے لیے تھا۔ سادگی سے بولا۔ "جینا! میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم کسی مصیبت میں اگر اس وقت کہنا مناسب نہ ہو تو انتظار کیا جا سکتا ہے' مجھے تمہاری باتوں اعتماد ہے"۔

"میں تمہارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہ پہنچنے دوں گی"۔ جینا نے یقین دلایا۔ "میں کا رخ دیکھ رہی ہوں اور کس مناسب موقع پر ابا جان سے بات کروں گی"۔ وہ دیں گے۔ اس بارے میں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن تمہیں یہ یقین ضرور کہ اب میں تم سے الگ نہیں رہ سکتی۔ میں دنیا کا ہر بندھن اور ہر قانون توڑ کر پاس پہنچ جاؤں گی"۔

"سرم کا چہرہ مسرت سے دمکنے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شہزادی بول پڑی میں سوائے تمہارے پاس آنے کے اور کہیں نہیں جاتی اس لیے جو بھی اہم خبر سے مجھے ضرور آگاہ کرنا تاکہ مجھے کوئی فیصلہ کرنے میں آسانی ہو"۔

"اطمینان رکھو جینا! میں تمہیں دم دم کی خبریں پہنچاتا رہوں گا"۔

سرم نے ایسا ہی کیا۔ نصرانی خیمہ گاہ کے حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو اور سرم اس تبدیلی کی خبر شہزادی کو پہنچاتا رہتا تھا۔

امیر زنگی نے اسد الدین کے مشورے سے جو شگوفہ چھوڑا تھا' اس نے رنگ امیر نے اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کے مضبوط پہاڑی مورچوں مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اس لیے اس نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی پیدا کام اس نے یہ کیا کہ ایک قاصد شہنشاہ کے پاس بھیجا۔ قاصد کو امیر نے خوب بھیجا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ شہنشاہ سے تمام لاطینی والیان ریاست کے سا کرے اور گفتگو کے دوران اس قدر سخت الفاظ استعمال کرے کہ شہنشاہ اور اس حواری اشتعال میں آجائیں۔

چنانچہ امیر کا قاصد سفید علم لے کر پہاڑیوں میں داخل ہوا۔ جنگی اصول

صد کو عزت کے ساتھ حفاظت میں لے لیا گیا اور اس کے کہنے کے مطابق اسے شہنشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ قاصد کی تیوریوں پر پہلے ہی سے بل پڑے ہوئے تھے۔ اس نے سے پہلے تو یہ حرکت کی کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کے سامنے پہنچ کر اسے سلام تک نہیں کیا فوراً" بولنا شروع کر دیا۔

"میں نصرانی سپہ سالار کے پاس امیر عماد الدین زنگی والئی موصل کا پیغام لے کر آیا ں"۔

"ٹھہرو قاصد!" شاہ یروشلم بالڈون نے قاصد کو ٹوکا۔ بالڈون' شہنشاہ کے دائیں جانب تھا۔ اسے قاصد پر سخت غصہ آرہا تھا کہ اس نے شہنشاہ کو سلام تک پیش نہیں کیا اور گفتگو کا آغاز کر دیا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "قاصد! کیا تمہارے امیر نے تمہیں درباری آداب بھی نہیں سکھائے اس مجلس میں قابل احترام شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس تشریف فرما ہیں اور تم نے انہیں کورنش تک نہیں پیش کیا؟"۔

قاصد نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "مجھے غلط سمجھا جا رہا ہے۔ میں امیر عالی مقام سفیر نہیں بلکہ قاصد ہوں اور قاصد کا کام صرف پیغام سنانا ہوتا ہے۔ اگر پیغام نہیں سننا تو میں واپس جا رہا ہوں"۔

اسی وقت شہنشاہ نے دخل دیا۔ "قاصد پیغام بیان کرے"۔

قاصد نے بڑے رعب سے کہا۔ "امیر عالی مقام نے فرمایا کہ اگر نصرانی مقابلے کے آئے ہیں تو انہیں میدان میں نکل کر جنگ کرنا چاہیے اور اگر وہ صلح کر کے اپنے لشکر ہماری تلواروں سے بچانا چاہتے ہیں تو ہم انہیں اسی طرح امان دینے پر تیار ہیں جس ہم نے ان کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ امان کا وعدہ کیا ہے"۔

شہنشاہ نے حیرت سے قاصد کو دیکھا۔ "قاصد! کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے کسی نے تمہارے امیر سے صلح کی بات چیت کی ہے اگر ایسا ہے تو ہمیں اس سردار یا کا نام بتایا جائے؟"۔

"نصرانی سپہ سالار کو معلوم ہونا چاہیے کہ امیر کا پیغام ختم ہو چکا ہے"۔ قاصد نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھے صرف ہاں یا نہیں میں جواب چاہیے"۔

شہنشاہ تذبذب میں پھنس گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دے۔ پہاڑیوں میں مورچے قائم کر کے مدافعتی جنگ اس کی حکمت عملی تھی۔ میدان جنگ سے وہ مصلحت کی بنا پر گریز کر رہا تھا مگر قاصد کی باتوں نے اسے شبے میں ڈال دیا تھا۔ اس ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے ساتھی درپردہ امیر سے کوئی معاہدہ کر رہے تھے۔

"قاصد! تم واپس جا سکتے ہو"۔ شہنشاہ نے مردہ آواز میں حکم دیا۔ "اس پیغام کا جواب

تمہارے امیر کو بھیج دیا جائے گا"۔

قاصد اسی طرح بغیر سلام کیے اٹھا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔ شہنشاہ نے
قاصد کو حفاظت سے مورچوں کے باہر پہنچا دیا جائے۔

"میرے دوستو اور ساتھیو!" شہنشاہ نے قاصد کے جانے کے بعد لاطینی
مخاطب کیا۔ "مجھے بتایا جائے کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے۔
لیے یہ واضح رہے کہ میں پاپائے روم کے حکم پر اور اس علاقے کے تمام پادر
درخواست پر قسطنطنیہ سے اپنا لشکر لے آیا ہوں۔ میرے دل میں اپنے مظلوم نصرانیوں
ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ میں مذہبی اور مقدس جنگ لڑ
لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ لوگ ایک طرف تو اپنے خیموں میں ش
عشرت کی محفلیں جماتے ہیں اور دوسری طرف اپنے سب سے بڑے دشمن امیر ز
چھپ چھپ کے صلح کی بات چیت کر رہے ہیں"۔

"یہ غلط ہے، بالکل جھوٹ ہے۔" شاہ بالڈون نے احتجاج کیا۔ "میں نے آج تک
زنگی کے پاس اپنا کوئی آدمی نہیں بھیجا"۔

"شاہ بالڈون!" شہنشاہ کو طیش آگیا۔ "ہمیں صفائی کی ضرورت نہیں ہے۔
ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ اس نے امیر زنگی سے رابطہ قائم نہیں
آپ کے بیان کی تردید امیر زنگی کا قاصد پہلے ہی کر چکا ہے ہمیں تو صرف یہ بتایا جا
آپ لوگ اس مقدس جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں؟"

بالڈون اور دوسرے لاطینی بادشاہ شہنشاہ جان کو بہت دیر تک یہ باور کرانے کی
کرتے رہے کہ انہوں نے امیر سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور یہ کہ قاصد نے جو
ہے۔ وہ واضح نہیں تھا اس لیے شہنشاہ اپنا دل صاف کر لیں مگر شہنشاہ کے شیشہ دل
لکیر پڑ گئی تھی وہ ختم نہ ہو سکی بلکہ ان کی باتوں سے اس کا شبہ یقین میں بدلتا گیا۔

اسدالدین اس گفتگو کے دوران بڑے غور سے باتیں سنتا رہا۔ اس نے محسوس
امیر زنگی نے اچھے وقت پر پانسہ پھینکا ہے شہنشاہ اور لاطینی بادشاہوں کی غلط فہمیاں
سامنے آگئی تھی اور لاطینی بادشاہوں کو شہنشاہ کی باتیں ناگوار گزری تھیں۔ اب
اس بات کی تھی کہ اختلاف کی اس خلیج کو اور زیادہ وسیع کیا جائے اور لاطینی بادشاہ
کان میں کوئی ایسی بات پھونکی جائے جس سے وہ بھڑک اٹھیں۔ اسدالدین کا ہر
میں آنا جانا تھا اور شہنشاہ کا مشیر ہونے کی وجہ سے سب ہی اس کی عزت کرتے
اسدالدین اگر چاہتا تو وہ لاطینی بادشاہوں کے درمیان کوئی گل کھلا سکتا تھا مگر وہ بڑا
اور اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کہنا چاہتا تھا۔ جس سے بنتا ہوا کام

نصرانی لشکر قلعہ شیزار کا محاصرہ کیے ہوئے تھے---- اور وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتا
تھا۔ ادھر امیر زنگی نے ایک اور چال چلی۔ وہ اپنا لشکر شیزار سے ہٹا کر حمات لے آیا۔ اس
طرح اس نے ایک طرف تو نصرانیوں کو یہ موقعہ دیا کہ اگر وہ میدان میں نکلنا چاہیں تو نکل
آئیں اور اگر قلعے سے محاصرہ اٹھا کر جانا چاہیں تو ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔
امیر زنگی کی اس حکمت عملی سے نصرانی اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ ابھی تک وہ شہنشاہ
قسطنطنیہ کی بدگمانی سے پریشان تھے۔ اب انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں امیر زنگی یہاں
سے ہٹ کے ان کے علاقوں پر حملہ نہ کر دے۔ پس نصرانی خیمہ گاہ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ
شہنشاہ قسطنطنیہ کا دربار صبح کو لگتا، جس میں تمام لاطینی بادشاہ بھی شریک ہوتے لیکن شام کے
وقت لاطینی بادشاہ، شاہ یروشلم بالڈون کے خیمے میں جمع ہوتے اور تازہ حالات پر غور کیا
جاتا۔

اسدالدین کو ہر بات کی اطلاع مل رہی تھی۔ اس کا بڑا دل چاہتا تھا کہ وہ لاطینی
بادشاہوں کی محفل میں کسی طرح پہنچ جائے مگر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ شہزادہ کلائیڈ
ہی صرف ایسا شخص تھا جس کے توسط سے اسدالدین، شاہ یروشلم تک پہنچ سکتا تھا مگر کلائیڈ
کے پاس بغیر کسی وجہ کے جانا اور اس سے شاہ یروشلم سے ملاقات کی درخواست کرنا خود
اپنے پیر پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا مگر جب قدرت کوئی کام بنانا چاہتی ہے تو اس کے
خود ہی اسباب پیدا کر دیتی ہے۔

ایک شام اسدالدین اور سرمر خیمے کے باہر بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ شہزادی جینالو
تھوڑی دیر پہلے ہی سرمر سے ملاقات کر کے واپس گئی تھی اور ان کی باتیں اسی کے بارے
میں ہو رہی تھیں کہ شہزادہ کلائیڈ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر سرمر کی آنکھوں میں خون
اتر آیا۔ اسدالدین کو بھی اس اچانک آمد پر تعجب سا ہوا۔ سرمر نے آہستہ سے کہا۔
"سردار! یہ کم بخت آج ادھر کیوں آیا۔ ضرور کوئی فتنہ کھڑا کرے گا"۔

"کلائیڈ کا آنا واقعی تعجب خیز ہے۔ بہرحال، اب وہ آرہا ہے تو تم بھی خوش دلی سے
ملنا"۔ اسدالدین نے اسے سمجھایا۔

کلائیڈ نے قریب پہنچ کر اسدالدین اور سرمر کو بڑے سلیقے سے سلام کیا۔ ان دونوں
نے بھی اسے خوش آمدید کہا۔

"شہزادے خیریت تو ہے۔ آج آپ کو ہماری یاد کیسے آگئی؟" اسدالدین مسکرایا۔

"میں آپ ہی کے پاس آیا ہوں سردار!" کلائیڈ نے دبی زبان سے جواب دیا۔

فرمائیے! میں آپ کی کوئی خدمت کر کے خوشی محسوس کروں گا"۔

"میں آپ سے اور سرمر سے اس رات کی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں"۔

اسدالدین ہنس پڑا۔ "بس اتنی سی بات تھی شہزادے! آپ نے بیکار زحمت
اس بات کو بھول گئے ہیں، کیوں سرمر! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" اسدالدین
دیکھا۔

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں سردار!" سرمر بھی ہنس کے کہا۔ "ایسی معم
ہوا ہی کرتی ہیں۔ انہیں دل میں تھوڑی ہی رکھا جاتا ہے"۔

"کیوں شہزادے! اب تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔ آپ شاہ یروشلم کے
میرے دل میں شاہ کی بڑی قدر ہے"۔

"میں شاہ یروشلم کے بارے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔ کلائیڈ
لہجہ اختیار کیا۔

شاہ یروشلم کے نام پر اسدالدین اور سرمر چونک سے گئے۔ اسدالدین نے
کہا۔ "شہزادے! اگر شاہ یروشلم کا کوئی ذاتی کام ہے تو میں دل وجان سے حاضر
جہاں تک شاہ اور شہنشاہ کے اختلاف کا معاملہ ہے اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکوں
جانتے ہیں کہ شہنشاہ کا ادنیٰ سا خادم ہوں۔ میں اپنے آقا سے کسی صورت میں غدا
کر سکتا"۔

"ایسی کوئی بات نہیں سردار!" کلائیڈ جلدی سے بولا۔ "شاہ کو آپ کے با
پوری واقفیت ہے۔ وہ ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے جس سے آپ پر الزام آئے"

"تو پھر فرمایئے! میں شاہ کے کس کام آسکتا ہوں۔۔۔؟" اسدالدین بڑی
سے پوچھا۔ وہ تو اسی کوشش میں تھا کہ کسی طرح شاہ یروشلم تک اس کی رسائی
وقت شاہ کا پیامبر اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"میں ۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔" اور کلائیڈ نے چور نظروں سے سرمر
دیکھا۔

اسدالدین اس کا مطلب سمجھ گیا۔ "سرمر! ذرا تم خیمے میں چلے جاؤ۔ میں
سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی اسدالدین نے سرمر کو کوئی اشارہ بھی کیا اور سرمر مسکرا
میں چلا گیا۔ اسدالدین نے سوالیہ نظروں سے شہزادے کو دیکھا۔

کلائیڈ کی زبان سے یہ نکلا تو اسدالدین کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ بلی کے ب
ٹوٹا مگر اسدالدین نے دل پر جبر کیا اور بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "شہزادے! بھلا مد
ملنے کیسے جا سکتا ہوں اگر شہنشاہ کو علم ہو گیا تو میں کہیں نہ رہوں گا"۔

"سردار! آپ کی ملاقات راز میں رکھی جائے گی۔" کلائیڈ نے بڑے راز د

کہا۔ "میں آپ کا لباس بدلوا کر شاہ کے خیمے میں لے جاؤں گا۔ وہاں کوئی بھی موجود نہ ہو
گا۔"

"شہزادے! میں یہ جرات نہیں کر سکتا۔ میں چوروں کی طرح ملنے نہیں جاؤں۔"
اسدالدین نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کھلے عام ملنے سے اس طرح چھپ کر
ملنا زیادہ خطرناک تھا۔

کلائیڈ بہت مایوس ہوا۔ "شاہ یروشلم آپ سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہیں۔"

اسدالدین سنبھل چکا تھا۔ اس نے متانت سے کہا.... "شہزادے! شاہ جس سرزمین
کے بادشاہ ہیں اس کا ذرہ ذرہ ہمارے لئے مقدس ہے۔ میں خود شاہ سے ملنا چاہتا ہوں مگر
ہاں ایک صورت ممکن ہے بشرطیکہ شاہ اس کے لئے رضامند ہوں۔"

"کیا صورت ہے؟" کلائیڈ بے تاب ہو گیا۔ "مجھے بتایئے سردار! میں شاہ کو آمادہ کر
لوں گا؟"

"میں شام کے وقت اگلے مورچے دیکھنے جاتا ہوں۔ کل میں ذرا دیر سے جاؤں گا۔"
اسدالدین نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔" رات ہو رہی ہو گی۔ شاہ بھی تمہارے ساتھ
ٹہلتے ہوئے سامنے کی پہاڑی پر تشریف لے آئیں۔ وہاں ملاقات ہو گی.... لوگ اسے محض
اتفاق سمجھیں گے۔ اس سے زیادہ خطرہ میں نہیں مول لے سکتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں شاہ کو لے آؤں گا۔" کلائیڈ نے فوراً حامی بھر لی۔

اسدالدین اور کلائیڈ نے ملاقات کا وقت اور مقام ایک بار پھر طے کیا اور کلائیڈ خوشی
خوشی واپس ہو گیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا تھا۔ شاہ یروشلم کو معلوم تھا کہ اسدالدین
سخت سردار ہے۔ وہ ملاقات پر کسی صورت میں راضی نہ ہو گا اس لئے اس نے کلائیڈ
سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم اسدالدین کو ملاقات پر رضا مند نہ کر سکے تو شاہانہ مراعات سے
محروم کر دیئے جاؤ گے۔ اسدالدین اپنی جگہ خوش تھا۔ وہ شاہ یروشلم سے باعزت طریقے سے
ملنا چاہتا تھا اور اب تو اس کی ملاقات شاہ کی درخواست پر ہو رہی تھی۔

دوسرے دن شام کو اسدالدین اور شاہ یروشلم کی مقررہ جگہ پر ملاقات ہوئی۔ شاہ وہاں
پہلے سے موجود تھا۔ اسدالدین نے اسے ادب سے سلام کیا۔

"مسلم سردار! ہمیں خوشی ہے کہ تم ملاقات کے لئے آ گئے شاہ نے بھی اسی خلوص کا
اظہار کیا۔" ہمیں معلوم ہے کہ تم شہنشاہ قسطنطنیہ کے نمک خوار اور وفادار ملازم ہو۔ ہم
تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے تمہارے آقا کی توہین
کا پہلو نکلتا ہو۔"

"میں شاہ کے خیالات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" اسدالدین نے رسمی سا جواب دیا۔

"سردار! تمہیں اس بات سے تو انکار نہ ہو گا کہ شہنشاہ اور ہمارے درمیان کر
بھی اختلاف ہم سب کے لئے مشکلات اور تباہی کا باعث ہو سکتا ہے؟" شاہ نے
اسدالدین کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"اس خدشے سے کون انکار کر سکتا ہے شاہ معظم۔"

"اسدالدین!" شاہ ذرا بے تکلف ہوا۔ "کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ شہنشاہ
پر جو شک کیا ہے اس میں کوئی .... حقیقت ہے؟"

"شاہ معظم!" اسدالدین نے سنبھل کر کہا۔ "جہاں تک آپ کی ذات کا تعل
مجھے یا شہنشاہ قسطنطنیہ کو آپ کے بارے میں کوئی شبہ نہیں لیکن آپ تنہا نہیں ہ
اڈیسہ' شاہ انطاکیہ اور شاہ طرابلس بھی تو آپ کے ساتھ ہیں کیا یہ ممکن نہیں
میں سے کسی نے امیر زنگی سے رابطہ قائم کیا ہو؟"

اسدالدین کی اس معقول بات پر شاہ یروشلم فکر میں پڑ گیا۔ اسے اس بات
ہوئی کہ شہنشاہ کو کم از کم اس پر تو شبہ نہیں ہے۔ "اس کا مطلب ہے کہ شہنشاہ
طرف سے دل صاف ہے؟" شاہ یروشلم نے اپنا اطمینان کرنے کے لئے مزید تحقیق

"میرا خیال ہے کہ شہنشاہ صرف آپ پر اعتماد کرتے ہیں"۔ اسدالدین نے ا
کرنے کے لیے کہا۔ "صرف شہزادہ کلائیڈ اور شہزادی جینالو کے جھگڑے کی وجہ سے
دل میں کچھ میل آیا تھا' میں نے یہ کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا تھا کہ شراب کی زیا
شہزادے کے ہوش و حواس ختم کر دیے تھے ورنہ شہزادہ ایسا نہیں ہے کہ خوا مخواہ ا
پریشان کرتا پھرے"۔

تم نے بہت اچھا کیا اسد الدین۔ شاہ یروشلم خوش ہو گیا۔ "ہم نے کلائیڈ
کھول دیے ہیں کہ اگر اس نے جینالو کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا تو اس کا برا
گا"۔

"شاہ نے بھی بہت اچھا کام کیا"۔ اسدالدین نے اطمینان کا سانس لیا۔ "اس
اٹھتے ہوئے فتنے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔"

"اسدالدین۔ تو کیا ہم سمجھیں کہ شہنشاہ کے کانوں تک جو افواہ پہنچی تھی
شہنشاہ نے کوئی پروانہ کی اور وہ پہلے ہی کی طرح ہم پر اعتماد کرتے ہیں؟"

اسدالدین نے لمحہ بھر توقف کیا پھر ہنس کے بولا۔ "افواہوں کو تو کوئی نہیں
سکتا۔ آپ کے حلقوں میں جو افواہ آج کل گشت کر رہی ہے وہ اس سے بھی زیادہ
ہے۔ میرے رونگٹے تو اس کے تصور ہی سے کھڑے ہو جاتے ہیں اگر خدا نخواستہ یہ

ہوئی تو ہم تباہ ہو کے رہ جائیں گے"۔

"کون سی افواہ؟" شاہ یروشلم کے کان کھڑے ہوگئے۔ ہمارے حلقوں میں تو کوئی ایسی
افواہ نہیں"۔

"چلیے اچھا ہوا کہ آپ کو اس کی خبر نہیں۔ خدا کرے یہ بات غلط ہی ہو۔ اس میں
ہم سب کا بھلا ہے"۔ اسدالدین نے لمبا سانس لے کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

شاہ یروشلم کے دل میں کھد بد سی پیدا ہوگئی تھی۔ "ذرا وہ افواہ تو بتاؤ جس نے تمہیں
بھی پریشان کر دیا ہے؟"

"چھوڑیے بھی اس قصے کو۔ افواہیں تو اڑا ہی کرتی ہیں کس کس پر کان دھرا جائے"۔
اسدالدین نے ٹالنے کا انداز اختیار کیا۔

شاہ یروشلم کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اسدالدین کو شہنشاہ کا خاص الخاص آدمی
سمجھتا تھا۔ "اسدالدین تم نے افواہ کا ذکر کر کے ہمیں بھی فکر مند کر دیا ہے۔ کچھ تو بتاؤ"

"شاہ معظم۔ فکر مند تو آپ اس وقت ہوتے جب افواہ میں کوئی حقیقت ہوتی"۔ اسد
الدین نے بات ذرا اور الجھا کر اس کی بے چینی پر تازیانہ لگایا۔ "بہرحال اگر آپ مطمئن
ہیں تو مجھے بھی کوئی فکر نہیں"۔

"اسدالدین۔ تم ٹال کیوں رہے ہو؟ ۔ آخر بتانے میں کوئی حرج ہے؟" شاہ نے زور
دے کر پوچھا۔

"دیکھیے شاہ معظم" ۔ اسدالدین نے سنجیدگی اختیار کی۔ "جس افواہ کی طرف میں نے
اشارہ کیا ہے وہ آپ کے حلقوں میں مشہور ہو رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اس سر
زمین سے محبت ہے اور نہیں چاہتے کہ اس کی ایک انچ پر بھی کسی غیر کا قبضہ ہو اور شاید
اسی وجہ سے آپ نے انکار کیا ہے کہ آپ کسی افواہ سے واقف نہیں-----"

"نہیں نہیں اسدالدین ۔ تم غلط سمجھ رہے ہو"۔ شاہ نے اس کی بات کاٹی ۔

"براہ کرم مجھے اپنی بات پوری کر لینے دیجئے" ۔ اسدالدین نے درخواست کی۔ "ہاں تو
میں کہہ رہا تھا کہ آپ مجھے شہنشاہ کا جاسوس سمجھتے ہیں۔ میں اس سے انکار بھی نہیں کرتا
کیونکہ مشیر جاسوس ہی ہوا کرتا ہے لیکن آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میرا شہنشاہ
کے دربار میں پناہ لینا صرف عمادالدین زنگی کی دشمنی کی وجہ سے ہے لیکن میں اپنی سرزمین
کا تو دشمن نہیں ۔ مجھے بھی اس سرزمین سے اسی قدر محبت ہے جتنی آپ اور دوسرے
لاطینی شاہوں کو ہے۔ میں اس سرزمین پر کسی غیر ملکی طاقت کی حکومت دل سے تو قبول
نہیں کر سکتا کیا آپ اب بھی مجھے غدار سمجھتے ہیں؟"

"تمہیں کون غدار کہتا ہے اسدالدین"۔ یروشلم نے بڑے جوش سے کہا۔ "تم
دوست ہو۔ تم نے قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیا ہے۔ ہم تمہارے جذبے کی قدر کر
جہاں تک امیر زنگی کا تعلق ہے۔ اس سے ہم تمہارا بدلہ لے کر رہیں گے"۔

"مجھے آپ پھر غلط سمجھ رہے ہیں شاہ معظم"۔ اسدالدین کے لہجے سے غصہ
لگا "میں عماد الدین زنگی سے اپنی توہین کا انتقام لینا چاہتا ہوں لیکن اپنی سرزمین کو فروخ
کے نہیں۔ یہ تمام علاقے ہمارے اور آپ کے ہیں ان پر کسی غیر کا قبضہ نہیں
چاہیے"۔

"بالکل نہیں اور کون قبضہ کر سکتا ہے یہاں؟"

"تو پھر کیا یہ افواہ غلط ہے کہ شہنشاہ قسطنطنیہ یہاں کے بڑے بڑے قلعوں پر
کے ان میں اپنا لشکر بٹھانا چاہتے ہیں اور تمام مفتوحہ علاقوں کو سلطنت قسطنطنیہ می
کریں گے؟"

شاہ یروشلم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "کیا کہہ رہے ہو اسدالدین"

"یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں شاہ معظم"۔ اسدالدین پر جوش لہجے میں بولا۔ "یہ
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ آپ اس سے ضرور واقف ہوں گے اور مجھے اس لیے نہیں
کہ میں شہنشاہ کا مشیر ہوں"۔

"یقین کرو یہ بات میں نے تم سے پہلی بار سنی ہے"۔ شاہ یروشلم کے لہجے میں
آگئی۔ "کیا شہنشاہ نے تم سے اس کا ذکر کیا ہے؟"۔

"اے محترم شاہ۔ میں اس افواہ کی تصدیق یا تردید کر کے اپنے اوپر فریبی اور
حرام کا داغ نہیں لگانا چاہتا آپ یہ نہ بھولیں کہ میں محب وطن ہونے کے ساتھ ساتھ
شہنشاہ کا نمک خوار بھی ہوں۔" اسدالدین نے بھی لہجہ نرم کر لیا۔

"ہوں ------" شاہ یروشلم نے لمبی سانس لی۔ "تو یہ کچھ ہو رہا ہے اور ہمیں
بات کی خبر نہیں"۔

"اچھا تو اب مجھے اجازت دیجیے۔" اسد الدین نے واپسی کا ارادہ کیا۔ اس نے د
کہ شاہ یروشلم خیالات میں گم ہے۔ اسد الدین نے چند لمحے انتظار کیا پھر جیسے درخوا
کی۔ "شاہ محترم۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ اسد الدین اپنے شہنشاہ کا وفادار اور نم
خوار ہے"

شاہ یروشلم اور اسد الدین اپنے اپنے راستوں پر واپس ہو گئے۔ شام کے سائے را

ی سیاہی میں بدل گئے تھے پتہ نہیں اس تاریک رات میں کیا کیا ہوتا رہا تھا۔ جب نور کا
ڑکا ہوا تو ایک تیز رفتار سوار حمات میں امیر عمادالدین زنگی کے خیمے پر پہنچا۔ امیر نماز فجر
ے لیے وضو کر رہا تھا۔ پسینے میں شرابور سوار گھوڑے سے اترا۔ امیر کو ادب سے سلام کیا
ور نوید سنائی۔

"امیر عالی مقام کو مبارک ہو۔ شہنشاہ قسطنطنیہ پورے نصرانی لشکر کے ساتھ قلعے کا
اصرہ چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں کسی طرف نکل گیا ہے۔"

امیر نے سوار کو اس طرح دیکھ جیسے اسے سوار کی بات کا یقین نہ آرہا ہو

دمشق کا آسیب

قلعہ شیرز سے شہنشاہ کی اچانک پسپائی بڑی حیرت انگیز تھی۔ شاہ یروشلم سے گفتگو کے
بعد اسد الدین بہت خوش خوش واپس آیا۔ اسے یقین تھا کہ اس نے جو باتیں شاہ
سے کی ہیں وہ ضرور رنگ لائیں گی۔ اسدالدین خیمے میں واپس آیا تو سمرم کو اپنا منتظر پایا۔
سمرم بڑی پریشانی کے عالم میں خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ اسد الدین کو دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اس
کے پاس آیا۔

"شاہ سے ملاقات ہوئی سردار؟" سمرم نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں - ہوئی تھی مگر تم گھبرائے ہوئے کیوں؟" اسد الدین اپنی متوقع کامیابی پر مسکرا
رہا تھا۔

"پہلے آپ بتایئے سردار۔ شاہ نے کیا کہا؟"

اسد الدین ایک لمحے بعد بولا۔ "شاہ یروشلم میرے سامنے اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔"

"کیسی صفائی" اس کا آپ سے کیا جھگڑا؟" سمرم بے چین ہو گیا۔

"وہی کلائیڈ اور شہزادی جینالو کا معاملہ۔" اسد الدین نے بات پلٹ دی۔ "وہ کہہ رہا
تھا کہ اس نے کلائیڈ کی اچھی طرح سرزنش کی ہے اور اب شہزادی اس کا نام تک زبان پر
نہیں لائے گا۔"

سمرم کو اطمینان ہو گیا۔ "سردار آپ نے میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ میں آپ کا احسان
نہیں اتار سکتا۔"

"ایسی بات مت سوچا کرو سمرم۔ اسد الدین نے اس کی پیٹھ تھپ تھپائی۔ "میں
...ان ہوں اور ان کے مقابلے میں مجھے تم سے ہمدردی ہونا ہی چاہیے۔ ہاں یہ بتاؤ تم
...پریشان تھے؟"

"آپ کے جانے کے بعد ایک عجیب بات ہوئی سردار۔" سمرم نے سنبھل کے کہا۔
...معین الدین ہے نا۔ وہی انز" "ہاں ہاں کیا ہوا انز کا؟" اسد الدین بے چین ہو گیا۔

"آپ کے جاتے ہی اس کا غلام میرے خیمے میں آگیا اور چاروں طرف یوں دیکھنے لگا
...کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ میں نے پوچھا کسے دیکھ رہے ہو کہنے لگا آپ کا خیمہ بہت اچھا
...مگر وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ انز میرا سخت مخالف ہے اس نے ضرور کسی مقصد سے غلام
...بھیجا ہوگا۔"

"مجھے پوچھا تھا اس نے" اسد الدین نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔ چلتے وقت اس نے سرسری طور پر پوچھا تھا۔ مگر وہ آپ کو دیکھنے نہیں آیا"
سمرم نے اس طرح کہا جیسے اسے پورا یقین تھا۔

"تم نے ٹھیک اندازہ لگایا سمرم۔ وہ شہزادی جینا کو دیکھنے آیا ہوگا۔" اسد الدین نے
...ظاہر کیا۔

...یقیناً" یہی بات تھی سردار۔" سمرم کو ایک دم طیش آگیا۔ "اس کمبخت نے سلطنت
...کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے شاہ تو بس نام کے بادشاہ ہیں۔ حکم تو انز ہی کا چلتا
...دیکھئے نا۔ امیر زنگی کی بھلا دمشق سے کیا مخالفت ہے۔ امیر محترم نے تو کئی بار دوستی کا
...بڑھایا مگر انز نہیں مانتا۔ اسے تو امیر سے خدا واسطے کا بیر ہے۔"

سمرم بڑے جوش سے انز کی برائیاں کر رہا تھا اور ساتھ امیر زنگی کی تعریف بھی کر رہا
...پھر ایک دم اسے خیال آیا کہ امیر زنگی نے اسد الدین کو اپنے دربار سے نکالا ہے اور
...نے شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس پناہ حاصل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ امیر زنگی کی تعریف اسد
...الدین کو ناگوار گزری ہوگی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ فوراً" چپ ہو گیا اور شرمندہ ہو کر
...الدین کو دیکھنے لگا۔

اسدالدین اس کی باتیں دلچسپی سے سن رہا تھا۔ سمرم کو خاموش دیکھ کر مسکرایا۔ "چپ
...ہو گئے سمرم تم سوچ رہے ہو گے کہ امیر زنگی کی تعریف مجھے بری لگ رہی ہو گی۔
...یہی بات ہے نا؟"

"ہاں سردار۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ سمرم کی نظریں جھک گئیں۔
"سمرم۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا میں برا نہیں مانا کرتا۔" اسد الدین نے اسے مطمئن

کرنے کی کوشش کی۔" امیر زنگی نے میری توہین کی' میں نے اس کا دربار چھو
ختم ہو گئی مگر جہاں تک امیر عمادالدین زنگی کے مجاہدانہ کارناموں کا تعلق ہے
کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ اور تمام لاطینی شاہوں کو ایک ساتھ
معمولی بات نہیں اس معاملے میں وہ تمہارے بادشاہ مجیرالدین اور اس کے مفاد
انز سے بدر جہا بہتر ہے۔ سرم ایک بات کا اور خیال رکھو۔ میں شہنشاہ کا ملاز
ضرور ہوں لیکن قسطنطنیہ سے روانگی کے وقت میں نے شہنشاہ سے صاف صاف
کہ میں صرف امیر زنگی کا مخالف ہوں مگر کسی مسلم لشکر کے سامنے تلوار نہیں ا

"آپ بہت عظیم ہیں سرکار۔" سرم نے بڑی محبت بھری نظروں سے ا
دیکھا۔ میرے اور آپ کے خیالات کتنے ملتے جلتے ہیں میں بھی امیر زنگی کے
نہیں اٹھانا چاہتا مگر کیا کروں شاہ مجیر الدین کا ملازم ہوں۔ وہ مجھ پر مہربان ہیں۔
بار ارادہ کیا کہ دمشق چھوڑ کے کسی اور طرف نکل جاؤں مگر شاہ کے احسانات
میرے قدم روک لیتی ہے۔ شاہ ابھی کمسن اور نادان ہیں اگر میں نے انہیں چھ
بالکل آزاد ہو جائے گا اور نہ معلوم کیا کر بیٹھے"۔

"خیر۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ اب سوچنا یہ ہے کہ انز چاہتا کیا ہے؟" اسد
مسئلے کی طرف پلٹا۔" میرا خیال ہے کہ ----

"سردار۔ آپ کا تو محض خیال ہے لیکن میں نے تو یہ بات خود اس کی زبا
ہے۔" سرم آج بالکل ہی کھل گیا۔ اس نے کئی بار شاہ سے کہا ہے کہ کسی دو
کا اپنی خیمہ گاہ میں قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں لیکن شاہ نے اس کے خیا
نہیں کی۔ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ وہ شہنشاہ قسطنطنیہ کی دل سے قدر کرتے ہیں
مشیر کا دمشق کی خیمہ گاہ میں قیام ہمارے لیے فخر کا باعث ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے تمہارا خیمہ چھوڑ دینا چاہیے۔" اسد الد
کن لہجے میں کہا۔

"نہیں سردار۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو نہیں ---"

اسی وقت شاہ مجیر الدین والی دمشق کا خادم خیمے میں داخل ہوا۔

"خیریت تو ہے؟" سرم نے گھبرا کے پوچھا۔

"شاہ دمشق نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔"

"اچھا۔ تم چلو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

"محافظ محترم۔" خادم جلدی سے بولا۔ "مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو سا

"سردار۔ وعدہ کیجئے کہ میری واپسی تک آپ یہیں رہیں گے۔" سرم نے اسد الدین
تماس کیا۔

"جاؤ سرم۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔" اسد الدین نے بڑی محبت سے کہا۔

سرم خادم کے ساتھ باہر آگیا۔ جس وقت وہ شاہ مجیرالدین کے خیمے کی طرف جا رہا تھا
نے لشکریوں میں عجیب طرح کا اضطراب دیکھا۔ ہر فوجی ہتھیار لگا کر یوں تیار ہو رہا
ے اسے اسی وقت میدان جنگ میں جانا ہے۔ تمام خیمہ گاہیں اسی کیفیت میں مبتلا
۔ ہر جگہ صف بندی ہو رہی تھی۔ سرم تیز قدم اٹھاتا ہوا شاہ دمشق کے خیمے میں
ہوا۔

"آؤ سرم۔ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" شاہ مجیر الدین نے بڑی خوش دلی سے

شاہ کے پاس وزیر اعظم معین الدین انز بھی بیٹھا تھا۔ سرم نے اسے سلام کیا پھر بے
ے بولا۔" عالی جاہ! باہر لشکر تیار ہو رہا ہے۔ کیا فوجوں کو تیاری کا حکم دیا گیا ہے؟"

"ہاں سرم۔" شاہ کے کچھ کہنے سے پہلے انز بول پڑا۔ "امیر زنگی بڑا زبردست شب
رنے والا ہے۔ شہنشاہ نے فوجوں کو کیل کانٹے سے تیار رہنے کا حکم بھیجا ہے۔"

"مگر وزیراعظم آپ کے خادم نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔ وہ شام کو میرے پاس آیا تھا"
اید وزیر پر طنز کیا۔

"میں نے تو کسی کو بھی تمہارے پاس نہیں بھیجا۔" انز صاف انکار کر گیا۔

رم نے شاہ دمشق کو سنانے کے لیے کہا۔" معلوم نہیں کہ آپ نے بھیجا تھا یا وہ خود
ا مگر وہ میرے خیمے کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے میں نے کسی شاہی مجرم کو چھپا
ے۔"

"کیا نام تھا اس کا۔ میں دریافت کروں گا اس سے۔" انز نے ذرا غصے سے کہا۔

"وزیراعظم۔ میں آپ کے خادموں کے نام نہیں جانتا مگر صورت سے انہیں ضرور
ہوں۔" سرم کو بھی غصہ آنے لگا تھا۔" میرے خیمے میں بغیر اطلاع کے آنے والا یا تو
ظم کا خادم ہو سکتا ہے یا پھر آپ کا۔ کسی اور کے خادم کو یہ جرائت ہرگز نہیں ہو
ہ وہ شاہی محافظ کے خیمے میں بغیر اجازت داخل ہو جائے۔

"معین الدین آپ لشکر کا انتظام کیجئے۔" شاہ نے بحث ختم کرانے کے لئے دخل دیا۔
ہو سکے تو ہمارے لشکر کو مغربی سمت پہرے پر لگایئے تاکہ مسلمان' مسلمان سے نہ

ٹکرا سکیں۔"

معین الدین انز بھی سرم کی کھری کھری باتوں سے چڑ رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ گیا۔ "شاہ عالی مقام۔ میں اپنی سے کوشش ضرور کروں گا لیکن اس وقت شہز فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ ہماری فوج بھی ان کے حکم سے کر کی جائے گی۔"

انز کے جانے کے بعد سرم نے پوچھا۔ "عالی جاہ۔ کیا پورے کے پو تیاری کا حکم دیا گیا ہے؟"

"ہاں سرم۔ شہنشاہ کا یہی حکم ہے۔" نو عمر شاہ نے کہا۔ "سنا ہے کہ کیقا ایک بڑا لشکر لے کر امیر زنگی کی مدد کو آگیا ہے اور امیر زنگی آج کسی وقت زبر مارے گا۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے عالی جاہ؟"

"تم میرے قریب رہو گے سرم۔"

"میں تو حضور کے قدموں ہی میں ہوں۔"

"ہمیں تمہاری وفاداری پر فخر ہے سرم۔" شاہ نے بڑے خلوص سے کہا۔ ہے کہ ہم مجبوراً معین الدین پر اعتماد کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعی قابل نہیں۔ یہ جنگ کا موقع ہے اور جنگ بھی رات کی ہے اس لیے تم پوری طرح ہمارے خیمے میں آجاؤ۔ تمہیں اسی خیمے میں ہمارے ساتھ رہنا ہوگا۔"

"شاہ پر میری جان قربان۔ آپ تردد نہ فرمائیے۔ غلام مسلح ہو کر آ ہے۔" سرم جانے لگا خیمے کے دروازے تک گیا' پھر ٹھہرا اور واپس آکر بولا کیجیے۔ وزیراعظم کو دیکھ کر میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ آپ مجھے حکم دیجیے۔ میں دوں۔"

"نہیں سرم۔ اس قسم کا ارادہ ہرگز نہ کرنا۔" شاہ نے تاکید کی۔ "تم سے واقف نہیں۔ ہمارا پورا لشکر اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ تم اس پر ہرگز گے اور خوا مخواہ جان گنوا دو گے۔ تمہارے خلاف تو وہ پہلے ہے آج کہہ رہا تھا شہزادی کے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے اور اب یہ ایک محافظ کی ذمہ داریاں قابل نہیں۔ جانتے ہو ہم نے اسے کیا جواب دیا۔"

سرم شرمندہ ہو گیا تھا پھر اس نے جھجکتی نظروں سے شاہ کو دیکھا۔

"ہم نے اس سے کہا۔" شاہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

تمہاری عمر عشق و عاشقی کی منزل سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ تم کیا جانو کہ عشق و بن کس چڑیا کا نام ہے۔ سرم نے اگر کسی سے محبت کی ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ شہزادی سے عشق کرنے والا کوئی بہادر ہی ہو سکتا ہے۔ ہمیں سرم پر ناز کرنا چاہیے کہ نے اپنی نظر بلند رکھی اور اگر سرم شہزادی کو دمشق لانے میں کامیاب ہوا تو اس سے شہر کی توقیر بڑھ جائے گی۔"

"عالی جاہ۔" سرم متشکر نظروں سے شاہ کو دیکھ کر رہ گیا۔

سرم بھاگتا ہوا اسد الدین کے پاس پہنچا۔ اسد الدین خیمے کے دروازے پر کھڑا اس کا ار کر رہا تھا۔

"سردار۔ امیر زنگی شبخوں مارنے والا ہے۔ تمام لشکر کو ہوشیار کر دیا گیا ہے۔" سرم کانپتے ہوئے کہا۔

اسد الدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے خلاؤں میں گھور رہا تھا۔

"سردار۔ آپ کس فکر میں ہیں۔ ہم پر حملہ ہونے والا ہے۔" سرم نے اسد الدین خیالوں کا سلسلہ توڑ دیا۔

"سرم میں سوچ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہو گیا۔" اسدالدین کا چہرہ اور بہت سنجیدہ تھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا سردار مگر کچھ ہونے والا ضرور ہے۔" سرم نے پریشانی سے کہا۔

"بھولے سرم۔ شب خوں نہیں مارا جا رہا ہے بلکہ ہم شکست کھا گئے ہیں۔" اسد ین نے سرم کو ڈرایا۔

"شکست۔ کیسی شکست۔ کس کی شکست؟"

"ہماری شکست سرم۔" اسد الدین نے وضاحت کی۔ "ہم قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر ا جا رہے ہیں۔"

"سردار۔ سردار۔ آپ کیا فرما رہے ہیں؟" سرم کی بوکھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اسد ین نے سرم کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر ایک اونچی چٹان پر آگیا۔

"سرم۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

سرم نے نیچے خیمہ گاہوں کی طرف نظریں دوڑائیں تو اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ دور تک شمعیں جلتی دکھائی دے رہی تھیں اور ان شمعوں کی مدھم روشنی میں لشکری اکھاڑ اکھاڑ کر گاڑیوں پر لاد رہے تھے۔ بعض بڑے خیمے اسی طرح چھوڑ دیے گئے تھے ان کا ضروری سامان بار کیا جا رہا تھا مگر یہ تمام کام بڑی خاموشی سے ہو رہا تھا۔

"سردار۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ہے۔" سرم کی سمجھ میں واقعی آرہا تھا۔

"تمہارے جانے کے بعد شہنشاہ نے بلوایا تھا۔ مجھے اسی وقت اندازہ ہو گیا خاص بات ضرور ہے پھر مجھے شہنشاہ نے سب کچھ بتا دیا۔ نصرانی بادشاہوں کی غرض سے شہنشاہ بد دل ہو گیا ہے۔ اسے ان پر کوئی اعتبار نہیں رہا۔ اس نے حکم د محاصرہ فوراً اٹھا کے شیراز ----- کا علاقہ چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ ہمیں ایک شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔"

"مگر سردار۔ میرے بادشاہ نے تو کہا ہے امیر زنگی شب خوں مارنے والا ہے لشکر کو چوکنا کیا گیا ہے۔" سرم عجیب تذبذب میں گرفتار تھا۔ ایک طرف اس کے اطلاع دوسری طرف یہ اکھڑتے ہوئے خیمے۔

"شہنشاہ ایک جہاندیدہ سپہ سالار بھی ہے۔" اسد الدین نے سرم کو سمجھایا۔ " نے سب خوں کی اطلاع دے کر لشکر کو تیار کر دیا فوراً ہی پسپائی کا حکم دیا۔ کہ امیر زنگی کو خبر ہونے سے پہلے وہ یہاں سے کافی دور نکل جائے۔"

"تو کیا اب جنگ نہ ہوگی سردار؟"

"پسپا ہونے والا لشکر جنگ نہیں کیا کرتا سرم۔"

"اس کا مطلب ہے کہ سب بادشاہ اپنے اپنے ملک واپس چلے جائیں گے؟"

"ہاں سرم۔ شاہ انطاکیہ بھی واپس جائے گا اور تمہاری شہزادی جینالو کو بھی واپس جانا ہوگا۔" اسد الدین نے جیسے سرم کے چٹکی لی۔

"نہیں سردار۔ میں شہزادی کو واپس نہیں جانے دوں گا۔ اس کے بغیر میں رہ سکتا۔"

"بزدل کو محبت کرنے کا حق نہیں ہوا کرتا سرم۔"

"میں بزدل نہیں ہوں سردار۔" سرم تڑپ اٹھا۔

"تو جاؤ شہزادی کو راضی کرو۔ اگر وہ تیار ہو جائے تو پسپائی کے دوران کسی سمت نکل جانا۔ اس آپا دھاپی اور گڑبڑ میں کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔"

سرم سوچنے لگا۔ "مگر میں جاؤں گا کہاں؟"

سرم نے اس طرح ہم کلامی کی کہ اس کی آواز اسد الدین کے کانوں تک پہنچ

اسد الدین نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر شہزادی آمادہ ہو جائے تو تم امیر زنگی کے پاس چلے جاؤ۔"

سرم نے حیرت سے اسد الدین کو دیکھا۔ "سردار۔ آپ مجھے اپنے دشمن کے پاس بھیج ے ہیں؟"

"میرے اچھے دوست۔ امیر میرے دشمن ہیں، تمہارے تو نہیں۔" اسد الدین لے لہجے یں بڑی شفقت تھی۔ "میرا اور امیر کا اختلاف ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس خوبیوں سے انکار کردوں۔ وہ دل کے برے نہیں۔ تم ایک بہادر جوان ہو۔ وہ تمہاری ر قدر کریں گے۔"

"مگر سردار۔ یہ غور فرمائیے جب انہیں علم ہو گا کہ میں شاہ دمشق کا محافظ ہوں اور یک نصرانی شہزادی کو بھگا کر لایا ہوں تو کیا وہ مجھے قتل نہیں کر دیں گے؟"

"میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اسد الدین نے ٹالنا چاہا۔ "مگر یہ یقین تا ہوں کہ امیر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں دمشق کے حالات کا علم ۔ وہ جانتے ہیں کہ تمہارے وزیراعظم انز نے شاہ دمشق کو ایک طرح سے قید کر رکھا ۔ وہ وزیراعظم کا اثر ختم کر کے شاہ دمشق کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔"

"کیا امیر واقعی شاہ دمشق کے ہمدرد ہیں؟"

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں؟"

"توبہ توبہ۔ سردار مجھے تو اپنی بات پر اتنا اعتبار نہیں جتنا اعتبار میں آپ پر کرتا ں۔"

"تو پھر جاؤ۔ تیاری کرو مجھے بھی شہنشاہ کے پاس جانا ہے۔"

"ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیں۔"

"جلدی کہو سرم۔ وقت کم ہے۔"

"آپ کے خیال میں امیر زنگی بہت اچھے آدمی ہیں؟"

"ہاں۔ اس میں کیا شک ہے۔"

"ایک درخواست ہے سردار۔"

"یہ باتوں کا وقت نہیں سرم۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں سردار۔ میں چاہتا ہوں۔"

"گھبراؤ نہیں سرم تم ایک اچھے دوست ہو۔ میں تمہاری بات کا برا نہیں مانوں گا۔"

"سردار میں چاہتا ہوں کہ آپ شہنشاہ کو چھوڑ کر امیر زنگی کے پاس واپس چلے یے۔"

اسد الدین نے چونک کر سرم کو دیکھا۔ چند لمحوں بعد بولا۔ "سرم تمہارے دل میں یہ

خیال کیسے پیدا ہوا؟"

"سردار۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ امیر زنگی تمام نصرانیوں کے سامنے اکیلے ب
تو میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے ایسے مجاہد کو اکیلے نہیں ہونا چاہیے ۔ آپ ہمار
صورت میں ان کے قریب ہونا چاہیے۔"

اسد الدین نے آگے بڑھ کر سرم کو گلے لگایا۔ "سرم تم ایک سچے مسلمان
آنے پر میں تمہارے مشورے پر غور کروں گا۔" اسد الدین نے ایک بار پھر اسے
اور اسے خدا حافظ کہہ کر اپنی خیمہ گاہ کی طرف چلا گیا۔



امیر عمادالدین زنگی نی الفورا سجدہ شکر بجا لایا پھر تمام بڑے سرداروں کو اپ
طلب کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دو اور آدمیوں کو نصرانیوں کی طرف بھیجا ک
تفصیل حاصل کر کے حاضر ہوں۔ زنگی لشکر میں نصرانیوں کی پسپائی کی خبر جنگل ک
طرح پھیل گئی تھی مگر ابھی انہیں نصرانی مورچوں میں جانے کی اجازت نہ ملی تھی۔
وہ اپنی اپنی جگہ تیار تھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔

امیر زنگی نے میدان میں دربار لگایا تھا۔ تمام سردار اکٹھا ہو گئے تھے اور
والے بھی واپس آگئے تھے۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ شہنشاہ قسطنطنیہ
دوسرے نصرانی والیان ریاست میدان چھوڑ بھاگے ہیں۔ ہر طرف مسرت پھیلی ہو
سرداران لشکر امیر زنگی کو مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ ذرا دن چڑھے امیر زنگی
اس کے جلو میں سب سردار تھے۔ یہ لوگ میدان پار کر کے پہاڑیوں میں داخل
وہاں کا عجیب حال تھا۔ ہر طرف اداسی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ خیمے جگہ جگہ
مگر سب خالی۔ پہاڑیوں پر بھاری بھاری منجنیقیں چڑھی تھیں مگر انہیں چلانے
موجود نہ تھا۔ بعض جگہ آگ جل رہی تھی اور کئی خیموں میں شمعیں اب ت
تھیں۔

امیر زنگی کو خوشی کے ساتھ نصرانیوں کی اس پوشیدہ پسپائی پر بڑی حیرت ہو
ایک رات میں ڈیڑھ دو لاکھ کے لشکر کا اس قدر خاموشی سے نکل جانا بڑا حیرت
امیر نے حکم دیا کہ سب سے بڑی منجنیق پر جو ایک بلند پہاڑی پر نصب تھی اسل
لہرایا جائے تاکہ قلعے والوں کو معلوم ہو سکے کہ خدا نے نصرانیوں کو دفع کر دیا ۔

لشکر اسلام قابض ہو چکا ہے۔ قلعے والے بھی صبح ہی سے اپنی اونچی فصیل پر
مورچوں پر نصرانی خیمہ گاہوں کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں خیمے تو نظر آرہے تھے لیکن ہر خیمہ گاہ
م ہو کا عالم تھا۔ نہ بندہ نہ بندے ذات۔ ہر طرف قبرستان کا عالم تھا۔

پہاڑی پر امیر زنگی کا پرچم بلند ہوا تو قلعہ پر سے اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی۔ امیر زنگی
اس کے سرداروں نے اس مبارک نعرے کا جواب دیا' پھر تو ہر طرف اللہ اکبر کے
گونجنے لگے اور دشت و جبل ان نعروں سے گونجنے لگے۔

قلعہ شیزار کے محل وقوع کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔ قلعہ تک جانے کا واحد راستہ
تلی سے پگڈنڈی تھی جو لکڑی کے ایک پل سے سے گزرتی تھی۔ یہ پل دریائے عاصی
یا گیا تھا جو قلعہ کے قریب سے ایک قدرتی خندق کی طرح گزرتا تھا۔ قلعہ والوں نے
کے پل کو اٹھا کر قلعہ کو بالکل محفوظ کر دیا تھا۔ امیر زنگی پگڈنڈی پر گھوڑا بھگاتا ہوا
کے کنارے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں پر لکڑی کا پل لگایا جاتا تھا۔ قلعہ والوں نے
وں کو دیکھا تو فوراً" قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور لکڑی کا تیار ہوا پل اپنے ساتھ لے کر
ر آگئے ۔ آگے آگے حاکم قلعہ ابوعساکر تھا۔ اس کے تعلق قبیلہ بنو منقد سے تھا اور
لہ صدیوں سے اس قلعہ کا حاکم چلا آرہا تھا۔

قلعہ پر پل ڈال دیا گیا تھا اور ابو عساکر اپنے سرداروں کے ساتھ پل سے گزر کر امیر
کے پاس آگیا۔ امیر زنگی کا دوست ہونے کے باوجود ابوعساکر کا سر جذبہ احسان مندی
جھکا جارہا تھا۔ امیر گھوڑے سے اتر کے ابو عساکر سے بغل گیر ہوا۔ عساکر کی آنکھوں
سرت کے آنسو بہہ رہے تھے۔

"امیر محترم۔" ابوعساکر گلوگیر آواز میں بولا ۔"ہماری دعائیں قبول ہوئیں اور خدائے
ال نے آپ کو فرشتہ رحمت بنا کر قلعہ کی حفاظت کو بھیج دیا ورنہ پتہ نہیں ہمارا کیا حشر
۔"

"ابو عساکر دوستی کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک دوست دوسرے کے کام آئے۔" امیر
بڑی مسرت سے کہا۔

اگر تمہارا قاصد نہ بھی پہنچتا تو بھی ہم قلعہ کو بچانے کے لیے ضرور آتے۔ قلعہ شیزار
علاقوں کا صدر دروازہ ہے۔ اسے دشمن کے ہاتھ میں دینا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے
ترادف ہے۔"

"خدا آپ کی عمر میں برکت دے۔" ابوعساکر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کن
میں امیر کا شکریہ ادا کرے۔ "اتنے بڑے لشکر کا آپ کے خوف سے محاصرہ چھوڑ جانا

آپ کی عظمت کی نشانی ہے۔ خدا آپ کا سایہ مسلمانوں پر برقرار رکھے۔"

"ابوعساکر۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ خدا نے اس قلعہ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا۔" امیر نے گمبھیر آواز میں جواب دیا۔ "لیکن میں بزع اور کئ شہیدوں کی روح سے شرمندہ ہوں جس وقت مسلمانوں کی تباہی کا تصور کرتا ہوں خوف سے تھرا اٹھتا ہوں اگر داور حشر نے روز قیامت مجھ سے باز پرس کی تو م دوں گا۔ کاش میں نصرانیوں سے صلح کا معاہدہ نہ کرتا۔ انہوں نے مجھے معاہدہ کا کر غافل کر دیا۔ کاش ۔ کاش ۔" امیر کی آواز بھرا گئی۔

"امیر۔ ماضی پر افسوس نہ کیجئے ۔خدا معلوم اس میں کیا مصلحت تھی۔" ا امیر کے غم کو کم کرنے کے لیے کہا۔ "یہ کیا کم ہے کہ باقی مسلم علاقے نصرانیوا برد سے بچ گئے۔ میں نے سنا تھا کہ شہنشاہ جان کامنی نس یہ قسم کھا کر چلا ہے ک وہ تمام مسلم علاقوں پر نصرانی پرچم نہ لہرائے گا اس وقت تک واپس نہیں جائے گا

"سب سے زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ ہمارا ایک مسلمان بادشاہ بھی نصرانیوا لشکر کا ساتھ دے رہا ہے۔" امیر نے بڑے دکھ سے کہا۔ "ہم نے شاہ دمشق کی نہیں کی مگر وہ ------؟

"امیر۔ اس میں شاہ دمشق کا کوئی قصور نہیں۔ "ابوعساکر نے قطع کلام کیا۔ اصل حاکم تو معین الدین انز ہے۔ شاہ یروشلم بالڈون سے اس کے گہرے تعلقات

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ابوعساکر۔" امیر نے جواب دیا۔ "انز کچھ بھی کرتا، ہمیشہ دمشق کی سلامتی کی خواہش کریں گے۔"

"اب قلعے میں تشریف لے چلئے امیر۔" ابوعساکر نے درخواست کی۔ " اپنے نجات دہندہ کو خوش آمدید کہنے کے لیے چشم براہ ہیں۔"

امیر زنگی کچھ سوچنے لگا پھر اس نے پلٹ کر اس پہاڑی کی پگڈنڈی کو دیکھا گزر کر وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ ابو عساکر امیر کی خاموشی سے پریشان ہو گیا۔

"امیر محترم کس بات کا تردد ہے۔ کیا کسی کا انتظار ہے؟" ابو عساکر نے ا میں کہا۔

"ہاں۔ نہیں۔" امیر زنگی کے منہ سے دونوں لفظ ایک ساتھ ادا ہوئے پ سنبھلتے ہوئے بولا۔ "ابو عساکر مجھے قلعے میں چلنے سے انکار نہیں مگر پتہ نہیں طبیعت کیوں پریشان ہو گئی ہے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کچھ بھول رہا ہوں کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔"

ابو عساکر اور زیادہ فکر مند ہوا۔ "امیر۔ آپ کی پریشانی نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے ہیں۔ خدانخواستہ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کو ابو ر کی دوستی پر اعتماد نہیں رہا اور -----"

"ابو عساکر۔" امیر زنگی نے اسے روک دیا۔ "تم کس وہم میں پڑ گئے۔ عمادالدین کم لوگوں کو دوست بناتا ہے اور جب کسی کو دوست کہہ دیتا ہے تو پھر اس پر آخری تک اعتماد کرتا ہے۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے امیر۔"

"ذرا ٹھہرو ابو عساکر۔" امیر زنگی کی چھٹی حس ایک دم پھڑکی۔ اس نے پلٹ کر پھر پگڈنڈی پر نظریں جما دیں۔ "اگر میری نظریں دھوکا نہیں کھا رہی ہیں تو مجھے ایک سوار ے ادھر آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔"

ب کی نظریں پگڈنڈی کی طرف اٹھ گئیں۔

"امیر درست فرما رہے ہیں۔" ابو عساکر نے تائید کی۔ "یقیناً" وہ ایک سوار ہے۔"

چند لمحوں بعد سوار کا ہیولا واضح ہو گیا۔ سوار پر پیچ پگڈنڈی پر تیزی سے گھوڑا بھگاتا ر آ رہا تھا۔

"یہ گرانڈیل سوار۔" امیر نے پگڈنڈی سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "شاید وہ۔ وہ۔ یہ وہی ہو سکتا ہے۔ گرانڈیلا اور پھرتیلا۔"

"یہ کون ہو سکتا ہے امیر محترم؟" ابو عساکر نے بے چینی سے پوچھا۔

"میرا قیاس درست تھا۔" امیر نے نظریں گھما کر ابو عساکر کو دیکھا۔ "میری طبیعت راسی کے لیے بے چین تھی۔ مجھے اسی کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید میں اسی کو ا گیا تھا۔"

سوار قریب آگیا تھا مگر ابو عساکر اسے پہچاننے سے قاصر تھا۔ وہ پہچانتا بھی کیسے۔ اس اس سوار کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"اسد الدین ۔ سردار الدین ۔" امیر کے ساتھیوں میں سے کسی کی زبان سے ایک دم ا گیا۔

"بے شک وہ اسد الدین ہے۔" امیر کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ "بہادر اسد الدین ۔"

اسد الدین قریب پہنچ کے تیزی سے گھوڑے سے اترا اور بڑے ادب سے ہاتھ باندھ رکہا۔ "آقائے نعمت۔ غلام سلام پیش کرتا ہے۔"

"امیر عمادالدین زنگی مسکرا رہا تھا= "اسد الدین ۔ ہمارے قریب آؤ۔"

اسد الدین ' امیر کے قریب ہو گیا۔ امیر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں
"تم کامیاب لوٹے ہو اسد الدین ۔" پھر امیر ابو عساکر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "
سے ملو۔ یہ ہے ہمارا معتمد خاص اسد الدین ۔ بغیر جنگ کئے ہمیں نصرانیوں کے
حاصل ہوئی ہے اس کا سہرا اسد الدین کے سر ہے۔"

ابو عساکر حیرت زدہ سا اسد الدین کی طرف بڑھا۔ اسد الدین نے اپ
دئے اور ابو عساکر اس کے گلے لگ گیا۔

"میں خوش قسمت ہوں کہ آج مجھے اس شخص سے بغل گیر ہونے کا
ہوا ہے جسے امیر محترم اپنا معتمد خاص کہتے ہیں۔" ابو عساکر نے الگ ہوتے
خلوص سے کہا۔

"آقا اپنے خادموں کی اسی طرح حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔" اسد الدین
دیا۔

امیر عماد الدین زنگی کی پوری عمر جدوجہد کرتے گزری تھی۔ اس کے بار
خیال تھا کہ وہ بہت تند مزاج ہے اور اپنے سرداروں سے بڑی سختی سے پیش آتا
الدین اور اس کے بھائی نجم الدین ایوب کے ساتھ وہ بڑی مہربانی سے پیش آ
نوازش کی اصل وجہ نجم الدین ایوب کا حسن سلوک تھا۔ اس نے ایک بار امیر
قلعہ تکریت میں پناہ دی تھی۔ اس طرح امیر کو دوبارہ زندگی ملی تھی۔

"ابو عساکر۔ اب ہمیں اپنی بے چینی کی وجہ معلوم ہوئی۔" امیر نے ہنس
"دراصل ہمارے قدم تمہارے قلعے میں جانے سے اس لیے رک رہے تھے کہ ا
جنگ کا اصل کردار آنے والا تھا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اسد الدین ہم
زمانے سے جدا ہے۔ اب اس سے گفتگو کرنا بہت ضروری ہے۔ تمہاری دعو
قبول کر لی ہے۔ ہم شام کو اسد الدین کے ساتھ ہی تمہارے مہمان ہوں گے۔"

"امیر محترم۔ مجھے آپ کے سردار کے آنے سے دوہری خوشی ہوئی ہے۔"
نے کہا۔ "ایک تو اس وجہ سے کہ آپ کے ارشاد کے مطابق شہنشاہ قسطنطنیہ کی
کسی نہ کسی طور ان کا ہاتھ ہے۔ میری خوشی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ۔
سے میں واہموں میں پھنس گیا تھا۔ اب مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسلامی لشکر
کے ہمرکاب رہوں۔"

امیر نے سر کا اشارے سے اسے اجازت دے دی۔ امیر گھوڑے پر
ابو عساکر اور دوسرے سردار بھی سوار ہو کر امیر کے ساتھ ہو لیے۔ پہاڑی پگڈ

ر دو سوار ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ امیر' اسد الدین سے باتیں
، اور پ لیے بہت بے چین ہو رہا تھا۔ واپسی پر ان لوگوں نے نصرانی مورچوں کا پھر
نے کے سامان جمع کرنا والے فوجی نصرانی مورچوں کی تلاشی لے چکے تھے۔ انہوں نے
ئہ کیا۔ کو بتایا کہ نصرانی بڑی افراتفری کے عالم میں پسپا ہوئے ہیں کیونکہ وہ کافی تعداد میں اسلحہ
ر جانے کے ساتھ ساتھ اٹھارہ بڑی منجنیقیں بھی چھوڑ گئے ہیں"
منجنیقیں!" امیر زنگی نے حیرت کا اظہار کیا"

"جی عالی جاہ!" مخبر نے بتایا۔ "اس کے علاوہ چھوٹا اسلحہ بھی کافی مقدار میں ادھر ادھر
پڑا ہے۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کا عالی شان خیمہ اور دوسرے والیان ریاست کے خیمے بھی سجے
ئے موجود ہیں۔"

"اللہ بڑا کارساز ہے۔ نصرانی بڑے زعم سے صلیبی جنگ کرنے آئے تھے لیکن بڑی
اک پسپائی سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر امیر زنگی نے حکم دیا۔ "تمام سامان جمع کر کے موصل
دیا جائے وہاں اس کی نمائش کی جائے اور سوائے بڑے خیموں کے تمام سامان لشکریوں
تقسیم کیا جائے۔"

پھر امیر نے منجنیقوں کا معائنہ کیا۔ منجنیقیں بہت وزنی تھیں اور ان پر کئی کئی من کے
چڑھا کر فصیلوں کو توڑا جا سکتا تھا۔ اگر شیزار کا قلعہ کسی میدانی علاقے میں ہوتا تو ان
کر منجنیقوں کا حملہ دو دن سے زیادہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مگر جس کو اللہ رکھے اسے
چکھے۔ نہ صرف شیزار کا قلعہ محفوظ رہا بلکہ امیر زنگی کو قلعہ شکن اسلحہ کا بیش بہا
ہاتھ لگا جسے اسلامی لشکر نے نصرانیوں ہی کے خلاف آئندہ جنگوں میں استعمال کیا۔ امیر
کے میدان میں اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔ پورا لشکر اس فتح کی خوشی سے سرشار ہو رہا

امیر نے سرداروں کے عہدے بڑھا کر ان کی ہمت افزائی کی اور لشکر میں نقد رقم بھی
کرائی۔ قلعے والوں کے اصرار پر امیر رات کے کھانے پر ان کا مہمان ہوا۔ وہیں اسے
ع ملی کہ نصرانی لشکر جنوب کی سمت اس قدر تیزی سے پسپا ہو رہا ہے گویا وہ میدان
کر بھاگا ہے۔ امیر زنگی کو اس طرف سے تو اطمینان ہو گیا لیکن دمشق کے معین الدین
نے اس حملے میں جو کردار ادا کیا تھا اس سے امیر بہت منغض تھا اس وقت وہ دمشق پر
آسانی سے حملہ کر سکتا تھا لیکن اسے دمشق کے شاہ مجیر الدین یا وہاں کے عوام سے
شکایت نہیں تھی۔ اس کی اصل مخالفت معین الدین انز سے تھی اور وہ اس کی
ت میں دمشق کو تباہ و برباد کرنے کا خواہش مند نہ تھا۔ پس اس نے دمشق کے خلاف

کوئی کاروائی کرنے کی بجائے موصل واپسی کو بہتر سمجھا تاکہ وہاں پہنچ کر وہ ا
اکٹھا کر لے اور پھر نصرانی شاہوں پر ایک ایسا زبردست حملہ کرے کہ ان کی طاق
لیے ختم ہو جائے۔



شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس کے صلیبی سورماؤں کی واپسی کا پس منظر بڑا
شہنشاہ کا خیال تھا کہ جس طرح اس نے کفرتاب اور بزعہ (بزاع) کے علاقوں
کیا ہے اسی طرح وہ قلعہ شیزار کو بھی اپنی منجنیقوں کے زور پر چار دن میں فتح کر
اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ایک ہفتے تک اس کو کوہ شکن منجنیق
سنگ باری کرتی رہیں لیکن وہ قلعے والوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں پھر امیر زنگی اپ
ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں آگیا اور شہنشاہ کو دفاعی جنگ پر مجبور ہونا پڑا۔ ا
طرح طرح اشتعال دلانے پر بھی ہو مقابلے پر نہ نکلا اور چوہوں کی طرح پہاڑیوں
بیٹھا رہا۔

اسی دوران اسے خبر ملی کہ والی کیفا داؤد ایک بڑا لشکر لے کر امیر زنگی کی
ہے۔ اس خبر نے اسے اور زیادہ پریشان کر دیا۔ اس سے زیادہ پریشانی اسے ا
شاہوں کی بے اعتدالیوں اور عشرت پسندیوں سے لاحق ہوئی۔ ان شاہوں کا رویہ
ساتھ پہلے دن ہی سے کچھ اچھا نہ تھا شہنشاہ کے عظیم لشکر سے وہ خائف تھے ا
اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں شہنشاہ مقبوضہ علاقوں کا مالک نہ بن بیٹھے۔ یہ بات
کے لاشعور میں تھی لیکن جب انہیں اس قسم کی خبریں افواہوں کی صورت اور
الدین کی زبانی معلوم ہوئی تو وہ ایک دم بھڑک اٹھے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ا
ساتھ چھوڑ کر اپنی اپنی ریاستوں کو واپس چلے جائیں۔

شہنشاہ جان کامنی نس کا جاسوسی کا محکمہ بڑا زبردست تھا۔ اسے شاہوں کی خ
میں ہونے والی باتوں کی خبریں برابر مل رہی تھیں۔ شہنشاہ کو ان کی نیت پر پہلے ہی
اب تو اسے یقین ہو گیا کہ نصرانی شاہوں نے ضرور امیر زنگی سے گٹھ جوڑ کر لیا
حالات میں اس کے لیے پسپائی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ شہنشاہ نے فوراً
حکم دیا۔

"ہم گھیرے میں آگئے ہیں۔ فوراً پسپائی اختیار کی جائے۔"

شہنشاہ کے اس اعلان سے نصرانی شاہوں کے حواس اڑ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب
شہنشاہ کو چھوڑ جائیں گے تو امیر زنگی ان کی خوب خبر لے گا لیکن جب انہیں معلوم ہوا
شہنشاہ دشمن کے گھیرے میں ہیں تو وہ شہنشاہ کے ساتھ ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے
ہوئے مگر اس بھگدڑ کے موقع پر بھی کلائیڈ اپنی خباثت دکھانے سے باز نہ آیا۔ کلائیڈ کو
سب سے زیادہ غصہ سرم اور اسد الدین پر تھا۔ اگر اس رات یہ دونوں شہزادی کی مدد نہ
کرتے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔

شاہی لشکر کی واپسی شروع ہوئی تو کلائیڈ نے اپنے پندرہ خاص سواروں کا ایک دستہ
تیار کر لیا۔ شہنشاہ نے حکم دیا تھا کہ دمشق کا لشکر پہلے روانہ ہوگا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر
امیر زنگی کے سوار راستہ روکے ہوئے ہیں تو ان کا مقابلہ پہلے دمشقی لشکر کرے گا اور ان کی
لڑائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصرانی لشکر ریلا کرتا ہوا نکل جائے گا مگر دمشق کا لشکر بغیر کسی
جھگڑے کے آگے چلا گیا۔ دراصل امیر زنگی نے مغرب اور جنوب کے راستے جان بوجھ کے
کھلے رکھے تھے تاکہ اگر شہنشاہ پسپا ہونا چاہے تو اسے بغیر کسی مداخلت کے نکلنے کا موقع دیا
جائے۔ چنانچہ دمشق کا پورا لشکر خیمہ گاہ چھوڑ کر نکل گیا۔ لیکن کچھ دور جا کر شاہ دمشق کا
محافظ سرم اپنا گھوڑا گھما کر اپنے لشکر سے جدا ہو گیا اور راستے سے ذرا دور ہٹ کر ایک
جگہ گھوڑا روک کر کھڑا ہو گیا۔

سرم اور شہزادی جینالو میں یہ طے ہوا تھا کہ جب شہزادی اس جگہ پہنچے گی تو وہ بھی
اسی طرح اپنے لشکر سے الگ ہو کر سرم کے پاس پہنچ جائے گی اور پھر وہ دونوں حماۃ پہنچ
کے امیر زنگی سے پناہ کی درخواست کریں گے۔ دوسری طرف کلائیڈ نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ
اس کے پندرہ سوار شہزادی کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اور مناسب موقع دیکھ کر شور
مچائیں گے کہ امیر زنگی کے لشکر نے حملہ کر دیا اس سے انطاکیہ کے لشکر میں بھگدڑ مچ
جائے گی اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کلائیڈ کے سوار شہزادی جینالو کو اپنے قبضے میں کر
لیں گے۔ اس وقت نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ کسی کو علم بھی نہ ہوگا کہ شہزادی جینالو پر کیا
گزری۔ شہزادی اور سرم نے اپنے خیال میں فرار کا بڑا اچھا منصوبہ بنایا تھا۔ کلائیڈ کو بھی
اپنے منصوبے کی کامیابی کا علم تھا مگر انسان تو صرف منصوبے بناتا ہے اور ہوتا وہی کچھ ہے
جو قدرت کو منظور ہوتا ہے۔

سرم لشکر سے الگ ہو کر شہزادی جینالو کا انتظار کرنے لگا۔ شہزادی جب اس مقام پر
پہنچی تو منصوبے کے مطابق وہ اپنی گاڑی چھوڑ کر ایک گھوڑے پر سوار ہو گئی جس کا اس
نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا۔ کلائیڈ کے سوار اس کی گاڑی کے قریب ہی تھے اور ابھی وہ

امیر زنگی کے حملے کا شور مچانے والے تھے کہ انہوں نے شہزادی کو لشکر چھوڑ
طرف جاتے دیکھا تو ان میں سے ایک آدمی گھوڑا دوڑا کر کلائیڈ کے پاس پہنچا
انطاکیہ کے لشکر کے پیچھے اپنے یروشلم کے دستوں کے ساتھ آرہا تھا۔

"شہزادے بہادر۔" سوار نے شہزادے کو گھوڑے سے گھوڑا ملا کر سرگو
"شہزادی گھوڑے پر سوار ہو گئی ہے۔"

"گھوڑے پر کیوں سوار ہو گئی؟" کلائیڈ نے بڑا احمقانہ سوال کیا۔

سوار شاید اس سے زیادہ احمق تھا۔ اس نے کہا۔ "گاڑی میں شاید اسے گر
ہوئی ہوگی اس لیے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔"

"تم نے اسے گرفتار کیوں نہیں کیا؟" یہ سوال پہلے سے زیادہ حماقت انگیز تھا۔

"شہزادے بہادر۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ پہلے ہم امیر زنگی کا شور مچائیں گے ا
بھگدڑ مچے گی تو شہزادی کو پکڑ لیں گے۔ ابھی تو ہم نے شور بھی نہیں مچایا۔" سوار
سادگی سے اپنی صفائی پیش کی۔

"شہزادی اب کہاں ہے؟"

"وہ اپنا لشکر چھوڑ کر ایک طرف نکل گئی ہے۔"

"احمق کے بچے۔" شہزادہ جھلا گیا۔ "تو نے اسے نکلنے کیوں دیا۔ فوراً گرفتا
نہیں کر لیا؟"

"آپ کے حکم کے بغیر ہم اسے کس طرح پکڑ سکتے تھے۔" سوار نے بھولے پ
کہا۔ "پہلے شور مچانا تھا پھر بھگدڑ پڑنی تھی اس کے بعد شہزادی کو پکڑنا تھا۔"

کلائیڈ دانت پیستا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں گھوڑے بھگاتے اس جگہ
جہاں شہزادی اپنے لشکر سے الگ ہوئی تھیں۔ "سوار نے گھوڑا روک کر کلائیڈ کو بتایا۔

"وہ کس طرف گئی تھی؟"

"مشرق کی طرف شہزادے بہادر۔"

"مشرق کی طرف۔" کلائیڈ پریشان ہو گیا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ شہزادی
پہاڑیوں میں واپس چلی گئی------ جہاں سے ہم آرہے ہیں۔"

"مجھے یہ تو پتہ نہیں شہزادے مگر ان کے گھوڑے کا رخ مشرق ہی کی طرف تھا۔"

کلائیڈ نے سوار کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور اپنا گھوڑا بھی اس طرف موڑ دیا
سوار نے اشارہ کیا تھا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد کلائیڈ کو محسوس ہوا کہ کوئی اور سوار
کے پیچھے گھوڑا بھگاتا آرہا ہے۔ اس نے گھوڑے کی راسیں کھینچیں اور رک کر

پیچھے آنے والا سوار قریب آیا تو دونوں نے ایک دوسرے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

"مسلم سردار اسد الدین!" کلائیڈ نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا۔

"شہزادے کلائیڈ کا خیال درست ہے۔" اسد الدین نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" کلائیڈ کو غصہ آگیا۔

"شہزادے۔ میں شاہ یروشلم کی وجہ سے تمہاری عزت کرتا ہوں مگر اس طرح کا گستاخ
برداشت نہیں کر سکتا۔" اسد الدین نے بھی اسی سختی سے کہا۔ "تمہیں کچھ پوچھنا ہے
ہذیب کا خیال رکھو۔"

"میں پوچھتا ہوں کہ تم میرے پیچھے کیوں آئے ہو؟" کلائیڈ نرم پڑ گیا۔

"اور میں پوچھتا ہوں کہ تم کس کے پیچھے یہاں آئے ہو؟"

"میں شہزادی جینالو کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ وہ لشکر سے بچھڑ گئی ہے۔"

"بچھڑ گئی ہے؟" اسد الدین نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"یہی سمجھ لو۔ مگر تم------؟" کلائیڈ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اچھا ہوا کہ شہزادی فرار ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اب تمہارے ہاتھ نہیں آئے
"

"اس کا مطلب ہے کہ شہزادی کے فرار میں تم بھی شامل ہو۔" کلائیڈ نے پھر تاؤ
۔

"کاش میں شہزادی کی کوئی مدد کر سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں شہزادی کے فرار ہونے کی پہلے سے اطلاع تھی؟"

"میں تمہارے خیال کی تردید نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اگر تم نے اسے
ار کیا ہوتا تو میں اسے تمہارے ہاتھ سے نجات دلائے بغیر اپنا گھوڑا آگے نہ بڑھاتا۔"

اسد الدین نے یہ کہتے ہوئے اپنا گھوڑا موڑا اور دوسری طرف چل پڑا۔ کلائیڈ اسے
ی رہ گیا۔ اسے اسد الدین کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسد الدین کو جس وقت یہ خبر ملی کہ شہنشاہ نے پسپائی کا حکم دے دیا ہے تو اس نے
وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اب اسے شہنشاہ کے ساتھ واپس جانے کی ضرورت نہیں۔ اس
ے جو کام لگایا گیا تھا۔ اس نے اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیا تھا پھر بھی وہ قسطنطنیہ
شکر کی روانگی کے وقت تک شہنشاہ کے ساتھ رہا پھر واپسی کے دوران وہ موقع پا کر
ا کے لشکر سے نکل آیا اور اب وہ اپنے آقا امیر زنگی کی طرف واپس جارہا تھا کہ اس
بھیڑ کلائیڈ سے ہو گئی۔ اس اچانک مڈبھیڑ سے اسے اپنا راستہ بدلنا پڑا اور کئی میل کا

چکر لگا کر پھر حماۃ کی طرف روانہ ہوا۔

شہزادی جینالو اپنے لشکر سے نکل کر سیدھی سرم کے پاس پہنچی۔ سرم اگر
شہزادی کو اپنے لشکر میں لے جاسکتا تھا مگر اسے معین الدین انز سے خطرہ تھا۔ ایک ت
ہی اس کے خلاف تھا دوسرے جب وہ شہزادی کو سرم کے ساتھ دیکھتا تو اور زیا
جاتا اور ممکن تھا کہ وہ شاہ دمشق کو سرم کے خلاف بھڑکا کر شہزادی اور سرم کو گ
دیتا۔ یہ باتیں سوچنے کے بعد اس نے اسد الدین کے کہنے پر عمل کیا اور اپنے گھو
حماۃ کی طرف موڑ دیا جو ان حالات میں سب سے زیادہ محفوظ جگہ معلوم ہوتی تھی۔

حماۃ اور قلعہ شیزار پاس پاس واقع تھے۔ سرم اور شہزادی اپنے گھوڑے راستے
کر ایک جگہ چھپ کر کھڑے ہوگئے۔ سوار ان کے قریب سے گزرے تو سرم اور
دونوں ہی حیران رہ گئے۔

"جینا - یہ کلائیڈ تمہارے پیچھے کیسے آگیا؟" سرم نے بڑی حیرانی سے پوچھا۔

"سرم - یہ صرف حیرانی ہی نہیں بلکہ خطرے کی بھی بات ہے۔" شہزادی گ
"اس کی آمد یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اس نے یا اس کے کسی آدمی نے مجھے لشکر
دیکھ لیا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ بھی تو ہے کہ کلائیڈ یا اس کے آدمی تمہارے لشکر میں م
اور انہیں تمہارے فرار کا منصوبہ بھی معلوم ہوگیا تھا۔" سرم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"بات کچھ بھی ہو مگر اب ہمارا حماۃ جانا ٹھیک نہیں ۔ ہمیں یہیں سے واپس
چاہیے۔" شہزادی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"یعنی تم پھر اپنے لشکر میں واپس جانا چاہتی ہو؟"

"مجبوری ہے سرم۔" شہزادی کا لہجہ غمگین ہوگیا۔ "مگر تم یہ نہ سمجھنا کہ جینا
چھوڑنا چاہتی ہے۔ اگر تم کہو تو میں تمہارے ساتھ تمہارے لشکر میں چل سکتی ہوں"

"دل چھوٹا نہ کرو جینا۔" سرم نے پیار سے کہا۔ "مجھے تمہاری محبت پر پو
ہے۔ مجھے تمہارے واپس جانے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر یہ بات سچ ہے کہ کلا
آدمی تمہارے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں تو ان کا کوئی مقصد بھی ہو گا۔ یہ بھی تو
ہے----"

"ٹھہرو سرم۔" شہزادی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری بات سے اتفا
کلائیڈ نے اپنے آدمی میری حفاظت کو تو نہیں بھیجے ہوں گے۔ وہ ضرور مجھے حاصل ک
ہو گا۔"

"میں بھی تو یہی کہہ رہا تھا۔ کلائیڈ بڑی کمینی ذہنیت کا انسان ہے۔"

"مگر اب کیا کیا جائے۔ تم مجھے دمشق کے لشکر میں لے چلنے پر تیار ہو؟" جینا الجھتے
ے بولی۔

"اس بات پر غور کرنا ہوگا۔ میرا شاہ تو مجھ پر بہت مہربان ہے مگر اس کا وزیر کلائیڈ سے
ی زیادہ کمینہ اور بد طینت ہے۔"

"مگر شاہ کے سامنے وزیر کی کیا حیثیت ہے اگر تمہارا شاہ واقعی تم پر مہربان ہے تو تم
ے لیے اس سے اجازت حاصل کر لو۔ جب ہماری شادی ہو جائے گی تو پھر وزیر کیا
ے گا۔؟"

"جینا تم دمشق کے وزیر انز کو نہیں جانتیں۔ وہ شاہ سے کئی بار میری شکایت کر چکا
ے۔"

"جس طرف چلنا ہے فوراً" فیصلہ کرو سرم۔" شہزادی نے راستے پر نظریں ڈالتے
ے کہا۔ "اس جگہ زیادہ دیر ٹھہرنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔"

شہزادی جینا کا اندیشہ درست ہی تھا۔ جس وقت گاڑی چھوڑ کر گھوڑے پر سوار ہوئی
۔ اسی وقت سے کلائیڈ کے آدمیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ انہوں نے اپنے ایک ساتھی
شہزادے کلائیڈ کے پاس بھیج دیا تھا لیکن وہ ڈر رہے تھے کہ اگر شہزادے نے ان سے
چھا کہ شہزادی جینا کا تعاقب کیوں نہیں کیا گیا تو وہ کیا جواب دیں گے۔ شہزادی کے لشکر کا
خ اب سلطنت انطاکیہ کی طرف ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اور زیادہ گھبرائے آخر انہوں نے
کیا کہ انطاکیہ کی طرف جانا بے کار ہے کیونکہ اگر شہزادے کلائیڈ کو اطلاع پہنچ بھی گئی
وہ شہزادی کی تلاش میں ادھر آیا تو اسے انطاکیہ کے لشکر کے رخ بدلنے کا حال کیسے
وم ہوگا اور اس وقت تک شہزادی پتہ نہیں کہاں پہنچ چکی ہوگی ۔ اس لیے بہتر یہی ہے
شہزادی کا پیچھا کیا جائے اور کلائیڈ کے حکم کے مطابق اسے پکڑ لیا جائے۔ پس کلائیڈ
باقی سواروں نے بھی انطاکیہ کے لشکر کو چھوڑ دیا اور اندازے سے شہزادی کے تعاقب
چل پڑے۔

ادھر جب سرم اور شہزادی جینالو نے اپنے دشمن کلائیڈ کو حماۃ کی طرف جاتے ہوئے
ھا تو فوراً راستہ تبدیل کر کے لشکر کی طرف واپس ہوئے۔ وہ اب تک یہ طے نہ کر سکے
ے کہ آیا وہ انطاکیہ کے لشکر میں جائیں گے یا شہزادی سرم کے ساتھ دمشق کے لشکر میں
ل ہو جائے گی - یہ فیصلہ انہوں نے وقت اور حالات پر چھوڑ دیا تھا۔ ان کا سب سے
کام یہ تھا کہ وہ جلد سے جلد چھوڑے ہوئے لشکر تک پہنچا جائیں ۔ انہوں نے اندازہ کر

لیا تھا کہ لشکر اس مقام سے بہت آگے پہنچ چکا ہو گا جہاں انہوں نے اسے چھوڑا تھ
لیے انہوں نے گھوڑوں کی رفتار بہت تیز کر دی مگر ایک گھنٹے تک برق رفتاری سے
دوڑانے کے باوجود وہ کسی بھی لشکر تک نہ پہنچ سکے۔ اس سے ان کی پریشانی بڑھ گئی۔

"ہمارا لشکر کدھر نکل گیا؟" سمرم نے گھوڑا روکتے ہوئے جیسے خود سے سوال کیا

"تمہارا کیا میرے لشکر کا بھی کہیں پتہ نہیں۔" شہزادی نے بھی گھوڑے کی
کھینچ لیں۔

"حیرت تو اس بات کی ہے کہ کسی لشکر کا بھی پتہ نہیں۔" سمرم نے کہا۔
قسطنطنیہ کا لشکر تو اتنا بڑا تھا کہ وہ کتنی ہی تیز رفتاری سے چلتا مگر اتنے عرصے میں یہا
نہیں پہنچ سکتا۔"

شہزادی بہت گھبرا رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "سمرم یہ کون سی جگہ۔
لوگ اس وقت کہاں ہیں۔؟"

"یہ سوال تو میں تم سے کرنے والا تھا جینا۔" سمرم بولا۔ "تمہاری ریاست ا
یہاں سے بہت قریب ہے۔ یہاں کے راستوں سے تمہیں واقف ہونا چاہیے۔"

"مجھے کچھ پتہ نہیں۔ گھوڑا آگے بڑھاؤ۔ کہیں کوئی مصیبت نہ آپڑے۔" شہزا
اپنے گھوڑے کو ایڑ دی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں دمشق کا رخ کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ میرا لشکر اد
گیا ہو۔" یہ کہتے ہوئے سمرم نے بھی گھورا بڑھایا اور اپنا رخ جنوب کی طرف کر لیا۔

"سمرم۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم بغیر کسی رہبر کے دمشق پہنچ جائیں گے۔؟"
کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ اسے معلوم تھا کہ دمشق یہاں سے بہت دور۔
بغیر کسی مدد کے وہاں تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔

"جینا۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم جنوب کی طرف جا رہے ہیں۔" سمرم نے اسے تسل

"اگر ہماری سمت درست ہے تو ہم دمشق ضرور پہنچیں گے۔"

اسی وقت چند سوار سامنے سے آتے دکھائی دیئے۔ سمرم اور شہزادی جس جگ
اس کے چاروں طرف کھلا ہوا میدان تھا اور دور دور تک کوئی چھپنے کی جگہ نظر نہ آ

"بائیں جانب گھوڑا موڑ دو جینا۔" اور اس کے ساتھ ہی سمرم نے اپنا رخ بدل
آنے والے سوار کلائیڈ کے اس دستے سے تعلق رکھتے تھے جنہیں شہزادی
ہڑبونگ مچا کر گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ شہزادی کو ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک

شہزادی اور سمرم ایک طرف بے تحاشا بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ ان کا درمیانی فاصلہ
لہ کم ہوتا جارہا تھا۔ آخر وہ اس قدر قریب آگئے کہ سمرم نے ان کی گنتی بھی کر لی۔ ان
تعداد دس تھی۔ سمرم اور شہزادی گھبراہٹ کی وجہ سے راستے سے ہٹ گئے۔ انہیں
رف اپنے بچاؤ کی فکر تھی۔

"جینا۔ تم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔" سمرم نے دلیری سے کہا۔ میں ان
بختوں کا راستہ روکتا ہوں۔ تم اس وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی پہنچ سے دور نکل
ؤ۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی سمرم۔" شہزادی نے رفتار اور تیز کر دی۔ "ہم نے ایک ساتھ
ے مرنے کا وعدہ کیا ہے۔ پھر میں تمہیں اکیلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

"جینا۔ یہ وقت وفاداری دکھانے کا نہیں۔" سمرم نے نرم لہجے میں کہا۔ "ایک ساتھ
نے سے ہم دونوں ہی مارے جائیں گے۔ الگ ہونے کی صورت میں تم بچ سکتی ہو اور
رے بچ جانے کا امکان بھی ہے۔ اگر تقدیر میں ہے تو پھر کہیں نہ کہیں مل جائیں گے۔"

"اور کچھ نہ کہو جینا۔" سمرم کی آواز بھی بھرا رہی تھی۔ "سامنے کچھ درخت اور
ڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ تم درختوں کی طرف گھوم جانا۔ میں تعاقب کرنے والوں کو اپنے پیچھے
یدان کی طرف لے جاؤں گا۔ یہی چند لمحے تمہارے لیے قیمتی ہوں گے۔ جس طرف کو
کرے ادھر بلا جھجک چل پڑنا۔ خدا مہربان ہو تو منزل مسافر کو خود اپنی طرف کھینچتی ہے۔"

میدان کے ایک طرف درخت اور پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ سمرم کچھ دور تو
ختوں کے ساتھ ساتھ گھوڑا بھگاتا رہا پھر اس نے ایک دم اپنا گھوڑا کھلے میدان کی طرف
ڑ دیا۔ سمرم کی یہ ترکیب کامیاب رہی۔ تعاقب کرنے والے اس کے پیچھے پیچھے میدان
گھوڑے بھگاتے رہے۔ شہزادی جینا نے فوراً وقت سے فائدہ اٹھایا اور درختوں کی آڑ
دوسری طرف نکل گئی۔ اس راستے یا اپنی منزل کا کوئی پتہ نہ تھا۔ اس نے راسیں ڈھیلی
دیں اور گھوڑا اپنی مرضی کے مطابق ایک طرف بھاگ رہا تھا۔

سمرم کے سامنے کھلا میدان تھا۔ شہزادی جینا کی فکر بھی اسے نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے
انے شہ سواری کے جوہر دکھانا شروع کیے۔ کلائیڈ کے سواروں کو اس نے جھکائیاں دے
ے کر پریشان کر دیا۔ وہ چھلاوے کی طرح ایک گول دائرے میں اپنا گھوڑا بھگا رہا تھا مگر
اقب کرنے والے اسے پکڑنے سے قاصر رہے۔ کچھ دیر انہیں تھکانے کے بعد اس نے
جنوب کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ شہزادی اس وقت تک بہت دور نکل چکی ہوگی۔
واقعی بہت دور نکل چکی تھی۔ وہ۔ تمام رات بغیر رکے آگے ہی آگے بھاگتی رہی اور جب

صبح ہوئی تو اس نے خود کو حلب کی حدود میں پایا۔ حلب مسلمانوں کا علاقہ تھا اور عمادلدین زنگی کیے ماتحت تھا۔ جینا نے سکھ کا سانس لیا اور فیصلہ کیا کہ وہ حلب م سمرم کے آنے کا انتظار کرے گی۔

قسمت نے سمرم کو بھی حلب پہنچا دیا۔ صبح ہوتے ہوئے سمرم اور اس کا پ والے حلب کے علاقے میں پہنچ گئے۔ اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس سمرم کے جسم میں توانائی آگئی مگر اس کا تعاقب کرنے والوں کی جان پر بن گئ احساس ہوا کہ وہ کسی مسلم علاقے میں پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے فوراً" اپنے گھوڑ پھر گھوم کر سر پر پیر رکھ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ سمرم پر یہ رات بہت بھاری گز اس رات کے دوران اتنے بہت سے واقعات بیک وقت رونما ہوئے تھے جنہیں انسانی ذہن پریشان ہو جاتا ہے اسی رات شہنشاہ قسطنطنیہ مع اپنے نصرانی حلیفوں کے قلعہ چھوڑ کر اس طرح غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ سمرم کو تو صرف شہزادی کے حالات کا علم تھا اور یہی اس کے لئے بہت حیران کن تھا۔ اگر اسے دیتا کہ اسی رات کلائیڈ اور اسد الدین میں بھی ایک سخت مکالمہ ہوا ہے تو شاید سے پاگل ہو جاتا۔

اس سخت اور گمبھیر رات گزرنے کے بعد جب صبح کا سورج بلند ہوا تو شیزا نصرانیوں سے پاک ہو چکا تھا۔ قلعہ شیزار اور زنگی لشکر میں نصرت کے نعرے بلن تھے اور ایک مدت کے بعد اسد الدین اپنے آقا عماد الدین زنگی کی طرف واپس دراصل صرف اسد الدین ہی اپنی منزل تک پہنچا تھا۔ سمرم اور شہزادی جینا اب پھر رہے تھے۔ سمرم اپنی منزل پر پہنچ کے بھی منزل سے بھٹک گیا تھا۔ اس کی جان منزل شہزادی جینالو تھی اور وہ اس وقت حلب ہی میں تھی جب سمرم حلب کی ایک نماز کے بعد سجدہ شکر اداد کر رہا تھا۔

سمرم مسجد سے باہر آیا تو اس کا دماغ سخت پریشان تھا۔ وہ مسلم علاقے نصرانیوں کے خوف سے بھی اسے چھٹکارا مل گیا تھا مگر شہزادی کی جدائی نے اس کو گھنا دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ شہزادی کو کس جگہ تلاش کر جائے یا انطاکیہ ۔ انہی دو جگہوں پر اس کے پہنچنے کی امید تھی۔ تیسری جگہ حماۃ جہاں امیر زنگی کا لشکر خیمہ زن تھا۔ اسد الدین نے سمرم کو امیر زنگی کے پاس جا دیا تھا ۔ دوپہر تک سمرم شہر کی ایک کارواں سرائے میں ٹھہرا۔ تھکن سے اس کر رہا تھا ۔ اس نے ۔ تر سے کمر لگائی تو فوراً" نیند آگئی۔ دوپہر کو وہ ہڑبڑا کے ا

جلدی کھانا کھایا اور تیار ہو کر ایک بار گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ وفادار جانور کو بھی کچھ آرام مل گیا تھا۔ ایڑ پاتے ہی وہ سوار کو لے کر ہوا کے سمندر میں تیرنے لگا۔ سمرم نے منزل پر پہنچ کر منزل سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس نے کارواں سرائے کے مالک سے حماۃ جانے کا راستہ پوچھ لیا تھا اور اس کا گھوڑا اس وقت حماۃ کی سمت اڑا رہا تھا۔

ٹھیک اسی وقت اسی شہر کی ایک دوسری کارواں سرائے میں شہزادی جینا مغموم آواز میں مالک سرائے سے اپنی کہانی بیان کر رہی تھی۔ "میں ایک مسلم سردار کی نو مسلم بیوی ہوں۔ میں اور میرا شوہر حماۃ کے قریب چاندنی رات کی سیر کر رہے تھے کہ نصرانیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ ہم دونوں جان بچا کر بھاگے۔ میں یہاں پہنچ گئی مگر پتہ نہیں میرے شوہر پر کیا گزری۔ اگر اس کی جان بچ گئی ہوگی تو وہ شاید اپنے وطن دمشق گیا ہوگا کیونکہ وہ دمشق کے بادشاہ کے محافظ دستے کا ایک سردار ہے۔"

شہزادی نے یہ کہانی بہت سوچ سمجھ کے ترتیب دی تھی۔ وہ اپنے اور سمرم کے بارے میں صرف اتنا ہی بتانا چاہتی تھی جتنا اس کے خیال میں ضروری تھا۔ اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ مالک کارواں سرائے ایک سیدھا سادا سا انسان ہے۔ اس لیے اس نے قلعہ شیزار یا شہنشاہ قسطنطنیہ کے کسی لشکر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مالک سرائے تھا تو ان پڑھ اور ایک عام سا آدمی لیکن دمشق کا نام پر وہ چونک اٹھا۔ اس نے یہ سن رکھا تھا کہ دمشق کا بادشاہ نصرانیوں سے ملا ہوا ہے اور مسلمانوں سے اس کی ان بن ہے۔ شہزادی نے جو کچھ کہا۔ اس نے بڑی خاموشی سے سن لیا' پھر وہ خاموشی کے ساتھ سرائے سے باہر نکلا اور حلب کے گورنر کی حویلی پر پہنچا۔ اس نے حویلی کے کارندوں کو اطلاع دی کہ اس کی سرائے میں ایک نو مسلم خاتون مقیم ہے جو حماۃ سے آئی ہے اور خود کو شاہ دمشق کے کسی سردار کی بیوی بتاتی ہے۔

اس وقت شہر کوتوال حویلی پر آیا ہوا تھا۔ مالک سرائے کی رپورٹ سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ملکی اور غیر ملکی حالات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس نے مالک سرائے کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور گورنر کے پاس چلا گیا۔ گورنر اس اطلاع پر بہت حیران ہوا۔ وہ امیر زنگی کا ماتحت تھا۔ امیر زنگی نے موصل سے شیزار کی طرف روانگی کے وقت اسے حکم دیا تھا کہ حلب میں آنے جانے والوں پر کڑی نگاہ رکھے اور اگر نصرانی لشکر حلب کا رخ کرے تو وہ قلعہ بند ہو کے کمک کا انتظار کرے۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ شاہ دمشق نصرانیوں سے ملا ہوا ہے۔ ایسے میں اس کی بیوی کا بھاگ کر حلب پہنچنا بڑا حیرت انگیز تھا۔

حلب کے گورنر نے شہر کوتوال کو حکم دیا کہ وہ خود سرائے جائے اور نو مسلم خاتون

سے درخواست کرے کہ حلب کا گورنر اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اندھا کیا چا
آنکھیں۔ شہزادی جینا نے اپنی مختصر رام کہانی مالک سرائے کو اسی وجہ سے سنائی
اسے کسی طرح گورنر کے دربار میں رسائی حاصل ہو لیکن جب مالک سرائے اس کی
سن کر چپ چاپ وہاں سے چلا گیا تو اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کے دل میں حلب وال
لئے بڑا غلط تاثر پیدا ہوا۔ اسے افسوس بھی ہوا کہ وہ ایک غلط جگہ پہنچ گئی ہے جہاں ا
مشکلات کم ہونے کے بجائے اس میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔ شہزادی نے فیصلہ کیا کہ
چار دن سے زیادہ حلب میں سرم کا انتظار نہیں کرے گی اور کسی اور شہر کی طرف
جائے گی۔

شہر کوتوال نے شہزادی کو گورنر کا پیغام سنایا۔ شہزادی کو خوشی سے باچھیں کھل
وہ فوراً چلنے کے لئے تیار ہوگئی۔ اسے معلوم تھا کہ مسلم خواتین عام طور پر چہرے
ڈالتی ہیں اس لیے جب وہ گورنر کی حویلی پر پہنچی تو اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ گورن
اس کی خاطر خواہ پذیرائی کی اور کھڑے ہو کر اسے خوش آمدید کہا۔ شہزادی نے بڑے
سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"خاتون۔ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم حماۃ سے آ رہی ہو؟" گورنر نے نر
پوچھا۔

"آپ کو صحیح خبر دی گئی ہے گورنر بہادر۔" شہزادی جینا نے اطمینان سے جواب
"مگر حماۃ اور قلعہ شیزار کا علاقہ تو جنگ کے شعلوں میں لپٹا ہوا ہے؟" گورن
شہزادی کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

شہزادی چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میرا خیال ہے کہ گورنر بہادر مجھ پر
رہے ہیں۔ آپ کا شبہ کرنا بھی درست ہے۔ حماۃ کا علاقہ واقعی جنگ کی لپیٹ میں
اب وہاں کچھ نہیں ہے۔ میدان صاف ہو چکا ہے۔"

"خاتون ۔ کیا کہہ رہی ہو تم۔ وہاں تو نصرانیوں اور مسلم لشکر نبرد آزما ہیں اور
رہی ہو کہ میدان صاف ہے۔" گورنر کا شبہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ "میں یہ نہیں کہتا
دروغ بیانی سے کام لے رہی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم جس جگہ سے آئی وہاں
ہو رہی ہو؟"

شہزادی ایک بار پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ
تقاضا یہی ہے کہ تمام باتیں سچ سچ بیان کر دی جائیں۔ شاید اس سے کوئی بہتر صورت
۔ آخر شہزادی نے کہا۔ "گورنر صاحب۔ اب میں اپ کے اختیار میں ہوں۔ آپ

مجھ سے سلوک کر سکتے ہیں مگر میں درخواست کرتی ہوں کہ آپ مجھے جاسوس نہ سمجھیں۔
میں حالانکہ نصرانی ہوں مگر میری تمام ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔"

"تم نصرانی ہو۔" گورنر نے آنکھیں پھاڑ کے شہزادی کو دیکھا۔ "تو کیا یہ غلط ہے کہ تم
دمشق کے کسی مسلم سردار کی بیوی ہو؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے گورنر بہادر۔" شہزادی نے واضح الفاظ میں کہا۔ "میرا نام جینالو ہے
اور میرا تعلق انطاکیہ کے ایک معزز نصرانی گھرانے سے ہے۔ اپ کو علم ہوگا کہ انطاکیہ کا
لشکر بھی قلعہ شیزار کے محاصرے میں شہنشاہ قسطنطنیہ کے ساتھ ہے۔"

"مجھے معلوم ہے خاتون۔" گورنر نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "صرف انطاکیہ ہی نہیں
بلکہ تمام نصرانی بادشاہ شہنشاہ کے ساتھ ہیں اور دمشق کے غدار مسلمان بادشاہ نے بھی
نصرانیوں کا ساتھ دیا ہے۔"

"درست فرمایا گورنر بہادر نے۔" شہزادی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس
محاصرے کے دوران شاہ یروشلم بالڈون کے بھانجے شہزادہ کلائیڈ نے مجھے زبردستی حاصل
کرنے کی کوشش کی مگر میں اس کے ہاتھ سے بچ کر دمشق کے لشکر میں پہنچ گئی وہاں مجھے
ایک مسلم سردار سرم نے کلائیڈ کے ظالم ہاتھوں سے بچایا۔ سرم کی اس بہادری اور
انسانیت نے مجھے گرویدہ کر لیا ہے۔ اور ہم دونوں نے طے کیا کہ جنگ ختم ہوتے ہی ہم
شادی کر کے کسی پر سکون جگہ چلے جائیں گے۔ مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا اور جب شہنشاہ
قسطنطنیہ۔ امیر زنگی کے لشکر کے شدید دباؤ سے گھبرا کر شیزار کا محاصرہ اٹھا کر پسپا ہوا تو ——"

"کیا کہہ رہی وہ خاتون! گورنر نے گھبرا کر کہا۔ "کیا صلیبیوں نے شیزار کا محاصرہ ختم کر
دیا؟"

"گورنر بہادر۔ آپ میری بات کا یقین کیجئے۔" شہزادی اطمینان سے بولی۔ " صلیبی ایسی
افراتفری کے عالم میں پسپا ہوئے ہیں جسے ایک شرمناک شکست کا نام دیا جا سکتا ہے۔ میں
اور سرم اس پسپا ہوتے ہوئے لشکر میں شامل تھے' پھر ہم نے اسی اثنا میں نصرانی لشکر چھوڑ
دیا اور طے کیا کہ حماۃ واپس جا کر امیر زنگی سے پناہ کی درخواست کریں گے لیکن ایک
نصرانی دستے نے ہمیں گھیر کر گرفتار کرنا چاہا۔ سرم نے اس موقع پر کمال شجاعت کا مظاہرہ
کیا۔ میں تو بچ کر نکل آئی مگر سرم کا مجھے علم نہین ممکن ہے کہ وہ دمشق یا حماۃ کی طرف
بچ کے نکل گئے ہوں۔"

"خاتون ۔ تم نے ایک بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے" گورنر نے مسرت سے کہا۔ "م...
نہیں کہ تمہاری باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے۔ بہرحال اب تم میری مہمان ہو اور جب...
چاہو یہاں ٹھہر سکتی ہو یا پھر جہاں جانا چاہو تمہیں بھجوا دیا جائے گا۔ میں تمہارے...
دمشق یا حماۃ میں تلاش کرانے کی پوری کوشش کروں گا۔"

دوسرے ہی دن شہزادی جینالو کی باتوں کی تصدیق ہوگئی۔ حلب کے جاسوسوں نے...
کو اطلاع دی کہ نصرانی لشکر اس طرح واپس جارہا ہے جیسے اس نے میدان جنگ میں...
کا منہ دیکھا ہو۔ گورنر نے فوراً فتح کا جشن منانے کا اعلان کر دیا پھر شہزادی کو...
کہا۔ "خاتون۔ تمہاری باتوں کا ایک ایک لفظ سچ ثابت ہوا۔ مجھے تو یہ بھی بتایا گیا کہ...
قسطنطنیہ اور یہاں کے نصرانی شاہوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا ہے اور شہنشاہ...
صلیبی جنگ ختم کر کے قسطنطنیہ واپس جارہا ہے۔ اب تم بتاؤ کیا چاہتی ہو۔ راستے...
چکے ہیں۔ جس ملک جانا چاہو میں تمہارے جانے کا انتظام کرا دوں۔"

"میں آپ کی عزت افزائی کی سکر گزار ہوں گورنر نہادر ۔" شہزادی نے جواب...
"فی الحال میں کچھ دن آپ کے سائے میں گزاروں گی۔ اگر کسی طرح ممکن ہو سکے...
دمشق۔ حماۃ اور موصل میں یہ بات مشہور کرا دیں کہ انطاکیہ کی شہزادی جینالو آ...
مہمان ہے۔ اس سے مجھے یہ فائید ہوگا کہ اگر سرم کسی جگہ موجود ہے تو فوراً حلب
کرے گا۔"

"گورنر حیرت بھری نظروں سے شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔ "آپ شہزادی ہیں۔ ا...
کے شاہی خاندان سے آپ کا تعلق ہے؟"

"کبھی تھا گورنر بہادر۔" شہزادی مسکرائی۔ "اب تو میری کل کائنات سرم ہے۔...
جائے تو میری دنیا آباد ہوجائے۔" یہ کہتے ہوئے شہزادی مغموم ہو گئی۔

"آپ فکر نہ کیجئے شہزادی۔" گورنر نے اسے یقین دلایا۔ میرے جاسوس آج ہی...
جگہ روانہ ہو جائیں گے ۔ ان کے سپرد یہ کام بھی ہوگا کہ وہ بذات خود سرم کو تلاش...
اور اگر وہ مل جائیں تو انہیں لے کر فوراً" حلب کا رخ کریں۔"

گورنر نے شہزادی کو مہمان خانے میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ پھر شہر میں جشن کا سا...
نکل گیا۔ پورا حلب مسرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ گورنر نے ایک ہفتے تک جشن منانے کا...
تھا۔



امیر عماد الدین زنگی لشکر لے کر موصل واپس آگیا۔ اسے صلیبیوں کی پسپائی کی جس
...ی تھی اس سے کہیں زیادہ اسے معین الدین انز پر غصہ تھا۔ انز کی موجودگی میں اس
...ق پر قبضہ ہونا مشکل دکھائی دیتا تھا۔ امیر اس فکر میں تھا کہ دمشق پر لشکر کشی کے
...اگر حکمت عملی سے کام لیا جائے تو شاید زیادہ بہتر ہو۔ آج اس سلسلے میں اس نے
...دین سے تفصیلی گفتگو کی تھی اور ایک نئے منصوبے پر غور کیا گیا تھا۔ اس منصوبے
...بل کی ذمہ داری بھی امیر نے اسد الدین کے سپرد کی تھی۔ اسدالدین اپنے امیر کے
...خطرناک سے خطرناک کام کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ لیکن موجودہ منصوبے میں اسے دربار
...جانا تھا۔ اسے وہاں جانے میں کوئی عذر نہ تھا لیکن شیزار کے محاصرے میں اس کا
...الدین انز سے سامنا ہوچکا تھا۔ اس لیے وہ فکر مند تھا کہ کہیں انز اس کی مخالفت نہ
...اور بنا ہوا کام بگڑ جائے۔

...سد الدین انہی خیالات میں ڈوبا ہوا دربار زنگی سے باہر آیا۔ فکر و تردد کے آثار اس
...ے سے نمایاں تھے۔ وہ سر جھکائے ہوئے اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور چاہتا تھا کہ
...پر سوار ہو کہ اس کے کانوں میں ایک شناسا آواز آئی۔
...سردار اسد مجھ غریب کا سلام قبول فرمایئے۔"

...سد الدین نے چونک کے نظریں اٹھائیں اور اس کا چہرا خوشی سے کھل اٹھا۔ "ارے
...!"

...کہتے ہوئے اسد الدین نے اپنے لمبے لمبے بازو پھیلا دیے اور سرم بڑھ کر اس کے
...میں سما گیا۔
...تمہیں دیکھ کر جس قدر خوشی ہوئی ہے سرم ' میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔" اسد
...نے سرم کو الگ کر کے اس کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھا۔
...رم نے مسرت سے کہا۔ "میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ موصل میں ہیں۔"
...وصل تو میرا وطن ہے۔ میرا گھر ہے۔ میں یہاں نہیں ہوں گا تو پھر کہاں جاؤں گا۔"
...ین بے خیالی میں کہتا چلا گیا۔ "تم نے بڑا اچھا کیا کہ موصل آگئے۔ اب تمہیں کسی
...پریشانی نہیں ہوگی۔"

...رم بڑے تعجب سے اسد الدین کو دیکھ رہا تھا۔ "سردار ۔ آخر میری دعا قبول ہوئی
...کا امیر زنگی سے پھر میل ہو گیا ۔ میں تو آپ کے کہنے کے مطابق امیر زنگی کے
...ے وابستہ ہونے آیا تھا مگر مجھے ابھی کچھ دیر پہلے معلوم ہوا کہ آپ بھی موصل میں
...ا اور دربار گئے ہوئے ہیں۔ بس میں سیدھا دربار آگیا۔"

اسد الدین ایک دم پریشان ہو گیا۔ اس نے سرم کو یہ بتایا تھا کہ اس
چھوڑ دیا ہے اور اب کمال خوشی میں اس بات کو بالکل ہی بھل گیا تھا۔ اس
آپ کو سنبھالا "سرم تمہاری دعا تو اسی وقت قبول ہو گئی۔ تھی جس وقت
سامنے دعا کی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ خاص موقع پر تمہیں اصل حالات
گا۔ اب وہ وقت آگیا ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ تم سے بہت ضروری باتیں کرنا
پریشان تھا مگر تمہارے آنے سے شاید میری پریشانی ختم ہو جائے گی"۔

"میں آپ کا خادم ہوں سردار۔" سرم نے پورے خلوص سے کہا۔

"خادم نہیں۔ تم ایک اچھے اور قابل اعتماد دوست ہو سرم۔"

دونوں جب اسد الدین کی حویلی پر پہنچے تو گفتگو کا سلسلہ پھر شروع ہوا
دوپہر کے کھانے سے تک چلتا رہے۔

"ہاں سرم۔ سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری وہ شہزادی کہاں ہے۔ میں
کہ تم تنہا آئے ہو۔ اس بے چاری کو کہاں چھوڑ آئے؟" اسد الدین نے ا
میں بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔

شہزادی کا نام سن کر سرم کا غم تازہ ہو گیا اور ایک سرد آہ اس کے سینے
رہ گئی۔ "سردار۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ شہزادی میر
مجھ سے دور ہو گئی۔ میں نے آپ کے کہنے کے مطابق شہزادی کو اس بات پر
تھا کہ پسپائی کے دوران ہم دونوں اپنے لشکر سے الگ ہو کر امیر زنگی ک
جائیں گے مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ کلائیڈ کے آدمیوں نے ہمیں راستے
میں نے کسی نہ کسی طرح انہیں تھوڑی دیر کے لیے الجھا لیا اور شہزادی کو
موقع مل گیا لیکن میں بھی اس سے جدا ہو گیا۔ جب سے اب تک اکیلا بھٹک
۔"

"مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے سرم۔" اسد الدین غمگین لہجے میں بولا
میری بھی مڈبھیڑ ہو گئی تھی لیکن شہزادی اس کے ساتھ نہ تھی۔ اس کا م
شہزادی بچ کے کسی محفوظ مقام پر پہنچ گئی ہے کیا تم شہزادی کے وطن انطاکیہ گ

"نہیں سردار۔ ہم نے انطاکیہ کا تو رخ ہی نہیں کیا تھا۔" سرم نے بتا
واپس جا رہے تھے کہ ہمارا راستہ روک لیا گیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دمشق پہنچ گئی ہو۔ وہاں سے معلوم کرنا تھا؟"

"میں نے دمشق جانا مناسب نہیں سمجھا سردا۔"

"اچھا کیا۔ خیر اب اطمینان سے موصل میں رہو۔" پھر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "دمشق
سفارت جانے والی ہے اگر شہزادی وہاں پہنچ گئی ہے تو میں اسے ضرور تلاش کر لوں

"کیا آپ دمشق جا رہے ہیں سردار؟" سرم بے چین ہو گیا۔

"ہاں سرم۔ اب تک تو میں جانے والا تھا لیکن شاید اب اس میں کچھ تبدیلی ہو
۔"

"کیوں سردار۔ آپ دمشق ضرور جایئے۔ آپ جائیں گے تو شہزادی کو ضرور تلاش کر
لیں گے۔"

"اور اگر تم دمشق جاؤ تو؟"

"میں کیسے جا سکتا ہوں سردار۔" انز نے شاہ دمشق کو خوب کان بھرے ہوں گے۔ وہ
گرفتار کرانے کی کوشش کرے گا۔"

"کچھ بھی نہیں ہوگا سرم۔" اسد الدین مسکرایا۔ "اچھا پہلے میں تمہیں یہ بتادوں کہ
میں امیر زنگی کے پاس کس طرح پہنچا۔"

"ضرور۔ ضرور سردار۔ میں تو یہ سننے کے لئے بے چین ہوں مجھے اپنی کہانی ذرا تفصیل
سنایئے۔"

"میری کہانی!" اسد الدین مسکرایا۔ میری کہانی صرف ایک جملے میں ختم ہو جائے گی
اور ایک جملہ یہ ہے کہ میں اپنے آقا امیر زنگی سے ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں
ہوا۔"

"سردار!" سرم نے حیران ہو کر دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں۔ کیا فرما رہے ہیں آپ؟"

"سرم۔ یہ ایک راز تھا۔" اسد نے سنجیدگی اختیار کی۔ اور راز صرف اس وقت تک
رہتا ہے جب تک انسان کے سینے میں دفن رہے مگر اب یہ 'راز' راز نہیں رہا۔ دراصل
میں امیر کے ایک باغی سردار کا روپ دھار کر شہنشاہ قسطنطنیہ کے دربار میں گیا تھا۔ یہ ایک
بڑی خدمت تھی جسے میں نے امیر کے حکم پر تکمیل کے آخری مرحلے تک پہنچایا اور
شہنشاہ اور تمام نصرانی بادشاہ میرے آقا کے خوف سے محاصرہ چھوڑ کے بھاگ کھڑے
ہوئے تو میں بھی اپنے آقا کے پاس واپس آگیا"۔

سرم کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ "سردار آپ بڑے حیرت انگیز آدمی ہیں۔"

"تم بھی بہت جلد ایک حیرت انگیز آدمی بن جاؤ گے۔" اسد الدین پھر مسکرایا۔ "میرا
ارادہ ہے کہ میں امیر کو تمہیں دمشق کی سفارت پر بھیجنے کے لئے رضامند کر لوں گا۔"

"سردار۔ یہ کیسی سفارت ہوگی۔ کچھ مجھے تو بتائیے؟" سرمر کا ایک ج
فارغ ہوا تو دوسری حیرت میں الجھ گیا۔

"غور سے سنو سرمر۔" اسد الدین سنبھل کے بیٹھ گیا۔ "تم اس بات
گے کہ دمشق نے نصرانیوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے کردار پر ایک
ہے۔"

"سردار۔ قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔" سرمر نے کہا۔ "اس میں شا
قصور نہیں۔ دمشق کی حکومت پر معین الدین انز چھایا ہوا ہے۔ یہ سب ا
ہے۔ شاہ عالی مقام اس سلسلے میں بالکل بے قصور ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ہ
اس بات کی قسم کھا سکتا ہوں۔"

"میرے آقا کا بھی یہی خیال ہے سرمر۔" اسد الدین نے کہا۔ "انہیں
پر سخت غصہ ہے۔ دمشق کے معاملات سنبھالنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو
بھرپور حملہ کر کے اس کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائے یا پھر معین
انز کو کسی سیاسی چال سے زائل کیا جائے۔ دمشق سے جنگ کی صورت میں
دمشق کا ساتھ دے گا۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کا مسلمانوں کے ہاتھو
بلکہ نصرانی مسلمانوں کی طاقت کی کمزوری سے فائدہ اٹھائیں گے ممکن ہے کہ
ریاستیں بھی مسلمانوں کی اس خانہ جنگی میں شامل ہو جائیں اور ایک بار
طاقت کو ملک شام کا رخ کرنے کا موقع مل جائے۔"

"سردار نے جو کچھ فرمایا اس میں ذرا برابر بھی شبہ نہیں بلکہ حالات اس
ہو سکتے ہیں۔" سرمر نے بڑی پریشانی کے عالم میں کہا۔ "سردار کیا کوئی دوسری
ہو سکتی جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟"

"دوسری صورت موجود ہے سرمر۔" اسد الدین بولا۔ "اسی کو میں نے
نام دیا ہے۔"

"مجھے سمجھائیے سردار۔" سرمر نے جلدی سے کہا۔ "دمشق کی تباہی
میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"تم نے شاہ دمشق کی والدہ محترمہ کو تو دیکھا ہوگا؟"

اسد الدین کے اس اچانک سوال سے سرمر گھبرا گیا۔ "سردار۔ آپ کا ا
زمرد خانم کی طرف ہے۔"

"ہاں۔ ہاں سرمر۔ میں انہی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔" اسد الدین نے

"ملکہ مادر بڑی نیک' ملنسار اور سمجھ دار خاتون ہیں۔" سرمر نے بتایا۔ "ان کے بھی
ضروری کام میرے ہی سپرد ہیں۔ ہفتے میں ایک دوبار مجھے ان کے محل میں حاضری دینا
ہے۔ ملکہ مادر پردے کی سخت پابند ہیں۔ معین الدین انز سے انہیں بڑی نفرت ہے مگر
انز کا اثر زائل نہیں کر سکتیں۔"

"تم نے ملکہ مادر کی پوری تفصیل بیان کر دی سوائے ایک بات کے۔" اسد الدین نے
کرا کے کہا۔

"آپ اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں سردار؟" سرمر نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہی کہ ان کی عمر کیا ہے اور شکل و صورت؟"

"نہایت دل آویز شخصیت کی حامل ہیں۔ عمر پینتیس سال ہے مگر دیکھنے میں تیس سے کم
معلوم ہوتی ہیں۔" سرمر نے متجسس نظروں سے اسد لادین کو دیکھا۔ "مگر آپ یہ سب کچھ
کیوں معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہمارے امیر زنگی اور ملکہ مادر زمرد خانم کی جوڑی کیسی رہے گی؟" اسد الدین نے
سرمر کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"جی...... سردار......!"

"اس کی شادی ہو جائے تو کیسا رہے گا؟"

سرمر چند لمحے سوچتا رہا پھر سرہلاتے ہوئے بولا۔ "اب میں سمجھا سردار۔ خدا کی قسم
اگر ایسا ہو جائے تو پھر پو بارہ ہیں۔ ایک پنتھ دو کاج کی مثال پوری صادق آئے گی۔ کسی کی
نکسیر بھی نہیں پھوٹے گی اور معین الدین انز کا اثر و دبدبہ ختم ہو کر رہ جائے گا۔ مگر یہ
بیل منڈھے کیسے چڑھے گی۔"

"یہ کام تمہیں کرنا ہوگا سرمر میں چاہتا ہوں کہ کامیابی کا سہرا تمہارے گلے میں ڈالا
جائے۔"

"مگر کیسے سردار۔ انز تو مجھے دیکھتے ہی نہ معلوم کیا کر بیٹھے۔" سرمر میں گھبراہٹ پیدا ہو
گئی۔

"تمہیں فکر کی ضرورت نہیں سرمر۔" اسد الدین نے اسے حوصلہ دیا۔ "اس سیاسی
شادی پر میرے اور امیر زنگی کے درمیان بہت گفتگو ہوئی ہے۔ دمشق کو خون خرابے سے
بچانے کی یہی واحد ترکیب ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں براہ راست ملکہ مادر سے گفتگو کی
کوشش کروں۔ لیکن ملکہ مادر کے لئے میں اجنبی ہوں مگر تم اسی دربار سے وابستہ ہو۔ ملکہ
مادر کو قائل کرنے اور ان کی تائید حاصل کرنے میں جو کردار تم ادا کر سکتے ہو وہ میرے

لئے مشکل ہے۔"

"میں آپ کا تابعدار ہوں سردار۔" سرم نے سر تسلیم خم کر دیا۔" آپ جو
گے وہ بجالاؤں گا۔"

"سرم تمہارے دمشق جانے میں فائدے کی ایک اور صورت بھی نظر آئی ہے
الدین نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر شہزادی جینا وہاں موجود ہے تو تمہارا نام سنتے ہی
پاس آجائے گی۔"

سرم خوش ہو گیا۔ "سردار۔ اگر ایسا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ ایک پنتھ دو
بجائے ایک پنتھ تین کاج ہو جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے سرم کا چہرہ دلی مسرت
اٹھا۔

دوسرے دن اسد الدین ' امیر زنگی کے پاس جانے کی تیار کر رہا تھا کہ امیر
آگیا۔

"امیر عالی مقام نے اپ کو یاد فرمایا ہے سردار اسد الدین ۔" غلام نے اسد
اطلاع دی۔

"خیر تو ہے؟" اسد الدین گھبرا گیا۔ امیر زنگی اپنے سرداروں کے ساتھ بڑا سخ
اس کی اس سختی کی وجہ سے ہر سردار امیر سے خائف رہتا تھا۔

"بظاہر خیریت معلوم ہوئی ہے سردار۔" غلام نے رسمی سا جواب دیا۔ "سوا
کے کہ امیر عالی مقام رات بھر کچھ بے چین سے رہے ۔ شاید پوری نیند بھی
سکے۔"

"چہرے پر خفگی کے آثار تو نہیں؟" اسد الدین نے مزید اطمینان کے لیے پوچ
"خفگی تو نہیں لیکن چہرے سے کسلمندی ظاہر ہوتی ہے۔"

اسد الدین نے سرم کو جلد تیار ہونے کا اشارہ کیا پھر وہ دونوں غلام کے ساتھ
کے محل روانہ ہوئے۔

امیر زنگی حد درجہ بے چین تھا۔ وہ اپنے خاص کمرے میں ٹہل رہا تھا اور قا
فرش پر بھی اس کے بھاری قدموں سے دھمک پیدا ہو رہی تھی۔ اسد الدین داخل
امیر نے اسے سلام کا موقع نہ دیا اور قدم روک کر اسد الدین کو غور سے دیکھا۔
الدین تمہاری آنکھوں میں خمار موجود ہے۔ کیا رات بھر جاگتے رہے ہو؟"

اسد الدین کو امیر کے نرم لہجے سے حوصلہ پیدا ہوا۔ سنبھل کے بولا۔ "کل
کی اہمیت نے غلام کو رات بھر سونے نہیں دیا۔" اس کے ساتھ ہی اسد الدین ذرا

بجالایا۔ سرم نے بھی اس کی تقلید میں امیر کو بڑے سلیقے سے سلام پیش کیا۔
امیر نے سرم کی طرف اشارہ کیا۔ "تمہارے ساتھ یہ اجنبی کون ہے؟"

"یہ میرا بااعتماد دوست ہے۔" اسد الدین نے کہا۔ "قلعہ شیزار کے محاصرے کے
میں نے ان کے خیمے میں قیام کیا تھا۔"

"اوہ - یہ وہ شخص ہے جس کو تم نے میرے پاس آنے کا مشورہ دیا تھا۔" امیر کو
یاد آگیا۔ اسد الدین نے امیر سے سرم کا غائبانہ تعارف کرا دیا تھا۔ سرم اور شہزادی
کی محبت کے بارے میں بھی اس نے امیر کو بتا دیا تھا۔

"امیر عالی مقام کی یاد داشت کی غلام تعریف نہیں کر سکتا۔" اسد الدین نے عاجزی
ہا۔ "مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں امیر عالی مقام سے سرم کا غائبانہ تعارف کرا چکا ہوں۔"

"سرم۔" امیر نے یہ نام دہرایا۔ "یاد آیا۔ تم نے یہی نام بتایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ
یہ بھی کہا تھا کہ اس کا تعلق شاہ دمشق کا محافظ دستے سے ہے۔"

"بجا ارشاد فرمایا امیر محترم نے۔" اسد الدین نے اثبات میں سر کو بھی جنبش دی۔
خدمت کے علاوہ سرم کے سپرد ملکہ مادر کے تمام ضروری احکامات کی تعمیل بھی ہے
میں دو چار بار انہیں ملکہ مادر کے حضور میں ضرور پیش ہونا پڑتا ہے۔"

"خوب۔ بہت خوب۔" اور امیر زنگی کچھ سوچنے لگا۔ امیر کو فکر میں ڈوبا دیکھ کر اسد
تھوڑی دیر خاموش رہا پھر ادب سے بولا۔ "امیر محترم نے اس غلام کو جو عزت بخشی
اس نے میرے حوصلے بلند کر دئے ہیں اور میں اکثر اپنی حد سے تجاوز بھی کر جاتا
"

امیر نے قدرے ناگواری سے اسدالدین کو دیکھا۔ "کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہے تم
"

"جی ہاں امیر محترم۔" اسد الدین نے مجرم کی طرح سر جھکا دیا۔ "سرم دربار دمشق
محلات شاہی کا راز دار اور محرم خاص ہے خادم نے بغیر امیر محترم کی اجازت حاصل کئے
اس سے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے جس کی تکمیل کے لیے مجھے منتخب کیا گیا ہے امید ہے کہ
اس جسارت کو معاف فرمایا جائے گا۔"

"اسد الدین - یہ تمہاری غلطی نہیں بلکہ صحیح راستے کی تلاش ہے۔" امیر کے چہرے
ک سی آگئی۔ "میرا خیال ہے کہ سرم نے تمہیں ضرور کوئی بہتر مشورہ دیا ہوگا۔"

"امیر کی عقل رسا کی داد دینے کو دل چاہتا ہے۔" اسد الدین نے سنبھل کے کہا۔
سرم کو اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ اسے ہمارے منصوبے سے نہ

صرف اتفاق ہے بلکہ اس اہم خدمت کے لئے سرم نے اپنی خدمت پیش کی ہے
بہت خوب۔ میرا اندازہ صحیح نکلا۔" امیر پھر ٹہلنے لگا پھر رک کر بولا۔ "
محسوس ہوا تھا کہ تم معین الدین کی وجہ سے دمشق جانے میں کچھ ہچکچاہٹ م
ہو۔ سرم کے جو حالات تم نے مجھے بتائے تھے اس کے پیش نظر اس کا دمشق
زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ کیوں یہی ہے نا تمہارا خیال؟"

"بالکل یہی امیر محترم۔ میں یہی فیصلہ کرکے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"ہوں۔" کہہ کر امیر، سرم سے مخاطب ہوا۔۔ "تم کیوں خاموش ہو
سہی؟"

"امیر محترم تو دل کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ مجھے بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"
ادب سے کہا۔

"تم اچھی گفتگو کرسکتے ہو سرم مجھے خوشی ہوئی۔" امیر نے اس کے طرز
دی۔

"عزت اور ذلت تو خدا کے اختیار میں ہے امیر عالی مقام۔" سرم نے کہا۔ "
ملکہ مادر کو انشاء اللہ قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ملکہ عالیہ مجھ پر پورا
ہیں۔ صرف بدبخت معین الدین انز کی مخالفت کا خیال ہے۔ بہرحال میں اس سے
کی کوشش کروں گا۔"

"انز بڑا چالاک ہے۔ اسے کس طرح رام کرو گے جب کہ وہ تمہارے
ہے۔"؟ امیر نے فکر مندی سے پوچھا۔

"امیر محترم۔ معین الدین انز کے شر سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت
میں نے سردار اسد الدین سے بیان کردی ہے۔ " یہ کہتے ہوئے سرم نے اسد
طرف دیکھا۔ اسد الدین اپنی جگہ سنبھل گیا۔

"اسد الدین ۔ بیان کرو سرم نے کیا تدبیر سوچی ہے۔؟" امیر زنگی نے اسد ال
سوال کیا۔

"عالی مقام امیر۔" اسد الدین نے کہنا شروع کیا۔" سرم کا خیال ہے کہ شادی
شاہ دمشق کے بجائے براہ راست ملکہ مادر کو بھیجا جائے اور سرم کو تاکید کی جا
عرض مدعا صرف ملکہ مادر کے سامنے کرے۔"

"مگر سفارت تو حکمراں کی طرف سے حکمراں کے پاس جاتی ہے۔ انز سفارت
و غایت معلوم کرنے پر بضد ہو گا۔" امیر زنگی کو اس رائے سے الجھن محسوس ہوئی

"امیر والا تبار۔ آپ یہ بات اس ناچیز پر چھوڑ دیں۔" سرم نے پورے یقین سے کہا۔
گر امیر مجھے صرف ملکہ مادر کے حضور میں پیغام پیش کرنے کا حکم دیں تو میں انز کو سنبھال
گا اور اس کی ایک نہ چلنے دوں گا۔ میں انز کی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ وہ مجھے مادر
کے پاس جانے سے نہ روک سکے گا۔"

امیر بہت دیر تک غور کرتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ "سرم اس مہم کو میں بہر صورت
یاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہاری یہی رائے ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر پیغام
یری کے بجائے زبانی ہوگا۔"

"امیر محترم کے حکم کی تعمیل ہوگی۔" سرم نے پر عزم لہجے میں کہا۔ میرے ساتھ
صل کے چند شرفا اور سردار ہوں گے جو وقت ضرورت میرے بیان کی دربار دمشق میں
دیق کریں گے۔"

"ٹھیک ہے اور کوئی بات کہنا چاہتے ہو۔؟" امیر زنگی نے گفتگو مختصر کی۔

"میرے ساتھ جانے والوں میں موصل کا قاضی شہر بھی ہوگا۔" سرم نے بے دھڑک
ا۔ "قاضی شہر نکاح پڑھائے گا اور موصل کا ایک امیر آپ کی طرف سے "ایجاب و قبول
کا فرض ادا کرے گا۔"

امیر نے چونک کے سرم کو دیکھا ۔ "سرم کیا تمہیں اپنی کامیابی کا اسی قدر یقین
؟"

"عالی مقام امیر۔ میں انشاء اللہ ملکہ مادر کا ڈولا لے کر موصل واپس آؤں گا۔"

"آمین!" اسد الدین کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔

امیر زنگی بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا۔ .اس کا مطلب ہے کہ شادی کے تمام لوازمات
تمہارے ساتھ بھیجنا ہوں گے۔"

سرم نے سر اٹھا کے امیر زنگی کو دیکھا ۔ امیر کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

رشتہ

زمرد خانم کا یہ معمول تھا کہ وہ صبح کو دیر سے اٹھتیں پھر ناشتہ کر کے دوپہر سوتی رہتیں۔ اس وقت بھی وہ سو کے اٹھی تھیں طلائی تسلہ آگے رکھا تھا اور وضو کے گنگا جمنی جگوں میں بھرا ہوا پانی کنیزیں لیے کھڑی تھیں۔ زمرد خانم نے ایک شان اعتنائی سے لانبی سیاہ زلفیں سمیٹیں اور وضو کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے۔ ایک کنیز ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ زمرد خانم نے چہرے پر پہلا چھینٹا مارا تھا کہ ایک کنیز ہوئی ان کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ زمرد خانم کے ہاتھ جہاں تھے وہیں رک گئے تیوریاں کھنچ گئیں۔

"کسے موت آئی ہے؟" زمرد بیگم نے بڑے ناگوار انداز سے کنیز کو دیکھا۔ "کون آیا سویرے سویرے۔ ہم چین سے سو بھی نہیں سکتے؟"

"وزیراعظم معین الدین انز آیا ہے۔" کنیز نے بھی یوں کہا جیسے اس کے ذائقہ کڑوا ہو گیا ہو۔ "فوراً قدم بوسی کا خواہش مند ہے"۔

اسے رات بھر نیند نہیں آتی کیا۔ روز صبح صبح آدھمکتا ہے"۔ زمرد خانم نے پھ شروع کر دیا۔ زمرد خانم کی منہ چڑھی کنیز "لقا" قریب کھڑی تھی۔ وہ ہنس کے بولی۔ مادر۔ اس غریب کی حالت پر رحم فرمائیے۔ وزیراعظم انز اپنی بیوی کو تو کئی سال پہلے تو ہے رات بھر کروٹیں بدلتا ہے اور۔۔۔اور۔۔۔"

"ہاں ہاں، کہہ نا، مردار تیری زبان بہت چل نکلی ہے"۔ ملکہ مادر کی ڈانٹ میں

پیار بھرا تھا۔

"میں کیوں کہوں اپنے منہ سے مگر لوگ ضرور کہتے ہیں"۔ لقا اب تک ہنس رہی تھی۔

ملکہ نے لقا کو گھورا۔ "ٹھہر جا۔ وضو کر لوں پھر بتاتی ہوں تجھے"۔

"مگر ملکہ حضور۔ اس طالب دیدار کو کیا جواب دیا جائے۔ وہ غریب کب تک انتظار کرے گا؟"

"لقا کی بچی"۔ ملکہ مادر چیخ اٹھی۔ "تجھے انز سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو اس کے گھر بس جا۔ ہم آج اس سے تیری سفارش کریں گے اور واپسی پر تجھے اس کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔"

لقا گھبرا گئی۔ اس نے جلدی سے زمرد خانم کے پیر پکڑ لیے۔ "خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے گا ملکہ مادر۔ اس کھوسٹ کو دیکھ کر خوف آتا ہے۔ کیسا بھیانک چہرہ ہے اس کا۔ حضور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو قتل کرا دیا تھا۔"

زمرد خانم نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور وضو کرنے میں مشغول ہو گئیں۔ لقا نے ان کے چہرے سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ واقعی سنجیدہ ہو گئی ہیں اور ممکن ہے کہ اسے انز کے حوالے کر دیں۔ لقا نے بھی پیر نہ چھوڑے اور برابر خوشامد کرتی رہی یہاں تک کہ زمرد بیگم نے پیر دھونے کے لیے پیچھے کھینچے۔

"چھوڑ کم بخت۔ کیوں سر ہو گئی ہے"۔ زمرد بیگم کا لہجہ نرم پڑ گیا تھا۔

"نہیں چھوڑوں گی حضور۔ چاہے قتل کر دیجیے"۔

"اچھا کیا چاہتی ہے؟"

"پہلے وعدہ کیجیے کہ آپ مجھے اس شیطان کے حوالے نہیں کریں گی"۔ لقا گڑگڑانے لگی۔

زمرد بیگم ہنس پڑی۔ "پاگل ہو گئی ہے تو۔ ہم اپنی وفادار کنیز کو موت کے حوالے کس طرح کر سکتے ہیں۔ انز موت سے بھی زیادہ خطرناک ہے لقا۔ اس نے ہمارے گرد ایسا جال بچھا رکھا ہے کہ ہم اپنی موت مر بھی نہیں سکتے"۔ زمرد بیگم کا ہنستا ہوا چہرہ غمگین ہوتا چلا گیا۔

"ملکہ مادر۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ احتیاط فرمائیے"۔ لقا نے سرگوشی کی۔

زمرد خانم فوراً سنبھل گئیں۔ بات بدل کے بولیں۔ "ہم آج وزیر اعظم سے درخواست کریں گے کہ وہ ہم پر اعتماد کریں۔ ہمیں دوسروں سے ملنے جلنے دیں۔ سلطنت

دمشق ہمیں ان سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنے ملک کے خلاف کسی سازش میں شریک ہو سکتے"۔

"درست فرمایا ملکہ مادر نے"۔ چالاک لقا نے بات بنائی۔ "ہمارے وزیراعظم صورت کے کتنے ہی بھیانک ہوں مگر ان کا دل بہت خوب صورت ہے"۔

"تو پھر آج تیری سفارش کی جائے؟" ملکہ مادر نے سنجیدہ گفتگو کو پھر مذاق میں دیا۔ "انز کے خوب صورت دل کی قدر تو تیرا ہی خوب صورت دل کر سکتا ہے"۔

"مگر حضور۔ میرا دل تو ان زلفوں میں اٹک گیا ہے"۔ لقا ملکہ کی زلفوں پر پھیرنے لگی۔

ملکہ نے وضو کے بعد قضا نماز پڑھی پھر وزیراعظم انز کو اپنے حضور طلب کیا۔ ملکہ ملاقات کے کمرے میں درمیان میں چلمن ڈال دی جاتی تھی۔ ایک طرف ملکہ بیٹھ دوسری طرف ملاقاتی حسب حیثیت کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ملکہ سے گفتگو کرتا تھا۔ ملکہ ملاقات کرنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ حالانکہ ملکہ مادر زمرد خانم سل دمشق کی سب سے اہم ہستی تھی۔ مجیرالدین آبق جس کی مسیں ابھی بھیگنا شروع ہوئی وہ ملکہ زمرد خانم کا بیٹا اور دمشق کا اصل حاکم اور امیر تھا مگر اس کی کمسنی کی وجہ کاروبار سلطنت ملکہ مادر کے ہاتھ میں تھا اور ہر اہم کام کا آخری حکم ملکہ مادر ہی صادر تھیں۔ زمرد خانم بظاہر بااختیار تھی لیکن حقیقت میں اس کی حکمرانی صرف شاہی محلات محدود تھی دمشق کا عملی اور حقیقی حاکم وزیراعظم انز تھا۔

معین الدین انز بڑا شاطر اور عیار وزیر تھا۔ دمشق کی فوج کے تمام بڑے سردار ا دم بھرتے تھے۔ اور سوائے چند دستوں کے پوری فوج انز کا حکم مانتی تھی۔ انز چاہتا تو د پر خود قابض ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ نو عمر آبق کو دین دنیا کا ہوش ہی نہ تھا۔ محل کی تمام نوخیز کنیزیں ہر اسے گھیرے رہتی تھیں اور آبق کرشن کنھیا بنا ان گوپیوں سے کھیلتا رہتا تھا۔ محلات تمام کنیزیں اور غلام انز کے مقرر کردہ تھے اور اس کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ معین ا انز اس قدر طاقتور تھا کہ اس نے جس وقت موصل کے امیر عمادالدین زنگی کے خل عباسیوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو کسی کو مخالفت کرنے کی جرات نہ ہوئی اور ملکہ مادر بیٹے کے قائم مقام کی حیثیت سے دستخط کر دیے جس کی رو سے دمشق کی فوج کو عبا کے لشکر میں شامل ہو کر امیر زنگی کے خلاف جنگ کرنی تھی۔

ملاقات کے کمرے میں وزیراعظم معین الدین انز پہلے سے موجود تھا۔ جس وقت

کمرے میں داخل ہوئی نقیب کنیز نے آواز لگائی۔ "باادب۔ ملکہ مادر۔ تاج دمشق زمرد تشریف لا رہی ہیں"۔

مرحوم شاہ دمشق نے زمرد بیگم کے حسن و جمال کی وجہ سے اسے "تاج دمشق" کا یا تھا۔ شاہ کی زندگی میں زمرد بیگم اسی لقب سے پکاری جاتی تھیں لیکن اس کے کے بعد محلاتی اور درباری اسے ملکہ مادر کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ اس نام کی لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی۔

نقیب کی آواز پر انز جلدی سے اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بڑے ادب سے سلام پیش کیا۔ ملکہ مادر کے دل میں کچھ بھی ہو مگر اس کی گفتگو کا انداز بڑا دلکش ہوتا اس نے مترنم آواز میں کہا۔ "معین الدین۔ ہمیں امید ہے کہ تم ضرور کوئی اہم مسئلہ ہمارے پاس آئے ہو اور یہی تمہاری دیانت کی دلیل ہے"۔

"غلام۔ ملکہ مادر کے درست اندازے کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا"۔ انز نے بڑی ے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ دمشق کا کاروبار سلطنت صرف ملکہ مادر کی فراست کے چل رہا ہے ورنہ ایک زبردست دشمن کی موجودگی میں دمشق کے خواص عوام چین نہ سو سکتے"۔

"معین الدین تمہاری وفاداری کا یہ تقاضا ہے کہ ہم تمہاری ان مبالغہ آمیز باتوں کو ارا کریں"۔ ملکہ مادر نے ہلکا سا طنز کیا۔ "تم لوگوں کے مجبور کرنے پر ہی ہم نے آبق تی اور اس کی بجائے حکومتی ذمہ داریاں اٹھانے کی رضا مندی ظاہر کی تھی مگر تم کہیں زیادہ سمجھ دار ہو۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم بار بار ہمارے پاس آنے کی زحمت کی بجائے خود ہی فیصلے کر لیا کرو اور صرف اعلان اور فرمان ہمارے دستخطوں کے بھجوایا کرو"۔

معین الدین انز گھبرا گیا۔ ملکہ مادر کے لہجے کی تلخی ابھر کر سامنے آگئی تھی۔ "ملکہ اس غلام کی آپ کے سامنے کیا حیثیت ہے۔ خادم کی ہر بات محض ایک مخلصانہ ہوتی ہے۔ ملکہ مادر ایسے تمام مشوروں کو رد کر سکتی ہیں جو ملکہ کے مزاج کے خلاف

"کچھ بھی سہی انز"۔ ملکہ اکتا رہی تھی۔ "ہم اپنی طرف سے کوئی ایسا قدم اٹھانے کی نہیں کریں گے جس سے دمشق کے وفاداروں کو یہ شبہ ہو کہ ہمارے اور تمہارے کسی قسم کا اختلاف ہے"۔

"ملکہ مادر۔ میں آپ کا تابعدار ہوں۔ آپ کی ذرا سی ناراضگی پر میرا دل رونے لگتا

ہے"۔ معین الدین انز ہر ملاقات پر ملکہ سے اپنے دل کا رونا روتا تھا مگر ملکہ
ہوئے بھی کسی سخت رد عمل کا اظہار نہ کرتی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ انز
ہی کھل گیا۔

ایک لمحہ رک کر انز بولا۔ "ملکہ مادر یقین فرمایئے کہ میں تمام زندگی آپ
میں گزارنے کا خواہش مند ہوں"۔

"ہمیں تمہاری وفاداریوں کا احساس ہے اور ہم اس کی دل سے قدر بھی
ملکہ مادر نے بھی انز کو الجھا کر رکھ دیا۔ "انز ہماری خدا سے دعا ہے کہ وہ
دمشق کی خدمت کے لیے عمر خضر عطا فرمائے۔ ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ
اور امیر آبق کی خدمت پر اس قدر کنیزیں غلام اور خواجہ سرا مقرر کیے ہیں
بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنی خدمت کے لیے اب کسی اور کنیزیا خدمت گا
نہیں"۔

معین الدین انز نے بڑی حیرت سے چلمن کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے
باتوں باتوں میں زمرد خانم کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر چکا تھا مگر ملکہ
عارفانہ سے کام لے کر اس کی بات کو بڑی خوب صورتی سے کاٹ چکی تھی۔
زندگی کی طرف سے وہ پہلے ہی پریشان رہتی تھی۔ اب اگر وہ انز کی زوجیت میں
وہ پوری طرح سے انز کے جال میں پھنس جاتی اور اس طرح اس کا رہا سہا وقار
کر رہ جاتا اور انز کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہونے کے
سلطنت دمشق پر بلا شرکت غیرے قبضہ ہو جاتا۔

انز کو خاموش دیکھ کر ملکہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ اپنی بات کو پھر کہ
کہے۔ اس لیے اس نے فوراً پیش بندی کی۔ "معین الدین کسی بات سے تم
ہوتے ہو اور شاید یہی فکر تمہیں ہمارے پاس لائی ہے؟"

"جی ملکہ مادر۔ "آپ نے صحیح فرمایا"۔ انز ایک ٹھنڈی سانس لے کر
دراصل اس لیے حاضر ہوا تھا کہ سلطنت دمشق کے لیے خطرات پہلے سے زیادہ
اور اس کا تدارک بہت ضروری ہے"۔

"بے شک۔ ہمیں بھی اس کا احساس ہے۔ پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو اس لیے
معین الدین انز سنبھل کے بیٹھ گیا۔ "ملکہ مادر۔ میں اس بات کو واضح کر
کہ جب تک شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس اور ان کے... تمام عیسائی حکمراں
موجود تھے تو ہماری پشت بہت مضبوط تھی اور کوئی دمشق کی طرف آنکھ اٹھا کر

ران کے جانے کے بعد ہم بالکل تنہا ہو گئے ہیں۔ عیسائی حکمران بھی اپنی اپنی سلطنتوں
پس ہو چکے ہیں۔ ایسے میں اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو ہم کس سے مدد مانگیں گے؟"

"معین الدین"۔ ملکہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ "خیال ہے کہ سلطنت دمشق اور خاص
مارے اور یروشلم کے شاہ بالڈون کے درمیان بڑے دوستانہ مراسم موجود ہیں۔ بالڈون
ہمارا پہلے بھی ساتھ دیا ہے۔ خدانخواستہ اگر ہم پر وقت آن پڑا تو بالڈون خاموش
نہیں بنا رہے گا"۔

"ملکہ مادر نے میرے دل کی بات اپنی زبان مبارک سے ادا کر دی"۔ انز خوش ہو گیا۔
ں اور یروشلم میں دوستی کے دیرینہ تعلقات ہیں اور ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیتے
ہیں مگر یہ تمام تعلقات زبانی کلامی ہیں۔ ہمارے درمیان نہ کوئی معاہدہ ہے اور نہ کوئی
رشتہ اگر شاہ بالڈون کسی وقت ہماری مدد سے انکار کر دے تو اسے کون الزام دے
ہے"۔

"ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھے معین الدین"۔ ملکہ مادر الجھ گئی۔ "کیا تم بالڈون سے
م کا معاہدہ کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں ملکہ"۔ انز نے فوراً جواب دیا۔ "دمشق اور یروشلم کے گہرے اور پختہ
دونوں حکومتوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے"۔

"تو پھر اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ جس طرح کا معاہدہ چاہو کر سکتے ہو"۔ ملکہ
کی تائید کی۔

"اگر یروشلم کے سے معاہدہ کے ساتھ رشتے کا بندھ بھی قائم ہو جائے تو پھر ہماری
س قدر مضبوط ہو جائے گی کہ کوئی دشمن بھی ہمارے مقابلے پر آنے کی جرات نہیں
گا"۔

ملکہ نے پریشان نظروں سے انز کو دیکھا۔ معاہدے کی بات تو اس کی سمجھ میں آئی تھی
ز رشتے کا بندھن کس طرح قائم کرنا چاہتا ہے۔ کہیں انز اور شاہ بالڈون مل کر دمشق
لاف کوئی سازش تو نہیں کر رہے ہیں۔ ملکہ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس نے غصے
ا۔ "معین الدین اگر تم دمشق کے شاہی وقار کو بالڈون کے قدموں میں ڈالنا چاہتے
ہ خیال خام ہے۔ ہم اس سلسلے میں کوئی بات سننا نہیں چاہتے تمہیں ہمارے بارے
ر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود مختار ہیں اور آزاد ہیں اگر ہمیں کبھی اپنے
ا کے بارے میں سوچنے کا خیال پیدا ہوا تو ہم خود ہی فیصلہ کریں گے۔ تمہارے

مشورے کو اس میں کوئی دخل نہ ہو گا"۔

"ملکہ مادر"۔ معین الدین انز کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ نے
وفادار کو سمجھنے میں غلطی کی۔ اور کبھی"۔

"معین الدین انز!" ملکہ بپھر گئیں۔ "تمہیں ہماری غلطی پکڑنے کی جرات کیسے ہوئی
تم ہوتے کون ہو ہمارے ذاتی معاملات میں بولنے والے اگر آج شاہ مرحوم موجود نہیں
تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم، جسے شاہ نے ایک ادنیٰ سردار سے وزیراعظم بنایا
طرح ہمارے سر چڑھ کے بولو۔ سلطنت دمشق کی ملکہ مادر کی توہین کرو۔ یاد رکھو
الدین۔ تم ہمیں بے بس نہیں کر سکتے۔ حکومت کی ذمہ داریاں اس وقت بھی ہم پر
ہیں اور میرے ہی بیٹے امیر مجیرالدین آبق کے نام کا سکہ ارض دمشق پر چلتا ہے۔
چاہیں تو تمہیں اس عہدے سے برخاست کر سکتے ہیں"۔

ملکہ مادر کے جلال کے سامنے انز کو دبنا پڑا۔ اس نے نیچی آواز میں کہا۔ "ملکہ
سے غلطی ہوئی ہے تو درگزر فرمایئے۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ شاہ یروشلم"۔

"خاموش ہو جاؤ معین الدین"۔ ملکہ نے سختی سے اسے ڈانٹا۔ "ہم یروشلم کے
کے بارے میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتے"۔

"غلام کی اس غلطی کو بھی معاف فرمایئے ملکہ مادر"۔ انز کا عجز بڑھتا جا رہا تھا۔
شہزادی یروشلم کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔

ملکہ زمرد خانم نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ "شہزادی یروشلم کے ذکر کا یہ
موقع ہے؟"۔

"میں یروشلم کی شہزادی کا رشتہ اپنے شاہ مجیرالدین آبق والئی دمشق کے لیے
ہوں"۔

انز کی بات نے ملکہ کو چونکا دیا۔ "کیا کہہ رہے ہو معین الدین کیا شاہ یروشلم
اپنی بیٹی کو ہمارے آبق کی کنیزی میں دینا چاہتا ہے؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے ملکہ مادر"۔ انز نے دبے الفاظ میں کہا۔ "اگر یہ
شہزادی اور امیر مجیرالدین آبق کا رشتہ ہو جائے تو آپ کا سر بلند ہو گا اور شاہ بالڈون
آپ کے آگے ہمیشہ کے لیے جھک جائے گا"۔

"معین الدین اگر یہ بات سچ ہے تو یہ معاملہ واقعی غور طلب ہے"۔ ملکہ نے
کے کہا اور جواب دینے کے بعد پھر گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

انز ملکہ کو غور و فکر کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا شاہانہ آداب مجلس کا

تھا کہ اگر حاکم وقت کسی مسئلے پر غور و فکر کرنے لگے تو درباری اس وقت تک خاموش
رہتے جب تک حاکم خود انہیں مخاطب نہ کرے مگر معین الدین صبر نہ کر سکا۔ اس نے
ملکہ کے غصے کی پروانہ کرتے ہوئے شاہی دستور کی خلاف ورزی کی۔ "ملکہ مادر، جنگی
حالات میں غور و فکر کا زیادہ موقع نہیں ملتا۔ غلام کے خیال میں یروشلم کی شہزادی اور
دمشق کے امیر مجیرالدین کی شادی نہایت مناسب ہے۔ وقت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ ملکہ کو
شادی کی اجازت بلا توقف دے دینا چاہیے؟"۔

ملکہ زمرد خانم کے خیال میں بھی یہ رشتہ بڑا اہم تھا مگر وہ فوراً فیصلہ کرنے پر آمادہ نہ
تھیں۔ "معین الدین ہم تمہاری اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ رشتہ مناسب ہے مگر
ہمارے خیال میں یہ کوئی جنگی معاملہ نہیں۔ شادی تو دو دلوں کا وہ شرعی بندھن ہے جس کی
دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے اپنا اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ پھر بھی ہمیں اس بارے
میں بہت کچھ سوچنا ہو گا۔ اس قدر عجلت کی بھی تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی"۔

"ملکہ مادر"۔ معین الدین کو غصہ آ گیا۔ "حالات پر آپ کی نظر نہیں ہے کیا ہم اس
وقت حالت جنگ میں نہیں ہیں۔ امیر زنگی کی خونخوار نظریں دمشق کی طرف لگی ہوئی ہیں۔
اور ہمارے دوسرے عیسائی حلیفوں کے واپس جانے سے اس کے حوصلے بلند ہو گئے
ہمیں نوشتہ تقدیر پر نظر رکھنی چاہیے۔ شاہ یروشلم سے رشتے اور دوستی کے بعد دمشق
کی حکومت اس قدر مضبوط ہو جائے گی کہ امیر زنگی اس طرف دیکھتے ہوئے خوف کھائے

"یہ سب کچھ ٹھیک ہے معین الدین"۔ ملکہ اکتا گئی تھی۔ "لیکن شادی بچوں کا کھیل
امیر مجیرالدین اس قدر کمسن بھی نہیں کہ اس سے گفتگو کیے بغیر ہم خود اس کی شادی کا
فیصلہ کر لیں۔ جہاں تک امیر زنگی کا تعلق ہے اس کے لیے ہمارا اندازہ ہے کہ وہ اب
دمشق کا رخ نہیں کرے گا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کے واپس جانے کی کوئی بھی وجہ ہو لیکن امیر
زنگی ضرور جانتا ہے کہ دمشق کے عیسائی حلیف اس سرزمین پر موجود ہیں"۔

معین الدین کو غصہ تو بہت تھا مگر ملکہ کی دلیل بھی درست تھی۔ ایک لمحہ سوچنے کے
بعد اس نے تلخی کی بجائے دوستی کی راہ اختیار کی۔ "ملکہ مادر۔ شاہی حرم میں صرف ایک
ہی ملکہ نہیں ہوا کرتی۔ حرم مختلف پھولوں کی خوشبو سے مہکتا ہے۔ شادی کے بعد اگر
امیر مجیرالدین کو افسوس بھی ہوا تو ان کی دل بستگی کا دوسرا انتظام کر دیا جائے گا۔ غلام چاہتا
ہے اس رشتے کو کسی صورت بھی نامنظور نہ کیا جائے بلکہ اسے جنگی حکمت عملی سمجھ کر
قبول کر لیا جائے"۔

"ٹھیک ہے معین الدین"۔ یہ کہتے ہوئے ملکہ جانے کے لیے کھڑی ہ
بہت جلد اس کا فیصلہ کریں گے"۔ اور ملکہ مادر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔
"غلام کا یہ بھی خیال ہے"۔
"وزیراعظم کا جو بھی خیال ہے وہ اپنے پاس رکھیں"۔ یہ آواز ملکہ ماد
تھی۔

وزیراعظم معین الدین انز کو معلوم نہیں تھا کہ ملکہ چلمن کے پاس
دوسرے کمرے میں جا چکی ہے۔ اس نے اپنی رو میں کہنا شروع کر دیا تھا لقا
کھڑی تھی۔ اس نے انز کو ہواؤں سے باتیں کرتے دیکھا تو فوراً ٹوک کر خامو
نے گھبرا کے چلمن کی طرف دیکھا تھا لقا وہاں کھڑی مسکرا رہی تھی۔
"کمبخت کہیں کی"۔ انز چڑ گیا تھا۔ "تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا ک
گئی ہیں۔ مجھے ان سے بہت ضروری باتیں کرنا ہیں"۔
"اب اور کون سی ضروری بات رہ گئی ہے وزیراعظم"۔ شوخ کنیز نے
"روز تو آپ صرف ایک شادی کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ آج آپ نے دو
چھیڑ دیا۔ اب کیا کسی تیسری شادی کا تذکرہ کرنا ہے؟"
"ہاں تذکرہ کرنا ہے۔ تو کون ہوتی ہے پوچھنے والی؟" معین الدین بڑبڑا
"خدا مجھے برے وقت سے محفوظ رکھے"۔ لقا درمیان میں پڑی چلمن سے
وزیراعظم کو مجھ پر اعتماد ہے تو مجھے بتا دیجیے کہ وہ تیسری کون بدبخت ہستی ہے
سے آپ کو دلچسپی ہے؟"
"وہ .... وہ ذلیل ہستی تو ہے لقا۔ ملکہ مادر کی منہ چڑھی کنیز۔ میں تج
گا"۔ اور انز باہر چلا گیا۔

سرم کے یقین دلانے پر امیر زنگی نے دمشق کی ملکہ مادر زمرد خانم
انتہائی قیمتی سامان تیار کرایا تھا تاکہ دمشق والے اس کی دولت اور امارت
جائیں۔ یہ تمام کام اس نے سرم اور اسدالدین کے مشورے سے کیا تھا۔
زیادہ خوش تھا کہ اسے دمشق میں شہزادی جینالو کے ملنے کی ایک موہوم ا
تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی عدم موجودگی اور لشکر سے اچانک غائب
مدارالمہام اور وزیراعظم معین الدین انز نے امیر دمشق اور ملکہ مادر کے خو
ہوں گے مگر اس نے خطرات کو قطعی نظرانداز کر دیا اور دمشق جانے کی ت
تیاری شروع کر دی۔

سرم کے جانے میں صرف دو دن باقی تھے کہ دمشق سے آنے والے ایک قافلے نے
ایسی خبر سنائی کہ سرم کا سفر دھرے کا دھرا رہ گیا۔ دمشق سے آنے والے قافلہ سالار
سرائے کے مالک کو وہ خبر سنائی اور خبر ایسی اہم تھی کہ سرائے سے نکل کر پورے
میں پہنچ گئی اور اس کی بازگشت کی آواز نے امیر زنگی کے دربار کو ہلا کر رکھ دیا۔ امیر
نے اسدالدین کو حکم دیا کہ کارواں سرائے کے ناظم اور قافلہ سالار کو فوراً دربار میں
کیا جائے۔ دوسرے دن ناظم سرائے اور قافلہ سالار لرزاں ترساں دربار پہنچے انہیں
علم نہ تھا کہ انہیں کس وجہ سے طلب کیا گیا ہے یا انہوں نے کون سا ایسا جرم کیا ہے
کی پاداش میں انہیں سرائے سے دربار تک سخت پہرے میں لایا گیا ہے۔ دربار میں بھی
ے سرم اور اسدالدین کے اور کوئی دوسرا اس راز سے واقف نہ تھا۔ تمام دربار بڑی
نی سے امیر زنگی کی آمد کا انتظار کر رہا تھا مگر ان کی بے چینی میں اس وقت اور اضافہ
جب امیر زنگی نے دربار برخاست کرنے کا حکم بھیجا اور قافلہ سالار اور سرائے ناظم کو
حضور محل میں طلب کیا۔ سرم اور اسدالدین کو بھی ان کے ساتھ آنے کا حکم دیا گیا

امیر زنگی کے حضور میں سرائے کا ناظم اور خبر کا راوی دمشق سے آنے والا تاجر پیش
تو امیر کا اشارہ پا کر اسدالدین نے گفتگو کا آغاز کیا۔ اس نے دونوں کا سر سے پیر تک
لیا اور پوچھا۔ "تم میں سے تاجر کون ہے اور سرائے کا مالک کون ہے؟"
سرائے کا مالک امیر کو دیکھ کر ایسا گھبرایا کہ اس کا حلق خشک ہو گیا اور اس کا جسم
لگا۔ اس وقت تاجر نے ہمت کی اور بڑے ادب سے سر جھکا کر بولا۔ "سردار محترم!
ں ہوں اور میرے ساتھ کھڑا ہوا یہ شخص سرائے کا ناظم ہے"۔
"اچھا تو اس خبر کے راوی تم ہو؟" اسدالدین کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا۔
"سردار کا اشارہ کس خبر کی طرف ہے۔ میں نے کوئی غلط خبر نہیں بیان کی عالی جاہ"۔
ی گھبرا گیا۔ اسے کیا علم تھا کہ جو بات اس نے محض تفنن طبع کے لیے بیان کی تھی
ا وجہ سے اسے زنگی دربار میں پیش ہونا پڑا ہے۔
"میں نے یہ نہیں کہا کہ تم نے کوئی غلط بات کہی ہے"۔ اسدالدین نے نرمی اختیار
"اچھا یہ بتاؤ کہ اس خبر میں کہاں تک حقیقت ہے کہ دمشق کے کمسن امیر مجیرالدین کا
شاہ بالڈون کی بیٹی سے ہو رہا ہے؟"
"سردار محترم! میں پھر عرض کروں گا کہ میں نے کوئی غلط بات نہیں کہی"۔ تاجر نے
صفائی پیش کی۔ "جہاں تک امیر دمشق اور شہزادی یروشلم کے رشتے کی بات ہے تو

حضور والا یہ کوئی افواہ نہیں بلکہ سراسر حقیقت ہے۔ آج دمشق کے کوچہ و بازار میں
کے تذکرے عام ہیں اگر سردار کو میری بات کا اعتبار نہیں تو کسی کو دمشق بھیج کر اس
تصدیق کی جا سکتی ہے"۔

"اسدالدین"۔ امیر زنگی نے آہستہ سے کہا۔ "تاجر جس یقین کے ساتھ کہہ رہا
اس کے پیش نظر اسے جھٹلانے کی وجہ نظر نہیں آتی۔ پھر بھی احتیاط کے طور پر تا
اس کے قافلے کو کچھ دن کے لیے موصل میں روک لیا جائے۔ آج سے ان لوگوں
حیثیت شاہی مہمان کی سی ہوگی۔ ان کے جملہ اخراجات دربار برداشت کرے گا"۔

اس مختصر گفتگو کے بعد دونوں کو رخصت کر دیا گیا۔ ان کے جانے کے بعد امیر
نے کہا۔ "اسدالدین۔ اسی وقت ایک تیز رفتار سوار دمشق بھیجا جائے جو اس خبر کی ت
کر کے جلد سے جلد واپس آجائے"۔

اسدالدین نے امیر کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ ابھی امیر کے پاس سے جا
فکر کر رہا تھا کہ ایک غلام نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ دمشق سے موصل کا ایک جا
آیا ہے اور بازیابی کا منتظر ہے۔ امیر زنگی نے اسے فوراً طلب کر لیا۔ امیر زنگی دمشق
شاطر مدارالمہام کی شاطرانہ چالوں سے واقف تھا۔ اس لیے اس نے دمشق کے گرد
جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا جو اسے دم دم کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ جاسوس نے ا
سامنے آتے ہی جو بات کہی اس سے تاجر کی خبر کی تصدیق ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ
الدین انز نے ملکہ مادر کو اس شادی کے لیے راضی کر لیا ہے اور انز کے کہنے کے
شاہ یروشلم نے اس شادی کی خود تحریک کی ہے۔ مزید یہ کہ دمشق کی رعایا نے اس
کی خوشیاں منانے کے لیے ابھی سے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

جاسوس یہ خبر دے کر پھر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا مگر موصل کے شاہی م
اداسی طاری ہو گئی۔ امیر موصل عمادالدین زنگی بھی بہت فکر مند تھا۔ اس نے زم
سے شادی کے پردے میں جو سیاسی چال چلنے کا منصوبہ بنایا تھا اس پر معین الدین
پھیر دیا تھا۔ سیاست کا یہ پودا سر اٹھانے سے پہلے ہی مرجھا گیا تھا۔ اس شب امیر ز
کھانا نہیں کھایا۔ اسدالدین اور سرم تمام رات فکر میں ڈوبے امیر کے سامنے بیٹھے رہ
سرم کی تو خیر حقیقت ہی کیا تھی۔ اسدالدین بھی امیر کو مشورہ دینے سے قاصر تھا۔
کے دوسرے سردار تو امیر کے سامنے زبان کھولنے کی بھی جرات نہ کر سکتے تھے۔

دوسرا دن بھی اسی غور و فکر میں گزر گیا۔ معین الدین انز نے امیر زنگی کو سیاسی
بھی شکست دے دی تھی۔ ان دونوں میں بڑی پرانی دشمنی تھی۔ انز کی جاگیر دمشق

تیس میل دور بعلبک میں تھی اور امیر زنگی نے اس جاگیر کو کچھ سال پہلے ہی تہ و بالا کر
کے دونوں کی دشمنی میں اور زیادہ سنگینی پیدا کر دی تھی۔ امیر زنگی کو انز کی اس چال کا کوئی
توڑ نظر نہ آتا تھا۔ ظاہر تھا دمشق اور یروشلم میں رشتے داری قائم ہو گئی تو دمشق کی طاقت
میں دگنا اضافہ ہو جانا تھا اور ایسی صورت میں امیر زنگی کے دمشق کی فتح کے خواب کبھی
شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتے تھے۔

دوسری شب امیر زنگی نے اچانک سر اٹھایا اور اتنا زور دار قہقہہ لگایا کہ پورا محل گونج
اٹھا۔ اسدالدین اور سرم حیران نظروں سے امیر زنگی کو دیکھ رہے تھے اور امیر تھا کہ
مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ وہ اس طرح مسرور نظر آرہا تھا جیسے
اس نے اپنے پرانے دشمن کو شکست دے دی ہو۔ اسدالدین اس قہقہے کا پس منظر معلوم
کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا مگر امیر سوائے مسکرانے اور شوخ نظروں سے ان دونوں
کو دیکھنے کے منہ سے ایک لفظ نہ ادا کر رہا تھا۔

امیر زنگی نے کھانا لگانے کا حکم دیا۔ اسدالدین اور سرم بھی دستر خوان پر موجود تھے
مگر چپ چاپ' ان کے حلق سے نوالہ نہ اتر رہا تھا دوسری طرف امیر زنگی بڑے اطمینان
و سکون سے کھانا کھا رہا تھا۔ وہ بالکل بے فکر نظر آرہا تھا۔ کھانے کے بعد امیر زنگی نے
اسدالدین کو تیز نظروں سے دیکھا۔

"اسدالدین۔ تمہارے صبر کی داد دینے کو جی چاہتا ہے"۔ امیر نے بڑے خوشگوار لہجے
میں کہا۔ "کیا تمہیں ہماری خوشی کا بالکل احساس نہیں؟"

"امیر محترم!" اسدالدین نے چونک کر جواب دیا۔ "آقا کی خوشی غلام کی خوشی اور آقا
کے غم غلام کے غموں سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے"۔

"یہ ہماری بات کا جواب تو نہیں ہے اسدالدین"۔ امیر زنگی کا لہجہ نرم تھا۔ "اگر تم
مسرور تھے تو تم نے اس کا اظہار کیوں نہیں کیا؟"

"آقائے عالی مقام! غلام کی خوشی اپنے مالک کی خوشی کے تابع ہے۔ اس لیے جب
تک آقا اپنے غلاموں کو اپنی خوشی میں شرکت کی دعوت نہیں دیتا اس وقت تک حضور
کے سامنے زبان کھولنا میرے خیال میں گستاخی کے مترادف ہے' غلام اس لیے بھی خاموش
تھا کہ شاید آپ کی مسرت کے پس منظر میں ایسا کوئی راز ہے جسے آپ اپنے وفاداروں پر
بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتے"۔

"شاباش اسدالدین۔ ہمیں تم پر فخر ہے"۔ امیر مسکرانے لگا۔ "معین الدین انز نے
سیاست پر چال چلنے میں پہل کی ہے۔ اس کا خیال ہو گا کہ ہم اپنی شکست تسلیم کر کے

دمشق کو ہمیشہ کے لیے بھول جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہو گا۔ مات ہمیں نہیں بلکہ انز
گی"۔

"آمین"۔ اسدالدین کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ثم آمین"۔ سرم نے بھی اپنے موجودگی کا احساس دلایا۔

"سرم۔ تمہاری سفارت دمشق جائے گی اور اس کی شان بھی پہلے سے دگنی ہو
یہ کہتے ہوئے امیر زنگی جھوم اٹھا تھا۔ "تم صرف ہمارا پیغام زمرد خانم کے لیے نہیں
گے بلکہ ایک پیغام تمہیں اور بھی لے جانا ہو گا۔ جانتے ہو وہ پیغام کیا ہو گا؟"
سرم بوکھلا گیا۔ اسدالدین کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آسکا۔ امیر زنگی برابر مسکرائے
تھا۔

"تم نہیں جانتے۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔ دمشق کے شاطر انز کو بھی اس کی خبر نہ
ہم نے اس کی چال الٹ دی ہے۔ یروشلم کی شہزادی دمشق نہیں آئے گی۔ اس کی
ہم شاہ دمشق مجیرالدین آبق کو اپنی فرزندی میں آنے کی دعوت دیں گے"۔

اسدالدین کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "امیر محترم۔ آقائے عالی مقام سبحان اللہ
بساط واقعی الٹ جائے گی۔ اس کے وقار کا جنازہ نکل جائے گا"۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا اسدالدین"۔ امیر زنگی نے اطمینان سے کہا۔ "سرم
تمہیں زمرد خانم سے گفتگو کے انداز کو از سر نو ترتیب دینا ہو گا۔ تم پہلے ہماری شہزادی
لیے شاہ دمشق کا رشتہ مانگو گے اس کے بعد ہمارے لیے زمرد خانم کا سوال کرو گے
بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ زمرد خانم سے پہلے رشتے کی بات کے ساتھ ہی دوسرے ر
گفتگو شروع کر دی جائے تاکہ ملکہ کو فیصلہ کرتے وقت دونوں رشتوں کو سامنے
ے پڑے"۔

"بالکل اسی طرح حکم کی تعمیل ہو گی امیر محترم"۔ سرم نے سر جھکا دیا۔

"خدا آقا کا سایہ ہم پر قیامت تک قائم رکھے"۔ اسدالدین نے بڑے خلوص
کہا۔ "انز نے جو چال چلی تھی اس سے میں سخت گھبرا گیا تھا لیکن آقا نے ایسا توڑ نکالا
کہ انز دنگ رہ جائے گا۔ اگر ملکہ نے مجیرالدین سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو میرے
میں وہ بھی دربار موصل کو دربار یروشلم پر فوقیت دے گا۔ اس طرح دمشق اور مو
تمام جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور انز کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے"۔

"ایسا ہی ہو گا اسدالدین"۔ امیر نے اطمینان کا سانس لیا۔ "تم جانتے ہو کہ ہما
بیٹے، نورالدین اور سیف الدین بھی جوان ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان کے لیے بھی

رشتوں کی تلاش ہے لیکن شہزادی کی طرف سے ہم زیادہ فکرمند تھے۔ ہمارا یہ مسئلہ قدرت
نے خود ہی حل کر دیا"۔

ادھر دمشق میں بھی اسی طرح کھچڑی پک رہی تھی۔ دمشق کے مرد آہن نے بڑی سمجھ
...اری سے یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ معین الدین انز نے جس وقت زمرد خانم سے یہ کہا تھا کہ
شاہ یروشلم نے مجیرالدین آبق کے ساتھ اپنی شہزادی کی شادی کی تحریک کی ہے تو اس کے
کلام میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس نے تو ہوا میں ایک تیر چلایا تھا اور وہ ٹھیک نشانے پر
بیٹھ گیا۔ ملکہ زمرد خانم بھی اس کے فریب میں آگئیں۔ مجیرالدین آبق کو اتنی سوجھ بوجھ ہی
نہ تھی کہ وہ انز کی چال کو سمجھ سکتا۔ اس کے دن رات نو عمر کنیزوں سے خوش فعلیاں
کرنے میں گزرتے تھے۔ جب اسے بتایا گیا کہ شاہ یروشلم نے اپنی بیٹی کے لیے اس کا رشتہ
مانگا ہے تو وہ حیران سا رہ گیا۔ اس کی دنیا محل کی چہار دیواری کے اندر تھی۔ شاہی محل
سے باہر جھانکنے کا اسے کبھی خیال ہی نہ آیا تھا۔ حیرانی کے ساتھ ساتھ شہزادی یروشلم کے
تصور سے اس کے دل میں گدگدی سی پیدا ہو گئی۔ ان نے لڑکیوں اور عورتوں کے درمیان
ہوش سنبھالا تھا۔ مگر وہ سب کی سب اس کی کنیزیں تھیں اور اس کی ہر بات کو بے چون و
چرا تسلیم کرتی تھیں مگر کوئی شہزادی اس کے قریب سے بھی نہ گزری تھی۔

زمرد خانم کا کہنا وہ کبھی نہ ٹالتا تھا۔ پھر یہ معاملہ تو اس کی شادی کا تھا اور شادی بھی
ایک غیر قوم کی شہزادی کے ساتھ۔ مجیرالدین نے چند لمحوں میں اپنی رضامندی کا اظہار کر
دیا۔ زمرد خانم اس کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوئیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کے
واپس چلیں مگر مجیرالدین کو نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے دوڑ کر ملکہ کو پکڑ لیا۔

"مادر مہربان۔ ایک بات تو بتایئے"۔ آبق نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"جان مادر۔ آپ دریافت فرمایئے۔ میں آپ کو ہر طرح سے مطمئن کروں گی"۔ ملکہ
نے شاہی آداب ملحوظ رکھتے ہوئے بڑے ادب سے کہا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ مجیرالدین آبق
کی ماں تھی مگر دمشق کا بادشاہ مجیرالدین ہی تھا اور اس کا احترام کرنا ہر چھوٹے بڑے کا فرض
تھا۔

"مادر مہربان۔ یہ فرمایئے کہ شہزادی میں کیا خاص بات ہوتی ہے"۔ یہ آبق کا دوسرا
معصومانہ سوال تھا۔۔۔ "میرا مطلب ہے کہ کیا شہزادی ہمارے محل میں موجود عورتوں سے
مختلف ہوتی ہے؟"

"ہاں شاہ آبق"۔ ملکہ کو اس کی معصومیت پر افسوس ہونے لگا۔ "محلات میں رہنے
والی یہ عورتیں کنیز کہلاتی ہیں اور یہ آپ کے حکم کی پابندی کرتی ہیں لیکن شہزادی کسی

بادشاہ کی بیٹی ہوتی ہے۔ وہ آپ کی طرح باوقار اور حکم ماننے کی بجائے حکم چلاتی
آبق اپنی ماں کے اس جواب سے بہت پریشان ہوا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد
مہربان۔ اس کا مطلب ہے کہ یروشلم کی شہزادی شادی کے بعد ہم پر حکومت کر
ہمیں اس کا حکم ماننا ہو گا؟"

"نہیں شاہ بیٹے۔ ایسی بات نہیں ہے"۔ زمرد خانم اسے سمجھانے لگی۔ "شہز
کی ملکہ ہو گی اور آپ ہی کی طرح تمام لوگوں پر حکومت کرے گی۔ وہ آپ کی
بنے گی اور سب کو اس کا حکم ماننا پڑے گا"۔

"معین الدین انز بھی اس کا حکم مانے گا؟" آبق کے اس سوال نے ملکہ کو چو
"ہاں شاہ بیٹے۔ شاہ بیگم کا حکم سب کو ماننا پڑتا ہے مگر آپ اس کی فکر کیوں
ہیں۔ آپ کے ساتھ میں جو موجود ہوں۔ دمشق کے تاجدار آپ ہیں۔ انز کی کیا
ہے۔ وہ صرف ہمارا نوکر ہے"۔

"نہیں مادر۔ انز ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتا"۔ آبق کا باغیانہ جذبہ عود کر آ
باہر جانا چاہیں تو کسی نہ کسی بہانے روک دیتا ہے۔ محل سے باہر کی دنیا سے
واقف نہیں ہوں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ جس امیر زنگی سے ہم جنگ کرنے گئے
ہمارے مسلمان قوم کا فرد ہے پھر انز نے اس کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ کیوں دیا۔
امیر زنگی سے دوستی رکھنی چاہیے؟"۔

"ملکہ مادر کو محسوس ہوا کہ وہ اس وقت جس مجیرالدین سے بات کر رہی ہے
معصوم شہزادہ نہیں بلکہ کوئی عقل مند فرد ہے جس کی ملکی سیاست پر بھی نظر ہے
بیٹے۔ یہ باتیں ابھی آپ کے سوچنے کی نہیں۔ معین الدین انز کے بارے میں
ہمارے حق میں برا ثابت ہو سکتا ہے"۔

"مگر کیوں مادر مہربان"۔ آبق کا لہجہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ "آپ ہمیں یہی سمجھ
انز نے ہم پر وہ کون سا احسان کیا ہے جس کی وجہ سے آپ اس کا ہر حکم ماننے پر
جاتی ہیں؟"

"شاہ بیٹے اگر سمجھنا چاہتے ہو تو سنو مگر یہ خیال رہے کہ ہماری گفتگو کا ایک
باہر نکل گیا تو ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ دمشق کی زمین ہمارے لیے تنگ ہو جا
کوئی ہمیں پناہ دینے پر بھی آمادہ نہ ہو گا"۔ یہ کہتے ہوئے ملکہ کی آنکھوں سے آنسو
لگے۔

"آپ انز کی طاقت سے واقف نہیں۔ دمشق کا پورا لشکر اس کے قابو میں

ہمیں تخت سے محروم کر کے دمشق کا بادشاہ بن سکتا ہے۔ آپ جس حال میں
اس پر قناعت کیجیے۔ انز سے بگاڑ کرنے سے ہمیں فائدے کی بجائے نقصان اٹھانا پڑے

آبق بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ "مادر مہربان۔ آپ نے اصل حالات سے آگاہ کر کے ہم
سان کیا ہے مگر کیا ہماری اور آپ کی تمام عمر ان محلات کی چہار دیواری میں گزرے
ہمارا تو اب یہاں دم گھٹنے لگا ہے"۔

"اللہ بڑا کارساز ہے شاہ بیٹے"۔ ملکہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ ظالم تو آپ کی ماں
ی قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اشاروں اشاروں میں کئی بار مجھے شادی کا پیغام دیا۔
بیٹے اس دنیا میں آپ کے علاوہ میرا اور کوئی نہیں اگر میں نے کسی وقت محسوس کیا کہ
ے شادی کرنے سے آپ کو اس کے پنجے سے نجات مل سکتی ہے تو میں یہ زہر پینا بھی
ا کر لوں گی لیکن وہ اپنے ارادوں میں مخلص نہیں۔ وہ مجھ سے شادی صرف اس لیے
چاہتا ہے تاکہ اقتدار پر اس کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہو جائے اور آپ کے مفادات
فاظت کرنے والا کوئی باقی نہ رہ جائے"۔

ماں کی حالت دیکھ کر آبق بھی جذباتی ہو گیا اور اس کے آنسو ماں کے آنسوؤں میں
ہو گئے۔ آبق ماں کے گلے لگ کر خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ آنسو بہانے سے
ے کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ ملکہ نے کمال شفقت سے آبق کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
بیٹے۔ آپ کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ خبردار آپ کے رویے سے قطعی یہ
نہ ہونا چاہیے کہ آپ شعور کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں۔ انز اور محل کی کنیزوں کو
اثر دیجیے کہ آپ پہلے ہی کی طرح معصوم اور ناسمجھ ہیں۔ ہمیں اس وقت ایک بڑے
ے کی ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں کہ انز نے یروشلم کی شہزادی سے آپ کی شادی
زیک اپنے مفاد میں کی ہے وہ اس شادی سے کوئی بہت بڑا سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے
ں آپ کی اور اپنی مجبوریوں کی وجہ سے انکار نہ کر سکی اور آپ کو بھی اس پر رضامند
لیکن میرا دل کہتا ہے کہ محل میں کسی نئی ہستی کے آنے سے کوئی نہ کوئی انقلاب
پیدا ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ یہ تبدیلی ہمارے حق میں ہو"۔

"آپ مطمئن رہیئے مادر مہربان"۔ آبق نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم اپنی روش میں کوئی
ا نہ آنے دیں گے اور جب بھی کوئی نئی بات محسوس ہو گی آپ کو فوراً اطلاع دیں

"اس نامہ و پیام میں بھی آپ کو احتیاط برتنا ہو گی شاہ بیٹے"۔ ملکہ نے اسے تنبیہہ

کی۔ "آپ کے محل کی کوئی کنیز خفیہ پیام رسانی کے لیے موزوں نہیں۔ یہ سب کی جاسوس ہیں۔ آپ کو میرے پاس کوئی پیغام بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی ا لقا کو آپ کی مزاج پرسی کے بہانے بھیج دیا کروں گی۔ اپ اس پر اعتماد کر سکتے ہیں"

"ٹھیک ہے مادر مہربان"۔ آبق نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ "ہاں ایک سے اور عرض کرنا ہے بشرطیکہ آپ ناراض نہ ہوں"۔

"شاہ بیٹے۔ آپ کیسی بات کہہ رہے ہیں"۔ زمرد خانم کی زبان ممتا کے جذ بوجھل ہو گئی۔ "آپ دمشق کے بادشاہ ہیں میری ناراضی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو مجھے حکم دے سکتے ہیں"۔

"مادر مہربان"۔ آبق بھی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ "یقین کیجیے کہ جب آ شاہ کہہ کر مخاطب کرتی ہیں تو ہمارا دل رو پڑتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے نہیں بلکہ کوئی غیر عورت ہیں ہمیں آپ کی محبت پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے"۔

"آبق"۔ ملکہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ "میرے بیٹے"۔

ملکہ نے فرط محبت سے اپنے ہاتھ کھول دیے اور آبق بڑھ کر ماں کے سینے طرح چمٹ گیا جیسے دودھ پیتے بچے ماں کی چھاتیوں سے زندگی کا رس چوسنے کے جاتے ہیں۔

ماں بیٹے ایک بار پھر اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگے مگر ان آنسوؤں کے ساتھ ذہن سے ایک بوجھ سا اترتا چلا گیا۔

"ماں۔ میری ماں مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ ماں کی آغوش میں بچے کو کیا ہے"۔ آبق نے اس کے سینے سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "آج سے میں صرف اور تم میری ماں ہو۔ مجھے امید ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان شاہانہ القاب کا کوئی تکلف نہیں ہو گا"۔

پیارے بیٹے۔ کاش میں تمہیں انز کے ظالم پنجوں سے نجات دلا سکتی"۔ آنکھوں سے ممتا کے قطرے اب بھی آنسو بن کر ٹپک رہے تھے۔

"ماں، تم نے مجھے صبر کی تلقین کی ہے۔ میں بھی وقت کا انتظار کروں مجیرالدین آبق اس طرح اٹھ کر کھڑا ہوا جیسے وہ واقعی دمشق کا تاجدار ہو۔ اس کی میں اک عجیب طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

زمرد خانم اور شاہ آبق کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد معین الدین انز۔ کا سفر اختیار کیا۔ شہزادی یروشلم اور شاہ آبق کی شادی کی تحریک یا سیاسی حکمت

ے دماغ کی اختراع تھی۔ اس سلسلے میں اس نے شاہ یروشلم سے کوئی اجازت حاصل نہ کی ی لیکن اسے یہ امید تھی کہ جس طرح اس نے شاہ یروشلم کا نام لے کر زمرد خانم کو ی کر لیا تھا اسی طرح وہ شاہ یروشلم کو بھی اس پر آمادہ کر لے گا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ جان انی نس کے واپس جانے پر انز تو پریشان تھا ہی لیکن اس علاقے کی تمام عیسائی ریاستیں ی گھبرا گئی تھیں۔ ان عیسائی ریاستوں پر یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ انہیں شہنشاہ سے بدظن نے کا کارنامہ امیر زنگی کے جاسوسوں اور ہمدردوں نے انجام دیا تھا۔

شہنشاہ کے جانے کے بعد عیسائی ریاستوں نے امیر زنگی کے خلاف ایک نیا معاہدہ کر لیا ا پھر بھی وہ گھبرائے ہوئے تھے اور انہیں امیر زنگی کی طرف سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ۔ معین الدین انز نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کے منصوبے کا پہلا قدم شہزادی یروشلم اور شاہ دمشق کی شادی تھی۔ دمشق سے اس کا ادہ دیر غائب رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس لیے اس نے دمشق میں مشہور کرا دیا کہ رف دو دن کے لیے بعلبک جا رہا ہے بعلبک اس کی جاگیر تھی اور دمشق سے اس کا ملہ پینتیس چالیس میل کے قریب تھا۔ اگر وہ یروشلم جانے کا اعلان کرتا تو امیر زنگی کوئی م اٹھا سکتا تھا' خود دمشق میں شاہ آبق کے ہمدرد فوجی دستے بھی ادھم مچا دیتے۔

معین الدین انز یہ طے کر کے چلا تھا کہ وہ شاہ یروشلم کو بھی یہ تاثر دے گا کہ شادی ی تحریک ملکہ زمرد خانم کی طرف سے ہوئی ہے تاکہ اگر شاہ یروشلم کسی وجہ سے انکار کر ے تو انز کا دامن بھی بچا رہے۔ یروشلم میں انز کی شایان شان پذیرائی ہوئی۔ بالڈون شاہ شلم نے انز کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھا لیا اور اس کی خوب خاطر رت کی۔ انز جلد از جلد مطلب کی گفتگو کر کے دمشق جانا چاہتا تھا مگر ایسی اہم بات کے لیے کچھ تمہید بھی باندھنا تھی اور تمہید کے لیے وہ کسی موزوں موقع کا منتظر تھا۔ لڈون اس کی آؤ بھگت پر ایسا لگا ہوا تھا کہ وہ انز سے اس کے آنے کا سبب بھی نہ دریافت سکا۔

تین دن اسی شش و پنج میں گزر گئے۔ انز کے بالڈون سے گہرے تعلقات تھے مگر ادی کے رشتے کی بات تھی۔ شاہ بالڈون کی عسکری طاقت بھی دمشق سے زیادہ تھی مگر انز یادہ دیر یروشلم میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ آج رات کھانے کے بعد شاہ بالڈون سے ضرور بات کرے گا مگر اسی شام یروشلم کا ایک جاسوس جسے موصل کی سوسی پر مقرر کیا گیا تھا وہ یروشلم واپس پہنچا اور فوراً شاہ بالڈون سے ملنے کی درخواست ۔ موصل کے امیر زنگی سے شاہ پہلے خائف تھا۔ اس نے جاسوس کو فوراً طلب کر لیا۔

جاسوسی کا نظام اس وقت بھی اتنا ہی اہم تھا جیسا کہ آج کل ہے۔ دو
بھی ایک دوسرے کے علاقے میں اپنے جاسوس مقرر کرتی تھیں۔ جاسوس
تاجروں کے بھیس میں جگہ جگہ گھومتے پھرتے تھے۔ عیسائی جاسوس راہبوں کا ر
مسلمان ریاستوں میں بے دھڑک آتے جاتے تھے۔ مسلم بادشاہ اپنی مذہبی ر
تحت نہ صرف ان کی عزت کرتے تھے بلکہ انہیں خاص مراعات بھی دیتے تھے۔
آنے والا جاسوس بھی ایک راہب ہی تھا۔ جس وقت وہ شاہ بالڈون کے سا
اس وقت معین الدین انز بھی شاہ کے برابر تخت شاہی پر براجمان تھا۔ جاسوس ک
لٹکتی ہوئی کھچڑی داڑھی تھی اور وہ زمین کو چھوتے ہوئے ایک سفید چوغے میں
اسے دیکھ کر کوئی شبہ بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس بوڑھے کے پیٹ میں دانت
حیثیت سے جاسوس تخلئے میں گفتگو کرتے تھے مگر بالڈون نے انز پر اپنی دوستی
کے لیے جاسوس کو اس کی موجودگی میں بلا لیا تھا۔

شاہوں کے سامنے لوگ سر جھکائے حاضر ہوتے تھے اور جب تک شاہ کا حکم
سر اٹھا کر بات نہ کر سکتے تھے۔ جاسوس راہب سر جھکائے ہوئے پیش ہوا اور
ادب سے کھڑا ہو گیا۔

"نیلفوس کیا خبر لائے ہو؟" شاہ بالڈون نے جاسوس کو مخاطب کیا۔

"عالیجاہ۔ امیر موصل عمادالدین زنگی چند سرداروں پر مشتمل ایک وفد دربار
بھیجنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ خیال ہے کہ۔

"دمشق"۔ انز کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا اور جاسوس کی بات کٹ گئی۔
دمشق کا نام سن کر شاہ بالڈون کے کان بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ مشکو
سے انز کو دیکھنے لگا۔ انز اس قدر گھبرا گیا تھا کہ اسے شاہ بالڈون سے آنکھیں چا
ہمت نہ ہو رہی تھی۔

"تم اپنی بات پوری کرو نیلفوس"۔ شاہ کا لہجہ بڑا تلخ تھا تلخی کو انز نے بھی مح

"عالیجاہ۔ اس وفد کے ساتھ بڑا قیمتی سامان بھیجا جا رہا ہے"۔ جاسوس نے
کیا۔ "درجنوں جواہرات کے ہار۔ بیش قیمت کپڑے کے تھان۔ اعلیٰ درجے کے زا

"بکواس بند کرو"۔ بالڈون نے جاسوس کو ڈانٹا۔ "تحفے میں زیورات نہیں
یہ تو کسی کی شادی کا سامان معلوم ہوتا ہے تمہیں غلط خبر ملی ہو گی؟"۔

جاسوس شاہ کی ڈانٹ سے سہم گیا تھا۔ اس نے چاہا کہ پوری تفصیل سے شاہ کو آگاہ
مگر بالڈون کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ اس نے خاموش رہنے ہی میں اپنی بہتری

"غلط اور بالکل غلط"۔ جاسوس کی بجائے انز نے جواب دیا۔ "اس اطلاع میں کوئی
نہیں۔ شاہ آپ تو جانتے ہیں کہ دمشق میں میری مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل
تمام محلات کے اندر باہر میرے آدمی موجود ہیں اگر دمشق اور موصل میں کوئی نامہ و
ہوتا تو مجھے اس کی فوراً خبر مل جاتی"۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو انز"۔ شاہ بالڈون نے انز کی بات کی تائید کی۔ پھر اس نے
لمحہ رک کر جاسوس کو پھر ڈانٹ پلائی۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ آئندہ ایسی فضول
لے کر آئے تو سولی پر چڑھا دیے جاؤ گے"۔

اور جاسوس دم سادھے ہوئے الٹے پیروں واپس ہو گیا۔ "ہاں انز۔ تم بتاؤ۔ یروشلم
کی کیسے تکلیف کی؟" جاسوس کے جانے کے بعد بالڈون نے سنبھل کر کہا۔

معین الدین انز اس اچانک جھٹکے سے پریشان ہو گیا تھا اس نے بڑی مشکل سے اپنے
قابو میں کیے اور مسکرایا۔ "میں بھی اس کمبخت امیر زنگی کے بارے میں مشورے
لے حاضر ہوا تھا۔ یہ خطرناک انسان کسی وقت بھی کوئی بڑا فتنہ کھڑا کر سکتا ہے۔ اگر
اس وقت سیدھا دمشق سے نہ آیا ہوتا تو مجھے بھی آپ کے جاسوس کی اطلاع پر یقین
پڑتا۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ امیر زنگی سے کوئی بات بعید نہیں۔
نے دمشق سے روانگی کے وقت یہ مشہور کیا تھا کہ میں بعلبک جا رہا ہوں مقصد یہ تھا
شاہ اور ملکہ مجھے دمشق ہی میں موجود سمجھیں اور کسی قسم کا غلط قدم نہ اٹھا سکیں"۔

"انز تم اپنے حالات زیادہ بہتر سمجھتے ہو لیکن میرا خیال ہے کہ اپنے پیروں میں ان
چبھے ہوئے.... کانٹوں کو بھی نکال پھینکو تا کہ کوئی دھڑکا باقی نہ رہ جائے"۔ شاہ یروشلم
انز کو دوسرا ہی راستہ دکھایا۔

"نہیں شاہ محترم"۔ انز نے فوراً انکار کیا۔ "شاہ آبق اور ملکہ مادر پیر کے کانٹے نہیں
چوگان کے گیند اور سوار ہیں جو میرے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں جب تک لشکر کی
ڈور میرے ہاتھ میں ہے امیر زنگی دمشق پر قبضہ نہیں کر سکتا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز
کہ میں بہت مضبوط ہوں۔ مجھے شاہ کے تعاون کی ہر وقت ضرورت ہے"۔

"ٹھیک ہے انز"۔ شاہ بالڈون نے فوراً اس کی حمایت کا اعلان کیا۔ "یروشلم کا لشکر ہر
تمہاری مدد کے لیے موجود ہے۔ اس وقت بھی تم جتنی فوج چاہو اپنے ساتھ لے جا

سکتے ہو"۔

"بہت بہت شکریہ شاہ محترم"۔ انز سراپا نیاز بن گیا۔ "مجھے آپ سے الگ
تھی۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ آپ کے جاسوس کی اطلاع اگرچہ غلط ہے لیکن امیر
کوئی چیز بھی بعید نہیں۔ میں فوراً دمشق پہنچنا چاہتا ہوں"۔

"میں تمہیں روکوں گا نہیں انز"۔ بالڈون نے خوشدلی سے کہا۔ "اس کا م
ہو گا کہ تمہاری کوئی خاطر نہ ہو سکی۔ تم سے تو بہت سی باتیں کرنے تھیں مگر
ملاقات ہو گی"۔

یہی وہ وقت تھا جب سرم بیش قیمت سامان سے لدا پھندا اور دل میں ہزاروں
لیے دمشق میں داخل ہوا اس کے ذمے بڑی اہم خدمت کی گئی تھی ایک طرف تو
ملکہ زمرد خاتم کو امیر زنگی کے ساتھ عقد ثانی کے لیے تیار کرنا تھا دوسری طرف زنگی
اور شاہ آبق کو شادی کے رشتے میں پیوست کر کے دمشق اور موصل کی دشمنی کو
لیے ختم کرنا تھا۔ ان دونوں رشتوں کا بظاہر تو یہی مقصد تھا لیکن امیر زنگی اپنے پرا
معین الدین انز کے اقتدار کو ختم کر کے ملک شام میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا چاہتا تھا
تمام حکمت عملیوں کا اصل مقصد یہی تھا۔

سرم جس وقت دمشق میں داخل ہوا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا
اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ انز اس کی راہ میں روڑے اٹکائے گا اور اسے ملکہ
براہ راست گفتگو کا موقع نہ مل سکے گا۔ اس مشکل کا حل اس نے یہ سوچا تھا کہ
انکار کی صورت میں وہ کسی رات خفیہ طریقے سے ملکہ کے محل میں داخل ہو جا
محل کا ہر شخص اس سے واقف تھا اور اگر ایک بار وہ محل میں داخل ہو گیا تو پھر ا
پر کوئی زور نہ چل سکے گا مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت معین الدین ا
سے باہر گیا تھا۔ سرم کو اس اطلاع سے جس قدر خوشی ہوئی اسے بیان کرنا مشکل ہے

سرم مع سازوسامان کے ملکہ کے محل پر پہنچا۔ انز نے سرم کی گمشدگی کی دا
بیان کی تھیں۔ ایک وجہ تو اس نے یہ بیان کی تھی کہ سرم اور انطاکیہ کے شاہی
کی ایک لڑکی کے درمیان معاشقہ چل رہا تھا۔ چنانچہ جس وقت شیراز کے محاذ
واپس ہوئے تو سرم موقع پا کر انطاکیہ کی شہزادی کو لے بھاگا۔ اس کے ساتھ ہی
سرم پر یہ الزام بھی لگایا تھا کہ اس نے امیر زنگی کے باغی سردار سے مل کر دشمن
غداری کی ہے۔ اس کا اشارہ اسدالدین کی طرف تھا۔ انز نے خیال ظاہر کیا کہ م
سردار کے ساتھ موصل گیا ہو گا مگر ان دونوں باتوں کے لیے اس کے پاس کوئی ٹھ

ملکہ اور شاہ نے مصلحت کے تحت اس کی باتوں کو تسلیم کر لیا تھا مگر خود ان کا یہ خیال
تھا کہ انز نے سرم کو قتل کرا دیا ہے کیونکہ سرم کی شاہی خاندان سے وفاداری انز کی
خواہشوں کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

سرم کو ملکہ مادر کے محل سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بیٹے شاہ مجیرالدین کے پاس
یف لے گئی ہیں۔ اس نے ان لمحات کو بھی ضائع نہ کیا اور فوراً شاہ کے محل پر پہنچ گیا۔
رم شاہ آبق اور ملکہ کے محافظ دستوں کا ناظم تھا۔ وہ لوگ اسے زندہ سلامت دیکھ کر بہت
ئی ہوئے اور اسی وقت شاہ کو سرم کے آنے کی خبر پہنچائی گئی ملکہ مادر اور شاہ اس بات
یران رہ گئے۔ وہ تو سرم کو مردہ سمجھ کر اس پر فاتحہ بھی پڑھ چکے تھے۔ شاہ نے سرم کو
اً طلب کر لیا۔

سرم نے دونوں کو ادب سے سلام کیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا شاہ اور ملکہ اسے
ت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور اسے اپنے سامنے زندہ دیکھ کر بڑے مسرور تھے۔

"سرم"۔ ملکہ نے خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ ہم تمہیں پھر زندہ
سلامت دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے دشمنوں نے تمہارے بارے میں نہ جانے کیا کیا زہر
انیاں کی تھیں"۔

"اے ملکہ مہربان اور شاہ عالی وقار"۔ سرم بھی خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ "مجھے
ی امید نہ تھی کہ میں آسانی سے آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہو سکوں گا۔ اگر وزیراعظم
ن الدین انز اس وقت دمشق میں موجود ہوتا تو میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا قطعی نا
ن تھا آپ کو اطلاع بھی نہ ہوتی اور وہ مجھے تہہ تیغ کرا دیتا"۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو سرم"۔ ملکہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ "اس نے تم پر
اری کا الزام لگایا ہے اگر تم اس کے ہاتھ لگ جاتے تو وہ شاید تمہیں اس سے بھی زیادہ
ن سزا دیتا بہرحال اب تم ہماری پناہ میں ہو۔ معین الدین میں کم از کم اتنی ہمت نہیں
ہ بغیر ہماری مرضی کے تمہیں اس محل سے لے جا سکے۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ تم اب
ہمارے وفادار ہو؟"۔

"ملکہ مادر۔ اگر میرے دل میں ذرا بھی کھوٹ ہوتی تو میں دمشق کا رخ ہرگز نہ کرتا"۔
م نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں سر پر کفن باندھ کر اس وجہ سے آیا ہوں کہ اس شخص
احسان کا بدلہ اتاروں جس نے مجھے انز کے پنجوں سے چھڑا کر نئی زندگی دی ہے۔ اب
میں قتل بھی کر دیا جاؤں تو مجھے کوئی افسوس نہ ہو گا"۔

"تمہاری داستان بڑی دکھ بھری معلوم ہوتی ہے"۔ ملکہ کا لہجہ مغموم ہو گیا۔ "کیا تم

شاہ اور اپنی ملکہ کو اپنے دکھوں میں شریک نہیں کرو گے"۔
"کیوں نہیں ملکہ مادر"۔ سرمر تن کے بولا۔ "میں آپ کو اصل حالات
کرنے کے لیے ہی جان پر کھیل کے آیا ہوں۔ میں سب کچھ بتاؤں گا۔ آپ کو
انز کی چال سے بھی آگاہ کروں گا جو وہ آپ کو اور میرے پیارے ملک دمشق کو
غلام بنانے کے لیے چل رہا ہے"۔
"زیادہ انتظار نہ کرواؤ سرمر"۔ ملکہ بے چین ہو گئیں۔ "ہم تمہاری باتیں
لیے گوش بر آواز ہیں"۔
سرمر نے پہلے شاہ آبق پھر ملکہ کے قریب کھڑی ہوئی اس کی کنیز خاص ا
دیکھا۔ ملکہ اس کا مطلب سمجھ گئی اس نے کنیز سے کہا۔ "لقا تم دوسرے کمرے
ہم تمہیں بلا لیں گے"۔
لقا سلام کر کے جانے لگی تو سرمر نے اسے روکا۔ "نہیں لقا۔ تم یہیں ٹھ
سے بھی کسی بات کا پردہ نہیں رکھنا چاہتا۔ رہا شاہ عالی مقام کا سوال تو ان کا م
لیکن میں ملکہ مادر سے اس وقت کچھ ایسی باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جو صرف ا
جا سکتی ہیں"۔
"کوئی بات نہیں سرمر"۔ شاہ آبق نے پہلی بار زبان کھولی "تم مادر مہربان
کرو۔ ہم دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں"۔
"شاہ یہیں تشریف رکھیں گے"۔ ملکہ نے دخل دیا۔ ہم سرمر کو ساتھ لے
کمرے میں جا رہے ہیں"۔ ملکہ اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف چل پڑی۔ س
پیچھے ہولیا۔
"سرمر۔ تم نے ہمیں گھبرا دیا"۔ ملکہ نے دوسرے کمرے میں پہنچتے ہی کہا
کون سی ایسی بات ہے جسے تم شاہ بیٹے سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔ تم جانتے ہ
بیٹے سے کوئی بات نہیں چھپاتے۔ جو بات بھی تم ہمیں اس وقت بتاؤ گے اگر مج
ہم سے دریافت کیا تو ہمیں بتانا پڑے گی"۔
"ملکہ مادر۔ میں خود نہیں چاہتا کہ آپ کے اور شاہ کے درمیان کسی ب
رہے"۔ سرمر نے صفائی پیش کی۔ "مگر میرے محسن کا حکم ہے کہ میں اس لیے
آپ سے گفتگو کروں"۔
"یہ تم کس محسن کا بار بار ذکر رہے ہو؟" ملکہ نے سرمر کی آنکھوں میں آ
ہوئے کہا۔ "اگر کسی نے تم پر .... احسان کیا ہے یا تمہاری جان بچائی ہے۔ تو ا

بھی احسان کیا ہے تم اس کا نام ظاہر کرو ہم اسے زروجواہر سے مالا مال کر دیں گے"۔
"ملکہ مادر۔ ایک تو احسان کا بدلہ زروجواہر نہیں ہو سکتے"۔ سرمر بڑے استقلال سے
لا۔ "پھر اسے آپ کے زر و جواہرات کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس کا خزانہ دمشق
ے زیادہ بھرا ہوا ہے میرے محسن نے اپنے خزانے سے آپ کے لیے ایسی ایسی نادر چیزیں
ور زیورات بھیجے ہیں جنہیں آپ ضرور پسند فرمائیں گی"۔
"خیر تمہارے لائے ہوئے تحائف کو ہم بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے تم ہمیں اس نیک
انسان کا نام بتاؤ جس کی تعریف کرتے کرتے تمہاری زبان نہیں تھک رہی ہے"۔ ملکہ
ت زیادہ بے چین ہو گئی تھی۔
"موصل کے امیر زنگی کو آپ کیسا انسان سمجھتی ہیں؟" سرمر نے ملکہ کو چونکا دیا۔
"اچھا تو امیر زنگی نے تم پر احسان کیا ہے لیکن وہ تو....." ملکہ کہتے کہتے رک گئی۔
"شاید آپ بھی انہیں دمشق کا دشمن سمجھتی ہیں حالانکہ وہ موصل میں رہتے ہوئے
ی دمشق کے حالات سے غافل نہیں"۔ سرمر نے بڑے سلیقے سے امیر زنگی کی تعریف کی۔
"ان کی خواہش ہے کہ دمشق اور موصل کے درمیان میل محبت پیدا ہو۔ امیر زنگی یہ بھی
اہتے ہیں کہ دونوں ملکوں میں کوئی رشتہ قائم ہو جائے تو ان کے لیے یہ خوشی کا باعث ہو
ا"۔
"رشتہ کیسا رشتہ"۔ ملکہ اور زیادہ چونکی۔ "سرمر۔ کیا تم نہیں جانتے کہ امیر زنگی
مشق کا شدید ترین دشمن ہے؟"
"ملکہ مادر۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ دمشق کی فضاؤں ہواؤں اور تخت و تاج
ے مجھے اتنی ہی محبت ہے جتنی ایک سچے دمشقی کو ہونا چاہیے"۔ سرمر کا لہجہ بڑا جذباتی ہو
لیا۔ "لیکن امیر زنگی کو نہ میں نے پہلے دمشق کا دشمن سمجھا اور نہ اب سمجھتا ہوں۔ تالی
دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ کیا یہ غلط ہے کہ دمشق کی افواج امیر کے خلاف عیسائیوں کے
ساتھ صف آرا ہوئیں۔ کیا وزیراعظم نے موصل کو ختم کرنے کی ہمیشہ کوشش نہیں کی مگر
للہ اس پر مہربان ہے۔ عیسائیوں کی متحدہ قوت اور شہنشاہ قسطنطنیہ بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا
ن تمام باتوں کے باوجود بھی امیر زنگی آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ مجھے تعجب
ہے کہ ملکہ اب بھی اسے اپنا دشمن تصور کرتی ہیں"۔
وزیراعظم معین الدین انز نے ملکہ کو امیر زنگی کی طرف سے اس قدر بدظن کر دیا تھا
کہ وہ زنگی کے متعلق اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ محسوس نہ کرتی تھی لیکن سرمر کی باتوں
نے اس کے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"سرم۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم ایک سچے محب وطن ہو۔ ہم تم پر پہلے ہی طرح
کرتے ہیں"۔ ملکہ نرم ہو گئیں۔ "تم کس قسم کے رشتے کی بات کر رہے تھے۔ امیر زنگی
کس قسم کی دوستی چاہتا ہے۔ اس سے کون سا رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے؟"
"غلام کو خوشی ہے کہ ملکہ نے میری باتوں پر توجہ فرمائی"۔ سرم خوش ہو گیا۔
میں بتاتا ہوں کہ امیر کیا چاہتا ہے اور وہ کس کی دوستی کا خواہش مند ہے۔ امیر نے
ملکوں کے تعلقات کو ایک نیا رخ دینے کے لیے ملکہ مادر سے درخواست کی ہے کہ ان
یعنی زنگی شہزادی کو آپ کی خدمت میں پیش کریں۔ وہ خلوص دل سے شاہ مجیرالدین
کو اپنی فرزندی میں قبول کرنے پر تیار ہیں"۔
ملکہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "سرم کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ کیا زنگی واقعی اپنی
شاہ آبق کی زوجیت میں دینا چاہتا ہے۔ ہمیں تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا ہے۔ شاید
بھی اسے ایک ناممکن بات ہی سمجھیں گے اگر ایسا ہو جائے تو پھر تمام جھگڑے ہی
جائیں گے اور شاید... شاید..."
"ملکہ مادر اس رشتے سے بہت دور رس نتائج برآمد ہوں گے"۔ سرم نے ملکہ کا
خود ہی بیان کر دیا۔ "امیر زنگی کی عظیم طاقت معین الدین انز کے اثرات کو ختم کر دے
اور شاہی محلات میں خوف و ہراس کی پھیلی ہوئی فضا صاف ہو جائے گی"۔
"ہاں ہاں سرم"۔ ملکہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم
گھٹی گھٹی فضا میں سانس تک نہیں لے سکتے۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ کاش ایسا ہو جائے"۔
"کاش نہ کہیئے ملکہ مادر۔ آپ قبول فرمایئے تو یہ کام ابھی اور اسی وقت ہو
ہے"۔ سرم کا حوصلہ بڑھ گیا۔ "امیر زنگی نے مجھے زنگی شہزادی کا وکیل بنا کر بھیجا
آپ غور فرمایئے اور شاہ سے مشورے کے بعد مجھے مطلع کیجیے۔ میں بری کا سامان
ساتھ لے کر آیا ہوں"۔
"سرم ہمیں اس قدر حیران نہ کرو کہ ہم خوشی سے پاگل ہو جائیں۔ ہمیں تو یہ
کچھ خواب سا معلوم ہو رہا ہے۔ امیر زنگی کی طاقت سے کون واقف نہیں۔ وہ ہمارے
پر آ گئے تو ہم انز کے اثر سے بھی آزاد ہو جائیں گے۔ اطمینان رکھو سرم۔ ہم شاہ کو
راضی کر لیں گے"۔ ملکہ خوشی کی لہر میں سب کچھ کہتی چلی جا رہی تھی۔
سرم اسی موقعے کا منتظر تھا۔ اس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ "ملکہ مادر
نے میری اور امیر زنگی کی درخواست پر غور فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ اس خوشی کو میں
میں نہیں ڈھال سکتا۔ میرا خیال تھا کہ آپ ناراض ہو کر کہیں میرے قتل کا حکم نہ

دیں"۔
"سرم ہمیں ہمیشہ دوستوں کی تلاش رہی ہے"۔ ملکہ کا ذہن بالکل صاف ہو گیا تھا۔
"تمہارے ذریعے سے اگر یہ کام ہو گیا تو یہ تخت دمشق کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ ہم
تمہارے شکر گزار ہیں سرم"۔
"آپ نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے ملکہ مادر"۔ سرم نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے
میری ایک گستاخی پر غور فرمانے کا وعدہ کیا ہے اس لیے مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس قسم
کی ایک اور گستاخی آپ کی خدمت میں پیش کروں جس پر اگر آپ نے توجہ فرمائی تو تخت
دمشق کی قسمت ہی پلٹ جائے گی"۔
"سرم۔ تم نے ہمارے دامن میں اتنی بڑی خوشی ڈالی ہے جو ہم سے سنبھالی نہیں جا
رہی ہے۔ اب تم کوئی اور نوید دینا چاہتے ہو۔ ضرور کہو۔ تمہارا واپس آنا ہمارے لیے بہت
مبارک ثابت ہوا"۔
سرم نے سر اٹھا کر ملکہ مادر کو دیکھا پھر نظریں جھکا کر کہا۔ "امیر زنگی نہ صرف شاہ کو
اپنی فرزندی میں قبول کرنے میں فخر محسوس کریں گے بلکہ امیر زنگی نے یہ بھی عرض کیا ہے
کہ دمشق کی ملکہ مادر اگر سلطنت موصل کی ملکہ کا تاج بھی اپنے سر پر سجانے کی رضامندی
ظاہر فرمائیں تو امیر زنگی آپ کے بہت شکر گزار ہوں گے"۔
سرم نے بڑی شائستگی سے امیر زنگی کی شادی کا پیغام ملکہ مادر کو دیا۔ ملکہ زمرد خانم
ایک دم بھونچکا کر رہ گئی۔ وہ ایک زمانے سے بیوگی کے نامعلوم صدمات برداشت کر رہی
تھی۔ اس کے فطری جذبات مردہ ہوتے جا رہے تھے۔ شہزادہ آبق جوانی میں داخل ہو گیا تھا
اس کے باوجود ملکہ دوسری شادی کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ شادی کرتی بھی تو کس سے۔
وزیراعظم معین الدین انز کی موجودگی میں اسے کون پیغام دے سکتا تھا۔ ملکہ کو پیغام دینا اپنی
موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ دمشق کا کوئی سردار معین الدین کی مخالفت کا تصور بھی
نہیں کر سکتا تھا۔ رہا معین الدین انز تو اس نے ملکہ کو باتوں باتوں میں کئی بار اپنا پیغام دیا تھا
لیکن ملکہ کو اس کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا پھر وہ اس کھوسٹ کو اپنا شوہر کیسے بناتی؟
"سرم کہیں تم ہم سے مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟" ملکہ نے اسے پرامید نظروں سے
دیکھا۔

"توبہ توبہ ملکہ مادر۔ بھلا غلام ایسی ہمت کر سکتا ہے"۔ سرم کے چہرے پر بشاشت آ گئی
تھی۔ "میں تو امیر زنگی کا قاصد ہوں۔ انہوں نے جو پیغام مجھے دیا ہے وہ میں نے آپ کے
حضور پیش کر دیا۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اگر میں نے گستاخی کی ہے تو مجھے معاف فرما

دیجئے۔

"نوید گستاخی نہیں ہوا کرتی سرم"۔ ملکہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اللہ تعالیٰ نے
ہماری رات دن کی دعائیں سن لی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اتنی بہت سی خوشیاں
ساتھ کس طرح سنبھالیں۔ ہمیں تمہاری باتوں اور اپنے کانوں پر اب بھی یقین نہیں
ہے"۔

"میں دوبارہ عرض کیے دیتا ہوں ملکہ مادر"۔ سرم مسکرایا۔ "امیر زنگی کی پہلی
ہے کہ ان کی بیٹی کو آپ اپنی خدمت میں قبول فرمائیں۔ ان کی دوسری خواہش بلکہ
ہے کہ ملکہ زمرد خانم۔ ملکہ موصل کا تاج اپنے سر پر سجانے کی رضا مندی ظاہر کریں
زنگی نے آپ کی شایان شان زیورات اور پارچہ جات میرے ساتھ بھیجے ہیں۔ مزید
دہانی کے لیے موصل کے قاضی القضاۃ کو میرے ہمراہ روانہ کیا ہے۔ جو عقد پڑھانے کا
ادا کریں گے"۔

ملکہ واقعی خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
شکریہ کس طرح ادا کرے۔ ملکہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "سرم تم ذرا انتظار کر
شاہ سے گفتگو کر کے واپس آتے ہیں"۔

"میں انتظار کر رہا ہوں"۔ سرم بھی کھڑا ہو گیا۔ "ملکہ مادر۔ اس بات کا ضرور
رکھئے کہ انز کسی وقت بھی دمشق واپس آسکتا ہے۔ اگر اس کی عدم موجودگی"۔

"تم اطمینان رکھو سرم"۔ اور ملکہ لپ جھپ کرتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

چند لمحوں کے بعد ملکہ کی کنیز خاص لقا سرم کے پاس آئی۔ "آؤ۔ آؤ لقا۔ تم صرف
نہیں بلکہ ماہ لقا ہو"۔ سرم نے مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا۔ "تم سے تو بہت
پوچھنا ہے"۔

"مجھ سے کیا پوچھنا ہے سردار؟" شوخ لقا پھول کی طرح ہنسی۔ "خبریں تو آپ سے
ہیں مجھے۔ آپ اکیلے ہیں یا شہزادی بھی آپ کے ساتھ ہے؟"

"شہزادی۔ کون سی شہزادی؟" سرم حیران رہ گیا۔ اسے شبہ ہوا کہ شاید ملکہ نے ا
زنگی شہزادی کے بارے میں بتا دیا ہے۔

"مجھ سے کیوں چھپاتے ہو سردار"۔ لقا نے شوخی دکھائی۔ "دمشق کا بچہ بچہ جانتا
کہ آپ انطاکیہ کی شہزادی کو لے اڑے ہیں۔ اب چھپانے کا کیا فائدہ؟"

"اچھا تو تم شہزادی جینالو کے بارے میں پوچھ رہی ہو"۔ سرم نے اطمینان کا سانس
لیا۔ "تم نے ٹھیک سنا ہے لقا۔ شہزادی جینالو اور میری ملاقات محض ایک حادثہ تھی۔

شیراز کے میدان جنگ میں مجھے ملی تھی۔ ہم نے اپنے مستقبل کے بارے میں بڑے بڑے
سہرے تانے بانے بنے تھے مگر فلک کو یہ پسند نہ آیا اور وہ مجھ سے جدا ہو گئی۔ یہ بات
نہیں کہ اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ وہ مجھے اب بھی ڈھونڈ رہی ہو گی۔ میرا خیال تھا کہ
شاید وہ مجھے تلاش کرتی ہوئی دمشق آئی ہو گی لیکن تم اس کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہی
ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اب تک یہاں بھی نہیں پہنچی"۔

"سردار اگر شہزادی یہاں آتی تو ہم اسے آپ کی امانت سمجھ کر اپنے سینے سے لگا کے
رکھتے"۔ لقا اس کی کہانی سے افسردہ سی ہو گئی۔ "خدا اسے جلد آپ سے ملائے۔ اس کے
سوا ایک کنیز اور کر ہی کیا سکتی ہے"۔

شہزادی جینالو کے ذکر سے سرم افسردہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔
"لقا تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کیوں آیا ہوں؟"

"کنیز اپنے مرتبے سے واقف ہے سردار"۔ لقا نے سلیقے سے جواب دیا۔ "کنیزوں کی
زبان اور آنکھیں بند رہتی ہیں۔ ان کا کام صرف سننا اور حکم کی تعمیل کرنا ہے"۔

"مگر تمہارا یہ مرتبہ نہیں ہے لقا"۔ سرم نے اسے چھیڑا۔ "تم ملکہ مادر کی راز دار ہو تم
سے کوئی بات نہیں چھپی رہ سکتی میں خود بتاتا ہوں۔ شہزادی جینالو سے جدا ہو کر میں امیر
زنگی کے دربار میں پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے میری ہمت افزائی کی اور اب یہ انہی کا احسان ہی
کہ میں ان کا ایک خاص پیغام لے کر ملکہ مادر کے پاس آیا ہوں۔ میرے لائے ہوئے پیغام
سے تم چند لمحوں بعد واقف ہو جاؤ گی اور شاید تم خوش بھی ہو"۔

"اگر ملکہ خوش ہوں گی تو میرا خوش ہونا لازمی ہے۔ کنیزیں اپنے آقا سے جدا نہیں
ہوا کرتیں"۔ شوخ مگر سمجھدار کنیز نے ایک ایسی بات کہی تھی جسے سن کر سرم حیران رہ
گیا۔

"لقا تمہاری جیسی سمجھدار اور وفادار کنیزوں کی ملکہ اور شاہ دونوں کو بہت ضرورت
ہے۔ میں دربار زنگی سے منسلک ہو گیا ہوں۔ ان دونوں کی حفاظت اب تم جیسی کنیزوں ہی
کو کرنا ہو گی"۔ سرم نے لقا کی بھرپور تعریف کی۔

"سردار! مجھے پوچھنا تو نہیں چاہیے مگر دل چاہتا تھا کہ یہ ضرور دریافت کروں کہ آپ
نے دمشق کی بجائے موصل سے کیوں تعلق پیدا کیا جب کہ شاہ اور ملکہ کو آپ کی زیادہ
ضرورت تھی۔ وہ آپ کے بغیر بہت تنہائی محسوس کرتے ہیں"۔

لقا کے چبھتے ہوئے سوال نے سرم کو پریشان کر دیا۔ اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور
مسکرایا۔ "یہ بھی ایک حادثہ تھا لقا۔ لیکن امید ہے کہ میں پھر دمشق واپس آجاؤں گا۔

حالات نے شاید اپنا رخ بدل لیا ہے"۔

خدا کرے ایسا ہی ہو"۔ لقا نے اندازہ کر لیا کہ سرم کچھ اور بتانا نہیں چاہتا
اس نے یہ موضوع چھوڑ کے دوسری باتیں شروع کر دیں وہ دیر تک گپ شپ لڑا
پھر ملکہ زمرد خانم ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے ہنستا دیکھ کر سرم کو اپنا
یقین ہو گیا۔

"سرم۔ خوش ہو جاؤ کہ شاہ نے امیر زنگی کی پہلی دراخواست قبول کر لی ہے
خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔

"مبارک ہو ملکہ مادر۔ شاہ کے فیصلے سے مجھے بے پناہ خوشی حاصل ہوئی ہے
بھی کھلا جا رہا تھا۔

"اب یہ بتاؤ کہ یہ کام کب اور کس طرح ہو گا؟"

"ملکہ مادر میرے خیال میں عقد کی تقریب فوراً ہو جانا چاہیے ممکن ہو سکے تو
اگر انز واپس آگیا تو کوئی نیا فتنہ کھڑا ہو سکتا ہے"۔ سرم نے متانت سے جواب دیا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ اس کے آنے سے پہلے ہی سب کچھ ہو جانا چاہیے"۔ پھر
پلٹ کر لقا کو دیکھا۔ "لقا تم فوراً جا کر انتظام کرو۔ صرف چار پانچ سرداروں کو بلا
وقت زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں۔ شادی کا جشن ہم بعد میں منائیں گے"۔

لقا منہ کھولے بوکھلائی کھڑی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کس کی شادی
کیسا جشن منایا جا رہا ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔ عقد کے نام پر اس کے کان ضرور
ہو گئے تھے مگر شاہ نے امیر زنگی کی کیا درخواست قبول کر لی تھی۔ اس میں اس کا دل
ہوا تھا۔

"ارے تم اب تک کھڑی ہو"۔ ملکہ نے لقا کو گھورا۔

"مگر ملکہ مادر۔ بن کیا انتظام کروں کس کا عقد ہو رہا ہے۔ کچھ فرمایئے تو سہی"
نے گھبراہٹ میں نہ جانے اور کیا کیا پوچھ ڈالا۔

ملکہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے لقا کو کچھ بھی تو نہیں بتایا تھا پھر وہ
کیا کرتی۔ "لقا"۔ ملکہ مسکرائی۔ "والئی موصل امیر زنگی نے شاہ مجیرالدین آبق کو
فرزندی میں مانگا ہے۔ شاہ نے یہ رشتہ منظور کر لیا ہے۔ یہ عقد ابھی اور اسی وقت
ہے"۔

لقا کے چہرے پر گلاب کی کلیوں جیسی سرخی پھیل گئی۔ اس نے بڑے انداز سے
ہلکا سا جھٹکا دیا اور گنگناتی ہوئی باہر کی طرف چلی۔ اسی وقت سرم کی آواز سنائی دی
سے کہہ رہا تھا۔

"ملکہ مادر۔ آپ نے امیر زنگی کی پہلی درخواست قبول کر لی مگر دوسری درخواست کے
میں کچھ نہ فرمایا؟"

لقا کے قدم سرم کی آواز پر رک گئے تھے۔ اس نے پلٹ کر ملکہ کی طرف دیکھا۔ ملکہ
شفق رنگ ہو گیا اور وہ ایک مرمریں بت کی طرح ساکت ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔
بڑی امید بھری نظروں سے ملکہ کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس بت طناز کے لب ہلے۔
امیر زنگی کی دوسری درخواست بھی ہم نے قبول ....."

ملکہ زمرد خانم آگے کچھ نہ کہہ سکی اور اس کا حیا آلود چہرہ جھک گیا۔ لقا نے کچھ نہ کچھ
لگا لیا تھا مگر وہ اپنے اندازے کی تصدیق چاہتی تھی۔ آخر سرم نے اس کی تصدیق کر

"دمشق کا دیرینہ غلام سرم جو اب تک شاہ دمشق اور ملکہ مادر کی خدمت کرتا رہا
سرم بڑے ادب سے کہہ رہا تھا۔ "وہی سرم اس وقت سب سے پہلے ملکہ مادر کو
وصل ہونے کی مبارکباد پیش کرتا ہے"۔

لقا کی سمجھ میں سارا معاملہ آگیا۔ وہ فوراً چہکی۔ "اور میں لقا ملکہ مادر کی خاص کنیز اس
کی تصدیق کرتی اور گواہی دیتی ہے کہ سردار سرم نے دمشق کے چاند زمرد خانم کو
کی سلطنت کی نئی ملکہ ہونے کا سب سے پہلے اعلان کیا ہے"۔

"کم بخت لقا"۔ زمرد خانم کے لب خوشی سے کپکپا کے رہ گئے۔

آئندہ دو گھنٹوں کے اندر قصر شاہی میں ایک مختصر مگر باوقار تقریب کا اہتمام ہوا۔ اس
میں ملکہ مادر نے دمشق کے ان چار سرداروں کو شرکت کے لیے بلایا جن کے متعلق
علم تھا کہ بظاہر معین الدین انز کے ہمنوا ہیں مگر وہ دل سے شاہ اور ملکہ کے وفادار
پانچواں سردار جو اس محفل میں مدعو کیا گیا وہ انز کا خاص آدمی اور اس کا نائب تھا۔
نے خاص طور پر اسے اس لیے بلایا تھا تاکہ وہ انز کے سامنے اس بات کی تصدیق
کہ شاہی محل میں اس طرح کی ایک تقریب واقعی منعقد ہوئی تھی۔ ان سرداروں کو
محل میں داخل ہونے سے پہلے اس بات کا علم نہ تھا کہ شاہ دمشق مجیرالدین آبق نے
کیوں طلب کیا ہے۔ جس وقت یہ سردار محل میں پہنچ گئے تو شاہی محل کو شاہ کے
دستوں نے گھیر لیا تاکہ کوئی سردار باہر نہ نکل سکے اور نہ دمشق میں کسی قسم کی
ہو۔

سرم جو سامان موصل سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ سب اس نے محل میں بھجوا دیا جسے
اپنی نگرانی میں سونے چاندی کی کشتیوں میں سجا کر محل کے ایک بڑے کمرے میں
موصل سے ساتھ آنے والے قاضی صاحب نے پہلے شاہ مجیرالدین آبق اور زنگی

شہزادی کا عقد پڑھایا۔ شہزادی کی نیابت اور وکالت کا فرض سرم نے ادا کیا۔ نکاح
تمام سرداروں نے دل سے یا بے دلی سے شاہ آبق پر جو کچھ پاس تھا نچھاور کیا۔
دوسرا نکاح موصل کے حکمراں امیر عمادالدین زنگی اور ملکہ زمرد خانم کا پڑھا
مین بھی سرم نے امیر زنگی کی وکالت اور نیابت کا فرض ادا کیا۔ ملکہ مادر نے یہ
تھی کہ امیر زنگی سے عقد کے بعد بھی وہ دمشق میں مقیم رہیں گی۔ امیر زنگی اس کی
کے لیے ہر وقت دمشق آسکتے ہیں۔ ملکہ زمرد خانم موصل میں ہونے والی تمام شاہی
میں نہ صرف شرکت کریں گے بلکہ اس میں بھرپور حصہ بھی لیں گی۔

شاہ اور ملکہ کی شادی کا جشن شاہی محلات میں اسی دن سے شروع ہو گیا تھا۔
تقریب معین الدین انز کی غیر موجودگی اور اس کی اجازت کے بغیر ہوئی تھی اس
کے بڑے بڑے سردار بہت چراغ پا ہوئے مگر دونوں عقد ہو چکے تھے اور انہیں
کے بس میں نہ تھا۔ معین الدین انز بھی موجود نہ تھا۔ اس لیے سب کو خاموشی
پڑی۔ انہوں نے حسب روایت شاہ آبق کو نذریں پیش کیں اور اپنی طرف سے با
نہ ہونے دیا کہ وہ موصل اور دمشق کے اس گٹھ جوڑ کے خلاف ہیں۔ عوام کی ط
بھی ان شادیوں کو خوب سراہا گیا انہیں اس بات کی زیادہ خوشی تھی کہ موصل ا
کے اس دہرے رشتے نے دو مسلم حکومتوں کی قدیم دشمنی کو دوستی اور محبت میں بدل
پھر جب دربار کی طرف سے عوام کو جشن منانے کا اعلان ہوا تو انہوں نے بڑے
سے شاہ اور ملکہ کی مسرتوں میں اپنے مسرت بھرے جذبات کا مظاہرہ کیا۔

معین الدین انز نے یروشلم جاتے وقت اپنے نائب کو بھی اعتماد میں نہیں لیا
اسے بھی یہی بتا کے گیا تھا کہ وہ اپنی جاگیر بعلبک جا رہا ہے اور ایک دو دن بع
آجائے گا۔ عقد کی رات کو ہی انز کے نائب نے ایک تیز رفتار سوار کو بعلبک بھیج
کہ وہ انز کو حالات سے آگاہ کر کے فوراً دمشق پہنچنے کی درخواست کرے مگر قاصد
ناکام اور نامراد واپس آیا اس نے بتایا کہ معین الدین انز بعلبک میں موجود نہیں
اس نے یہ انکشاف کر کے انز کے نائب کو پریشان کر دیا کہ انز اب تک بعلبک
نہیں اور کسی کو پتہ بھی نہیں کہ وہ کہاں اور کیوں چھپا بیٹھا ہے۔

انز کے نائب نے وزیراعظم کو واپس بلوانے کے سلسلے میں بڑی راز داری سے
تھا مگر اس وقت شاہ اور انز کے درمیان اختلاف کے باعث لوگوں کی ہمدردیاں دو
میں تقسیم ہو گئی تھیں۔ پس نائب کی راز داری کا بھانڈا کسی نے پھوڑ دیا اور ملکہ
ہو گیا کہ معین الدین انز دمشق سے بعلبک جاتے ہوئے راستے سے کہیں غائب ہو
اس اطلاع سے ملکہ نے سکھ کا سانس لیا اور اسے یہ بہانہ بھی مل گیا کہ معین الدین

ملکہ یا شاہ آبق سے کسی قسم کی باز پرس کی تو وہ کہہ دیں گے کہ انہوں نے اسے بلانے
لیے بعلبک قاصد بھیجا تھا مگر وہاں سے معلوم ہوا کہ انز وہاں نہیں ہے اس لیے ملکہ کو
نیک کام اس کی عدم موجودگی میں کرنا پڑا۔

چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔ عقد کے تیسرے دن موصل کا وفد واپس چلا گیا۔ شاہ آبق
ملکہ زمرد خانم نے وفد کے ہر فرد کو شاہی خلعت کے علاوہ بے شمار انعام و اکرام سے
نوازا تھا۔ سرم کو ملکہ نے اپنے پاس روک لیا تھا۔ ملکہ نے امیر زنگی کو پیغام بھیج دیا تھا کہ
زنگی شہزادی کو ایک محافظ دستے کے ساتھ بھیج دیں جہاں سرحد پر شاہ آبق پورے تزک و
شام کے ساتھ ملکہ دمشق کا استقبال کریں گے۔ ادھر وفد موصل واپس ہوا اور ادھر یعنی
ے دن معین الدین انز شاہ یروشلم سے مل کر دمشق واپس پہنچا شہر میں اس وقت جشن
جا رہا تھا۔ ہر طرف خوشی کا دور دورہ تھا اور جگہ جگہ رقص و موسیقی کی محفلیں جمی
تھیں۔ معین الدین انز کا ماتھا اسی وقت ٹھنکا۔ وہ اپنے چاروں محافظوں کو وہیں چھوڑ کر
دوڑا بھاگتا اپنی حویلی پر آگیا۔ اس کی حویلی میں اس کا نائب اور دوسرے سردار بڑی
پریشانی کے عالم میں اس کی گمشدگی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ
معین الدین انز کی گمشدگی میں امیر زنگی کا ہاتھ ہے کیونکہ انز کے دمشق سے جاتے ہی سرم
امیر زنگی کا پیغام لے کر آنا اور پھر چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو جانا یہ سب کسی زبردست
سازش کی مختلف کڑیاں معلوم ہوتی تھیں۔

پھر جب معین الدین انز نے اپنی حویلی کے دروازے پر آکر گھوڑا روکا تو اس کے
سردار ہکا بکا رہ گئے بعض سرداروں نے کھلے الفاظ میں اس شبہ کا اظہار بھی کیا تھا کہ معین
الدین انز کو امیر زنگی نے اپنے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ ورنہ امیر زنگی کو شادی کا پیغام بھیجنے
کی جرات نہ ہو سکتی تھی لیکن وہ انز کو اپنے سامنے دیکھ کر نہ صرف حیرت زدہ بلکہ خوشی
سے پاگل ہو گئے۔ معین الدین انز کا نائب دوڑ کے اس سے لپٹ گیا۔ "وزیراعظم ہم تباہ ہو
گئے دمشق تباہ ہو گیا بلکہ سب کچھ تباہ ہو گیا"۔

معین الدین انز اندر سے لرز رہا تھا مگر اس نے بڑے ضبط کا ثبوت دیا۔ "گھبرانے کی
بات نہیں۔ مجھے دمشق میں داخل ہوتے ہی حالات کا اندازہ ہو گیا تھا۔ فکر کیوں کرتے
ہو دمشق اپنی جگہ پر ہے اور تمہارا معین الدین انز بھی زندہ ہے۔ حالات کتنے ہی کیوں نہ
بگڑ چکے ہوں مگر انز اپنی شکست تسلیم نہیں کر سکتا بشرطیکہ تم لوگ میرا ساتھ دو"۔

"ہم سب آپ کے ساتھ ہیں وزیراعظم"۔ سب نے بیک زبان اعلان کیا۔ "لشکر بھی
آپ کا دم بھرتا ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ امیر زنگی نے تو بغیر جنگ کے دمشق پر قبضہ کیا
ہے۔ شہر میں ملکہ مادر اور امیر زنگی کی شادی کے ترانے گائے جا رہے ہیں"۔

"ملکہ مادر کی شادی امیر زنگی سے؟" انز کا انداز خود کلامی کا تھا مگر اسے ز
پیروں کے نیچے سے سرکتی محسوس ہو رہی تھی۔ "اس شادی کی تحریک کس نے
شادی کب ہو رہی ہے؟" معین الدین غم اور غصے سے بوکھلا گیا تھا۔

"شادی ہو چکی ہے وزیراعظم"۔ اس کا نائب جیسے رونے لگا۔ "شاہ کا غدار
جسے ہم مردہ سمجھ بیٹھے تھے وہ امیر زنگی کی شادی کا پیغام لے کر آیا۔ اس نے
ملاقات کی اور سرم کی وکالت میں امیر زنگی کا عقد ملکہ مادر کے ساتھ ہو گیا"۔

"تم لوگ کہاں مر گئے تھے؟" انز غصے سے پیر پٹخنے لگا۔ "تم نے سرم کو
نہیں کر دیا۔ ملکہ کو آزاد کیوں چھوڑ دیا۔ اسے گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟"

"ہمیں تو خبر ہی نہ ہو سکی"۔ نائب نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ "ایک
سب کچھ ہو گیا۔ ملکہ مادر نے مجھے مشورے کے لیے شاہی محل میں طلب کیا تھا۔
امیر زنگی نے کوئی پیغام بھیجا ہے اور آپ کی عدم موجودگی میں ملکہ مجھ سے مشورہ
ہیں۔ میں محل میں چلا گیا مگر وہاں تو سب انتظامات مکمل تھے۔ سرم اپنے ساتھ
قاضی القضاۃ کو لے آیا تھا۔ ملکہ نے محل کے گرد اپنے محافظوں کا پہرہ لگا دیا تھا۔
آبق اور امیر موصل کی شہزادی بیٹی کا عقد پڑھا گیا پھر....."

"کیا کہا تم نے؟" معین الدین کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ "آبق کی یہ
اس نے زنگی کی بیٹی سے نکاح کر لیا اور مجھے خبر تک نہ ہونے دی؟" انز زخمی
بل کھا رہا تھا۔

"سب کچھ ہو گیا وزیراعظم"۔ نائب کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ "آبق
شہزادی کے عقد کے بعد فوراً ملکہ مادر اور امیر زنگی کا نکاح ہو گیا۔ ہم لٹ گئے
خدا کے لیے کچھ کیجئے امیر زنگی ہمیں چن چن کے قتل کر دے گا"۔

معین الدین انز کا اپنا جسم ٹھنڈا پڑتا جا رہا تھا مگر اس نے اپنے وفادار
حوصلہ دیا۔ "فکر نہ کرو میرے ساتھیو۔ اگر تم نے میرا ساتھ دیا تو میں ایک ایک
ٹھیک کر دوں گا"۔ انز کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر اٹھا کے پوچھا۔ "آبق کا
زنگی شہزادی سے ہوا ہے کیا سرم اسے ساتھ لے کر آیا تھا؟"

"نہیں وزیراعظم"۔ نائب نے نفی میں سر ہلایا۔ "سرم نے زنگی شہزادی کی
تھی۔ موصل کا وفد واپس جا چکا ہے۔ آبق کی ہونے والی ملکہ ہفتے عشرے میں
جائے گی"۔

اور ملکہ مادر کہاں ہیں۔ کیا وہ سرم کے ساتھ موصل چلی گئی ہیں؟" گھبراہ
سے انز کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔

"ملکہ زمرد خانم کا قیام دمشق میں رہے گا"۔ نائب نے بتایا۔ "امیر زنگی سے ایک
ے کے تحت ملکہ ہمیشہ دمشق میں رہے گی اور صرف اہم سرکاری تقاریب میں شرکت
کے لیے موصل جایا کریں گی"۔

معین الدین انز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "اس کا مطلب ہے کہ بازی اب بھی
ہاتھ میں ہے۔ نہ دمشق سے کوئی موصل گیا ہے اور نہ موصل سے کوئی دمشق میں
فکر کیوں کرتے ہوے۔ ساتھیو۔ ابھی تو ہر چیز تمہارے پاس ہے۔ امیر زنگی نے انز
زبردست شہ دی ہے۔ حالات خراب ضرور ہوئے ہیں لیکن تم دیکھو گے کہ آخری مات
زنگی ہی کو ہو گی"۔

"وزیر محترم"۔ نائب نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "موصل کا ایک شخص شاہی محل میں
ہے"۔

"کون ہے وہ؟" معین الدین انز ایک بار پھر پریشان ہو گیا۔

"سرم۔ غدار سرم۔ اس نے امیر زنگی کی ملازمت اختیار کر لی ہے ملکہ مادر نے اسے
محل میں جگہ دی ہے اور اعلان کیا ہے کہ سرم اس کا مہمان ہے اگر کسی نے سرم کو
ن پہنچانے کی کوشش کی تو محلات کے شاہی دستے اس کی حفاظت کریں گے"۔

"مینڈکی کو زکام ہوتا ہے تو وہ اسی طرح کرتی ہے"۔ معین الدین نے بڑی حقارت
کہا۔ "سرم۔ ملکہ کی حفاظت میں نہیں بلکہ ہماری قید میں رہے گا۔ وہ محل کی دیواروں
بھی باہر نہیں آسکے گا اور ایک قیدی پرندے کی طرح وہیں پھڑپھڑا کے مرجائے گا"۔

"زندہ باد وزیراعظم"۔ نائب خوشی سے چیخ پڑا۔ "آپ ہی ہمارے آقا اور بادشاہ ہیں۔
جو حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا"۔

"تو پھر یوں سمجھو کہ دمشق کا کچھ نہیں بگڑا"۔ معین الدین انز بڑے غرور سے بولا۔
موصل کا اثر دمشق سے اس طرح زائل کر دیا جائے گا جیسے دودھ سے مکھی کو نکال
ہے۔ تم لوگوں کو سب سے پہلے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ہو گا۔ ملکہ یا شاہ کو
ایہ علم نہ ہونا چاہیے کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ ان سے پہلے سے زیادہ وفاداری کا
رکرو۔ اسی راستے سے ہم اپنی منزل تک پہنچیں گے"۔

معین الدین انز کے واپس آنے سے شاہی محلات میں کھلبلی مچ گئی تھی ملکہ اور شاہ
بڑا جرات مندانہ قدم اٹھایا تھا انہوں نے ایک طرح سے معین الدین کے اقتدار کو منہ
تھا۔ انز دمشق کا مرد آہن مشہور تھا۔ وہی وزیراعظم، وہی مدار المہام اور وہی نائب
ت تھا۔ دمشق کے بڑے بڑے سرزار اس کے سامنے لب کھولتے ہوئے تھرتھراتے
خود شاہ آبق اور ملکہ مادر کا بھی یہی حال تھا مگر انہوں نے ایک جذبے کے تحت اتنا

بڑا قدم اٹھا لیا تھا۔ امیر زنگی سے دوستی اور رشتہ قائم کر کے شاہ آبق نے ا
ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ لوگ خوش ہو کر دمشق اور موصل کی دوستی کے
رہے تھے مگر وہ سب عوام تھے۔ نہتے اور بے بس عوام۔ شاہی دور حکومت
اقتدار صرف لشکر کی طاقت پر قائم رہتا تھا اور طاقت کے اس سرچشمے پر اب
الدین انز کا قبضہ تھا۔ تمام سردار اس کے حکم کے منتظر تھے ان حالات میں شا
خوفزدہ ہونا درست تھا اگر معین الدین انز ان کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا تو امی
طور پر ان کی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا۔

مگر جب معین الدین انز شاہی محل میں شاہ اور ملکہ کے حضور میں سلا
حاضر ہوا تو اس کا انداز لوگوں کے تمام اندازوں اور قیاس آرائیوں سے مختلف
الدین نے بڑے ادب سے دونوں کو سلام کیا۔ ملکہ زمرد خانم اس اہم معاملا
شاہ آبق کے محل میں آگئی تھی۔

"اے دمشق کے تاجدار اور ملکہ دمشق و سلطنت موصل"۔ معین الدی
سپاٹ لہجے میں دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا اور کنکھیوں سے انہیں دیکھا۔
کے سہمے ہوئے چہرے سفید پڑ گئے تھے۔ انز نے ملکہ دمشق کو ملکہ موصل کے
بھی مخاطب کیا۔ ملکہ کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ یہ خطاب انز کا طنز ہے یا اس
مظہر۔ انز نے ان کے دلوں کا حال ایک نظر میں معلوم کر لیا تھا۔

"سلطنت دمشق کا وفادار غلام معین الدین حضور شاہ میں خلوص دل سے
کی مبارک باد پیش کرتا ہے"۔ معین الدین اتنا کہہ کر پھر رک گیا اور پہلے کی
بچا کر انہیں دیکھنے لگا۔ ملکہ اور شاہ اب بھی مبہوت سے بیٹھے تھے۔ ان پر یقین
کی کیفیت طاری تھی۔

"غلام کو افسوس ہے کہ وہ شاہی تقریب میں شریک نہ ہو سکا اور ان
لمحات کی لذت سے محروم رہا جس کی اسے ہمیشہ سے خواہش تھی۔ شاہ معظم
نے امیر زنگی سے رشتہ قائم کر کے اخوت اور دوستی کا وہ بیج بویا ہے جو دونوں
لیے ایک پل کا کام دے گا۔ میں ایک عرصے سے اس کوشش میں تھا کہ امیر
راست گفتگو کر کے دو مسلم حکومتوں کے اس دیرینہ جھگڑے کو ہمیشہ کے
جائے مگر میں اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ
شاہ اور ملکہ نے دونوں سلطنتوں کو ایک ہی دھاگے میں پرو دیا ہے۔ عیسائی
اس اتحاد کی خبر ہو گی تو ان کے ارادوں پر اوس پڑ جائے گی اور انہیں آئندہ
موصل کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ ہو گی"۔

معین الدین کی تقریر سے شاہ اور ملکہ کے چہروں پر پھیلی سفیدی کے

رنے لگی۔ بڑی مشکل سے اپنے کانوں پر یقین آیا۔ بلکہ زمرد خانم نے بھی بڑے خلوص
معین الدین کے خیالات کی پذیرائی کی۔ "وفادار وزیراعظم انز"۔ ملکہ نے اسے مخاطب
"ہمارا خیال تھا کہ شاید تم ہمارے اس قدم کو اچھی نظر سے نہ دیکھو گے مگر ہمارا یہ
اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اس تقریب کے وقت ہم نے تمہیں بعلبک سے طلب کیا تھا مگر تم
کسی ملکی ضرورت کے تحت کسی اور جگہ گئے ہوئے تھے اس لیے ہم نے یہی بہتر خیال
کیا کہ امیر زنگی کے دوستی کے پیغام کو بغیر کسی تاخیر کے شرف قبولیت بخشا جائے۔ تم نے
بات کی تصدیق کر دی ہے کہ ہم نے صحیح قدم اٹھایا ہے اور اس سے دمشق کو فائدہ
پہنچے گا"۔

"صرف فائدہ ہی نہیں ملکہ مادر"۔ معین الدین نے بڑے جوش سے کہا۔ "امیر زنگی
کی مدد سے ہم ایک ایک کر کے تمام عیسائی ریاستوں کا خاتمہ کر دیں گے پھر مشرق مغرب
شمال، جنوب ہر طرف اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہو گا اور اس علاقے کے مسلمان سکھ کا سانس
لے سکیں گے"۔

"تمہاری زبان مبارک ہو معین الدین"۔ شاہ آبق جو معین الدین کے خوف سے اب
تک ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھا، بدلتے ہوئے حالات میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنی زبان
قابو میں نہ رکھ سکا۔ اس کی ماں ملکہ مادر نے اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ معین الدین
اور اس کی گفتگو کے دوران وہ قطعی خاموش رہے کیونکہ ملکہ کو خطرہ تھا کہ شاہ کوئی ایسی
احمقانہ بات نہ کہہ بیٹھے جس سے حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں۔

ملکہ نے ثم آمین کہہ کر شاہ کو اس انداز سے دیکھا جیسے وہ اس کی گفتگو کو پسند نہیں
کرتی۔ بیچارہ شاہ ماں کا اشارہ پا کر فوراً دبک گیا مگر معین الدین تو ماں بیٹے دونوں کو خوش کر
کے ان کا تعاون یا آشیرباد لینے آیا تھا۔ اس نے شاہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ "شاہ
معظم۔ میں نے آپ کے لیے بالڈون شاہ یروشلم کی شہزادی کو پسند کیا تھا مگر آپ نے زنگی
شہزادی کو اپنی زوجیت میں لے کر مجھ سے زیادہ عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ اس بات کی
دلیل ہے کہ آپ اپنی فراست سے بہت جلد دمشق کے جملہ انتظامات سنبھالنے کے قابل ہو
جائیں گے۔ ملکہ مادر اور مجھے سکون کا سانس ملے گا"۔

شاہ اپنی تعریف پر پھول گیا۔ ملکہ نے بھی معین الدین کی بات کی تصدیق کر دی۔
"ہم کو شاہ بیٹے سے ایسی ہی امید ہے معین الدین"۔ رہی سہی کی ملکہ نے پوری کر دی۔
شاہ آبق کی آنکھوں میں شاہانہ غرور کا خمار اڈنے لگا۔

"ملکہ مادر۔ میں اس دن کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں جب زنگی شہزادی یعنی ملکہ

دمشق اپنے ملک میں تشریف لائیں گی اور میں ان کے سر مبارک پر ملکہ د
سجاؤں گا"۔ انز نے ایسے پیار بھرے لہجے میں کہا کہ شاہ آبق جھوم اٹھا۔
"ملکہ دمشق اگلے ہفتے... دمشق پہنچ رہی ہیں معین الدین"۔ ملکہ جس با
چاہتی تھی وہ اس نے برملا کہہ دی۔
"خوش آمدید ملکہ دمشق"۔ انز جیسے وفور جذبات سے بے چین ہو گیا"۔
ملاحظہ فرمائیں گی کہ دمشق کے ادنیٰ اور اعلیٰ ملکہ دمشق کا کس شاندار انداز
کرتے ہیں۔ وہ دن دمشق کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہو گا۔ ملکہ دمشق کے
ہم والئی موصل امیر زنگی کو بھی اس جوش و خروش سے خوش آمدید کہیں گے کہ
جی خوش ہو جائے گا۔ امیر ملکہ مادر کے سرتاج ہیں تو ہمارے آقا ہوئے۔ میں اپ
اپنی تمام غلطیوں کی گڑگڑا کے معافی مانگوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ ضرور معا
گے"۔

"معین الدین اگر ایسا موقع آیا تو ہم امیر سے تمہاری پرجوش سفارش کر
ملکہ نے کہا۔ "فی الحال نہ ہم نے انہیں دمشق آنے کی دعوت دی ہے اور نہ ا
ایسی کوئی خواہش کی ہے"۔

"ملکہ مادر۔ یہ آپ نے کیا غضب کیا۔ کیا دمشق کے باسی اپنی نئے آقا کے
محروم رہ جائیں گے؟" معین الدین انز نے بڑے افسوس سے کہا۔ "خیر کوئی با
آقا یہاں نہیں آئیں گے تو یہ غلام ان کی قدم بوسی کے لیے موصل ضرور جائے گا"
ملکہ زمرد خانم نے بڑی حیرت سے انز کو دیکھا۔

"ملکہ مادر۔ میں امیر زنگی سے تو معافی مانگ لوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ ک
پر مجھے معاف بھی فرما دیں گے"۔ معین الدین نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔
پہلے سرم سے معافی مانگنا ہے۔ اس وفادار سردار نے دو دشمن خاندانوں اور حکو
رشتہ کرا کے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے لیے میں اس کا شکرگزار ہوں۔ مجھ
ہے کہ ایک غلط فہمی کی بناء پر اسے میرے ہاتھوں کچھ تکلیف پہنچی ہے۔ انہیں بلو
مادر۔ اس کے احسان کے بوجھ سے میری گردن جھکی جا رہی ہے"۔

سرم بھی شاہ اور ملکہ کی طرح انز کے خوف کی وجہ سے ایک پردے کے پیچ
باتیں سن رہا تھا۔ اس کا خوف اب دور ہو چکا تھا اور انز کی جذباتی باتوں نے اسے
دیا تھا کہ انز پہلے جو کچھ بھی ہو مگر نئے حالات نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس
میں انز کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ کرنا بڑی ہٹ دھرمی تھی۔ سرم بے دھڑک ب

ے نکل کر انز کے سامنے آ گیا۔
"وزیراعظم کو یہ خادم سلام پیش کرتا ہے"۔ سرم نے بڑی صاف دلی سے کہا۔
"نہیں سرم"۔ انز نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ "میرے قریب آؤ اور گلے لگ
تم نے دمشق اور موصل کی عداوت ختم کر کے صرف دمشق ہی پر احسان نہیں کیا بلکہ
نے اپنے اعلیٰ اور ارفع کردار سے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے"۔
"آپ مجھے شرمندہ نہ کیجیے وزیراعظم"۔ سرم سچے دل سے بولا پھر آگے بڑھ کر معین
ین انز کے گلے لگ گیا۔
سرم انز کے گلے لگا کھڑا تھا اور انز اس کی پیٹھ پر بڑی شفقت سے تھپکیاں دے رہا
"سرم تم زر و جواہر میں تولنے کے قابل ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے دل سے تمام
ورتیں اور غلط فہمیاں دور کر کے مجھے سچے دل سے معاف کر دو گے۔ تمہارا یہ احسان
عمر مجھ پر ایک قرض کی طرح سوار رہے گا"۔
"وزیراعظم میں آپ کا خادم ہوں اور ایک آقا کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خادم کے
کی اس انداز میں تعریف کرے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے حب الوطنی کی وجہ سے ہوا"۔
معین الدین انز نے اپنی باتوں سے شاہ، ملکہ اور سرم کا دل جیت لیا تھا۔ انز کا نائب
کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے نائب کو کچھ اشارہ کیا اور نائب الٹے پیروں باہر چلا گیا۔
دیر بعد شاہ اور ملکہ کے نذرانے کا سامان آنا شروع ہوا۔ دس ہی کشتیوں میں دنیا کے
ور ریشم کے کپڑے رکھے تھے۔ دس ہی کشتیوں میں ملکہ کے لیے زیورات۔ خوشبویات
زنانہ سنگھار اور آرائش کی دوسری چیزیں تھیں۔ دس اور کشتیاں جو نذر کے لیے پیش
گئیں وہ سونے اور چاندی کی چھوٹی چھوٹی اینٹوں سے بھری تھیں۔ آخری دو کشتیوں کے
ب کشتی پوش اٹھائے گئے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ایک کشتی میں بڑے
ے بڑے موتی بھرے تھے۔ دوسری کشتی مختلف قسم کے جواہرات سے جگمگا رہی تھی۔
قصر شاہی کا بڑا ہال کشتیوں اور خوانوں سے بھر گیا تھا شاہ اور ملکہ انگشت بدنداں
۔ معین الدین انز کی طرف سے پڑے ہوئے کدورت کے تمام دھبے ان کے دلوں سے
ف ہو گئے تھے۔ ملکہ کے نذرانے کے بعد شاہ آبق کی ملکہ، زنگی شہزادی کے نذرانے کے
ان آنا شروع ہوئے۔ زنگی شہزادی کے لیے پیش کیا جانے والا سامان ملکہ کے سامان سے
زیادہ تھا اسے کشتیوں اور خوانوں میں بڑے سلیقے اور ترتیب سے سجایا گیا تھا۔ اگر
کشتی میں آویزے تھے تو وہ پوری کشتی مختلف رنگ، تراش اور بناوٹ کے آویزے سے
لا تھی۔ کنگن کی کشتی میں کنگن ہی کنگن تھے۔ غرضیکہ ایک سو سے زیادہ کشتیاں قیمتی

سامان سے بھری ہوئی زنگی شہزادی کے لیے پیش گئیں۔ شاہ اور ملکہ پہلے ہی کیا کم
کہ اس سامان کو دیکھ کر وہ اور بوکھلا گئے تھے۔ ہال میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے
برآمدے میں سجا دی گئی تھیں اور معین الدین کی درخواست پر اس سامان کو شاہی
بیگمات کی نمائش کے لیے کھول کے رکھ دیا گیا۔

معین الدین انز نے اپنی طرف سے الگ عوامی جشن کا اعلان کیا۔ اعلان ہوا
ہفتے تک کسی گھر میں چولھا نہیں جلے گا۔ کسی گھر سے اگر دھواں اٹھتا دکھائی دیا تو
سخت سزادی جائے گی۔ دمشق میں آنے والے مہمان خواہ وہ کارواں سرائے میں
یا کسی عزیز کے گھر میں ان سب کی خاطر و مدارت سرکاری طور پر ہو گی مگر
اخراجات وزیراعظم خود اپنی جیب خاص سے ادا کریں گے۔ دمشق میں برسوں کے
جشن کا اعلان ہوا تھا۔ آئے دن کی جھڑپوں اور جنگوں سے عوام تنگ آئے ہو
انہوں نے اس جشن میں بھرپور حصہ لیا۔ رقص اور موسیقی کھیل تماشے اور ش
کباب کی محفلیں جن کی سرعام اجازت نہ تھی وہ بھی برپا ہو گئیں اور مسلسل ہ
تک قریہ قریہ اور گلی گلی میلہ سا لگا رہا۔

پھر زنگی شہزادی کے دمشق آنے کا غلغلہ اٹھا۔ موصل سے اطلاع آئی تھی کہ ا
بیٹی کو رخصت کرنے کے لیے دمشق کی سرحد تک آئے گا۔ اس نے معین الدی
مطمئن کرنے کے لیے یہ بھی کہلوا دیا تھا کہ وہ دمشق کی سرحد سے ایک منزل پہلے
ڈالے گا اور زنگی شہزادی کا ڈولا موصل کے سرداروں کے جلو میں دمشق کی سرحد
گا۔ امیر زنگی نے اپنی قاصد کے ہاتھ یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ معین الدین انز کو
طرف سے کوئی بد گمانی ہو تو وہ شہزادی کے ساتھ دمشق تک آنے کا ارادہ ملتوی کر
کیونکہ اب وہ دمشق کے ساتھ کسی قسم کا جھگڑا پسند نہیں کرتا۔ امیر زنگی کا خیال تھا
کہ اس پیغام سے معین الدین انز کی نیت معلوم ہو جائے گی اور اگر انز نے اسے
کی کوشش کی تو دمشق کے عوام اور خواص کے دل میں انز کی قدرومنزلت ضرور
جائے گی۔

معین الدین انز شاید امیر زنگی سے زیادہ جہاندیدہ تھا۔ اس نے امیر کے قاصد
دیا کہ وزیراعظم معین الدین انز کی طرف سے امیر موصل کے حضور میں عرض کیا جا
امیر موصل صرف دمشق کی سرحد تک ہی تشریف نہ لائیں بلکہ وزیراعظم ان کا د
شاہی محل پر استقبال کرنے کا خواہش مند ہے اگر امیر اس درخوست کو قبول فرمائیں
کی کرم نوازی ہو گی۔ قلعہ دمشق کے دروازے امیر محترم کے لیے چشم انتظار کی طرح

پہلے رکھے جائیں گے۔ امیر اپنے ساتھ جس قدر چاہیں لشکر لا سکتے ہیں کیونکہ اب
اور موصل الگ نہیں بلکہ ایک جان دو قالب ہیں۔ ان کا یہ پیغام جب امیر زنگی کو
تو وہ بڑا حیران ہوا۔ زنگی دربار کے تمام سرداروں نے معین الدین کے پرخلوص پیغام کی
کی سوائے سردار اسدالدین کے۔ اسدالدین کو انز کے اس پیغام کو پرخلوص سمجھنے
ال تھا۔ امیر زنگی کے دریافت کرنے پر بھی اسدالدین کوئی وجہ بیان نہ کر سکا اس کا
طرح نہ مان رہا تھا پھر وہ زبان سے کیا کہتا۔

زنگی شہزادی کی رخصتی کا جلوس جس وقت موصل سے روانہ ہوا تو دیکھنے والے دانتوں
انگلیاں داب کے رہ گئے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے امیر زنگی نے موصل کی تمام دولت
بیٹی کے ساتھ کر دی ہے۔ شہزادی کے جہیز کا سامان ایک سو اونٹ پر بار کیا گیا تھا۔
ں کی ناک میں پڑی ہوئی نکیلوں کی ڈوریاں سونے چاندی کے تاروں سے بنائی گئی تھیں
ن کی کڑھی ہوئی جھولیں اونٹوں پر پڑی تھیں۔ آگے آگے پچاس سواروں کا ایک دستہ
رہا تھا۔ ہر سوار کے پاس تین تلواریں تھیں۔ ایک اس کی اپنی تلوار اور باقی دو خالص
چاندی کی تھیں جن کے قبضوں پر جواہرات لگے تھے۔ اونٹوں پر کیا سامان لدا ہوا تھا
ا صرف اندازہ ہی کیا جا سکتا تھا۔ پارچہ جات' گنگا جمنی ظروف اور زیورات کی کوئی
قسم نہ تھی جو دمشق نہ بھیجی جا رہی ہو۔ اونٹوں کے پیچھے زنگی شہزادی کا ڈولا تھا۔
کی فینس خالص سونے کی بنائی گئی تھی۔ فینس کے پیچھے ایک آرام دہ اور آراستہ
گھوڑا گاڑی تھی تاکہ شہزادی جب چاہے فینس سے اتر کر گھوڑا گاڑی میں سوار ہو
سب سے پیچھے امیر زنگی اپنے چند سرداروں کے ہمراہ بیٹی کو رخصت کرنے جا رہا تھا۔
زنگی کے ساتھ صرف دو ہزار منتخب سواروں کا دستہ تھا۔ اس دستے کی کمان اسدالدین
پر تھی۔

جلوس اسی شان سے کوچ کرتا اور اپنی بہاریں دکھاتا آہستہ آہستہ دمشق کی طرف بڑھ
تا۔ وہ جس راستے سے گزرتا وہاں کے رہنے والے جلوس کا استقبال کرتے اور پھولوں
علاوہ سونا چاندی شہزادی کے ڈولے پر نچھاور کرتے۔ دمشق کی سرحد سے ایک منزل دور
زنگی نے جلوس روک لیا۔ اس نے اپنے اعلان کے مطابق قیام کیا اور صرف ایک سو
وں کے ساتھ جو جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ شہزادی کا ڈولا مع تمام سامان کے
روانہ کر دیا۔ اسدالدین کو احتیاط کے طور پر شہزادی کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔

دمشق کی سرحد پر معین الدین انز نے ملکہ دمشق کا شایان شان استقبال کیا۔ شاہ آبق
الدین اپنی والدہ ملکہ مادر زمرد خاتم کے ساتھ اپنی دلھن کی پیشوائی کے لیے آیا تھا۔ اس

کے علاوہ دمشق کے تقریباً تمام عمائدین اور معززین، دمشق کی ملکہ کو خوش آمدید
لیے موجود تھے۔ اسدالدین چونکہ جلوس کے آگے تھا اس لئے وزیراعظم دمشق مو
انز سے سب سے پہلے اس کا سامنا ہوا۔ انز اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ قلعہ شیراز
اس نے اسدالدین کو شہنشاہ قسطنطنیہ کے مشیر خاص کے طور پر دیکھا تھا شہنشاہ
نے اسدالدین کو دمشق کی خیمہ گاہ میں بھیج دیا تھا تاکہ اسدالدین دمشق کی لشکر گاہ
شہنشاہ کو پہنچاتا رہے مگر اس وقت اسدالدین موصل سے آنے والے جلوس کا
معین الدین انز کو یہ بتایا گیا تھا کہ اسدالدین اپنے آقا امیر زنگی کے سخت رویے
آکر قسطنطنیہ بھاگ گیا تھا اور اس نے شہنشاہ قسطنطنیہ کامنی نس کے دربار میں
حاصل کر لی تھی لیکن اس وقت انز تو کچھ اور ہی نظر آرہا تھا۔

"اسدالدین تم.... آپ...." وزیراعظم بوکھلا گیا۔ اس وقت سردار سرم نے
مادر اور شاہ دمشق کے ساتھ آیا تھا اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور انز کے پاس پہنچا۔

"محترم وزیراعظم"۔ سرم نے پہلے مسکرا کے اسدالدین کو دیکھا پھر انز سے کہا۔
زنگی نے جس طرح خطائیں معاف کر کے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے اسی طرح
مقام نے سردار اسدالدین کی غلطیاں بھی بخش دی ہیں اور سردار اسدالدین اس وقت
کے حلقہ خاص میں داخل ہیں"۔

"اوہ سرم تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا"۔ اور معین الدین نے بڑی تیزی سے
سے اتر کر اسدالدین کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"معزز سردار۔ میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں"۔ معین الدین نے تعظیماً
اپنے سر کو بھی ذرا سا جھکا دیا۔

معین الدین انز کے اس شائستہ طرز سے اسدالدین بوکھلا سا گیا۔ وہ جلدی
گھوڑے سے اتر پڑا۔ "آپ مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ میں امیر موصل کا ایک
خادم ہوں اور آپ سلطنت دمشق کے وزیراعظم۔ آپ کی تعظیم مجھ پر فرض ہے"۔

"نہیں سردار۔ امیر موصل کی نظر میں خواہ آپ ادنیٰ خادم ہوں لیکن میرے لیے
امیر کے قائم مقام ہیں"۔ معین الدین انز نے فوراً جواب دیا۔ "میرے لیے آپ کی
امیر موصل کی تعظیم کے مترادف ہے۔ یوں بھی آپ اب اس دربار سے منسلک ہیں
دربار کا چھوٹے سے چھوٹا سردار بھی دمشق کے وزیراعظم سے کہیں زیادہ مرتبہ رکھتا
تعظیم مجھی پر فرض ہے۔ آقا کا نائب آقا ہی ہوتا ہے۔ نئے رشتوں کے تحت شاہ آ
طرح امیر موصل بھی میرے آقا ہیں"۔

اسدالدین پانی پانی ہوا جا رہا تھا اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا جواب دے۔
معین الدین انز خود ہی بولا۔ "جلوس کی خبر لانے والے قاصد نے مجھے بتایا تھا کہ امیر
ے ایک منزل دور قیام فرمائیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ امیر نے خادم کی
ذات قبول نہیں فرمائی"۔

اسدالدین جو پہلے ہی زیادہ خجل تھا اور زیادہ شرمندہ ہو گیا افسردگی سے بولا۔ "کیا کہا جا
ہے وزیراعظم۔ ہمارے امیر اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ وہ کسی کا کہنا نہیں سنتے۔ حالانکہ
نے آپ کی بات کی تائید کی تھی"۔

اسدالدین نے یہ سفید جھوٹ بولا تھا۔ اس نے امیر سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا
معین الدین انز خواہ آپ کے قدموں ہی میں سر کیوں نہ رکھ دے مگر اس پر اعتبار
کیا جا سکتا۔

شاہ مجیرالدین آبق کی نظریں بار بار اس ڈولے کی طرف اٹھ رہی تھیں جس میں اس
جیون ساتھی اور تمناؤں کی پہلی جائز ہستی اپنے چاند جیسے مکھڑے کو گھونگھٹ میں
ئے بیٹھی تھی۔ ملکہ مادر زمرد خانم بھی انز کے بے موقع سوال و جواب سے الجھن سی
وس کر رہی تھیں۔ آخر زمرد خانم سے صبر نہ ہو سکا "انز ہم محل میں پہنچ کے اطمینان
گفتگو کریں گے۔ دمشق کی ملکہ کی بھی تو خبر لو۔ ان کا ڈولا پیڑ کے نیچے رکھا ہے"۔

انز گھبرا گیا۔ "معاف کیجیے ملکہ مادر۔ میں سخت شرمندہ ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے انز نے
دالدین کا ہاتھ پکڑا اور دلھن کے ڈولے کی طرف بڑھا۔

دوسرے تمام لوگ بھی اپنے اپنے گھوڑے چھوڑ کر ملکہ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ملکہ
نے مسکرا کے شاہ مجیرالدین آبق کو دیکھا۔ "شاہ بیٹے۔ کیا آپ اپنی ملکہ کا استقبال نہ کریں
گے"۔

شاہ آبق اب تک گھوڑے پر سوار تھا ماں کی بات پر اس نے گھوڑے سے اترنا چاہا۔
اس وقت معین الدین پلٹ کر جلدی سے شاہ کے گھوڑے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے
گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ "عالیجاہ۔ آپ گھوڑے سے اترنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ مہمان
لہ کی تعظیم ہم غلاموں پر فرض ہے"۔

ملکہ مادر کو معین الدین کی یہ مداخلت ناگوار گزری۔ "اس میں کیا حرج ہے۔ کیا شاہ
دمشق کو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنی ملکہ کی اپنی مرضی کے مطابق تعظیم کر
سکے؟"۔

"توبہ توبہ ملکہ مادر"۔ انز نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "شاہ دمشق کو کسی کی اجازت کی

کیا ضرورت ہے۔ میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ موصل کی زنگی شہزادی ج
جب تک ملکہ دمشق کا تاج نہیں سجایا جاتا اس وقت تک شاہ دمشق مجیرالدین آبق
پر ملکہ کی تعظیم فرض نہیں ہوتی"۔

ملکہ مادر مسکرا دی۔ "انز تم نے ٹھیک کہا مگر شاہ آبق نے زنگی شہزادی کو ا
کی ملکہ پہلے ہی تسلیم کر لیا ہے۔ اس لیے ان پر اقلیم دمشق کے کسی آداب کی
ضرورزی نہیں"۔

معین الدین فوراً مسکرانے لگا۔ "ملکہ مادر نے میری اصلاح فرما دی۔ میں ان
گزار ہوں۔ دراصل مجھے محبت کی دنیا سے اب تک سابقہ نہیں پڑا اس لیے میں وہا
طور طریقوں سے واقف نہیں ہوں"۔

"ہم تمہیں بھی اس دنیا سے واقف کرا دیں گے"۔ یہ کہتے ہوئے ملکہ نے اپنی
صورت کنیز "لقا" کی طرف دیکھا مگر لقا جل بھن گئی۔

"میں ملکہ کا غلام ہوں۔ آپ جس طرح حکم دیں گی میں اس پر عمل کروں گا
نے چور نظروں سے لقا کو دیکھا پھر ایک لمحہ رک کے بولا۔ "ملکہ مادر۔ آپ ملکہ ز
جلوس لے کر دمشق چلیے۔ میں بھی کل تک دمشق پہنچ جاؤں گا"۔

ملکہ نے حیران نظروں سے انز کو دیکھا۔ "تمہیں کیا کام ہے انز۔ کہاں جانا
ہو؟"

"ملکہ مادر۔ غور فرمایئے۔ امیر موصل ہم لوگوں کی محبت میں دمشق تک پہنچ گئے
وہ ہمارے آقا اور معزز مہمان ہیں"۔ انز نے بڑی خوب صورتی سے ملکہ کے جذبا
چھیڑا۔ "اگر ہم میں سے کوئی ان کی قدم بوسی کے لیے ان کے پاس نہیں گیا تو وہ کیا
گے۔ دمشق کی مہمان نوازی پر کالک لگ جائے گی۔ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل
رہیں گے"۔

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" ملکہ کے دل پر انز کی بات کا گہرا اثر ہوا تھا۔ "ہم خ
ان کے پاس جا سکتے ہیں مگر امیر نے ہمیں یاد نہیں کیا"۔

"ملکہ مادر۔ اس میں امیر کا کوئی قصور نہیں۔ آپ نے بھی تو انہیں دمشق آ
دعوت نہیں دی"۔ انز نے ملکہ پر طنز کیا اور ملکہ بلبلا اٹھی۔

"انز۔ ہم نے انہیں دمشق آنے سے اس لیے روکا تھا کہ کہیں کوئی ناخوشگوار وا
اجائے۔ رشتہ نیا ہے ابھی تعلقات میں پختگی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہم نے سوچا
جب غلط فہمیاں دل کے اندر سے بالکل صاف ہو جائیں گی اس وقت ہم امیر کو دمشق

ت دیں گے"۔

گستاخی معاف فرمائی جائے"۔ انز بڑے ادب سے بولا۔ "میاں بیوی ایک دوسرے
خلص ہوں تو کسی قسم کا جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ میری درخواست ہے کہ ملکہ مادر میرے
امیر موصل کے پاس تشریف لے چلیں۔ اس طرح اگر امیر موصل مجھ سے بدگمان بھی
گے تو آپ کی سفارش سے میری جان بچ جائے گی۔ میں بہرحال ان سے ملاقات کیے
شق نہیں لوٹوں گا"۔

"آپ کوئی فکر نہ کیجیے وزیراعظم"۔ اسدالدین خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔
نے محسوس کیا کہ گفتگو بلا وجہ طول کھینچتی جا رہی ہے اس لیے اسے بولنا پڑا۔ "جس
اور دوستی کا اظہار آپ نے کیا ہے اس کے پیش نظر امیر موصل کے دل میں کوئی بد
نہ رہ جانی چاہیے۔ میں آپ کے حسن سلوک کا عینی شاہد ہوں اگر خدانخواستہ کوئی
پیدا ہوئی تو میں آپ کی طرف سے گواہی دوں گا"۔

"سردار اسدالدین۔ کیا آپ زنگی شہزادی کا ڈولا دمشق نہیں پہنچائیں گے؟" انز نے
نظروں سے اسدالدین کو دیکھا۔ "آپ شہزادی کے محافظوں کے قائد ہیں۔ شہزادی کو
میں چھوڑ کے واپس جانا میرے خیال میں مناسب نہیں ہے"۔

"وزیراعظم۔ میرے امیر کا حکم ہے کہ میں شاہ دمشق کی امانت سرحد پار آپ کے
ہاتھوں میں پہنچا دوں"۔ اسدالدین نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ "دمشق جانے کی مجھے
ت نہیں دی گئی ہے اور میں امیر کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا تصور بھی نہیں کر

"یہ ہماری بہت بڑی بد قسمتی ہے کہ ہم امیر موصل اور ان کے نمائندے کی مہمان
بھی نہیں کر سکتے"۔ معین الدین انز نے افسوس کا اظہار کیا۔ "ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ
ل کے نمائندین کی بھرپور مہمان نوازی کرنے کا فخر حاصل کریں گے۔ میں خود بھی اپنے
آقا کی حکم عدولی کا تصور نہیں کر سکتا۔ چلیے میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں"۔

ملکہ مادر بڑے تذبذب میں تھی۔ اس نے معین الدین انز کی ہمدردیاں حاصل کرنے
لیے امیر موصل کو دمشق آنے سے روک دیا تھا لیکن اب اس کا دل بے چین ہو رہا تھا
نہیں چاہتی تھی کہ اپنے نئے شوہر کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ اس سے ملاقات
سے جب کہ معین الدین شاید خود بھی یہی چاہتا تھا کہ دونوں کی ملاقات ہو جائے۔ آخر
مادر نے تمام مصلحتوں سے منہ موڑ کے اعلان کیا۔ "معین الدین تم نے دیکھا کہ امیر
ل نے کس محبت کے ساتھ دمشق والوں کی امانت ان تک بھجوادی۔ کیا دمشق والوں کا

یہ فرض نہیں بنتا کہ وہ بھی امیر موصل کی امانت ان تک پہنچائیں؟"۔

انز اور اسدالدین نے چونک کر ملکہ کو دیکھا۔ "ملکہ مادر۔ اس سے بڑھ کر
اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ میں نے تو پہلے بھی یہی درخواست کی تھی۔ ہم شاہ ا
دمشق بھیجے دیتے ہیں اور میں اور آپ اسدالدین کے ساتھ امیر موصل کی
ہیں"۔

"ہرگز نہیں مادر مہربان"۔ شاہ مجیرالدین آبق نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ "
دمشق نہیں چھوڑنے دیں گے۔ آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کا دمشق
قیام رہے گا"۔

"مگر شاہ معظم...." معین الدین انز نے کچھ کہنا چاہا کہ ملکہ نے اسے فوراً ٹوکا

"انز یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ تم اس میں دخل نہ دو" پھر ملکہ نے شاہ آبق

"شاہ دل میلا نہ کیجیے۔ ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں اور ہمیشہ قائم رہیں گے۔ ہم
ساتھ دمشق چلیں گے"۔

ملکہ مادر کے فیصلے کے سامنے سب نے سر جھکا دیے۔ شاہ آبق اپنی ماں او
لے کر دمشق لوٹ گیا اور دمشق کا مرد آہن معین الدین انز۔ موصل کے
عمادالدین زنگی کے نمائندے اسدالدین کے ساتھ امیر کی قدم بوسی کو روانہ ہوا۔

اہالیان دمشق نے شاہی جلوس کا پر جوش استقبال کیا۔ زنگی شہزادی کے
جانے والے اونٹوں کی قطاریں دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں
محسوس ہوا جیسے امیر موصل نے اپنے شہر اور خزانے کی تمام نادر اشیا شہزادی کے
دی ہیں۔ جلوس میں شامل کنیزوں کی تعداد پہلے ہی سینکڑوں تک پہنچی ہوئی تھی
شاہی محل میں زنگی شہزادی کا ڈولا اتارا گیا تو کنیزوں کی پوری فوج نے اسے گھیر لی
خیال تھا کہ وہ محل میں پہنچ کر شادی کی تمام رسمیں ادا کریں گی لیکن کنیزوں کی
نے تمام نظام درہم برہم کر دیا۔ شہزادی ابھی حجلہ عروسی تک بھی نہ پہنچی تھی کہ
نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ کسی نے ادھر سے کھینچا کسی نے ادھر سے۔ ملکہ ا
ہائیں کرتی رہ گئی اور کنیزوں نے حجلہ عروسی میں پہنچتے پہنچتے شہزادی کو بے نقاب کر
نے شہزادی کی شکل دیکھی وہ حیران رہ گیا۔ کسی نے چاند۔ کسی نے خورشید اور
غنچہ ناشگفتہ سے شہزادی کو تشبیہ دی۔ ملکہ تنگ آکر ایک طرف جا کھڑی ہوگئی
کنیزوں کی زبان سے بہو کی تعریفیں سن سن کے نہال ہوئی جا رہی تھی۔

غرض دیر تک یہی ادھم رہا پھر رسمیں شروع ہوئیں۔ پورا محل کھنکتے قہقہوں

تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ دوپہر سے شام پھر رات ہو گئی مگر قہقہے تھے کہ بند
نہ ہوتے تھے۔ خوشیاں تھیں کہ سیل رواں کی طرف بہہ رہی تھیں نصف رات گزرنے
بعد ملکہ کے حکم سے حجلہ عروسی سے کنیزوں کو گھسیٹ گھسیٹ کے باہر نکالا گیا اور شاہ
الدین آبق ہزاروں آرزوؤں اور تمناؤں کے ساتھ عروس نو کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے
اور پھولوں سے مہکتی سیج کے پاس پہنچا۔

معین الدین انز اور اسدالدین ہنستے بولتے گھوڑے اڑاتے امیر موصل کی خیمہ گاہ کی
چلے جا رہے تھے۔ انز نے اپنے نائب کو ضروری ہدایات دے کر شاہی جلوس کے
دمشق بھیج دیا تھا اور اب بڑے اطمینان سے امیر موصل کی خدمت میں جا رہا تھا۔
الدین کے تمام وسوسے اور اندیشے ختم ہو چکے تھے اسے انز کے اس طرح رام ہو جانے
بہت خوشی ہوئی تھی۔ موصل اور دمشق کی دیرینہ دشمنی دوستی میں بدل گئی تھی اور
دمشق کو طاقت کے زور سے فتح نہ کر سکا تھا وہی دمشق اور اس کا اصل حکمران معین
انز اس وقت بھیگی بلی بنا اس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے امیر موصل کی قدم بوسی کو
رہا تھا۔

"ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے وزیراعظم"۔ اسدالدین نے بڑی مسرت سے معین الدین کو
ب کیا۔ "ہمارے لشکر کے خیمے صاف نظر آرہے ہیں"۔ اسدالدین نے ایک طرف
کیا۔

"خدا کا شکر ہے"۔ معین الدین انز نے بڑے انکسار سے کہا اور اپنا گھوڑا روک لیا۔

ل آپ رک کیوں گئے وزیراعظم؟" اسدالدین نے گھوڑا روک کر انز کو قدرے حیرانگی
دیکھا۔

"محترم سردار"۔ انز کا لہجہ جیسے درد میں ڈوب گیا۔ "میرے آقا کا دربار قریب ہے۔
دربار میں حاضری کے لیے خود کو تیار بھی کرنا ہے"۔

"میں سمجھ نہیں سکا۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" اسدالدین کے ذہن میں شبہ کی ایک
ی دھمک پیدا ہوئی۔

"میں امیر موصل کا مجرم ہوں سردار"۔ انز کا لہجہ بالکل صاف تھا۔ "شاہوں کے دربار
جس طرح مجرم پیش ہوتے ہیں اسی طرح میں بھی اپنے بادشاہ کے حضور پیش ہوں

"میں اب بھی نہیں سمجھا وزیراعظم۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟" اسدالدین الجھنے لگا تھا۔

"ازراہ کرم آپ میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر میری دستار سے باندھ دیجیے اور

تلوار میرے گلے میں لٹکا دیجیے۔ جنگی مجرم اسی انداز میں پیش کیے جاتے ہیں"۔

اسدالدین کے ذہن میں سر اٹھانے والے شبہ نے دم توڑ دیا۔ اس کی نظر
معین الدین انز کی عظمت دو چند ہو گئی۔ " وزیراعظم۔ میں یہ گستاخی نہیں کر
اپنے امیر کو کیا منہ دکھاؤں گا؟"

"میں نے آپ سے درخواست کی ہے۔ امیر آپ کو کوئی الزام نہیں دیں گ
نے جیسے ضد کی۔ "اگر آپ میرے ہاتھ نہیں باندھ سکتے تو دربار میں جا کر امیر
کہیے کہ ان کا مجرم معافی طلب کرنے کے لیے حاضر ہو رہا ہے۔ میں یہ کام خو
گا"۔

"وزیراعظم۔ آپ مجھ پر اعتماد کیجیے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ امیر آپ س
پرس نہ کریں گے۔ وہ آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ انہوں نے
تو معاف کیا ہے۔ آپ کو وہ کیوں معاف نہ کریں گے"۔ اسدالدین نے انز کو سمجھا
قائل کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

"سردار آپ نہیں جانتے میں امیر کا کتنا بڑا مجرم ہوں"۔ انز نے دکھ بھری آ
کہا۔ "قسطنطنیہ کے شہنشاہ جان کامنی نس نے جب مسلمان علاقوں کو پامال کرنا شروع
امیر انہیں سزا دینے کے لیے آگے بڑھے تو بجائے اس کے کہ میں مسلم علاقوں
رکھنے کے لیے امیر موصل کا ساتھ دیتا۔ میں نے عیسائیوں کا ساتھ دیا اور اپنا لشکر
ان کے مقابلے پر کھڑا ہوا"۔

اسدالدین مسکرایا۔ "وزیراعظم۔ میں ان تمام باتوں سے واقف ہوں مگر آپ
موجودہ رویے سے ان تمام باتوں کا تدارک کر دیا"۔

معین الدین انز کی ضد سے مجبور ہو کر اسدالدین نے اس کے ہاتھ پشت
دیے اور تلوار گلے میں لٹکا دی۔ دونوں نے اپنے گھوڑے وہیں چھوڑ دیے اور پیا
زنگی کے سامنے پیش ہوئے۔ امیر زنگی اپنے سرداروں کے ساتھ خیمے کے باہر بیٹھا
نے بیٹی کو رخصت کر کے دمشق کی طرف بھیج دیا تھا مگر اس کا دل کسی طرح مطمئن
رہا تھا۔ جس وقت اسدالدین نے دمشق کے وزیراعظم کو پشت پر بندھے ہاتھوں اور
لٹکتی تلوار کے ساتھ امیر کے سامنے پیش کیا تو امیر زنگی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"اسدالدین تمہیں معین الدین کو گرفتار کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟" امیر زنگی
اٹھا تھا۔ "ہم نے اپنا اور اپنی پیاری بیٹی کا رشتہ کر کے دمشق کی طرف دوستی کا ہاتھ
تھا لیکن تم نے اس ہاتھ کو کاٹ دیا۔ معین الدین ہمارا کتنا ہی بڑا دشمن سہی لیکن

ہم کے بغیر اس کی یہ حالت کیوں بنائی؟"
کے بجائے معین الدین انز نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ "اے موصل کے
اسدالدین
اور مجھ جیسے گناہ گار کے آقا۔ میری اس حالت سے سردار اسدالدین کا کوئی تعلق
ہے یہ تو مجھے بڑے عزت و احترام سے آپ کے دربار میں پیش کرنا چاہتے تھے لیکن
پ کا مجرم تھا اور مجرموں کو خواہ وہ کسی مرتبے کے کیوں نہ ہوں اسی ہیئت سے شاہی
میں لایا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے سردار اسدالدین کی خوشامد کر کے اپنی یہ صورت
ہے"۔

امیر زنگی کے چہرے پر ابھرتی ہوئی لکیریں سمٹ کر غائب ہو گئیں۔ "مگر ہم نے ایسی
بھی نہیں کی۔ ہم تو یہ بھی بھول چکے ہیں کہ ماضی میں تم نے موصل اور موصل
کے ساتھ کیا سلوک ہے۔ نئے حالات میں ہم اس بات کی صرف خواہش کرتے ہیں
مل اور حاکم موصل کی پرانی دشمنی ختم کر دو اس میں ہم لوگوں کا فائدہ ہے"۔ پھر
ے ایک دم رک کر اسدالدین کو دیکھا۔ "اسدالدین اب تو وزیراعظم کے گلے سے
طوق اتار دو۔ ہاتھ دشمن کے بھی نہیں باندھے جا سکتے۔ اگر سامنے والا بے دست و
انسانی شجاعت رو پڑتی ہے۔ ان کے ہاتھ بھی فوراً کھول دو"۔

سدالدین نے فوراً معین انز کو اس کی خود ساختہ قید اور حراست سے آزاد کر دیا۔

"آقائے محترم"۔ معین الدین انز نے لجاجت اختیار کی۔ "دمشق کی یہ کس قدر بد
ہے کہ آپ دمشق سے اس قدر قریب ہوتے ہوئے بھی دمشق والوں کو اپنے دیدار
م رکھ رہے ہیں؟"۔

دمشق تو ہمارا دل ہے انز"۔ امیر نے بھرپور انداز میں کہا۔ "مگر کیا کیا جائے۔ ملکہ
ہمیں دمشق میں دیکھنا پسند نہیں کرتیں ورنہ ہماری بھی یہی خواہش تھی کہ ہم خود
کا جلوس محل سرائے شاہی تک پہنچاتے"۔

آقا ملکہ محترمہ نے جو کچھ کہا یہ ان کی دور اندیشی تھی"۔ معین الدین انز نے ملکہ
کی حمایت کی۔ "عقد کے موقع پر میں دمشق میں موجود نہ تھا۔ وہ بھی میری طرف
ہمی میں مبتلا تھیں اس لیے...... آپ کا دمشق میں قدم رنجہ فرمانا انہیں مناسب نہ
ا لیکن حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ ملکہ عالیہ میرے ہمراہ آپ کے پاس آنے
تیار تھیں انہوں نے اعلان بھی فرمایا تھا"۔ انز جان بوجھ کر رک گیا۔

امیر زنگی نے بڑے اشتیاق سے انز کو دیکھا۔ انز نے اس کے لطیف جذبے کو ابھارا
اس نے خوش ہو کر کہا۔ "انز تم نے اچھا کیا کہ زمرد خانم کو ساتھ لے آئے"۔ پھر

امیر زنگی کھڑا ہو گیا۔ "اسدالدین تم نے بھی نہیں بتایا کہ ملکہ تمہارے ساتھ
انہیں کس جگہ روک کے آئے ہو۔ ہم ان کا پرتپاک استقبال کریں گے"۔

اسدالدین نے جواب دینا چاہا مگر معین الدین انز نے امیر زنگی کو اپنی طرف
لیا۔ "آقائے عالی مقام۔ ملکہ محترمہ بالکل آمادہ تھیں لیکن شاہ مجیرالدین آبق نے
محبت کا واسطہ دے کر ان کے قدم روک دیئے"۔

امیر زنگی افسردہ سا ہو گیا۔ "خیر کوئی بات نہیں انز۔ شاہ نے ضرور ضد
زمرد خانم نے اپنی ممتا سے مجبور ہو کر اپنا فیصلہ بدل دیا ہو گا"۔

"بالکل ایسا ہی ہوا ہے آقا"۔ معین الدین نے اس کی تعریف کی۔ "گ
غلام انہیں آپ کے پاس لے کر ضرور آئے گا۔ آپ سے معافی طلب کرنے ک
سے ملاقات کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ملکہ کو آنے کی اجازت دیں۔ ش
آبق جوان ہیں۔ انہیں بیٹے اور شوہر کی محبت میں ایک حد فاصل رکھنا چاہیے
جذبے ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں"۔ پھر ایک لمحہ رک کے بولا۔

"آقائے محترم تو پھر کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ نے ملکہ کو یہاں آنے کی
دی ہے؟" معین الدین انز نے پہلی ہی ملاقات میں امیر زنگی کے دل میں بیٹھنے
کی۔ اس نے انز نے یہ کہہ کر اپنا سر جھکا لیا تاکہ وہ امیر زنگی کے حضور گستا
نہ ہو۔

امیر زنگی نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ انز کے متعلق اسے وہی باتیں ہی معلو
جن کا ذکر معین الدین انز نے خود اپنی زبان سے کیا تھا۔ امیر نے فوراً اسدالد
دیکھا جیسے وہ اس کا مشورہ طلب کر رہا ہو۔ اسدالدین نے بھی اسے اشاروں م

امیر نے اپنے الفاظ تولے اور کہا۔ "انز تم جانتے ہو کہ ہماری سب سے
یہی ہے کہ ملکہ زمرد خانم ہمارے پاس آئیں ہمارے ساتھ قیام کریں اور ا
فراست کی روشنی سے موصل کے شاہی محلات کو منور کریں مگر اس سلسلے م
جلدی بھی نہیں۔ تم آج یہاں پہنچے ہو۔ سفر کی تکان دور کرنے کے لیے بھی
دن آرام کرنا....."

"امیر محترم"۔ معین الدین انز نے بڑے انکسار سے کہا۔ "غلام ایک
ہے۔ میں کام پر آرام کو ترجیح نہیں دیتا۔ یہ تو صرف ایک منزل کا سفر ہے اگر ا
لیے مجھے سات منزلوں تک مسلسل سفر کرنا پڑے تو اس سفر کو میں عین سعا

سمجھوں گا۔ آپ صرف غلام کو حکم دیجئے۔ میں آئندہ اڑتالیس گھنٹوں میں ملکہ
کو ساتھ لے کر حاضر ہو جاؤں گا"۔

"ہم تمہارے بے پناہ خلوص سے بہت خوش ہوئے انز"۔ امیر زنگی مسکرایا۔ "مگر ہم
را نہیں کر سکتے کہ ہم اپنے ایک وفادار کو جو اس وقت ہمارا مہمان بھی ہے۔ محض
ذاتی کام کے لیے پھر سفر اختیار کرنے کی زحمت دیں۔ تم کل تک آرام کرو۔ ابھی تو تم
بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا دل ہماری طرف سے صاف ہو گیا
لیے ہم بھی تمہارے مشورے پر عمل کریں گے"۔

معین الدین انز نے جھک کر بڑے ادب سے امیر زنگی کا شکریہ ادا کیا لیکن جس وقت
الدین کے ساتھ وہاں سے جا رہا تھا تو اس کے چہرے سے ایک خاص قسم کی بے چینی
تھی۔ شاید وہ ملکہ مادر کو فوراً امیر زنگی تک پہنچانے کے لیے مضطرب تھا یا پھر کچھ.....

اسدالدین نے معین الدین کو ایک آراستہ خیمے میں پہنچا دیا اور اس کی خدمت پر اپنی
خاص غلام اور دس کنیزیں مقرر کر دیں۔ یہ سب غلام اور کنیزیں امیر زنگی کے لشکر کی
تربیت یافتہ جاسوس تھیں جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ انز کی تمام حرکات و سکنات اور
کا جائزہ لیتی رہیں اور ہر بات کی خبر اسدالدین تک پہنچائیں۔ امیر زنگی نے معین
انز کو دو دن تک قیام کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن امیر زنگی نے اسدالدین کے
ے سے اس میں چھ دن کا اور اضافہ کر دیا۔ قیام کی مدت میں اضافہ کا اسدالدین نے
الدین کے سامنے یہ جواز پیش کیا کہ امیر زنگی اپنی ملکہ کا شایان شان استقبال کرنا
ہیں جس کے انتظام کے لیے انہیں کچھ وقت درکار ہو گا۔

دن کا یہ قیام معین الدین کے لئے ایک بار سا بن گیا اس کی بے چینی ہر وقت بڑھتی
ی تھی۔ ادھر اسدالدین اور امیر زنگی اب تک اس بات پر متفق نہیں ہو سکے تھے کہ
یا شاطر۔ خطرناک بلکہ خوفناک دشمن اتنی آسانی سے ان کا دوست بن سکتا ہے
شاہی جاسوسوں اور جاسوساؤں نے کوئی ایسی خبر نہیں دی تھی جس سے معین الدین
کی بات سے غداری کی ذرا سی بھی بو آتی ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ دمشق کا وزیر اعظم ہر
امیر زنگی اور اسدالدین کی محبت اور خلوص کے گن گاتا رہتا ہے اور زنگی شہزادی اور
د خانم کے کے عقد سے بہت خوش ہے۔

دن کے اختتام پر معین الدین انز نے کہا "آقائے محترم اگر مجھے یہاں مزید ٹھہرنے
ا گیا تو میں سمجھوں گا کہ امیر موصل کو میری نیت پر شبہ ہے میں اس سلسلے میں
یہ عرض کروں گا کہ اگر امیر کو میری نیت پر ذرہ برابر بھی شبہ ہے تو فوجی ضرورت

کے تحت مجھے فوراً قتل کرا دیا جائے"

امیر موصل اس کے اس اظہار سے شرمندہ سا ہو گیا۔ "معین الدین انز!
ہمیں تم پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ۔ دراصل ہم ملکہ کا شاہانہ استقبال کرنے کے
تھے لیکن وہ اس ویران جگہ پر ممکن نہیں۔ تم جس وقت چاہو دمشق واپس جا
حفاظت کے لئے تم جس قدر سوار چاہو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں امیر محترم" معین الدین نے جھک کر سلام کیا
ہے کہ میرا یہ سفر دو سلطنتوں کے ملاپ کے سلسلے کی ایک بڑی اہم اور نیک کڑی
رکھتا ہے اور جس کام کی بنیاد نیکی پر رکھی گئی ہو اس کام میں اللہ تعالیٰ مدد کرتا
قدر تیز رفتاری سے دمشق جانا چاہتا ہوں آپ کے سوار شاید اس میں میرا سا
سکیں ۔ اس لئے میں تنہا سفر کرنے کی درخواست کرتا ہوں ۔"

امیر موصل اور اسدالدین نے کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ دوسری صبح معین الد
خوشی تیار ہو کر امیر موصل کی خدمت میں حاضر ہوا امیر موصل اور اسدالدین
گلے لگا کر رخصت کیا۔ معین الدین انز کے لئے گھوڑا پہلے ہی سے تیار کر دیا گ
نے رخصتی سلام کیا اور پھر اس کا گھوڑا دمشق کی طرف اڑنے لگا ۔

اسی شام جب معین الدین انز کو امیر موصل کی خیمہ گاہ سے رخصت ہوئے
بھی نہ گزرے تھے کہ ایک تیز رفتار سوار امیر موصل کی خیمہ گاہ میں داخل ہ
تھکن سے چور تھا اس کے ساتھ امیر کے لشکر کے چار محافظ بھی تھے جو ا
اسدالدین تک پہنچے تھے انہوں نے اسدالدین کو بتایا کہ سوار دمشق سے دن رات
ہوا یہاں تک پہنچا ہے اور امیر موصل سے فوراً ملنا چاہتا ہے ۔ ایک سوار نے
سے یہ سرگوشی بھی کی ۔

"سردار دمشق سے آنے والا یہ سوار مرد نہیں بلکہ ایک عورت ہے۔ اس
کہ وہ ملکہ زمرد خانم کی خاص کنیز ہے اور ان کا ایک اہم پیغام امیر موصل کو
ہے"

بہار اور خزاں

اس پرآشوب دور میں دمشق سے کسی قاصد کا آنا ہی کیا کم اہم ہو سکتا تھا کہ اس پر
اف کہ قاصد مرد کی بجائے ایک عورت ہے جو مسلسل گھوڑا بھگاتی یہاں تک پہنچی
س سے معاملے کی سنگینی دو چند ہو گئی تھی۔ اسد الدین نے لمحوں کے اندر قاصد کے
میں سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ آنے والی ملکہ مادر کی منہ چڑھی کنیز لقا کے سوا اور
یں ہو سکتی۔ اس دوران میں وہ خیمے کے باہر پہنچ چکا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو
ا اس کے سامنے کھڑی تھی۔ لقا نے نقاب الٹ دیا تھا اور اس قدر مضمحل ہو رہی
ہارے کے لئے اس نے ایک سپاہی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ خدا خیر
۔ اسد الدین کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

لقا! تم۔۔۔ خیریت؟" اسد الدین نے بڑھ کر اسے سنبھالا۔

سردار! مجھے امیر کے پاس لے چلو۔" لقا نے جیسے غنودگی میں کہا۔

د الدین نے اس سے کوئی اور سوال نہیں کیا۔ سپاہی کی مدد سے وہ لقا کو امیر
کے خیمے تک لے گیا۔ امیر موصل کو اس کے غلاموں نے اطلاع دے دی تھی کہ
د دمشق سے آیا ہے اور سردار اسد الدین اسے لے کر ادھر ہی آ رہا ہے۔ یہ سنتے
را کر کھڑا ہو گیا اور بے چینی کے عالم میں خیمے کے اندر ٹہلنے لگا تھا۔ امیر موصل
ا اور بہادر جس پر میدان جنگ میں بھی کبھی خوف طاری نہ ہوا تھا۔ وہ اس وقت
وم خوف سے پریشان ہو گیا تھا۔ معین الدین انز کو دمشق گئے ہوئے صرف بارہ

گھٹنے ہوئے تھے۔ وہ ابھی دمشق پہنچا بھی نہ ہو گا پھر یہ کون آیا ہے کیا اہم پیغام ہو
کیا اس کی شہزادی... یا ملکہ زمرد خانم... نہیں، نہیں۔ امیر موصل وسوسوں کے جال
رہا تھا کہ اسد الدین قاصد کو لئے خیمے میں داخل ہوا۔

"امیر محترم! یہ ملکہ زمرد خانم کی کنیز خاص لقا ہے اور آپ کے لئے ملکہ کا پ
ہے۔"

لقا نے نیم غشی کی حالت میں آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ امیر موصل کی مو
محسوس کرتے ہوئے اس نے اسد الدین اور سپاہی کے سہارے سے خود کو آزاد کیا
کو سلام کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا مگر خود کو نہ سنبھال سکی اور چکرا کر فرش پر گر گئی
نے پریشان نظروں سے اسد الدین کو دیکھا۔

"اسد الدین جلدی کرو۔ کسی کو بلاؤ۔ اس کا ہوش میں آنا ضروری ہے۔"

اسد الدین فوراً" باہر کی طرف بھاگا۔ امیر موصل کو کچھ اور نہ سوجھا تو وہ لقا
بیٹھ گیا اور بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسد الد
صاحب کو لے کر آیا۔ دور شاہی میں حکیم، ندیم، شاعر اور منجم شاہی دربار کے رک
جاتے تھے۔ یہ لوگ سفر اور حضر میں بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے۔ امیر موصل اگرچہ
بادشاہ نہ تھا لیکن سلجوقی خاندان کی بربادی کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی
موصل ہی سمجھی جاتی تھی۔ عیسائی دنیا اگر کسی سے گھبراتی تھی تو وہ امیر موصل عما
زنگی ہی تھا۔

شاہی حکیم نے نبض دیکھنے کے بعد بتایا۔ "فکر کی بات نہیں امیر محترم! گھوڑ
طویل سفر نے خاتون کے اعضاء مضمحل کر دئے ہیں۔ کچھ دیر بعد ہوش آ جائے گا۔"

اسد الدین نے حکیم کو لقا کے سفر کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ
شربت لے کر آئے تھے۔ لقا کے دانت بھنچے ہوئے تھے۔ دو چمچے شربت لقا کے جبڑ
کر حلق میں ڈالا گیا۔ لقا نے جھرجھری لے کر آنکھیں کھول دیں اور گھبرا کر نظریں
پھر اس نے اک دم چیخ ماری۔

"نہیں، نہیں ... ملکہ کو نہ مارو ... مجھے مار ڈالو ... خدا کے لئے رحم کرو۔" اس
ساتھ ہی وہ دہاڑیں مار کر رونے لگی اور اس کی آنکھیں پھر آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں
لقا کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ نشتر بن کر امیر موصل کے سینے میں اتر گئے
زمرد خانم کو دشمنوں نے قتل کر دیا۔ غم اور غصے سے امیر پاگل ہو گیا۔ وہ فرش سے
تلوار پر ہاتھ رکھ کر گرجا۔

قسم ہے وحدہ لا شریک کی۔ میں قاتلوں کو چن چن کر ماروں گا۔ میری تلوار سے کوئی
نہ بچے گا۔ معین الدین تو نے مجھ سے غداری کی ہے۔ میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے میں
کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

خیمہ امیر کے سرداروں سے بھر گیا تھا۔ امیر دمشق کی طرف منہ کر کے یوں بول رہا
جیسے معین الدین انز اس کے سامنے ہی کھڑا ہو۔ "او منافق! میں نے تجھے معاف کر دیا
ر بھی تو نے غداری کی تو نے زمرد خانم کو نہیں، موصل کی ملکہ کو قتل کیا ہے۔ تیری
بڑی عبرتناک ہو گی۔"

اسد الدین بھی سخت بدحواس تھا۔ لقا اگرچہ بے ہوشی کے عالم میں بولی تھی مگر اس
و کچھ کہا، اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ لقا نے اس منظر کو
آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جب دشمنوں نے اس پر حملہ کیا۔ اس نے ملکہ کی جان کی
ائی تھی لیکن یہ قتل معین الدین نے کرایا۔ یہ بات اس کا دل نہیں مانتا تھا۔ دمشق
رمد اس خیمہ گاہ سے ایک منزل دور تھی پھر وہاں سے دمشق کا فاصلہ معین الدین کا
زر جلد دمشق پہنچ کر ملکہ کو قتل کراتا ... کچھ درست معلوم نہ ہوتا تھا۔

لقا کی چیخیں کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئیں۔ اس کی آنکھیں بھی بند ہو چکی تھیں۔ حکیم
ب نے پھر نبض دیکھی۔ "خاتون پر دوبارہ بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔"

امیر موصل نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اسد الدین نے آہستہ سے کہا۔ "امیر محترم!
ے کام لیجئے۔ لقا نے بے ہوشی کے عالم میں ناتمام جملے کہے ہیں۔"

"تم جھوٹی تسلیاں دے کر ہمیں بہلانا چاہتے ہو؟" امیر کو جلال آ گیا۔ "ہم دمشق کے
صورت شہر کو تباہ نہیں کرنا چاہتے تھے مگر انز نے ہمارے منہ پر تھوکا ہے، ہمارے
و للکارا ہے، خدا کی قسم.....!"

اسی وقت لقا کے جسم کو حرکت ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ امیر موصل
اس کے سامنے کھڑا تھا۔ لقا نے آنکھیں جھپکا کر امیر کو دیکھا۔

"کیا میں امیر موصل کے سامنے ہوں؟" لقا کی آواز بہت نحیف تھی۔

"ہاں لقا! امیر تمہارے سامنے ہیں۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اسد الدین اس پر
کیا۔

"مجھے اٹھائیے سردار!" لقا نے اٹھنے کی کوشش کی۔ "میں امیر کو تعظیم پیش کر
ہ"

حکیم نے لقا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بیٹی! اپنے حواس درست کر لو۔ تعظیم کو بڑا

وقت پڑا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ بس چکر آ گیا تھا اور لقا' اسد الدین کے سہارے سے ا
گئی۔

امیر زنگی نے اپنے بستر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسد الدین' لڑکی کو وہاں
لقا اپنے حواسوں پر قابو پا چکی تھی۔ وہ اسد الدین کا سہارا لے کر کھڑی ہو
نے بڑے ادب سے امیر زنگی کو تعظیم پیش کی۔ اس کے ساتھ اس کی آنکھیں
"امیر محترم!" لقا نے بھرائی آواز میں کہا۔ "میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے'
منحوس پیغام آپ تک پہنچانے پر مجبور ہوں جو میری مہربان ملکہ زمرد خانم نے آپ
بھیجا ہے۔"

"زمرد خانم نے!" امیر نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے لقا کو دیکھا۔ "کیا ملکہ زندہ

"خدا انہیں عمر خضر عطا کرے۔" لقا نے بڑے خلوص سے کہا۔ "میری
ملکہ بقید حیات تھیں اور اس ذات پاک سے امید ہے کہ وہ اپنے غمزدہ دل کے
ہوں گی۔"

"لقا! تم نے کچھ دیر پہلے ملکہ زمرد خانم پر قاتلانہ حملے کا ذکر کیا تھا۔"

"سردار!" لقا نے اسد الدین کی بات کاٹ دی۔ "آپ کیا فرما رہے ہیں؟
ہوش آیا ہے۔"

"تم بستر پر لیٹ کر بات کرو۔" امیر موصل نے بڑی شفقت سے کہا۔ "زم
زندہ بچ جانے کی خبر سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

لقا کو امیر کے اصرار پر قالین کے بستر پر لٹا دیا گیا اور سر کے نیچے سامان ر
کر دیا۔

اسد الدین نے لقا کو پرسکون دیکھا تو کہا۔ "ہاں لقا! اب اطمینان سے بتاؤ۔
پیغام بھیجا ہے اور دمشق پر کیا گزری ہے یا گزرنے والی ہے؟"

لقا نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ امیر نے ان نظروں کا مطلب سمجھنے
سے کہا۔ "طبیب اعظم! اگر ضرورت پڑی تو آپ کو پھر طلب کر لیا جائے گا۔"

امیر کا اشارہ دوسرے لوگوں کی سمجھ میں بھی آ گیا اور حکیم کے پیچھے پیچھے
چلے گئے۔ اسد الدین جانے لگا تو لقا نے اسے روکا۔ "آپ ٹھہر جائیے سردار۔"

"اے امیر محترم! اگر غم زیادہ ہو تو لوگ سمجھتے ہیں' کلیجے کے ٹکڑے ہو رہے
میں نے کلیجے کے ٹکڑے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔" لقا

نظریں جماتے ہوئے اس طرح کہنا شروع کیا' جیسے وہ خواب میں بول رہی
ہو۔ "اللہ اللہ کس قدر خوش خوش ہم نے شاہی محل میں تین دن گزارے تھے۔ زنگی
شہزادی دنیا جہاں کی مسرتیں اپنے دامن میں بھر کر حرم سرائے شاہی میں داخل ہوئی تھیں۔
ہر طرف قہقہوں اور مسکراہٹوں نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ شاہی خزانے کے منہ کھلے ہوئے
تھے۔ صدقات' خیرات سے مساکین اپنی ... جھولیاں بھر رہے تھے اور دمشق کے شاہ اور
ملکہ کو دعائیں دے رہے تھے۔ چوتھی صبح ہمارے لئے قیامت بن کر آئی۔" اور اس کے
ساتھ ہی لقا کی آنکھیں برسنے لگیں۔ وہ اس قدر روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

امیر موصل اور اسد الدین دم بخود بیٹھے تھے۔ اسد الدین نے کئی بار چاہا کہ لقا کو چپ
کرائے مگر ہر بار امیر موصل نے اسے اشارے سے روک دیا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ لقا کے
دل کا بوجھ آنسوؤں کے ذریعے بہہ جائے اور پھر وہ صحیح طور پر حالات بیان کر سکے۔ لقا کا
بوجھ رونے سے واقعی ہلکا ہو گیا۔ اس نے رونے کے بعد اپنی آنکھیں خشک کیں اور امیر کی
طرف بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"امیر محترم!" لقا کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی۔ "میں آپ کو کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں
اس رات دیر تک ملکہ خانم کے ساتھ محل کے جشن میں شریک رہی تھی اور اس قدر تھک
گئی تھی کہ جب واپس آ کر اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی تو صبح تک کچھ ہوش نہ رہا پھر جب
ہوش آیا تو شاہی محل کا نقشہ بدل چکا تھا۔ میں اور ملکہ ان دنوں شاہ کے محل میں رہتے
تھے۔ شور کی آواز سن کر میں باہر آئی تو میں نے دیکھا کہ دمشق کا تاجدار خون میں لتھڑا
شاہی غسل خانے کے باہر پڑا ہے۔ ظالموں نے اسے غسل کے دوران ہی قتل کر دیا تھا اور
اس کی لاش باہر کھینچ لائے تھے۔ اے امیر! آپ کی شہزادی کے ہاتھوں کی مہندی نے ابھی
رنگ بھی نہ بدلا تھا کہ ان کی قسمت بدل گئی۔ وہ شاہ کے سرہانے کھڑی بین کر رہی تھیں
اور ملکہ مادر زمرد خانم جوان بیٹے کا غم دل میں دبائے قاتلوں کے سامنے سینہ سپر تھیں۔ ان
کے ہاتھوں میں برہنہ تلوار تھی اور وہ چیخ چیخ کر شاہ کے قاتل کو دعوت مبازرت دے رہی
تھیں۔ سامنے کی طرف وزیر اعظم انز کا نائب اپنے درجنوں سپاہیوں کے ساتھ محل کے اندر
کھڑا تھا' جس وقت شہزادی بین کرتی یا ملکہ غصے اور غم سے چیختیں تو وہ قہقہے لگاتا اور اس
کے قہقہے میں دوسروں کے قہقہے شامل ہو کر ایک بے ہنگم شور پیدا کرتے تھے۔"

لقا' آہیں اور سسکیاں بھر رہی تھی۔ اسد الدین نمناک آنکھوں سے لقا کو دیکھ رہا تھا
اور امیر تو یوں گم سم کھڑا تھا' جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ شدت غم سے اس کی آنکھوں کے
آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ ایک طرف ہفتہ بھر کی بیاہی ہوئی بیٹی کی بیوگی کا غم دوسری

طرف ملکہ زمرد خانم کے بے حرمتی اور بے بسی کا صدمہ۔ دونوں غموں کے درمیان پس
جا رہا تھا۔

"لقا! اب کچھ پوچھنے کا یارا نہیں رہا۔ اسد الدین کا لہجہ کربناک ہو گیا۔ "پھر بھی
تم قاتلوں کے بارے میں کچھ اور بتا سکو تو مہربانی ہو گی۔"

"سردار"۔ لقا نے اپنا غم ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر نہ
وقت ہے اور نہ موقع۔ ملکہ نے امیر موصل سے درخواست کی ہے کہ وہ فوراً موصل
طرف کوچ کریں کیونکہ شاہ یروشلم اور شاہ انطاکیہ کے لشکر انہیں گھیرنے کے لئے
طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ ملکہ نے اطمینان دلایا ہے کہ امیر زنگی' شہزادی اور خود ملکہ
طرف سے فکر مند نہ ہوں.... کیونکہ دمشق کے دو قبیلوں نے ان کی جان اور ناموس
ذمے داری اٹھا لی ہے۔ شاہ کو معین الدین انز کے نائب نے شاہی لشکر کی مدد سے قتل
ہے۔ قتل کا اصل محرک وزیر اعظم معین الدین انز ہے جو اپنے آپ کو بدنامی سے بچا
کے لئے آپ کے پاس آیا ہوا ہے۔"

یروشلم اور انطاکیہ کے متحدہ لشکروں کی آمد کی اطلاع بڑی حیرت ناک بلکہ خوفنا
تھی۔ امیر کے پاس صرف دو ہزار سوار تھے اور ان سے دو لشکروں کا مقابلہ کرنا سخت نا
اور بے وقوفی تھی۔ ملکہ نے شاید اسی وجہ سے امیر کو موصل جانے کا مشورہ دیا تھا۔ ا
نے اسی وقت سواروں کو واپسی کا حکم دے دیا اور خیمے اکھڑنے لگے۔

"تمہارا کیا ارادہ ہے لقا؟ تم کہاں رہنا پسند کرو گی؟" اسد الدین نے پوچھا۔

"میں دمشق واپس جاؤں گی سردار!" لقا نے جواب دیا۔ "مجھے ملکہ مادر سے جس ق
محبت۔ اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں ان سے الگ نہیں رہ سکتی۔ انہوں
مجھے جلد سے جلد واپس آنے کا حکم دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے لقا... تمہارا واپس جانا ہی بہتر ہے۔" اسد الدین نے تائید کی۔ "ہاں ا
بات اور بتاؤ۔ سردار سرمم بھی تو تمہارے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس غریب پر کیا بیتی
قاتلوں کے ہاتھ سے بچا... یا خدانخواستہ اسے بھی...."

"سردار سرمم کو خدا نے بچا لیا۔" لقا بیچ میں ہی بول پڑی۔ "ایک دن پہلے ا
اطلاع ملی کہ حلب سے ایک خاتون اس کی تلاش میں دمشق پہنچی ہے اور اسے فریب د
کر انز کے نائب نے گرفتار کر لیا ہے۔ سردار سرمم اس خبر سے اس قدر پریشان ہوئے
ہم لوگوں کے روکنے کے باوجود وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے پھر دوسری صبح
قیامت ٹوٹ پڑی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ انہیں بھی قتل کر دیا گیا ہو گا لیکن قصر شاہی

میں ان کی لاش موجود نہ تھی۔"

"خدا کا شکر ہے۔" اسد الدین نے رقت سے کہا۔ "حلب سے آنے والی خاتون
انطاکیہ کی شہزادی جینالو کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے کہ شہزادی کو اس
گرفتار کیا گیا ہو گا کہ اسے شاہ انطاکیہ کے حضور پیش کر کے دمشق والے شاہ کی
ی حاصل کر سکیں۔"

"سردار سرمم نے بھی شہزادی ہی کا نام لیا تھا۔" لقا نقاہت کے باوجود واپس جانے کے
ار ہو رہی تھی۔ "اگر سردار سرمم شہر میں پوشیدہ ہیں تو وہ ہم لوگوں سے ضرور رابطہ
یں گے۔"

"لقا! تمہیں معلوم نہیں کہ معین الدین انز آج ہی دمشق واپس گیا ہے۔" اسد
نے لقا کو یہاں کے حالات سے آگاہ کیا۔ "انز جتنے دن یہاں رہا اس نے یہی کوشش
تو زمرد خانم کو امیر موصل کے پاس لایا جائے یا امیر موصل کے لطیف جذبات کو ہوا
ر انہیں دمشق لے جایا جائے۔ انز اب دمشق پہنچنے والا ہو گا۔ وہاں پہنچتے ہی وہ سخت
انتظامات کرے گا۔ محلات کے گرد بھی پہرہ سخت کر دے گا۔ اس صورت میں اگر
نے تم لوگوں سے ملنے کی کوشش کی تو اس کا زندہ بچنا مشکل ہو گا۔"

"ہم لوگ اس وقت شاہی محل میں نہیں ہیں سردار۔" لقا نے جو اب تیار ہو چکی
جواب دیا۔ "دمشق کے قبیلے زناطہ اور احداث نے ملکہ اور شہزادی کو قتل ہونے سے
تھا۔ انہوں نے انز کے نائب سے ہم لوگوں کو یہ کہہ کر حاصل کر لیا کہ ہم سب کو
بھیج دیا جائے گا۔ دوسرے دن ان دوست قبائل کے سرداروں نے شہر میں یہ مشہور
کہ شہزادی اور ملکہ کو موصل روانہ کر دیا گیا ہے۔ سرداروں کا خیال تھا کہ معین
انز کے واپس آتے ہی پھر جھگڑا کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ تدبیر کی
ہم لوگ اس وقت دمشق کے ایک گاؤں میں انتہائی محفوظ جگہ پوشیدہ ہیں اور جب
حالات درست نہیں ہوتے وہیں رہیں گے۔ آپ امیر موصل کو بھی اطمینان دلا دیجئے
زنگی شہزادی اور ملکہ زمرد خانم بالکل محفوظ ہاتھوں میں ہیں اور وہ کسی وقت بھی موصل
سکتی ہیں۔"

☆☆☆☆☆

امیر موصل بڑی افراتفری کے عالم میں موصل واپس ہوا... اس نے اپنے دو ہزار لشکر
دو کو ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے مختلف راستوں سے موصل کی طرف روانہ کیا۔ امیر

کی اس حکمت عملی سے بڑا فائدہ پہنچا۔ **انطاکیہ** اور یروشلم کے لشکر شمال اور جنوب
گھیرا ڈالے ہوئے امیر موصل کی خیمہ گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان لشکروں کا
صرف سو، سو کی دو ٹکڑیوں سے ہوا۔ جنگ کیا ہوتی صرف تلواریں بلند ہوئیں اور امیر
سوار گھوڑے موڑ کر بھاگ نکلے۔ شمال اور جنوب سے آنے والے دونوں لشکر خائف ہو
ٹھہر گئے۔ انہیں خطرہ پیدا ہوا ... کہ امیر موصل کا لشکر کہیں قریب ہی موجود ہے۔ مو
الدین انز کی طرف سے انہیں اطلاع دی گئی تھی کہ امیر موصل کے پاس صرف دو ہ
سوار ہیں مگر شاہ بالڈون نے اس پر یقین نہ کیا وہ امیر موصل کی دور اندیشی سے واقف تھا
اسے خطرہ پیدا ہوا کہ اگر اس نے آگے بڑھ کر امیر موصل کا راستہ روکا اور امیر کے پا
زیادہ لشکر ہوا تو وہ خود کہیں گھیرے میں نہ آ جائے۔

بالڈون شاہ یروشلم جہاں تک پہنچا تھا وہیں رک گیا۔ یہ ایک ویران سی جگہ تھ
بالڈون نے لشکر کے لئے ایک نسبتاً اونچی جگہ منتخب کی۔ تاکہ اگر امیر موصل اس
مقابلے پر آئے تو وہ مدافعتی جنگ لڑ سکے۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ چند سوار شمال
طرف روانہ کئے تاکہ **انطاکیہ** سے آنے والے لشکر سے رابطہ قائم ہو سکے اور یہ بھی معل
ہو سکے کہ دمشق سے کس وقت اور کتنی کمک پہنچنے کی امید ہے؟

دمشق کے مرد آہن معین الدین انز نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک زبردست منص
بنایا تھا۔ ملکہ زمرد خانم اور شاہ مجیر الدین کی شادی اس کی عدم موجودگی میں ہوئی تھ
سیاسی محاذ پر یہ معین الدین کی زبردست شکست تھی۔ اس کا اقتدار بظاہر ختم ہو گیا تھا۔ ا
کی سمجھ میں فوراً آ گیا تھا کہ امیر موصل عماد الدین زنگی نے ان دونوں شادیوں کی آڑ
اس دمشق پر قبضہ کر لیا ہے جسے وہ طاقت کے زور پر اب تک فتح نہ کر سکا تھا۔ اگر
دمشق میں موجود ہوتا تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ یہ شادیاں اس قدر آسانی سے نہ
سکتیں۔ بہرحال تیر کمان سے نکل چکا تھا اور انز کو اپنی ساکھ بچانے کے لئے دوبارہ چلہ چ
تھا۔

دمشق پہنچ کر جب وہ حالات سے آگاہ ہوا تو اس کا دماغ گھوم گیا۔ عوام ان شادیو
جشن منا رہے تھے۔ لشکر میں بھی شاہ مجیر الدین اور ملکہ مادر کے ہمدرد موجود تھے۔ ف
زناطہ اور احداث کے سوار ہمیشہ سے شاہ پرست رہے تھے۔ ان حالات میں ان شادیوں
توڑنا خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ اس لئے معین الدین انز نے اپنا چولا بدل لیا اور
اور شاہ کو بیش قیمت تحائف پیش کر کے خود کو تخت و تاج دمشق کا وفادار ثابت کرنے
کامیاب ہو گیا۔ امیر موصل کو اپنا نیا آقا کہہ کر اس نے ملکہ زمرد خانم کے دل میں بھی

کر لی، اب اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ کسی طرح اپنے مخالف تمام مہروں کو ایک جگہ
کیا جائے اور سب کا ایک ساتھ ہی صفایا کر دیا جائے لیکن انسان قدرت کے سامنے
اس کا سوچا ہوا ہمیشہ درست ثابت نہیں ہوتا۔
معین الدین انز نے پہلے ہی دن شاہ یروشلم اور شاہ **انطاکیہ** کو دمشق کے حالات سے
کر دیا تھا اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے لشکروں کو لے کر فوراً دمشق پہنچ
کیونکہ اس بات کا امکان موجود تھا کہ امیر زنگی اپنی ملکہ یعنی زمرد خانم کو رخصت
دمشق آئے گا لیکن پیچ یہ پڑا کہ امیر زنگی دمشق آیا ضرور مگر سرحد سے ایک منزل
خیمہ زن ہو گیا اور شہزادی کو رکن الدین کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ کر دیا۔ معین
نے بھی اپنی حکمت عملی تبدیل کر دی۔ یروشلم اور **انطاکیہ** کے لشکر دمشق کی طرف
رہے تھے۔ معین الدین نے انہیں اطلاع دی کہ لشکر دمشق آنے کی بجائے دمشق کی
سرحد پہنچے جہاں امیر زنگی مقیم ہے۔ چونکہ امیر زنگی کے ساتھ صرف دو ہزار سوار تھے
لئے اسے گھیر کر آسانی سے ختم کیا جا سکتا تھا۔
لیکن اللہ کو ابھی امیر زنگی سے کچھ اور کام لینے تھے۔ یروشلم اور **انطاکیہ** کے لشکر امیر
کو گھیرنے کی بجائے خائف ہو کر اپنی اپنی جگہ رک گئے اور دمشق سے مزید کمک کا
ار کرنے لگے۔ اس طرح امیر زنگی بغیر اپنے سواروں کی جان کا نقصان کئے ہوئے خیریت
موصل پہنچ گیا اور معین الدین ہاتھ ملتا رہ گیا۔ شاہی محل میں شاہ دمشق مجیر الدین
کے قتل کا جو واقعہ پیش آیا۔ اس کا حکم معین الدین انز ہی نے دیا تھا۔ اس نے امیر
کے پاس جانے سے پہلے اپنے نائب کو حکم دیا تھا کہ اگر وہ (انز) چار دن کے اندر
ن نہ پہنچ سکے تو یہ سمجھا جائے کہ امیر زنگی نے اسے گرفتار کر لیا ہے اس لئے ملکہ زمرد
شاہ مجیر الدین اور زنگی شہزادی کو تہ تیغ کر دیا جائے۔
معین الدین انز کے نائب نے پانچویں شب اپنے آقا معین الدین انز کے حکم پر عمل
اس نے نہایت خاموشی سے ملکہ اور شاہ کے ذاتی محافظوں کو یا تو گرفتار کر لیا یا انہیں
کر دیا اور رات ہی میں اس کے آدمی شاہی محل میں داخل ہو کر شاہی حمام تک پہنچ
اس طرح شاہ مجیر الدین غسل کے دوران قتل ہو گیا۔ ملکہ اور زنگی شہزادی کو ان کے
قبیلوں نے بچا لیا ورنہ ان کا انجام بھی ایسا ہی درد ناک ہوتا۔ سرم اپنی محبوبہ کی
میں ایک دن پہلے ہی شاہی محل چھوڑ چکا تھا۔ اس لئے وہ بھی اس خونی ڈرامے سے
تھا۔

امیر عماد الدین زنگی اپنے مستقر موصل پہنچا تو شعلہ بے تاب بنا ہوا تھا۔ دمشق کی

سرحد سے موصل تک اسے کوئی جنگ نہیں کرنی پڑی تھی۔ اس نے میدان جگ
شکست بھی نہ کھائی تھی۔ لیکن اس کا دل اس طرح دکھ رہا تھا۔ جیسے اس نے کسی
کے ہاتھوں عبرتناک شکست اٹھائی ہے۔ وہ غصے میں اس طرح جل بھن رہا تھا جیسے ا
قریبی عزیز کو قتل کر دیا گیا ہو اور وہ انتقام لینے سے مجبور ہو۔ اسے زنگی شہزادی ا
منکوحہ ملکہ زمرد خانم کے بچ جانے کی خبر بھی مل چکی تھی۔ وہ دمشق تک ضرور گیا ت
اس کا ارادہ دمشق پر قبضہ کا نہ تھا مگر وہ اس طرح واپس آیا تھا جیسے معین الدین
اسے ایک بار پھر شکست دے دی ہو۔ وہ کئی روز تک ماہی بے آب کی مانند تڑپتا رہا
اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ رات رات بھر ٹہل کر سویرا کرتا تھا۔ کھانا
چھوڑ دیا تھا اس کے سرداران فوج اس کی چڑھی ہوئی تیوریوں اور تمتماتے ہوئے چ
دیکھتے... مگر خاموش رہتے۔ انہیں امیر زنگی کے غم و غصے کا احساس تھا مگر کچھ کہتے
تھے۔ وہ بڑے صبر و تحمل سے امیر زنگی کے اندر پکنے والے لاوے کو دیکھ رہے
جانتے تھے کہ یہ لاوا ایک دن آتش فشاں بن کر پھٹے گا اور اسی دن موصل کی
سیلاب کی طرح دمشق کی طرف بڑھیں گی ... اور پھر معین الدین انز ... اس کا انجا
گا یہ صرف خدا ہی جانتا تھا۔

اور پھر ایک دن یہ آتش فشاں پھٹ پڑا۔ "اسد الدین جانتے ہو۔ میرے دل
آواز اٹھ رہی ہے؟" امیر زنگی کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"امیر محترم! مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا دل کیا کہہ رہا ہے مگر میرے دل سے
بلند ہوئی ہے اسے اگر اجازت ہو تو بیان کروں؟" اسد الدین نے سوال کا جواب
سے دیا۔

"بیان کرو اسد الدین! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے دل کی آ
کتنا فرق ہے؟" اور امیر زنگی نے سنگی فرش پر اس زور سے ٹھوکر ماری جیسے اسے
چاہتا ہو۔

"اے والئ موصل اور میرے محسن آقا!" اسد الدین کا لہجہ بڑا پرجوش تھا۔
الدین کے دل سے تو ہر وقت صرف ایک ہی آواز اٹھتی ہے اور وہ آواز ہے۔ ان
انتقام ... انتقام ..."

امیر زنگی نے حیرت سے اسد الدین کو دیکھا۔ "اے اسد الدین! اگر تم میرے
سے منسلک نہ ہوتے اور میں تمہارے حالات سے واقف نہ ہوتا تو خدا کی قسم تمہارے
جواب پر تمہیں ایک بڑا ولی سمجھ کر تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ یہ بھی کیا عجب

کہ تمہارے دل سے بھی وہی صدا اٹھتی ہے جس کی دھمک سے میرا سینہ درد سے بھر گیا
ہے۔ بس فیصلہ ہو گیا جو میں نے کہا۔ وہ تم نے سنا اور جو تم نے کہا وہ میں نے تسلیم کیا۔
لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ میں انز سے خوفناک انتقام لوں گا۔ ایسا انتقام جسے اس کی نسلیں یاد
رکھیں گی۔"

اسد الدین کو معلوم تھا کہ یروشلم اور انطاکیہ کے لشکر ناکام ہو کر دمشق پہنچ چکے ہوں
گے۔ معین الدین انز نے اپنی حفاظت کے لئے دمشق میں عیسائیوں کے بہت سے فوجی
نے پہلے ہی رکھ چھوڑے تھے۔ اب دو لشکروں کی مزید کمک سے دمشق ایک ایسا سنگین
ار بن چکا ہو گا جس سے سر ٹکرانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا مگر امیر زنگی کا جوش غضب
ل انتہا کو پہنچ چکا تھا جسے واپس لانا ناممکن تھا۔ اس لئے اس نے اسی میں بہتری خیال کی
ہ خاموش رہے اور امیر کے حکم کی تعمیل کرے۔ موصل والوں کو معین الدین انز کی تازہ
ب کاری کا علم ہو چکا تھا اور وہ بھی انز کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی قسمیں کھا رہے
ے انہوں نے جس خوشی سے زنگی شہزادی کو دمشق کے لئے رخصت کیا تھا اب وہ اس
ے زیادہ دل گرفتہ اور مغموم تھے۔

ادھر لقا' امیر زنگی سے رخصت ہو کر پہلے ہی دمشق پہنچ چکی تھی۔ دن کے وقت دمشق
کے اندر داخل ہونا مناسب نہ تھا۔ اس لئے لقا نے ایک ویرانے میں رات کا انتظار کیا۔ وہ
وک اور پیاس سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس کی پناہ گاہ قلعہ دمشق سے چھ میل شمال میں
قع تھی۔ رات کو جب لقا وہاں پہنچی تو ملکہ زمرد خانم اور زنگی شہزادی کے مرجھائے ہوئے
روں پر رونق آ گئی۔ ملکہ نے لقا کو گلے لگا کر اسے فرط شفقت سے پیار کر لیا۔

"وفادار لقا! تم نے میری خاطر جو پریشانی اٹھائی ہے۔ اسے میں عمر بھر نہیں بھول
وں گی۔" ملکہ کے جذبات اس کے سینے سے نکلے پڑتے تھے۔

"ملکہ مادر! کنیز کی زندگی کا مقصد اپنے آقا کے حکم پر قربان ہو جانا ہے۔" لقا نے
"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے جس مقصد کے لئے بھیجا تھا میں اس میں کامیاب
ئی۔"

ملکہ اور زنگی شہزادی کے چہرے اور زیادہ چمک اٹھے۔ "کیا ابا حضور خیریت سے ہیں۔
تم نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کوئی پیغام دیا ہے انہوں نے مجھے؟"
زنگی شہزادی بہت کم گو تھی لیکن مصیبت نے اسے زبان دے دی تھی۔ اس نے ایک
حالات میں سب کچھ پوچھ ڈالا۔ لقا کو نئی دلہن کی معصومیت پر بڑا پیار آیا۔ "ملکہ دمشق!
بالکل فکر نہ کیجئے۔ امیر محترم! میرے سامنے موصل واپس ہو گئے تھے۔ دشمنوں کے

لشکر اب تک ان کے پاس نہیں پہنچے ہیں۔"

"میرے لئے اور شاہ کے لئے..." کمسن بیوہ کہتے کہتے آبدیدہ ہو گئی۔

لقا نے بڑی سمجھ داری سے جواب دیا۔ "امیر محترم نے فرمایا تھا کہ شہزادی نے آج تک شاہی محل سے قدم نہیں نکالا مگر وہ بڑی باحوصلہ شہزادی ہے۔ انہوں نے ظاہر کی ہے کہ مصیبت کے یہ دن بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔" پھر لقا نے زمرد خا طرف دیکھا۔ "امیر نے یہ بھی کہا ہے کہ ملکہ زمرد خانم کو اپنی سگی ماں سے زیادہ سمجھ ان کے کہنے سے کسی وقت باہر نہ ہونا۔ کیونکہ زمرد خانم ہی تمہیں میرا پیار دے ہیں۔"

شہزادی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ملکہ کو دیکھا۔ ملکہ کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں

لقا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ملکہ مادر! آپ کے لئے امیر زنگی کا پیغام آپ ایک ملکہ کی طرح ہمت اور حوصلے کا ثبوت دیجئے۔ انہوں نے شاہ کے غم میں جو بہائے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ آپ صبر سے کام لیجئے۔ امیر محترم بہت جلد دمشق آئیں اور غدار اور مکار معین الدین انز سے زبردست انتقام لیں گے۔"

"آمین۔" شہزادی کی زبان سے ایک دم پھسل پڑا اور ملکہ کی آنکھیں بیٹے کے غ ساون بھادوں بن گئیں۔

زناطہ اور احداث کے قبیلے کے سردار شاہی خواتین کا دل سے احترام کرتے تھے۔ ہیں ان دونوں قبیلوں میں کسی زمانے میں سخت اختلاف تھا اور روز جھگڑے ہوا کرتے درجنوں قیمتی جانیں اس اختلاف کی بھینٹ چڑھ گئی تھیں... ایک بار ملکہ مادر کے مرحوم شاہ دمشق کے سامنے ان قبائل کا جھگڑا پیش ہوا۔ دونوں قبائل اپنی شجاعت دلاوری کے لئے مشہور تھے لیکن آپس کے جھگڑوں سے ان کی قوت روز بروز کم ہو رہی تھی۔ شاہ نے مقدمہ سننے کے بعد تامل فرمایا پھر محل میں جا کر زمرد خانم سے کیا۔ مشہور ہے کہ ملکہ زمرد خانم اور شاہ دمشق نے ان قبائل کے دیرینہ اختلاف کا یہ کیا کہ دونوں قبیلے کے سرداروں کی ایک ایک جوان بہن کو شاہی محل میں بلوایا دونوں کو دلہن بنا کر ملکہ کے محل میں بٹھایا گیا اور سرداران قبیلہ کو دلہا بنا کر شاہ دمشق محل میں رکھا گیا پھر بڑی دھوم دھام سے شاہ کے محل سے دو باراتیں ملکہ کے محل کی چلیں۔ ملکہ کی کنیزوں اور غلاموں نے باراتیوں کا استقبال کیا پھر ایک قبیلے کے سر دوسرے قبیلے کے سردار کی بہن سے عقد کیا گیا۔ اسی طرح دوسرے سردار کی بہن کا سردار سے نکاح ہوا اور یہ قبیلے ہمیشہ کے لئے شیر و شکر ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ ان

اب تک شاہ دمشق اور اس کے خاندان والوں کا دم بھرتے تھے اور انہوں نے ملکہ شہزادی کو قتل ہونے سے بچا لیا تھا۔

لقا دو دن تک خاموش رہی پھر اس نے ملکہ سے کہا۔ "ملکہ مادر! ہمیں پناہ دینے والے سرداروں کی وفاداری میں شبہ کرنا بہت بڑی احسان فراموشی ہو گی لیکن معین الدین انز جیسے آدمی کا مقابلہ کرنا ان دونوں کے بس کا کام نہیں ہے۔ سرداروں نے یہ مشہور کر دیا کہ آپ دونوں کو موصل بھیج دیا گیا ہے لیکن یہ جھوٹ زیادہ دن تک نہیں چھپ سکے انز کے جاسوس موصل پہنچ چکے ہوں گے۔ انہیں بتایا گیا ہو گا کہ آپ لوگ وہاں نہیں اب اس کا جو انجام ہو گا اس کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیئے۔"

"لقا! تم میں اتنی عقل کہاں سے آ گئی؟" ملکہ زمرد خانم نے اسے حیرت بھری نظروں دیکھا۔ "تمہارا اندازہ صحیح معلوم ہوتا ہے مگر یہ اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"ملکہ مادر درست فرما رہی ہیں لیکن کسی آنے والے خطرے کا چپ چاپ انتظار کرنا عقل مندی نہیں ہے۔" لقا نے پھر فراست کی بات کی۔ "میں یہ بھی نہیں کہتی کہ یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیئے کیونکہ ایک تو سردار اس کی اجازت نہ دیں گے اور اگر ہم ان کی اجازت کے بغیر جانے کی کوشش کی تو ہماری مشکلات میں اور زیادہ اضافہ ہو سکتا "

کم سخن زنگی شہزادی بڑی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ایسے لوگ فکر زیادہ ہیں مگر بولتے کم ہیں پھر جب بولتے ہیں تو ان کی باتیں نپی تلی ہوتی ہیں۔ شہزادی گلا صاف کر کے نرم آواز میں بولی۔ "مادر مہربان! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض ؟"

ملکہ زمرد خانم پہلے ہی حیران اور پریشان تھی۔ شہزادی کی بات پر وہ چونک پڑی۔ وہ نہیں سکتی تھی کہ یہ ... بے زبان شہزادی ایک ایسے اہم مسئلے میں مشورہ بھی دے ہے۔ "شہزادی بیٹی! تم اپنوں میں ہو، جو کہنا چاہو بے خوف ہو کر کہو۔ میں جانتی ہوں تمہارا غم میرے غم سے کم نہیں ہے لیکن ہم کس قدر مجبور ہیں کہ ایک دوسرے کا غم نہیں سکتے۔ میں تو تمہارے آنسو بھی نہیں پونچھ سکتی شہزادی! میری دنیا اندھیر ہوئی تمہاری دنیا اجڑ کے رہ گئی ہے۔"

"مادر مہربان! خدا کی مصلحتوں میں کسی کو دخل نہیں ہے لیکن میرا یہ ایمان ہے کہ اس وں میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے جسے نہ ہماری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور سکتا ہے۔" شہزادی نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "لقا کا یہ کہنا بالکل درست

ہے کہ آنے والے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں پہلے سے تیار رہنا چاہئے
اس جگہ رہ کر کیا کر سکتے ہیں۔ قید و بند کی اس زندگی نے ہم سے سوچنے سمجھنے
بھی چھین لی ہے۔"

"پھر بٹی! تم ہی بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" ملکہ اپنی خاموش طبیعت
سے بڑی متاثر نظر آ رہی تھی۔ لقا بھی شہزادی کی باتوں پر حیران رہ گئی تھی۔

"مادر مہربان! ہم سب قیدی ہیں۔ وفادار سرداروں نے ہمیں ہر طرح کا آ
لیکن قیدی تو پھر قیدی ہے۔ خواہ اسے طوق و سلاسل میں پابند کیا جائے یا سونے
میں رکھا جائے۔" شہزادی بول رہی تھی۔ ملکہ اور لقا منہ کھولے ہوئے حیرت
تک رہی تھیں۔

"مادر مہربان!" شہزادی نے پھر بولنا شروع کیا۔ "ہماری سوچیں اس حو
دیواری میں سمٹ کر رہ گئی ہیں لیکن لقا اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے بھی پر ا
ہے۔ شاید وہ حویلی کے باہر دیکھ رہی ہے۔ اسے ہوا کے کسی تازہ... جھونکے کا ا
میں بھی نا امید نہیں ہوں۔ ہر رات کی ایک سحر ہے۔ اندھیرے کے بعد اجا
ضروری ہے۔"

"شہزادی! میں آپ پر قربان۔ آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔"
پر جوش ہو گئی۔ "میں نے یہ لمبی چوڑی تمہید اس واسطے باندھی تھی کہ ہمیں
کو تلاش کرنا چاہیئے۔ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کل کیا ہونے والا ہے۔ اس کا
نہیں لیکن ہمیں کل کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

"لقا! تمہارے خیال میں دمشق میں ہمارا اور کون ساتھ دے سکتا ہے؟" ملکہ
امید سے لقا کو دیکھا۔ "تم نے خود ہی کہا ہے کہ معین الدین انز کا مقابلہ کرنا
کی بات نہیں ہے پھر ہماری مدد پر کوئی نیا آدمی کیسے کھڑا ہو سکتا ہے؟"

"ملکہ مادر! آپ سردار سرمم کو بھول رہی ہیں۔" لقا نے ملکہ کو چونکا دیا۔
کی شہزادی کی تلاش میں محل سے نکلے تھے۔ اس ہنگامے میں ان کا کوئی پتہ نہیں
ہے کہ وہ ضرور اب تک زندہ ہوں گے۔"

"لقا! تم صرف اندازے لگاتی ہو۔" ملکہ نے ناگوار انداز میں کہا۔ "سرمم ا
ہے تو وہ اپنی جان بچاتا پھر رہا ہو گا ممکن ہے کہ موصل چلا گیا ہو۔"

"ملکہ مادر! گستاخی معاف' سردار سرمم اگر زندہ ہیں تو وہ ہرگز موصل
گے۔" لقا نے اتنے یقین سے کہا کہ ملکہ اور شہزادی حیران رہ گئیں۔

"اچھا' چلو مان لیا کہ سرمم زندہ ہے اور وہ موصل نہیں گیا تو پھر کہاں ہے؟" ملکہ نے
جھٹلانے کی کوشش کی۔

"میرا دل کہتا ہے کہ سردار سرمم زندہ ہیں اور وہ اس وقت دمشق میں موجود ہیں۔" لقا
بات بھی بڑی حیران کن تھی۔

"تمہارے اس یقین کی کوئی وجہ بھی ہو گی۔ اسے معلوم ہوا ہو گا کہ ہمیں موصل بھیج
یا ہے پھر وہ دمشق میں ٹھہر کر اپنی جان کیوں ہلاکت میں ڈالے گا؟"

"ملکہ مادر! آپ کو شاید علم نہیں کہ سردار سرمم کو انطاکیہ کی شہزادی سے کس درجہ
ہے؟" لقا کچھ نئے نئے انکشاف کر رہی تھی۔ "وہ شہزادی سے بچھڑنے کا ذکر جس
ے کرتے تھے۔ اس سے ان کی محبت ٹپکتی تھی۔ سردار سرمم اسی شہزادی کی تلاش
ل ے نکلے تھے پھر بھلا وہ دمشق کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ شہزادی تک پہنچنے کی کوشش کر
ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اور شہزادی کے موصل بھیجے جانے کی خبر سے معین
انز مطمئن نہیں ہے۔ سردار سرمم نے بھی اس خبر پر یقین نہیں کیا ہو گا۔ اس
میں وہ موصل کیا منہ لے کر جا سکتے ہیں۔ اگر امیر موصل نے ان سے پوچھا کہ ملکہ
زادی کو قید میں چھوڑ کر تم واپس کیوں آئے تو سردار سرمم کیا جواب دیں گے؟"

"عقل مند لقا! میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں مگر کیا تم سردار سرمم کو تلاش
گی؟" شہزادی نے ملکہ مادر کو بوکھلایا ہوا دیکھا تو لقا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ میں سردار سرمم کو ڈھونڈ نکالوں گی۔ بشرطیکہ وہ
میں موجود ہوں۔" لقا نے جواب دیا۔

"لقا! مجھے تمہارے وزیر اعظم سے خوف آتا ہے۔ اس کے جاسوسوں نے تمہیں دیکھ
ہ زندہ نہ چھوڑیں گے۔" شہزادی نے بڑی محبت سے کہا۔ "خدانخواستہ اگر تم بھی
اتھ چھوڑ گئیں تو پھر کیا ہو گا؟"

"امید پر دنیا قائم ہے شہزادی!" لقا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پھر مجھے رونے والا بھی
ہ۔ اگر آپ اور ملکہ پر قربان ہو گئی تو میں سمجھوں گی کہ میری زندگی ٹھکانے لگ

گیانہ کہو لقا! مادر مہربان تمہیں بہت چاہتی ہیں۔"
ملکہ بھی لقا کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لقا ملکہ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔
"لقا! تم عورت ذات سرمم کو گلیوں گلیوں کیسے ڈھونڈو گی؟" ملکہ نے بھی تشویش ظاہر

"آپ فکر نہ کیجئے ملکہ!" لقا پیر دباتے ہوئے بولی۔ "سردار سرم کے لئے
ہی ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔ اور وہاں تک میں پہنچ سکتی ہوں۔"

"کیا... کیا تم سرم کا ٹھکانہ جانتی ہو؟ ملکہ نے حیرت سے پوچھا۔

"سردار سرم' شہزادی کی تلاش میں نکلے ہیں اور شہزادی قید خانے میں ہے
کہ سردار قید خانے کے گرد چکر لگا رہے ہوں گے۔" لقا نئی نئی باتوں سے دلوں
تھی۔

"اور اگر قید خانے کے محافظوں نے تمہیں پکڑ لیا تو کیا کرو گی؟" شہزادی
سے پوچھا۔

"شہزادی! میری بہن نے قید خانے کے ایک پہرے دار سے شادی کی ہے۔ میں
وہاں ہو آئی ہوں۔"

"ہونہہ' تو یہ بات ہے۔" ملکہ نے سر ہلایا۔ "لیکن سرم.... قید خانے کے اندر
ہو گا۔ وہ باہر باہر چکر لگاتا ہو گا۔"

"انطاکیہ کی شہزادی تو اندر ہے۔" لقا ملکے سے مسکرائی۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟"

"اس کا مطلب آپ نہ سمجھ سکیں گی' ملکہ مادر!" اور لقا ان کی طرف سے نظر
کر شہزادی کو دیکھنے لگی۔

"مادر مہربان! میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔" شہزادی نے ملکہ کی حیرت دور کرنے
لئے کہا۔ "دیکھئے نا۔ اگر سرم کو واقعی شہزادی سے دلی لگاؤ ہے تو وہ قید خانے تک
ہو گا اور اگر وہ شہزادی سے مل چکا ہے تو اس کا پتہ شہزادی سے معلوم کیا جا سکتا

"آپ میری بات سمجھ گئیں شہزادی!" لقا نے زنگی شہزادی کی عقل مندی کی

"لقا! ایک بات کان کھول کر سن لو۔" ملکہ نے غصے اور شفقت کے ملے جلے
کے ساتھ کہا۔ "میں نے تمہیں امیر زنگی کے پاس بھیجا۔ وہاں سے تم کامیاب لوٹیں
میں نہیں چاہتی کہ کسی اور جھگڑے میں پڑو پھر تمہارے باہر آنے جانے سے بات
سکتی ہے۔ اس صورت میں ہمارے محسنوں پر مصیبت آ جائے گی۔ یہ تو بہت بڑی
فراموشی ہو گی کہ ہم اپنے پناہ دینے والوں کو اپنی کسی غلطی سے تکلیف پہنچائیں۔"

"ملکہ مادر! آپ کسی بات کی فکر نہ کیجئے۔" لقا اطمینان سے بولی۔ "میں نے
سے سنا ہے کہ خدا صرف ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد کرتے ہیں۔
اس وقت بھی سولی پر چڑھی ہوئی ہیں پھر ہم اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش

ملکہ مادر بہت دیر تک خیالوں میں کھوئی رہی پھر افسردگی سے بولی۔ "لقا! تم مجھے بہت
عزیز ہو۔ میں تمہیں ضائع کرنا نہیں چاہتی لیکن تمہارے راستے میں بھی نہیں آ سکتی۔
تمہاری جو سمجھ میں آئے وہ کرو لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ ہم اپنے محسنوں کی نظروں
میں نہ گرنے پائیں۔"

☆☆☆☆☆

ملکہ اور شہزادی کو جس حویلی میں رکھا گیا تھا۔ وہ دمشق میں ہوتے ہوئے بھی دمشق
سے دور تھی۔ یہ حویلی ایک ویرانے میں واقع تھی اور لوگوں میں پرانی خانقاہ کے نام سے
مشہور تھی۔ خانقاہ اجڑ چکی تھی اور حویلی کے گرد اٹھی ہوئی چار دیواری جگہ جگہ سے شکستہ
ہو گئی تھی۔ کسی زمانے میں یہ قبیلہ زناطہ کے ایک سردار کی ملکیت تھی۔ مگر وہ اس پر کوئی
توجہ نہ دیتا تھا پھر جب سابق شاہ دمشق کے مرنے کے بعد وزیر اعظم معین الدین انز نے
دمشق کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا تو زناطہ والوں نے اس پر بالکل ہی توجہ دینا چھوڑ دی مگر یہ
سب کچھ انہوں نے مصلحتاً" کیا تھا۔ قبیلہ زناطہ اور قبیلہ احداث کا میل ملاپ معین الدین
انز کو ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ شاہ دمشق مجیر الدین آبق کے قتل کے حادثے نے ان قبیلہ
سرداروں سے معین الدین انز کو پوری طرح بدظن کر دیا تھا۔ ملکہ اور زنگی شہزادی کو انہی
قبائل نے قتل ہونے سے بچایا تھا پھر یہ خبر اڑا دی تھی کہ انہیں موصل بھیج دیا گیا ہے۔
معین الدین انز نے بظاہر ان کے اس اقدام کو سراہا تھا مگر اس کے دل میں گرہ پڑ گئی تھی
انز بڑا جہاندیدہ اور گھاگ تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کوئی مناسب موقع ہاتھ آتے ہی
ان قبائل کا قلع قمع کر دے گا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

حویلی میں دن بھر الو بولتے تھے۔ چرواہے اپنے مویشی چراتے ہوئے بے دھڑک اس
ویران حویلی میں گھس آتے تھے لیکن شام ہوتے ہی حویلی میں رونق آ جاتی تھی۔ ملکہ اور
شہزادی تمام دن حویلی کے زمین دوز تہ خانوں میں چھپی رہتی تھیں اور رات ہوتے ہی اوپر
آ جاتی تھیں۔ اس وقت حویلی کے گرد دور دور تک پہرہ لگ جاتا تھا۔ ملکہ اور شہزادی کی
حفاظت کے لئے حویلی کے محافظ بھی دن بھر کہیں چھپے رہتے اور رات کو اپنے اپنے پہرے پر آ جاتے
تھے مگر معین الدین انز نے زناطہ اور احداث کے سرداروں کے پیچھے اپنے جاسوس لگا رکھے
تھے مگر سردار بھی بہت محتاط تھے۔ وہ دربار یا دربار سے باہر بھی کوئی اہم بات نہ کرتے اور
جب کبھی ضرورت پیش آتی تو چپکے سے اس حویلی میں آ جاتے۔ ملکہ سے ملاقات کے لئے

بھی وہ رات کے اندھیرے میں آتے تھے۔

معین الدین انز کو یہ شک ضرور تھا کہ ملکہ اور شہزادی کو اب تک موصل نہ
گیا ہے بلکہ انہیں ہمدرد سرداروں نے کسی محفوظ مقام پر بھیج دیا ہے۔ اس حویلی کی
اس کا خیال بھی نہیں گیا تھا اور محض شبہ کی بنا پر وہ ان جنگجو قبائل کی مخالفت نہ
چاہتا تھا۔ ان کے جوانوں کی ایک کثیر تعداد دمشق کے لشکر میں موجود تھی جو کئی لڑائیوں
اپنی شجاعت کا لوہا منوا چکی تھی۔

پھر ایک رات اس حویلی سے لقا چہرے پر نصف نقاب ڈالے نکلی۔ اس کا رخ
طرف تھا۔ لقا کی بہن کا گھر ایک چھوٹے سے محلے میں تھا۔ وہ سیدھی بہن کے گھر پ
اسے لوگوں نے دیکھا بھی ہو گا مگر لقا کو کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ قصر شاہی کی کنیزوں کو یا
چند بڑے سرداروں کے اور کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ یوں بھی آج کل وزیر اعظم از
تمام بڑے بڑے سردار بہت زیادہ مصروف تھے۔ انطاکیہ اور یروشلم کے لشکر امیر زنگی
تعاقب سے واپس آ گئے تھے اور قلعے کے باہر خیمے لگائے پڑے تھے۔

دروازے پر دستک کی آواز سن کر اس کی بہن دروازے پر آئی۔ اس کا شوہر رات
ڈیوٹی پر گیا ہوا تھا۔ بہن نے دروازہ کھولنے سے پہلے احتیاط کے طور پر پوچھا۔ "کون ہے"

"میں ہوں لقا۔ دروازہ کھولو روفا۔"

"ارے تم لقا!" اور روفا نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں ... ان کی ملاقات دو سال بعد ہو رہی
روفا نے افسردگی سے کہا "ہماری بھی کیا تقدیر ہے۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی دو دو
تک نہیں مل سکتے۔"

بے چاری بہنیں ملتیں بھی کیسے روفا کا شوہر قید خانے کا ایک معمولی کارندہ تھا اور لقا
قدرت نے ملکہ زمرد خانم کی راز دار کنیز بلکہ سہیلی کا رتبہ عطا کیا تھا۔

"تقدیر کو کیوں کوستی ہو روفا؟" لقا نقاب الگ کر کے بستر پر بیٹھ گئی۔ "تم نے
میرے پاس آنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ شاہی محل میں تمہیں کون روک سکتا تھا؟"

"باجی! مجھے کیوں الزام دیتی ہو۔ تم آتیں تو یہاں تمہیں کون روکنے والا تھا؟"
نے بھی شکوہ کیا۔

"خیر' یہ باتیں چھوڑو۔ وہ تمہارے ..."

"وہ اپنے کام پر گئے ہیں۔ ان کی رات کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔" روفا نے مسکرا کر کہا۔
لقا کچھ فکر مند ہو گئی۔ روفا نے پوچھا۔ "کیا بات ہے باجی۔ آج انہیں کیوں پوچھا

"ایک ضروری کام آ پڑا ہے۔ مجھے صبح تک ٹھہرنا پڑے گا۔"

"زہے نصیب۔" روفا مسکرائی۔ "چلو اسی بہانے تم سے ملاقات ہو گئی' ورنہ تم تو ..."
روفا نے ایک دم بات پلٹ دی اور کہا۔ "ارے ہاں' تمہارے بارے میں تو یہ کہا جا رہا
کہ تم ملکہ مادر کے ساتھ موصل چلی گئی ہو؟"

"یہ بات میرے لئے مفید ہے روفا۔" لقا بولی۔ "میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ وزیر اعظم
اور دوسرے لوگ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ میں اور ملکہ مادر یہاں سے جا چکے ہیں۔
نکہ ... میں ....." لقا کہتے کہتے رک گئی۔

"بتاؤ نا باجی! تم چپ کیوں ہو گئیں۔ میں کسی سے کہنے تھوڑی جا رہی ہوں؟" روفا
ں کی طرح ضد کرنے لگی۔

"روفا! حالات بڑے سنگین ہیں۔ کسی کو بھنک پڑ گئی کہ میں دمشق میں موجود ہوں تو
ت آ جائے گی ... پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گی۔" لقا نے اسے ٹالنے کی کوشش

"یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ تم ان سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟" روفا نے بات گھما کر لقا کو
یڑا۔

"فکر نہ کرو روفا! میں تیرے شوہر کو بھگا کر نہیں لے جاؤں گی۔" اس نے بہن کو
کا مارا۔

"باجی! تم مجھے ٹال رہی ہو۔ اچھا یہ تو بتا دو کہ شاہ کی نئی نویلی دلہن کا کیا بنا؟"

"تو میرے سر ہو گئی ہے۔" لقا ہنسنے لگی۔ "بس یہ سمجھ لے کہ شاہ مجیر الدین کے
ہ اور سب خیریت سے ہیں۔ اب تجھے یہ بھی بتا دوں کہ میں تیرے شوہر نامدار سے کیوں
چاہتی ہوں۔ ملک انطاکیہ کی ایک شہزادی آئی ہوئی ہے۔ وہ ہمارے محافظ سردار سرمر کی
ت ہے۔ وزیر اعظم نے اسے پکڑ کر قید کر دیا ہے۔ میں اسی کے بارے میں معلومات
ل کرنا چاہتی ہوں۔"

ر باجی! تم اس غم میں کیوں گھلی جا رہی ہو۔ شہزادی جس کی دوست ہے وہ خود اسے
اش کر لے گا۔ ایسے خطرناک کاموں میں نہیں ہاتھ ڈالنا چاہیئے۔" روفا ایک سیدھی سادی
ورت تھی۔ وہ نہ خود کسی جھگڑے میں پڑتی تھی اور نہ اپنی بہن کو کسی خطرناک کام میں
نے دینا چاہتی تھی۔

گلی! تو ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ اچھا اب تو سو جا۔ مجھے بھی سخت نیند آ رہی

ہے۔"

روفا کے دو چھوٹے بچے تھے۔ انہیں لے کر وہ اپنے شوہر کے بستر پر لیٹ گئی
چارپائی لقا کو دے دی۔ رات زیادہ ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے مزید کوئی گفتگو
... اور دونوں خاموشی سے سو گئیں۔ لقا کو فکر کی وجہ سے نہیں آ رہی تھی۔ اس نے
دکھانے کے لئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اسی بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے ا
سویرا کر دیا۔ صبح کی خنک ہوا چلنے لگی تھی۔ اس نے لقا پر غنودگی طاری کر دی۔ ا
دروازے پر دستک ہوئی اور لقا نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

روفا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس کے شوہر نے مسکراتے ہوئے بازو پھیلا دئے
وہ اپنی پیاری بیوی کو آغوش محبت میں لینا چاہتا تھا۔ روفا جلدی سے پیچھے ہٹی اور ہو
انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اپنے بستر کی طرف دیکھا جہاں لقا سو رہی

"یہ کون آیا ہے؟" شوہر نے سرگوشی کی۔

"یہ میں ہوں۔" اور لقا ہنستے ہوئے بستر پر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ارے آپ! باجی لقا۔" روفا کا شوہر بڑے ادب سے بولا اور لقا کو سلام کیا۔

"روفا پر تمہیں رحم نہیں آتا؟" لقا نے چھوٹے بہنوئی کو چھیڑا۔

"باجی میں تو روفا کا غلام ہوں۔ ان سے پوچھئے۔ میں نے کبھی تکلیف دی ہے۔
پھول کی طرح رکھتا ہوں۔"

"جبھی رات رات بھر گھر سے غائب رہتے ہو۔ روفا کا نہیں تو ان معصوم بچوں
خیال کرو۔ اپنی ڈیوٹی کیوں نہیں بدلوا لیتے تم؟" لقا نے بزرگانہ نصیحتیں شروع کر دیں

"ارے باجی! میری حیثیت ہی کیا ہے؟" لقا کا بہنوئی افسردہ ہو گیا۔ "تین سال
میں رات کی ڈیوٹی پر لگا ہوں مگر کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ڈر کے مارے کچھ کہتا بھی
کہ کہیں نکال نہ دیا جاؤں۔ اپنی سناؤ لقا باجی! کیسی گزر رہی ہے۔ میرا خیال تھا
موصل میں ہو گی اور ....."

"ٹھیک ہے، تم مجھے موصل ہی میں سمجھتے رہو تو زیادہ اچھا ہے۔" لقا نے قطع
کی۔ اچھا سنو، میں تمہارے پاس ایک خاص کام سے آئی ہوں اور وہ کام تمہیں ضر
ہے۔"

"میں حاضر ہوں لقا باجی! آپ کام بتایئے۔؟"

"ابھی نہیں، پہلے نہا دھو کر کچھ کھا پی لو پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ تم
رات بھر جاگتے رہی ہوں۔ ذرا دیر کروٹیں بدل لوں۔" لقا کو احساس ہوا کہ یہ غریب

جاگا ہوا ہے۔ اگر اسے کچھ آرام نہ ملا تو شاید اس کی بات پر توجہ نہ دے سکے۔

"نہیں باجی لقا۔ پہلے آپ کا کام پھر آرام۔" بہنوئی نے بڑی محبت سے کہا۔ "مجھے
کام کر کے بہت خوشی ہو گی۔ باجی روفا آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔"

لقا نے اسے بغور دیکھا تو کہا۔ "اچھا سنو، کام یہ ہے کہ ابھی کچھ دنوں پہلے شاہ
کے خاندان کی ایک شہزادی دمشق آئی تھی۔ اسے وزیر اعظم کے آدمیوں نے
ر کر کے قید کر دیا ہے، مجھے معلوم کرنا ہے کہ وہ کس جگہ قید ہے۔ اگر تمہارے قید
میں ہے تو اس سے کس طرح ملا جا سکتا ہے۔ تمہیں بالکل گھبرانے کی ضرورت نہیں
میں اس سے صرف باتیں کروں گی اور اس بات کا کسی کو علم نہ ہو سکے گا۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ لقا باجی؟" بہنوئی بڑے جوش سے بولا۔ "آپ کے کام میں
ری جان بھی چلی جائے تو پروا نہیں۔ زندگی میں پہلی بار تو آپ نے ایک کام بتایا ہے۔
نے انطاکیہ کی شہزادی کا ذکر کیا ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے میرے قید خانے
طاکیہ کی شہزادی کیا، اس ملک کا کوئی معمولی سپاہی بھی قید نہیں ہے۔"

"تمہارا یہ کہنا کہ انطاکیہ کی شہزادی قید نہیں ہے، میں تسلیم نہیں کرتی۔" لقا نے سختی
تردید کی۔ "شہزادی کو جن لوگوں نے گرفتار کیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے
بتائی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ رکھی گئی ہو۔"

"میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں۔" بہنوئی نے معذرت
کی۔ "لیکن دمشق میں صرف ایک ہی قید خانہ ہے اور اس قید خانے میں کوئی عورت
موجود نہیں ہے۔ وزیر اعظم نے ضرور کہیں اور رکھا ہو گا۔"

"مگر کہاں؟" لقا نے جیسے خود سے کلام کیا پھر بولی۔ "اچھا تم ایک کام کرو۔ ابھی فارغ
قید خانے جاؤ اور اپنے دوستوں سے پتہ لگانے کی کوشش کرو کہ شہزادی کو اور کس
رکھا جا سکتا ہے؟"

"میں ابھی جاتا ہوں باجی!" روفا کا شوہر فوراً جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"اتنی بھی جلدی کیا ہے۔ ذرا دیر آرام کر لو پھر چلے جانا۔" لقا اسے سمجھانے لگی۔

"ہرگز نہیں باجی! پہلے کام پھر آرام۔"

لقا نہیں، نہیں کہتی رہ گئی مگر وہ منہ پر دو چلو مار کر گھر سے نکل گیا۔

"کتنی محبت والا ہے تمہارا شوہر روفا۔" لقا نے بڑے خلوص سے تعریف کی۔

"بس رہنے بھی دیں باجی! آپ کے خدمت کا کسے موقع ملتا ہے۔" اور روفا بچوں کو
لنے میں لگ گئی۔

شب بیداری سے لقا کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر غسل کیا اور تمام
کسلمندی جسم سے اتار پھینکی پھر چولھے کے پاس جا بیٹھی اور روفا کا ہاتھ بٹانے لگی
شہزادی انطاکیہ کی طرف لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وزیر اعظم نے شہزادی کو
کہاں چھپایا ہے۔ یہ خیال اسے اور پریشان کر رہا تھا کہ اگر انطاکیہ کی شہزادی کے
اسے شاہ انطاکیہ سے کوئی سیاسی فائدہ اٹھانا تھا تو اسے اب تک کیوں چھپا رکھا ہے
انطاکیہ اپنے لشکر کے ساتھ دمشق آیا ہوا تھا۔ لقا کا ذہن الجھتا جا رہا تھا اور الجھتا رہا
غارت کرے اس شیطان کو۔ لقا نے انز کو کوسنا شروع کر دیا۔ یہ لقا کی کھلی شکست اور
الدین انز کی فتح تھی۔ انطاکیہ کی شہزادی کو کہاں اور کس غرض سے چھپایا گیا ہے۔
لقا جیسی سمجھ دار... عورت کچھ بھی اندازہ نہ کر سکی تھی۔

دوپہر سے کچھ دیر پہلے روفا کا شوہر واپس آ گیا۔ لقا کی نظریں دروازے ہی سے اس کا
تعاقب کرنے لگیں۔ وہ بھی سیدھا لقا کے پاس پہنچا۔ لقا مجسم سوال بنی ہوئی تھی۔

"باجی لقا! آج تو میں کچھ پتہ نہ لگا سکا۔" بہنوئی شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ "مگر اس کا
مطلب یہ نہیں کہ میں ناکام ہو گیا ہوں۔ میں شہزادی کا پتہ لگا کے رہوں گا۔ آپ
ٹھکانہ بتاتی جائیے جیسے ہی کچھ معلوم ہوا میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

لقا دل شکستہ ہو گئی۔ "میں تمہارے وزیر اعظم کی معتوب ہوں۔ میرے پاس تمہارا
مناسب نہیں ہے۔ خود ہی کسی دن آ جاؤں گی۔ تم کوشش جاری رکھنا۔" لقا واپسی
کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے بڑا افسوس ہے لقا باجی!" بہنوئی کی نظریں شرم کی وجہ سے اوپر نہیں اٹھ
تھیں۔ "ہاں' باجی ایک بات بڑی دلچسپ معلوم ہوئی ہے۔ میں تمہارے کان میں ڈال
ہوں۔ شاید کسی وقت تمہارے کام آئے۔"

"ضرور بتاؤ۔ لقا چلتے چلتے رک گئی۔ "میں بہت دور رہتی ہوں۔ اس لئے یہاں کی
خبریں میرے لئے بہت اہم ہیں۔ ملکہ مادر بھی یہاں کے حالات سے آگاہ رہنا چاہتی ہیں"

روفا کے میاں نے حیرانی سے لقا کو دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ ملکہ مادر کے بارے
کچھ پوچھے مگر اس کی ہمت نہ پڑی۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ شاید لقا نے روفا کو کچھ بتا
ہو۔ اس لئے اتنی بے صبری اچھی نہیں ہے۔

"کس سوچ میں پڑ گئے؟" لقا نے اسے چونکا دیا۔

"لقا باجی! مجھے معلوم ہوا ہے کہ یروشلم کے شاہ بالڈون کے خاندان کے شہزادوں
شہزادیوں میں کچھ جھگڑا ہوا ہے۔ شہزادی کو وزیر اعظم کی پناہ میں بھیجا گیا ہے۔" روفا

نے رک کر لقا کو دیکھا۔

"مگر مجھے تو یروشلم کی شہزادی کی بجائے انطاکیہ کی شہزادی کی تلاش ہے۔" لقا نے
کہا۔ "تم تلاش جاری رکھو۔ میں پھر آؤں گی۔"

"سنو تو باجی!" روفا کے شوہر نے لقا کو روکا۔ "مجھے تو... معاملہ کچھ گڑ بڑ معلوم ہوتا

لقا نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ "کیسی گڑ بڑ۔ ہمیں یروشلم کے معاملات سے کیا

"یہ بات نہیں ہے باجی۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "اگر یروشلم کی شہزادی پناہ
آئی ہے تو اسے محل میں رہنا چاہئے تھا۔ وزیر اعظم نے اسے قید خانے میں کیوں رکھا
؟"

لقا اچھل پڑی۔ "کیا وزیر اعظم نے اسے قیدی بنا دیا ہے؟"

"قیدی ہی سمجھنا چاہئے باجی۔" روفا کے شوہر نے منہ بنایا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ اس کی
ت کے لئے نوکر چاکر' لونڈی غلام مقرر ہیں مگر قید خانے میں رہنے والی کو قیدی ہی کہا
ہے۔ اگر وہ مہمان ہوتی تو ہمارے قید خانے میں کیوں بھیجی جاتی؟"

"تم نے دیکھا ہے اسے؟" لقا کے دل میں کھلبلی مچ گئی۔ "میرا مطلب ہے' صورت
کیسی ہے۔ لوگوں سے کس طرح ملتی جلتی ہے۔ اس کی باتوں سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟"

"باجی! میں نے اسے صرف اس وقت دیکھا تھا جب وہ ہمارے قید خانے کے عورتوں
لے حصے میں لائی گئی تھی۔" روفا کے شوہر نے ذہن پر زور دے کر بتانا شروع کیا۔
ہاں تک صورت شکل کا معاملہ ہے تو بس یہ سمجھئے کہ چندے آفتاب چندے ماہتاب۔
نے آج تک اتنی خوب صورت ..." معاً" اس کی نظر روفا پر پڑی اور اس نے فوراً
پلٹ دی۔ "سوائے روفا کے دنیا کی کوئی اور لڑکی اس کے حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
ایک ہی بار دیکھا ہے۔"

"اور دوبارہ دیکھنے کی آرزو ہے۔" روفا نے جل کر کہا۔

"روفا! یہ بات نہیں۔" روفا کے شوہر نے گھبرا کر کہا۔ "اسے دوبارہ نہ کسی نے دیکھا
اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ اسے سخت پہرے میں رکھا گیا ہے۔ نہ وہ باہر نکلتی ہے اور نہ کوئی
لئے ملنے آتا ہے۔"

"وزیر اعظم تو آتا ہو گا ملنے؟" لقا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بالکل نہیں' وزیر اعظم کیا اس کا نائب بھی کبھی ملنے نہیں آیا۔" روفا کے شوہر نے

زور دے کر کہا۔ "اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ وہ مہمان نہیں بلکہ قیدی ہے۔ کوئی
جانتا کہ وہ کیسے رہتی ہے کیا کرتی ہے۔ قید خانے کے داروغہ کو بھی اس حصے میں جا
اجازت نہیں ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے اعتماد کے محافظ وہاں مقرر کئے ہیں۔ شہزا
خدمت پر جو غلام اور کنیزیں مقرر ہیں انہیں بھی وزیر اعظم نے شاہی محل سے بھیجا

"تم نے ٹھیک کہا۔ اس میں ضرور کوئی گڑ بڑ ہے۔" لقا کا تجسس بھی بڑھ گیا۔

"مجھے کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔"

"سازش ... کس طرح کی سازش؟" لقا نے اسے ٹٹولا۔

"سازش یہی کہ وزیر اعظم نے یروشلم کی شہزادی کو دھوکے سے دمشق بلایا اور
قید کر لیا ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ واقعی یروشلم کی شہزادی ہے؟"

"اس میں شبہ کی کیا بات ہے؟" روفا کا شوہر اس کے اس عجیب سوال سے پر
ہو گیا۔ "آپ میری بات کی تصدیق قید خانے کے کسی بھی شخص سے کر سکتی ہیں او
وہ آپ کی سہیلی تھی نا۔ کیا نام تھا اس کا۔ وہی جو پچھلی مرتبہ آپ کے ساتھ یہا
تھی۔"

"پچھلی مرتبہ ... میرے ساتھ ... ہاں یاد آیا۔ حنا میرے ساتھ آئی تھی یہاں۔" ا
سوچ کر بتایا۔

"ہاں' ہاں' وہی حنا۔" روفا کے شوہر نے خوش ہو کر کہا۔

"مگر کیا ہوا حنا کو؟ تم نے اسے کہاں دیکھا؟" لقا گھبرانے لگی۔

"اسے کچھ نہیں ہوا باجی! میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کی سہیلی حنا بھی شہزا
خدمت پر لگی ہوئی ہے۔ میرا اور اس کا روز سامنا ہوتا ہے۔ حنا نے مجھے پہلے ہی دن
لیا تھا۔ اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ اس وقت تک مجھے آپ کے با
میں کوئی علم نہ تھا۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ شاید آپ ملکہ کے ساتھ موصل
ہیں۔"

"بس تو اب مسئلہ حل ہو گیا۔" لقا مسرت سے بولی۔ "اچھا اب یہ بتاؤ کہ
وقت آتی ہے اور کب واپس جاتی ہے؟"

"حنا کی ڈیوٹی دن کے بارہ بجے سے رات بارہ بجے تک ہوتی ہے پھر وہ اپنے گ
جاتی ہے۔"

"کیا حنا نے شاہی محل چھوڑ دیا ہے؟" لقا نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس کا مجھے پتہ نہیں۔ مجھے تو یہی معلوم ہے کہ رات کو وہ اپنے بھائی کے ساتھ گھر

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔" لقا نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ پھر زور سے بولی۔
جا رہی ہوں روفا! پھر کسی دن آؤں گی۔"

"ابھی رات کو چلی جانا۔ دن کے وقت کوئی پہچان نہ لے۔" روفا نے محبت سے کہا۔

"روفا! میرا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں وقت ضائع نہیں کر سکتی۔" لقا چہرے پر
ب ڈالتی ہوئی باہر نکلی۔ گلی میں سناٹا تھا۔ اس نے پھر بھی ادھر ادھر نظریں دوڑا کر
ینان کیا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

☆☆☆☆☆

لقا گلیوں گلیوں آبادی سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اس کوشش میں اسے ایک طویل
صلہ طے کرنا پڑا پھر بھی ایک بڑی سڑک نے اس کا راستہ روک لیا۔ بغیر اسے پار کئے وہ
ل تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ مجبوراً اسے سڑک پار کرنا پڑی۔ وہاں کافی رونق تھی۔ لقا کو
بار اپنا اڑتا ہوا نقاب ٹھیک کرنا پڑتا تھا پھر اسے یوں محسوس ہوا' جیسے کوئی اس کا تعاقب
ر رہا ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس کے قدم اور تیز ہو گئے۔ اس کے دل میں ایک
علوم خوف سا بیٹھتا جا رہا تھا۔ روفا نے ٹھیک کہا تھا کہ دن میں اسے کوئی پہچان سکتا تھا۔
اپنی غلطی پر افسوس ہو رہا تھا۔

وہ آبادی سے باہر نکلی تو اسے کچھ اطمینان ہوا اور اس نے ایک جگہ ٹھہر کر پیچھے دیکھا
ر اس کے ساتھ ہی لقا کے پیر کانپنے لگے۔ ایک فقیر نما شخص جس کے الجھے بال شانوں پر
رے ہوئے تھے۔ بڑی تیزی سے لقا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خطرہ لقا کے سر پر آ پہنچا تھا۔ اس
لئے اس نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ پوری طاقت سے دوڑ رہی تھی اور اس کے
انوں سے ایک آواز بار بار ٹکرا رہی تھی۔ کوئی جیسے پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

"رک جاؤ لقا! رک جاؤ۔"

ہر آواز کے ساتھ لقا کے قدم اور تیزی سے بڑھنے لگتے تھے جیسے ان میں پہئیے لگا دئے
گئے ہوں یا پھر جیسے ہوا میں اڑ رہی ہو خوف و دہشت سے وہ اب تک کانپ رہی تھی مگر
ب لے اپنے اوپر شک ہونے لگا تھا۔ کیا واقعی کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے یا یہ اس کا
ض وہم ہے۔ کچھ دور اسے اور لوگ بھی چلتے پھرتے نظر آئے۔ ممکن ہے یہ بھی کوئی راہ
گیر ہو۔ اس کے دل کے کسی کونے سے جیسے ایک آواز آئی۔ ہاں' وہ بھی کوئی راہ گیر ہے۔

لقا نے دل کو تسلی دی۔ اس سے اسے کچھ سکون ملا۔ وہ بھاگتے بھاگتے تھک بھی گئی تھی
اس نے اپنی رفتار کم کر دی۔ اسے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں کوئی دوسرا اسے بھاگتا ہوا دیکھ کر
شک نہ کرے۔ آخر لقا ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ جی کڑا کر کے اس نے گھوم کر دیکھا۔ فقیر
کا وہ پیکر اب بھی اسے نظر آ رہا تھا مگر تعجب یہ تھا کہ ان کا درمیانی فاصلہ پہلے کی بہ نسبت
زیادہ ہو گیا تھا۔ ہاں' ہاں' یہ میرا وہم ہے۔ لقا نے سوچا۔ اگر وہ میرے پیچھے ہوتا تو اب تک
مجھے پکڑ سکتا تھا مگر اس کی رفتار تو پہلے جیسی ہے اور درمیانی فاصلہ بھر قدم زیادہ ہو گیا
ہے۔ لقا نے سر ہلایا جیسے اس نے اپنے وہم کو جھٹک دیا ہو۔

سامنے ایک چھوٹا سا کچا ٹیلہ تھا۔ راستہ اس پر ہو کے گزرتا تھا مگر باوجود مطمئن ہو
کے لقا نے ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس منحوس شکل کو اپنے پیچھے نہیں دیکھنا
چاہتی تھی۔ اس نے اوپر جانے کی بجائے ٹیلے کے گرد کا راستہ اختیار کیا۔ اس طرح تھوڑی
دیر کے لئے پیچھے آنے والے فقیر کی نظروں سے چھپ گئی۔ لقا کو اس سے بڑا سکون ملا۔
آہستہ آہستہ چکر لگا کر سیدھے راستے پر آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ اب
فقیر نظر نہ آیا۔ ٹیلہ ان کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

لقا مطمئن ہو کر آگے بڑھی مگر دو ہی قدم آگے بڑھی تھی کہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی
دہشت کی ایک تازہ لہر اسے اپنے وجود سے گزرتی محسوس ہوئی۔ وہ منحوس فقیر راستے کے
کنارے ایک پیڑ کے نیچے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا جیسے وہ اس کا انتظار کر رہا ہو۔
جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ لقا بت بنی کھڑی تھی اور فقیر کا چہرہ اس کی آنکھوں میں کھب
رہا تھا۔ واپس جاتی تو کہاں جاتی۔ روفا کا گھر بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی اور سامنے وہی منحوس
شکل کھڑی اس کا شاید مذاق اڑا رہی تھی۔

سورج مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور پیڑوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔ اس نے
سوچا کاش اس وقت رات ہوتی اور وہ اس فقیر کی نظروں سے بچ کر نکل جاتی۔ کھڑے
کھڑے اس کی ٹانگیں جواب دینے لگیں مگر نہ فقیر اپنی جگہ سے ہلتا تھا اور نہ لقا کے قدم
آگے بڑھتے تھے پھر لقا کو ایک نئے خیال نے چونکا دیا۔ اگر رات ہو گئی تو ... لقا بڑی کش
مکش میں مبتلا تھی۔ آخر اس نے ہمت کی اور آگے بڑھنے لگی۔ وہ راستے کے دوسرے
کنارے پر چلنے لگی۔ فقیر دوسری طرف تھا اور لقا نظریں جھکائے ہوئے چل رہی تھی۔

"لقا! مجھ سے تم خوف زدہ ہو؟" یہ آواز لقا کی سماعت سے ٹکرائی اور اس کے
لرزتے پیر تھم گئے۔

لقا نے غور سے فقیر کی طرف دیکھا جو راستے کے دوسری طرف بالکل اس کے سامنے

کھڑا تھا۔ فقیر کی آواز نے لقا پر ... سرشاری طاری کر دی تھی۔ "سردار! کیا آپ ہیں؟"
لقا نے ایک عالم بے خودی میں کہا۔
"ہاں لقا! میں ہی ہوں۔" فقیر نے جواب دیا۔
لقا دوڑ کر فقیر کے پاس پہنچ گئی۔ "سردار سرم! آپ نے مجھے وہیں کیوں نہ بتا دیا؟"
"وہاں بات کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔" سرم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ ہماری بد
قسمتی ہے کہ اپنے ہی ملک میں ہم اجنبی بنے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں
تو بات نہیں کر سکتے۔"

"سردار! آپ تو بڑے حوصلے والے ہیں۔ اس طرح دل کیوں چھوٹا کرتے ہیں؟" لقا
نے سرم کو پیار سے دیکھتے ہوئے حوصلہ دیا۔
"میں نے اب تک حوصلہ نہیں ہارا لقا۔" سرم نے خود کو سنبھالا۔ "مگر دل بجھ سا گیا
ہے۔ جس دن سے محل سے نکلا ہوں۔ اسی طرح پریشان حال در در مارا مارا پھر رہا ہوں۔
محل سے نکلنا بھی بڑا حیرت انگیز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو میرا بچانا منظور تھا۔
شہزادی کی تلاش میری زندگی کا بہانہ بن گئی۔ جان تو بچ گئی مگر اور سب کچھ لٹ گیا۔ شاہ
مارے گئے۔ مادر ملکہ اور زنگی شہزادی پتا نہیں کہاں ہیں۔ شہر میں افواہ گرم ہے کہ ملکہ اور
شہزادی کو بعض ہمدرد قبائل نے موصل پہنچا دیا ہے مگر تمہیں آج یہاں دیکھ کر تعجب ہوا۔
اب ملکہ اور شہزادی بھی اپنے .... انجام کو ...."
"ایسا نہ کہیے سردار!" لقا نے سرم کو روکا۔ "وہ دونوں زندہ اور خیریت سے ہیں۔"
"کیا سچ؟" سرم کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں سردار! ملکہ اور شہزادی اسی شہر میں ہیں۔ میں ان کے ساتھ
ہی رہتی ہوں۔"

"شکر ہے خدا کا! مجھے ایک درد سے تو نجات ملی۔" سرم کا چہرہ کچھ اور کھلا۔
"لقا! ملکہ کی شہزادی کا کچھ پتہ چلا؟" لقا نے کانپتے ہونٹوں سے پوچھا۔
"کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا لقا۔" سرم کے سینے سے ایک آہ نکلی۔ "تمہیں یقین
نہیں آئے گا لقا مگر یہ حقیقت ہے کہ پچھلے کئی دنوں سے میں تمہیں تلاش کر رہا تھا۔"
"مجھے آپ تلاش کر رہے تھے ... مگر کیوں؟" لقا نے بڑے چاؤ اور پیار سے سرم کو
دیکھا۔

"میں اب تھک گیا ہوں لقا۔ شہزادی کو میں تلاش نہیں کر سکتا۔ مجھے تمہاری مدد کی
ضرورت ہے لقا!"

لقا کے چہرے پر اداسی کی ایک ہلکی سی لہر نمودار ہوئی اسے شاید کسی اور
امید تھی۔ اس نے جلدی سے اپنی اداسی پر قابو پایا اور پرجوش لہجے میں بولی۔ "م
جس طرح ملکہ مادر کی کنیز ہوں اسی طرح آپ کی بھی کنیز ہوں۔ صرف مدد کی
کے لئے تو میں اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ لقا! تمہارا احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔" سرم نے
گزار نظروں سے دیکھا۔

"مجھے شرمندہ نہ کیجئے سردار! میں خود بھی آپ کو تلاش کر رہی تھی۔"

"میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں لقا؟" سرم نے افسردگی سے کہا۔ "ایک غا
انسان ہوں۔ معین الدین انز کے خوف سے جان بچاتا پھرتا ہوں۔"

"ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔" لقا نے سرم کو ... دوسرے انداز
دی۔ "انطاکیہ کی شہزادی کے لئے میرا دل بھی خون کے آنسو روتا ہے۔ میں نے ہم
ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر تنہا ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ اب آ
گئے ہیں۔ شاید کوئی بہتر صورت پیدا ہو۔"

"لقا! تم انسان نہیں فرشتہ ہو آسمانی حور ہو۔ تمہارا دل کتنا گداز ہے۔ میری
آج سے تمہارے سپرد ہیں۔" سرم نے بڑے خلوص سے لقا کی ہمدردی کا اعتراف
"اگر میں تمہارے کسی کام آسکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔"

"خوش نصیبی تو میری ہو گی سردار! کاش میں آپ کی مدد سے انطاکیہ کی شہزا
تلاش میں کامیاب ہو سکوں۔" لقا نے جیسے دل تھام کر کہا۔ "آپ دونوں نے ایک دو
کے لئے کس قدر دکھ اٹھائے ہیں مگر پھر بھی آپ ایک نہ ہو سکے۔"

"لقا! یقین کرو شہزادی سے دوبارہ ملاقات اب ایک خواب معلوم ہوتی ہے۔"
نے لقا کو ایسی نظروں سے دیکھا جس میں حسرتیں ہی حسرتیں بھری تھیں۔

"اتنے مغموم نہ ہوئیے میرے سردار!" لقا کے منہ سے جیسے آپ ہی آپ نکل
"ابھی لقا زندہ ہے۔ میں آپ کو منزل تک پہنچا کے رہوں گی۔"

"مگر ابھی یہ تو پتہ نہیں کہ شہزادی زندہ ہے یا اس ظالم نے اسے بھی موت کے
اتار دیا۔" سرم بہت پژمردہ ہو گیا تھا۔ اس کی نا امیدی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایک نہ ایک دن آپ کو ضرور ملیں گی۔" ا
بڑے یقین سے کہا۔ "ڈھونڈنے والے کو تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ مجھے دیکھئے میں
ڈھونڈنے نکلی تھی اور آپ خود بخود مجھے مل گئے۔"

"تم مجھے ڈھونڈنے نکلی تھیں؟" سرم نے جیسے خود سے سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں
نمی تیر گئی۔

"ہاں سردار! عورت تنہا کچھ نہیں کر سکتی۔ اسے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت
ہے" لقا کہہ رہی تھی اور سرم پھٹی پھٹی سی نظروں سے اسے تکے جا رہا تھا۔

"اچھا سردار! میں چلی کل شام کو پھر ملاقات ہو گی۔" لقا اسے حیرت زدہ چھوڑ کر
بڑھ گئی۔

"سنو، سنو تو لقا!" سرم گھبرا کر اس کی طرف بڑھا۔ "کہاں ملو گی کل؟"

"سردار! یہاں زیادہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔" لقا نے تیز تیز چلتے جواب دیا۔ باقی باتیں
ہوں گی اسی جگہ۔"

سردار سرم نے بھی اسے روکنا مناسب نہ سمجھا اور لقا تھوڑی دور جا کر پیڑوں کے
جھنڈ میں غائب ہو گئی۔

جب لقا نے ملکہ مادر کو بتایا کہ سرم زندہ ہے اور انہیں تلاش کر رہا ہے تو ملکہ کی
کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ جوان بیٹے کے غم کو کچھ دیر کے لئے بالکل بھول گئی۔ اسے
محسوس ہوا جیسے سرم کی شکل میں اس کا بیٹا پھر زندہ ہو گیا ہے۔ ملکہ نے شکایت بھرے
کہا۔ "لقا! جب تمہیں سرم مل گیا تھا تو تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لائیں؟"

"ملکہ مادر! میں سرم کو آپ سے ملانے کے لئے خود بہت بے چین ہوں۔" لقا نے
اسے کہا۔ "لیکن میرے خیال میں یہ بہت بڑی احسان فراموشی ہو گی کہ ہم بغیر
ان کے بتائے ہوئے سرم کو یہاں لے آئیں۔ سرم کو یہاں لانے میں جو خطرات ہیں
سے آپ واقف ہیں۔ اس لئے پہلے ہمیں سرداروں کو اپنے اعتماد میں لینا ہو گا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لقا لیکن سرداروں کے یہاں آنے کا کوئی وقت نہیں ہے۔ تم دیکھ
و جب سے ہم یہاں آئے ہیں۔ وہ صرف ایک بار ہمارے پاس آئے ہیں۔ کیا پتہ وہ
مہینے نہ آئیں۔ اس وقت تک کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ سردار
خود موصل بھیجنا چاہتے ہیں۔ سرم سے بھی وہ واقف ہیں۔ انہیں ہماری ملاقات پر کوئی
ض نہ ہو گا۔" ملکہ کے لہجے میں اگرچہ جھنجلاہٹ تھی مگر ان کی بات بڑی معقول تھی۔

لقا کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔ "کل شام سرم سے میری پھر ملاقات ہو گی۔ میں اس
شورہ کروں گی پھر کوئی منصوبہ بنایا جائے گا۔"

زگی شہزادی نے کچھ گول مول سا مشورہ دیا۔ "ملکہ مہربان کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ
لقا کو سرم کی ملاقات پر کوئی اعتراض نہ ہو گا اور ان کا منصوبہ بھی ہمیں موصل بھیجنے
لہ سرم کی مدد سے یہ کام بڑے محفوظ طریقے سے ہو سکتا ہے۔ لقا اگر سرم سے

مشورہ کرنا چاہتی ہے تو یہ اور زیادہ اچھا ہے پھر آپ سرداروں سے کھل کر بار
گی۔"

ملکہ مادر نے بھی اس سے اتفاق کیا لیکن دوسرے دن جب لقا سرم سے
وقت مقررہ پر وہاں موجود نہ تھا۔ کچھ دیر تک لقا پیڑوں کے جھنڈ میں کھڑی
کرتی رہی مگر جب رات ہو گئی اور سرم نہ آیا تو اسے طرح طرح کے وسوسے
کہیں سرم گرفتار تو نہیں ہو گیا۔ یہ خیال آتے ہی لقا کانپنے لگی۔ لقا کا بظاہر
تعلق نہ تھا۔ سرم شاہی محافظ تھا اور لقا محض ایک کنیز۔ ملکہ نے اگرچہ لقا کو ای
سہیلی کا درجہ دے رکھا تھا مگر وہ اپنی اوقات کو جانتی تھی اور کوئی ایسا قدم نہ
تھی جس سے اس کا بنا بنایا وقار ختم ہو جائے۔

سرم کے دل میں بھی سوائے شناسائی کے اور کوئی جذبہ نہ تھا۔ وہ لقا کا ا
خیال رکھتا تھا کہ لقا' ملکہ کی کنیز خاص تھی اور دونوں کا ہر وقت سامنا رہتا تھا۔ ا
شبہ نہیں کہ لقا بڑی خوب صورت اور شوخ کنیز تھی اور اس قابل تھی کہ اسے
لیکن سرم کے ذہن میں کبھی کوئی ایسا خیال پیدا نہ ہوا تھا پھر جب سرم جنگ پر
انطاکیہ کی شہزادی کے عشق میں گرفتار ہوا تو لقا کے محبت بھرے دل میں اٹھتے
جذبے سرد پڑ گئے۔ وہ اندر ہی اندر سرم کی پرستش کرتی تھی لیکن اس نے ا
محبت کا ذکر نہ کبھی ملکہ سے کیا تھا اور نہ سرم پر کچھ ظاہر ہونے دیا تھا۔

مگر جب لقا کا سرم سے سرراہے اتفاق سے سامنا ہو گیا تو وہ اپنے جذبات
رکھ سکی اور بے خیالی میں کچھ ایسی باتیں کہہ گئی کہ سرم نہ صرف حیران رہ گیا
یہ عقدہ بھی کھلا کہ لقا اس سے لاحاصل توقعات وابستہ کئے بیٹھی ہے۔ سرم کو
اس بات پر تھا کہ لقا کو اس کے دل کا حال پوری طرح معلوم تھا۔ اس کے باو
سے اس بات کی خواہش مند تھی جو مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھی۔ اچھا ہوا
دن لقا اور سرم کی ملاقات نہ ہوئی۔ ورنہ ممکن تھا کہ اس کے منہ سے کوئی ا
جاتی کہ شبہ اور غلط فہمی کا پردہ اٹھ جاتا... اور سرم کو لقا کے بے وقوفی پر افسو

لقا کو یہ معلوم تھا کہ سرم شہزادی کے عشق میں گرفتار ہے اور وہ سرم کو
نہ کر سکے گی پھر بھی وہ سرم سے محبت کئے جا رہی تھی۔ شاید اسی لئے کہتے ہیں
کسی کا زور نہیں۔ یہ چنگاری خود ہی سلگتی ہے اور سلگتے سلگتے شعلہ بن کر بھڑکنے
محبت کے شعلے کی تپش بھی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ کوئی تڑپ تڑپ کر جان دے
کوئی اس کی لذت کے سہارے پوری عمر کاٹ دیتا ہے۔ لقا نے شاید ایسے ہی
درد کو سینے سے لگایا تھا اور سرم کے حصول سے بے پروا ہو کر اسے فائدہ

...ں میں لگی ہوئی تھی۔

سرم کا شاہی محل کے خونی ڈرامے سے بچ جانا ایک معجزے سے کم نہ تھا' جس رات
مجیر الدین آبق اور اس کے لواحقین کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا اسی شب سرم کو اپنی
انطاکیہ کی شہزادی جینالو کی گرفتاری کی خبر ملی۔ امیر زنگی اور ملکہ زمرد خانم کی شادی
...حلب کے عامل کو بھی مل چکی تھی۔ شہزادی جینالو حلب میں اس لئے ٹھہری ہوئی تھی
...ے کسی طرف سے سرم کی اطلاع ملے اور وہ حلب سے روانہ ہو۔ اسے علم تھا کہ
شاہی محافظ دستے کا سردار ہے۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ ملکہ اور شاہ مجیر الدین
کی شادی میں وہ ضرور شریک ہو گا۔ اس خیال کے تحت اس نے حلب کے عامل سے
...ت حاصل کی اور دمشق روانہ ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

وزیر اعظم معین الدین انز نے یروشلم سے واپس آتے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شاہی
...ن کا خاتمہ کر دے گا اور اس خاندان سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ
...ل کرا دے گا۔ سرم کے وہ پہلے ہی خلاف تھا اور اب تو وہ سرم کا جانی دشمن بن گیا
لیکن اس نے منافقت کا ایسا لباس پہن لیا تھا کہ کسی کو اس پر ذرہ برابر شک نہ ہوا۔
...نے ایک طرف ملکہ اور شاہ کے حضور میں بیش قیمت تحائف پیش کر کے ان سے
...کو دوستی کا رنگ دے دیا تھا دوسری طرف اس نے سرم کو اس انداز سے سینے سے
...تھا کہ سرم نے اس کے پچھلے تمام کرتوتوں کو بھول کر اسے فرشتہ سمجھ لیا تھا۔

شہزادی جینالو اس وقت دمشق پہنچی۔ جب وزیر اعظم نے بڑی خاموشی سے شاہی محل
...نے گھیرے میں لے لیا تھا اور وزیر اعظم کی اطلاع کے بغیر ایک پرندہ تک شاہی محل
داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ معین الدین انز کو شہزادی کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے
شہزادی کا استقبال کیا اور اس قدر خلوص سے پیش آیا کہ شہزادی اسے اپنا اور سرم کا
...دلور ہی خواہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی۔ معین الدین انز کو شہزادی سے کوئی خاص پرخاش نہ
لیکن اس نے محض سرم کو زک پہنچانے کے لئے شہزادی کو قید کر لیا۔ شہزادی پر اس
...یہ ظاہر کیا کہ سرم موصل گیا ہوا ہے اور اس کے واپس آتے ہی دونوں کی ملاقات کرا
...جائے گی لیکن یہ اس کا محض فریب تھا۔ سرم اس وقت بھی شاہی محل میں موجود تھا
...وقت اسی محل کے ایک دوسرے کمرے میں وزیر اعظم معین الدین انز شہزادی کو یہ
...کرا رہا تھا کہ سرم موصل گیا ہوا ہے۔

شہزادی کو قید خانے میں اس طرح رکھا گیا تھا کہ ہر وقت چار کنیزیں اس کے سامنے

ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھیں۔ باہر کے کام پر بھی درجنوں غلام اس کے حکم کے منتظر
تھے۔ اس لئے اگر شہزادی نے خود کو وزیر اعظم کا مہمان سمجھا تو کچھ غلط بھی نہ تھا۔
ہی دنوں بعد وزیر اعظم نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو انطاکیہ کی شہزادی کی
یروشلم کی شہزادی ظاہر کرے۔ یہ تو علم نہیں کہ وزیر اعظم نے ایسا حکم کیوں دیا لیکن
حکم کے ساتھ شہزادی کو بڑی سختی سے تنبیہہ کی گئی کہ اگر اس نے کسی سے بھولے
بھی یہ کہہ دیا کہ وہ انطاکیہ کی شہزادی ہے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا۔ اب
شہزادی کو پتہ چلا کہ وہ وزیر اعظم کی مہمان نہیں بلکہ اس کی قیدی ہے اور شاید اب
ملاقات سرم سے کبھی نہ ہو سکے۔

سرم، شہزادی کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی محل سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اسے وزیر
معین الدین انز پر سخت غصہ تھا۔ سرم کو یقین تھا کہ اس گرفتاری میں وزیر اعظم
ہے۔ اس نے وزیر اعظم سے ملنے کا بھی فیصلہ کیا تھا لیکن انز اس وقت دمشق کی
امیر زنگی سے ملنے گیا ہوا تھا۔ سرم، شہزادی کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ دوسرے
اسے شاہ مجیر الدین آبق کے قتل اور ملکہ کی گرفتاری کی خبر ملی اور وہ روپوش ہو گیا۔
معلوم تھا کہ وزیر اعظم واپس آتے ہی اسے تلاش کرے گا۔ اس لئے وہ ایک دوست
گھر میں اس طرح گھس کر بیٹھا کہ کئی ہفتے تک اس نے باہر کی ہوا بھی نہ کھائی پھر
فقیر کا روپ دھار کر نکلا اور اس کی ملاقات لقا سے ہو گئی۔ لقا اور اس کی زیادہ دیر
ہو سکی پھر بھی اسے معلوم ہو گیا کہ ملکہ اور زنگی شہزادی خیریت سے ہیں۔ لقا نے
اشاروں میں یہ بھی بتایا تھا کہ انطاکیہ کی شہزادی بھی دمشق میں کسی جگہ موجود ہے
شہزادی کی تلاش میں اس کی مدد بھی کرے گی۔ لقا کی گفتگو سے اس نے کچھ اور بھی
نکالا تھا مگر یہ وقت ایسی باتوں پر غور کرنے کا نہ تھا۔ اس نے اس مسئلے کو کسی اور وقت کے
لئے اٹھا رکھا۔

رات جب سرم نئی امیدوں کو سینے سے لگائے ہوئے اپنے دوست کے گھر
دوست نے اسے بڑی راز داری سے بتایا۔ "سرم! امیر زنگی کا لشکر دمشق کے قریب
ہے اور اب ایک خونریز جنگ ہو گی۔"

سرم نے اس خبر پر تعجب کا ذرا بھی اظہار نہ کیا۔ اس نے بڑے اطمینان
"جنگ ہی ان تمام جھگڑوں کا علاج ہے میرے دوست!"

"مگر سرم! تم نے یہ غور نہیں کیا کہ امیر زنگی تنہا ہے جبکہ وزیر اعظم کو انطا
یروشلم کے لشکروں کا تعاون حاصل ہے۔" اس کا دوست بڑا فکر مند تھا۔ "انطا
یروشلم کے لشکر دمشق کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ امیر زنگی کو ایک نہیں

ں گی۔ تب وہ قلعے تک پہنچ سکے گا۔"

"میرے دوست!" سرم نے فلسفہ بگھارا۔ "شیر جنگل میں اکیلا ہی ہوتا ہے پھر بھی
جنگل پر راج کرتا ہے۔ امیر زنگی اکیلا ہی ان سب کا خاتمہ کر دے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" دوست نے اس سے آگے کچھ نہ کہا۔ شاید اسے بھی امیر
مجاہدانہ کارناموں نے قائل کر دیا تھا۔

دیر چپ رہنے کے بعد سرم نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ "میں امیر زنگی سے فوراً
ہوں۔"

"تمہارا تو سر پھر گیا ہے سرم!" دوست نے اسے محبت سے سرزنش کی۔ "دمشق کے
طرف چپے چپے پر عیسائی لشکر پھیلا ہوا ہے۔ وزیر اعظم نے یہاں بھی تمام انتظامات
ہیں۔ تم ہوا تو نہیں ہو کہ لشکروں کو چیرتے ہوئے نکل جاؤ میں تمہیں اس حماقت
ت نہیں دے سکتا۔"

"میں سپاہی زادہ ہوں دوست اور سپاہی کا کام ہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا
سرم نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "دمشق میرا وطن ہے اور میں نہیں چاہتا کہ یہ
صورت شہر جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آئے۔ میں اسے بچانے کی پوری کوشش
گا دوست!"

"سرم! واقعی تمہارا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔" دوست نے غصے سے کہا۔ "ابھی تم نے
کہ جنگ ہی اس کا علاج ہے اور اب تم دمشق کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو جنگ شروع
تو کچھ بھی باقی نہ رہ جائے گا سرم!"

"تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو دوست مگر مجھے کوشش تو کرنے دو۔ کیا عجب کہ میں اپنی
مہم میں کامیاب ہو جاؤں اور قلعہ کی فصیلیں بھی جوں کی توں باقی رہیں۔"

"یہ سب دیوانے کی بڑ ہے سرم!" اس کے دوست نے کہا اور جھلایا ہوا دوسرے
میں چلا گیا۔

دوسرے دن سرم کو لقا سے ملنا تھا مگر اس نے اس ملاقات کو نظر انداز کر دیا۔ اس
خیال میں امیر زنگی تک اس کا پہنچنا زیادہ ضروری تھا۔ فجر کی نماز کے ساتھ ہی وہ اپنے
کے گھر سے نکل پڑا۔ سرم روز صبح کو اسی وقت دوست کے گھر سے نکلتا تھا اور
کے اندھیرے میں واپس آتا تھا۔ یہ طریقہ اس نے احتیاط کے طور پر اختیار کیا تھا اور
کا اجر تھی کہ اس پر یا اس کے دوست پر اب تک کوئی شبہ نہ ہوا تھا۔ ورنہ وزیر
معین الدین انز کے جاسوس گلی گلی پھرتے تھے۔ ان جاسوسوں میں سے بعض کو سرم
پہچانتا تھا کیونکہ یہ جاسوس محل کے اندر باہر بھی جاسوسی کرتے رہتے تھے۔

سرم گھر سے امیر زنگی کے پاس جانے کے لئے نکلا تھا مگر باہر آتے ہی اس
میں ایک اور خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ کسی طرح قبیلہ زناطہ اور احداث
سے ملاقات کر لے تو اس سے وزیر اعظم کی جنگی تیاریوں کی تازہ خبریں مل سکیں گی
زنگی کے لئے یقیناً" مفید ثابت ہوں گی۔ لقا نے اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ
قبیلوں کی ہمدردیاں اب تک ملکہ کے ساتھ ہیں۔ پس سرم نے امیر زنگی کی طرف
سے پہلے ہمدرد قبائل سرداروں سے ملاقات ضروری سمجھی۔

قدرت کو منظور ہو تو مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ سرم فقیر کی صورت
سڑک پر کھڑا آنے جانے والوں کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسے احداث کا سردار آتا دکھا
سردار اکیلا تھا اور شاہی محل کی طرف آ رہا تھا۔ شاید وزیر اعظم نے اسے صبح ہی
کیا تھا۔ ممکن ہے اسے جنگی معاملات میں مشورے کے لئے طلب کیا ہو یا پھر
نئے بادشاہ کے انتخاب کے معاملے میں مشورہ کرنے بلایا ہو۔ مجیر الدین آبق کے
بعد دمشق کا تخت خالی ہو گیا تھا۔ ملکہ مادر بھی غائب تھیں۔ ملکہ کا کوئی دوسرا بیٹا بھ
کہ اسے بادشاہ بنایا جاتا۔ شاہی خاندان کے مختلف شہزادوں کے نام زیر غور تھے۔ وزی
دراصل کسی ایسے کٹھ پتلی شہزادے کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا جسے وہ پوری طرح قابو
سکے اور اس کے انتخاب پر لشکر کے تمام سردار بھی متفق ہوں۔

سرم جس جگہ پر کھڑا تھا وہاں لوگوں کی آمدورفت شروع ہو چکی تھی۔ اس نے
ادھر دیکھا۔ سامنے سڑک کا موڑ تھا۔ وہاں آمدورفت بھی کم تھی۔ سرم راستہ کاٹ کر
پہنچ گیا۔ اس جگہ ایک نالے پر چھوٹی سی پلیا بنی ہوئی تھی۔ سرم وہیں جم کر کھڑا ہو
احداث سردار بڑا فکر مند دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے گھوڑے کی رفتار نہ ہونے کے
تھی۔ ذرا دیر میں سردار پلیا کے پاس پہنچ گیا۔

"قبیلہ احداث کا بہادر سردار زندہ و سلامت رہے۔" سرم نے دو قدم آگے بڑ
ہاتھ پھیلا دیا۔

سردار نے چونک کر گھوڑا روک لیا پھر اس نے مشکوک نظروں سے فقیر کو دیکھا۔
سرم نے آگے پیچھے نظر دوڑائی پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہا۔ "سردار مجھ
نہ کیجئے۔ میں آپ ہی کا آدمی ہوں۔ امیر زنگی کے پاس جا رہا ہوں۔ کوئی پیغام ہو تو م
دوں گا۔"

احداث سردار چونک پڑا۔ اس کا شک حیرت میں بدل گیا۔

"سردار جلدی کیجئے۔ وزیر اعظم کا جاسوس آپ کے پیچھے آ رہا ہے۔ مجھے خیرات
اور پیغام بھی۔" اور سرم نے ایک بھرپور نعرہ مستانہ لگایا۔ دمشق میں فقیر مانگتے وقت
دار نعرے لگاتے تھے۔

احداث سردار نے سنبھل کر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ "امیر سے کہنا ہم اور زناطہ والے ہر
خدمت کے لئے تیار ہیں۔" اور سردار نے ایک سکہ سرم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
"ملکہ مادر کے متعلق کوئی اطلاع؟" سرم نے سکہ ہتھیلی میں دباتے ہوئے پوچھا۔
"وہ خیریت سے ہیں۔ وزیر اعظم کے جاسوسوں کی وجہ سے میں انہیں نہیں بھیج سکا۔
امیر کوئی انتظام کریں تو میں ملکہ اور شہزادی کو ساتھ بھیج دوں گا۔" احداث سردار نے
گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ دی اور آگے بڑھ گیا۔

سرم وہیں کھڑے ہو کر وزیر اعظم کے جاسوس کا انتظار کرتا رہا جو کچھ فاصلہ رکھ کر
احداث سردار کا تعاقب کر رہا تھا۔ سرم نے جاسوس سے بھی صدا لگائی مگر وہ اپنی دھن میں
تھا اور بغیر توجہ دیئے آگے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

قدیم جنگوں کے دور میں جب کسی ملک سے لشکر روانہ ہوتا تو اس کے ساتھ دکاندار
بھی اپنا سامان لے کر چل پڑتے تھے' جہاں جہاں لشکر خیمے لگاتا وہاں دم کے دم میں بازار
لگ جاتے اور لشکری ضروریات کا سامان خریدتے تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق جنگ پر
جانے والے لشکروں کے اوپر خونخوار اور مردار گوشت کھانے والے گدھ بھی منڈلاتے
رہتے۔ ان پرندوں کو اپنی کسی پوشیدہ حس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ لشکر میدان
جنگ کی طرف جا رہا ہے جہاں جنگ ہو گی اور وہ آسانی سے اپنی غذا حاصل کر سکیں گے۔
لشکر کے پڑاؤ کے پاس سے جب کوئی قافلہ گزرتا تو وہ اپنا سامان لے کر پڑاؤ میں آ جاتا اور
کافی نفع پر سامان فروخت کرتا تھا۔ اس طرح لشکر کے ساتھ ایک پورا شہر رواں دواں رہتا
تھا۔

سرم جب دمشق سے باہر نکلا دور' دور تک خیموں کا ایک شہر پھیلا ہوا تھا۔ قلعے کے
اندر تو لشکر تھا ہی لیکن قلعے کے باہر بھی فوجی دستے مورچے جمائے بیٹھے تھے۔ اس کے آگے
انطاکیہ' یروشلم اور دمشق کا ایک مشترکہ لشکر تھا' جس کی تعداد سرم کے اندازے کے
مطابق پچاس ہزار سے بھی اوپر تھی۔ سرم فقیر بنا ہوا تھا۔ اس لئے اسے کسی نے نہ روکا
اور وہ دست سوال بڑھاتا اور نعرے لگاتا ہوا دن بھر پیدل سفر کرتا رہا۔ شام کے وقت وہ
دمشق کے سرحدی پہرے داروں کے پاس پہنچا اور کچھ کھا پی کر وہیں پڑا رہا۔ یہیں سے
اسے اس سمت معلوم ہو گئی جہاں امیر زنگی اپنے جیالوں کے خیمے لگائے ہوئے تھا۔ امیر زنگی
کے لشکر میں اسد الدین ضرور ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت جب امیر موصل سے چلا تو اس نے

اسد الدین کے بڑے بھائی نجم الدین ایوب کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ نجم الدین وہ مبارک باپ تھا، جس کے گھر صلاح الدین ایوبی پیدا ہوا تھا۔ چونکہ نجم الدین ایک موقع پر امیر زنگی کو اپنے قلعے میں پناہ دی تھی۔ اس لئے امیر زنگی اپنے محسن بڑی جنگوں میں ساتھ نہ لے جاتا تھا۔ ایوب کی بجائے وہ اسد الدین کو ساتھ رکھتا جنگجویانہ طبیعت، وفاداری اور دیو قامتی نے امیر کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

دوسرے دن سرم پھر روانہ ہوا اور شام کے وقت امیر زنگی کی خیمہ گاہ میں یہاں پہنچتے ہی اس نے اپنا چولا بدل لیا اور اب وہ سردار سرم تھا جو اسد الدین امیر زنگی کا بھی محبوب نظر تھا۔ امیر زنگی اور اسد الدین نے سرم کو دیکھ کر جس اظہار کیا اس کا بیان مشکل ہے۔ اسد الدین کو اپنے دوست کے زندہ بچ جانے کی خو تو امیر زنگی اس لئے مسرور تھا کہ سرم دمشق سے آ رہا تھا جہاں اس کی ملکہ اور بیٹی تھیں۔ امیر زنگی کا رابطہ دمشق سے بالکل کٹا ہوا تھا۔ اسے مسلمانوں اور عیسائیوں مشترکہ لشکروں کی تعداد کے بارے میں بھی صحیح اطلاعات نہ تھیں اور وہ دمشق کے پہنچنے کے باوجود جنگ شروع کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ امیر نے دیکھا کہ سرم بہت تھ ہے۔ اس لئے اس نے پہلے سرم کو آرام کرنے کا حکم دیا۔ اسد الدین نے بھی ا چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ دمشق کے حالات معلوم کرنے کے لئے بہت بے قرار تھا۔

اس رات سرم پوری نیند سویا اور جب صبح کو اٹھا تو بڑا چاق و چوبند تھا۔ وہ جلدی تیار ہو کر سیدھا اسد الدین کے پاس پہنچا۔ اسد الدین نے اٹھ کر اسے گلے

"سرم! تمہاری کمی بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ امیر تمہارے بارے م سے روز پوچھتے ہیں۔ دراصل حالات کچھ اس نہج پر ہیں کہ امیر تذبذب میں پڑ گئے ہیں

"امیر زنگی کا تذبذب بجا ہے سردار!" سرم نے متانت سے جواب دیا۔ "جس قد اس وقت دمشق کے اندر اور باہر موجود ہے۔ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ باتیں تو امیر کے سامنے ہوں گی۔ آپ کچھ اپنی سنائیے۔"

"میرے حالات بدستور ہیں۔ امیر کی شفقتیں مجھ پر روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں" الدین نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اس دفعہ امیر بڑے جلال میں ہیں۔ معین الدین انز فریب نے انہیں دہکتا ہوا انگارہ بنا دیا ہے۔ دمشق کی خیر نظر نہیں آتی۔"

سرم کچھ سوچنے لگا۔ اسد الدین کو اس کی خاموشی سے الجھن ہونے لگی۔ "سرم چپ ہو گئے۔ کیا میری بات ناگوار گزری۔ میرا مطلب امیر کے معاملات میں دخل دینا نہیں پھر وہ کسی کا کہنا مانتے ہی کب ہیں؟"

"میں اس لئے خاموش نہیں ہوں سردار!" سرم نے فکر مند انداز میں کہا۔ "میں نے عرض کیا نا کہ معین الدین انز نے اپنی مدافعت کے ایسے انتظامات کئے ہیں کہ فصیل تک پہنچنا بہت مشکل ہو گا۔"

"سرم! میرا مشورہ ہے کہ تم اپنی بات کا اظہار اس انداز میں نہ کرنا جیسے مجھ سے کہہ" اسد الدین نے سرم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "امیر کی تند مزاجی سے شاید تم نہیں ہو۔ وہ اپنی رائے کے خلاف ایک لفظ سننا پسند نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں کے دل میں ہوتا ہے۔ خواہ انہیں نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔"

"سردار! آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا ورنہ شاید میں کوئی غلطی بیٹھتا۔" سرم نے اسد الدین کو شکر گزار نظروں سے دیکھا۔

دونوں کی گفتگو میں سنجیدگی اور خشکی پیدا ہو گئی تھی... اسد الدین نے اسے ختم کرتے کہا۔ "سرم! کچھ اپنی شہزادی کے بارے میں بتاؤ۔ تمہاری کنیز لقا نے بتایا تھا کہ اسے اعظم کے آدمیوں نے گرفتار کر لیا ہے اور تم اس کی تلاش میں شاہی محل چھوڑ گئے"

"لقا نے سچ کہا تھا سردار!" سرم نے سرد آہ کے ساتھ جواب دیا۔ "شہزادی اب تک الدین کے قبضے میں ہے مگر امید ہے کہ اسے بہت جلد آزاد کرا لیا جائے گا۔"

"کیا تم شہزادی سے مل چکے ہو؟" اسد الدین نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں سردار! میں اب تک اس کے دیدار سے محروم ہوں۔" سرم نے ایک اور سرد کھینچی۔

"مجھے تمہارے ساتھ پوری ہمدردی ہے سرم!"... اور اسد الدین کو ہنسی آ گئی۔

"سردار! آپ میرے محسن اور آقا ہیں۔ ہنسی اڑا لیجئے میری۔ خدا کرے کہ کسی پر ایسا وقت نہ پڑے۔"

"میں تم پر نہیں ہنس رہا ہوں سرم!" اسد الدین نے بات بنائی۔ "مجھے تو اس بات پر آئی تھی کہ تم شہزادی سے ملے بھی نہیں مگر تمہیں اس کی رہائی کا اس قدر یقین بھی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟"

"یہ یقین، مجھے لقا نے دلایا ہے سردار!" سرم نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "لقا کبھی جھوٹ نہیں بولتی اور پھر...."

"تم کچھ کہنا چاہتے تھے سرم! شاید تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا۔" اسد الدین نے ظاہر کیا۔

"ایسا نہ کہئے سردار! خدا مجھے اس دن موت دے دے، جب میرا اعتبار آپ
اٹھ جائے۔" سرم فوراً سنجیدہ ہو گیا۔ "دراصل بات کچھ ایسی ہے جسے کہتے ہو
محسوس ہوتی ہے۔ پتہ نہیں، آپ کیا سوچیں؟"

"مجھ سے شرم آتی ہے تو مت کہو۔ میں کوئی گلہ نہ کروں گا...." اسد الدین
میں اب بھی تلخی تھی۔

"اب تو ضرور کہوں گا سردار!" سرم نے ارادہ بدل دیا۔ "سردار! دراصل
محسوس ہوتا ہے کہ لقا مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔ حالانکہ میں کوئی ایسا خوب رو
جوان نہیں کہ ہر عورت مجھے دیکھتے ہی فریفتہ ہو جائے۔"

اسد الدین مسکرایا۔ "لقا تم سے محبت کرنے لگی ہے۔ اس بارے میں تو میں
رائے محفوظ رکھتا ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تمہاری شکل و صورت ایسی ضرور
تمہیں چاہا جائے مگر یہ بات غور کرنے کے قابل ضرور ہے کہ لقا جب تم سے محبت کر
تو اس نے شہزادی کی رہائی کی خوش خبری کیوں سنائی۔ کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ تم
کی شہزادی جینالو کے پرستار ہو اور تمہارے کہنے کے مطابق شہزادی جینالو حسن و جما
لاثانی ہے؟"

"وہ سب کچھ جانتی ہے سردار مگر اس نے مجھے شہزادی سے ملانے کی امید دلائی۔"

"خیر سرم! یہ تمہارا مسئلہ ہے اور اسے تم خود ہی نمٹاؤ گے مگر اس قول کو مد
رکھنا کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔" اسد الدین نے ایک بزرگانہ
کی۔

"توبہ کیجئے سردار! میں ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔ لقا کی میں عزت ضرور کرتا ہوں
کی خدمات کا بھی قائل ہوں مگر یقین کیجئے کہ مجھے اس سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ محبت
کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سرم نے صاف صاف کہہ دیا۔

امیر زنگی بڑی بے چینی سے سرم کا انتظار کر رہا تھا۔ سرم اور اسد الدین اس کے
میں داخل ہوئے تو ان کے گھستے ہی امیر زنگی نے سوال کیا۔ "سرم! پہلے ہمیں اپنی شہ
اور ملکہ زمرد خانم کی خیریت سے آگاہ کرو۔؟"

"امیر عالی مقام! جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے
ملکہ اور شہزادی اس وقت بھی قبیلہ زناطہ اور احداث کی پناہ میں ہیں اور دونوں آپ
پہنچنے کے لئے بے قرار ہیں۔" سرم نے پورے یقین سے کہا۔

"شکر ہے خداوندا!" اور امیر زنگی نے اوپر کی طرف دیکھا۔ "سرم! کیا تم نے

اپنی آنکھوں سے زندہ و سلامت دیکھا ہے؟" امیر نے دوسرا سوال کیا۔

"امیر عالی! میں بدقسمتی سے اب تک ملکہ اور شہزادی کے حضور میں نہ پہنچ سکا۔"
سنبھل کر کہا۔ "ہماری ایک کنیز لقا جو آپ کے پاس ملکہ کا پیغام لے کر حاضر
ہوئی تھی، وہ ملکہ کی خدمت پر اب تک مامور ہے اور اسی نے مجھے یہ خبر دی ہے۔"

"پھر تو اس کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ کنیز قابل اعتماد ہے۔" اتنا
کہہ کر امیر زنگی فکر میں ڈوب گیا۔

اسد الدین اور سرم سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کسی میں بولنے کی ہمت نہ تھی۔ امیر زنگی
کی خاموشی طول کھینچتی جا رہی تھی۔ بڑے انتظار کے بعد امیر نے سر اٹھایا۔ "سرم!
ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ معین الدین کو اپنے لشکر کے علاوہ یروشلم اور
اس کے چالیس ہزار لشکر کا تعاون حاصل ہے۔ اس میں کس حد تک حقیقت ہے؟"

سرم کو اسی سوال کا ڈر تھا لیکن امیر زنگی نے یہ بات جاسوسوں کے حوالے سے پوچھی
تھی، پھر اسد الدین نے بھی اسے سمجھا دیا تھا۔ اس لئے اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "امیر
کی شجاعت ... اور دور اندیشی کے سامنے بڑے سے بڑے لشکر کی کوئی حقیقت نہیں
یہ ٹھیک ہے کہ جاسوسوں نے وزیر اعظم کے لشکر کا جو اندازہ لگایا ہے۔ ان کی تعداد
اس سے بھی زیادہ ہے مگر فتح امیر کا مقدر ہے۔ امیر انشاء اللہ کامیاب اور کامران ہو کر
لوٹ آئیں گے۔"

امیر کی پیشانی پر فکر و تردد کی لہریں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ اس نے اسد الدین کی
طرف دیکھا۔ سوائے سرم اور اسد الدین کے امیر زنگی کے خیمے میں اور کوئی موجود نہ تھا۔

"اسد الدین! تم نے سنا کہ شہزادی اور ملکہ زمرد خانم دمشق میں موجود ہیں۔ یہ بھی ٹھیک
ہے کہ وہ اس وقت محفوظ ہاتھوں میں ہیں لیکن کل کا کسی کو پتہ نہیں۔ ملکہ کے ہمدرد
قبائل کسی وقت دھوکا دے سکتے ہیں اس صورت میں شہزادی اور ملکہ دونوں معین الدین
کے ہاتھوں میں ہوں گی اور وہ ہم سے اپنی شرائط پر صلح کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"عالی مقام امیر!" اسد الدین نے فوراً جواب دیا۔ ... "معین الدین جیسے بدطینت
سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔ ملکہ عالیہ کے ہمدرد قبائل پر اعتماد کرنا بھی عقل مندی نہیں
سخت دباؤ یا لالچ ان کے قدم ڈگمگا سکتا ہے۔ یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے امیر! ورنہ
ہم لیکن عالی تو صرف حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ مصلحتوں پر نظر رکھنا ہمارا کام نہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو اسد الدین!" پھر امیر نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "ہمیں
اب حکمت عملی تبدیل کرنا ہو گی۔"

امیر شاید پہلی مرتبہ اس قدر فکر مند ہوا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "سرم! ہمارا خیال ہے کہ تمہارا دمشق میں رہنا ضروری ہے۔ ملکہ زمرد کو تمہاری کسی وقت ... ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"جو ارشاد عالی ہو امیر!" سرم نے سرخم کر دیا۔ "میرا یہاں آنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ امیر کو دمشق کے حالات سے باخبر کر دوں۔ میں آج ہی واپس چلا جاؤں گا امیر!"

"ہمیں امید ہے کہ تم ملکہ اور شہزادی کا سہارا بنو گے اور بہتر حالات ہوں تو انہیں اس جہنم سے نکالنے کی کوشش کرو گے۔ ہم نے دمشق کو نہ پہلے تباہ کرنے کی کوشش کی تھی اور نہ اب ہم حملہ کریں گے لیکن ہمارا لشکر دمشق کے قریب اس وقت تک خیمہ زن رہے گا جب تک ہم امید اور ناامیدی کی دلدل سے باہر نہیں نکلتے۔ ہم پھر اعلان کرتے ہیں کہ دمشق کی تباہی ہمارا مقصد نہیں ہے لیکن اگر معین الدین نے شہزادی یا ملکہ خانم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو قسم ہے وحدہ لا شریک کی ہم دمشق کی فصیل کی ایک ایک اینٹ اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔" اس کے ساتھ ہی امیر زنگی نے تلوار نیام سے نکال کر سر سے اوپر بلند کی۔ امیر زنگی یہ عمل اس وقت کرتا تھا' جب وہ اہم فیصلہ کرتا تھا۔

اسد الدین سمجھ گیا کہ یہ امیر زنگی کا اعلان جنگ ہے اور اگر معین الدین نے شہزادی اور ملکہ کو کسی قسم کی تکلیف دی تو پھر جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔ خواہ اس میں موصل کا پورا لشکر تباہ ہو کر رہ جائے۔ اسد الدین نے بھی فوراً اپنی تلوار بلند کی۔ ان کی دیکھا دیکھی سرم بھی تلوار بے نیام کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

امیر نے اسد الدین کو مخاطب کیا۔ "اسد الدین! سرم کو اکیلے دمشق کا محاذ ... ہے۔ اسے رقم کی ضرورت ہو گی' جس قدر مناسب سمجھو' رقم اس کے ساتھ کر دو۔ ... مشکل کام کو آسان بنا دیتی ہے۔"

سرم خوشی خوشی امیر کے خیمے سے واپس آیا۔ اسد الدین نے اس کے لئے ایک ... تیار کرایا اور اس پر لاتعداد دینار سے بھری ہوئی تھیلیاں بار کر دیں پھر دونوں دوست ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

☆☆☆☆☆

ادھر لقا سخت پریشان تھی۔ سرم دوسری شام بھی اس سے ملنے کیوں نہیں آیا ... دوسری اور تیسری شام کو بھی وہ سرم سے ملنے گئی مگر اسے ناامیدی ہوئی پھر اسے خیال

... سرم گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل کو سخت صدمہ ہوا مگر وہ ... عورت تھی۔ سرم سے ناامید ہو کر لقا اپنی سہیلی حنا کے پاس پہنچی۔ حنا اس کی ... سہیلی تھی' جس سے لقا اپنے دل کا حال کہہ دیا کرتی تھی۔ حنا بھی لقا پر اتنا ہی اعتماد ... تھی اور اس کی کوئی بات لقا سے چھپی نہ تھی۔ لقا رات کے وقت حنا کے پاس پہنچی ... نے لقا کو دیکھا تو بھونچکی رہ گئی۔

"لقا! یہ تم ہو۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔" حنا حیران نظروں سے لقا کو ... رہی تھی۔

لقا دوڑ کر حنا سے لپٹ گئی۔ "اب تو تمہیں یقین آیا ہے کہ میں لقا ہوں۔"

"مگر تمہارے بارے میں تو مشہور ہے کہ تم ملکہ مادر کے ساتھ موصل پہنچ گئی ہو؟" ... حیرت کسی طرح کم نہ ہو رہی تھی۔

"اس کی تفصیل میں پھر کبھی بتاؤں گی۔" لقا نے جلدی سے کہا۔ "اس وقت میں تمہارے پاس ایک خاص کام سے آئی ہوں اور تمہیں یہ میرا کام کرنا ہو گا۔"

"میری پیاری لقا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تمہارا کام ... اور میں نہ کروں۔ حکم دو تو میں تمہارے لئے وزیر اعظم معین الدین کو بھی قتل کر سکتی ہوں۔" اور حنا ہنسنے لگی۔

"تیری یہی تو محبت ہے جو مجھے تیرے پاس بے دھڑک کھینچ لائی ہے۔" لقا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "تو جانتی ہے کہ وزیر اعظم اس وقت ملکہ اور زنگی شہزادی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ملکہ کے چند ہمدرد سرداروں نے انہیں پناہ میں رکھ چھوڑا ہے اگر اسے علم ہو جائے کہ لقا تمہارے پاس ہے تو وہ ہم دونوں کو ... پکڑوا دے گا۔"

"اس ظالم کو تو خدا ہی غارت کرے گا۔" حنا نے بڑے دکھ سے کہا۔ "شاہ کا خون کر کے اس نے بہتوں کو رلایا ہے۔ خدا ہی اس سے سمجھے گا۔"

"خدا ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن اس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔ معین الدین ضرور اپنے انجام کو پہنچے گا۔" لقا نے بھی انز کو کوس کر اپنا دل ہلکا کیا۔

"ہاں' تم نے وہ کام تو بتایا ہی نہیں؟" حنا نے خود ہی لقا کو یاد دلایا۔

"حنا! تم آج کل قید خانے میں کام کر رہی ہو نا؟"

"ہاں' مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔" لقا مسکرائی۔ "جس قیدی شہزادی کی خدمت پر تم مامور ہو کچھ اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"قیدی نہیں لقا! وہ تو وزیر اعظم کی مہمان ہے۔ غریب مصیبت کی ماری معلوم
ہے۔ یروشلم میں کچھ شہزادے اس کے دشمن ہو گئے تھے اسلئے ..."

"یہ پرانی باتیں ہیں حنا!" لقا نے بات کاٹی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ یروشلم کی نہیں
انطاکیہ کی شہزادی ہے۔"

حنا دنگ رہ گئی۔ "یہ تمہیں کس نے بتایا۔ کیا تم شہزادی سے مل چکی ہو؟"

"نہیں حنا! میں ملی نہیں ہوں مگر اب ملنا چاہتی ہوں۔" لقا نے سر اٹھا کر دیکھ
کو خیالوں میں ڈوبا پایا۔

"واہ ری تیری محویت۔" لقا نے اسے جھنجوڑا۔ "میں بات کر رہی ہوں اور
جانے کس کے خیال میں کھوئی ہوئی ہے۔"

"لقا! تمہارا یہ کہنا کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔" حنا اپنے خیالوں میں گم تھی
نے لقا کی پہلی بات سنی ہی نہیں تھی۔ "شہزادی میری دوست بن گئی ہے۔ تم جانتی
میری ماں یروشلم کی رہنے والی تھی۔ ایک دن میں نے باتوں باتوں میں شہزادی سے
کے بارے میں پوچھا تو وہ گھبرا گئی اور بات ٹالنے لگی۔ جب میں نے بہت زور دیا تو
کہ اس کی پرورش شاہی محل میں ہوئی ہے۔ اس لئے وہ یروشلم کے محلوں اور شاہ
کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ بھلا بتاؤ لقا! یہ کیا بات ہوئی۔ کیا شہزادیاں اپنے
بڑے بڑے محلوں اور سڑکوں کا نام ... نہیں جانتیں۔"

"تو پھر یوں سمجھو حنا بہن کہ میرا کہنا سو فیصد ٹھیک ہے۔ پیاری بہن! مجھے
سے ایک بار ملا دو۔" لقا نے خوشامد کی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شاہی قید خانے میں
بن کر رہنے والی انطاکیہ ہی کی شہزادی ہے۔

"اس میں کیا مشکل ہے لقا؟ کل تم میرے ساتھ چلنا۔ میں تمہیں اپنی بہن
ملاقات کرا دوں گی۔ صدر دروازے پر جتنے پہرے دار ہیں' وہ اپنے جاننے والے ہیں
تمہیں جانتے ہوں گے۔"

لقا چونک پڑی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو حنا؟ اگر ان میں سے کسی نے مجھے پہچان کر
اعظم کو اطلاع کر دی تو میرے ساتھ تم بھی کھنچی کھنچی پھرو گی۔"

"ایسا نہیں ہو گا لقا!" حنا نے ہنس کر کہا۔ "وہاں جتنے بھی غلام اور کنیزیں ہیں
کے سب وزیر اعظم کے خلاف ہیں اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کی معین الدین ان
دن انہی غلاموں کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو لقا! میں ذمے دار
ہوں۔"

حنا کے گھر سے لقا واپس آئی تو بہت خوش تھی۔ ملکہ زمرد خانم اور زنگی شہزادی کی
رہائی کرانا تو لقا کا فطری اور اخلاقی فرض تھا مگر وہ انطاکیہ کی شہزادی اور سرم کو ملانے کے
لئے بھی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔ اس کی وجہ خود اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ اسے
معلوم تھا کہ سرم اپنی شہزادی کو پا کر اسے بالکل بھول جائے گا۔ اس کے باوجود وہ شہزادی کو
رہائی دلانے کے لئے در در بھاگ رہی تھی۔ وہ رات اس نے بڑی بے چینی سے
گزاری۔ سرم اسے بار بار یاد آ رہا تھا اور وہ سرم سے فوراً ملنا چاہتی تھی۔ حنا نے اسے
دوسرے دن بلایا تھا تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ قید خانے لے چلے اور شہزادی کے راز سے
پردہ اٹھ سکے مگر وہ حنا کے گھر نہیں گئی اور شام ہوتے ہی اس جگہ پر پہنچ گئی جہاں اس نے
سرم سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ لقا کم و بیش روز اس جگہ کا چکر لگاتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ
سرم ایک نہ ایک دن وہاں ضرور آئے گا۔

☆☆☆☆☆

سرم رات کے وقت دوست کے گھر پہنچا۔ وہ رات بھر امیر زنگی سے اپنی ملاقات کی
تفصیل بتاتا رہا۔ اس کا دوست بھی دلچسپی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس دن سرم بڑا بے
چین تھا۔ دن اسے آہستہ آہستہ سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے شام ہوئی اور وہ لقا
سے ملنے کے لئے نکل پڑا۔ وہ امید و بیم میں گرفتار تھا۔ خوف اس بات کا تھا کہ کہیں لقا
اس کی طرف سے مایوس نہ ہو گئی ہو مگر دل اسے سہارا دے رہا تھا۔ لقا کی محبت بھری باتوں
سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ لقا اگر اس سے محبت کرتی ہے تو اس میں بڑا خلوص ہے۔
کیونکہ اس نے بغیر کسی لالچ کے سرم کو اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

سرم حیران رہ گیا جب اس نے لقا کو اپنا منتظر پایا۔ "سرم تم کہاں چلے گئے تھے تمہارا
انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں ..."

"میں تم سے شرمندہ ہوں لقا!" سرم نے عاجزی سے لقا کی بات کاٹی۔ "تمہیں یہ سن
کر خوشی ہو گی کہ امیر زنگی کا لشکر دمشق کے نواح میں پہنچ چکا ہے۔"

"کیا سچ ...؟" اور لقا کا چہرہ گلاب رنگ ہو گیا۔

"میں خود امیر کی خدمت میں گیا تھا۔ اسی وجہ سے تم سے ملنے نہ آ سکا۔" سرم خوا
مسکرایا۔

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ امیر کے کیا ارادے ہیں۔ کیا جنگ کے شعلے بلند ہوں گے؟"
لقا نے لپک کر اس سے پوچھا۔

"شاید نہیں!" سرم کی مسکراہٹ میں کوئی کمی نہ ہو رہی تھی۔ "امیر نے مجھے
ہے کہ زناطہ اور احداث کے سرداروں سے مل کر زنگی شہزادی اور ملکہ مادر کو یہاں
نکالنے کی کوشش کروں۔"

"اور اپنی انطاکیہ کی شہزادی کو کیا یہیں قید رہنے دو گے؟" اب لقا کے مسکرا
باری تھی۔

"لقا! تم واقعی عظیم ہو۔ میرے دامن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے دے کر
تمہارے احسان کا بدلہ چکا سکوں۔" سرم بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

"سردار! بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں صلے کا تصور بھی گناہ ہوتا ہے۔" لقا
سینہ بھی جذبات سے بھر گیا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں شہزادی کو آپ تک پہنچانے
کامیاب ہو جاؤں گی.... پھر جب شہزادی کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں خوشی کے جو
کھلیں گے وہی میری محنت کا صلہ ہو گا۔ اس کے سہارے میں اپنی زندگی گزار دوں گی۔"

سرم کو لقا کی باتیں بڑی حیرت انگیز معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا
جذبہ احسان مندی سے جھکا جا رہا تھا۔ "خدا تمہیں کامیاب کرے لقا!" سرم کی آنکھیں
کسی نامعلوم جذبے سے چمک اٹھی تھیں۔ "میں سرداروں سے مل کر انہیں امیر کا پ
پہنچاؤں گا۔ بشرطیکہ ان تک صحیح سلامت پہنچ گیا۔"

"تم فکر نہ کرو سرم!" لقا اس سے باتیں کرتے وقت کبھی تم اور کبھی آپ سے خطا
کرتی۔ جب محبت کا جذبہ جوش مارتا تو وہ سرم کو تم کہہ کر مخاطب کرتی مگر جب اسے
کے ایک معزز سردار ہونے کا احساس ہوتا تو فوراً اسے آپ کے الفاظ سے مخاطب کر
لگتی۔ "سرم! میں تمہاری ملاقات خود سرداروں سے کراؤں گی اور ممکن ہے کہ ملکہ
کے سامنے ہو۔"

"لقا... کیا...؟" اور سرم شدت جذبات سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

دوسری شب لقا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس نے ملکہ مادر سے کہہ کر زناطہ
احداث کے قبیلے کے سرداروں کو حویلی میں بلوا لیا۔ تخت و تاج کے یہ دونوں وفادار سر
ملکہ مادر کی طرف سے بہت فکر مند تھے۔ معین الدین انز انہیں قہر آلود نظروں سے د
تھا۔ چونکہ دمشق کے حالات خراب تھے اور امیر زنگی کا کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا تھا ا
لئے معین الدین خاموش تھا۔ ورنہ اب تک اس نے ملکہ کو ڈھونڈ نکالا ہوتا۔ ملکہ ز
خاتم' سرداروں سے گفتگو کر ہی رہی تھی کہ لقا' سرم کو لے کر آ گئی۔ سرم کو سردار ب
پہچانتے تھے۔

سرم کل ہی امیر موصل سے مل کر آئے ہیں۔ امیر آپ کے بہت شکر گزار ہیں اور
اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش کرنا چاہتے ہیں۔" ملکہ نے سرم کو ایک عرصے بعد
ا اور اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھیں لیکن اس کا موقعہ ہی نہ ملا۔

سرداروں نے سرم کی طرف دیکھا جیسے وہ اس کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ سرم
ا دش نگاہوں میں چھپے ہوئے سوال کو سمجھ گیا۔ "سرداران عالی وقار! امیر محترم نے
اپ کو پیار و محبت کا پیام دیا ہے۔ امیر آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنی جان
انہ کرتے ہوئے یہ اہم ذمہ داری قبول کی لیکن اب وہ چاہتے ہیں کہ ملکہ مادر اور
زادی کو ان کے پاس بھیج دیا جائے۔"

ہم خود دل سے یہی چاہتے ہیں سرم!" زناطہ کے سردار نے کہا۔ "لیکن دمشق کے
رف لشکر پھیلا ہوا ہے۔ ملکہ مادر کو کس طرح بھیجا جا سکتا ہے؟"

امیر موصل نے یہ ذمہ داری میرے سپرد کی ہے سردار!" سرم کا لہجہ بڑا پرجوش تھا۔
پ شاہی مہمانوں کو سادہ لباس میں کارواں سرائے تک پہنچا سکیں تو عین نوازش ہو
رائے سے ایک قافلہ شمال کی طرف جانے والا ہے۔ میں نے قافلہ سالار سے بات کر
ملکہ اور زنگی شہزادی اس قافلے کے ساتھ دمشق سے نکل جائیں گی۔"

یک ہے' مجھے کوئی اعتراض نہیں سرم!" سردار نے کہا۔ "مگر یہ خیال رہے کہ اگر
ان کو کوئی نقصان پہنچا تو خدا ہم سب کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

سردار! زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے۔" سرم نے
مطمئن کر دیا۔

لہ سرداروں نے ملکہ اور زنگی شہزادی کو بڑی خاموشی سے سرائے میں پہنچا دیا۔
قافلہ سردار کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ دمشق میں جنگ شروع ہونے والی
الئے وہ اپنی بیوی اور بہن کو دمشق سے باہر بھیج رہا ہے۔ سرم نے اس خدمت
مں قافلہ سردار کو ایک معقول رقم بھی پیش کی تھی۔ قافلوں کی آمد و رفت جنگ
ں میں بھی جاری رہتی تھی۔ جس لشکر کی حد سے قافلے گزرتے تھے۔ وہ لشکر ان
اپنی سرحد سے حفاظت کے ساتھ پار کرانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ قافلہ صبح کو روانہ
م اور لقا نے انہیں آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ رخصت کیا۔ سرم اور لقا'
شہزادی کو چھڑانے کے لئے دمشق میں رک گئے تھے۔

سرے دن لقا اپنی سہیلی حنا کے ساتھ قید خانے پہنچی۔ لقا نے حنا کو باہر چھوڑ دیا اور
کے کمرے میں داخل ہوئی۔ شہزادی خیالوں میں کھوئی ہوئی دروازے کی طرف

پشت کئے بیٹھی تھی۔ اندھیری رات کافی بھیگ چکی تھی لیکن شہزادی اب تک نہ سوئی
"اے انطاکیہ کی شہزادی! کنیز آپ کو سلام پیش کرتی ہے۔" لقا نے شہزادی کو
دیا۔

شہزادی نے پلٹ کر لقا کو دیکھا۔ "تم ... تم کون ہو؟" شہزادی کے ہونٹ خو
حیرت سے لرزنے لگے۔

"میں آپ کی دوست ہوں شہزادی جینالو۔" لقا نے اسے اور زیادہ حیران کر
کوشش کی۔

"لیکن ... میں ... میں ...." شہزادی کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"شہزادی آپ انکار نہ کیجئے۔ آپ کا سرم قید خانے کی دیوار سے لگا کھڑا ہے۔
کا انتظار کر رہا ہے۔"

"مگر تم میری ہمدردی کیوں کر رہی ہو؟" شہزادی کی آنکھوں میں شبہ کے سائے
لگے۔

"میں آپ کے لئے نہیں بلکہ یہ سب کچھ سرم کے لئے کر رہی ہوں۔"

"سرم سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" شہزادی مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

"یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ اگر آپ شہزادی جینالو نہیں ہیں تو میں واپس
ہوں۔" لقا نے شہزادی کی طرف پشت کر کے یہ ظاہر کیا جیسے وہ واقعی واپس جا رہی

"ٹھہرو!" شہزادی نے اسے روکا۔ "اے نیک خاتون مجھے سچ بتا دو کہ کہیں وز
مجھے قتل تو نہیں کرنا چاہتا؟"

"شہزادی مجھ پر اعتبار کیجئے۔ میں مسلمان ہوں اور خدا کی قسم کھاتی ہوں۔ آ
ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہو رہا ہے۔"

شہزادی جینالو کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے کوئی اور سوال نہیں کیا اور لقا کے سا
لگی۔ قید خانے کی دیوار کے ساتھ ریشم کی ایک بٹی ہوئی سیڑھی لٹک رہی تھی۔
اشارے پر پہلے شہزادی سیڑھی کے ذریعے دیوار کے اوپر پہنچی پھر لقا اوپر آ گئی۔
ساتھ ہی تین گھوڑے آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ایک پر سرم
پر لقا اور تیسرے ... گھوڑے پر شہزادی جینالو سوار تھی۔ سرم نے انتہائی محفوظ راستہ
کیا تھا۔ اس راستے کو اس نے دن میں کئی بار خوب دیکھا بھالا تھا۔ مگر جب یہ
راستے کے آخری سرے پر پہنچے تو نہ جانے کدھر سے چار پانچ سوار ادھر آ نکلے۔
جلدی سے اپنا گھوڑا پیڑوں کی آڑ میں کر لیا۔ رات اندھیری تھی۔ آسمان پر بادل

مگر آخری عشرے کا چاند کسی وقت بھی بادلوں کی اوٹ سے اپنا چہرہ دکھا سکتا تھا۔
سوار انطاکیہ کے لشکر کے تھے جو اتفاقیہ ادھر نکل آئے تھے۔ انہوں نے تین
کو آتے دیکھا تو اپنے گھوڑے اس طرف موڑ دئے اور پیڑوں کے جھنڈ کے پاس آ

"کون ہے۔ باہر آ جاؤ' ورنہ ..." ایک سوار نے حکم دیا۔

اس کے ساتھ ہی جھنڈ میں چھپے ہوئے تینوں سوار گھوڑوں کو ایڑ دے کر دوسری سمت
پڑے۔ انطاکیہ کے سواروں نے بھی اپنے گھوڑے ان کے پیچھے ڈال دئے۔ گھوڑے
پیچھے بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ چاند بادلوں سے نکلتا تو تھوڑی سی روشنی پھیل جاتی اور
گہرے بادل چاند کو چھپا لیتے تو ہر طرف گھپ اندھیرا پھیل جاتا اور گھوڑوں کی دوڑ
اندھیرے میں بھی جاری رہتی۔ نہ کسی کو وقت کا پتہ تھا اور نہ سمت کا اندازہ۔ بھاگنے
بھاگ رہے تھے اور پیچھا کرنے والے ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔
عالم میں تعاقب کرنے والوں نے اپنے ترکش سنبھالے۔ تیر کمانوں میں جڑے اور کئی
یک ساتھ ہوا کا سینہ چیرتے ہوئے بھاگنے والوں کی طرف بڑھے۔ ان تیروں میں سے
تیر پر قضا کا نام لکھا تھا اور آخر یہ خونی تیر بھاگتی ہوئی شہزادی جینالو کی پشت میں
ت ہو گیا۔ شہزادی نے یقیناً" تیر کی ہلاکت خیزی کا اندازہ لگا لیا ہو گا مگر اس نے نہ کوئی
اری اور نہ گھوڑے کو روکا۔ اس کا گھوڑا سرم اور لقا کے درمیان پہلے کی طرح بھاگ
ا۔ اور لقا' سرم کو یہ خبر بھی نہ ہو سکی کہ شہزادی پر کیا قیامت گزر گئی ہے۔
تعاقب کرنے والوں آخر تنگ آ کر اپنے گھوڑے گھما کر جدھر سے آئے تھے ادھر
ہو گئے۔ سرم نے بھی تھوڑی دیر بعد گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ شہزادی اور لقا کے
ے بھی آہستہ آہستہ ہوتے ہوتے رک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اس منحوس صبح کا
ا آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا۔ گھوڑا رکتے ہی سرم کی نظر شہزادی پر پڑی۔ شہزادی نے
ے کی گردن پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور پشت میں چبھا ہوا تیر صاف نظر آ رہا تھا۔
ں کا بہتا ہوا خون کپڑوں کو گلگوں کرتا ہوا رکاب تک پہنچ گیا تھا۔ سرم چیخ مار کر
ے سے اترا۔ لقا نے بھی واقعہ کی سنگینی کا اندازہ کر لیا تھا۔ دونوں نے کوشش کر کے
ں کو رکاب سے آزاد کر کے فرش خاکی پر لٹا دیا۔
"جینالو! یہ کیا ہو گیا؟" سرم بدحواسی کے عالم میں چلایا۔ لقا اس کے قریب کھڑی
سالے رہی تھی۔
"سرم! اپنا سر میرے قریب لاؤ۔" شہزادی نے کوشش کر کے آنکھیں کھولیں۔

"مرنے سے پہلے میں تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

سمرم اس کی پشت سے تیر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا ہاتھ روک کر شہزادی گیا۔ "جینا! خود کو سنبھالو۔ میں تیر نکال لوں گا۔" سمرم نے بے بسی سے کہا۔

"کوشش بیکار ہے سمرم! میری بات سنو۔ لقا کہاں ہے؟"

لقا اور سمرم نے اپنے سر شہزادی کے سینے سے لگا دئے۔

"لقا! میری آنکھوں میں بھری محبت اپنی آنکھوں میں جذب کر لو۔" شہزادی۔ اٹک کر کہا۔

"شہزادی آپ اچھی ہو جائیں گی۔" لقا کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"وعدہ کرو لقا! سمرم کو میری نظروں سے دیکھو گی۔" شہزادی کی آنکھیں بنـ رہی تھیں۔

"جینا!" سمرم نے بے چین ہو کر اپنے لرزتے لب شہزادی کی پیشانی پر رکھ د۔ شہزادی کے لب ذرا بھی حرکت نہ کر سکے۔ وہ تو قید زندگی سے آزاد ہو گئی نے سمرم کو دیکھا اور سمرم نے لقا کو ... پھر وہ دونوں چیخ مار کر ایک دوسرے سے لپٹ

سنہرے بال

یہ قافلہ آج ہی دمشق سے بعلبک پہنچا تھا۔ سفر کے دوران جعفر نے کئی بار کوشش کی سنہرے بالوں والی اس لڑکی سے بات کرے جو ایک بوڑھے کے ساتھ سفر کر رہی لڑکی کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا جس پر اس نے بوڑھے کو سوار کیا تھا اور خود ے بعلبک تک پینتیس میل کا فاصلہ پیدل طے کیا تھا۔ بوڑھا شاید بیمار تھا۔ .... ے گھوڑے پر بیٹھا بھی نہ جا رہا تھا۔ بوڑھے کے بدن پر ایک سفید لانبا چوغا تھا اور ے گلے میں ایک چھوٹی سی صلیب پڑی ہوئی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں یں۔ جعفر اسی لئے اس سے گفتگو کرتے جھجک رہا تھا۔

سنہرے بالوں والی لڑکی نے بعلبک کی کارواں سرائے میں پہنچتے ہی بوڑھے کو ایک پر لٹا دیا اور خود اس کی تیمار داری میں لگ گئی۔ جعفر کے دل میں تجسس بھی تھا اور ے لئے تھوڑا سا پیار بھی پیدا ہو گیا تھا مگر اسی کے ساتھ شک و شبہ کی ایک لہر بھی ے ذہن کے پردوں سے ٹکرانے لگی تھی۔ یوں جب بھی جعفر کی نظر اس سے ٹکراتی، ہم کنار ہو جاتا اور تبسم اس کے ہونٹوں پر کھل اٹھتا مگر یہ جعفر کا وہم بھی ہو سکتا لئے جعفر نے موقع ملنے کے باوجود راستے میں اس سے کوئی بات نہ کی۔

ا تو پتہ نہیں کہ یہ قافلہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور اس کی آخری منزل کہاں تھی؟ ر اس قافلے میں دمشق اور بعلبک کے سفر کے دوران شامل ہوا تھا جب کہ یہ لڑکی مل پہلے سے موجود تھی۔ جعفر نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ دمشق سے آ رہی ہو

گی پھر جب بعلبک پہنچ کر لڑکی نے بوڑھے کا بستر سرائے میں لگا دیا تو جعفر کے دل
دھچکا سا لگا۔ جعفر کو بعلبک تک ہی آنا تھا اور ابھی اس نے اس لڑکی سے ایک بار
کی تھی جس کی محبت اس کے دل میں آہستہ آہستہ گھر کرتی جا رہی تھی۔ آخر
فیصلہ کیا کہ وہ بھی آج کی رات سرائے میں گزارے گا اور اگر لڑکی نے ذرا بھی
اس سے ضرور گفتگو کرے گا۔

تاجر کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں مگر ان کا مفاد مشترک ہوتا
پہلے تاجر ہوتے ہیں بعد میں کچھ اور' وہ راستے میں اس قدر گھل مل کے گفتگو کر
رہے تھے' جیسے ایک ملک ایک قوم اور ایک خاندان کے افراد ہوں لیکن سرائے
ہی وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ قافلے میں مسلمان اور عیسائی تاجروں
تقریباً" برابر تھی۔ عیسائیوں نے اپنا سامان مشرقی حصے میں اتارا جب کہ مسلما
سرائے کا مغربی حصہ پسند کیا تھا مگر سرائے کے یہ دونوں حصے اتنے دور بھی نہ
ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں اگر ایک حصے میں کوئی زور سے بولتا تو اس کی آواز
حصے میں صاف سنائی دیتی تھی۔

سرائے میں رات کا کھانا تیار ہو رہا تھا مگر جعفر ہر طرف سے بے پروا ہو کر
حصے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ سنہرے بالوں والی لڑکی بوڑھے پر جھکی ہوئی تھی ا
سرگوشیوں میں اسے کچھ سمجھا رہی تھی۔ وقفے وقفے سے وہ گردن اٹھا کر اپنے اا
دیکھتی جاتی۔ اس دیکھ بھال میں ایک دفعہ اس کی نظریں جعفر سے چار ہو گئیں
کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی کا دل زور سے دھڑکا اور چہرہ گلگوں ہو گیا پھر شا
نے کھانس کر یا کروٹ بدل کر لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ لڑکی کے چہرے
تاثر پیدا ہوا اور اس نے چارپائی پر پڑے بوڑھے کو اس طرح تھپکا جیسے ماں
ہے مگر اس نے جعفر کی طرف سے اپنی نظریں ایک لمحے کے لئے بھی نہ پھیریں۔

پھر اسی وقت ایک فقیر لڑکی کے پاس نمودار ہوا۔ جعفر چونکہ مسلسل لڑکی
رہا تھا اس لئے وہ اندازہ نہ کر سکا کہ فقیر کس طرف سے آیا ہے۔ فقیر کو دیکھتے ہ
جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اب اس کی پیٹھ جعفر کی طرف تھی۔ لڑکی نے فقیر کو کچھ
نے بھی اپنی جھولی سے کچھ نکال کر لڑکی کو دیا۔ جعفر کو معلوم نہ ہو سکا کہ لڑکی
اور فقیر سے کیا لیا۔ اس نے تو صرف یہ دیکھا کہ لڑکی فقیر سے مسلسل باتیں کر
کبھی وہ جھک کر بوڑھے سے کچھ کہتی پھر سیدھی ہو کر فقیر سے باتیں کرنے لگ
منٹ کے بعد فقیر وہاں سے چلا گیا۔ جعفر نے پھر سنہرے بالوں والی لڑکی کو دیکھا

پھر بوڑھے پر جھکی سرگوشیاں کر رہی تھی۔
طرح جعفر کے دل میں ایک بار پھر وسوسے پیدا ہوئے۔ بعلبک کے راستے میں بھی کئی فقیر
لڑکی کو ملے تھے اور لڑکی نے اسی طرح بے تکلفی سے ان سے باتیں کی تھیں۔ جعفر
یہ کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیا تھا کہ لڑکی غریب ہونے کے باوجود سخی طبیعت کی
ہے اور کسی فقیر کو مایوس نہیں کرتی لیکن اس وقت وہ لڑکی اور فقیر کی گفتگو کے انداز
پریشان ہو گیا تھا۔ جعفر اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ایک بار پھر اس کی نظر لڑکی کی طرف
گئی۔ لڑکی اس کو دیکھ رہی تھی۔ جعفر کو یوں محسوس ہوا جیسے لڑکی مسکرا رہی ہے اور
بالوں میں انگلیاں پھیر کر دوسرے ہاتھ سے کچھ اشارہ کر رہی ہے۔ جعفر کے دل میں
لڈی سی پیدا ہوئی مگر وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ لڑکی کے اشارے کا مطلب کیا ہے۔ اس نے
ں طرف نظریں دوڑائیں۔ ہر مسافر کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا تھا۔

جعفر نے اب تک سفر کا گرد آلود لباس بھی تبدیل نہ کیا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کیا
وہ کپڑے بدل کر لڑکی کے پاس جائے گا اور اس بوڑھے کی مزاج پرسی کے بہانے لڑکی
باتیں کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ بوڑھا یا تو لڑکی کا باپ ہے یا پھر دادا ہو سکتا ہے۔
ر جب کپڑے تبدیل کر کے سرائے کی کوٹھری کے باہر آیا تو سنہرے بالوں والی لڑکی
ھے کی چارپائی کے پاس موجود نہ تھی۔ جعفر نے گھبرا کر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ وہ
ئے کے دروازے پر کھڑی اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے جعفر بیٹھا ہوا تھا۔
ر کے دل سے ایک آواز سی اٹھی۔

"جعفر ہمت سے کام لے' وہ تجھے ہی ڈھونڈ رہی ہے۔" دل کی اس آواز کے ساتھ
ر کے قدم خود بخود سرائے کے گیٹ کی طرف اٹھنے لگے۔ لڑکی اس وقت گیٹ کے باہر جا
ی تھی۔ جعفر بڑی تیزی سے گیٹ پر پہنچ گیا۔ گیٹ کے باہر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ چاند
رے بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ بعلبک اپنے محل وقوع۔ عبادت گاہوں اور آثار قدیمہ کی
ے مشہور ہے۔ یہ شہر وادی بکاع میں سطح سمندر سے چار ہزار فٹ بلندی پر واقع ہے
شام کا سرد ترین شہر ہے۔ جعفر کے لئے یہ شہر نیا نہ تھا۔ وہ بعلبک کئی بار آ چکا تھا اور
ر اسی وجہ سے موصل کے امیر زنگی نے اسے یہاں بھیجا تھا۔

عماد الدین زنگی صرف بہادر ہی نہ تھا بلکہ ایک اعلیٰ دماغ سیاست داں اور منجھا ہوا
ل بھی تھا۔ امراء سے لے کر اس کے خاص غلام تک اس سے ہر وقت خوفزدہ رہتے
ے دمشق کے معاملے میں معین الدین انز نے اس کے ساتھ جو شاطرانہ چال چلی تھی
ے اس کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ وہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ معین الدین انز کی چال

الٹی ہو گئی اور امیر زنگی اپنی بیٹی اور بیوی زمرد خانم کو ساتھ لے کر دمشق سے واپس گیا۔ امیر نے انطاکیہ کی شہزادی جینالو اور سرمر کو زنگی شہزادی اور زمرد خانم کے ساتھ موصل بھیج دیا تھا مگر خود واپس جانے کی سد بجائے دمشق سے دو منزل دور ٹھہر گیا۔ دمشق کے مرد آہن معین الدین انز نے جس عیسائی لشکر کو امیر زنگی پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ امیر زنگی کو سرحد پر نہ پا کر واپس ہو گیا تھا۔ عیسائی لشکر میں اتنی جرائت نہ تھی کہ وہ امیر زنگی کا تعاقب کرتا۔ ان کے لئے تو یہی غنیمت تھا کہ امیر زنگی موصل واپس ہو گیا تھا۔ انہیں کیا پتا تھا کہ امیر زنگی دمشق سے صرف دو منزل دور زخمی شیر کی طرح زخم چاٹ رہا ہے اور معین الدین انز پر ایک ایسا حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے جس کا کسی کو گمان نہ ہو سکتا تھا۔

امیر زنگی نے موصل سے کمک منگائی تھی۔ اس نے موصل میں اپنے نائب نصیر الدین جعفر کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے جعفر کو فورا" امیر کے پاس بھیج دے۔ دراصل امیر زنگی کی نظریں اس وقت بعلبک پر لگی تھیں۔ بعلبک معین الدین انز کی جاگیر تھی اور امیر دمشق کا بدلہ بعلبک سے لینا چاہتا تھا لیکن بعلبک کا رخ کرنے سے پہلے وہ وہاں کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس کام کے لئے امیر کے پاس اسد الدین موجود تھا لیکن امیر زنگی اب اس سے جاسوسی کرانے کی بجائے اس کی جنگی صلاحیت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ بعلبک میں جاسوسی کے لئے اس نے جعفر کو بلایا تھا۔ جعفر بلا کا شاطر اور ایک کامیاب جاسوس تھا بعلبک کا علاقہ بھی جعفر کا دیکھا بھالا تھا۔ اسی لئے امیر زنگی نے جعفر کو وہاں بھیجا تھا۔

جعفر اس علاقے سے اتنا واقف تھا کہ اگر اندھیری رات ہوتی تو بھی وہ صحیح سمت میں جا سکتا تھا۔ اس وقت چاند بادلوں کی اوٹ میں تھا اور تھوڑا بہت اجالا پھیلا ہوا تھا پھر جعفر کو یہ بھی یقین تھا کہ سنہرے بالوں والی لڑکی نے اسے خود دعوت ملاقات دی ہے اگر وہ راستہ بھٹکے گا بھی تو لڑکی اس کی مدد کو آ جائے گی۔ خوش قسمتی سے اسی وقت چاند بادلوں سے باہر آ گیا اور دور دور تک روشنی پھیل گئی۔ جعفر نے سامنے نظریں دوڑائیں تو اسے دور ایک ہیولا سا حرکت کرتا معلوم ہوا۔ "یہ وہی سنہرے بالوں والی ہو سکتی ہے۔" اور جعفر کے قدم تیزی سے اس کی طرف اٹھنے لگے۔

شہر میں بے شمار عبادت گاہیں تھیں۔ لڑکی کا رخ ایک عبادت گاہ کی طرف تھا جو انیتوئیس کی بنوائی ہوئی ایک عبادت گاہ تھی۔ یہ عظیم عبادت گاہ انیتوئیس کے زمانے میں شام کی سب سے بڑی اور بارونق عبادت گاہ ہوتی تھی مگر اب اس کی حالت خستہ تھی اور

یہاں ایک پرانا راہب خاندان رہتا تھا۔ جعفر نے یہ عبادت گاہ باہر سے دیکھی تھی۔ عبادت گاہ کے اطراف ایک باغ تھا جو کسی زمانے میں خوب صورت ہو گا مگر اب تو اس کی چار دیواری بھی ٹوٹ گئی تھی۔ یہ جگہ تھی بڑی پر سکون۔ دو دلوں کے مل بیٹھنے کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ مشکل ہی سے مل سکتی تھی۔

جعفر ہر لحہ سنہرے بالوں والی لڑکی سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اب تو اس کے سنہری بال بھی چاندنی میں لہراتے نظر آ رہے تھے۔ جعفر کا اندازہ صحیح تھا۔ وہ اس لڑکی کے قریب پہنچ گیا تھا جس سے باتیں کرنے کی تمنا اس کے دل میں مچل رہی تھی۔ آگے جانے والی لڑکی کو شاید اپنے پیچھے کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ جعفر اس کے اس قدر قریب پہنچ چکا تھا کہ لڑکی کو اسے پہچاننے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی۔ لڑکی ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بڑے والہانہ انداز میں جعفر کی طرف بڑھی۔

"تم آگئے آخر؟" لڑکی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"ہاں اے آسمانی حور۔ میں آخر تم تک پہنچ گیا۔" جعفر نے سرشاری سے کہا۔ "کیا تمہیں میرے آنے کی خوشی ہوئی ہے؟"

"کیوں نہیں؟ ... میں تو تم سے ملنے کے لئے بے چین تھی مگر تم ہی مجھ سے دور دور رہے۔"

"اے پری پیکر..." جعفر کہتے کہتے رکا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟ میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"تعجب ہے کہ تمہیں اب تک میرا نام نہیں معلوم ہو سکا۔" لڑکی نے اٹھلا کے کہا۔ "قافلے والے مجھے ترن کوزی کے نام سے جانتے ہیں۔ میرے ساتھ میرا بوڑھا باپ فلپ ہے جو ہمیشہ کا بیمار ہے۔ اب تم اپنا نام بتاؤ کہ گفتگو کرنے میں آسانی ہو؟"

"میرا نام جعفر ہے۔ حلب میں میرے بھائی کی شیشے کی دکان ہے۔ میں اسی کے ساتھ کام کرتا ہوں۔" جعفر نے بھی اپنا مختصر تعارف کرایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم حلب جا رہے ہو؟" ترن کوزی نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

جعفر اس بات کا اقرار نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے فورا" موضوع بدلا۔ "کوزی کیا اس جگہ کھڑے کھڑے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک ویران سی عبادت گاہ ہے جس کے گرد کئی باغ ہیں۔"

"میں تمہارے خیال کی تائید کرتی ہوں جعفر۔" ترن کوزی فورا" بولی۔ "میں اس عبادت گاہ سے اچھی طرح واقف ہوں کیونکہ میرا تعلق بھی عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقے

سے ہے۔ چلو باغ میں چل کر باتیں کریں گے۔"

جعفر اور ترن کوزی ساتھ ساتھ چلتے ہوئے عبادت گاہ پہنچ گئے۔ باغ اجڑے ہوئے تھے مگر ان میں پھولوں کی بہتات تھی اور ہر طرف خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ باغ کی دیوار ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ اسی راستے سے وہ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ اب آسمان صاف ہو گیا تھا اور روپہلی چاندنی تاحد نظر چٹکی ہوئی تھی۔ وہ اب تک خاموش تھے۔ شاید آگے گفتگو کے لئے الفاظ اور جملے موزوں کر رہے تھے پھر وہ ایک کیاری کے قریب سبزے پر بیٹھ گئے۔

جعفر کو خطرہ تھا کہ کہیں ترن کوزی اپنا سوال پھر نہ دہرائے اس لئے اس نے گفتگو میں پہل کی۔ "کوزی۔ میں نے کئی بار تم سے بات کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس خیال سے باز رہا کہ کہیں تمہارے ہم مذہب اعتراض نہ کریں اور شاید تم بھی ..." جعفر اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر ترن کوزی کے لہراتے بال دیکھنے لگا۔

"جعفر میں مذہبی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود اس قدر خشک اور غیر مہذب نہیں کہ کسی جوان کے بات کرنے سے ناراض ہو جاؤں۔" ترن کوزی نے بڑی شائستگی سے کہا۔ "پھر تمہیں تو پہلی بار ہی دیکھ کر میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تم ایک معقول جوان ہو۔ میں دراصل زیادہ عرصے دمشق میں رہی ہوں شاید' اسی وجہ سے مجھے اپنے ہم مذہبوں کی نسبت مسلمان زیادہ پسند ہیں۔ میری خود خواہش تھی کہ کسی طرح تم سے گفتگو کروں لیکن ایک تو پاپا کی بیماری اور دیکھ بھال سے فرصت نہ ملتی تھی پھر مجھے حجاب بھی آتا تھا۔"

"کچھ ایسا ہی میرا بھی حال تھا کوزی۔" جعفر نے بڑے پیار سے کہا۔

"مگر آج تم نے بڑی جرات کی۔ رات کو میرے پیچھے یہاں تک چلے آئے۔"

"یہ جرائت تو تمہاری ہمت افزائی سے پیدا ہوئی ہے۔ تم نے بال سنوارتے ہوئے جیسے ہی گیٹ کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا اور سیدھا ادھر آ گیا۔"

ترن کوزی نے چند لمحے جعفر کو حیرانی سے دیکھا پھر بولی۔ "جعفر۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے تمہارے بارے میں صحیح اندازہ لگایا۔ تم شریف ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔ میں نے تمہیں اشارہ کیا تھا لیکن مجھے گمان بھی نہ تھا کہ تم رات کے وقت میرے پیچھے آنے کی کوشش کرو گے۔"

"لیکن کوزی۔ تم سرائے سے نکل کر اتنی دور کیوں آئیں۔ تمہیں گیٹ کے باہر میرا انتظار کرنا چاہئے تھا۔" جعفر کے دل میں جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ الفاظ میں ڈھل گیا۔

"یہ میں نے احتیاط کے لئے کیا تھا جعفر۔" ترن کوزی نے بے پروائی سے کہا۔ "میں

نے سوچا تھا کہ اگر تم نہ آئے اور میرے کسی ہم مذہب نے میرا پیچھا کر کے پوچھا کہ ترن کوزی تم رات کو سرائے سے باہر کیوں نکلی ہو تو میں کہہ دوں گی کہ میں انیتوئیس کی عبادت گاہ جا رہی ہوں۔ اس بہانے مجھ پر کوئی شبہ نہ ہو سکے گا۔"

"کیا تم اس عبادت گاہ کے اندر پہلے بھی گئی ہو؟"

"کیوں نہیں جعفر۔ میں نے تمہیں بتایا نا کہ میں بھی ایک مذہبی فرقے سے تعلق رکھتی ہوں۔ دمشق اور بعلبک کی تمام عبادت گاہوں کے لوگ مجھے جانتے ہیں۔"

ترن کوزی نے اس طرح اپنی صفائی پیش کی کہ جعفر کو اس کی عقل کی داد دینا پڑی۔

"تم بہت زیادہ سمجھدار ہو کوزی۔ میں تمہیں ایک بھولی بھالی لڑکی سمجھ رہا تھا۔" اور جعفر خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

"میں بھولی اور بے وقوف بھی ہوں جعفر۔"

"وہ کس طرح؟"

"کیا یہ میری بے وقوفی نہیں کہ میں نے ایک اجنبی "مسلمان کو رات کے وقت اپنے لوگوں سے بہت دور ملاقات کے لئے بلایا ہے؟" ترن کوزی نے بڑی شوخی سے کہا۔

"لیکن کوزی تم نے میرے متعلق پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا۔ اگر تمہیں میری حرکات و سکنات یا کردار میں کوئی بھی خرابی محسوس ہوتی تو تم یہ خطرہ کبھی مول نہ لیتیں۔ میں واقعی ایک شریف آدمی ہوں۔ میں کسی کو دھوکا نہیں دیتا اور تمہیں تو میں دھوکا دے ہی نہیں سکتا۔"

"دھوکا تو ہر شخص دے سکتا ہے جعفر! اندازے غلط بھی ہو جایا کرتے ہیں۔" پھر ترن کوزی نے چاروں طرف گردن گھما کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ذرا غور تو کرو۔ یہ تنہائی اور یہ ویرانہ۔ کوئی آدمی بھی اس ماحول سے غلط فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ میں کسی کو مدد کے لئے پکار بھی تو نہیں سکتی۔"

"عبادت گاہ کے اندر تمہارے جاننے والے موجود ہیں۔ تم انہیں آواز دے سکتی ہو۔" یہ کہتے ہوئے جعفر نے ترن کوزی کے چہرہ پر آئی ہوئی بالوں کی لٹ کو ہاتھ بڑھا کر ایک طرف کر دیا۔ اسی وقت جعفر کو اپنے ہاتھ سے ترن کوزی کی گرم سانس ٹکراتی محسوس ہوئی اور سانس کی اس گرمی سے اس کے جذبات کی ٹھنڈی سل پگھلنے لگی۔ جعفر کی سانس بھی تیز ہو گئی مگر اس نے جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔

"تمہارا سفر کہاں تک جاری رہے گا کوزی؟" جعفر نے اچانک دوسرا سوال کیا۔

"میرا ارادہ انطاکیہ جانے کا تھا مگر شاید اب میں سفر جاری نہ رکھ سکوں۔" ترن کوزی

ایک ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو گئی۔

"کیوں۔ کوئی خاص وجہ ہے اس کی؟"

"تم میرے پاپا کی حالت نہیں دیکھتے؟ وہ سفر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" ترن نے افسردگی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم بعلبک میں قیام کرو گی؟"

"ہاں۔ اس وقت تک جب تک کہ پاپا چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔" کوزی نے کچھ ایسی نظروں سے جعفر کو دیکھا کہ وہ بے چین ہو گیا۔

"میں بھی فی الحال آگے نہیں جاؤں گا۔" جعفر نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں۔ تمہارا قافلہ تو صبح روانہ ہو جائے گا۔" ترن کوزی کے سوال میں گ آ گئی تھی۔

"قافلے آتے جاتے رہتے ہیں مگر لیا وقت اور ایسی دلفریب گھڑیاں زندگی میں آتی ہیں۔" جعفر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "کوزی تم نے مجھے حوصلہ دے کر ای زندگی کا احساس دلایا ہے۔ میں ان لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم حلب نہ پہنچے تو تمہارے گھر والے ضرور پریشان ہوں گے۔" اور ترن کوز اپنی نظریں جعفر کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"مجھے اس کی زیادہ فکر نہیں۔ گھر بنانے اور گھر بسانے کے بارے میں آج ت میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔"

"جعفر۔ تمہاری صاف گوئی مجھے پسند آئی۔" ترن کوزی نے کھلے دل سے کہا۔ مجھے پسند ہو جعفر۔ مگر میری زندگی ایک بگولے کی مانند ہے جو کسی ایک مقام پر نہیں ٹھ پاپا کی بیماری کے علاوہ غربت نے مجھے کئی اور الجھنوں میں پھنسا دیا ہے۔ آج رات زندگی کی وہ رات ہے جسے میں تمہاری پرخلوص قربت میں گزارنا چاہتی تھی مگر میں تمہا قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتی۔"

"کوزی۔ اگر تم مجھ پر اعتماد کرو تو میں تمہارا سہارا بن سکتا ہوں۔" جعفر نے اپ کا حال اس کے سامنے کھول کے رکھ دیا۔

"جعفر..." ترن کوزی نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔ "یہ ہماری پہلی ملاقات ہے ہم اپنی حدوں سے آگے نہیں بڑھ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس میں غلطی میری۔ مجھے تم سے اتنا بے تکلف نہ ہونا چاہیئے۔"

"اس میں غلطی تمہاری ہے نہ میری ہے کوزی۔" جعفر جذبات کی رو میں بہہ رہا

مل دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ چند لمحے پہلے ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ فر تھے۔ الگ الگ مذہبوں سے تعلق رکھتے تھے مگر چند لمحوں میں ہم تمام بندھن توڑ اں قدر قریب آ گئے ہیں کہ برسوں کے دوست اور شناسا معلوم ہوتے ہیں۔ پھر کیوں نہ اس رشتے کو ایک بڑے اور مضبوط رشتے میں پرو دیں تاکہ ہمیشہ کے لئے ایک جان دو ب ہو جائیں۔"

"جعفر۔ میں ایک کمزور لڑکی ہوں۔ ایک نازک شاخ ہوں۔ اسے اس طرح جھٹکا نہ ہ یہ درخت سے الگ ہو جائے۔ بے شک تمہاری باتوں میں محبت کی چاشنی اور خلوص ک ہے۔ تمہارے سینے میں ایک چاہنے والا دل موجود ہے اور تم اس قابل ہو کہ ں چاہا جائے مگر جعفر۔ زندگی کی تلخیاں اور حقیقتیں محبت کے نرم گرم پانیوں میں نہیں ا کرتیں۔ پھر میں پاپا کی بیماری کے دوران تو اس مسئلے پر غور کر ہی نہیں سکتی۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا ہوں کوزی۔ بے شک تم اپنے پاپا کو صحت مند ہو لینے میں اس وقت تک انتظار کر لوں گا۔ لوگ تو ایک موہوم امید پر پوری زندگی گزار دیتے جب کہ مجھے تو یہ احساس ہے کہ تمہارا دل میرے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے۔"

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتی ہوں جعفر۔" ترن کوزی نے جھجکتے ہوئے کہا۔ کن یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم میرے لئے اپنا سفر کھوٹا کرو۔ پتہ نہیں پاپا کب ت یاب ہوں۔ اس میں دو چار ماہ بھی لگ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بہتر ہو گا کہ تم الی سے مل کر واپس آ جاؤ۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک حالات درست ہو جائیں اور ہم ملہ کے لئے کوئی فیصلہ کر سکیں۔"

"خیر یہ میرا درد سر ہے کوزی۔" جعفر نے گفتگو مختصر کرنے کے لئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ بعلبک میں کہاں ٹھہرو گی؟"

"میں..." ترن کوزی کچھ پریشان ہو گئی۔ "میرا ٹھکانہ عبادت گاہ کے سوا اور کہاں ہو کتا ہے؟"

"بعلبک میں بہت سی عبادت گاہیں ہیں۔ تمہارے پاپا کو کہاں زیادہ آرام مل سکتا ہے؟" جعفر اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔" سب سے بڑی عبادت گاہ تو شاید یہی ہے جس کے باغ میں ہم بیٹھے ہیں۔ تم یہاں سے واقف بھی ہو۔"

"جعفر۔ میں جانتی ہوں کہ تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" ترن کوزی نے جواب دیا۔ "ممکن ہے میں اسی عبادت گاہ میں پناہ لوں لیکن میں یہ مناسب نہیں سمجھتی کہ تم مجھ سے لے آؤ۔ پاپا شاید اس بات کو پسند نہ کریں۔ میں اپنی طرف سے انہیں کوئی دکھ نہیں دینا

چاہتی۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں کوزی۔" جعفر پر افسردگی چھا گئی۔ "مگر کیا یہ ظلم
گا کہ ہم ایک شہر میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کو بھی ترس جائیں"
ترن کوزی نے مسکرا کر جعفر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ جعفر کے وجود میں
سی دوڑنے لگیں۔ پھر اس پر ایک خواب کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ "ترن کوزی
وقت میرے دل کی جو حالت ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔"

"میں تمہاری بے چینی محسوس کر رہی ہوں جعفر۔" ترن کوزی بھی جذباتی ہو
اس نے ہوش کا دامن نہ چھوڑا۔ لطیف لہجے میں بولی۔ "میرے لئے بھی تم سے
مشکل ہو گا۔ میں خود تم سے ملنے آؤں گی۔ تم مجھے اپنا پتہ بتاؤ۔ جب مجھے فرصت
تم مجھے اپنے قریب پاؤ گے"۔

جعفر کے لئے اب جرح کی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ اسے کہنا پڑا۔ "میں ایک
ہوں کوزی اور مسافروں کا ٹھکانہ سرائے ہی میں ہوتا ہے۔"

چاند اور بادلوں میں اٹکھیلیاں ہو رہی تھیں کبھی اندھیرا کبھی اجالا۔ سرد ہو
جھونکے دونوں کو کپکپائے دے رہے تھے مگر ان کی باتیں ختم ہونے کو نہ آتی تھیں۔
موقع پر باتیں بے ربط بلکہ بے تکی ہوتی ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی باتوں کے سہارے
امڈتے بھڑکتے جذبات کو تسکین دے رہے تھے اور وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

جعفر صبح دیر سے سو کر اٹھا۔ جب وہ ترن کوزی کے پاس مسرت بھرے لمحات گزا
اٹھا تو سویرا ہونے والا تھا۔ وقت کے اس قدر تیزی سے گزر جانے کا اسے بے حد
تھا۔ مگر وقت کب کسی کی پروا کرتا ہے یا کسی کے روکے سے رکتا ہے۔ رات کا خمار
بھی اس کی آنکھوں میں موجود تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اجڑے ہوئے
کے ایک کونے میں وہ ترن کوزی کے پاس بیٹھا اس کی زلفوں سے کھیل رہا ہے۔ پھر
کوزی نے اس سے کہا۔ "جعفر صبح ہونے والی ہے اب تم واپس جاؤ۔"

اور جعفر نے جواب دیا تھا۔ "کیا تم ساتھ نہ چلو گی؟"

ترن کوزی مسکرا دی تھی۔ "عقل سے کام لو جعفر۔ ہم دونوں ایک ساتھ سرائے
واپس گئے تو لوگ کیا کہیں گے۔ پاپا کو معلوم ہو گیا تو وہ آفت کھڑی کر دیں گے۔"

"پھر کب ملاقات ہو گی؟" جعفر نے بڑی افسردگی سے پوچھا تھا۔

"جب قسمت ملائے۔" ترن کوزی کے لبوں پر دل فریب تبسم کھیل رہا تھا۔ "پریشان
...میں دو تین دن بعد آؤں گی۔"

"ضرور...."

"ہاں ضرور آؤں گی..."

جعفر نے اس کا آخری بار محبت سے ہاتھ دبایا اور پھر تھکے تھکے قدموں سے سرائے
...آگیا۔ سرائے والے جاگ چکے تھے۔ قافلے کے ساتھ جانے والے مسافر اپنا سامان
...تھے۔ جعفر نے آتے ہی سرائے کے ملازم سے کہہ دیا تھا کہ اسے آگے نہیں
...ہے۔ اس لئے اسے نہ جگایا جائے۔ پھر تو وہ گھوڑے بیچ کے سو گیا تھا اور اب جو آنکھ
...تو سرائے کا نقشہ بدل چکا تھا۔ جعفر شب گزشتہ کی ملاقات کا تصور لئے اپنی کوٹھری سے
...نکلا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ مشرق اور مغرب کے
...گوشے خالی ہو چکے تھے۔ جعفر کا خیال تھا کہ وہ صبح ترن کوزی کا ایک بار پھر دیدار کر
...کیونکہ اسے بھی بعلبک میں ٹھہرنا تھا اور اپنے پاپا کو ساتھ لے کر کسی عبادت گاہ میں
...ہونا تھا۔ اس کے لئے وقت درکار تھا مگر ترن کوزی اور اس کے پاپا بھی کہیں جا چکے
...

...کہیں ترن کوزی اسے دھوکا دے کر قافلے کے ساتھ ہی نہ چلی گئی ہو۔ جعفر کا دل
...لگا مگر پھر اسی دل نے تسلی دی۔ نادان نہ بن۔ کوزی تجھے کیوں دھوکا دے گی۔ اسے
...کے ساتھ جانا ہوتا تو صاف کہہ دیتی۔ نہ تو اسے روک سکتا تھا اور نہ جانے پر مجبور
...سکتا تھا۔ تیرا اس پر زور ہی کیا تھا۔ اس نے بڑی صاف دلی سے بتایا تھا کہ وہ پاپا کی
...کی وجہ سے کچھ دن بعلبک میں ٹھہرے گی۔ پھر اس پر شک کیوں کرتا ہے۔ کیا تو نے
...کی آنکھوں میں اپنی محبت کی چمک نہ دیکھی تھی؟ یقیناً" وہ تجھ سے زیادہ محتاط لڑکی ہے
...تو اس نے تجھے پہلے سرائے بھیجا تھا۔

جعفر نے سر کو جھٹکا دے کر اپنے آپ کو خیالات سے آزاد کیا۔ اب اسے اپنے اصل
...کا خیال آیا جس کے لئے امیر زنگی نے اسے بعلبک بھیجا تھا اور وہ یہاں آتے ہی ترن
...کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا مگر اس میں اس بے چارے کا کیا قصور تھا۔ محبت کا
...تو بس لگ جاتا ہے بغیر کسی خیال اور بلا کسی ارادے کے۔ اس محبت کے ڈھنگ بھی
...ہوتے ہیں۔ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہوتی نہ یہ کسی اصول اور قاعدے کی پابند
...ہے۔ محبت کبھی آنکھیں ملانے سے ہوتی ہے تو کبھی آنکھیں چرانے سے بھی دل کا غنچہ
...اٹھتا ہے۔ یہ کالے گورے مذہب و ملت کو نہ خاطر میں لاتی ہے اور نہ موقع محل

دیکھتی ہے۔

یہ کیا تک تھی کہ جعفر نے ترن کوزی کو دیکھا اور پھر دیکھتے ہی محبت ہو
نہ پہچان۔ نہ باتیں نہ ملاقاتیں پھر ایک مسلمان دوسری عیسائی۔ وقت بھی کیا ک
کا پایا بستر مرگ پر اور جعفر امیر زنگی جیسے حاکم کے ایک اہم کام پر آیا ہوا تھا۔
دن اور ایک ہی ملاقات میں وہ محبت کی تمام منزلیں طے کر گئے۔ باغ کا گوشہ۔
۔ کمسن الھڑ لڑکی۔ بے خوف و خطر سرائے سے نکل کر ویرانے میں آ گئی اور
جس کی سمجھداری پر امیر زنگی کو بھی ناز تھا۔ وہ ایک بالکل اجنبی لڑکی کے ایک
سب کچھ بھول کر اس کے پیچھے دوڑا چلا گیا پھر ان پر محبت کا سحر ایسا سوار ہ
رات باتوں میں گزار دی پھر جب اٹھے تو محبت اور مستقبل کے بڑے بڑے
باندھ چکے تھے۔

جعفر نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور اپنے کام پر چل پڑا۔ اسے علم تھا کہ
طرف سے ذرا بھی غفلت ہوئی تو امیر زنگی اسے معاف نہیں کرے گا۔ اسے
سے کام شروع کر دینا تھا مگر درمیان میں محبت آ گئی تھی۔ ترن کوزی کے سنہ
اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اسے اپنی زلفوں میں تمام رات باندھے رکھا تھا۔
وقت امیر زنگی کے عتاب کا خیال نہ آیا تھا۔ آیا ہو گا تو اس نے پروا نہ کی ہو گی
کا عتاب اپنی جگہ مگر محبت کی جنوں سامانیوں کا کوئی سامنا کر سکتا ہے۔ جعفر سرا
تمام رات دربار حسن میں سر جھکائے دنیا کو بھولا رہا۔ عشق اور محبت کی کرشمہ
اور کیا تھا۔

جعفر نے ترن کوزی کے بارے میں صبح ذرا ہی دیر سوچا تھا پھر اس پر امیر
طاری ہو گیا تھا اور اب وہ تیز تیز قدموں کے ساتھ برازق بویہ کے محل کی
تھا۔ برازق بعلبک میں دمشق کے وزیر معین الدین انز کی طرف سے گورنر تھا
تھا۔ معین الدین نے اپنی اس جاگیر کو برازق کے قبضے میں دے دیا تھا اور برازق
سب کچھ تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم اور معین الدین انز ہی کی طرح چالاک اور
دمشق سے قریب ہونے کی وجہ سے بعلبک کی اور زیادہ اہمیت تھی۔ یہاں کا
دمشق جیسا مضبوط نہ تھا تو اس سے کم بھی نہ تھا.... معین الدین انز اس پر
تھا۔ اس نے یہاں باقاعدہ فوجی دستے تعینات کر رکھے تھے۔ قلعے کی برجیوں پر
انداز پہرہ دیتے تھے۔ جہاندیدہ انز نے یہ سوچ رکھا تھا کہ اگر کبھی قسمت اس
گئی اور اسے دمشق سے نکلنا پڑا تو وہ بعلبک میں پناہ لے گا۔ اس قلعے میں محف

مہینے تک مدافعت کر سکتا تھا۔ جب سے شاہ دمشق قتل ہوا تھا بعلبک کی اہمیت ا
بڑھ گئی تھی۔

قلعہ بعلبک کی مضبوطی کو جعفر نے اس سے پہلے بھی ایک بار جانچا تھا۔ اس وقت
امیر زنگی نے بعلبک پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اسی جعفر کو بعلبک کے اندرونی
[…] حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ قلعہ کی فصلیں کافی بلند تھیں۔ سو سال
[…] کے باوجود ان کے استحکام میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ فصیلوں کی دیکھ بھال کے لئے
[…] محکمہ قائم تھا جس کا کام ہی صرف یہ تھا کہ قلعہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنائے
[…] طرف کے دروازوں پر ہر سال ایک نیا آہنی پتر چڑھائے۔ اس طرح دروازوں پر
[…] چڑھتے ان پر ایک آہنی تہہ جم گئی تھی۔ فوج کی تعداد بھی قلعے میں کم نہ تھی۔
[…] بڑی بات یہ تھی کہ قلعے کے اندر سامان خورد و نوش کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر
[…] کو کسی وقت قلعہ بند ہونا پڑتا تو کم از کم ایک سال تک اسے کسی قسم کی پریشانی
[…] تھی۔

جعفر ادھر ادھر گھومتا ہوا بعلبک کے بڑے بازار میں پہنچا۔ بازار میں چہل پہل تھی۔
[…] اطمینان سے خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ کسی کے چہرے سے کوئی پریشانی
[…] ہوتی تھی۔ جعفر ایک قہوہ خانے میں بیٹھ گیا۔ وہاں بھی ایسی ہی رونق تھی۔ قہوہ
[…] سے بھرا ہوا تھا۔ جعفر جس بڑی میز پر بیٹھا تھا اس کے گرد کئی کرسیاں پڑی
[…] گاہک وہاں پہلے سے بیٹھے تھے۔ جعفر نے ان کی باتوں پر کان لگا دیئے۔ گاہک بڑی
[…] سے دنیا جہاں کی باتیں کر رہے تھے۔ جعفر بہت دیر تک وہاں بیٹھا رہا مگر کوئی مفید
[…] کے کان میں نہیں پڑی۔ بیٹھے بیٹھے جعفر اکتا گیا۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ
[…] سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ساتھی سے کہا۔
امیر زنگی بچ کر نکل گیا ورنہ ہمارے امیر نے ایسا جال بچھایا تھا کہ اسے چھٹی کا دودھ
[…]

کیا جال بچھایا تھا امیر نے؟" اس کے ساتھی نے پوچھا۔
ارے تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ ہمارے امیر نے یروشلم سے عیسائی لشکر بلا لیا تھا۔ وہ تو
[…] کی قسمت اچھی تھی ورنہ پورا گھیرے میں آ گیا تھا۔" پہلے والے نے ڈینگ ماری۔
[…] رہنے دو یار۔ امیر زنگی لوہے کا چنا ہے... یروشلم کیا اگر شام کی تمام عیسائی
[…] مل جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"
[…] کو بڑی ہمدردی ہے امیر زنگی سے کیا وظیفہ ملتا ہے تمہیں؟"

"تم جو چاہو کہہ لو۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ امیر زنگی کو کوئی شکست
سکتا۔ قسطنطنیہ کا عیسائی شہنشاہ بڑے زعم سے آیا تھا مگر جب امیر زنگی مقابلے پر
کر بھاگ گیا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں نے بھی یہ سنا ہے۔" یہ ایک تیسرے آدمی کی
"قسطنطنیہ کا شہنشاہ رات کو چھپ کر بھاگا تھا اور اپنی تمام بڑی بڑی منجنیقیں
کے لئے چھوڑ گیا تھا۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" پہلے آدمی کو غصہ آ گیا۔ "شہنشاہ تو ہمارے بادشاہ
کو آیا تھا مگر شاہ نے اس سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کی۔ پھر وہ کیوں ٹھہرتا۔
چلا گیا۔"

دوسرے کو موقع مل گیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ "تم شہنشاہ کی تعریف نہیں کر
کون کرے گا۔ تمہیں بھی تو قسطنطنیہ کے دربار سے وظیفہ ملتا ہے۔"

اس بات پر ایک زور کا قہقہہ لگا اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے والا شرمندہ
کی گفتگو کا موضوع بدل گیا۔ جعفر نے بھی اپنی توجہ ادھر سے ہٹا لی اور کچھ دیر
خانے سے نکل آیا۔

جعفر اب شہر کوتوال برازق بویہ کے محل کی طرف جا رہا تھا۔ یہ محل کیا تھا
اندر ایک اور قلعہ تھا۔ یہیں شہر کا قاضی بیٹھتا تھا۔ کوتوال کے تمام دفاتر تھے
بڑی بڑی بیرکیں بنی ہوئی تھیں۔ بعلبک کی تقریباً نصف فوج اسی محل میں رہتی
میں قاضی کی عدالت ہونے کی وجہ سے گیٹ پر کوئی پہرہ نہ تھا۔ دفتر لگے ہو
لوگ اندر باہر آ جا رہے تھے۔ جعفر اطمینان سے محل میں داخل ہو گیا۔ اسے
کاروبار سے کوئی مطلب نہ تھا' سوائے فوجی بیرکوں کے۔ جعفر کو یہ تو معلوم ہو گیا
کوتوال نصف فوج اپنے محل میں رکھتا ہے مگر اس نصف فوج کی تعداد کیا تھی
چاہتا تھا۔

فوجی بیرکوں کے آغاز میں ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ تھا۔ جعفر نے اس کے
گزرتے ہوئے اندر نظر ڈالی۔ بہت سے آدمی اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ جعفر کے
مشکل تھا کہ صرف فوجی ہیں یا ان میں غیر فوجی بھی شامل ہیں۔ وہ ایک چکر لگا
کے اندر چلا گیا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ ذرا دیر بعد گرم قہوے
اس کے سامنے رکھ دیا گیا حالانکہ جعفر نے کوئی فرمائش نہ کی تھی۔ جگ سے
رہی تھی اور قہوے کی خوشبو اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ جعفر نے

کر دیا۔ قہوے سے فارغ ہو کر جعفر کاؤنٹر پر مینجر کے پاس گیا اور اسے باتوں میں
معلومات حاصل کر لیں جن کی اسے ضرورت تھی۔ اس نے خود کو حلب کا
تاجر ظاہر کیا تھا۔ مینجر اس سے بڑے اخلاق سے پیش آیا اور اس سے قہوے کے دام بھی
نہیں لئے۔

خانے کے مقابل کوتوال شہر کے محل کا وہ حصہ تھا جہاں اس کی رہائش تھی۔
کے نیچے کی طرف دائیں بائیں مسلح فوجی کھڑے اندر جانے والوں کو روک کر کچھ
قہوہ خانے سے محل کا یہ حصہ کافی فاصلے پر تھا مگر جعفر آنے جانے والوں کو دیکھ
سیڑھیوں کے قریب ایک بند گاڑی کھڑی تھی۔ اس گاڑی کو جعفر نے قہوہ خانے
ہوتے وقت بھی دیکھا تھا اور اب جب کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر قہوہ خانے
رہا تھا تب بھی گاڑی اس جگہ کھڑی تھی۔ جعفر آہستہ آہستہ قاضی کی عدالت کی
رہا تھا مگر اس کی نظریں بار بار بند گاڑی کی طرف اٹھ جاتیں۔ اسے تجسس ہوا کہ
گاڑی میں کوتوال سے ملنے کون آیا ہے۔ یہ اہتمام کسی اہم شخصیت ہی کے لئے ہو
جعفر نے اپنا تجسس دور کرنے کے لئے ادھر ادھر دیکھا تاکہ کسی گزرنے والے سے
ے میں دریافت کرے مگر اس کے قریب کوئی نہ تھا۔ جعفر نے چند لمحے کھڑے ہو
آنے والے کا انتظار بھی کیا مگر یہ اتفاق ہی تھا کہ ادھر سے کوئی نہ گزرا۔

ٹھٹھک کر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ اسے سیڑھیوں سے ایک خاتون تیزی سے
دکھائی دی۔ خاتون کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا مگر اس کی تیزی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ
جوان لڑکی ہے۔ جعفر ٹھٹھک کر اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ اس وقت لڑکی کے بال ہوا
سنہرے بال۔ جوان لڑکی سنہرے بالوں والی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔
ری سے چند قدم ادھر بڑھا۔ لڑکی سیڑھیاں اتر کر گاڑی کے پاس پہنچ چکی تھی۔
دروازہ کسی نے کھول دیا اور سنہرے بالوں والی لڑکی ایک جھپاکے کے ساتھ سوار ہو

ترن کوزی!" اور جعفر کا پورا وجود پسینے میں نہا گیا... گاڑی لمحوں میں اس کی نظروں
بل ہو گئی۔

ی سنہرے بال۔ وہی قدو قامت۔ شباہت بھی وہی۔ مگر ترن کوزی یہاں کیسے پہنچی۔
ٹی کا مسلمان شہر کوتوال سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ مگر۔ مگر۔ جعفر الجھ کر رہ گیا۔
لگتا کہ وہ ترن کوزی تھی مگر دوسرے ہی لمحے وہی دل اس کی تردید کر دیتا۔ یہ وہم
محض شبہ ہے۔ دنیا میں بہت سی صورتیں ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ سنہرے بال تو عام بات

ہے۔ انہی خیالوں میں کھویا جعفر سرائے پہنچا۔ اس کے سر میں درد پیدا ہو گیا تو
آرام مانگتا تھا۔ جعفر پڑ کے سو گیا پھر جب آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو چکا تھا اور
روپہلی کرنیں بکھیر رہا تھا۔

جعفر کوٹھری سے نکل کر سرائے کے مالک کے پاس جا بیٹھا۔ ایسے لوگوں سے
کام کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ سرائے کے مالک سے جعفر کو صرف یہ معلوم
بعلبک میں یہ افواہ گرم ہے کہ موصل کا امیر زنگی دمشق پر حملہ کرنے آیا تھا مگر
سے واپس چلا گیا۔ پتا نہیں کیوں۔ جعفر وہاں سے اٹھ کر سرائے کے اس گوشے م
ہوا جہاں کل شب اس کی جان تمنا ترن کوزی اپنے پاپا پر جھکی سرگوشیاں کر ر
خوبصورت ترن کوزی۔ سنہرے بالوں والی کوزی۔ جعفر ایک نامعلوم کیف سے ج
اس کا دل چاہا کہ وہ ترن کوزی سے ملنے کے لئے انیتوکیس کے عبادت خانے میں
اپنے دل کی بے چینیاں اس کے سامنے رکھے۔ مگر کیا یہ عقلمندی ہو گی۔ کل را
اس کی ترن کوزی سے طویل اور سحر انگیز ملاقات ہوئی تھی۔ پھر کیا پتہ کہ وہ اس
خانے میں ٹھہری ہے یا کسی اور جگہ بعلبک میں تو بے شمار عبادت گاہیں تھیں۔
ترن کوزی نے منع بھی کیا تھا کہ وہ خود اس سے ملنے آئے گی مگر وہ سنہرے بالوں وا
وہ۔ کون تھی؟

جعفر تھکے قدموں سے واپس آیا اور کھانا کھا کر پھر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کا
طرح گھبرا رہا تھا۔ اسے امیر زنگی کے لئے بھی بہت سے کام کرنے تھے۔ آج رات
مکمل کر کے وہ موصل خبر بھیج سکتا تھا لیکن اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ تما
کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند کیسے آتی۔ پری جمال ترن کوزی کی یاد اسے بار بار پریشان کر
پھر کسی طرف سے امیر زنگی کا خوف اس کے دل میں در آیا۔ جعفر چارپائی پر پڑ
ہی کانپنے لگا۔ اگلی صبح جب وہ سو کر اٹھا تو ترن کوزی کی جگہ دماغ کے خالی خانوں
زنگی کا خوف جمع ہو گیا تھا۔

جعفر نے صبح کا ناشتہ بھی نہیں کیا اور اپنے کام پر نکل کھڑا ہوا۔ تمام دن وہ گ
اور ضروری معلومات حاصل کرتا رہا۔ اس نے برازق کے محل کے کئی چکر لگائے
تصور میں ترن کوزی کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھا مگر اس کے قدم کسی جگہ نہ ٹکے
وہ رات کو سرائے واپس آیا تو اس کی معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ جسے ایک ہفتے
اکٹھا کرنا مشکل تھا مگر جعفر نے اپنی محنت سے تمام اعداد و شمار اور اطلاعات صرف
کے اندر اندر حاصل کر لی تھیں۔ اسی لئے تو امیر زنگی جعفر کو سب جاسوسوں پر فو

اہم کام کی ذمے داری اسی کو سونپتا تھا۔
میں امیر کو تمام ضروری معلومات مہیا کر سکتا ہوں۔" جعفر نے خود کلامی کے
کہا اور رات کو کھانے کے بعد امیر کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اس نے کوٹھری کا دروازہ
بند کر کے اس کے سامنے ایک چادر بھی کھینچ دی تھی تاکہ روشنی باہر نہ جا سکے۔
اس نے مالک سرائے سے بھی کہہ دیا تھا کہ اس کی طبیعت خراب ہے اس لئے
ات میں تنگ نہ کیا جائے۔ امیر زنگی نے جعفر کو بعلبک سے معلومات اکٹھا کرنے
ایک ہفتے کا وقت دیا تھا مگر اس نے اپنی ذہانت اور کوشش سے دو ہی دن کے اندر
لومات حاصل کر لی تھیں۔ جعفر چاہتا تو پانچ دن آرام سے ٹانگیں پھیلا کر سو سکتا تھا
گھومنے جا سکتا تھا کیونکہ امیر زنگی کو ایک ہفتے بعد اپنے خاص قاصد کے ذریعے جعفر
لبک کی رپورٹ منگانا تھی۔ جعفر کے لئے حکم تھا کہ وہ اپنی جمع کی ہوئی معلومات کو
میں لکھ کر قاصد کو دے دے اور خود بعلبک میں ٹھہرا رہے مگر جعفر پر جب کام کا
تا تھا تو وہ ایک منٹ کو چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ اس نے اپنا کام ختم کر لیا تھا اس لئے
لکھنے بیٹھ گیا اور ایک ایک بات اس قدر تفصیل سے لکھی کہ صبح ہو گئی۔ اب وہ
تھا اور اگر ترن کوزی سے نہیں تو کم از کم تصور میں اس کے ہیولے سے خوش
ر سکتا تھا۔ اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی تھا اور دل ہی دل میں بچے ہوئے پانچ
ف کرنے کا پروگرام ترتیب دے رہا تھا۔ اس عرصے میں وہ دمشق بھی جا سکتا تھا
ن کوزی بعلبک میں تھی اور کسی وقت بھی اس سے ملنے سرائے آ سکتی تھی۔
تھے دن امیر زنگی کا قاصد اسے ڈھونڈتا ہوا سرائے آ گیا۔ جعفر باہر جانے کے لئے
ر باہر نکلا تھا کہ امیر کا قاصد اسے گیٹ پر مل گیا۔ یہ قاصد امیر زنگی کا خاص غلام یا
نام کا خواجہ سرا تھا۔ یار کش امیر کا محافظ خاص تھا اور امیر کی خواب گاہ اور اس
کے باہر ننگی تلوار لئے رات بھر پہرہ دیتا تھا۔ امیر زنگی اپنے تمام اہم پیغامات اسی
یے بجوایا کرتا تھا۔
اجہ سرا یار کش نے سرگوشیوں میں کہا۔ "امیر محترم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم
شق چلے جاؤ۔"
ر کس لئے؟" جعفر نے گھبرا کر پوچھا۔
اجہ سرا نے جلدی سے جیب سے ایک پرچہ نکال کر جعفر کی طرف بڑھا دیا۔ "تمام
اس پرچے میں درج ہیں۔"
فر نے پرچہ مٹھی میں دبا کر جیب میں رکھ لیا۔ "کوئی اور حکم ہے امیر کا؟"

"ہاں۔" خواجہ سرا نے جواب دیا۔ "امیر نے حکم دیا ہے کہ تم نے بعلبک میں جو معلومات حاصل کی ہیں وہ زبانی یا تحریری طور پر میرے حوالے کر دو تم میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ بعلبک کے بعض لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ اگر گیا تو میرے اور تمہارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"تمہیں یہاں ٹھہرنا نہیں پڑے گا۔ میں نے بعلبک کے تمام حالات لکھ ہیں۔ میں ابھی لائے دیتا ہوں۔" جعفر سرائے میں داخل ہونے کے خیال سے مڑ

"ٹھہرو جعفر۔ میرا یہاں کھڑے ہونا مناسب نہیں۔ میں سامنے کے پیڑ طرح گھوڑے پر سوار کھڑا رہوں گا۔ تم لکھا ہوا کاغذ لے کر میرے پاس آ جانا۔ پہنچ کر تم پہلا کام یہ کرنا کہ امیر کی بھیجی ہوئی ہدایات کو پڑھ کر کاغذ ضائع کر دینا۔"

"تم فکر نہ کرو ایسا ہی ہو گا۔" جعفر پھر جانے کے لئے گھوما۔

"ایک بات اور۔" یار کش کی سرگوشی پھر سنائی دی۔ "گھوڑے پر بیٹھ اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم دونوں فرار ہو جائیں گے۔"

جعفر سر ہلاتا سرائے میں واپس ہو گیا۔ اپنی کوٹھری میں پہنچ کر پہلے اس ہدایات پڑھیں پھر کاغذ کے پرزے پرزے کر کے اس کی گولی سی بنا کر جیب میں اس نے اپنا لکھا ہوا خط نکال کر جیب میں رکھا۔ اس کا گھوڑا تھان پر بندھا تھا۔ اور ساز لے کر گھوڑے کی طرف چلا۔ درمیان میں سرائے کا مالک بیٹھا حقہ پی کے سامنے آگ کا الاؤ روشن تھا۔ جعفر نے کاغذ کی گولی جیب سے نکال کر مٹھی وہ الاؤ کے پاس ایک لمحے کے لئے رکا۔

"میں ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ دو تین گھنٹے میں واپس آ جاؤں نے سرائے کے مالک سے کہا۔

سرائے کا مالک حقہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "واہ جعفر بھائی۔ تم یہ بوجھ ہوئے ہو۔ لاؤ مجھے دو میں تمہارا گھوڑا تیار کئے دیتا ہوں۔ تم جب تک بیٹھ کش لگاؤ۔"

اونگھتے کو ٹھیلتے کا سہارا۔ جعفر کی تو جیسے مراد بر آئی۔ اس نے ساز اس کے دیا اور خود بیٹھ کر حقہ پینے لگا۔ اس نے مٹھی میں دبی ہوئی کاغذ کی گولی آگ کے دی اور اس وقت تک اس پر نظریں جمائے رہا جب تک کہ وہ جل کر خاکستر سرائے کے مالک کے آواز دینے پر جعفر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ خواجہ یار کش کھڑا اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس کا منہ زور گھوڑا زور زور سے

نے یار کش سے گھوڑا ملاتے ہوئے اپنا لکھا ہوا کاغذ اس کے حوالے کر کش فوراً گھوڑے کو ایڑ دے کر ہوا ہو گیا۔ جعفر نے اپنا گھوڑا دوسری طرف گھنٹے ادھر ادھر گھومنے کے بعد سرائے واپس آ گیا۔

جعفر نے سوچا تھا کہ دو چار دن انتظار کے بعد وہ خود ترن کوزی کو تلاش کرے گا۔ کوزی کا پتا ٹھکانا معلوم نہ تھا مگر اسے یہ معلوم تھا کہ بعلبک میں پانچ بڑے بڑے خانے ہیں۔ سب سے بڑا عبادت خانہ انیتوکیس کا تھا' جہاں ترن کوزی کے ہونے کا امکان تھا۔ ترن کوزی نے اعتراض کیا تو وہ صاف کہہ دے گا کہ وہ اس کے پاپا کی کی طرف سے فکر مند تھا اور انہیں دیکھنے کے لئے آیا تھا مگر امیر زنگی کے حکم نے ارادوں اور منصوبوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ امیر نے اسے فوراً دمشق جانے کا حکم دیا امیر کو کسی ذریعے سے معلوم ہوا کہ یروشلم کا لشکر اب تک دمشق کے قریب خیمہ زن امیر اس خبر کی تصدیق چاہتا تھا۔ آٹھ دن بعد یار کش کو اس کے پاس آنا تھا۔ جعفر اس حکم سے بڑا پریشان ہوا مگر وہ حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا۔ امیر کی نظر میں اس کی کم از کم سزا موت تھی۔

رات کو جعفر نے سرائے کے مالک سے ذکر کیا۔ "میں دو دن کے لئے دمشق جا رہا ہوں۔"

"دمشق نہیں جنت کہو جعفر بھائی۔" سرائے کے مالک نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ہم کی جنت تو دمشق ہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے مسلمانوں کے خلیفہ دمشق میں رہتے"

جعفر نے جواب دیا۔ "لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ پہلے دمشق ہی دارالخلافہ تھا مگر یہ صدیوں کی بات ہے۔ جب تک خاندان بنو امیہ کے ہاتھوں میں خلافت رہی دمشق دیکھنے کے تھا پھر یہ خاندان تباہ ہوا اور بنو عباس کا دور دورہ ہوا۔ انہوں نے بغداد آباد کیا۔ اب کی کشتی ڈگمگا رہی ہے اور بغداد کی رونق بھی مٹتی جا رہی ہے۔"

"جعفر بھائی۔ تم تو بڑے پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔" سرائے کے مالک نے بڑی نے کہا۔ "میں کہتا ہوں کہ تم سارے کام چھوڑ کر دمشق میں آباد ہو جاؤ۔ کسی دن تو گے۔ وزیر کو تمہاری قابلیت کا حال معلوم ہو گیا تو آنکھوں پر بٹھائے گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" جعفر نے ٹالنے کے لئے کہا۔ "اگر کوئی مجھ سے ملنے آ کہہ دینا کہ میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔"

"کون آئے گا ملنے؟ تمہارا بھائی تو حلب میں ہے۔" سرائے کے مالک نے تجسس ظاہر

کیا۔ "کیا بعلبک میں تمہارا کوئی دوست ہے؟"
"نہیں - ہاں۔"
سرائے کے مالک نے جعفر کو گھبرا کر دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں جعفر بھائی۔"
"تمہارا نہ سمجھنا ہی اچھا ہے۔" جعفر مسکرایا۔ "میں نے کہا۔ "نہیں"
مطلب ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے اور "ہاں" اس لئے کہا ہے کہ میرا
والا بعلبک میں ہے مگر میں نے اسے دوست کا درجہ نہیں دیا ہے۔"
سرائے کے مالک کو ہنسی آ گئی۔ "جعفر بھائی۔ اب میں تمہاری بات سمجھ گ
جعفر نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ "تم میری بات سمجھ گئے ہو کیا مطلب؟"
"یہی کہ بعلبک میں تمہیں جاننے والا صرف میں ہوں جسے تم دوست کا د
تیار نہیں۔"
جعفر کو اس کی سادہ لوحی میں بڑا خلوص نظر آیا۔ بولا۔ "مگر میں جس ہستی
ہوں وہ تم نہیں ہو۔ تمہیں تو میں اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتا ہوں۔"
سرائے کا مالک خوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "جعفر بھائی تم نے سرکاش کو
کر میری عزت بڑھائی ہے۔ میں تمہاری طرح پڑھا لکھا اور عقلمند نہیں لیکن
دوست کہا ہے۔ اب میں ثابت کروں گا کہ سرائے والا سرکاش دوستی نبھانا جان
سے تم واقعی میرے بھائی ہو اور ایک بھائی سے سرائے کا کرایہ وصول کرنا گناہ
"بھائی سرکاش تمہارا بہت بہت شکریہ۔" جعفر اس کے اس جذبے سے ا
ہوا۔ "مگر میں غریب نہیں۔ میرے پاس سفر خرچ کے لئے بھی کافی رقم موجود
تمہاری دوستی پر ہمیشہ فخر کروں گا۔"
"اچھا جعفر بھائی۔ ایک بات پوچھوں برا تو نہ مانو گے؟" سرکاش نے سادگی
جعفر نے جواب دیا۔ "ضرور پوچھو۔ تمہیں پوچھنے کا حق ہے۔"
سرکاش نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "یہ بتاؤ جعفر بھائی۔ بعلبک میں میرے ع
ہے جسے تم جانتے ہو مگر اسے اپنا دوست نہیں مانتے ہو؟"
"یہ تم کیوں پوچھنا چاہتے ہو۔ اس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟" جعفر مسکرا
سرکاش نے بڑے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "جعفر بھائی۔ تم پردیس میں ہو"
ایک دوست تو سو دشمن ہوتے ہیں۔ میں تم سے عمر میں بڑا ہوں اور بعلبک کے
جانتا ہوں۔ شاید میں کوئی مشورہ دے سکوں؟"
جعفر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "سرکاش بھائی اگر میں کہوں کہ یہ ایک

؟"
لیت سرکاش کو فوری کوئی جواب نہیں سوجھا۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے
فر بھائی تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں کوئی پوچھنے آئے گا۔ جب وہ تمہیں پوچھے گا تو
بائے گا کہ وہ کون ہے میرا مطلب ہے اگر تم اس کے بارے میں مجھے کچھ بتا دو
بات کرنے میں مجھے آسانی ہو۔ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ سچے دوست سے
چھپانا چاہئے۔"
اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ "سرکاش بھائی۔ چاہے تم کچھ بھی نہ پڑھے ہو مگر
عقلمندوں سے کم نہیں۔ تم نے جو سنا وہ سچ سنا اور جو کہہ رہے ہو وہ بھی سچ
تمہیں خود بتاتا ہوں کہ وہ کون وہ ایک عیسائی لڑکی ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔
ہچکچا رہا تھا کہ شاید تم ایک عیسائی لڑکی سے میری میل ملاقات پسند نہ کرو۔ پھر
ری صرف ایک ملاقات ہوئی ہے۔ میری طرح وہ بھی مسافر ہے اور چند دن یہاں
منزل کی طرف روانہ ہو جائے گی۔"
فر بھائی۔ تم نے مجھے اپنے راز میں شریک کر کے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔"
خوش نظر آ رہا تھا۔ جہاں تک اس کے عیسائی ہونے کا تعلق ہے تو اس پر کون
سکتا ہے انسان کو اپنے دل پر قابو نہیں ہوتا اور دل تو پھر دل ہے جس پر چاہے

اش کو مطمئن کرنے کے بعد جعفر اپنی تیاریوں میں لگ گیا۔ اسے خوشی تھی کہ
مالک اس کا دوست بن گیا ہے اور اب وہ امیر کے قاصد سے کھل کر بات کر سکے
ضرورت پڑی تو اسے دو ایک دن اپنے پاس ٹھہرا سکتا ہے۔ جعفر کو صبح ہونے
ر کرنا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دوپہر سے پہلے ہی وہ دمشق پہنچ جائے۔ اس نے سرکاش
ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ سرکاش نے اسے آدھی رات گزرنے کے ایک دو
دیا اور جعفر مختصر سامان کے ساتھ دمشق کی طرف چل پڑا۔
اب پوری طرح معین الدین انز کے ہاتھوں میں تھا۔ مقتول شاہ آبق کے زمانے
ہر بات شاہ کو سمجھانا پڑتی تھی۔ شاہ کی والدہ ملکہ زمرد خانم بھی ہر بات میں اپنی
تھی۔ اکثر بات بڑھ جاتی تھی اور امیروں کو بیچ میں پڑ کر صلح صفائی کرانی پڑتی
کوئی بات نہ تھی۔ ملکہ زمرد خانم' امیر موصل عماد الدین زنگی کے پاس پہنچ چکی
آبق کے قتل کے بعد معین الدین انز اگر چاہتا تو خود تخت دمشق پر قابض ہو کر
کا اعلان کر سکتا تھا مگر معین الدین بڑا دور اندیش انسان تھا۔ مگر اس کے

مقابلے پر امیر زنگی جیسا عالی دماغ اور بہادر حکمران تھا جس کی نظریں ہمہ وقت
رہتی تھیں۔ معین الدین نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے
امراء کو شکایت کا موقع ملے۔ سب ہی اس کے ہمنوا تھے اور جو مخالف تھے معین
ان کا زور کسی نہ کسی طرح توڑ دیا تھا۔

معین الدین انز کسی نہ کسی طور دمشق کو امیر زنگی سے بچاتا چلا آ رہا تھا۔
اسے شاہ یروشلم اور شاہ انطاکیہ کی عیسائی ریاستوں سے بھی مدد حاصل کرنا پڑی
موصل عقلمندی کا ثبوت نہ دیتا تو دمشق کے اطراف میں ایک ایسی ہولناک جنگ
میں مسلمان، مسلمان کے سامنے ہوتا اور عیسائی ان کی کمزوری سے جلد یا بدیر فا
امیر موصل کے واپس جانے کی اطلاع پاتے ہی معین الدین انز نے دمشق
خاندان آل بویہ کے ایک شہزادے کو شاہ آبق کے نام سے تخت نشین کر دیا تھا۔
کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں تھا مگر وہ نچلا نہ بیٹھا تھا۔۔ عیسائی
ایک کثیر رقم ادا کر کے اس نے واپس کر دیا تھا مگر ان سے برابر رابطہ قائم کئے
اسے معلوم تھا کہ امیر زنگی اس کے جال سے بچ کر نکل گیا ہے اور اب وہ پہلے
اس کا دشمن ہو گیا ہے۔

معین الدین انز نے خطرے کے پیش نظر پہلے سے زیادہ جنگی تیاریاں کر لی
نے لشکر کی تعداد بھی بڑھا دی تھی اور قلعے کو کافی مضبوط کر لیا تھا۔ کسی وقت
جاگیر کا بھی خیال آتا تھا۔ بعلبک اس کی جاگیر تھی۔ شمال میں صرف ۳۵ میل
معین الدین روز شہر کوتوال برازن بویہ کو ہدایات بھیجتا رہتا تھا۔ اسے معلوم
پورے ملک شام میں امیر موصل کے جاسوس پھیلے ہوئے ہیں اور وہ ایک ایک با
امیر کو پہنچا رہے ہیں۔ اس نے بھی اپنے جاسوس پورے دمشق میں چھوڑ رکھے
حکم تھا کہ وہ شہر میں آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھیں اور مشکوک آدمیوں
کسی قسم کی رعایت نہ کریں۔ یہی حکم اس نے اپنی جاگیر کے کوتوال برازن بویہ کو
برازن بویہ نے بھی احتیاطی قدم اٹھانا شروع کر دیئے تھے۔

☆☆☆☆☆

دمشق اور بغداد دونوں شہر جعفر کے لئے اجنبی نہ تھے۔ اس نے بغداد
کھولی تھی۔ ماں باپ اسے بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے تھے اور اس کی
ذمہ داری اس کے چچا نصیر الدین جعفر پر آ پڑی تھی۔ نصیر الدین لا ولد تھا

بنا کر اس کا نام بھی جعفر رکھ دیا تھا۔ چچا اسے ایک ماہر شمشیر زن اور گھڑ سوار
مگر اسے اسلحہ اور سپہ گری سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ جعفر کے بچپن کا دور
تھا۔ سلجوقیوں کی طاقت ختم ہو رہی تھی اور موصل کے امیر زنگی کی طاقت روز
بڑھ رہی تھی۔ خلیفہ بغداد اور سلجوقی سلطانوں میں اکثر زور آزمائی ہوا کرتی تھی۔
حاکم عماد الدین کی حیثیت ایک معمولی سردار سے زیادہ نہ تھی مگر اس میں
ساتھ ساتھ وقت اور موقع و محل سے فائدہ اٹھانے کا بڑا ملکہ تھا۔ اس نے
تھا کہ بغداد کی طاقت تو ختم ہو چکی ہے اور اب سلجوقیوں کی خانہ جنگی نے
کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی نئی طاقت ابھر کر سامنے آئے جو
عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے ریلے کو روکے، دوسری طرف عراق اور شام کے
بڑے حاکموں کو یکجا کر کے انہیں ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرے۔ موصل کا
زنگی ایسے ہی جھنڈے کو بلند کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
زنگی کے گرد جو امیر اکٹھے تھے ان میں اسد الدین اور نجم الدین ایوب نامی دو
ت تھے۔ اسد الدین نے تو اپنی شجاعت کے صلے میں "شیرکوہ" کا لقب بھی
تھا۔ نجم الدین کو ابھی کوئی ایسا موقع نہ ملا تھا کہ وہ اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا۔
ایک جاں باز امیر نصیر الدین جعفر بھی تھا۔ امیر زنگی کو اس پر اس قدر اعتماد تھا
کی عدم موجودگی میں وہی کاروبار سلطنت چلاتا تھا۔
الدین کا بھتیجا جعفر جوان ہوا تو وہ اسے لے کر امیر زنگی کے پاس گیا۔ نصیر الدین
جعفر کو امیر کے لشکر میں کوئی معقول جگہ دلا دے تاکہ وہ اپنی قابلیت سے کوئی
کر سکے۔ اس دن امیر کسی اہم مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اسے حمص کے حاکم کو
پیغام بھیجنا تھا۔ نصیر الدین نے جعفر کو اس کے سامنے پیش کیا۔ امیر نے اسے سر
ایک تنقیدی نظر سے دیکھا۔ شاید جعفر کی قسمت کھلنے والی تھی۔ امیر زنگی نے
جعفر کے ذریعے حمص بھجوا دیا۔ جعفر نے اپنی فطری ذہانت سے یہ کام اتنی خوبی
امیر خوش ہو گیا اور اس نے جعفر کو اپنے جاسوسوں کے گروہ میں شامل کر لیا۔
ت جلد امیر کا اعتماد حاصل کر لیا اور یوں نوجوان جعفر امیر کا نہایت بااعتماد اور
اس بن گیا۔
نے دمشق پہنچتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ اس نے اپنے کام کے پیش نظر کسی
پاس ٹھہرنے کی بجائے دمشق کی ایک سرائے میں قیام کیا۔ دوستوں کی نظروں
لئے اس نے اپنا حلیہ بھی کچھ تبدیل کر لیا تھا۔ دو دن کے اندر اس نے آدھی

سے زیادہ معلومات حاصل کر لیں۔ تیسرے دن جعفر اپنے کام کے سلسلے میں شاہی
محل کے گرد منڈلا رہا تھا کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس کے وجود کو ہلا کر رکھ
جعفر شاہی محل کے دروازے کے قریب چھپا کھڑا تھا کہ محل کے اندر سے ایک
رفتار سوار نکلا۔ اس کے چہرے پر نصف نقاب پڑا تھا مگر اس کے بال ہوا میں لہرا
تھے۔ سوار اس کے قریب سے ہوا کی طرح گزرا اور جعفر اس کی صرف ایک جھلک
مگر اس ایک جھلک ہی نے اس کے جسم میں سنسنی پیدا کر دی۔ وہی قدو قامت۔ وہی
ہوئی آنکھیں اور لہراتے ہوئے سنہرے بالوں نے تو اس پر سکتہ سا طاری کر دیا۔

جعفر کے دل نے فوراً" کہا۔ "ترن کوزی۔"

جعفر دیر تک سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ خیالات کے ہجوم سے اس کا سر چکرا
تھا۔ وہ ترن کوزی تھی ... مگر ترن کوزی دمشق کیسے پہنچی؟ وہ تو بعلبک میں تھی۔
باپ بیمار تھا۔ بیمار کو چھوڑ کے وہ دمشق کیسے آ گئی پھر قصر شاہی میں اس کا کیا کام
ہے؟ جعفر نے اسے بعلبک کے کوتوال شہر برازق بویہ کے محل میں دیکھا تھا۔ مگر اس
اسے ایک واہمہ کہہ کر دل کو مطمئن کر لیا تھا لیکن یہ تو کھلی حقیقت تھی۔ اس نے
چند گز کے فاصلے سے ترن کوزی کو دیکھا تھا۔ کیا یہ بھی اس کی آنکھوں کا فریب تھا۔
نہیں۔ وہ دن میں خواب نہیں دیکھ سکتا اور نہ ترن کوزی کے عشق میں وہ اس قدر
ہے کہ اسے ہر لڑکی پر ترن کوزی کا دھوکا ہو۔ وہ سو فیصد ترن کوزی تھی۔

جعفر کے سر میں درد ہونے لگا۔ وہ کام ادھورا چھوڑ کر سرائے واپس آ گیا اور
کھائے پئے بستر پر پڑ گیا۔ ترن کوزی چھلاوہ ہے۔ ہوا کا بگولا یا پھر کوئی مافوق الفطرت
... کبھی بعلبک میں اور کبھی دمشق میں' پھر اس کے دل میں ایک نئے خیال نے
اور وہ کانپ گیا۔ کہیں ترن کوزی کو یہ تو نہیں معلوم ہو گیا کہ میں امیر زنگی کا جاسوس
اور اب وہ میرا پیچھا کر رہی ہے۔ اس خیال سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
دانائی اور چالاکی پر شبہ ہونے لگا۔ ایک لڑکی نے اسے شکست دے دی تھی۔ یہ اس کی
بڑی ذلت تھی۔

مگر ان تمام حقیقتوں کے باوجود اس کا دل نہیں مان رہا تھا اور اس کھلی ہوئی حقیقت
فریب نظر کا نام دے رہا تھا۔ انسان کی نظر بڑے بڑے دھوکے کھاتی ہے۔ ممکن ہے؛
کی نظر کا دھوکا ہو لیکن نظر بار بار تو دھوکا نہیں کھاتی۔ اس نے ترن کوزی کو دو بار
مشکوک حالات میں دیکھا تھا۔ وہ دمشق میں ہے۔ ابھی ان کے پاس سے گزری ہے؟
میں یہاں کیوں لیٹا ہوں اور جعفر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

تھا اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔" جعفر نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور تیزی سے
نکل گیا۔ جعفر پھر قصر شاہی پہنچ گیا اور صدر دروازے کے قریب چھپ کر کھڑا
یقین تھا کہ اگر ترن کوزی دمشق میں موجود ہے اور اس کا شاہی محل سے کوئی
ہے تو وہ دوبارہ آئے گی اور اگر وہ آ گئی تو جعفر اسے بیچ بازار پکڑے گا۔ جعفر کے
الٹے سیدھے خیالات گھوم رہے تھے اور وہ صدر دروازے پر نظریں جمائے کھڑا
پہر سے شام ہو گئی پھر رات مگر جعفر نے اپنی جگہ نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ نصف
گجر بجا اور جعفر ہارے ہوئے جواری کی طرح سرائے واپس آ گیا۔

جعفر نے وہ رات بڑے کرب سے گزاری۔ کسی پہلو چین نہ پڑتا تھا۔ بار بار شاہی
کے صدر دروازے کا تصور باندھتا اور اس تصور میں ترن کوزی کو گھوڑے پر سوار
سے نکلتے دیکھتا۔ اسے ترن کوزی کا پورا چہرہ تو نظر نہ آ رہا تھا مگر چمکتی شربتی
روشن۔ جھیل جیسی گہری اور وہ لہراتے ہوا میں اڑتے سنہرے بال۔ وہ بار بار
ملتا مگر تصور پھر اسے محل کے دروازے پر لے جاتا۔

صبح ہوتے ہی جعفر نے جلدی جلدی کچھ پیٹ میں ڈالا۔ اور سیدھا شاہی محل پہنچ گیا۔
اس کا طریقہ تھا کہ وہ گھوم پھر کر ضروری معلومات حاصل کرتا اور کسی کسی وقت
محل کے صدر دروازے کے پاس محفوظ جگہ کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتا تھا
اسے ایک ہی جگہ جم کر کھڑا ہونا پڑ رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی گیٹ کے
سے نہ ہٹ رہا تھا کہ کہیں ترن کوزی محل میں آ کر واپس نہ چلی جائے۔ اس کا یہ
خطرناک تھا۔ کسی کی نظر بھی اس پر پڑ سکتی تھی۔ مگر وہ اپنی بد احتیاطی کو دل کے
مجبور ہو کر برداشت کر رہا تھا۔ شک و شبہ کا جو پودا اس کے دل میں اگ آیا تھا
جعفر جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا اور یہ صرف اسی وقت ممکن تھا جب اس کی ملاقات
کوزی سے ہو جائے اور وہ محل میں آنے کا کوئی معقول جواز پیش کر سکے۔

جعفر پر امیر زنگی کے عتاب کا خوف بھی غالب ہوتا جا رہا تھا کیونکہ وہ فرض سے کھلی
روگردانی کر رہا تھا مگر اس نے ان تمام خدشوں کے باوجود شام تک اپنی جگہ نہ چھوڑی
دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھا سکا اور اپنی جگہ پتھر کی مورت کی طرح جما کھڑا رہا پھر شام
سائے لمبے ہوتے چلے گئے اور رات ہو گئی مگر کسی کو نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ جعفر نے
کی طرح آج بھی رات کے بارہ کے گجر تک انتظار کیا مگر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔
نے اس سعی لاحاصل میں تین دن اور اسی عالم میں گزار دیئے۔ صبح شاہی محل جانا اور
رات کو واپس آنا۔ مجبور ہو کر اسے اپنے دل کو ایک بار پھر اس واقعے کو واہمہ کا نام

دے کر تسلی دینی پڑی۔ اس پر امیر زنگی کا خوف بھی پوری طرح غالب آ گیا تھا اور
بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کہیں امیر کا قاصد بعلبک میں اسے نہ پا کر واپس نہ چلا جا
اگلے دن سے جعفر بڑی تندہی سے اپنے کام میں لگ گیا۔ اس نے ترن کوزی کے حملے
کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا۔

☆☆☆☆☆

ادھر بعلبک میں جعفر کی عدم موجودگی کے دوران نئے نئے گل کھل رہے تھے
دن سرائے کا مالک سرکاش الاؤ کے پاس حقہ بیٹھا پی رہا تھا کہ ایک مشکوک سا آدمی
میں داخل ہوا۔ مشکوک اس لئے معلوم ہوا کہ وہ چوروں کی طرح اندر آیا تھا اور
احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔ وہ حقہ چھوڑ کر لپکتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کس کی تلاش ہے تمہیں؟" سرکاش نے بڑے رعب سے پوچھا۔

"میں۔ میں۔" آنے والا گھبرا گیا۔

"تم چور معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں ابھی قاضی کے پاس لے جاؤں گا۔" سر
نے جھٹ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں چور نہیں ہوں۔" آنے والے نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"چور کب کہتا ہے کہ میں چور ہوں۔ آخر تم ہو کون اور کس لئے آئے ہو؟"

"میں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا ہوں۔"

"دوست سے ملنے آئے ہو تو یہ چوروں کی طرح تاک جھانک کیوں کر رہے
سرائے ہر ایک کے لئے کھلی ہے جو چاہے بے دھڑک آ سکتا ہے مگر تم۔" سرکاش
برابر گھورے جا رہا تھا۔

"میں ایک معزز آدمی ہوں۔ مجھ سے بدتمیزی کرو گے تو تمہیں افسوس ہو گا۔" آ
والے نے کچھ ایسے رعب سے کہا کہ سرکاش کی سٹی گم ہو گئی۔

سرکاش نے عاجزی سے کہا۔ "جناب میں جانتا ہوں آپ شریف آدمی ہیں مگر اپنے
دوست کا نام بتائیے۔ میں آپ کو اس سے ملوا دوں گا۔"

"زیادہ بک بک نہ کرو اور بتاؤ کہ اس سرائے کا مالک کون ہے؟"

"جناب والا۔" سرکاش ادب سے بولا۔ "آپ نے درست فرمایا۔ سرائے کا مالک
واقعی بہت بک بک کرتا ہے اور اس کا نام سرکاش ہے۔"

"مگر وہ کہاں ہے؟" آنے والا چڑ گیا۔

"حضور والا۔ سرائے کا مالک ہی آپ کے سامنے کھڑا بک بک کر رہا ہے۔"

"اوہ۔ تم ہو مالک۔"

"مالک نہیں خادم ہوں جناب۔ مسافروں کی خدمت کرتا ہوں اور بال بچوں کا پیٹ
پالتا ہوں۔" سرکاش نے اسے نرم پڑتے دیکھا تو بڑے خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں سرکاش۔ مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔" آنے والے کا
لہجہ بہت نرم ہو گیا تھا۔

"حکم دیجئے جناب۔ میں تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔"

آنے والے نے نہایت شرافت سے کہا۔ "دراصل مجھے حکم ملا ہے کہ میں بعلبک کی
سراؤں میں مقیم مسافروں کی فہرست تیار کروں۔ تم اس کام میں میری بہتر مدد کر سکتے

سرکاش نے شوخ لہجے میں درخواست کی۔ "جناب میں سرکاش یعنی اس سرائے کا
مالک آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ مجھے پہلے اپنا حدود اربعہ میرا مطلب ہے کہ اپنا
تعارف کرائیے پھر اس بات کی وضاحت فرمائیے کہ آپ کو مسافروں کی فہرست تیار کرنے کا
کس نے حکم دیا ہے؟"

"میں شہر کے قاضی کا کارندہ ہوں اور انہوں نے یہ حکم دیا ہے۔" کارندے نے الجھتے
ہوئے کہا۔

سرکاش نے قاضی کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے دریافت کیا۔ "اگر قاضی صاحب نے اس
فہرست کی تیاری کا حکم دیا ہے تو براہ کرم آپ اس بات کی وضاحت فرما دیجئے کہ قبلہ قاضی
صاحب اس فہرست کا کیا کریں گے؟"

"تم پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟" کارندے کو غصہ آ گیا۔

"معزز کارندے صاحب' میں آپ کے فائدے کی بات کہہ رہا ہوں اور آپ خواہ مخواہ
مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں۔" سرکاش نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "اگر آپ
میری بات مان لیں تو دونوں کا بھلا ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ آپ اس زحمت سے بچ جائیں
اور قاضی صاحب کو بھی یہ بیکار فہرست پڑھنے کی ضرورت نہ ہو گی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" کارندہ چیخ پڑا۔

"کہاں' غصہ تھوک دیجئے۔" سرکاش نے اسی سادگی سے جواب دیا۔ "میں نے سنا
ہے کہ غصہ کرنے والے کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں

پہلی پڑ جاتی ہیں۔ حضور والا' میرے کہنے کا مطلب صاف ہے۔ آپ سرائے میں مقیم ا
کی فہرست تیار کرنا چاہتے ہیں اور یہ فہرست تیاری کے بعد آپ جناب قاضی صاحب
حضور پیش کریں گے لیکن آپ اور قاضی صاحب یہ بھول رہے ہیں کہ یہ سرائے ہے
یہاں ایک آتا ہے اور دوسرا جاتا ہے۔ جن مسافروں کی فہرست آپ اس وقت تیار ک
گے' ان میں سے شام تک آدھے رخصت ہو چکے ہوں گے اور صبح تک باقی نصف بھی
اپنی منزل کو روانہ ہو چکے ہوں گے لیکن میری سرائے آپ کی دعا سے کل بھی ایسی
بھری ہو گی کیوں کہ جانے والوں کی جگہ نئے آنے والوں نے لے لی ہو گی۔ یہ دنیا بھی
طرح کی ایک سرائے ہے کہ ایک جاتا ہی اور ایک ....." سرکاش کہتے کہتے رک گیا۔ اس
نظر اچانک کارندے پر پڑی تھی۔ کارندہ جس کا چہرہ چند لمحے پہلے غصے سے تمتمایا ہوا
اب اس چہرے پر غصے کے بجائے حیرت کے گہرے سائے لہرا رہے تھے اور کارندہ
کھولے سرکاش کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ مجھے کیا دیکھ رہے ہیں جناب۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" سرکاش نے ذرا
کے پھر اپنی بات شروع کر دی "میرے باپ کو مرے ہوئے بیس سال ہو چکے ہیں۔
وقت سے میں سرائے کو سنبھال رہا ہوں مگر مسافروں کی فہرست آج تک کسی نے
نہیں کی .... اگر آپ یا قاضی صاحب مسافروں کی فہرست تیار کر کے کوئی نیا کام کرنا
ہیں تو پھر آپ کی مرضی۔ میرے ساتھ چلئے۔ میں ان تمام مسافروں کے نام آپ کو لکھا
ہوں جو اس وقت یہاں موجود ہیں مگر اس بات کا خیال رکھئے گا کہ اگر فہرست ت
شخص کو تلاش کرنے آپ کل تشریف لائے اور وہ یہاں سے چلا گیا تو اس کا ذمہ دار
نہیں ہوں گا"۔

کارندہ ایک سرائے کے مالک سے جو عام طور پر ان پڑھ ہوتے تھے' ایسی فلسـ
باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا اس نے کہا۔ "تمہیں سرائے کے بجائے کسی تعلیمی
میں ہونا چاہیئے تھا۔ سرکاش تم نے ٹھیک کہا۔ مسافروں کی فہرست تیار کرنے سے کوئی
نہیں' وہ تو اڑتے پرندے ہیں۔ آج اس شاخ پر تو کل دوسری پر۔ بہرحال تم سرائے
موجود مسافروں سے مجھے ملا دو۔ بس یہی میرے لئے کافی ہے۔"

سرکاش کارندے کو اپنے ساتھ لے کر چلنے لگا۔ "جناب ایک بات تو بتائیے
آپ کو کسی خاص آدمی کی تلاش تو نہیں ہے؟"

کارندے نے رک کر اسے دیکھا۔ "اگر میں کہوں کہ مجھے ایک خاص آدمی کی
ہے تو تم کیا کرو گے؟"

"پھر ہم دونوں کا کام آسان ہو جائے گا۔" سرکاش نے اطمینان سے جواب دیا۔ "جس
آپ کو تلاش ہے وہ یقیناً" آپ کا دوست یا دشمن ہو گا اور آپ نے اسے پہلے بھی
دیکھا ہو گا"۔

"ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" کارندے نے گول مول جواب دیا۔

سرکاش نے مسکرا کے کہا۔ "بس تو مسئلہ حل ہو گیا۔ آپ کو سرائے کی کوٹھڑیوں میں
نے کی ضرورت نہ ہو گی اس کا حلیہ بتا دیجئے آپ مجھے' میں اسے لا کر آپ کے سامنے
کر دوں گا۔"

"یہ بات نہیں سرکاش۔" کارندے نے اپنا پہلو بچایا۔ دراصل میں نے صرف اسے
بار دیکھا تھا اور اس کی ایک ہلکی سی تصویر میرے ذہن میں موجود ہے جسے میں الفاظ
بیان نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر دیکھوں گا تو پہچان ضرور لوں گا۔"

"جناب والا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ کا دوست نہیں ہے کیوں کہ دوست کی
تو ہر وقت سامنے رہتی ہے۔"

"ہاں بھئی۔ وہ میرا دوست نہیں۔" کارندے نے اکتا کر کہا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے کہ وہ آپ کا دشمن ہے جس سے آپ کو یا قاضی صاحب کو
نقصان پہنچ سکتا ہے۔؟"

"بالکل یہی بات ہے سرکاش۔" کارندے نے فوراً" تصدیق کی۔

"تو پھر آپ اسے نہیں پکڑ سکتے۔" سرکاش نے نفی میں زور سے سر ہلایا۔

"کیوں نہیں پکڑ سکتے۔ کیا وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے؟" کارندے نے سرکاش سے
بے تکا سوال کر دیا۔

"جناب' یہ تو آپ ہی جانتے ہوں گے کہ وہ آپ سے زیادہ طاقتور ہے یا آپ اس
یادہ طاقتور ہیں لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ جس طرح آپ اسے ڈھونڈ رہے ہیں
رح وہ آپ کی نظروں سے بچ رہا ہو گا۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ ایک کھلی سرائے
کرنے اور آپ کے ہاتھوں پکڑا جائے۔"

"اچھا' اب زیادہ منطق جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔" کارندے نے سخت' لہجے میں
چلو مجھے مسافروں کی کوٹھریاں دکھاؤ۔"

رکاش اس کے سخت لہجے سے گھبرا گیا اور خاموشی سے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

رائے میں اس وقت صرف پانچ مسافر ٹھہرے ہوئے تھے۔ آخری قافلہ جس کے
فر اور ترن کوزی آئے تھے وہ آگے کی طرف کوچ کر چکا تھا اور اب تک کوئی نیا

قافلہ نہیں آیا تھا۔ سرکاش نے کارندے کو تین مسافروں سے ملوا دیا۔ جو اپنی اپنی کوٹھڑ
میں موجود تھے۔ دو کوٹھریاں بند تھیں اور ان میں تالے لگے ہوئے تھے۔ سرکاش نے بتا
"جناب ایک کوٹھری میں رات ہی مسافر آیا ہے۔ کسی کام سے بازار گیا ہے۔ دوسری کوٹھ
میں مقیم مسافر کو آئے ہوئے ایک ہفتے کے قریب ہوا ہے۔ آج کل وہ دمشق گیا
ہے۔"

"دمشق!" کارندے نے کان کھڑے کئے۔ "وہ دمشق کب گیا ہے؟"

"جمعہ' ہفتہ' اتوار' پیر۔ چار دن ہو گئے اسے گئے ہوئے۔" سرکاش نے انگلیوں پر
گن کر بتائے۔

"کب واپس آئے گا؟"

"وہ چار دن کو کہہ گیا تھا مگر اب تک نہیں آیا۔"

"وہ دمشق کیوں گیا ہے؟"

"جناب آپ مجھ سے یوں پوچھ رہے ہیں جیسے میں اس کا باپ ہوں۔" سرکاش
منہ بنایا۔ "ویسے میں یہ بتا دوں کہ وہ آپ کا دشمن نہیں ہو سکتا"۔

"یہ تم نے کیسے اندازہ کیا۔؟"

"اندازہ اس طرح لگایا کہ وہ میرا دوست ہے اور سرکاش کا دوست کسی کا دشمن
ہو سکتا۔ کیونکہ سرکاش خود کسی کا دشمن نہیں۔" سرکاش نے کچھ اس طرح کہا کہ کارند
کو غصے کے باوجود ہنسی آگئی۔

"اچھا' تم اس کا حلیہ بیان کرو۔" کارندے نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

سرکاش نے ذہن پر زور دے کر جعفر کا حلیہ بیان کیا۔ کارندہ اس کے ایک ایک لف
غور سے سنتا رہا۔ "اب بھلا آپ ہی فرمائیے۔ ایسا خوب صورت اور مہذب جوان کیا
کا دشمن ہو سکتا ہے۔؟"

"ہرگز نہیں سرکاش۔ تمہارا دوست واقعی شریف آدمی ہے۔" یہ کہتے ہوئے کارند
کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

"سنیئے جناب۔" سرکاش نے فوراً اپنے دوست کی صفائی پیش کی۔ "میں اپنے د
کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ حلب جانے والا ہے۔ وہاں اس کے بھائی کی شیشے کی
ہے۔ اس کی شرافت میں آپ کو کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے۔"

"میں اسے برا کب کہہ رہا ہوں۔" کارندے نے چلتے ہوئے کہا۔ "تمہارا دوست
تمہاری طرح دلچسپ ہو گا۔ میں اس سے ملنے ضرور آؤں گا۔"

"آپ میرے دوست سے مل کر بہت خوش ہوں گے جناب۔" سرکاش نے اس کے
چلتے ہوئے کہا۔ "وہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔ میں خود چاہتا ہوں کہ آپ اس سے ضرور
اور میرے دوست کی عقل کی تعریف کریں۔ اگر آپ اپنا پتہ مجھے بتا دیں تو میں اسے
خود آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ تم جا کر اپنا کام کرو۔" کارندہ بڑبڑاتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھ

"بڑا بد دماغ آدمی ہے۔" سرکاش بھی خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور اپنی جگہ
جا کر بیٹھ گیا۔ سرکاش کو جعفر پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے آخر قاضی کے اس کارندے
ستی کیوں کی مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ بعلبک میں اس کا کوئی جاننے والا نہیں' پھر وہ
ے نکل آیا۔ سرکاش کو کارندے سے مل کر خوشی کی بجائے کوفت ہوئی تھی اب
ے فکر تھی کہ کوئی معقول آدمی نظر آئے تو اس سے باتیں کر کے وہ اپنے ذہن کا بوجھ
ے۔ اس انتظار میں دوپہر تک الاؤ کے پاس بیٹھا حقہ گڑگڑاتا رہا مگر آدمی تو آدمی کوئی
ھی سرائے میں نہیں آیا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور مضمحل سا اپنی کوٹھری کی طرف چل

اس کی کوٹھری سرائے کے دوسرے حصے میں بالکل گیٹ کے مقابل تھی۔ یہ کوٹھری
ے مکان کی ڈیوڑھی تھی۔ اس کے اندر کے حصے میں اس کے بال بچے رہتے تھے اور
کوٹھری میں بیٹھا گیٹ سے آنے جانے والوں کو دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کوٹھری میں جا کے
تھا کہ سرائے میں ایک لڑکی داخل ہوئی۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ لڑکی کچھ گھبرائی ہوئی تھی
احتیاط سے ڈر ڈر کے قدم اٹھا رہی تھی۔ سرکاش بھی اسے حیران نظروں سے دیکھ
رائے میں قافلوں کے ساتھ لڑکیاں اور عورتیں آتی تھیں مگر اس طرح تنہا کوئی لڑکی
میں اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی۔
لڑکی آہستہ آہستہ مسافروں کی کوٹھریوں کی طرف بڑھ رہی تھی اور سرکاش اپنی جگہ

لڑکی سے کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے دبے پاؤں آ رہا تھا۔ لڑکی بڑھتے بڑھتے
وٹھری پر پہنچی۔ پھر شاید اس نے کوٹھری میں لگا قفل دیکھا اور مایوس ہو کر کھڑی ہو
رکاش کو ایک دم جعفر کی بات یاد آ گئی۔ اس نے چلتے وقت ایک لڑکی کا ذکر کیا تھا
لڑکی کے سرائے آنے کی امید تھی۔ سرکاش کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ تیز قدم اٹھاتا
پاس پہنچ گیا۔ لڑکی سرکاش کو دیکھ کر گھبرا گئی مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"اچھی لڑکی، شاید تمہیں بھائی جعفر کی تلاش ہے؟" اس نے بڑی شفقت سے پ
لڑکی نے نظر اٹھا کے سرکاش کو دیکھا۔ اسے مسکراتے دیکھ کر لڑکی کو اطمینان
"کیا تم جعفر کو جانتے ہو؟" لڑکی کو نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے سوال کرنے کے بعد
نظریں نیچی کرلیں جیسے اسے حیا آگئی ہو۔
سرکاش نے اس سے شفقت سے کہا۔ "بھائی جعفر میرے دوست ہیں۔ میرا
ہے کہ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں اور یہ بات میرے لئے بڑے فخر کی ہے۔"
"کہاں گئے ہیں جعفر؟" لڑکی کی نظریں نیچی ہی رہیں۔
"وہ دمشق گئے ہیں۔"
دمشق کے نام پر لڑکی چونک پڑی پھر جیسے کسی فکر میں ڈوب گئی۔
سرکاش نے مزید بتایا۔ "جعفر بھائی جاتے وقت مجھ سے کہہ گئے تھے کہ ایک لڑ
سے ملنے آئے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو؟"
"ہاں۔ مگر وہ کب آئیں گے۔" لڑکی فکر مند ہو گئی تھی۔
"وہ دو چار دن میں آنے کو کہہ گئے تھے مگر ہفتے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔"
چپ ہو کر جواب کا انتظار کرنے لگا مگر لڑکی خیالوں میں کھو گئی تھی۔
کچھ انتظار کے بعد سرکاش نے خود ہی کہا۔ "نیک لڑکی اگر تم چاہو تو جعفر بھا
لئے پیغام دے سکتی ہو۔ میں انہیں پہنچا دوں گا۔"
"تم سرائے میں کتنے دن رہو گے؟"
سرکاش مسکرایا۔ "میں اس سرائے کا مالک ہوں اور میرا نام سرکاش ہے۔ میرا
ہے کہ تم بعلبک میں رہتی ہو اور جعفر بھائی کی دوست ہو۔"
"اچھا، تم سرائے کے مالک ہو!" لڑکی نے اسے گھور کر دیکھا۔ "جبھی میں سو
تھی کہ تمہاری صورت مجھے جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے۔"
"اگر تم اس سرائے میں کبھی رہی ہو گی تو مجھے ضرور دیکھا ہو گا۔" سرکاش نے
مخواہ بات بڑھائی۔
"ہاں، میں چند دن یہاں رہ چکی ہوں۔" پھر لڑکی واپس ہونے لگی۔ "اچھا،
آؤں گی۔"
"نیک لڑکی۔ میں نے تم سے کچھ اور بھی کہا تھا۔" سرکاش نے اس کے بڑھتے
قدم روک دئے۔
لڑکی ٹھہر کر بولی۔ "معاف کرنا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا تم نے اور کیا کہا تھا۔"

سرکاش نے سلیقے سے کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ اگر چاہو تو میرے بھائی جعفر کے لئے
پیغام چھوڑ سکتی ہو۔"
لڑکی کے ہونٹوں پر عجیب دل فریب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میرا
ہی ہے کہ ان سے ملنے پھر آؤں گی۔"
"میں نے کچھ اور بھی کہا تھا نیک لڑکی۔" سرکاش جیسے اسے زبردستی روکنے کی کوشش
ا تھا۔
"اور کیا کہا تھا تم نے؟" لڑکی نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔
"میں نے کہا تھا کہ جعفر بھائی میرے دوست ہیں۔"
"ہاں کہا تھا۔ اس سے کیا مطلب تھا تمہارا؟"
"اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ بھی مجھے دوست سمجھتے ہیں اور میرے لئے بڑے فخر کی بات

"ہاں ہاں۔ یہ بھی کہا تھا تم نے، مگر مطلب کیا ہے تمہارا؟"
"نیک لڑکی۔" سرکاش نے سر جھکا کے کہا۔ "تم میرے دوست کی مہمان ہو اور میری
ان ہو۔ مجھے حکم دو کہ میں تمہارے کھانے پینے کے لئے کچھ حاضر کروں۔"
"نہیں سرکاش۔ تمہارا شکریہ میں پھر آؤں تو خاطر کرنا۔ اس وقت میں جلدی میں
لڑکی جواب کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھنے لگی۔
اپنا نام تو بتاتی جاؤ نیک لڑکی۔" سرکاش نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی۔
جعفر میرا نام جانتے ہیں۔ ان سے پوچھ لینا۔"
ی گیٹ سے باہر بھی نکل گئی تھی لیکن سرکاش اب بھی چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

ی رات جعفر دمشق سے واپس آگیا۔ سرکاش اسے دیکھتے ہی لپٹ گیا اور اتنا بھینچا
ر کو الجھن ہونے لگی۔

ب چھوڑ بھی دو سرکاش۔" جعفر زور کر کے اس کی گرفت سے نکلا۔
جعفر بھائی تم نے اتنے دن لگا دئے۔ میں تو تمہیں یاد کر کر کے رو پڑتا تھا۔ بھلا
ے بھی ایسی بے مروتی۔ نہ خط نہ پتر میں تو لوگوں سے جھوٹ بولتے بولتے تنگ آ

گیا۔"

"لوگ ؟" جعفر نے گھبرا کر اس کی بات کاٹی۔ "مجھے کون پوچھنے آیا تھا کہ
جھوٹ بولنا پڑا۔"

"واہ جعفر بھائی۔ تم تو چھپے رستم نکلے۔ میں سمجھتا تھا کہ بعلبک میں صرف
تمہارا دوست ہوں مگر تمہارے پوچھنے والوں کا تو تانتا بندھ گیا۔ ایک آیا۔ ایک
ایک..."

"سرکاش خدا کے لئے بات کو طول نہ دو۔" جعفر اور پریشان ہو گیا۔ "جلد بتا
سے ملنے کون آیا تھا۔"

"آیا بھی تھا اور آئی بھی تھی۔" اور جعفر نے دانت نکال دئے۔

"پھر وہی فضول باتیں۔ کون آیا تھا اور کون آئی تھی؟"

"وہ آئی تھی جعفر بھائی جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا تھا۔"

"کیا ترن کوزی آئی تھی؟" جعفر کا دل زور سے دھڑکا۔

"کیا نام بتایا۔ ترن کوزی۔ واہ کیا پیارا نام ہے۔ اس کی صورت بھی اتنی ہی
ہے۔ بڑی بڑی چمکتی آنکھیں۔ ہوا میں لہراتے سنہرے بال۔ بڑی اچھی پسند ہے تم
جعفر بھائی۔" سرکاش نے رک کر جعفر کو دیکھا اور پھر بولا۔ "جعفر بھائی میں نے زمانہ
ہے۔ وہ لڑکی تم سے ضرور محبت کرتی ہے۔"

"خیر۔ یہ چھوڑو اور بتاؤ کہ وہ کب آئی تھی۔ کیا کہہ رہی تھی؟"

"آج ہی آئی تھی اور تمہیں بڑے چاؤ سے پوچھ رہی تھی۔ کیا نام تھا اس کا؟"

"سرکاش۔ ہوش میں آؤ۔ اس کے نام میں کیا دھرا ہے۔ جو کچھ کہا تھا اس
مجھے بتاؤ۔" جعفر کو اب معلوم ہوا کہ نادان کی دوستی کتنی مہنگی ہوتی ہے مگر یہ دوستی
کے لئے ضروری تھی۔ اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔

"جعفر بھائی۔ وہ چپکے سے سرائے میں داخل ہوئی"۔ سرکاش نے تفصیل شروع
دی۔ "میں الاؤ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ دبے قدموں تمہاری کوٹھری کے پاس گئی۔ کوٹھری
تھی۔ وہ بڑی مایوس ہو کر لوٹی۔ اسی وقت میں اس کے پاس پہنچ گیا اور میں نے اس
صاف کہہ دیا کہ جعفر بھائی میرے دوست ہیں اور وہ بھی مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں
مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ میں نے اسے بتایا کہ تم دمشق گئے ہوئے ہو اور دو چار دن
آنے کو کہا تھا مگر اب تک نہیں آئے۔ بیچاری بڑی مایوس ہوئی۔"

جعفر نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اس نے سرکاش کو تفصیل بیان کرنے کا اس
موقع دیا کہ شاید کوئی مقصد کی بات معلوم ہو جائے مگر جب سرکاش ایک دم خاموش ہو
گیا تو جعفر کو بولنا پڑا۔ "چپ کیوں ہو گئے سرکاش۔ اور کیا باتیں ہوئیں ترن کوزی سے؟"

"باتیں تو بہت ہوئیں مگر میں خاموش اس لئے ہو گیا کہ شاید تم میری باتوں سے
بور ہو رہے ہو۔ میں نے سنا تھا کہ اگر کسی عاشق کے سامنے اس کے محبوب کا ذکر کیا
جائے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر تم۔"

"نہیں سرکاش۔ میں تمہاری باتوں سے بہت خوش ہوتا ہوں۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ
تم تفصیل سے پرہیز کیا کرو۔" جعفر نے اسے تسلی دی۔ "اچھا یہ بتاؤ ترن کوزی نے اپنا
پتہ ٹھکانہ بتایا ہے۔"

"پتہ تو نہیں بتایا۔ صرف یہ کہہ کر چلی گئی کہ میں پھر آؤں گی۔" سرکاش نے تفصیل
سے پرہیز کیا۔

"اور کچھ کہا تھا ترن کوزی نے؟"

"نہیں۔" سرکاش بالکل ہی اختصار پر آ گیا۔

"میری عدم موجودگی میں اور کوئی بات ہوئی؟" جعفر نے اسے پھر کریدا۔

"ہاں ترن کوزی۔"

"ترن کوزی کے بارے میں تم پہلے ہی سب کچھ بتا چکے ہو۔ میں پوچھ رہا ہوں اس
کے علاوہ کوئی اور خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"جعفر بھائی۔ تم بڑے بے صبرے ہو۔" سرکاش نے محبت سے شکوہ کیا۔ "میں ترن
کوزی کے بارے میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ترن کوزی سے پہلے
کوئی اور بھی تمہیں پوچھنے آیا تھا۔"

جعفر چونک پڑا۔ "اور کون آیا تھا۔ کوئی سوار تھا؟" جعفر کا خیال فوراً" امیر موصل
کے دربار کش کی طرف گیا جس نے ایک ہفتے کے بعد آنے کو کہا تھا۔

"ہاں وہ ایک سوار ہی تھا۔" سرکاش نے معصوم سا منہ بنایا۔

"کیا وہ کہیں باہر سے آیا تھا؟"

"نہیں جعفر بھائی۔ وہ کم بخت قاضی شہر کا آدمی تھا۔ تمہارے بارے میں کرید کرید کر
پوچھ رہا تھا۔"

جعفر سناٹے میں آگیا۔ خوف کی ایک لہر اس کے جسم سے گزر گئی۔ "وہ کیوں
تھا۔ کیا پوچھ رہا تھا؟" جعفر کو گھبراہٹ کی وجہ سے اس سردی میں بھی پسینہ آگیا تھا
"بڑا عجیب آدمی ہے وہ۔" سرکاش نے عادت سے مجبور ہو کے تفصیل شروع
"کہہ رہا تھا کہ اسے سرائے کے تمام مسافروں کی ایک فہرست بنانا ہے۔ تمہاری ک
تھی اس لئے تمہارے بارے میں پوچھنے لگا"۔
"پھر تم نے کیا بتایا؟" جعفر کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔
"میں نے کیا بتایا؟ کہہ دیا کہ تم دمشق گئے ہوئے ہو اور دو چار دن میں واپ
گے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ وہ بھی کوئی تمہارا دوست معلوم ہوتا تھا۔ اس
حلیہ بڑی تفصیل سے پوچھا اور میں نے اتنی ہی تفصیل سے تمہارا نقشہ کھینچ کر
آخر تم میرے دوست ہو۔ تمہارا حلیہ تو پوری طرح بیان کر سکتا ہوں۔"
جعفر نے سر پکڑ لیا۔ "اور کیا بتایا میرے دوست نے میرے بارے میں۔"

گیا۔
سرکاش نے بڑے جوش سے جواب دیا۔ "میں نے اس سے کہہ دیا کہ
میرے دوست ہیں اور جعفر بھائی بھی مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ میں نے تمہار
عقل کی بھی اس سے بہت تعریف کی"۔
"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اسے میرا نام بھی بتا دیا؟"
"ہاں جعفر بھائی۔ میں تمہارا اس سے زیادہ پکا دوست ہوں۔ وہ تمہارا نام
جانتا تھا۔ ہے نا کتنی عجیب بات' ایسے گھٹیا آدمی کو تم دوست نہ بنایا کرو جعفر بھائی
"اے میرے نادان دوست۔ تم نے میرا بیڑا غرق کر دیا۔ اب میری خیر نہیں
اس کے ساتھ الاوء کے پاس بیٹھ گیا۔ اسے ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ پھر کھڑے ہو کر
"کیا ہوا جعفر بھائی۔ میں نے کیا کر دیا۔" غریب سرکاش گھبرا گیا۔
"جعفر نے رک کے پوچھا۔" میرا نام سن کر وہ ضرور چونکا ہو گا؟"
سرکاش سوچنے لگا۔ "چونکا نہیں تھا مگر کاغذ پر تمہارا نام لکھ لیا تھا۔"
"کاغذ پر لکھا تھا۔"
"ہاں ہاں' کاغذ پر لکھا تھا اور کاہے پر لکھتا۔ میں نے تمہارا جو حلیہ بتایا تھا
نے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔" سرکاش بے وقوفی کی حد تک نیک اور سیدھا تھا۔
"اب میرے بچنے کی کوئی امید نہیں رہ گئی۔" جعفر ہاتھ ملنے لگا۔
سرکاش منہ کھولے اسے تک رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں جعفر کی باتیں

جعفر سر جھکائے کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "خیر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ مجھے تم سے
نہیں سرکاش مگر اب میں اس سرائے میں نہیں رہ سکتا۔"
جعفر بھائی۔ کیوں نہیں رہ سکتے؟"
رہا تو ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جاؤں گا۔"
رکاش نے سینے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ "اطمینان سے رہو جعفر بھائی۔ کس میں ہمت
بعلبک کی سب سے بڑی سرائے کے مالک سرکاش کے دوست پر ہاتھ ڈال سکے۔
کے ہاتھ توڑ کے رکھ دوں گا۔"
ر نے ملائمت سے کہا۔ "مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے سرکاش لیکن اب میں یہاں
نہیں رہ سکتا۔"
کیوں یہی تو پوچھ رہا ہوں جعفر بھائی۔؟"
پھر کسی وقت بتاؤں گا سرکاش' پہلے تم میرے رہنے کا انتظام کرو۔"
سمجھا نہیں جعفر بھائی۔ یہاں تمہیں کیا تکلیف ہے؟"
ر بے بسی سے بولا۔ "بس میں نے کہہ دیا۔ میں نہیں رہ سکتا۔ میرے رہنے کا
انتظام کرو۔ ورنہ میں پکڑا جاؤں گا اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔"
کاش سہم گیا۔ ذرا رک کے بولا۔ "جعفر بھائی۔ تم بعلبک کی ہر سرائے میں رہ سکتے
تم میرے دوست ہو۔ ہر سرائے والا تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ مگر میں تم
ر ہو جاؤں گا۔ یہ دکھ میں کیسے برداشت کروں گا جعفر بھائی۔؟" سرکاش کی آواز
گی۔
ر نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ "دوستی سچی ہو تو فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ پھر
لبک میں ہی رہوں گا بلکہ یوں سمجھو کہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر رہوں گا۔
رکھنا کہ قاضی کے آدمی کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ میں کہاں ہوں۔ تم سے
کہہ دینا کہ ابھی دمشق سے واپس نہیں آیا۔"
جعفر کی نظر سرائے کے گیٹ پر پڑی اور وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ امیر موصل کا
ار کش اندر جھانک رہا تھا۔
کیا ہوا جعفر بھائی۔ پریشان کیوں ہو گئے؟" سرکاش نے منہ اٹھا کر اسے حیرت سے

کچھ نہیں۔ ایک کام یاد آگیا۔" جعفر نے اسے ٹالا۔ اور ہاتھ کے اشارے سے
ار کش کو گیٹ کے سامنے سے ہٹنے کو کہا۔

یار کش گھوڑا موڑ کر گیٹ کے سامنے سے ہٹ گیا۔ جعفر نے اطمینان کا
"کیا کام یاد آ گیا جعفر بھائی۔ کیا پھر کہیں جا رہے ہو؟" سرکاش نے
"تھوڑی دیر آرام کر لو پھر کہیں جانا۔ ابھی تو میری باتیں بھی نہیں ختم ہوئیں۔"
"فکر نہ کرو دوست۔ آج رات میں تمہارے ہی پاس گزاروں گا۔ بس ا
کے ابھی واپس آیا۔" یہ کہتے ہوئے جعفر تیزی سے گیٹ کی طرف چل دیا۔
"جلدی آنا جعفر بھائی۔ جب تک تم واپس نہیں آؤ گے میں بھی کھانا ن
گا۔"

جعفر گیٹ کے باہر نکل چکا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ سا
نیچے اسے گھڑ سوار کا سایہ نظر آیا۔ جعفر لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔
"السلام علیکم یار کش۔ امیر کیسے ہیں؟" جعفر نے اس کے قریب پہنچ کے
سوار گھوڑے سے اتر پڑا۔ "امیر عالی مقام بالکل خیریت سے ہیں' جس کا
تمہیں دمشق بھیجا گیا تھا امید ہے کہ تم نے اسے مکمل کر لیا ہو گا۔"
"بالکل مکمل کر لیا ہے۔ جعفر نے ایک بند لفافہ جیب سے نکال کر یار
حوالے کیا۔ "اس میں پوری تفصیل درج ہے۔"
یار کش نے لفافہ احتیاط سے جیب میں رکھ لیا' پھر مسکرایا۔ "امیر تمہار
بہت خوش ہیں۔"
"امیر ایک عظیم حکمراں ہیں۔ وہ اپنے جاں نثاروں کی پوری حوصلہ افزائی کر
ان کے حضور میرا سلام پیش کرنا۔" جعفر نے بڑے خلوص سے کہا۔ "میرے
ہے۔ تمہارے ساتھ واپس چلوں۔"
"نہیں جعفر۔ تم بعلبک ہی میں ٹھہرو گے۔ امیر سے یہیں ملاقات ہو گی۔"
جعفر خوش ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ امیر خود بعلبک ..."
"شاید۔" اور یار کش اچک کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ "اچھا شب بخیر۔"
"خدا حافظ یار کش۔ ایک بات کا خیال رکھنا۔ مجھے اس سرائے میں کچھ خط
ہو رہا ہے۔ کل میں یہ جگہ تبدیل کر دوں گا۔ سرائے کے مالک کا نام سرکاش ہے
مخلص اور بھولا بھالا بلکہ بے وقوف آدمی ہے۔ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ ا
دوبارہ آنا ہو تو سرکاش سے میرا نیا ٹھکانہ پوچھ لینا۔ میں اسے اچھی طرح سے
جاؤں گا۔"
خواجہ سرا یار کش نے گھوڑے کو ایڑ دی اور شب کی پہنائیوں میں ڈوب گ

...نے واپس ہوا سرائے کے گیٹ پر اسے سرکاش کھڑا ہوا ملا۔
...جلدی واپس آ گئے؟" سرکاش نے بھولے پن سے پوچھا۔
...اندر چلو کھانا کھائیں۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔" جعفر اس کا ہاتھ پکڑ
...لگا۔
سرکاش بہت خاموش خاموش چل رہا تھا۔ جعفر کو اس کی خاموشی پر ہنسی آنے لگی۔
...تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کہاں گیا تھا؟"
...میں کیوں پوچھوں جعفر بھائی۔ تم مناسب سمجھو گے تو خود ہی بتا دو گے۔"
...یہ بات ہوئی میرے دوست۔" جعفر نے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔ "میرا ایک
...مجھ سے ملنے آیا تھا۔ شاید وہ پھر آئے۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ میں یہ جگہ صبح کو
...کر دوں گا۔ تم سے پوچھے تو اسے میرے ٹھکانے پر پہنچا دینا۔"
...نیا ٹھکانہ۔ مگر تمہارا نیا ٹھکانہ کون سا ہو گا؟"
...جہاں تم صبح کو مجھے لے جاؤ گے۔"
...ہاں ہاں ٹھیک ... میں سمجھ گیا۔" سرکاش کو پھر جیسے کوئی خیال آیا۔ اس نے بڑی راز
...سے پوچھا۔ "جعفر بھائی اگر وہ تمہاری ترن کوزی آئے تو اسے کیا بتاؤں۔"
...یہ بات قابل غور ہے۔" جعفر سوچنے لگا۔
...وہ باتیں کرتے ہوئے اندر پہنچے۔ سرکاش اسے چھوڑ کے کھانا لینے چلا گیا۔ جعفر کا
...تکان سے چور ہو رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ غسل کر کے تھکن دور کرے مگر بڑی سرد ہوا
...رہی تھی۔ دانت بجنے لگے تھے۔ جعفر نے کپڑے بدلنے پر اکتفا کیا۔ سرکاش کھانا لے

...جعفر بھائی۔ تم نے بتایا نہیں۔ ترن کوزی کو کیا جواب دیا جائے؟" سرکاش نے
...کے دوران کہا۔
...جعفر کا ہاتھ رک گیا۔" میں اب تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں۔"
سرکاش نے اسے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور بولا۔ "کھانے کے بعد میں اپنے
...کے پاس جاؤں گا۔ وہ بھی ایک سرائے کا مالک ہے۔ وہ اتنی بڑی سرائے تو نہیں
...کو تکلیف نہ ہو گی۔ وہ تمہارا ہر حکم مانے گا اور آرام کا خیال رکھے گا۔ اس
...کوئی فیصلہ کر چھوڑنا کیوں کہ ترن کوزی کسی وقت آ سکتی ہے۔ اسے کچھ تو جواب
...گا۔"
...سنو سرکاش۔ میں ترن کوزی کو اپنے تمام ٹھکانوں کا پتہ نہیں بتانا چاہتا۔ وہ آئے تو

کہہ دینا کہ میں ابھی تک دمشق میں ہوں۔" جعفر نے اپنا فیصلہ اسی وقت سنا دیا۔
"لیکن جعفر بھائی۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ اس سے تم کیوں نہیں ملنا چاہ
"کیوں کہ وہ خود مجھ سے نہیں ملنا چاہتی۔"
"ہیں۔ یہ کیا کہہ رہے ہو؟" سرکاش نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ "
ڈھونڈتی ہوئی یہاں تک آئی تھی۔"
جعفر مسکرایا۔ "یہ سب محبت کی ادائیں ہیں سرکاش بھائی۔ ترن کوزی
تک اپنا پتہ نہیں بتایا حالانکہ وہ بھی بعلبک میں رہ رہی ہے۔"
"ہونہہ۔ تو یہ بات ہے۔ اب میں سمجھا۔"
تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سرکاش دوسری سرائے میں چلا گیا۔ اس
سرائے والے عزت کرتے تھے نہ صرف اس وجہ سے کہ سرکاش کی سرائے سر
سرائے تھی اور وہاں اکثر شاہی مہمان یا خاص خاص لوگ قیام کرتے تھے بلکہ اس
بھی کہ وہ زبان کا میٹھا اور دوستوں کا اچھا دوست تھا۔ سرکاش جس جگہ جعفر
انتظام کرنا چاہتا تھا وہ سرائے اس عبادت خانے کے جنوبی سرے پر واقع تھی
کوزی اور جعفر کی پہلی رومان انگیز ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے سرائے کے مالک
کہ وہ جس دوست کو اس کی سرائے میں رکھنا چاہتا ہے وہ ایک خلوت پسند عالم
ہے اور اسے اپنے کام کے لئے انتہائی پرسکون گوشہ چاہئے۔ اس لئے اسے بالکل
کیا جائے۔
ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد وہ واپس آ گیا۔ جعفر اس کے انتظار میں
جاگ رہا تھا۔ سرکاش نے حسب عادت جعفر کے نئے ٹھکانے کی دل بھر کے تعریف
اسے بالکل مطمئن کر دیا کہ اس جگہ جعفر کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی اور اس
طرف آنے کا کوئی تصور بھی نہ کرے گا۔ جعفر کو اس کی اس کارگزاری سے
ہوئی۔ جعفر کی اس سرائے میں چونکہ آخری رات تھی اس لئے سرکاش اس
زیادہ باتیں کرنا چاہتا تھا جعفر گرم پانی سے نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا تھا اس
سرکاش کو نہ منع کیا اور نہ اسے جا کر سونے کے لئے کہا۔ یہ دونوں باقی رات باتیں
رہے اور جب سویرا ہونے کے قریب ہوا تو جعفر اور سرکاش ایک ہی بستر پر
گئے۔
لیکن وہ صبح ان کے لئے قیامت کا پیغام لے کے آئی ادھر مسجدوں میں فجر
رہی تھی اور ادھر جعفر کی کوٹھری کے کواڑ کو کوئی باہر سے پیٹ رہا تھا۔ پہلے سرا

دماغ کی ...ھم روشنی میں اس نے کواڑ لرزتے دیکھے تو گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے
سخت غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ سرائے کا مالک تھا اور اس کا سخت حکم تھا
پہنچنے والے پر کسی مسافر کو نہ جگایا جائے۔ پھر یہ جعفر کی کوٹھری پر آنے کی کس نے
کے وقت سرکاش نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا اور اس کے ساتھ ہی پانچ چھ مسلح آدمی
میں زبردستی گھس آئے۔ سرکاش ہکا بکا رہ گیا۔
تم آگے قاضی کا وہ آدمی تھا جو ایک بار سرکاش سے پہلے بھی مل چکا تھا۔ وہ گھبرا
کر اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔ جعفر اب تک بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ
بیچ کر سویا ہے۔ قاضی کے کارندے نے جھٹ سے تلوار نکال کر جعفر کے سینے پر

"اٹھ جا جعفر۔" اس نے بڑے رعب سے کہا۔
جعفر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ تلوار اس کے سینے پر رکھی تھی۔ وہ حرکت بھی
کر سکتا تھا۔ اس نے نظریں گھما کر ادھر ادھر دیکھا جہاں تک اس کی نظر جا سکتی تھی۔
کھڑا کانپ رہا تھا۔ اس وقت تک پورا کمرہ مسلح سپاہیوں سے بھر گیا تھا۔
"اٹھتا کیوں نہیں۔؟" قاضی کے آدمی نے دوبارہ حکم دیا۔
"تم بھی عجیب آدمی ہو۔ تلوار سینے سے لگی ہے اور کہہ رہے کہ اٹھ جا۔" جعفر نے
اطمینان سے کہا اور اپنا ہاتھ تلوار کی نوک پر رکھ کر اسے ذرا اونچا اٹھا دیا۔
قاضی کے آدمی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے جلدی سے تلوار جعفر کے سینے
ہٹا لی۔
"بھاگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔" اس نے تلوار میان میں کر لی۔
جعفر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" جعفر نے جمائی لی۔
"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" قاضی کے آدمی نے پھر حکم دیا۔
جعفر چارپائی سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ "ہاں بھئی اب بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو مجھ سے"
"کچھ نہیں۔" قاضی کے آدمی نے بڑی رعونت سے کہا۔
"کچھ نہیں تو پھر یہ ہنگامہ کیسا؟"
"خاموش رہو۔"
"خاموش میں اس وقت ہوں گا جب تم اس بے ہودگی کا سبب بتاؤ گے۔"
"تمہاری گرفتاری کا حکم ہے۔"
"کس کا حکم ہے۔ کیا جرم ہے میرا؟"

"ہمیں بتانے کا حکم نہیں۔"

"پھر تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"کیا تم مزاحمت کرو گے۔ ہم سے لڑو گے؟"

سرکاش جو اب تک گم سم کھڑا تھا۔ اس کے جسم میں جیسے بجلیاں بھر گئیں کر قاضی کے آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ "بھائی جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ تم قاضی کے کیوں نہیں دیتے کہ تمہیں قاضی نے حکم دیا ہے۔ اتنا کہنے سے تمہاری زبان گھ جائے گی۔ جعفر بھائی میرے دوست ہیں۔ میں قاضی کی عدالت میں ان کی گواہ جعفر بھائی۔ نیک مزاج اور نیک آدمی ہیں۔ ان پر کسی نے جھوٹا مقدمہ کیا ہو گا؟"

"یہ قاضی کا حکم نہیں ہے اور نہ میں قاضی کا آدمی ہوں۔" اس نے انکار سرکاش حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔

"تم عجیب جھوٹے آدمی ہو۔ اس دن خود کو قاضی کا آدمی بتا رہے تھے۔ میں عدالت میں تم پر جھوٹ بولنے کا مقدمہ دائر کروں گا۔" سرکاش کو اس کے جھو غصہ آ رہا تھا۔

"بکواس بند کرو' ورنہ تمہیں بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"کیا خوب' کیوں پکڑ لیا جائے گا مجھے۔ کیا جرم کیا ہے میں نے۔ میں ا شہری ہوں۔ شہر کے کوتوال مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔" سرکاش بھی اکڑ گیا۔

"ہم شہر کوتوال ہی کے حکم سے جعفر کو گرفتار کر رہے ہیں۔"

"کس جرم میں؟" جعفر تڑخ کے بولا۔ "میں مسافر آدمی ہوں۔ میں نے کیا"

"وہاں چل کر سب معلوم ہو جائے گا۔ چپ چاپ ہمارے ساتھ چلو۔"

سرکاش نے شہر کوتوال کو نام لے کر قاضی کے آدمی کو مرعوب کرنے کی تھی لیکن جب اس نے بتایا کہ وہ شہر کوتوال کے حکم سے جعفر کو گرفتار کر رہا ہے ساری شان دھری رہ گئی۔ اس نے شہر کوتوال کا نام بس یونہی لے لیا تھا ورنہ وہ بعلبک کا شہر کوتوال برازق بویہ نہایت ظالم انسان ہے۔ وہ کسی کی رو رعایت برازق بویہ کو معین الدین انز نے اپنی جاگیر کا ناظم بنا کر شہر کوتوال کا خطاب دیا تھا اپنے آپ کو بعلبک کا گورنر سمجھتا تھا۔ سفارش تو وہ کسی کی مانتا ہی نہ تھا۔ ایک الدین انز نے اسے ایک مجرم کو چھوڑنے کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے آقا سے بھی ا برازق کا تعلق دمشق کے شاہ بویہ کے خاندان سے تھا مگر اس کی اپنے خاندان والو بنتی تھی۔ اس لئے اس نے شاہی ملازمت چھوڑ کر معین الدین کی غلامی قبول کر

معین الدین اس کی بہت قدر کرتا تھا اور اپنی جاگیر کے معاملات میں بالکل دخل نہ دیتا تھا۔ دمشق میں جو حالات پیش آئے تھے اس سے معین الدین بہت محتاط ہو گیا تھا۔ اس امیر موصل کو میدان جنگ میں نہیں مگر سیاسی طور پر ضرور شکست دی تھی مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امیر موصل نچلا بیٹھنے والا انسان نہیں۔ وہ موقع پاتے ہی پھر دمشق پر چڑھ دوڑے گا۔ معین الدین نے اسی لئے برازق بویہ کو بھی محتاط کر دیا تھا۔ برازق خود بہت محتاط انسان تھا۔ اسے معین الدین نے محتاط کیا تھا کہ بعلبک میں آنے جانے والوں اور آباد ہونے والوں پر نظر رکھے کیونکہ دشمن کے جاسوسوں کا ہر وقت خطرہ تھا اور موصل کے جاسوس تو اس علاقے میں مشہور تھے۔ برازق کے آدمی بھیس بدل کر بعلبک کی تمام سراؤں میں گھومتے رہتے تھے اور ہر آنے جانے والے قافلے کے بارے میں مکمل اطلاعات رکھتے تھے۔

جب دمشق سے آنے والا قافلہ جس میں جعفر اور ترن کوزی شامل تھے چند روز قیام کر کے آگے بڑھ گیا تو برازق کے جاسوسوں نے سرکاش کی سرائے کو گھیر لیا۔ قافلے کی روانگی کے بعد بھی سرائے میں چار پانچ آدمی مقیم تھے۔ یہی بات مشکوک تھی اور انہیں ان پیچھے رہ جانے والوں کے حالات کی جستجو تھی۔ انہیں جعفر پر پہلے ہی کچھ شک تھا پھر جعفر کی عدم موجودگی میں سرکاش نے اپنی سادگی اور بے وقوفی کے تحت جعفر کے حالات خود ان سے بڑی شان سے بیان کئے تو ان کا شک یقین میں بدل گیا۔ فوراً" شہر کوتوال کو اطلاع دی گئی۔ شہر کوتوال نے یہ معلوم کرنے کی زحمت نہیں کی کہ جعفر کون شخص ہے۔ اور اس کا کس جگہ سے تعلق ہے اس کے لئے تو بس یہ کافی تھا کہ اس کے جاسوسوں کے مطابق وہ ایک مشکوک شخص تھا اور کسی مشکوک شخص کا آزادی کے ساتھ بعلبک میں رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس نے جعفر کی گرفتاری کا فوراً" حکم دے دیا اور جعفر دمشق سے واپس آتے ہی اپنے نادان دوست کی حماقت کی وجہ سے دھر لیا گیا۔

جعفر کا خیال تھا کہ اسے شہر کوتوال کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ اپنی چرب زبانی اور فطری ذہانت کے زور پر خود کو بے قصور ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر شاہی زمانے میں حاکم وقت یا حاکم علاقہ کا حکم ہی قانون ہوتا تھا۔ شہر کوتوال نے حکم دیا تھا کہ مشکوک شخص کو سرائے سے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جائے۔ تعمیل کرنے والوں کے لئے یہ حکم کافی تھا۔ انہوں نے جعفر کو سرکاش کی چیخ پکار اور رونے دھونے کے درمیان گرفتار کیا اور سیدھے قید خانے لے گئے۔ جعفر چیختا ہی رہ گیا کہ اسے کوتوال کے سامنے لے جایا جائے تاکہ وہ اپنی بے گناہی کا ثبوت دے سکے مگر توبہ کیجئے ایسی باتیں کون سنتا ہے

اس کے واویلا پر کسی نے رتی برابر توجہ نہ دی۔

جعفر کو ایک تنگ کمرے میں ڈال دیا گیا۔ یہ کمرہ دس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا
اونچائی بھی جعفر کے اندازے کے مطابق تقریباً" بارہ فٹ تھی۔ تمام دیواریں پتھر کی
چھت کے قریب ایک مربع فٹ کا روشن دان تھا جس میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں
تھیں۔ صرف ایک چھوٹا دروازہ تھا جس سے سر جھکا کر جعفر اندر آیا تھا۔ جعفر نے
نظر میں یہ اندازہ لگا لیا کہ یہاں سے بھاگ نکلنے کا کوئی طریقہ استعمال نہیں کیا جا سکتا
جعفر زندگی میں پہلی بار اس طرح کی مصیبت میں پھنسا تھا۔ رہائی کی صرف یہی صورت
کہ اسے کسی حاکم مجاز کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکے مگر
یہ موقع کب ملے گا اس کا اسے کوئی پتہ نہ تھا۔ کھانے کی طرف سے اسے کوئی پریشا
تھی۔ اسے دونوں وقت اچھا کھانا ملتا اور کھانا اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ وہ اسے کھا
سکتا تھا۔

ادھر جعفر قید تنہائی میں مبتلا تھا ادھر سرائے میں غریب سرکاش کا اپنے دوست
میں برا حال تھا۔ اس نے کئی بار قاضی کی عدالت کے چکر لگائے تھے کہ شاید جعفر کا
پیش ہو مگر اسے ہر بار ناکامی ہوئی تھی۔ شہر کوتوال برازق بویہ کے محل میں بھی وہ ایک
ہو آیا تھا مگر وہاں سے بھی اسے جعفر کا پتہ نشان نہ ملا تھا۔ وہ دراصل اس آدمی کو ڈھو
تھا جو جعفر کو گرفتار کرنے آیا تھا مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔ سرکاش اپنے دوست
گرفتاری سے اس قدر دل برداشتہ ہوا تھا کہ اس کا کسی کام میں جی نہ لگتا تھا۔ طبیعت
وقت چڑچڑاتی رہتی۔ لوگوں سے باتیں اس طرح کرتا جیسے ان سے لڑ رہا ہو۔

ایک دوپہر سرکاش' جعفر کے خیالوں میں الجھا بیٹھا تھا کہ ترن کوزی آ گئی۔ وہ
خوش نظر آ رہی تھی۔ سرکاش کی طبیعت چڑی ہوئی تھی۔ اس نے جل کے کہا۔ "
خوش نظر آ رہی ہو ترن کوزی۔ کیا کوئی خزانہ مل گیا ہے؟"

ترن کوزی نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔ "سرکاش تمہیں میرا نام کس
بتایا؟"

"تم نے نہیں بتایا تو کیا جعفر بھائی بھی نہ بتاتے۔ وہ میرے جگری دوست ہیں
سے کوئی بات نہیں چھپاتے۔ مجھے انہوں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" ترن کوزی کے
سے سرکاش کا دماغ کچھ ٹھیک ہو گیا تھا اور اب وہ چہک چہک کر باتیں کرنے لگا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ جعفر آ گئے ہیں کہاں ہیں وہ؟" ترن کوزی کی خوشی
تھی۔

"مجھے کیا پتہ کہاں ہیں۔ میں خود انہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہو سرکاش۔ کیا جعفر دمشق سے واپس نہیں آئے؟"

"دمشق سے آئے تھے مگر دوسرے دن پھر چلے گئے"۔

"کہاں چلے گئے۔ تمہیں کچھ بتایا تو ہو گا۔؟"

"نہیں خود نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔"

"تم ہوش میں نہیں معلوم ہوتے سرکاش۔ کیا بے تکی باتیں کر رہے ہو؟"

"اور کیسی باتیں کروں ترن کوزی"۔ وہ ایک دم آبدیدہ ہو گیا۔ "جب سے جعفر بھائی
گرفتار ہوئے ہیں۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ تم نہیں جانتیں' مجھے جعفر بھائی سے کتنی محبت
ہے"

ترن کوزی' جعفر کی گرفتاری کی خبر سن کر سناٹے میں آ گئی اسے یہ شبہ تو ضرور تھا کہ
جعفر کا تعلق ایسے گروہ سے ہے جو دمشق اور دمشق کی حوالے سے بعلبک کے خلاف
کارروائی میں مصروف ہے۔ جعفر کو اس نے اسی وجہ سے ایک رات طویل ملاقات کا موقع
دیا تھا۔ وہ جعفر سے اس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کوشش میں وہ جعفر کی
وجاہت سے مرعوب ہو گئی۔ دوسری طرف جعفر کو بھی ترن کوزی کی محتاط گفتگو نے ایک
نامعلوم شبہ میں گرفتار کر دیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ ترن کوزی کو چاہنے بھی لگا تھا۔ پھر
جب اس نے ترن کوزی کو برازق بویہ کے محل سے نکلتے دیکھا تو اس کا شبہ یقین میں بدل
گیا۔ گرفتاری کے وقت بھی جعفر کے دل کے کسی گوشے سے آواز آئی تھی کہ اس کی
گرفتاری میں ترن کوزی کا ہاتھ ہے مگر دوسرے ہی لمحے اس کے دل نے اس خیال کی تردید
کر دی تھی۔

"یہ بہت برا ہوا سرکاش۔" ترن کوزی نے جیسے خیالوں میں کہا۔ "جعفر کی رہائی بہت
ضروری ہے۔"

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں ترن کوزی۔" سرکاش بے چین ہو گیا۔ "جعفر بھائی
تمہیں بہت چاہتے تھے۔ دمشق سے واپس آئے تو سب سے پہلے انہوں نے تمہارے بارے
میں پوچھا تھا۔ وہ تمہیں تلاش بھی کرنا چاہتے تھے لیکن شاید تم نے انہیں منع کر دیا تھا۔"

"ہاں سرکاش۔ اس میں میری ہی غلطی ہے۔" ترن کوزی نے یوں کہا جیسے جعفر کی
گرفتاری میں اس کی غلطی کا دخل ہو۔ "جعفر تمہاری طرح میرے بھی دوست ہیں۔ مجھے
چاہئے تھا کہ میں انہیں مطلع کر دیتی اور انہیں بعلبک سے چلے جانے کا مشورہ دیتی۔"

سرکاش کی موٹی عقل ترن کوزی کے اشارے کو نہ سمجھ سکی۔ "پھر تم نے انہیں

مشورہ کیوں نہیں دیا ترن کوزی۔"

"یہ ان کی اور میری دونوں کی بدقسمتی ہے۔ مجھے بتانا چاہئے تھا کہ ان کا بعلبک
قیام خطرے سے خالی نہیں۔ اور وہ کسی وقت گرفتار ہو سکتے ہیں۔" ترن کوزی نامعلو
جذبے سے مجبور ہو کر ایک ایسا راز اگل بیٹھی جو اسے نہ بیان کرنا چاہئے تھا۔

سرکاش نے فوراً" اس کی بات پکڑ لی۔ "ترن کوزی کیا تم جانتی تھیں کہ جعفر
گرفتار کر لئے جائیں گے؟"

"ہاں شاید۔" ترن کوزی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "مگر کیوں۔ انہوں نے
تھا ترن کوزی؟"

"شہر کوتوال کو بتایا گیا تھا کہ دشمن کے جاسوس دمشق اور بعلبک میں موجود
ترن کوزی نے دل گرفتگی سے بتایا۔

"کیا... کیا کہا ... جعفر بھائی دشمن کے جاسوس ہیں۔" سرکاش کا جسم ٹھنڈا پڑ
اور اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

ترن کوزی کو اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے بات بنانے کی
کی۔ "ارے نہیں سرکاش تمہارے جعفر بھائی تو نہایت شریف آدمی ہیں۔ بھلا جاسو
کہیں ایسی محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔"

سرکاش کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ "ترن کوزی تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ بھلا
بھائی جاسوس کیسے ہو سکتے ہیں۔ جاسوسوں کی شکلیں ایسی تھوڑی ہوتی ہیں۔ نہ ان
پیار ہوتا ہے۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکا' پھر بولا۔ "مگر تمہیں کس نے بتایا کہ ہمار
میں دشمن کے جاسوس گھس آئے ہیں؟"

ترن کوزی کو اپنا بچاؤ مشکل ہو گیا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ "سرکاش تم سرا
بیٹھے ہو۔ تمہیں شہر کا پتہ نہیں وہاں کیا ہو رہا ہے تم جانتے ہو کہ میرا باپ بیمار ہے
کے علاج کے لئے میں جگہ جگہ جاتی ہوں۔ کچھ دن پہلے میں دمشق گئی تھی۔ وہیں
بات معلوم ہوئی تھی۔ دمشق سے واپس آ کر میں نے سوچا تھا کہ جعفر کو یہ بات بتا د
مگر پاپا کی بیماری کی وجہ سے فرصت نہ مل سکی اور جعفر گرفتار ہو گئے۔"

"مگر جعفر بھائی کو کیوں گرفتار کیا گیا۔ ان پر کس نے شبہ کیا؟ وہ مطمئن نہیں ہوا

"شبہ تو ہر ایک پر ہو سکتا ہے۔ مجھ پر بھی۔ تم پر بھی۔" ترن کوزی نے اسے
کی کوشش کی۔ "دشمن کے جاسوس سرائے میں ٹھہرتے ہیں۔ جعفر بھی بہت دن سے
ٹھہرے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی نے شبہ میں انہیں پکڑ لیا ہو۔"

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہوا ہو گا۔" اسے اطمینان ہوا تو ترن کوزی کی جان

"سرکاش میں نے تم سے کہا ہے کہ تمہاری طرح جعفر بھی میرے دوست ہیں اس
بھی ان کے لئے پریشان ہوں۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہارے دوست کو چھڑا کر
پاس پہنچا دوں۔" ترن کوزی نے ایسے اطمینان سے کہا جیسے وہ کوئی حاکم وقت ہو۔

سرکاش نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "تم ... تم ... تم جعفر بھائی کو چھڑا لاؤ گی۔"

میں کوشش کروں گی۔" ترن کوزی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

ہفتہ بھر سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ جب میں کچھ نہ کر سکا تو تم عورت ہو کر کیا
کرو گی؟"

میری اور تمہاری کوشش میں فرق ہے سرکاش۔" ترن کوزی نے مضبوط لہجے میں
میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ایک ہفتے کے اندر تمہارے جعفر بھائی کو تمہارے
پا دوں گی۔"

ترن کوزی بغیر جواب کا انتظار کئے واپس ہو گئی۔ سرکاش کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا
اس کے کہ ترن کوزی بڑی عجیب و غریب لڑکی ہے۔ اس کی باتیں بھی عجیب و غریب
تھیں۔ اس کا یہ دعویٰ کہ وہ جعفر کو ایک ہفتے کے اندر چھڑا لائے گی۔ یہ بھی ایک
عجیب دعویٰ تھا۔

دوسری رات جب جعفر قیدی کی کوٹھری میں موت اور زندگی کے فاصلے ناپ رہا
کوٹھری کے مختصر روشندان کی لوہے کی سلاخوں پر چوٹ پڑی۔ جعفر نے چوکنا ہو کر

جعفر۔ کیا تم ہو اس کمرے میں؟"

ترن کوزی کی باریک مگر کپکپاتی آواز تھی' جسے شناخت کرنے میں جعفر کو کوئی دقت
اس کا جی چاہا کہ اچک کر سلاخوں سے لپٹ جائے گا مگر روشندان اس کی پہنچ سے

جعفر۔ جلد بتاؤ۔ کیا تم ہو اس کے اندر؟" آواز دوبارہ ابھری۔

ہاں ترن کوزی۔ میں جعفر ہوں مگر تم ...."

جعفر کو کوئی جواب نہ ملا۔ ترن کوزی کی آواز پھر نہ ابھری اور جعفر صبح تک
آنکھیں جمائے گوش بر آواز رہا۔

شب گزیدہ

ترن کوزی بڑی تیزی سے انتیونیس کی عبادت گاہ کی طرف جا رہی تھی۔

سراکش نے جعفر کی گرفتاری کے جو حالات بیان کئے تھے اس سے ترن کوزی نے اندازہ لگایا کہ بعلبک کے کوتوال برازق بویہ کو جعفر کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو[چکا] ہے اور اب جعفر کا بچ جانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ برازق بڑا تندخو حاکم تھا۔ جاسوسوں کے معاملے میں تو وہ اس قدر ظالم اور وحشی تھا کہ ان کے گرفتار ہوتے ہی ان[کی] گردن اڑا دیا کرتا تھا مگر جعفر کی یہ خوش بختی تھی کہ جس دن اسے گرفتار کیا گیا اسی [دن] برازق بویہ کو معین الدین انز نے صلاح مشورے کے لئے دمشق بلوا لیا تھا۔ جعفر کو گرفتار کرنے والے دستے میں قاضی شہر اور کوتوال دونوں کے سوار شامل تھے۔ چونکہ کوتوال [شہر] میں موجود نہ تھا اس وجہ سے جعفر کو قاضی کے حضور پیش کیا گیا مگر قاضی نے اس کا فیصلہ کرنے سے گریز کیا۔ اسے خوف تھا کہ اگر اس نے جعفر کو قتل کرا دیا تو کہیں شہر کوتوال اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شہر کوتوال کی واپسی [تک] جعفر کو قید میں رکھا جائے اور اسے کوتوال کے آنے پر اس کے دربار میں حاضر کیا جائے۔

بعلبک میں صرف ایک قید خانہ تھا جہاں ہر قسم کے مجرم رکھے جاتے تھے مگر جاسو[سوں جیسے خطرناک] قسم کے خطرناک لوگوں کو یا تو فوراً" قتل کر دیا جاتا تھا یا پھر انہیں عیسائی عبادت گاہوں [میں] رکھا جاتا تھا۔ ان عبادت خانوں میں بظاہر عیسائی عبادت و ریاضت میں مصروف نظر آتے [تھے مگر] اندرون خانہ یہ عبادت گاہیں سرکاری جیل خانے تھے۔ عبادت گاہ کا پادری جیلر کا فرض

[ادا] کرتا اور اس کا کارندے قیدیوں کی حفاظت کرتے تھے۔ عیسائی پادریوں کو اس کام کے صلے [میں] حکومت کی طرف بہت سی مراعات حاصل ہوتی تھیں جن سے وہ جائز اور ناجائز فائدے اٹھاتے تھے۔ ان پادریوں کو صرف مسلم حاکموں ہی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا بلکہ یہ ساحل کی [تما]م عیسائی ریاستوں کے لئے بھی جاسوسی کرتے تھے اور اس طرح انہیں مسلمانوں اور [عی]سائی بادشاہوں سے دہرا فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے دمشق کے دربار میں [عی]سائی پادریوں کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔

ترن کوزی عبادت گاہ میں داخل ہوئی تو اس نے اپنے باپ پادری فلپ کو بڑی بے [چی]نی کے عالم میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ یہ وہی بیمار اور بوڑھا فلپ تھا جو دمشق سے آنے [و]الے قافلے کے ساتھ بعلبک پہنچا تھا۔ فلپ دراصل اس عبادت گاہ کا بڑا پادری تھا۔ اس [نے] "مصلحتاً" ایک پادری کا روپ دھارا تھا تاکہ بعلبک کے مسلمانوں کو اس پر کوئی شک نہ ہو سکے۔

فلپ پریشان دکھائی دے رہا تھا مگر تھا بہت چاق و چوبند۔ سراکش کی سرائے میں اسی [ح]ال کا بیمار فلپ اس وقت چالیس سال سے بھی کم عمر کا معلوم ہو رہا تھا۔ حقیقت میں اس کی اصل عمر بھی اتنی ہی تھی۔

"تم کہاں گئی تھیں ترن؟" فلپ نے ترن کوزی کو داخل ہوتے ہی بڑی بے چینی سے سوال کیا۔

"جعفر سے ملنے گئی تھی پاپا۔" ترن کوزی نے بے تکلف کہہ دیا۔

"ترن تمہیں جعفر کی پڑی ہے اور ہماری جانیں داؤ پر لگ گئی ہیں۔" فلپ کا لہجہ بہت ناگوار تھا۔

"کیا قیامت آ گئی پاپا۔ آپ اس قدر جلد گھبرا کیوں جاتے ہیں۔" ترن کوزی کا لہجہ بھی سخت ہو گیا "میں بعلبک سرکار کی چوبیس گھنٹے کی ملازم تو نہیں کہ اپنا کوئی ذاتی کام ہی نہ کر سکوں۔"

فلپ نرم پڑ گیا۔ "ترن ۔ تو باپ کی محبت کو نہیں جانتی۔ تو میرے پاس اپنی مرحوم [ما]ں کی امانت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تیری ماں کی روح سے شرمندہ ہوں۔ فلپ کی آنکھوں [می]ں واقعی آنسو آ گئے"۔

"پاپا"۔ اور ترن کوزی نے آگے بڑھ کے باپ کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے "میں بچی [نہیں ر]ہی ہوں پاپا۔ آپ میری فکر نہ کیا کیجئے۔ میں اپنی حفاظت آپ کر سکتی ہوں۔"

"یہ تو بعلبک ہے مگر میں اپنے دل کو کیا کروں۔ ابھی دمشق سے لارنس آیا ہے۔ وہ

بتا رہا تھا کہ امیر موصل عماد الدین زنگی کا لشکر ایک بار پھر دمشق کا رخ کر رہا ہے۔"

"یہ کوئی اہم خبر نہیں پاپا۔" ترن کوزی افسردہ ہو گئی۔ "میں شہر کوتوال کی غلامی کر
کرتے تھک چکی ہوں ۔میں ایک عورت بھی تو ہوں پاپا۔ آپ یہ کیوں بھولتے ہیں کہ ا
عورت کے اپنے بھی جذبات ہوتے ہیں۔ اب مجھ سے جاسوسی کا کام نہیں ہوتا۔ میں ا
پرسکون زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ اپنا گھر بنانا اور حقیقت میں عورت بننا چاہتی ہوں۔"

"ترن ۔ بیٹی تو آج یہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔" فلپ نے اسے سینے سے الگ کر
ہوئے کہا۔ میں نے تجھے جعفر سے ملاقات کرنے سے منع تو نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ
ایک خطرناک راستے پر چل رہی ہے اور اس کا انجام کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں صرف
چاہتا ہوں کہ تو احتیاط سے کام لے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھا جس سے تیرے اور جعفر
تعلقات لوگوں کی نظروں میں آئیں اور ہماری عیسائی دنیا کسی مصیبت میں پھنس جائے۔"

"مگر میں تو مصیبت میں پھنس گئی ہوں پاپا۔" ترن کوزی کا لہجہ اک دم سپاٹ اور ا
ہو گیا۔

"کیسی مصیبت۔ کیا ہوا تجھے مجھے جلد بتا بیٹی؟" فلپ نے گھبراہٹ میں ایک ساتھ
سوال کر ڈالے۔

"پاپا۔ اس مصیبت سے صرف آپ ہی مجھے بچا سکتے ہیں؟۔"

"تو مجھے غیر کیوں سمجھتی ہے ترن ۔ تیری مصیبت۔ میری مصیبت ہے۔ تیرے لئے
میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ یہ سب پاپڑ تو تیرے ہی لئے بیل رہا ہوں۔ ورنہ میں ا
تک روم چلا گیا ہوتا۔ "فلپ نے اپنی کمال شفقت کا اظہار کیا۔

"تو آپ میری مصیبت دور کرنے پر تیار ہیں؟" ترن کوزی نے اٹھلا کے کہا۔

"پگلی۔ مصیبت دور نہیں کروں گا تو کیا خوشی سے ناچوں گا۔"

"تو پھر جعفر کو بچا لیجئے پاپا۔"

فلپ چونک پڑا۔ کیا ہوا جعفر کو۔ مجھے تو اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں؟"

ترن کوزی نے بڑی افسردگی سے جواب دیا۔ "پاپا۔ جعفر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"کس کے حکم سے گرفتار ہوا ہے۔ جعفر؟"

"کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ اسے سرائے
گرفتار کیا گیا ہے۔ گرفتار کرنے والے سواروں میں کچھ لوگ قاضی شہر کے تھے ممکن
کہ گرفتاری کا حکم قاضی نے دیا ہو۔ شہر کوتوال اس وقت دمشق گیا ہوا ہے اس بات کا
امکان ہے کہ ہو گرفتاری کا حکم دیکر گیا ہو "ترن کوزی کی سمجھ میں جو کچھ آیا وہ بیان

پ کو شاید ترن کوزی کی باتوں سے اطمینان نہ ہوا۔ "ترن کوزی۔ تمہاری گفتگو سے
واضح نہیں ہوتی۔ قاضی شہر کا کام صرف مقدمات نپٹانا ہے۔ وہ کسی کی گرفتاری کا
نہیں دے سکتا اور اگر اس نے یہ حکم دیا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہو گی۔"

ترن کوزی نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پاپا۔ شہر کوتوال نے قاضی پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی
کہ وہ مشتبہ لوگوں پر نظر رکھے اور ان کی ایک فہرست شہر کوتوال کو ہفتے کے ہفتے بھجوایا
۔ اس ذمہ داری کے تحت قاضی کسی بھی شخص کو گرفتار کر سکتا ہے۔"

"میں تمہارا ساتھ ہر صورت دوں گا۔ "فلپ نے بڑی شفقت سے کہا۔ "لیکن فی
تمہیں صبر سے کام لینا ہو گا۔ سردار برازق کو دمشق سے واپس آنے دو۔ ان کے واپس
ہی پر اصل حالات معلوم ہو سکیں گے پھر اس کے مطابق کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔"

ترن کوزی بے چین ہو گئی۔ جس گھڑی سے اسے جعفر کی گرفتاری کی خبر ملی تھی اسے
اٹھ رہے تھے اور طرح طرح کے وسوسوں نے اسے گھیر لیا تھا۔" پاپا۔ آپ شہر کوتوال
تخت مزاجی سے واقف نہیں اگر اس نے واپس آتے ہی جعفر کے قتل کا حکم دے دیا تو
کیا ہو گا؟"

یہ بات وقعی قابل غور تھی۔ فلپ بھی پریشان ہو گیا۔ "بیٹی ۔ مجھ جیسا مجبور انسان اپنی
ے آگے تو نہیں جا سکتا۔ میں بعلبک کا حاکم نہیں کہ جعفر کو فوراً" آزاد کر دوں۔ یہ تو
ت دمشق کی مہربانی ہے کہ وہ پادریوں کا اس قدر خیال رکھتے ہیں-----"

"میں آپ سے اتفاق نہیں کرتی پاپا------" ترن کوزی نے دخل دیا۔ "سلطنت
ام پر کوئی احسان نہیں کرتی۔ شاہ دمشق ہم پر محض اس لئے مہربان ہے کہ یروشلم،
ر اور الرہا وغیرہ کی عیسائی ریاستیں امیر موصل کے خلاف دمشق کی مدد کو ہر وقت تیار
ہیں پھر شاہ دمشق اور وزیر اعظم معین الدین انز نے ہماری ہر عبادت گاہ کو اپنا قید
ار کھا ہے۔ ہم سے دمشق کے دشمنوں کے خلاف جاسوسی کا کام لیا جاتا ہے۔ کیا ان
مات کے صلے میں آپ ان سے کچھ طلب نہیں کر سکتے؟"

فلپ بیٹی کی جذباتی تقریر سے گھبرا گیا "ترن کوزی۔ جذباتی نہ بنو۔ یہ بڑا اہم مسئلہ
جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ جعفر کی اصلیت کیا ہے اور اسے کس بنا پر گرفتار کیا گیا
اس وقت تک میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے کچھ وقت تو دو۔؟"

ترن کوزی کے جذبات اور بھڑک اٹھے۔ اس نے زور دے کے کہا۔ "پاپا۔ فرض کیجئے
جعفر کے بارے میں پتہ لگا کر وہ کسی دشمن ملک کا جاسوس ہے تو کیا آپ اسے چھڑانے

کی کوشش نہیں کریں گے؟"

"میں قبل از وقت کچھ نہں کہہ سکتا ترن۔" فلپ نے اسے ٹھنڈا کرنے
کہا۔ "مگر یہ یقین رکھو کہ جعفر کو آزاد کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوں گا۔"

"پاپا۔ آپ مجھ سے صاف الفاظ میں وعدہ کیجئے کہ آپ جعفر کو آزاد کرا لیں
اس کے لئے آپ کو کوئی بھی قربانی دینا پڑے" ترن کوزی ضد پکڑ گئی۔ "جب تک آ
نہ کریں گے میں پانی تک نہ پیئوں گی۔"

دنیا میں تین طرح کی ضدیں مشہور ہیں۔ جن کی وجہ سے بعض اوقات تار
دھارے تک بدل گئے ہیں۔ ضد یا ہت کی ایک قسم کو راج ہٹ کہتے ہیں۔ ا
راجہ۔ بادشاہ یا حاکم وقت ضد پر آجائے تو ہزاروں بے گناہوں کا خون بہہ جاتا ہے ا
تک راجہ کی ضد پوری نہ ہوا اسے چین نہیں ملتا۔ دوسری ضد۔ تریا ہٹ کہلاتی
خواتین کی ضد ہے جسے مردوں کو جان پر کھیل کے پورا کرنا پڑتا ہے۔ تیسرے اور
ضد۔ بالک ہٹ کہلاتی ہے۔ یعنی اولاد کی ضد۔ اولاد کی ضد کو بھی والدین پورا کر
مجبور ہوتے ہیں اور اگر یہ پوری نہ کی جائے تو اس کے اکثر خطرناک نتیجے برآمد ہوتے

ترن کوزی کی ضد۔ بالک ہٹ کے تحت آئی تھی۔ فلپ کے لئے یہ کسی طرح
تھا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کی بات اور بات بھی وہ جو ضد کی صورت اختیار کر چکی
ٹال جائے یا انکار کرے۔ فلپ کو بھی ہتھیار ڈالنا پڑے۔

"چل ترن کوزی کھانا کھا لے۔ جو تو چاہتی ہے وہی ہوگا۔ میں تیرے جعفر
لاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

ترن کوزی کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ وہ باپ کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئی۔

فلپ نے جعفر کو چھڑانے کا وعدہ تو کر لیا تھا مگر وہ سخت متفکر تھا۔ اسے اب
نہ معلوم ہو سکا تھا کہ جعفر کو کس کے حکم سے اور کس جرم کے تحت گرفتار کیا گ
اسے یہ تو اعتبار تھا کہ اگر وہ شہر کوتوال کے سامنے اپنی بات پر اڑ گیا تو اسے فلپ کا
ماننا پڑے گا۔ فلپ کے نہ صرف برازق بویہ سے اچھے مراسم تھے بلکہ اس کی پہنچ وز
وزیر اعظم معین الدین انز تک بھی تھی۔ انز نے فلپ سے بہت سے کام لئے تھے
یروشلم کے درمیان خط و کتابت اور پیام و سلام فلپ کے ذریعے ہی ہوتے تھے فلپ
طرف سے عیسائی جاسوسوں کا سربراہ بھی تھا۔ خود ترن کوزی نے بھی انز کے بہت
کام انجام دیے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ترن کوزی اب بھی پریشان تھی۔ ا
اپنے ذرائع سے جعفر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن

کامیابی نہ ہوئی تھی۔

کھانے کے دوران فلپ اور ترن کوزی دونوں ہی خاموش رہے۔ وہ اپنے اپنے خیال
میں۔ ترن کوزی کو اس بات کا احساس تھا کہ اس نے باپ سے ایک ایسی بات کی
تھی جو کسی طرح مناسب نہ تھی لیکن وہ اپنے دل کو کیا کرتی۔ جعفر کی محبت ایک ہی
میں اس کے دل میں کچھ اس طرح گھر کر گئی تھی کہ وہ اس کے لئے سب کچھ
پر تیار تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ جعفر کو آزاد کرانے کے بعد وہ اس سے گھر
کی درخواست کرے گی اور اگر جعفر آمادہ ہو گیا تو اسے ساتھ لے کر کسی ایسے ملک
چلی جائے گی جہاں نہ ملکی سیاست کے جھمیلے ہوں اور نہ اسے ریشہ دوانیوں میں حصہ لینا
مگر یہ سب باتیں بعد کی تھیں۔ سب سے اہم معاملہ تو جعفر کی رہائی کا تھا۔ کھانے
بعد فلپ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ترن کوزی۔ جعفر کی رہائی میں تجھے میرا ساتھ دینا

"میں نے کب انکار کیا ہے پاپا۔ جعفر کے لئے میں جان پر کھیل جاؤں گی۔" ترن
نے بڑے جوش سے کہا۔

فلپ نے اسے سمجھایا۔ "ترن کوزی۔ ہر کام منصوبہ بنا کر کیا جاتا ہے۔ اس سے تو تو
...ہے؟۔"

ترن کوزی جانے کیوں چڑ گئی۔ "پاپا۔ آپ کو ملک فتح نہیں کرنا ہے صرف جعفر کو آزاد
ہے۔ اس کے لئے کسی لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ شہر کوتوال
کہ وہ جعفر کو آزاد کر دیں میرا خیال ہے کہ شہر کوتوال آپ کی بات نہ ٹال سکے

فلپ نے سوچ کے کہا۔ "اگر برازق بویہ نے پوچھا کہ تمہارا ایک مسلمان سے کیا
ہے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اسے یہ سوال کرنے کا حق ہے اور وہ یہ ضرور پوچھے

ترن کوزی کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ وہ دیر تک الجھتی رہی پھر اک دم بولی۔ "آپ کہہ
اگر جعفر نے کسی وقت آپ پر احسان کیا تھا اور آپ اس احسان کا بدلہ چکانا چاہتے

مگر اگر برازق بویہ نے سوال کیا کہ تمہیں جعفر کی گرفتاری کی خبر کس نے دی تو میں
کیا بولوں گا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ جعفر کو کس جگہ قید کیا گیا ہے؟"

ترن کوزی جھلا اٹھی۔ "پاپا شہر کوتوال کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ اس طرح کے فضول

سوالات کرتا پھرے۔ بہرحال میں یہ پتہ لگا لوں گی کہ جعفر کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"ہو سکے تو یہ بھی معلوم کرانا کہ اسے کیوں اور کس کے حکم سے گرفتار کیا"

"اس بات کی بھی کوشش کروں گی۔"

ترن کوزی کو جعفر کی گرفتاری نے اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ کھانا کھا نے باہر جانے کا قصد کیا۔ اس کا باپ اگرچہ ترن کوزی اور جعفر کے معاملات تھا لیکن عیسائی پھر پادری ہونے کی حیثیت سے وہ اس بات کو پسند نہ کرتا تھا کہ اپنے منگیتر لارنس کو بھول کے جعفر کی محبت میں دیوانی ہو جائے۔ ایک بات یہ تھی کہ ترن کوزی ایک یتیم بچی تھی اور فلپ نے اسے گود لے کے اپنی بیٹی تھا۔ یہ بات کس طرح ترن کوزی کے کانوں تک بھی پہنچی تھی اور اس سلسلے فلپ سے بڑی طویل گفتگو کی تھی اور فلپ نے بڑی جرائت سے اس افواہ کی اور ترن کوزی کو پوری طرح یقین دلا دیا تھا کہ وہ اس کی ہی بیٹی ہے اور یہ بات دشمنوں نے اڑائی ہے۔ دوسری طرف لارنس تھا جو فلپ کی سگی بہن کا بیٹا تھا لارنس کو بھی گود لے لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جوان ہونے پر وہ ترن کوزی ا شادی کر دے گا اور اپنی تمام خفیہ دولت ان کے حوالے کر کے تسکین قلب چلا جائے گا کیونکہ روم عیسائیوں کا سب سے متبرک مقام تھا اور وہاں لارڈ پادر کا فادر کہلاتا تھا۔

لارنس کے طور طریق بچپن ہی سے اچھے نہ تھے۔ اس کے ہوش سنبھالنے اس کے والدین اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ فلپ کے لاڈ پیار نے اسے اور اس کی حرکتیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ ترن کوزی اس کی صورت دیکھنا بھی تھی پھر جب ترن کوزی نے جوانی میں قدم رکھا اور فلپ نے اپنا عندیہ اس پ ترن کوزی نے لارنس سے شادی کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور صاف الفاظ میں اگر زیادہ مجبور کیا گیا تو وہ انیتونیس کی عبادت گاہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گی کا باپ تھا یا نہیں تھا۔ اس سے قطع نظر اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اسے ترن بے انتہا محبت تھی۔ ترن کوزی زیور حسن کے علاوہ عقل و خرد سے بھی بہرہ ور فلپ کو مذہبی معاملات کی ادائیگی کے علاوہ حکومت وقت کے لئے جاسوسی بھی کر اس لیے وہ ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ فلپ کی اس پریشانی کو ترن کوزی نے تھا۔ اس نے فلپ کے جاسوسی کے کام کو اپنے ذمہ لے لیا تھا اور وہ اس کام ماہر ہو گئی تھی کہ دس دن میں ہونے والے کام کو وہ دو دن میں نمٹا دیتی تھی۔

لارنس کو یہ زعم تھا کہ وہ انیتونیس کی عبادت گاہ کے پادری ہونے کے علاوہ ترن کوزی ہے اس لئے ترن کوزی کو اس کا رعب ماننا چاہیے مگر ترن کوزی اس کی کسی نہ دھرتی تھی بلکہ کھلے عام اس کا تمسخر اڑاتی تھی۔ لارنس اس کی ان باتوں جلتا تھا مگر اسے صبر کرنا پڑتا۔ فلپ ہمیشہ ترن کوزی کی طرف داری کرتا۔ لارنس انیتونیس کا گرجا چھوڑنے کا ارادہ کر لیا لیکن اس طرح وہ فلپ کی تمام خفیہ محروم ہو جاتا تھا اس لئے اس نے بڑے صبر سے کام لیا اور ترن کوزی کی تلخ و برداشت کرتا رہا۔

پھر ایک دن لارنس اور ترن کوزی میں کسی بات پر سخت جھگڑا ہوا۔ دونوں نے ایک پر غلط الزام لگائے۔ تو تو میں میں سے نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ فلپ اس دن اول برازق بوبیہ سے ملنے گیا ہوا تھا۔ وہ واپس آیا تو دونوں اس وقت بھی دست و ہاں تھے۔

ترن کوزی نے باپ کو دیکھتے ہی چیخ ماری تھی۔ "پاپا اگر اس شیطان سے میری شادی کی تو میں خودکشی کر لوں گی۔" فلپ سناٹے میں آگیا تھا۔ اس نے ترن کوزی کو انے کی بہت کوشش کی مگر ترن کوزی نے ایک نہ سنی اور صاف الفاظ میں اعلان کر دیا۔ ادت گاہ انیتونیس میں لارنس اور ترن کوزی میں سے صرف ایک ہی ہستی رہ سکتی ہے۔ اگر لارنس کو یہاں سے نہیں نکالتے تو میں خود کسی اور جگہ چلی جاؤں گی۔"

فلپ کی آخری امید بھی ٹوٹ گئی۔ ترن کوزی اس کی بیٹی بھی تھی اور اس کا آدھا کام الے ہوئی تھی اسے فلپ اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے اپنے عزیز اور بھانجے لارنس کو اسی وقت عبادت گاہ سے بیک بینی اور دو گوش ہمیشہ کے لئے نکال دیا تھا۔ لارنس بدمعاش ہونے کے ساتھ لالچی اور بے غیرت بھی تھا۔ اسے ترن کوزی زیادہ فکر نہ تھی لیکن وہ فلپ کی دولت چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے فلپ کے حکم تعمیل کی اور عبادت گاہ چھوڑ کے چلا گیا مگر یہ سب اس کا فریب تھا۔ کچھ دنوں اس نے اس عبادت کا رخ نہ کیا مگر پھر کسی نہ کسی طرح آنے جانے لگا۔ وہ عام طور پر ے وقت گھر جا پہنچتا جب ترن کوزی وہاں موجود نہ ہوتی۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ ترن کوزی سے اس کا سامنا نہ ہو مگر پھر ایک بار ان دونوں کا سامنا ہو ہی گیا۔ لارنس بھیگی بلی کی طرح سر جھکا کے دوسری طرف نکل گیا اور ترن کوزی صرف مسکرا کر رہ گئی اس نے باپ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی۔ وہ فلپ کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھی کیونکہ فلپ نے لارنس کو بھی بالکل اس طرح پالا تھا جیسے وہ ترن کوزی کی پرورش کر رہا تھا

اس طرح لارنس اور ترن کوزی میں ایک خاموش معاہدہ ہو گیا۔ ترن کوزی اس کے کسی
اعتراض نہ کرتی اور لارنس نہ اس سے گفتگو کرتا اور نہ اس کے کسی کام میں دخل دیتا

☆

جعفر نے قید کی کوٹھری میں ترن کوزی کی آواز سنی تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس
ترن کوزی کے سوال کے جواب دے کر قید خانے میں اپنی موجودگی کا یقین بھی دلا دیا
مگر پھر ترن کوزی کی آواز جیسے باہر کی فضا میں تحلیل ہو گئی۔ جعفر نے کئی بار چیخ چیخ کر
اسے پکارا مگر اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی آخر وہ تھک کر ایک طرف پڑ رہا۔ اس
غنودگی سے طاری ہو گئی تھی پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو روشندان کی سلاخوں سے چھن
ہوئی روشنی کی لکیروں اس کی کوٹھری میں لہرا رہی تھیں۔ جعفر نے گزشتہ واقعات یاد کرنے
کی کوشس کی تو اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے ایک
خواب دیکھا تھا جسے وہ غلطی سے حقیقت سمجھ بیٹھا تھا۔

جعفر کی طبیعت اس قدر مضمحل ہوئی کہ وہ دوپہر کا کھانا بھی ٹھیک سے نہ کھا سکا۔ اسے
اپنے ذہنی انتشار پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ قید کے دن کسی نہ کسی طرح وہ گزار رہا تھا مگر
رات کے خواب یا واقعے نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ سوچتا کہ کاش اس نے یہ
خواب نہ دیکھا ہوتا جس نے اس کے سکون کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر اسے کیا معلوم تھا
ترن کوزی واقعی اس کی محبت میں اپنی جان کو ہلکان کر رہی تھی اور پتہ نہیں اس کی رہائی
کے لئے کہاں کہاں ماری پھر رہی تھی۔

فلپ نے ترن کوزی سے جعفر کی رہائی کا وعدہ کر لیا تھا مگر یہ شرط لگا دی تھی کہ
بعلبک کے شہر کوتوال برازق بویہ کے دمشق سے واپس آنے سے پہلے وہ یہ پتہ لگا لے کہ
جعفر کو کس جرم میں اور کس کے حکم سے گرفتار کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم کرے کہ
جعفر کو کس جگہ قید کیا گیا ہے۔ جعفر کی گرفتاری اس قدر اچانک اور غیر معمولی حالات میں
ہوئی تھی کہ ترن کوزی اپنی تمام کوششوں کے باوجود یہ نہ معلوم کر سکی کہ جعفر کو کیوں اور
کس نے گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ اس طرف سے مایوس ہونے کے بعد ترن کوزی نے اپنی
تمام توجہ جعفر تک پہنچنے کی کوشش پر لگا دی۔

بعلبک میں انیتونیس کی عبادت گاہ کے علاوہ چھوٹے بڑے اکیس اور گرجا گھر تھے
جنہیں شہر کوتوال اپنے خاص قیدیوں کے لئے استعمال کرتا تھا۔ یہ تمام عبادت گاہیں فلپ
کے ماتحت یا زیر اثر تھیں۔ چونکہ ترن کوزی پادری فلپ کی بیٹی مشہور تھی اس لئے ہر
عبادت گاہ ترن کوزی کے لئے کھلی تھی اور وہ ہر جگہ بغیر کسی پریشانی کے جا سکتی تھی۔ اگر
جعفر بعلبک کی کسی عبادت گاہ میں قید کیا گیا تھا تو اس کے بارے میں ترن کوزی ایک دو
دن کے اندر معلومات حاصل کر سکتی تھی مگر جعفر چونکہ ایک مسلمان جوان اور مشتبہ شخص
تھا اس لئے ترن کوزی جعفر کے بار میں کھلے بندوں کچھ پوچھتے ہوئے گھبراتی تھی وہ نہیں
چاہتی تھی کہ وہ ابھی سے بدنامی اور جگ ہنسائی مول لے۔ باپ سے تو اس نے سب کچھ
صاف صاف کہہ دیا تھا مگر یہ بات سب کے سامنے تو نہیں کہی جا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ
لارنس بھی ان دنوں **بعلبک** موجود تھا۔ ترن کوزی لارنس سے ڈرتی تو نہ تھی مگر وہ یہ بھی
نہ چاہتی تھی کہ لارنس جیسے ذلیل آدمی کو اس کے عشق کا حال معلوم ہو۔

لارنس نے بظاہر ترن کوزی کا پیچھا چھوڑ دیا تھا اور اسے صرف فلپ کی دولت کی تمنا
تھی لیکن ترن کوزی کو دیکھ کے اکثر اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی اور یہ آرزو
انگڑائیاں لینے لگتی تھی کہ کاش ترن کوزی بھی اس کے ہاتھ آجائے تاکہ اسے کسی قسم کا
ملال نہ رہ جائے۔ ترن کوزی کے سخت رویے سے وہ جلا بھی ہوا تھا۔ اور اس کے ذہن
میں انتقام کا ایک دبا ہوا جذبہ کبھی کبھی سر اٹھایا کرتا تھا مگر اس کا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ اس
لئے وہ ترن کوزی سے بے تعلق ہونے کے باوجود اس سے اپنا ایک تعلق جوڑے ہوئے
تھا اور کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ ترن کوزی کو میٹھی مار مارے۔ وقت کے ساتھ
ساتھ انتقامی جذبہ پرورش پاتا رہا اور پھر اسے ایک ایسا موقعہ ہاتھ آ گیا جس کا وہ منتظر تھا۔

ادھر ترن کوزی اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ وہ بڑی احتیاط اور عقل مندی سے
بعلبک کے ایک ایک عبادت خانے کے چکر لگا رہی تھی۔ ترن کوزی کی شخصیت ایسی تھی
کہ وہ جہاں جاتی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا لیکن وہ بجائے کھل کے بات کرنے کے گھما پھرا
کر جعفر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی اور جب تک اسے یقین نہ
ہو جاتا کہ جعفر اس عبادت گاہ میں نہیں ہے اس وقت تک وہ برابر وہاں جاتی رہتی۔ کہتے
ہیں جویندہ یابندہ یعنی اگر خلوص دل سے کسی چیز کی تلاش کی جائے تو وہ اسے مل جاتی ہے
اور تلاش کرنے سے تو انسان کو خدا مل جاتا ہے۔ آخر کرتے کرتے ترن کوزی اپنے محبوب
کی کوٹھری تک پہنچ گئی۔ پھر جب ترن کوزی نے جعفر کو آواز دے کر اس بات کی تصدیق کر
لی کہ اس کوٹھری میں جعفر ہی قید ہے تو وہ اس قدر خوش ہوئی کہ جعفر کو تسلی دینے
کے بجائے فوراً" وہاں سے واپس آ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ اسی وقت باپ کو اپنی کامیابی کی
اطلاع دے مگر جب وہ انیتونیس کی عبادت گاہ پہنچی تو نصف شب سے زیادہ گزر چکی تھی اور
باپ اپنے کمرے میں بے خبر سو رہا تھا۔ مجبوراً" ترن کوزی کو صبح کا انتظار کرنا پڑا۔
صبح ہوتے ہی ترن کوزی نے باپ کے کمرے کا رخ کیا۔ فلپ ابھی سو کر اٹھا تھا کہ

ترن کوزی ہنستی ہوئی داخل ہوئی اور دوڑ کے باپ سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا ترن کوزی۔ بہت خوش نظر آرہی ہے؟" فلپ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"میں نے جعفر کا پتہ لگا لیا پاپا۔" ترن کوزی مارے خوشی کے دیوانی ہوئی جارہی تھی۔

"چلو یہ اچھا ہوا۔" فلپ نے اسے اپنے سے الگ کیا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ابھی اچھا کہاں ہوا۔ اچھا تو جب ہوگا جب آپ جعفر کو چھڑا کے لائیں گے۔" ترن کوزی کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ ہنسی اس کی آنکھوں سے پھوٹی پڑتی تھی۔

"اچھا اچھا۔ وہ بھی ہو جائے گا۔ جا۔ منہ ہاتھ دھو ڈال۔ کچھ کھا پی کے اطمینان سے باتیں کریں گے۔" فلپ اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔

"پاپا۔ ابھی باتیں کر لو۔ میرا کچھ اور کرنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔" ترن کوزی اٹھلا کے بولی۔

"پگلی کہیں کی۔ میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا ہوں۔"

ترن کوزی کو مجبور ہو کے اپنے کمرے میں جانا پڑا۔ فلپ نے غسل کیا۔ پھر صبح کے کچھ اور کام نمٹائے۔ اتنے میں دو ملاقاتی آگئے۔ انہوں نے کافی وقت لے لیا۔ ترن کوزی تیار ہو کہ بیٹھی تھی اور بار بار باپ کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی مگر فلپ اب تک فارغ نہ ہوا تھا۔ ترن کوزی آنے والوں کو دل ہی دل میں کوس رہی تھی اور بڑ بڑا رہی تھی۔ فلپ کافی دن چڑھے اپنے کاموں سے فارغ ہوا۔ ترن کوزی اسے اکیلا دیکھتے ہی کمرے سے نکل کے بھاگی اور دوڑتی ہوئی فلپ کے کمرے میں پہنچ گئی۔

اب یہ ترن کوزی کی بدقسمتی تھی کہ ٹھیک اس وقت جب وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے سے فلپ کے کمرے کی طرف جا رہی تھی ٹھیک اسی وقت لارنس عبادت گاہ میں داخل ہو رہا تھا۔ ترن کوزی کو بھاگتا دیکھ کر لارنس کے قدم ایک دم رک گئے اور اس کی چھٹی حس بڑی تیزی سے کام کرنے لگی۔ اس نے ترن کوزی کو پہلی بار اس قدر بے تحاشہ بھاگتے دیکھا تھا۔ ترن کوزی کی اس اضطرابی کیفیت نے اسے لارنس کی نظروں میں مشکوک بنا دیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑا تھا اور اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ترن کوزی بھاگتی ہوئی کہاں گئی ہے۔ کیا اسے فلپ نے بلایا تھا۔ مگر ترن کوزی کو بلانے کون گیا تھا۔ ترن کوزی اپنے کمرے سے اکیلی نکلی تھی۔ یقیناً" ترن کوزی کو کوئی ایسی خبر ملی تھی جسے وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فلپ تک پہنچانا چاہتی تھی جبھی وہ بھاگ کے گئی ہے۔

لارنس دیر تک وہیں کھڑا الجھتا رہا مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ پھر اک دم اس کے دل میں تجسس کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ معلوم کرے کہ ترن کوزی کونسی خبر لے

ے پاس گئی ہے۔ مگر وہ یہ کیسے معلوم کرے۔ لارنس کچھ ضروری باتیں کرنے آیا تھا ایسی ضروری تھیں کہ اگر وہ ترن کوزی کی موجودگی میں بھی فلپ کے پاس چلا ترن کوزی کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ فلپ لارنس کے ذمہ ایک کام لگایا تھا اور اس سلسلے نے خود لارنس کو آج صبح ملاقات کے لئے کہا تھا مگر اس کے جانے سے وہ ترن ی اس بات کو نہیں معلوم کر سکتا تھا جو اس کے دل میں گدگدی پیدا کر رہی تھی۔ نے سر اونچا کر کے فلپ کے کمرے کی طرف دیکھا۔ فلپ کے کمرے کا ایک پٹ کھلا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ چکر لگا کر فلپ کے کمرے پر جائے تو اندر والوں ں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

رنس نے دل مضبوط۔ کیا وہ چند قدم پیچھے ہٹا پھر تھوڑا چکر لگا کر آہستہ آہستہ اور ے ساتھ فلپ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ذرا دیر بعد لارنس کمرے کی کھڑکی پہنچ گیا۔ اندر سے ترن کوزی کے زور زور سے بولنے آواز آرہی تھی وہ لہک لہک سے اپنی کارگزاری بیان کر رہی تھی یوں تو وہ روز ہی اپنی دن بھر کی تگ و دو سے گاہ کر رہی تھی لیکن آج پہلے اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی اس کا لہجہ پژمردہ اور ی ہوتی تھی لیکن آج تو وہ کامیاب اور کامراں تھی۔ اس نے جعفر کا پتہ لگا لیا تھا آواز کیوں نہ تیز ہوتی۔ ترن کوزی ایک ایک عبادت گاہ کی تفصیل بیان کرتی کہ رح وہاں گئی اور کس سے کس سے ملی پھر اس نے کس انداز سے اپنا مقصد پوشیدہ ے جعفر کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

ا کوزی کی آواز باہر کھڑے ہوئے لارنس تک بالکل صاف پہنچ رہی تھی۔ جعفر کے چونکا تھا مگر جلد ہی اسے ترن کوزی کی باتوں سے معلوم ہوگیا کہ جعفر کوئی مشتبہ ہے جسے بعلبک میں گرفتار کیا گیا ہے اور ترن کوزی اسے رہا کرانا چاہتی ہے۔ اسے لوم ہوگیا کہ ترن کوزی اور جعفر میں گہرے تعلقات ہیں اور ترن کوزی اسے آزاد لد سے جلد بعلبک سے بھگا دینا چاہتی ہے۔ جعفر کے بارے میں اسے کچھ زیادہ امل نہ ہو سکیں کیونکہ خود ترن کوزی اس کے بارے میں تفصیل سے نہ جانتی یہ بات واضح ہو گئی کہ ترن کوزی اسے دل و جان سے چاہتی ہے اور اس کی رہائی ا کے لئے سب کچھ کرنے پر تیار ہے۔

ت گاہ انیونیس کے اندر اگرچہ سناٹا چھایا ہوا تھا پھر بھی کوئی نہ کوئی آدمی نظر آجاتا لا کو اس سے زیادہ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی اس لئے وہ کھڑکی کے ہٹ آیا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ اس وقت فلپ سے گفتگو کرے یا واپس چلا۔

جائے۔ فلپ نے اسے ملاقات کے لئے بلایا تھا۔ اس لئے وہ ترن کوزی کی موجودگی میں اس سے مل سکتا تھا لیکن اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں ترن کوزی کو اس پر شک ہو جائے اور وہ اس کے خلاف کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔ اس خیال کے تحت لارنس چپ چاپ چلا گیا اور فلپ سے ملاقات اس نے دوسرے دن پر اٹھا رکھی۔

ادھر ترن کوزی نے فلپ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ کوتوال شہر برازق جب دمشق سے واپس آتے ہی وہ اس سے ملاقات کرے گا اور اس ملاقات میں برازق سے کی رہائی کی درخوست کرے گا۔ باپ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ترن کوزی اپنا سے اٹھی اس نے باپ سے کہہ دیا کہ وہ شہر کوتوال کے محل جارہی ہے تاکہ معلوم کرے کہ اس کے واپس آنے کی کب تک امید ہے۔ ترن کوزی عبادت گاہ سے نکلی تھی کہ سامنے سے لارنس آتے دکھائی دیا۔ لارنس دراصل یہ سوچ کے واپس چلا گیا تھا کہ دوسرے دن فلپ سے ملاقات کرے گا مگر عبادت گاہ سے کچھ دور جانے پر اسے خیال کہ فلپ نے اسے جو اہم کام سپرد کیا تھا اس کا جواب لارنس کو آج دینا تھا اگر آج بجائے وہ فلپ سے کل ملا تو کہیں وہ اسے سست اور کاہل نہ سمجھے اور ناراض نہ ہو جا اس لئے وہ جاتے جاتے راستے ہی سے لوٹ پڑا۔ اس طرح اس کا اور ترن کوزی کا آ ہو گیا۔

لارنس کو دیکھ کے ترن کوزی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اسے یوں محسوس جیسے لارنس اس کی خوشیوں میں مخل ہونے آگیا ہے اور اس کی عبادت گاہ میں موجودگی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔ لارنس کو آتا دیکھ کے ترن کوزی ایک درخت کے سائے کھڑی ہوگئی اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی۔ لارنس کی جب ترن کوزی پر پڑی تو ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک نامعلوم خوف سے اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ لارنس کوزی سے بہت مرعوب تھا بلکہ ڈرتا تھا اور ہمیشہ اس کا سامنا کرنے سے گھبراتا تھا مگر ا وقت تو وہ واپس بھی نہ جا سکتا تھا۔ ترن کوزی سامنے کھڑی تھی اور شاید اسی کا انتظار رہی تھی مجبوراً اس نے قدم آگے بڑھائے اور ترن کوزی کے پاس پہنچ کے بڑی ادب کہا۔

"معزز ترن کوزی کو لارنس سلام پیش کرتا ہے۔" مگر لارنس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی

"آپ شاید کسی کا انتظار فرما رہی ہیں؟"

"ہاں۔ انتظار کر رہی ہوں مگر تمہارا نہیں۔" ترن کوزی نے بڑے کھرے لہجے میں کہا۔

"بے شک۔ بے شک۔ لارنس اس قابل نہیں کہ کوئی اس کا انتظار کرے۔" لارنس نے عاجزی دکھائی۔

"سنو مسٹر لارنس۔" ترن کوزی ایک قدم آگے بڑھ کے بولی۔ "تم اس قابل بھی نہیں کہ اپنے گندے قدموں سے اس عبادت گاہ کی مقدس زمین کو ناپاک کرو۔"

"بے شک بے شک۔ لارنس کسی عبادت گاہ میں جانے کے قابل نہیں۔" لارنس کا لہجہ برقرار تھا۔

"مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ تم بار بار چکر لگاتے ہو۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

"میں خود کبھی نہیں آتا۔ مجھے تو فادر فلپ نے طلب کیا ہے۔ ان کے حکم سے حاضر ہوں اگر آپ کو ناگوار ہوا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" لارنس نے فوراً قدم موڑ لئے۔

"ٹھہرو۔" ترن کوزی نے اسے روکا اور لارنس فوراً گھوم کے سیدھا ہو گیا۔

"کیا پاپا نے تمہیں بلوایا ہے؟" ترن کوزی کا لہجہ اب بھی کرخت تھا۔

"بلوایا نہیں بلکہ حاضری کا حکم دیا ہے۔" لارنس کی آواز تھرا رہی تھی۔

"پاپا کو کیا میرے سلسلے میں تم سے کوئی بات کرنا ہے؟"

"معزز ترن کوزی۔ فادر فلپ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں آپ کا نام اپنی زبان پر نہ لاؤں اور اگر کبھی بھولے سے بھی آپ کا نام میری زبان پر آگیا تو ------"

لارنس کہتے کہتے رک گیا اور سر اٹھا کر خوف بھری نظروں سے دیکھا۔

ترن کوزی کی انا کو جیسے لارنس کی بات سے سکون ملا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے لارنس کو چھیڑا۔ "لارنس۔ تمہیں کبھی میرا خیال آتا ہے؟"

لارنس کے حلق میں آواز اٹک گئی۔ اس نے جلدی سے تھوک نگلا۔ "جی ترن کوزی آپ میرے لئے محترم ہیں۔ فادر فلپ کی معزز بیٹی ہیں آپ کو کون بھول سکتا ہے۔"

ترن کوزی مسکرائی۔ "اس سے ہٹ کے بھی میرا خیال آیا؟"

"توبہ توبہ۔ بالکل نہیں۔" لارنس نے کانوں پر ہاتھ رکھے جیسے واقعی توبہ کر رہا ہو۔

اس اچانک ملاقات سے ترن کوزی کا دل کچھ ایسا برا ہوا کہ اس نے شہر کوتوال کے ہاں جانا مناسب نہ سمجھا۔ اسے لارنس سے اس قدر نفرت تھی کہ وہ اسے منحوس سمجھتی تھی اور جب اسے لارنس کہیں نظر آجاتا تو اسے بدشگونی جانتے ہوئے اپنا کام اور راستہ بدل لیتی تھی۔ ترن کوزی نے اسے اپنے طور پر خوب ذلیل کیا مگر لارنس بڑا بے غیرت تھا۔

وہ ترن کوزی کے ہر طنز پر دل میں مسکراتا اور خوشامدانہ الفاظ ادا کرتا۔ لارنس اس
نجات پا کے عبادت گاہ میں داخل ہو گیا مگر پلٹ پلٹ کر دیکھتا جا رہا تھا۔ جس وقت لارنس
نے دیکھا کہ ترن کوزی جس راستے جا رہی تھی اسے چھوڑ کے دوسرے راستے پر ہو لی ہے
لارنس فوراً" رک گیا۔ کچھ دیر پہلے اس نے ترن کوزی اور فلپ کی جو گفتگو سنی تھی اس
سے اندازہ لگایا تھا کہ ترن کوزی آج شہر کوتوال کی طرف ضرور جائے گی اور وہ جا بھی
ہی رہی تھی لیکن جب اس نے اک دم راستہ بدلا تو لارنس نے بھی فوراً" اپنا ارادہ تبدیل
کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ فلپ سے ملنے جاتا۔ اس نے واپس ہو کر ترن کوزی کا تعاقب
شروع کر دیا۔

ترن کوزی یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ لارنس اس کا پیچھا کرے گا۔ وہ خوشی خوشی
بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت اس کا رخ سراکش کی سرائے کی طرف تھا۔ سراکش
سے اس نے کہا تھا کہ اس کا دوست جعفر اسے واپس مل جائے گا۔ اب اس نے جعفر کا
پتہ لگا لیا تھا اور اس کے باپ نے اس کی رہائی کا بھی وعدہ کیا تھا۔ اس لئے ترن کوزی یہ
خبر سراکش کو پہنچانا چاہتی تھی۔ اسے سراکش کی معصوم اور دلچسپ باتیں بہت پسند تھیں
کئی دن سے وہ ملی بھی نہ تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ سراکش کو یہ خوشخبری سنائے گی اور اس
کی پر لطف باتوں سے اپنے ذہن کی تھکن کو دور کرے گی مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا
دشمن لارنس جسے وہ بے ضرر ناکارہ اور حد درجہ کمزور سمجھتی تھی اس وقت بڑی احتیاط سے
اس کے تعاقب میں چلا آ رہا ہے۔

سراکش اپنے دوست جعفر کے جانے سے واقعی بہت ملول ہو گیا تھا۔ اس کی جعفر سے
کوئی دیرینہ دوستی نہ تھی لیکن چند دن کی ملاقات نے جعفر نے اسے اس قدر متاثر کیا
کہ سراکش بس اسی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ ترن کوزی کو اپنے سامنے دیکھ کر ایک لمحے کو
سراکش کا چہرہ کھل اٹھا۔

کہو سراکش کیسے ہو؟" ترن کوزی نے اسی لہر میں کہا۔

سراکش نے ترن کوزی کو حیرت سے دیکھا ترن کوزی سراپا مسرت بنی ہوئی تھی
خوشی اس کی آنکھوں سے ٹپکی پڑتی تھی۔ "ترن کوزی۔ تم بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہی
ہو؟" سراکش کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ ذرا سی تلخی بھی تھی۔

"ہاں سراکش ۔ میں خوش ہوں۔ اور تمہیں بھی خوش ہونا چاہئے۔" ترن کوزی کی
خوشی دبائی نہیں جا رہی تھی۔

"میں۔ میں کیوں خوش ہوں۔ سراکش کے لہجے میں تلخی بڑھ گئی۔

"اگر میں کہوں کہ تمہارے جعفر بھائی تمہیں مل جائیں گے تو کیا تم خوش نہ ہو

سراکش نے برا سا منہ بنایا۔" بس رہنے دو ترن کوزی۔ دل جلا ہو تو مذاق اچھا نہیں

ترن کوزی ہنسنے لگی۔ ارے سراکش خوش ہو جاؤ۔ تمہارے جعفر بھائی آنے والے ہیں

سراکش نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔ "معاف کرنا ترن کوزی۔ مجھے تمہاری بات کا
یقین نہیں۔ ہفتہ بھر پہلے تم نے یہی کہا تھا۔ ایسی باتوں سے میرا دل اور جل جاتا ہے۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں سراکش۔ میں تمہارے جعفر بھائی سے مل کے آئی ہوں۔"
ترن کوزی نے بڑے یقین سے کہا۔

"کیا سچ۔ تم ملی تھیں جعفر بھائی سے؟" سراکش کو ترن کوزی کے پر یقین لہجے پر اعتبار
آ گیا۔ "کب ملی تھیں تو کہاں ہیں وہ۔ ساتھ کیوں نہیں لائی انہیں؟"
سراکش نے اک دم دل کی ساری بھڑاس نکال ڈالی۔

"بس ایک دو دن اور صبر کرو۔ وہ آ جائیں گے۔"

"مگر وہ ہیں کہاں۔ کس جگہ ملی تھیں ان سے۔ میرا ذکر کیا تھا ان سے مجھے تو انہوں نے
پوچھا ہو گا۔ وہ خیریت سے تو ہیں ----------" سراکش نے پھر سوالوں کی بوچھاڑ
کر دی۔

ترن کوزی نے ذرا آواز دبا کر کہا۔" تمہارے جعفر بھائی قید میں ہیں۔"

ترن کوزی نے تسلی دی۔ "فکر کی ضرورت نہیں۔ میں نے بندوبست کر لیا ہے۔"

"فکر کیوں نہ کروں۔" سراکش ہتھے پر سے اکھڑ گیا۔ "کیا خاک بندوبست کیا ہے تم نے
اگر تم نے کچھ کیا ہوتا تو ساتھ لے کے آتیں چلی آئیں ہاتھ ہلاتی اور کہتی ہو فکر نہ کرو۔
میں کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں جعفر بھائی سے ذرا بھی محبت نہیں حالانکہ وہ تمہارا نام بڑے
پیار سے لیتے تھے۔"

"سراکش۔ سراکش ۔ میری بات سنو۔" ترن کوزی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ "یہ
سچ ہے کہ جعفر اس وقت جیل خانے میں ہیں۔ مگر شہر کوتوال کے آتے ہی انہیں رہا کر
دیا جائے گا۔ شہر کوتوال دمشق گئے ہوئے ہیں۔ وہ یہاں ہوتے تو میں تمہارے جعفر بھائی کو
ساتھ لے کے آتی۔"

ترن کوزی کی بات شاید سراکش کی سمجھ میں آ گئی۔ "ہاں۔ اب خوشی کی بات ہے تم

مجھ سے زیادہ طاقتور ہو۔ تمہیں جعفر بھائی سے مجھ سے زیادہ محبت بھی ہے۔"

"یہ تم نے کیسے انداہ لگایا؟" ترن کوزی نے شوخی سے پوچھا۔

"دیکھو نا۔ تم جعفر کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان تک پہنچ گئیں اور یہ ایک میں ہوں ا
روز قاضی اور شہر کوتوال کے دفتر کے چکر لگاتا ہوں۔ مگر اب تک جعفر بھائی کے بارے م
کچھ بھی نہیں معلوم کر سکا۔اس کا مطلب ہے کہ تمہیں ان سے زیادہ پیار ہے اور میرا پیا
کم ہے۔ ادھورا ہے۔" اور سراکش نہ جانے کیا سوچ کے ہنسنے لگا۔

سراکش کو ہنستا دیکھ کے ترن کوزی کو اور زیادہ خوشی ہوئی۔ "سراکش ۔ میں تمہ
یقین دلاتی ہوں کہ جس دن شہر کوتوال واپس آئے گا اس دن تمہارے جعفر بھائی تمہار
پاس ہوں گے۔"

ترن کوزی جس اعتماد کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی اس سے سراکش کو یہ تو یقین ہو
کہ سنہرے بالوں والی یہ خوبصورت لڑکی بلا کی ذہین اور شاطر ہے مگر اس کی سمجھ میں یہ
آرہا تھا کہ ترن کوزی اتنا بڑا دعویٰ کس بنا پر کر رہی ہے۔ اس کے خیال میں ترن کوز
ایک عام سے عیسائی گھریلو لڑکی ہے اور اس کا یہ کہنا کہ شہر کوتوال کے واپس آتے ہی
جعفر کو آزاد کرا لے گی سراکش کو یہ دعویٰ کچھ عجب سا لگتا تھا مگر اس نے اس سلسلے
ترن کوزی سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اس خیال سے بھی خاموش رہا کہ کہیں ت
کوزی سے زیادہ باتیں کرنا بھائی جعفر کو ناگوار نہ گزرے اور وہ خوا مخواہ اپنے ایک ا
دوست کے سامنے شرمندہ ہو۔

ترن کوزی سرائے سے اٹھ کے شہر کوتوال کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ آج اس قد
خوش تھی کہ اس نے ایک جاسوس کی حیثیت سے تمام احتیاطی تدابیر بھی نظر انداز کر دی
وہ بے خوف اور بے دھڑک شہر کوتوال کے محل میں پہنچی اور اس کے دفتر سے شہر کوتوا
کی واپسی کے بارے میں معلومات حاصل کر کے پھر باپ کے پاس واپس آئی۔ وہ عبادت
انیتونیس میں داخل ہو رہی تھی کہ اس نے لارنس کو وہاں سے نکلتے دیکھا۔ اس پر نظر پڑ
ہی ترن کوزی کا دماغ پھر گھوم گیا۔

"تم صبح سے اب تک یہاں کیا کر رہے تھے۔؟" ترن کوزی نے بڑی سختی سے سوا
کیا۔

لارنس نے بڑی لجاجت سے جواب دیا۔ "معزز ترن کوزی۔ اپ کو غلط فہمی ہوئی ہ
میں ابھی کچھ دیر پہلے ہی فادر کے پاس آیا ہوں۔"

ترن کوزی چڑ گئی ۔ "کیا بکواس کر رہے ہو لارنس۔ تم صبح کو مجھے عبادت گاہ

ل ہوتے ہوئے ملے تھے اور اب بھی آ رہے ہو۔ تمام دن یہاں کیا کرتے رہے؟"

آپ درست فرما رہی ہیں ترن کوزی۔" لارنس نے بڑے ادب سے کہا۔ "صبح کو میں
ت گاہ جاتے ہوئے آپ سے ملا تھا مگر فادر سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ وہ معروف تھے
ں واپس چلا گیا تھا۔ اس وقت ان سے ملاقات ہوئی اور اب واپس جا رہا ہوں۔ مجھ پر
نہ ہو تو آپ فادر سے تصدیق فرما سکتی ہیں۔"

ہاں ضرور تصدیق کروں گی۔" اور ترن کوزی جھلائی۔ پیر پٹختی آگے بڑھ گئی۔

لارنس بھی مڑ کے پیچھے چلنے لگا۔ ترن کوزی کو آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے اک دم
ے دیکھا لارنس ایک دس قدم پیچھے تھا۔ "تم کیوں آ رہے ہو میرے پیچھے؟" ترن کوزی
گئی۔

لارنس نے سوکھا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ قابل فخر ترن کوزی۔ "میرا ذہن مجروح ہو گیا
۔ آپ نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری موجودگی میں فادر
یری بات کی تصدیق کریں اور اگر میں مجرم پایا جاؤں تو مجھے سزا دیں۔ اس سے پہلے
ذہن مطمئن نہیں ہو سکتا۔"

"احمق کہیں کے۔ واپس جاؤ۔" ترن کوزی نے لارنس کو ڈانٹ دیا۔

"مگر وہ تصدیق والی بات ——————"

مجھے کسی بات کی تصدیق نہیں کرنا۔ تم دفعان جاؤ۔

ترن کوزی نے لارنس کو احمق کہا اور اسے دفعان بھی کر دیا مگر لارنس نہ احمق تھا اور
فعان ہی ہوا۔ وہ صبح سے اس وقت تک ترن کوزی کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا
سرائے میں ترن کوزی اور سراکش کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ایک ایک لفظ
اس نے سنا تھا پھر جب ترن کوزی شہر کوتوال کے محل پر پہنچی اس وقت بھی لارنس اس
قریب ہی تھا۔ وہیں لارنس نے ترن کوزی کا پیچھا چھوڑا تھا اور سیدھا فلپ کے پاس
آگیا تھا۔ ترن کوزی اسے احمق ہی سمجھتی رہی اور لارنس نے ترن کوزی اور جعفر کے
ہمیں تفصیلی معلومات بھی حاصل کر لیں۔

لارنس کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ فادر فلپ کی کوشش سے جعفر آزاد ہو جائے گا اور
خیال ہی سے اس کا پورا وجود ہل کے رہ گیا تھا۔ ترن کوزی اس کے مقابلے میں ایک
مسلمان کو ترجیح دے رہی تھی۔ لارنس کا غم و غصہ بڑھنے لگا اور اس نے فیصلہ کر
وہ جعفر کو بعلبک سے زندہ واپس نہ جانے دے گا۔ لارنس نے اب تک جعفر کو
دیکھا تھا اسے یہ فکر ستا رہی تھی کہ وہ کسی طرح جعفر کو دیکھ لے تاکہ منصوبہ بندی

کرتے وقت اس سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ جعفر کو دیکھنے کی یہی ایک صورت تھ
ہمہ وقت ترن کوزی کے پیچھے لگا رہے اور جس وقت ترن کوزی اس سے ملنے جا
اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرلے۔ لارنس کے لئے ہر وقت ترن کوزی کا پیچھا کرنا خط
خالی نہ تھا مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس لئے اس نے جان پر کھیل
کوزی کے تعقب شروع کیا۔ لارنس دن کے علاوہ رات کے وقت بھی ترن کوزی کے
ہی رہنے کی کوشش کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ ترن کوزی اپنے محبوب سے ملنے را
وقت ضرور جاتی ہوگی۔ اس لئے اس نے عبادت گاہ کے ویران باغ میں ایک محفوظ
اپنا ڈیرہ جما لیا تھا جہاں سے وہ عبادت گاہ سے باہر جانے والے راستے پر نظر رکھ
مگر یہ لارنس کی بدقسمتی کہ ترن کوزی نے اس دوران جعفر سے ملنے کی قطعی کوشش
اور لارنس کے تین دن اور تین راتیں بیکار ضائع ہو گئیں۔ اس عرصے میں وہ کوئی
بھی نہ کر سکا۔ لارنس ہر وقت ترن کوزی کے ارد گرد منڈلاتا رہتا اور ایک لمحے
اسے آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا یہاں تک کہ ایک شام ترن کوزی اور فلپ
ساتھ عبادت گاہ سے نکلے۔ اس دن صبح کو ترن کوزی کے ساتھ لارنس کو بھی علم ہ
کہ آج کس وقت برازق بویہ دمشق سے واپس آرہا ہے۔ ترن کوزی جس مسرت ا
سے باپ سے گفتگو کر رہی تھی اس سے لارنس کو فوراً" اندازہ ہو گیا کہ یہ دونوں ا
شہر کوتوال سے ملنے جا رہے ہیں۔ اور شاید اس وقت اس کا رقیب جعفر قید خانے
ہو جائے۔ اس خیال سے لارنس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ کیا وہ جعفر کو بعلب
زندہ واپس جانے دے گا۔ اس کے دل میں سوال اٹھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا جوا
اس کے دل نے خود ہی دے دیا اور لارنس احتیاط سے ان کے پیچھے چلنے لگا۔

شہر کوتوال برازق بویہ کا محل عیسائی عبادت گاہ سے زیاد دور نہ تھا۔ ترن کوز
فلپ وہاں تک پیدل آئے تھے۔ فلپ ایک لانبے سفید چغے میں ملبوس تھا۔ اس
ایک چوگوشیہ اونچی ٹوپی تھی اور سینے پر چاندی سونے سے مرصع ایک چھوٹی س
آویزاں تھی۔ فلپ کی شخصیت اس قدر اہم معلوم ہوتی تھی کہ اسے دیکھتے ہی
محافظوں نے اسے ادب سے سلام کیا اور گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول کے باپ بیٹی کو
داخل کر لیا۔ محل کا یہ گیٹ دن کے وقت کھلا رہتا تھا مگر شام ہوتے ہی بند کر دیا
سوائے خاص لوگوں کے کسی اور کو آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ لارنس نے انہ
جاتے دیکھا تو دل تھام کر باہر ہی ایک جگہ کھڑا ہو گیا محل کے محافظ لارنس کو بھی
تھے اور اگر لارنس اندر جانے کی خواہش کرتا تو اسے روکا نہ جاتا مگر اس وقت اس

بالکل مناسب نہ تھا۔
لارنس کو باہر کھڑے نصف گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ فلپ اور ترن کوزی محل سے باہر
ترن کوزی کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ دمک رہا تھا جو اس بات کا غماز تھا کہ اسے اپنے
میں کامیابی ہوئی ہے۔ لارنس کا چہرا پھیکا پڑ گیا اور اس کے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگیں
سوائے صبر کے وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ فلپ اور ترن کوزی جس راستے سے آئے تھے
راستے سے واپس جارہے تھے اور لارنس اس طرح خاموشی سے ان کے تعقب میں
شہر کوتوال کے محل اور عبادت گاہ کے درمیانی راستے کا نصف کے قریب فاصلہ طے
کے بعد ایک چوراہے پر ترن کوزی اور فلپ رک گئے۔ فلپ نے ٹھہرتے ہوئے
ے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کے ترن کوزی کے حوالے کیا اور جھک کے اس کی
کا بوسہ لیا۔ اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔
لارنس کے لئے یہ لمحہ بڑا پریشان کن تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ فلپ نے ترن کوزی کو
کی رہائی کا پروانہ دیا ہے اور وہ اسے لے کر اس مقام کی طرف جا رہی ہے جہاں جعفر
اور فلپ عبادت گاہ کو واپس جا رہا ہے۔ لارنس کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ ان حالات
ے کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ اس نے جعفر کو اپنے راستے سے ہٹانے کا مصمم ارادہ کر لیا
کیا یہ اس کے لئے ممکن تھا کہ جعفر کے آزاد ہونے کے بعد اس کا تن تنہا مقابلہ کر
ے ختم کر دے۔
جعفر کے بارے میں اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس تن و توش کا مالک ہے اور آیا
اکیلے قابو پانا ممکن ہے کہ نہیں۔ پہلے تین دن اور تین راتیں اس نے ترن کوزی
ب میں بیکار ضائع کر دی تھیں۔ اگر وہ علقمندی سے کام لیتا تو اس دوران اپنے
ں سے رابطہ قائم کر کے کوئی مفید منصوبہ ترتیب دے سکتا تھا۔ لارنس ان خیالوں
ا ہوا تھا۔ اور ترن کوزی اس سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوئی جا رہی تھی۔ شام کا دھندلکا ہر
پھیل رہا تھا اور اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر لارنس نے دو چار منٹ اور اسی سوچ
ں گزار دیے تو ترن کوزی اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔
لارنس نے ایک جھرجھری لی اور سر کو جھٹک کر تیزی سے ترن کوزی کی طرف بڑھنے
ترن کوزی مختلف راستوں سے گزر کر ایک چھوٹی سے عبادت گاہ کے دروازے پر پہنچ
لارنس اک دم چونک پڑا اس عبادت گاہ کا پادری تو اس کا بڑا گہرا دوست تھا۔ دو دن
رنس کی اس پادری سے بر سرِا ملاقات ہوئی تھی۔ لارنس کو کیا معلوم تھا کہ اس کا
س عبادت گاہ میں قید ہے ورنہ وہ اس کی رہائی سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیتا مگر

گیا وقت واپس نہیں آتا۔ لارنس اس وقت اپنے دشمن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا
کوزی کی موجودگی کی وجہ سے وہ عبادت گاہ میں نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے یہی
کیا کہ عبادت گاہ سے باہر ٹھہر کے ترن کوزی اور اپنے دشمن جعفر کا انتظار کر
دوران ممکن ہے کہ اس کے دماغ میں کوئی ایسی ترکیب آجائے جس پر عمل کر کے
کا خاتمہ بھی کر سکے اور ترن کوزی بھی اسے حاصل ہو جائے۔ لارنس کو اب
فلپ کی دولت سے دلچسپی تھی لیکن جس وقت سے اس نے ترن کوزی اور جعفر
کی باتیں سنی تھیں اس گھڑی سے اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی اور اب
دولت سے زیادہ ترن کوزی کا حصول اس کے دل و دماغ پر چھا گیا تھا۔

عبادت گاہ کے پادری نے لارڈ پادری فلپ کی بیٹی ترن کوزی بڑی عزت
کمرے میں بٹھایا پھر اس نے ترن کوزی سے شکایتاً کہا۔ "معزز ترن کوزی۔ مجھے
ہے کہ ایک مسلمان قیدی کی رہائی کے لئے تمہیں شہر کوتوال کا احسان لینا پڑا۔
اس پروانے کے میرے پاس آتیں تو تمہارا حکم کو ہرگز نہ ٹالتا۔"

"یہ آپ کی مہربانی ہے فادر۔" ترن کوزی نے سر جھکا کے جواب دیا۔ "دراصل
ایک مسلمان قیدی کی نہیں بلکہ اصول کی تھی۔ پھر میں اس بد دماغ برازق بوریہ
سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہی کیا بلکہ تمام مسلمان حکمران ایک ہی جیسے ہوئے
پر مہربان ہوں تو گھر تک مٹا دیتے ہیں اور اگر خلاف ہو جائیں تو زندگی بھر احسانات
لمحے میں بھول جاتے ہیں۔ مسلم قوم قطعی اعتبار کے قابل نہیں۔ اس لئے میں
راستہ اختیار کیا تاکہ شہر کوتوال کو کسی عیسائی پادری سے کوئی شکوہ نہ ہو۔"

"یہ ٹھیک ہے ترن کوزی لیکن مسلمانوں کو اپنی خانہ جنگی سے ہی فرصت نہیں
کسی اور بات پر کیسے توجہ دیں۔" پادری نے بھی اپنے دل کا غبار نکالا۔ "تم
نہیں۔ دمشق اور والی موصل آپس میں کیسے لڑ رہے ہیں۔ موصل کا کوئی آدمی
بعلبک میں آجائے تو جاسوسی کے شبہ میں فوراً پکڑا لیا جاتا ہے۔ یہ کوئی انصاف
نہیں۔"

"بے انصافی اور احسان فراموشی تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔" ترن
دلی سے پادری کو خوش کرنے کے لئے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔ "وزیر
معین الدین انز کو دیکھو۔ شاہ دمشق اور ملکہ زمرد خانم نے اس پر کتنے احسانات
تک کہ پور حکومت ہی اس کے حوالے کر دی تھی اس احسان فراموش نے شاہ
کس بیدردی سے قتل کرا دیا۔"

خوفناک قتل!" پادری نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ "اس کے تصور سے ہی
لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شاہ دمشق کی بے گور و کفن لاش دیکھ کے میرے آنسو نکل

طرح ترن کوزی اور پادری باتیں کر رہے تھے دوسری طرف پادری کا خاص ملازم
حکم پر اس کوٹھری سے پہنچا جس کے اندر جعفر قید تھا۔ پادری کے آدمی نے کوٹھری
آواز دی۔ "قیدی باہر آجاؤ۔ اب تم آزاد ہو۔"

آزادی کے نام پر جعفر کے جسم میں توانائی آگئی۔ وہ اندھیری کوٹھری میں ٹٹولتا ہوا
پر آگیا۔ کوٹھری کے دروازے پر محافظ شمع لئے کھڑا تھا۔ جعفر نے محافظ پر ایک
نظر ڈالی۔ یہ محافظ اکثر اسے کھانا دینے آیا کرتا تھا۔

"مجھے کس نے آزاد کرایا ہے محافظ؟" جعفر نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی رہائی
زی کی کوششوں کا نتیجہ ہے محافظ سے اس کی تصدیق چاہی۔

جوان۔ تمہیں شہر کوتوال برازق بوریہ کے حکم سے آزاد کیا جا رہا ہے۔" محافظ
لہجے میں جواب دیا۔ جعفر نے سوچتے ہوئے پھر سوال کیا۔ "محافظ۔ شہر کوتوال مجھے
ہیں اور نہ میں ان سے واقف ہوں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری رہائی کس
شوں سے عمل میں آئی ہے۔"

محافظ نے واپس ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے کوئی علم نہیں ۔ تمہاری رہائی کا حکم
ری فلپ کی معزز بیٹی ترن کوزی لے کے آئی ہیں۔"

جعفر نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے خیال درست تھا۔ "کیا لارڈ پادری کی معزز
ادت یہاں موجود ہیں؟"

"ہاں۔ وہ ہمارے پادری کے پاس بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" محافظ نے اپنی طور
نت کی۔

دونوں ایک کمرے پر پہنچے۔ کمرے کے اندر پنج شاخہ شمعیں روشن تھیں اور پورا کمرہ
جگمگ کر رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی جعفر کی نظر سب سے پہلے ترن کوزی پر
اسے دیکھتے ہی اٹھ کے کھڑی ہو گئی تھی۔ عبادت گاہ کا پادری بھی ترن کوزی کو
اٹھتے دیکھ کے خود بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

ترن کوزی نے دھڑکتے دل سے کہا۔ "آزادی مبارک ہو جعفر۔" اس کی آواز بری
لرز رہی تھی۔

جعفر کا دل دماغ اڑتے ہوئے جذبات سے بھر گیا تھا۔ وہ ایسا بوکھلایا کہ ترن کوزی کی

بات کا جواب دینا بھی بھول گیا۔ اس کی نظریں ترن کوزی کے خوبصورت چہرے اور
بالکوں پر ٹک کر رہ گئیں۔
"جعفر تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جا سکتے ہو۔" ترن کوزی نے جعفر سے آنکھیں
پھر ذرا رک کے بولی۔ "اگر تم پسند کرو تو میرے ساتھ چل کے ؟لارڈ پادری کا شکریہ
سکتے ہو۔ تم انہیں کی کوششوں سے رہا ہوئے ہو۔"
جعفر نے خود کو مشکل سے سنبھالا۔ "میں اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے ضرور
گا۔"
ترن کوزی نے پلٹ کے پادری کو دیکھا۔ "میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔"
کوئی بات نہیں۔ آپ کی خدمت سے مجھے خوشی ہوئی۔" پادری جواب دے
کوزی کے ساتھ ہو لیا جو باہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔
محافظ شمع پکڑے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کے عقب میں ترن کوزی اور
تھے۔ جعفر سب سے پیچھے تھا۔ باہر پہنچ کے ترن کوزی ن ے پادری کا شکریہ ادا کیا
قدموں سے چلنے لگی۔ جعفر کے قدم بھی تیز ہو گئے۔ اس کے دل میں سوالوں کا ہجوم
ترن کوزی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ جعفر کو سوال کرنے کا موقعہ نہ مل رہا تھا۔
کچھ دور چلنے کے بعد جعفر کی بے چینیاں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس نے ترا
کے قدموں سے قدم ملاتے ہوئے مخاطب کیا---------- "ترن کوزی۔"
"یہ گفتگو کا موقعہ نہیں۔ ہمیں جلد سے جلا پاپا کے پاس پہنچا ہے۔" ترن کوز
بغیر قدم روکے جواب دیا اور اپنی رفتار پہلے سے زیادہ تیز کر دی۔
جعفر کو دوسرا سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا



لارڈ پادری فلپ پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ترن کوزی کو
ہوئے اسے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس کے خیال کے مطابق ترن کوزی کو بہت پہلے
آجانا چاہیے تھے۔ فلپ نے کمرے سے گردن نکال کے باہر دیکھا۔ اسے دور پر سایہ
آیا۔
"ترن کوزی۔ میرا خیال ہے کہ یہ تم ہی ہو۔" فلپ کی آواز فرط محبت سے ل

ہاں پاپا۔ میں آگئی۔" ترن کوزی نے وہیں سے جواب دیا اور پھر بھاگی ہوئی کمرے
دروازے پر پہنچ گئی فلپ نے ہاتھ بڑھا کر اسے اندر کھینچ لیا اور بڑی بیتابی سے اسے
سینے سے چمٹا لیا۔ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی ترن کوزی۔" فلپ کا پیار امڈا آرہا

ترن کوزی اس کے سینے سے الگ ہو گئی۔ "کوئی پریشانی نہیں ہوئی پاپا۔ پادری نے شہر
کا پروانہ پڑھتے جعفر کو آزاد کر دیا۔" پھر ترن کوزی نے اک دم چونک کے باہر کی
دیکھا۔ "ارے جعفر۔ تم باہر کیوں کھڑے ہو۔ اندر آؤنا۔ دیکھو یہ میرے پاپا ہیں لارڈ
فلپ۔"
جعفر دروازے پر رک کے کھڑا ہو گیا تھا۔ ترن کوزی کی آواز پر وہ اندر آیا مگر جب اس
کی نظر لارڈ پادری پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا۔ کیا یہ وہی نحیف و نزار پادری تھا جسے اس نے
قید میں بیماری کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہاں تو اس سے اٹھا بھی نہ جاتا تھا مگر اس وقت
وہ سیدھا کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کا جلال تھا۔ جعفر نے جلدی
سے کہا۔ "میں آپ کے اس احسان کو زندگی بھر نہ بھول سکوں گا فادر۔"
فادر بھی جعفر کی شخصیت سے کچھ مرعوب ہو گیا تھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے جعفر کو
دیکھ رہا تھا۔ اس نے بڑے بڑے خوبصورت جوان دیکھے تھے مگر جعفر کی مردانہ وجاہت کی
شان ہی نرالی تھی۔ جعفر کی بات پر اس نے چونک کے جواب دیا۔ "میں نے تم پر کوئی
احسان نہیں کیا جعفر۔ یہ سب کچھ ترن کوزی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ تم اس کا شکریہ ادا
کر سکتے ہو۔"
"میں آپ دونوں کا شکر گزار ہوں فادر۔"
"مجھے ایک بات کی بہت خوشی ہوئی---------"
فلپ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ جعفر اور ترن کوزی بڑی بے چینی سے فلپ کے جملہ
مکمل کرنے کے منتظر تھے مگر فلپ تو جیسے آدھی بات کہہ کر بھول گیا تھا۔ خاموشی زیادہ طول
پکڑ گئی تو ترن کوزی نے دخل دیا۔ "پاپا۔ آپ کچھ کہہ رہے تھے۔"
ترن کوزی نے اسے یاد دلایا۔ "پاپا۔ آپ نے جعفر سے کہا تھا کہ آپ کو ایک بات
کی خوشی ہوئی ہے میں آپ کی زبان سے وہ بات سننا چاہتی ہوں تاکہ آپ کی خوشی
میں میں بھی شریک ہو سکوں۔"
فلپ نے ذہن پر زور ڈالا۔ "ہاں۔ میں نے کچھ ایسا ہی کہا تھا مگر وہ تو تمہارے بارے

میں تھا۔"

میرے بارے میں؟" ترن کوزی نے حیرت کا اظہار کیا۔ "آپ نے جعفر کو تو نہیں کیا تھا پاپا؟"

فلپ مسکرا دیا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو ترن کوزی۔ میں نے مخاطب جعفر کو کیا تھا مگر بات تمہارے ہی بارے میں تھی کیا تم اسے سننا پسند کرو گی۔؟"

"کیوں نہیں پاپا۔ میں نے آپ کی بات سننے سے کبھی انکار نہیں کیا۔" اور میں نے بھی تمہاری کوئی بات کبھی نہیں ٹالی۔"

"پاپا ـــــ مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ آپ نے مجھے ماں کا پیار بھی دیا ہے۔"

فلپ سنجیدہ ہوگیا۔ "ترن کوزی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے جعفر کو دیکھ کے بہت خوشی ہوئی۔ اس خوشی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی۔ جعفر مجھے بھی پسند ہے بشرطیکہ وہ وفاداری کا دم بھرے۔

ترن کوزی کے چہرے پر شہابی رنگ نکھر آیا مگر وہ انجان بن گئی۔ "پاپا۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکی؟"

فلپ مسکرایا۔ "میرے خیال میں تم اس قدر بے وقوف نہیں ہو کہ میری بات بھی نہ سمجھ سکو۔ بہرحال میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آنا چاہتا۔ تم اپنی زندگی کا خود فیصلہ کر سکتی ہو۔"

جعفر نے محسوس کیا کہ اس کا بولنا ضروری ہے۔ فلپ نے اس کی وفاداری کا ذکر کیا ہے۔ اس کی خاموشی اسے کمزور ثابت کر سکتی ہے۔ اس نے الفاظ تولتے ہوئے کہا۔ "معزز فادر۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ ترن کوزی کی خواہش کر سکوں پھر بھی اگر مجھے اپنے خیالوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کا موقع دیا گیا تو میں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"جعفر۔ تمہارے بارے میں فیصلہ کرنا میرا کام نہیں۔" فلپ نے صاف الفاظ میں کہا۔ "یہ تمہاری اور ترن کوزی کی جدائی مجھے یقیناً بہت تکلیف دے گی مگر میں اب چراغِ سحری ہوں۔ اس شب کا سویرا تو ہونا ہی ہے اور یہ شمع اک دن بجھنا ہے پھر میں اپنی چند روزہ زندگی کی خوشیوں پر ترن کوزی کی آرزوؤں کو کیوں قربان کروں مجھے مسلمانوں سے اس قدر نفرت بھی نہیں کہ ان کا سایہ برداشت نہ کر سکوں۔ میں تمہارے پھلنے پھولنے کی دعائیں کرتا رہوں گا۔"

فلپ کی آنکھیں نمناک ہو گئی تھیں۔ جعفر بڑا متاثر ہوا اور ترن کوزی بے چین ہو گئی۔ "پاپا آپ کیوں اداس ہوتے ہیں۔ میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے مگر یہ بات طے ہے کہ آپ کبھی تنہا نہیں رہیں گے۔ ترن کوزی کو آپ ہمیشہ اپنے قریب پائیں گے۔"

فلپ نے بڑی غمگین آواز میں کہا۔ "ترن کوزی۔ میں تم سے کوئی غلط وعدہ نہیں لینا چاہتا۔ بیٹی پرائی امانت ہوتی ہے تم جہاں چاہو رہ سکتی ہو۔"

ترن کوزی کو کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جعفر نے بھی کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کمرے کا ماحول گمبھیر ہو گیا۔ ہر شخص خاموش تھا۔ آخر فادر فلپ نے خود اس سکوت کو توڑا۔ "ترن کوزی جعفر کو کھانے کے لئے پوچھو۔ ان سے یہ بھی معلوم کرو کہ وہ کہاں جانا چاہتے ہیں۔ اگر جعفر مناسب سمجھیں تو ہمیں ایک شب مہمان نوازی کا موقعہ دے سکتے ہیں۔ انہیں جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ مجھے بتادو۔ میں انتظام کردوں گا۔"

ترن کوزی تڑپ اٹھی۔ "پاپا۔ آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ میں ابھی کہیں جا رہی ہوں۔ جعفر سے اس سلسلے میں اب تک کوئی بات نہیں ہوئی ـــــ"

جعفر نے بیچ ہی میں دخل دیا۔ "آج کی شب میں فادر کی مہمان نوازی کے سائے میں رہوں گا اور صبح کو کسی طرف جانے کا فیصلہ کروں گا۔"

"ترن کوزی۔ جعفر کو مہمانوں کے کمرے میں پہنچا دو۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" یہ کہتے ہوئے فلپ کھڑا ہو گیا۔ شاید اس مسئلے پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ترن کوزی نے فوراً درخواست کی۔ "پاپا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں کچھ دیر کھلی جگہ میں جعفر سے باتیں کروں پھر انہیں کمرے میں پہنچاؤں۔"

"تم جو چاہو کر سکتی ہو ترن کوزی۔"

ترن کوزی کو اجازت مل گئی۔ اس نے جعفر کی طرف دیکھا۔ جعفر نے کھڑے ہو کر کہا۔ "فادر۔ میں آپ کے احسان کا شکریہ پھر ادا کرتا ہوں۔ صبح کو شاید میں جلدی چلا جاؤں۔ آپ کو ناگوار تو نہ ہوگا؟"

فلپ نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "بالکل نہیں جعفر۔ اب تم میرے بیٹے ہو اور بیٹے کی باتیں باپ کو ناگوار نہیں گزرا کرتیں۔"

لارنس ان دونوں کے پیچھے عبادت گاہ تک پہنچ گیا تھا لیکن اندر جانے کی اسے جرات نہ تھی۔ عبادت گاہ کا دروازہ رات کے وقت اکثر بند کر دیا جاتا تھا۔ اس شکستہ عبادت گاہ کے اندر جانے کے اور بھی کئی راستے تھے۔ چاردیواری جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور دیوار پھاند کے آسانی سے اندر جا سکتا تھا مگر لارنس خطرہ مول لینے سے گھبرا رہا تھا۔

اس کا دل تو بہت چاہا کہ اندر جا کر ان لوگوں کی گفتگو سنے۔ خاص کر یہ دیکھے کہ فرانسس
نئے مہمان کے ساتھ کس انداز میں پیش آتا ہے مگر لارنس کو اپنا دل مارنا پڑا اور وہاں
میں بیٹھ کے جعفر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اسے اس وقت بھی موقعہ ملا تھا کہ جعفر
ٹھکانے لگانے کے لئے اپنے دوستوں کی مدد حاصل کرنے جائے مگر اسے ڈر تھا کہ کہیں اس
کے جاتے ہی جعفر وہاں سے نکل کے کسی اور طرف چلا جائے اور وہ اپنی قسمت کو پیٹتا
جائے۔ اس خیال نے اسے اپنی جگہ سے ہلنے بھی نہ دیا۔

یہ تو محض اتفاق تھا کہ ترن کوزی اور جعفر کھلی فضا میں باتیں کرنے کے لئے
گاہ سے نکل کے ٹہلتے ہوئے اس باغ میں آ گئے جہاں لارنس چھپا ہوا تھا۔ آہٹ پا کر لارنس
چوکنا ہو گیا مگر ترن کوزی کی آواز سن کے اسے اطمینان ہوا۔ اسے آنے والوں کے چہرے
تو نظر نہ آ رہے تھے مگر ان کی آوازوں سے لارنس کو اندازہ ہو گیا کہ ترن کوزی اور جعفر
آ رہے ہیں۔ اس نے اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ جعفر، فادر سے گفتگو کر کے اب اپنی
منزل کی طرف جا رہا ہے اور ترن کوزی اسے رخصت کرنے آتی ہے۔ مگر اس کا یہ اندازہ
اس وقت غلط ہو گیا جب اس نے دیکھا کہ وہ باغ سے باہر جانے کی بجائے سیدھے اس طرف
آئے جہاں سنگ مرمر کی دو شکستہ بنچیں پڑی تھیں پھر ترن کوزی اور جعفر ان بنچوں پر اس
طرح اطمینان سے بیٹھ گئے جیسے انہیں بقیہ رات اسی جگہ گزارنی ہے۔

لارنس جس جگہ بیٹھا تھا وہاں سے بنچوں کا فاصلہ کافی دور تھا۔ اگر وہ کان لگا کے سنتا
تو ان کی گفتگو سن سکتا تھا لیکن اگر وہ آہستہ باتیں کرتے تو اس کا سننا مشکل ہو جاتا
لارنس نے فوراً اپنی جگہ تبدیل کی اور ایک لمبا چکر کاٹ کر بنچوں کے قریب پہنچ گیا۔ اب
وہ اس جگہ پوشیدہ رہ کر ان کی تمام باتیں بڑے اطمینان سے سن سکتا تھا۔ جعفر اور ترن
کوزی ایک ہی بنچ پر بیٹھے تھے اور یوں محسوس ہوتا جیسے وہ منہ سے منہ ملا کر باتیں کر رہے
ہیں۔ ان کی آواز کبھی اونچی ہو جاتی اور کبھی اس قدر آہستہ کہ لارنس کو سننے میں دقت
محسوس ہوتی۔

جعفر کی ذرا تیز آواز اندھیرے میں ابھری۔ "ترن کوزی ۔مجھے تعجب ہے کہ تمہارے
پاپا نے تمام باتیں صاف صاف کہہ دیں۔ میری موجودگی کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا۔" ترن کوزی
نے جواب دیا۔ "وہ مجھ سے اس طرح باتیں کرتے ہیں جیسے میں ان کی دوست ہوں۔"

"پھر اب تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"کس بات کا فیصلہ؟" ترن کوزی کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

"مجھ سے پوچھ رہی ہو۔ پاپا نے تو سب کچھ کہہ دیا ہے۔ اب باقی کیا رہا گیا ہے؟" جعفر
نے بھی تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"مگر تم نے تو اپنے منہ سے کچھ بھی نہیں کہا۔" ترن کوزی کی ہنسی کی نقرئی لہریں
اور لارنس کا دل جل کر رہ گیا۔

"میں نے پاپا کو جواب دیا تھا۔ کہ میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی۔"

"اچھا تو اب بات کر لو۔"

"کونسی بات۔"

"اللہ رے بے حسی۔ تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے سامنے اقرار کروں کہ مجھے تم سے
گیا ہے۔"

"یہ تو بڑی عام سی بات ہے جعفر۔" ترن کوزی ذرا سنجیدہ ہوئی۔ "تمہارے ماحول کو
میں جانتی لیکن ہمارے عیسائی معاشرے میں ہر جوان لڑکا ہر دوشیزہ سے یہی جملہ کہتا

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے بھی عام آدمیوں میں شمار کرتی ہو۔"

"یہ مطلب نہیں ہے جعفر۔ تم عام نہیں بلکہ خاص ہو۔ میرے لئے خاص۔"

"خاص ہوں تو پھر اور کیا کہوں یہ آواز میرے دل سے نکلی ہے۔"

"تم اس آواز کو کوئی اور رخ بھی تو دے سکتے ہو۔"

"ہونہہ ـــــ" جعفر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "تم چاہتی ہو کہ میں اظہار محبت کا کوئی
راستہ اختیار کروں۔"

"شاید ــــ"

جعفر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مگر اظہار پہلی سیڑھی ہے اور میرا قدم دوسری سیڑھی تک
ہے۔"

"کیا مطلب؟"

جعفر نے جیسے گلا صاف کیا۔ پھر بولا۔ "ترن کوزی میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ ہمیشہ
کے لئے۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" ترن کوزی نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مگر اس میں کچھ
مسائل ہیں۔ ان پر قابو پائے بغیر میں کوئی فیصلہ نہ کر سکوں گی۔"

جعفر نے پر اعتماد لہجے میں کہا "اگر مجھ پر اعتماد ہو تو اپنی مشکلیں بیان کرو شائد میں
انہیں ہٹا سکوں۔"

"سنو جعفر۔ ہم ایک نئی زندگی میں قدم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمارا پہلا قدم بہت
سوچ سمجھ کر اٹھنا چاہئے۔" ترن کوزی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ہمارے راستے میں بڑے

بڑے پتھر ہیں۔ پاپا کی جدائی۔ مذہب کا اختلاف۔ تہذیب و تمدن کا فرق ابھی تو ہ
دوسرے سے پوری طرح واقف بھی نہیں ہوئے ہیں۔"

جعفر جیسے جواب کے لئے تیار تھا۔ اس نے فوراً کہا۔ "ترن کوزی ۔جو باتیں
بیان کیں وہ میرے ذہن میں بھی ہیں۔ میں تمہیں پاپا سے جدا نہیں کرنا چاہتا۔ یوں
مشفق انسان کو چھوڑنا کوئی عقلمندی نہیں مگر میں نے اس کا حل پہلے ہی سوچ لیا ہے۔

"کیا حل سوچا ہے اس کا؟" ترن کوزی نے بڑی بے چینی سے پوچھا

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شادی کے بعد میں بعلبک میں ہمیشہ کے لئے آباد ہو
گا۔" جعفر بڑا پرجوش تھا۔

مگر ترن کوزی نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔" جعفر تمہارے اس جذبے
شکر گزار ہوں مگر تمہارا بعلبک میں آباد ہونا تو الگ رہا میں تو یہ بھی نہیں چاہتی کہ
دن بھی بعلبک میں قیام کرو۔ میں تم سے یہ درخواست کرنے والی ہوں کہ صبح ہو
تم بعلبک سے چلے جاؤ"

" تم بعلبک کے حالات سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔" جعفر نے اقرار کیا
اس وقت کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جو میرے بعلبک میں قیام کے لئے خطرناک ہو۔
ترن کوزی نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔" کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یہاں گر
کے قید نہیں کیا گیا؟۔"

"میں اس سے انکار نہیں کرتا ترن کوزی۔" جعفر نے جرح کے انداز میں جواب
"مگر میرا خیال ہے کہ میری گرفتاری اتفاقیہ تھی۔ مجھے محض شبہ میں گرفتار کیا گیا تھا۔

"یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا؟۔"

"دیکھو ترن کوزی۔" جعفر نے مضبوط لہجے میں کہا۔"اگر میرے خلاف کوئی الز
یا مجھے خطرناک آدمی سمجھ کے گرفتار کیا گیا ہوتا تو معاف کرنا ترن کوزی تمہارے
کہنے سے شہر کوتوال برازق بو یہ مجھے فوراً" آزاد نہ کرتا۔ برازق کو میں اچھی طرح
ہوں۔ وہ بڑا سخت حاکم ہے۔ قید تو وہ کسی کو کرتا ہی نہیں۔ جس پر شبہ ہوتا ہے اسے
قتل کرا دیتا ہے۔"

جعفر نے بات ایسی کہی تھی کہ ترن کوزی کو قائل ہونا پڑا لیکن اس کے علاوہ
اور خطرات تھے جنہیں ترن کوزی نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سوچتے ہو
"شہر کوتوال کا بڑا خطرہ تو خیر ٹل گیا لیکن بعلبک میں میرے دشمن موجود ہیں وہ چین
دیں گے اور ہم ایک نہ ایک دن مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ تم سے شادی کر
بعد پاپا میری کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ یہاں کی تمام عبادت گاہیں میرے خلاف ہو جا

لارنس کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ الٹی سیدھی تہمتیں لگا کر ہمارے
میں کانٹے بو دے گا۔"

"لارنس ——" جعفر ذہن پر زور دے کے سوچنے لگا۔"

"لارنس کے بارے میں شاید میں نے تمہیں بتایا تھا" ترن کوزی نے پہلو بدل کر کہا۔
میرا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ میرے ساتھ شادی کر کے پاپا کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتا
تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میرے پاپا کے پاس اس قدر دولت ہے جس کے
لے میں دمشق کا خزانہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔"

جعفر نے تعجب سے ترن کوزی کو دیکھا۔" کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔ ایک عبادت گاہ کے
پادری کے پاس اس قدر دولت کہیں تم مجھ پر رعب تو نہیں ڈال رہی ہو؟"

"جعفر ——" ترن کوزی بڑے انداز سے بولی۔ "تمہیں مرعوب کرنے سے مجھے کیا
مجھے اس دولت کی کوئی پروا نہیں۔ اصل خطرہ لارنس سے ہے۔" کیا لارنس
خطرناک آدمی ہے؟"

"خطرناک بھی اور کمینہ بھی۔" ترن کوزی نے بڑی ناگوار انداز میں کہا۔ پہلے وہ
ساتھ ہی رہتا تھا مگر میں نے اسے ذلیل کر کے نکال دیا ہے مگر وہ اس قدر بے
ہے کہ اب بھی پاپا کے پاس آتا رہتا ہے۔"

جعفر نے بات مختصر کرنے کے لئے کہا۔ تو پھر یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم بعلبک کے
کسی اور شہر میں آباد ہو جائیں اس کے بعد کیا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے؟۔"

"اس کے بعد —— اس کے بعد یہ مسئلہ ہے کہ کیا تمہارے خاندان والے
قبول کر لیں گے؟۔"

"نہ قبول کرنے کی کی وجہ ۔ جب میں تمہیں قبول کروں گا تو انہیں قبول کرنا ہی
گا۔"

"تم سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تم نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کیوں کی؟"

"یہ خیال فضول ہے ترن کوزی۔" جعفر نے اسے سمجھایا۔"عیسائی اہل کتاب ہیں۔
انجیل ۔توریت اور زبور کو آسمانی صحیفے تسلیم کرتے ہیں ان کتابوں کے ماننے والوں
سے رشتہ داری کی جا سکتی ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔"

ترن کوزی کو جیسے اطمینان ہو گیا۔ جعفر نے اس کی دونوں مشکلات کا حل پیش کر دیا
اس کے ذہن کا بوجھ بڑی حد تک ہلکا ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ "جعفر۔ تم میرے بارے
جانتے ہو؟"

جعفر چونک پڑا۔ "تم کیا کہنا چاہتی ہو ترن کوزی؟"

"یہی کہ میں کون ہو۔ کیا کرتی ہوں۔ مجھ سے شادی کے بعد تمہارے کام کاج میں کوئی دقت تو نہ ہوگی۔؟"

جعفر نے فوراً جواب دیا۔ "میں تم سے بھی یہی سوال کر سکتا ہوں ترن کوزی۔ کیا میری اصلیت اور حقیقت سے واقف ہو؟"

ترن کوزی گھبرا گئی۔ اس نے جعفر سے ایک مشکل سوال کیا تھا مگر جعفر نے وہی اس پر الٹ دیا۔ ترن کوزی سوچنے لگی۔ ادھر جھاڑیوں میں چھپا لارنس پیچ تاب کھا رہا تھا۔ ترن کوزی نے اسے بڑے ذلیل الفاظ میں یاد کیا تھا۔ اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔ اسے یہ خدشہ پیدا ہو رہا تھا کہ اگر جعفر اور ترن کوزی کی شادی ہو گئی تو کہیں فلپ اپنی پوری دولت ترن کوزی کے حوالے نہ کر دے اور وہ منہ دیکھتا رہ جائے۔ اب تک وہ ترن کوزی سے مایوس ہو کر فلپ کی دولت پر آس لگائے بیٹھا تھا مگر اب ترن کوزی اور دولت دونوں ہی اس کے ہاتھ سے نکلتی معلوم ہو رہی ہے مگر جب ترن کوزی اور جعفر میں اپنی اصلیت کے بارے میں بحث چھڑی تو لارنس بہت خوش ہوا۔ اسے امید بندھی کہ جعفر اصل حقیقت بیان کرے گا جس کی روشنی میں وہ جعفر کے خلاف جلد یا بدیر کوئی قدم اٹھا سکے گا۔

ترن کوزی نے کچھ دیر بعد جواب دیا۔ "جعفر۔ اگر میں کہوں کہ میں تمہاری حقیقت اور اصلیت سے واقف ہوں تو تم کیا کہو گے؟"

جعفر سن پڑ گیا۔ اسے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی معلوم ہوئی۔ کیا ترن کوزی کو معلوم ہے کہ میں امری موصل کا خاص جاسوس ہوں اور بعلبک میں جاسوسی کے لئے آیا ہوا ہوں۔ اس خیال ہی سے جعفر کا سر چکرانے لگا۔ اس نے اٹک اٹک کے پوچھا۔

"کیا۔۔۔۔ کیا تم میرے بارے میں۔ سب کچھ جانتی ہو؟"

"ہاں۔ میں جانتی ہوں جعفر۔۔۔۔" ترن کوزی نے بغیر کسی توقف کے جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی ترن کوزی کا ایک ہاتھ جعفر کے شانے سے ٹکرایا۔ جعفر کے جسم میں بجلیاں سی دوڑنے لگیں۔ ترن کوزی کے ہاتھ کے لمس سے جعفر کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں مگر اس عالم میں بھی اس پر یہ خوف غالب آ رہا تھا کہ اگر ترن کوزی کو اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے تو وہ اس نوازش کے بعد اسے دھتکار بھی سکتی ہے۔ جعفر نے کوشش کی کہ ترن کوزی سے پوچھے کہ وہ کس حد تک اس سے واقف ہے؟ مگر اس کے لب نہ کھل سکے۔

ترن کوزی اور جعفر پر ایک نشہ سا طاری تھا مگر دوسری طرف لارنس کا کپڑے کو دل ہی کر رہا تھا۔ اسے ترن کوزی اور جعفر دونوں پر غصہ آ رہا تھا۔ ترن کوزی کی باتوں

رہا تھا کہ وہ جعفر کی اصلیت سے آگاہ ہے لیکن وہ کچھ بیان کیوں نہیں کرتی۔ اس طرح جعفر بھی اپنے بارے میں کچھ کہنے کے بجائے الٹا ترن کوزی سے سوال کر رہا تھا۔ لمحات اس قدر آہستہ آہستہ گزر رہے تھے کہ لارنس کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت ایک جگہ رک کر رہ گیا ہے۔ ترن کوزی اور جعفر پر طویل خاموشی طاری تھی جیسے وہ سو گئے ہوں۔ پھر طویل لمحات کے بعد ترن کوزی جیسے خواب میں بولی۔ "جعفر۔ میرے جعفر۔ تمہارے بارے میں مجھے یہ یقین ہے کہ تم ایک نیک مسلم جوان ہو۔ تم ایک ایسے وجیہہ جوان ہو جسے کم و بیش ہر لڑکی اپنانے پر آمادہ ہو سکتی ہے تمہارے پہلو میں ایک محبت بھرا دل ہے۔ تمہاری گفتگو صاف اور واضح ہے۔ پاپا کو تمہاری وفاداری پر شبہ ہو سکتا ہے لیکن میرے خیال میں تمہاری وفاداری شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ قسمت سے اگر ہم یکجا ہو گئے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک کامیاب زندگی گزار سکیں۔ سن رہے ہو نا جعفر۔ جو میں کہہ رہی ہوں۔"

"ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔ بڑے غور سے سن رہا ہوں۔" جعفر نے کان ادھر ہی لگائے ہوئے تھے۔

"پھر تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں تمہارے بارے میں کتنی بہت سی باتیں جانتی ہوں۔" ترن کوزی کا ہاتھ جعفر کے شانے سے سرسراتا ہوا واپس اپنی جگہ چلا گیا۔

"مگر ترن کوزی۔ یہ باتیں تو۔۔۔۔۔"

ترن کوزی نے بات کاٹ دی۔ "جعفر۔ ایک لڑکی کو اپنے ہونے والے شوہر کے بارے میں صرف اتنی ہی باتیں معلوم ہونا چاہیں۔ باقی باتیں غیر ضروری ہوتی ہیں۔"

لارنس کا دل ڈوبنے لگا۔ ترن کوزی نے جعفر کے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا تھا مگر جعفر کا دل بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا۔ "ترن کوزی۔ میں تمہارے اعتماد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔۔۔"

ترن کوزی نے پھر بات کاٹی۔ "شکریہ کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

اب ترن کوزی کے گھبرانے کی باری تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر جعفر کو یہ معلوم ہو گیا کہ ترن کوزی شہر کوتوال کے لئے جاسوسی کرتی ہے تو شاید وہ اس پر کوئی پابندی لگائے اس نے سوال کرنے کے بعد بے چینی سے جواب کا انتظار کرنے لگی مگر اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔

جعفر شاید مسکرایا پھر اس نے اطمینان سے کہا۔ "ترن کوزی۔ میں نے تمہیں بعلبک جانے والے قافلے میں پہلی بار دیکھا۔ اس وقت تمہارے پاپا بہت بیمار تھے۔ ہر پڑاؤ پر

تمہارے پاپا کی مزاج پرسی کے لئے عجیب عجیب لوگ آتے رہے——"

ترن کوزی نے جلدی سے بات کاٹی—— "تم نے ان لوگوں میں کیا عجیب بات م
کی؟"

"وہی بات۔ جس کی بنا پر مجھے سرائے سے گرفتار کیا گیا۔" اور جعفر نے بڑے
سے ترن کوزی کا ہاتھ تھام لیا۔ "اس بات کے باوجود میں تمہاری طرف کھنچتا چلا گیا۔
میں نے تمہیں دمشق کے شاہی محل میں آتے جاتے دیکھا۔ "جعفر نے رک کر ترن کو
کی طرف دیکھا مگر اندھیرے کی وجہ سے وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہ محسوس کر سکا۔

"ترن کوزی نے اسے چپ دیکھ کر پوچھا۔" یہ دیکھنے کے بعد بھی تم میری طرف
بدگمان نہیں ہوئے؟"

"بالکل نہیں۔"

"اس کی کوئی وجہ ؟" ترن کوزی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ترن کوزی۔ دل میں بدگمانی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ صاف نہ ہو۔ میرے
کے شفاف آئینے پر تمہاری تصویر اپنے عکس ڈال رہی تھی اس سے بدگمانی کا خیال ہی
پیدا ہوا۔ میں نے صرف سوچا تھا کہ اگر میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو تم مجھے اگر
نہ پہنچا سکیں تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ گی۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ "جعفر نے اس
بیباکی سے کہا تھا کہ ترن کوزی کو اس کی محبت اور خلوص کا قائل ہونا پڑا۔

"تم بہت اچھے ہو بڑے پیارے ہو جعفر۔" ترن کوزی نے اقرار کیا۔ میرا خیال
کہ ہماری باتیں ختم ہو گئی ہیں سوائے ایک بات کے۔"

"وہ کیا۔ اس پر سے بھی پردہ اٹھا دو۔

"ترن کوزی نے رک رک کے کہا۔ " جعفر۔ شاید تم اور میں دونوں اس وقت
سے فضول جھگڑوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہمارے مستقبل اور پرسکون زندگی کے لئے
ضروری ہے کہ ہم اگلا قدم اٹھانے سے پہلے اپنے آپ کو ان بندشوں سے آزاد کر لیں
خیال ہے کہ تم میری بات سمجھ گئے ہو گے۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ترن کوزی۔" جعفر نے بڑی مسرت سے
دیا۔ "میں خود تمام باتوں سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔ تمہاری خواہش کے مطابق میں
بعلبک چھوڑ دوں گا اور تمہاری یاد ساتھ لیے ہوئے یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا میں
دن تم سے دور نہیں رہوں گا۔ مجھے تمام کام نمٹانے کے لئے مہینہ ڈیڑھ مہینے سے
نہیں چاہئے۔ تم بھی اس عرصے میں اپنے آپ کو زیادہ مضبوط اور تیار کر سکو گی۔ کیا
ہے تمہارا۔؟"

ترن کوزی نے فوراً جواب دیا۔ "میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں۔ تمہا

کس طرح گزاروں گی اس کے تصور سے بھی خوف آتا ہے مگر مجبوری ہے۔ میں
کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ اگر رات نہ ہوتی تو میں تمہیں اسی وقت رخصت
دیتی۔"

"فکر نہ کرو ترن کوزی۔ تمہارا کہنا میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔" جعفر نے اٹھتے
ہوئے کہا۔ "میں صبح ہوتے ہی رخصت ہو جاؤں گا صرف چند لمحوں کے لئے کارواں
سرائے ضرور جاؤں گا۔"

"سراکش کے پاس جاؤ گے نا؟" ترن کوزی نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ہاں ترن کوزی۔ سراکش ایک سیدھا سادہ سچا دوست ہے اگر میں اس سے بغیر ملے
چلا گیا تو اسے بڑا دکھ ہو گا۔"

"ضرور جاؤ سراکش کے پاس۔" ترن کوزی بھی جعفر کے بازو کا سہارا لے کر کھڑی ہو
گئی۔ "میں باتوں میں بھول ہی گئی تھی۔" میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے جعفر بھائی
کو آزاد کرا کے تمہارے پاس لاؤں گی۔ میں بھی تمہارے ساتھ کارواں سرائے چلتی ہوں
سراکش کی پیاری پیاری باتوں میں بڑا مزا آتا ہے لیکن اس وقت احتیاط ضروری ہے
تمہارے ساتھ سرائے جانا مناسب نہیں ہے۔"

ترن کوزی اور جعفر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے باتیں کرتے ہوئے عبادت خانے واپس
آئے۔ لارنس بھی ان کے ساتھ ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے دونوں کی باتیں بڑے غور
سے سنی تھیں۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ جعفر صبح ہوتے ہی سراکش کی سرائے میں جائے
گا۔ یہ سرائے پورے بعلبک میں مشہور تھی۔ لارنس کے لئے یہی آخری موقعہ تھا کہ
جب جعفر سرائے میں پہنچے تو اسے قابو میں کر لیا جائے مگر یہ کام وہ تنہا کرنے سے گھبرا رہا
تھا۔ جعفر دیکھنے میں بھی اس سے طاقتور معلوم ہوتا تھا۔ ابھی اتنا وقت تھا کہ وہ اپنے
دوستوں اور ساتھیوں کی مدد حاصل کر سکتا تھا لیکن خطرہ یہ تھا کہ اگر وہ دوستوں کو اکٹھا کر
کے یہاں واپس آیا اور اس کے آنے سے پہلے ہی جعفر عبادت خانہ چھوڑ چکا ہو تو پھر کیا
ہو گا۔ اس کے ساتھ اس بات کا بھی امکان تھا کہ شاید جعفر سرائے کا خیال ہی ترک کر
دے۔ پھر لارنس کو اپنے دوست اکٹھا کرنے اور انہیں اس غیر قانونی کام انجام دینے کے
لئے آمادہ کرنے میں اسے زیادہ وقت لگ گیا تو بھی جعفر صاف بچ کر نکل سکتا تھا۔ آخر اس
نے فیصلہ کیا کہ وہ جعفر کی عبادت گاہ سے روانگی تک یہیں ٹھہرے گا اور جب وہ
سرائے کی طرف روانہ ہو گا اس وقت کوئی قدم اٹھائے گا۔ مگر اس کا قدم کیا ہو گا۔ اس میں
اس کا دماغ الجھ گیا اور وہ دیر تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ معاً اس کے دماغ میں ایک
ترکیب آئی اور وہ مسکرا دیا۔ اسے اپنے کامیابی کی امید پیدا ہو گئی اور وہ بڑے اطمینان سے
اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ترن کوزی، جعفر کو لئے اس کمرے پر پہنچی جس میں اس کے پاپا نے جعفر کو ٹھہرا
کہا تھا۔ جعفر نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کمرہ بڑا آراستہ تھا۔ جعفر نے ہنس کے ک
"بڑا خوبصورت کمرہ ہے۔ ایسے آراستہ کمرے کا میں اس عبادت خانے میں تصور بھی ن
کر سکتا تھا۔"

ترن کوزی امڈے ہوئے جذبات سے جعفر کو دیکھ رہی تھی اور نہ معلوم کن
خیالوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس نے شاید جعفر کی بات سنی ہی نہیں۔ جعفر نے ا
چونکایا۔ "کیا سوچ رہی ہو ترن کوزی۔ تم رات بھر جاگی ہو۔ جاؤ تھوڑی دیر آرام کر
صبح کو پھر ملاقات ہوگی۔"

"میں جاؤں؟" ترن کوزی نے بڑی حسرتوں کے ساتھ کہا۔ اسے خیال تھا کہ
جعفر اسے کمرے میں آنے کو کہے گا۔

"ہاں ہاں ضرور جاؤ۔ کچھ دیر آرام کرو گی تو تھکن دور ہو جائے گی۔"

"کیا میں چلی جاؤں۔؟" ترن کوزی کے ہونٹوں سے جیسے الفاظ پھسل پڑے۔

"نہیں جانا چاہتی ہو تو کوئی بات نہیں۔ ہم کھڑے کھڑے باتیں کرتے ہوئے سو
دیں گے۔"

اسی وقت کسی طرف سے فلپ کی آواز ابھری۔ "ترن کوزی۔ آگئیں بیٹی؟"

ترن کوزی اور جعفر نے چونک کے آواز کی طرف رخ کیا۔ فلپ اپنے کمرے
کر آہستہ آہستہ ادھر آرہا تھا۔

"آپ اب تک جاگ رہے ہیں پاپا؟" ترن کوزی کے لہجے میں خوشی اور حیرت
تمہیں بلانے آیا تھا مگر تم باغ میں جعفر کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے دخل
مناسب نہیں سمجھا۔ جاؤ۔ تھوڑی دیر سو جاؤ۔ صبح ہونے والی ہے۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں پاپا۔" جعفر کو بولنے کا موقعہ مل گیا۔

"پاپا۔ جعفر صبح کو چلے جائیں گے۔" ترن کوزی نے جیسے روتے میں کہا۔"

"کہاں۔ جعفر کہاں جارہا ہے؟۔" فلپ نے گھبرا کے کہا "کیا تم نے اسے اجازت د
ہے۔"

ترن کوزی نے مدھم آواز میں جواب دیا۔ "ہاں پاپا۔ جعفر کا اس وقت یہاں
ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ انہیں اپنے کچھ ذاتی کام بھی نمٹانا ہیں۔ یہ بہت جلد واپس آجا
گے۔"

"ترن کوزی۔ خوب سوچ لو۔ میں نے تمہارے معاملات میں کوئی دخل نہیں دیا
الزام مت دینا۔" فلپ نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے وضاحت کی۔ "میری طرف

تم آزاد ہو اور چ... تو جعفر کے ساتھ جا سکتی ہو۔"

"نہیں پاپا۔" ترن کوزی نے سختی سے انکار کیا۔ "میں نے اور جعفر نے جو طے کیا ہے ہم
عمل کریں گے۔ میں جعفر کے ساتھ جاؤں گی مگر اس وقت نہیں۔ میں ان کی جدائی
اس کے کرب کو برداشت کروں گی اور حالات ٹھیک ہوتے ہی اپنی نئی دنیا آباد کروں گی۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دور کسی مسجد سے فجر کی اذان بلند ہوئی۔ جعفر فوراً "مودب
ہو گیا اذان کے اختتام پر اس نے کہا۔ "اب آرام کرنے کا وقت نہیں رہ گیا فادر۔ میں
نماز ادا کر کے چلا جاؤں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی جعفر۔ میں تمہاری کسی بات میں دخل نہ دوں گا۔"

فلپ واپس ہونے لگا تو جعفر نے کہا۔ "آپ میرا سلام قبول فرمائیے۔ شاید اب میں
آپ سے نہ مل سکوں۔"

فلپ نے پلٹ کر جعفر کو غور سے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔ پھر وہ گھوما اور آہستہ
قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف چلنے لگا۔

"میرے پاپا کتنے اچھے ہیں جعفر۔" ترن کوزی نے بھرپور پیار سے کہا۔ "تم نے
دیکھا۔ انہوں نے کتنی خوشی سے مجھے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دی حالانکہ وہ
میری جدائی ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"پیار کرنے والے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں ترن کوزی۔" جعفر نے اسے سمجھایا۔ "ایسے
لوگ اپنے لئے نہیں اپنے پیاروں کے لئے زندہ رہتے ہیں۔"

جعفر نے کمرے میں نظر دوڑائی تو ترن کوزی نے پوچھا۔ کس چیز کی ضرورت ہے۔ کیا
ڈھونڈ رہے ہو جعفر؟"

جعفر نے ملائمیت سے جواب دیا۔ "وضو کے لئے پانی چاہئے۔ مجھے نماز پڑھنا ہے۔"

ترن کوزی جلدی سے ایک جگ میں پانی بھر کے لے آئی۔ جعفر نے وضو کر کے کمر
تہہ کی ہوئی چادر کھول کے بچھائی اور نماز فجر ادا کی۔ ترن کوزی دور بیٹھی اسے نماز
پڑھتے دیکھتی رہی۔ اس نے جعفر کو ہاتھ اٹھا کے دعا مانگتے دیکھا تو آہستہ سے بولی۔ "جعفر
میرے لئے بھی کچھ مانگ لینا۔"

جعفر نے دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیرے اور پلٹ کر کہا۔ "میں نے اپنے اللہ سے تم
کو مانگا ہے ترن کوزی۔" اور ترن کوزی کا دل سینے میں زور زور سے اچھلنے لگا۔

جعفر اور ترن کوزی کی جدائی کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔ ان کی سانسیں تیز تیز چل
رہی تھیں۔ آنکھیں بھری ہوئی تھی اور ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ ترن کوزی کا دل بہت چاہ
رہا تھا مگر ایک تو فطری حیا پھر مسلم تہذیب کا خیال اسے بے صبری سے روک رہا تھا۔ ان
کے لرزتے ہوئے ہاتھ ایک دوسرے سے بس ایک لمحے کے لئے ملے پھر جدا ہوگئے۔ ترن

کوزی کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ جعفر نے جلدی سے منہ پھیر لیا اور تیز قدموں سے چلا
لگا ترن کوزی نہ جانے کب تک وہاں کھڑی جعفر کو جاتا دیکھتی رہی۔

لارنس بوکھلایا جارہا تھا۔ اسے جعفر کے تعاقب میں جانا تھا مگر ترن کوزی راستے
دیوار بنی کھڑی تھی۔ بڑی دیر بعد ترن کوزی عبادت خانے واپس گئی اور لارنس نے
تعاقب شروع کیا۔ جعفر بوجھل بوجھل قدموں سے سراکش کی سرائے کی طرف جا رہا
تھا۔ جس راستے پر وہ چل رہا تھا وہ سیدھا سرائے کو جاتا تھا مگر لارنس کو اب بھی اطمینان نہ
تھا وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ جعفر واقعی سرائے میں پہنچ گیا ہے کیونکہ اس یقین کے بعد ہی
اپنے سوچے ہوئے منصوبے پر عمل کر سکتا تھا۔ پھر جب سرائے کے گیٹ میں داخل ہو گیا
لارنس نے اپنے قدم روکے اور پلٹ کے تیزی سے قاضی کی حویلی کی طرف چلنے لگا۔
کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ وہ بھاگتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

لارنس کو یقین تھا کہ وہ قاضی شہر کو اپنی چرب زبانی سے قائل کر کے اسے جعفر
دوبارہ گرفتار کرنے پر آمادہ کرے گا مگر یہ اس وقت ممکن تھا کہ لارنس کو قاضی کے حضور
میں فوری باریابی نصیب ہوتی اور وہ اپنا مقصد بیان کر سکتا۔ **بعلبک** کے شہر کوتوال اور
قاضی شہر کو معلوم تھا کہ **بعلبک** کے عیسائی، حکومت کے وفادار ہیں اور وہ حکومت کے
لئے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں تھا کہ قاضی شہر کی حویلی والے
لارنس کو نہ پہچانتے ہوں۔ لارنس کو دیکھتے ہی قاضی کے حویلی کے پہریدار نے ادب سے
سلام کیا تھا اور اس سے مزاج پرسی کی تھی مگر جب لارنس نے اس سے یہ درخواست کی
وہ ایک اہم معاملے میں قاضی سے اسی وقت گفتگو کرنا چاہتا ہے تو پہریدار نے اس کے
ساتھ تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

"لارنس۔ آپ میرے لئے قابل احترام ہیں مگر یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں اس
وقت آپ کی آمد کی اطلاع قاضی محترم تک لے جاؤں۔ قاضی صاحب نماز کے بعد تلاوت
فرماتے ہیں پھر وظائف کا ورد کرتے ہیں۔ اس دوران نہ وہ کسی کی مداخلت برداشت کرتے
ہیں اور نہ مجھ میں اتنی جرات ہے کہ آپ کا پیغام ان تک پہنچاؤں۔"

پہریدار نے بڑے مہذب طریقے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا تھا مگر لارنس کا دل
ٹوٹ گیا۔ اسے ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ پھر بھی اس نے معاملے کی اہمیت
صاف طور پر تو نہیں مگر مختلف طریقوں سے پہریدار پر واضح کرنے کی کوشش کی مگر پہریدار کا
انکار کسی صورت اقرار میں تبدیل نہ ہو سکا۔ اب اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی
چارہ نہ رہ گیا تھا کہ وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک پہریدار اس کی آمد کی خبر قاضی
شہر تک نہیں لے جاتا۔ یہ لمحات لارنس پر بڑے گراں گزر رہے تھے وقت بڑی تیزی سے
گزر رہا تھا اور اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس دوران جعفر کہیں سراکش سے

کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ نہ ہو جائے۔

بعد کچھ دن چڑھا۔ پہریدار نے لارنس کی بے چینی دیکھتے ہوئے شاید اس پر رحم
کھائے اور اندر جا کر لارنس کے آنے کی اطلاع دی۔ قاضی نے اسے اندر بلالیا۔ لارنس نے
لمبی چوڑی تمہید باندھ کر قاضی کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کچھ دن پہلے جس
شخص کو سراکش کی کارواں سرائے سے گرفتار کر کے قید کیا گیا تھا وہ سینٹ پال کے
گرجے سے بھاگ نکلا ہے اور اس وقت سراکش کی کارواں سرائے میں پوشیدہ ہے۔ اسے
گرفتار کرنے کا حکم دیا جائے۔

قاضی شہر لارنس کی طویل گفتگو سے اکتا گیا تھا۔ اس نے لارنس کی باتوں کا الٹا ہی
مطلب نکالا۔ "لارنس کسی مشتبہ شخص کا قید سے نکل بھاگنا اس قدر اہمیت نہیں رکھتا جتنی
یہ بات اہم ہے کہ میں نے اسے سینٹ پال کے گرجے میں قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ
حکومت کا ایک اہم راز ہے۔ ہم قیدیوں کو گرجے میں ضرور رکھتے ہیں مگر گرجے کے پادری
کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اس بات کی تشہیر کرتا پھرے کہ اس کی قید میں کوئی
انسان موجود ہے۔ گرجے کے پادری نے حکومت کا ایک اہم راز افشاء کیا ہے۔ ہم اس
سے بازپرس کریں گے کہ اس نے تم پر یہ راز افشاء کیوں کیا۔"

لارنس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ الٹی آنتیں اس کے گلے میں آ گئی تھیں۔
قاضی کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اب اسے یہ فکر پڑ گئی کہ اگر سینٹ پال
کے پادری سے سوال کیا گیا تو وہ جواب میں شہر کوتوال کا حکم نامہ پیش کر دے گا۔ اس وقت
لارنس دروغ بیانی کے جرم میں پھنس جائے گا۔ جعفر کی گرفتاری کا معاملہ تو الگ رہا
لارنس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس نے قاضی کی خوشامد شروع کر دی اور خود
درخواست کی کہ اس معاملے کو آگے نہ بڑھایا جائے کیونکہ اس سے گرجے کے پادری اور
لارنس کی سخت بدنامی ہوتی تھی۔

ادھر قاضی اپنی جگہ پریشان تھا۔ اس کا قید کیا ہوا آدمی بھاگ نکلا تھا یہ خود اس کی
ناکامی تھی مگر اسے اس لئے اطمینان تھا کہ جعفر کی گرفتاری شہر کوتوال کے حکم سے عمل
میں نہ آئی تھی بلکہ اسے مشکوک آدمیوں کی گرفتاری کے عام حکم کے تحت پکڑا گیا تھا اور
شہر کوتوال کو اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ وہ خود یہ چاہتا تھا کہ قیدی کے بھاگ نکلنے کی خبر
عام نہ ہو اس لئے اس نے لارنس کی درخواست قبول کر لی اور اسے سخت تاکید کی قیدی
کے فرار کی خبر وہ اپنے منہ سے نہ نکالے ورنہ اس کے حق میں برا ہوگا۔

اور اس وقت جعفر اپنے دوست سراکش سے طویل گفتگو کے بعد بڑی تیزی سے گھوڑا
دوڑاتا موصل کی طرف رواں دواں تھا۔



والی موصل عمادالدین زنگی صرف بہادر اور باتدبیر حکمران نہ تھا بلکہ وہ بہادروں کی دل سے قدر کرتا تھا۔ صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین موصل کے دربار میں پہنچے تو امیر موصل نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور نہ صرف نجم الدین سے کئے ہوئے احسان کا بدلہ اتارا بلکہ دونوں بھائیوں کو دربار کے امرا میں شامل کیا۔ پچھلے دو سال سے دونوں بھائی امیر کی خدمت کر رہے تھے۔ ہر معرکے میں یہ پیش پیش ہوتے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے ۔ اس طرح انہوں نے امیر کی نظروں میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ امیر بھی انہیں ہر موقعہ پر اہم اہم ذمہ داری سونپتا تھا مگر اب تک ان دونوں کو کھل کر اپنی صلاحیت دکھانے کا موقعہ نہ ملا تھا اور وہ کسی ایسے ہی موقعہ کی تلاش میں تھے۔

امیر موصل نے دمشق کی ملکہ زمرد خانم سے شادی کر کے ایک زبردست سیاسی چال چلی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح دمشق کے معاملات میں اس کے عمل دخل ہو جائے گا مگر اس کا دشمن دمشق کا وزیراعظم معین الدین انز جو اصل میں دمشق کا حاکم بنا ہوا تھا امیر سے بھی زیادہ شاطر اور چالاک نکلا۔ امیر موصل نے دمشق کی بیوہ ملکہ زمرد خانم سے شادی کرنے کے علاوہ اپنی ایک بیٹی کو شاہ دمشق مجیرالدین آبق کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ اس طرح امیر نے دوہری چال چل کے دہرا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر دمشق کے مرد آہن معین الدین نے امیر کی چالوں پر پانی پھیر دیا اس نے نہ صرف امیر کے جواں عمر داماد شاہ دمشق کو قتل کرا کے اس کے ایک بھائی کو تخت دمشق پر بٹھا دیا بلکہ عیسائی حکومتوں کی مدد سے امیر موصل کو گھیر کے شکست دینے کی کوشش کی تھی۔ امیر خوش قسمت تھا کہ گھیرا پڑنے سے پہلے ہی اپنے دستوں کو دشمن سے بچا کر موصل واپس ہو گیا۔

عماد الدین کو اس طرح اپنے دشمن کے ہاتھوں ایک طرح کی شکست اور ذلت اٹھانی پڑی تھی لیکن وہ دل برداشتہ نہیں ہوا۔ دمشق کو فتح کرنا اس کے لئے انتہائی ضروری تھا امیر کا اصل مقابلہ عیسائی حکومتوں سے تھا مگر ان کو شکست دینے سے پہلے اسے دمشق کی مسلمان سلطنت پر قبضہ کرنا ضروری تھا کیونکہ وہ ایک مضبوط دشمن کو اپنی پشت پر چھوڑ کر یروشلم پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے موصل پہنچتے ہی زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ امیر موصل اپنی لشکر کشی اور حملوں میں بڑی راز داری سے کام لیتا تھا جب وہ لشکر لے کر نکلتا تو اس کے قریب ترین سردار کو بھی علم نہ ہوتا کہ وہ کس ملک پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ کسی مخالف ریاست کے بالکل قریب پہنچ جاتا اور اس کے سرداروں اور لشکر کو یقین ہو جاتا کہ اسی ریاست پر حملہ ہو گا مگر امیر آخری منزل پر پہنچ کے ایک دم اپنا راستہ بدل دیتا اور کسی دوسری ریاست پر اچانک جا پڑتا۔ یہ حملہ اس

قدر اچانک ہوتا کہ مخالف اپنی صفیں بھی درست نہ کر پاتا اور امیر کا لشکر دشمن کو الٹ کے رکھ دیتا تھا۔

مگر اس دفعہ کچھ عجیب بات تھی۔ امیر نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ دمشق پر حملہ کرے گا اور معین الدین سے اپنی ذلت کا انتقام لے گا۔ اس نے یہ بھی مشہور کر دیا تھا کہ اس کے جاسوس دمشق میں کام کر رہے ہیں اور ان کے واپس آتے ہی وہ دمشق کی طرف کوچ کرے گا۔ دمشق والوں کو یہ خبریں قافلوں اور اپنے جاسوسوں کے ذریعے پہنچ رہی تھیں۔ اسی کے مطابق معین الدین انز دمشق کے لشکر کو مضبوط سے مضبوط تر بنا رہا تھا۔ اس نے عیسائی ریاستوں خصوصاً یروشلم کے شاہ بالڈون سے فوجی مدد طلب کر لی تھی اور عیسائی دستے دمشق پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ امیر نے اس بار دمشق کے محاذ کے لئے اپنے بہترین سرداروں کا انتخاب کیا تھا۔ عام طور سے اس کے ساتھ اسدالدین ہوتا تھا۔ نجم الدین ایوب کے بارے میں امیر کا خیال تھا کہ وہ ایک بہترین منتظم ہے اس لئے جب امیر کسی محاذ پر جاتا تو اپنے نائب کو تاکید کر جاتا کہ ہر اہم معاملے میں وہ نجم الدین ایوب سے مشورہ کرتا رہے مگر اس دفعہ اس نے نجم الدین ایوب کو خصوصیت سے حکم دیا تھا کہ وہ اس کے ہمرکاب رہے گا۔ نجم الدین ایوب کو بھی شمشیر کے جوہر دکھانے کا کم ہی موقع ملتا تھا۔ وہ امیر کے اس حکم سے بہت خوش ہوا اور لشکر کے ساتھ چلنے کی تیاریوں میں لگ گیا۔

آخر والی موصل امیر عمادالدین زنگی نے ۱۱۳۹ء میں ایک بار پھر دمشق کی طرف کوچ کیا۔ اس کے جلو میں ایک عظیم الشان لشکر تھا اور سب کو یہی علم تھا کہ اس دفعہ دمشق کی خیر نہیں اور امیر اس دفعہ دمشق کے معین الدین انز سے اپنے تمام پرانے جھگڑے چکا کر رہے گا۔ امیر کے تیور بھی بہت بگڑے ہوئے تھے۔ وہ پورے کیل کانٹے سے لیس ہو کر موصل سے نکلا تھا۔ موصل کا انتظام اس نے اپنے نائب نصیرالدین کے حوالے کر دیا تھا۔ ہر دفعہ امیر اپنے نائب کے ساتھ نجم الدین ایوب کو بھی موصل میں چھوڑ جایا کرتا تھا مگر اب کی بار نجم الدین ایوب امیر موصل کے ساتھ گیا تھا اور نصیرالدین پر موصل کے انتظام کا پورا بار تھا۔

امیر موصل بہت آہستہ آہستہ دمشق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک ایک منزل پر وہ کئی کئی دن قیام کرتا۔ لشکر کا معائنہ کرتا اور امرا اور سرداروں کو ضروری ہدایات جاری کرتا۔ ادھر دمشق میں تہلکہ مچا ہوا تھا۔ معین الدین کو برابر خبریں مل رہی تھیں کہ امیر موصل بڑے جوش و خروش کے ساتھ دمشق کی طرف آ رہا ہے اس نے اپنے تمام حلیفوں کو مطلع کر دیا تھا اور ان کی فوجیں دمشق کی حفاظت کے لئے پہنچ گئی تھیں۔ معین الدین دمشق کو مضبوط

سے مضبوط تر بنانے میں رات دن مصروف تھا۔ دمشق آنے والے تمام راستوں پر اس
لشکر پھیلا دیا تھا۔ اس کے علاوہ دمشق کے قلعہ کو اس نے اس قدر مضبوط کر دیا تھا
محاصرے کی صورت میں وہ کئی ماہ تک امیر موصل سے مدافعتی جنگ لڑ سکتا تھا۔

امیر موصل نے دمشق کی طرف دو تین منزلیں طے کرنے کے بعد ایک بڑے میدان
میں پڑاؤ ڈالا اور حکم دیا کہ لشکر کے خیمے چھ میل کی چوڑائی میں نصب کئے جائیں۔ حکم
تعمیل ہوئی اور چھ میل تک خیمے ہی خیمے نظر آنے لگے۔ دور سے دیکھنے والوں کو یہی معلوم
ہوتا تھا کہ ایک عظیم الشان لشکر میدان میں خیمہ زن ہے لیکن امیر نے کچھ اور ہی سوچ
رکھا تھا۔ اس نے سب سے پہلے جعفر کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جعفر بعلبک سے رہا
ہو کر سیدھا موصل پہنچا تھا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ امیر لشکر کے ساتھ دمشق روانہ ہو
چکے ہیں تو موصل میں ٹھہرنے کے بجائے سیدھا دمشق کے راستے پر روانہ ہو گیا۔ پچھلی
شب وہ امیر کے لشکر میں پہنچ گیا تھا مگر اسے امیر کے حضور باریابی کی اجازت نہ ملی تھی۔
امیر نے اسے اطلاع کرا دی تھی کہ وہ لشکر کے ساتھ ساتھ چلتا رہے اور جب ضرورت
ہوگی اسے طلب کر لیا جائے گا۔

جعفر نے امیر کے خیمے میں پہنچ کے سلام کیا تو امیر اسے دیکھ کر مسکرایا۔ "جعفر
ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ تم بعلبک سے روانہ ہو چکے ہو۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ تم
گرفتار کر لئے گئے تھے اور بڑی مشکل سے تمہیں رہائی حاصل ہوئی تھی۔"

جعفر نے تعجب سے امیر کو دیکھا۔ "امیر عالی مقام کا ارشاد بالکل درست ہے مگر غلام
یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ اطلاعات امیر تک کس ذریعے سے پہنچیں۔؟"

"جعفر۔ ہم اپنے اہم آدمیوں کے بارے میں ہر وقت باخبر رہنا چاہتے ہیں۔" امیر نے
کہا۔ "ہم نے ملوکتش کو تمہارے پاس بھیجا کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ موصل لے آئے
کیونکہ اب بعلبک میں مقیم رہنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں لیکن سرائے کے مالک
سرکاش ——— شاید یہی اس کا نام ہے۔ اس نے بتایا کہ جعفر اس دن صبح کو قید سے
رہا ہوئے تھے اور موصل جا چکے ہیں۔"

"عالی مقام امیر ——— وفاداروں کو اس بات پر فخر ہے کہ امیر ان کا اتنا
خیال رکھتے ہیں۔" جعفر نے سر جھکا کر کہا "سرائے کا مالک سرائش جسے لوگ سرکاش کہتے
ہیں۔ میرا گہرا دوست بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے بعلبک میں اپنا کام کرنے میں بڑی
آسانی ہوئی تھی۔"

پھر جعفر نے بڑی تفصیل سے بعلبک اور دمشق کے حالات بیان کئے اور امیر بڑی توجہ

سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ جعفر نے یہ بھی بتایا کہ ایک عیسائی لڑکی کی مدد سے اسے رہائی
حاصل ہوئی ہے مگر امیر نے اس بارے میں اس سے کچھ نہ پوچھا مگر جب جعفر کی گفتگو ختم
ہوئی امیر نے ذرا غصہ سے کہا۔ اس کے مطلب ہے کہ دمشق اور بعلبک کی عیسائی عبادت
گاہوں کے پادری غیر جانبدار نہیں اور سلطنت دمشق کے بہت سے اہم کام انجام دیتے
ہیں۔"

جعفر امیر کا غصہ دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے امیر کو یہ کیوں
بتایا کہ اسے سینٹ پال کی عبادت گاہ میں قید کیا گیا تھا مگر تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔ جعفر
انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے اسے مجبوراً اقرار کرنا پڑا۔ "امیر محترم۔ دمشق کے
متعلق تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر بعلبک کی ہر عبادت گاہ مسلمان قیدیوں کی عقوبت
گاہ بنی ہوئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارے جیسے مسلمان بھی قید ہوں؟"

"عین ممکن ہے امیر محترم۔ بعلبک کا قاضی اور شہر کوتوال جاسوسوں اور مشتبہ لوگوں
کو عیسائی عبادت گاہ میں قید کرتے ہیں۔" جعفر نے بے جھجک کہہ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس
سے زن کوزی اور اس کے باپ کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے مگر اسے امیر کے سامنے جھوٹ
بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔

"اچھا جعفر۔ جب ہم بعلبک پہنچیں تو ہمیں عیسائی عبادت گاہ اور سرائش یا سرکاش کی
سرائے ضرورت یاد دلانا۔" امیر موصل نے جعفر کو ایک بار پھر چونکا دیا کہ امیر موصل جا تو
دمشق رہا تھا اور ذکر بعلبک کا کر رہا تھا۔

جعفر چند لمحے امیر کو دیکھتا رہا پھر کہا۔ "خادم اپنے امیر کی باتیں سمجھنے سے قطعی قاصر
ہے مجھے نہیں معلوم کہ امیر کس طرف تشریف لے جا رہے ہیں اور نہ میری جرات ہے کہ
اس بارے میں امیر سے کوئی سوال کر سکوں مگر امیر نے ابھی مجھے حکم دیا ہے کہ میں
بعلبک میں انہیں دو باتیں یاد دلاؤں حالانکہ امیر محترم شاید ———"

جعفر کہتے کہتے اک دم رک گیا۔ اسے فوراً خیال آیا کہ امیر کے ارادوں کے متعلق
اندازہ لگانا اور قیاس آرائی کرنا بھی جرم ہے۔

"رک کیوں گئے جعفر تم کچھ کہہ رہے تھے؟" امیر نے نرمی سے پوچھا۔

"غلام سے ایک گستاخی ہو رہی تھی امیر۔ غلام کو معاف کیا جائے۔"

امیر نے ایک لمحہ رک کے پوچھا۔ "اچھا بتاؤ جعفر۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"غلاموں کا یہ کام نہیں کہ آقا کے ارادوں کے بارے میں قیاس آرائی کریں۔" جعفر

نے پہلو بچا کے کہا "امیر وہاں جا رہے ہیں جہاں جانے کا امیر نے ارادہ کیا ہے۔"
امیر نے کہا۔ "جعفر تم قیاس نہ بھی کرو تو بھی ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ ہمارے لش
رخ دمشق کی طرف ہے مگر ہم اصل میں بعلبک جا رہے ہیں۔"
جعفر کا منہ کھلا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں اب بھی امیر کی بات نہ آئی تھی۔ امیر
منزلیں دمشق کے راستے پر طے کر چکے تھے اور کہہ رہے ہیں کہ وہ بعلبک جا رہے ہیں۔
"حیران نہ ہو جعفر۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں" امیر نے اس کی پریشانی دور کرنے کے
کہا۔ تمہیں اس لئے بتایا جا رہا ہے کہ یہاں سے بعلبک کی طرف تم ہماری رہنمائی
گے۔ صبح ہونے سے پہلے ہمارا لشکر بعلبک کی طرف کوچ کرے گا اس طرح کہ چھ میل
پھیل ہوئے یہ خیمے اسی طرح نصب رہیں گے۔ ان کی حفاظت کے لئے کچھ دستے بھی چ
دیے جائیں گے باقی تمام لشکر ہمارے ساتھ ہوگا۔ دمشق والوں کو یہی معلوم ہوگا کہ ہم
کی طرف بڑھتے بڑھتے خوفزدہ ہو کر اس جگہ ٹھہر گئے ہیں۔ وہ چند دن تک اس مغالطے
رہیں گے اور اس دوران ہم بعلبک پہنچ چکے ہوں گے۔ بعلبک کو ہمارے ہاتھ سے کون
سکے گا؟"

"کوئی نہیں امیر محترم۔ بعلبک کو کوئی نہیں بچا سکتا۔" جعفر نے بڑی مسرت سے ک
"اور امیر محترم کی دماغ اور جنگی چالوں کو بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"
"تم جا کے تیاری کرو مگر خبردار اپنی زبان بند رکھنا۔ ہماری روانگی بڑی خاموشی
ہوگی۔"

امیر نے جعفر سے گفتگو کر کے اسے واپس کر دیا۔ امیر موصل کی عجیب حکمت
تھی۔ جعفر سے گفتگو سے پہلے اس نے اپنے تمام سرداروں کو بعلبک جانے کے بارے
بھی بتا دیا تھا اور وہ بڑی راز داری سے امیر کے حکم پر عمل کر رہے تھے۔ اس کے بار
امیر نے جعفر کو حکم دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کسی سے گفتگو نہ کرے اور اپنی زبان
رکھے۔

رات کے آخری حصے میں عمادالدین زنگی کا لشکر بڑی احتیاط اور خاموشی سے خیمہ
سے نکلا اور راستہ کاٹ کر بعلبک کی طرف روانہ ہوا۔ اس زمانے میں جنگ کے دورا
بھی تجارتی قافلے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے تھے۔ ان سے کوئی تعرض نہ کرتا
بلکہ اکثر تاجر اپنے سامان کے ساتھ لشکر گاہ میں آکر سامان کی خرید و فروخت کرتے تھے
امیر موصل نے روانگی سے قبل خیمہ گاہ میں مقیم دستوں کو سخت تاکید کر دی تھی کہ
تاجر یا غیر شخص کو خیمہ گاہ میں نہ آنے دیا جائے۔ یہ حکم اس نے اس لئے دیا تھا تاکہ

معلوم ہو سکے کہ خیمہ گاہ میں کتنا لشکر موجود ہے اور پاس سے گزرنے والے
بھی خیال رہے کہ امیر موصل کا پورا لشکر خیمہ گاہ میں موجود ہے۔
موصل بڑی تیزی سے رات دن منزلیں طے کرتا ہوا بعلبک کے سامنے نمودار
اور دمشق کا درمیانی فاصلہ پینتیس چالیس میل سے زیادہ نہ تھا مگر امیر موصل
خاموشی سے بعلبک پہنچا کہ دمشق والوں کو حملے کی خبر اس وقت ہوئی جب امیر نے
کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔ بعلبک۔ دمشق کے وزیراعظم معین الدین کی جاگیر اور بڑا
قلعہ تھا۔ معین الدین انز دمشق کی حفاظت میں لگا تھا۔ اس نے دمشق کو اس قدر
لیا تھا کہ اگر امیر موصل اس پر حملہ کرتا اسے فتح کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا
تھا کہ اسے ناکام واپس آنا پڑتا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ امیر موصل نے اچانک
پر حملہ کر دیا تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔
الدین انز نے مشورے کے لئے اپنے سرداروں کو جمع کیا۔ عیسائی لشکر کے سردار
کانفرنس میں شریک ہوئے مگر کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکا۔ اگر معین الدین اپنی
لے جاتا ہے تو دمشق خالی ہو جاتا ہے جس کی طرف امیر موصل کا دوسرا لشکر بڑھ
از بڑے بحث مباحثے کے بعد طے ہوا کہ بعلبک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا
دمشق کی حفاظت کی جائے۔ پھر بھی معین الدین انز نے ایک چھوٹا لشکر کمک کے
بعلبک روانہ کیا مگر امیر موصل نے بعلبک آنے والے تمام راستے بند کر رکھے
سے آنے والی کمک کو امیر موصل نے راستے ہی میں گھیر لیا اور ایک معمولی
بعد اسے مار بھگایا۔
کے شہر کوتوال نے جسے گورنر کے اختیارات حاصل تھے۔ شہر کی حفاظت کے
انتظامات کئے تھے۔ قلعہ کے اندر کھانے پینے کا کافی سامان موجود تھا مگر امیر موصل
سخت محاصرہ کیا تھا کہ برازق بویہ کو دمشق سے کوئی مدد نہ مل سکی تھی بغیر بیرونی
ازق بویہ زیادہ عرصے تک مدافعت نہ کر سکتا تھا۔ بعلبک کے لشکر اور عوام میں
کے چوتھے ہی دن بے چینی پیدا ہو گئی۔ دونوں جانب مسلمان لشکر تھے۔ عوام
کسی طرح امیر موصل سے صلح ہو جائے اور شہر تباہی سے بچ جائے۔ امیر
پر قبضہ کر کے معین الدین انز کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس
لیا تھا کہ وہ بعلبک پر ہر صورت میں قبضہ کرے گا خواہ اس میں کتنا ہی خون
نہ ہو۔

کوتوال عوام کی بے چینی سے بہت پریشان تھا۔ اس کی فوج میں بھی بد دلی پھیل

رہی تھی۔ آخر اس نے شہر کے معززین اور علماء کرام کے زور دینے پر صلح کی بات
آمادگی ظاہر کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ امیر موصل سے گفتگو کرنے کون جائے۔
اپنا پہلو بچا رہا تھا اور شہر کوتوال قلعہ سے باہر نکلنے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔ اس
میں صرف علماء کرام ہی اس بات چیت کو احسن طریقے سے آگے بڑھا سکتے تھے۔ و
کو علم تھا کہ امیر موصل باجود انتہائی سخت مزاج ہونے کے علماء کی عزت کرتا
لئے اس نے شہر کے دو عالموں کو امیر سے گفتگو کے لئے بھیجا۔

امیر موصل نے دونوں عالموں کو بڑی عزت سے اپنے خیمے میں بلایا ان کا
احترام کیا مگر جب علماء نے صلح کی گفتگو شروع کی تو امیر موصل نے بڑے ادب
دیا۔ "آپ لوگ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن
بات چیت کے لئے آپ کے ساتھ شہر کوتوال یا اس کا کوئی معتمد آنا چاہئے تھا
شرائط کی تصدیق کرتا۔"

علماء کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا پھر ایک عالم نے کہا۔ "امیر محترم
مطالبہ درست ہے لیکن ہم صلح کی ایسی شرائط لے کے آئے ہیں کہ جب آپ ا
گے تو شاید آپ کو مزید کسی تصدیق کی ضرورت نہ ہوگی۔"

"محترم بزرگ۔" امیر نے نرمی سے جواب دیا۔ "آپ دونوں کا ہمارے لشکر
ہمارے لئے باعث عزت و شرف ہے اور ہم آپ سے صلح کی شرائط سننے سے پہلے
کی تمام شرطوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ہمارا مطالبہ پھر بھی اپنی جگہ برقرار رہے گا
امیر نے اپنے جواب سے علماء کو بالکل لاجواب کر دیا۔ وہ امیر کی گفتگو سے
ہوئے تھے۔ انہوں نے امیر کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس وقت اس کے بالکل
نظر آرہا تھا۔ صلح کی شرائط کو بغیر سنے تسلیم کر لینا امیر کا ایک ایسا فیصلہ تھا جو
تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ علماء بہت دیر تک آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے پھر
نے کہا۔

امیر محترم۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہماری شرطیں بغیر سنے
کر لیں۔ جہاں تک اس کی تصدیق کا مسئلہ ہے اس کی ایک صورت یہ بھی ہو
آپ ہماری شرائط سن لیں اور اپنے چند معتمد ہمارے قلعہ میں بھیج دیں جو شہر
ملاقات کر کے اس کی تصدیق کرا لیں۔"

شاید امیر موصل ہر صورت میں صلح پر آمادہ تھا اس لئے اس نے فوراً
"محترم بزرگان دین۔ ہم آپ کی کوئی بات رد کر کے گناہ گار نہیں ہونا چاہتے

...ی تصدیق اس انداز سے چاہتے ہیں۔ تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ یوں ہم
...یقین دلاتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون نہیں بہانا چاہتے۔ ہمیں
...قلعہ پر قبضہ چاہیے۔"

...عالم نے بڑی مسرت سے کہا۔ "امیر محترم ہم آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ شہر
...کی طرف سے پیش کی گئی شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ قلعہ پر قبضے کے بعد
...ے پیش کی گئی شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ قلعہ پر قبضے کے بعد قلعہ میں
...تمام مذہب و ملت کے لوگوں کی جان و مال اور محترمی آبرو کا وعدہ کیا جائے اور میری
...ہے کہ قلعہ پر قبضے سے پہلے شہر کوتوال کو معہ اس کے لشکر کے دمشق جانے کی ا
...دی جائے۔ اس کے علاوہ شہر کے لوگ جو شہر کوتوال کے ساتھ جانا چاہیں انہیں بھی
...اجائے۔"

"ہم نے آپ کی دونوں شرطیں قبول کیں۔" امیر نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔ "لیکن
...ں ذرا ترمیم کر لی جائے وہ یہ کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعلبک کی عیسائی عبادت
...میں شہر کوتوال نے بعض مسلمانوں کو قید کر رکھا ہے۔ اس لئے ہم اس بات کے مختار
...ے کہ عیسائی عبادت گاہوں کی تلاشی لے کر تمام بے گناہ مسلمانوں کو رہائی دلائیں۔
...بعلبک کے علما کو اس بات کا کوئی علم نہ تھا۔ ایک عالم نے کہا۔ "امیر۔ ہمیں اس
...کوئی علم نہیں۔ اگر شہر کوتوال نے ایسا کیا ہے تو یہ چیز ملکی قانون کے خلاف ہے۔
...کے لئے شہر میں قید خانہ موجود ہے ۔ عیسائیوں کی عبادت گاہ کو قید خانے کے طور پر
...کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو قید سے رہا
...کے لئے آپ کو کسی بھی عبادت گاہ میں داخل ہونے کا پورا اختیار ہوگا۔"
...امیر موصل عالم کی اس بات سے بہت خوش ہوا۔ "محترم بزرگ ۔ہمارے تین آدمی
...کے ساتھ قلعہ میں جائیں گے۔ ان میں دو ہمارے معزز سردار ہوں گے اور تیسرا
...شخص ہوگا جو شہر کوتوال کو اس بات پر قائل کرے گا کہ اس کے حکم سے کتنے ہی
...عیسائی عبادت گاہوں قید ہیں انہیں رہا کرنا ہے۔"
...گو ختم ہو گئی۔ بعلبک کے علما واپس ہوئے۔ امیر موصل نے ان کے ساتھ اپنے دو
...ں کو روانہ کیا یہ دونوں سگے بھائی تھے یعنی اسد الدین اور نجم الدین ایوب۔ ان کے
...کو بھی ساتھ بھیجا گیا جو بعلبک کی ایک عبادت گاہ میں کئی دن تک قید رہ چکا تھا۔
...بعلبک کے عوام اور خواص صلح کی سفارت کی واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر
...تمام لوگ گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آگئے تھے۔ زیادہ مجمع قلعہ کے صدر

دروازے کے قریب تھا۔ شہر کوتوال فوجی سرداروں عمائدین معززین شہر کے ساتھ
بڑے برج میں بیٹھا سفارت کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ہر شخص سہما ہوا تھا۔
چہرے دھواں دھواں دکھائی دیتے تھے اور جانیں سولی پر لٹکی ہوئی تھیں۔ اسی دوران
بعلبک کے عالم چند دوسرے لوگوں کے ساتھ قلعہ کی طرف واپس آتے دکھائی
سب کی آنکھیں آنے والوں پر لگی تھیں۔ صدر دروازے پر پہنچ کے علمائے
اشارے سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ بڑے دروازے میں لگا ہوا چھوٹا دروازہ کھول دیا
آنے والوں کو اندر لے کر فوراً اسے احتیاط سے بند کر دیا گیا۔

شہر کوتوال برازق بوبہ قاضی شہر کے ساتھ برج سے اتر کر دروازے کے پاس
تھا۔ اس نے علماء کرام کو امید و بیم کی نظروں سے دیکھا۔ ایک عالم نے سرگوشیوں
"مبارک ہو امیر موصل صلح پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ امیر کے تین سردار صلح کی ش
لئے ہمارے ساتھ ہیں۔"

شہر کوتوال کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے بڑھ کے اسدالدین۔ نجم الد
اور جعفر کا پرتپاک استقبال کیا "اے امیر موصل کے معزز سرداران لشکر۔ کیا آ
صلح کا اعلان کر کے بعلبک کے عوام کو مطمئن کرنا گوارہ فرمائیں گے شہر کوتوال
پریشانی چھپانے کی بہت کوشش کی تھی مگر اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

اسد الدین نے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔ نجم الدین نے متانت سے جوا
"اے برازق بوبہ۔ اگر علماء کرام کی جماعت ہمارے امیر کے پاس تمہاری طرف
پیغام لے کر گئی تھی تو میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے امیر عالی مقام
نے تمام لوگوں کی جان بخشی کا حکم صادر کیا ------"

نجم الدین ایوب نے اتنا ہی اعلان کیا تھا کہ ہر طرف سے امیر موصل ز
نعرے بلند ہونا شروع ہو گئے اور اس قدر شور ہوا کہ نجم الدین اپنی بات بھی پ
سکا۔ اس نے چیخ کے شہر کوتوال سے کہا۔ "برازق بوبہ۔ ابھی صلح کا اعلان مکمل
ہے اور جب تک تم ہمارے امیر کی ایک شرط تسلیم نہیں کرتے اس وقت تک اس
پر عمل در آمد ہو سکے گا۔"

کوتوال کا رنگ پھر پھیکا پڑ گیا۔ اس نے گھبرا کے کہا۔ "سردار محترم۔ اگر ا
مجھے اور میرے لشکر کو قلعہ سے باعزت طریقے سے نکل جانے کی اجازت دے
ہیں تو میں ان کی تمام دوسری شرطیں تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔"

نجم الدین ایوب نے اسے مطمئن کرنے کے لئے کہا۔ برازق بوبہ مطمئن ا

صرف تمہیں اور تمہارے لشکر کو قلعہ چھوڑنے کی اجازت دینے پر رضامند ہیں
لوگوں کو بھی قلعہ چھوڑنے کی اجازت ہوگی جو اپنی خوشی سے تمہارے ساتھ جانا
گے۔"

شہر کوتوال کی باچھیں کھل گئیں۔ "سردار۔ یہاں بہت شور ہو رہا ہے۔ آپ ہمارے
تشریف لے چلئے وہاں بیٹھ کے اطمینان سے گفتگو ہوگی۔"

بوبہ ان لوگوں کو لے کے برج میں چلا گیا۔ عوام جوش و خروش سے نعرے لگا رہے
ان کی آوازیں اونچے برج تک پہنچ رہی تھیں۔ نجم الدین ایوب نے جھانک کے
تھا۔ لوگ گروہ کی صورت میں جگہ جگہ اکٹھا تھے اور خوشی کے عالم میں رقص کر
تھے۔ جعفر بھی نیچے جھانک رہا تھا اور اس کی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ شاید
روزی کو یا پھر سراکش کو مگر اس جم غفیر میں اس کی نظریں بھٹکتی ہی رہیں اور اسے
کوئی نظر نہ آیا۔

شہر کوتوال' امیر موصل کی شرط سننے کے لئے بہت بے چین تھا۔ اس نے بیٹھتے ہی نجم
سے کہا۔ سردار فرمائیے۔ امیر موصل نے صلح کی تکمیل کی کیا شرط رکھی ہے؟"

نجم الدین نے بڑے رعب سے کہا۔ "ہمارے امیر کو معلوم ہوا ہے کہ بعلبک کے شہر
اور دوسرے حاکموں نے بعض ایسے مسلمانوں کو گرفتار کیا ہے جن پر انہیں جاسوس
شبہ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مشکوک لوگوں کو گرفتار کرنا ہر حکومت کا فرض ہے مگر
کے حکام نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ گرفتار شدگان کو بجائے حکومت کے قید
رکھنے کے عیسائی پادریوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس طرح بعلبک کا ہر عبادت
قید خانے کا بھی کام کرتا ہے جس میں بے گناہ مسلمان قیدی غیر مسلموں کے
طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرتے ہیں۔"

کوتوال اس الزام کو سن کر پیلا پڑ گیا کیونکہ بعلبک میں یہ عام طریقہ تھا اور خود اسے
پر بھی حیرت تھی کہ یہ خبر امیر موصل تک کس طرح پہنچی۔ قاضی شہر اس کے
بیٹھا تھا وہ یہ بات سن کر چونک پڑا۔ اسے فوراً لارنس کی بات یاد آگئی جس نے
دن پہلے اسے مطلع کیا تھا کہ ایک مشکوک مسلمان' عیسائی عبادت خانہ سے بھاگ
اسے یقین ہو گیا کہ یہ راز کی بات امیر موصل کو اس قیدی نے بتائی ہوگی۔

کوتوال نظریں نیچی کئے ہوئے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ امیر موصل کے سردار کو کیا
اسے انکار کرنے کی جرات نہ ہو رہی تھی۔ اس وقت ایک عالم نے بات کو
شہر کوتوال سے مخاطب ہوا۔ "محترم کوتوال شہر۔ امیر موصل نے اپنے سردار کے

ذریعے جو الزام آپ پر اور آپ کے حکام پر لگایا ہے۔ آپ اس سے انکار نہیں کر سکے"
عالم نے جعفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "امیر موصل نے ہمارے ساتھ اپنے ا
معتمد کو بھی بھیجا ہے جو اس بات کی تصدیق کرے گا کہ عیسائی عبادت خانوں میں ک
مسلمان موجود ہیں کیونکہ امیر موصل کا یہ معتمد خود ایک ایسے ہی قید خانہ میں قید و بند
چند ہفتے گزار چکا ہے۔"

اب تو شہر کوتوال بالکل ہی انکار نہ کر سکتا تھا۔ اس کا منہ لٹک گیا۔ قاضی کے خیا
کی بھی تصدیق ہو گئی۔ وہ جعفر کو پہنچان تو نہ پایا مگر اسے یہ یقین ہو گیا کہ یہی وہ قیدی
جو عبادت خانے سے بھاگ نکلا تھا۔ قاضی نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں شہر کوتوال اس وا
ثبوت اور شہادت کے اس الزام کی تردید کرنے کی غلطی نہ کرے۔ اس نے خود ہی ا
مناسب سمجھا۔ "سردار محترم۔" قاضی نے نجم الدین کو اپنی طرف مخاطب کر لیا۔ "ام
موصل کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ وہ بعلبک کے تمام لوگوں کی جان کی ضمانت د
ہیں۔ اس کے بعد اس طرح کے الزام سے امیر موصل کے اعلان کی تردید ہوئی کیونکہ ا
یہ الزام ثابت ہو گیا تو امیر موصل ذمہ دار آدمیوں کو سزا دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ا
موصل جان کی حفاظت کے بعد کسی کو سزا دینا پسند نہ فرمائیں گے۔"

سردار نجم الدین ایوب نے گھور کے قاضی کو دیکھا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ مجھے مخاط
کرنے والا کون شخص ہے اور اسے اس اہم معاملے میں بولنے کی اجازت کس نے ا
ہے؟

شہر کوتوال نے جلدی سے کہا۔ "سردار محترم۔ آپ کو مخاطب کرنے والے بعلب
کے قاضی شہر ہیں اور وہ میری اجازت سے اس گفتگو میں بولنے کے مجاز ہیں پھر بھی ا
قاضی صاحب کی گفتگو سے کسی سختی یا توہین کا اظہار ہوا ہے تو اس کی معافی کا خواستگا
ہوں۔"

"ایسی بات نہیں ہے برازق بویہ۔" نجم الدین نے سنبھل کے کہا۔ "قاضی شہر ہم
لئے بھی قابل احترام ہیں۔ مرا خیال یہی تھا کہ اس قسم کی منطقی گفتگو صرف ایک قا
آدمی ہی کر سکتا ہے۔" پھر نجم الدین نے گھوم کر قاضی شہر کو جواب دیا۔ "قاضی محتر
آپ کا یہ خیال درست ہے کہ ہمارے امیر محترم سب کی جاں بخشی کرنے کے بعد کسی
کسی سابقہ جرم کی سزا نہ دیں گے۔ اس سلسلے میں سزا تو صرف ان پادریوں کو دی جائے
جو اپنے عبادت خانوں میں مسلمان قیدیوں کو ہمارے حوالے کرنے سے انکار کریں گے
موصل نے اپنا یہی حق محفوظ رکھا ہے اور یہی ان کی پہلی اور آخری شرط ہے۔ میرا خیا

شہر کوتوال اس سرط کو قبول فرمائیں گے کیونکہ انہیں اس غلطی کی کوئی سزا نہیں دی
ی۔ ان کا کام یہ ہو گا کہ وہ اور ان کے حکام مجاز تمام ایسے قیدیوں کی فہرست ہمارے
کردیں جو مختلف عبادت خانوں میں قید ہیں۔ انہیں رہا کرانے کی ذمہ داری ہماری
ہم ان کی بازیابی کے لئے جو طریقہ بہتر خیال کریں گے وہ اختیار کیا جائے گا۔"

نجم الدین ایوب کی بات نہایت معقول تھی۔ شہر کوتوال نے قاضی شہر کی طرف دیکھا۔
نے کہا۔ "آپ کوتوال شہر کی حیثیت سے بعلبک کے حاکم مجاز ہیں۔ آپ امیر
کی اس شرط کو تسلیم کرنے کا اعلان فرمائیے تاکہ صلح کے معاہدے کی تکمیل ہو جائے
ہ امیر موصل کے حوالے کیا جا سکے۔"

شہر کوتوال برازق بویہ نے صاف الفاظ میں جواب دیا۔ ”میں امیر موصل کی شرط کو
رہا ہوں۔" پھر اس نے نجم الدین ایوب سے کہا۔ ”آپ امیر موصل کے مطلع فرما
ان کی شرط ہمیں منظور ہے۔ اب ہمیں قلعہ سے نکلنے کی اجازت دی جائے۔ تمام
عبادت خانوں کی فہرست میں ابھی آپ کو مہیا کئے دیتا ہوں۔ آپ جس طرح بہتر
فرمائیں وہاں تلاشی لے سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میری درخواست ہے کہ اس
ں عبادت خانے کے کسی پادری کو کوئی سزا نہ دی جائے انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ
حکم سے ہوا اور امیر موصل ہماری جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول فرما چکے

نجم الدین نے جواب دیا۔ "شہر کوتوال کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ ہر کام صلح نامے کے
ہو گا اور بعلبک کی رعیت کو کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"

صلح نامے کی تکمیل ہو چکی تھی۔ نجم الدین کو عبادت خانوں کی فہرست مہیا کر دی
شہر کوتوال سے رخصت ہو کر اسد الدین اور جعفر کے ساتھ برج سے اتر کر نیچے آیا۔
نیچے آتے ہی صلح کا اعلان کر دیا گیا اور لوگوں سے کہا گیا کہ جو لوگ بعلبک کو
چاہیں وہ اپنا مختصر سامان لے کر قلعہ کے جنوبی دروازے پر پہنچ جائیں۔ نجم الدین
کے پیچھے پیچھے جعفر چل رہا تھا۔ اس کی نظریں بعلبک کے عوام پر تھیں وہ خوشی سے
ہو رہے تھے۔ اس وقت جعفر کے کانوں میں ایک مانوس آواز پڑی اسے محسوس ہوا
کی قریب ہی اسے "جعفر بھائی" کہہ کے آواز دے رہا ہے۔ جعفر نے گھبرا کے
طرف نظریں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کا دوست
کا مالک سرائش بھیڑ کو چیرتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

رائش کو دیکھ کر جعفر ایسا بے قابو ہوا کہ اس نے وقت اور موقعہ کی بھی پروا نہ کی

اور اپنے سرداروں کو چھوڑ کے تیزی سے سراکش کی طرف بڑھا اور اس سے چمٹ گیا
کے ملاپ کا منظر بڑا دلچسپ تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے اور فرط م
سے ان کی آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ پھر ایک دم جعفر کو وقت کی نزاکت کا احساس ہ
وہ جلدی سے سراکش سے الگ ہوا۔ "سراکش۔ میں اس وقت امیر موصل کے ایک اہم
پر مامور ہوں۔ تم میرا انتظار کرنا قلعہ کا دروازہ کھلنے والا ہے۔ میں امیر موصل کے لشکر
ساتھ واپس آؤں گا۔"

سراکش نے ہنستے ہوئے کہا۔ جعفر بھائی۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم کوئی بڑے آ
ہو۔ اب راز کھلا۔

"باتیں بعد میں ہوں گی سراکش۔" جعفر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم ترن کو ذ
ڈھونڈ کے اس سے کہہ دینا کہ میں بعلبک ہمیشہ کے لئے آ گیا ہوں۔"

"اور پھر تم اس سے شادی کرو گے۔ کیوں نا جعفر بھائی۔ سراکش نے ہنستے ہوئے
پتہ نہیں کہ جعفر نے اس کی بات سنی کہ نہیں کیونکہ وہ بھاگتا ہوا سردار نجم الدین ا
کی طرف جا رہا تھا۔ نجم الدین نے لشکر میں پہنچ کے امیر موصل کو قلعہ میں ہونے والی
گفتگو سے آگاہ کیا۔ امیر نے اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ اس وقت بعلبک کے قلعہ
صدر دروازہ کھل گیا اور کوتوال شہر اپنے عمائدین کے ساتھ امیر موصل کو قلعہ کی چابیا
دینے کے لئے باہر آیا۔ شہر کوتوال اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار تھے۔ خیمہ گاہ پر
کے سب لوگ گھوڑوں سے اترے۔ امیر موصل اپنے سرداروں کے ساتھ خیمہ کے باہر
تھا شہر کوتوال نظریں نیچی کیے ہوئے امیر کے سامنے پہنچا۔ پہلے اس نے جھک کے ا
موصل کو سلام کیا پھر قلعہ کی تمام چابیاں امیر کے قدموں میں رکھ دیں۔

امیر موصل نے قریب کھڑے ہوئے نجم الدین ایوب کو دیکھا۔ "نجم الدین چابیاں
سنبھالو۔ ہم نے چابیاں اور بعلبک کا قلعہ تمہاری تحویل میں دیا۔ آج سے تم بعلبک
قلعدار اور ہماری طرف سے گورنر ہو۔"

نجم الدین ایوب کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دو سال کی مسلسل جاں نثاری ا
وفاداری کا آج اسے صلہ مل گیا تھا۔ اس نے جھک کے امیر کو سلام پیش کیا۔ "امیر نا
مقام نے غلام کو جو عظیم اعزاز عطا کیا ہے۔ غلام اس کا حق ادا کرنے کی ہمیشہ کوشش ک
رہے گا۔"

"نجم الدین۔ تکریت کا واقعہ ہم نہیں بھول سکتے۔" امیر موصل نے گمبھیر آواز میں
"تم دونوں بھائی ہمیں بے حد عزیز ہو۔ اسد الدین نے بھی ہمارے بہت سے کام کیے ہیں

ہی ہم کسی ایسے ہی اعزاز سے نوازیں گے فی الحال ہم اسد الدین کو "شیر کوہ" کا
عطا کرتے ہیں۔ تمام کاغذات اور مراسلات میں اسد الدین کے ساتھ شیر کوہ کا خطاب
لگایا جائے اور ہر امیر کا فرض ہے کہ وہ اسد الدین کو مخاطب کرتے وقت اس خطاب کا
خیال رکھے۔"

اسد الدین نے فوراً جھک کے سلام کیا۔ "غلام اس معزز خطاب کا حق ادا کرنے کے
ہر موقعہ پر اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔"

امیر موصل نے نجم الدین کو دوبارہ مخاطب کیا۔ "نجم الدین تم ایک سو سواروں کا دستہ
لے کر قلعہ میں جاؤ اور قلعہ چھوڑنے والوں کی دیکھ بھال کرو۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ
وہ اپنے ساتھ اس قدر سامان لے جا سکتا ہے جس کا وزن وہ خود اٹھا سکے۔ سوائے
...ں کے کسی اور کو سواری ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ
... کا لشکر یہاں سے سیدھا دمشق جائیگا۔ اس لئے لشکر کو غیر مسلح کر کے قلعہ سے بھیجا
تاکہ وہ راستے کی بستیوں میں بدامنی نہ پھیلا سکے۔"

نجم الدین نے سر جھکا کر تعمیل حکم کا اظہار کیا اور سواروں کا دستہ لینے خیمہ گاہ میں چلا
... امیر موصل نے شہر کوتوال کو مخاطب کیا تم واپس جا سکتے ہو ہم نے سب کی جان بخشی کی
... ہم اس اعلان پر قائم رہیں گے بشرطیکہ تمہاری طرف سے صلح نامے کی خلاف ورزی نہ
جائے۔

شہر کوتوال نے ادب سے کہا۔ ہم لوگ امیر محترم کے بہت شکر گزار ہیں اور
... درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں قلعہ کے دروازے پر امیر کا استقبال کرنے کی اجازت مرحمت
فرما جائے۔ امیر کے قلعہ میں داخل کے بعد ہم آخری سلام پیش کر کے بعلبک ہمیشہ کے
لئے چھوڑ دیں گے؟"

"درخواست قبول کی جاتی ہے۔ لشکر کو تیاری کا حکم پہنچایا جائے۔" یہ کہہ کے امیر
... اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔ شہر کوتوال قلعہ واپس ہوا۔ قلعہ کا جنوبی دروازہ کھول
دیا گیا اور قلعہ چھوڑنے والے اپنا سامان بغل میں دبائے یا سروں پر رکھے باہر نکل رہے
... قلعہ سے جانے والے عام طور پر عیسائی تھے۔ ان میں عیسائی پادری پیش پیش تھے۔
... معلوم ہو گیا تھا عیسائی عبادت گاہوں کی تلاشی کی جائے گی اور ممکن ہے انہیں شریک
... کے طور پر سزا بھی دی جائے۔ امیر موصل نے انہیں پہلے ہی معاف کر دیا تھا لیکن
... پادری گھبرائے ہوئے تھے اور قلعہ چھوڑ کے بے تحاشہ الرہا اڈیسہ انطاکیہ اور دمشق
... بھاگ رہے تھے۔ نجم الدین نے دیکھا کہ بعض بوڑھے چلنے پھرنے سے معذور

ہیں اور اپنے عزیزوں کے ساتھ گھٹتے ہوئے چل رہے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ
ایسی خواتین جن کے ساتھ چھوٹے بچے ہیں وہ سواری استعمال کر سکتے ہیں۔ معذ
خواتین نے اس حکم پر نجم الدین کو ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیں۔

جعفر بھی امیر موصل کے ساتھ ہی قلعہ میں پہنچا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سرا
کا انتظار کر رہا ہو گا مگر اس بھگدڑ اور دارو گیر میں سراکش معلوم نہیں کہاں گم ہ
جعفر نے اپنے ساتھ چند سوار لئے اور سیدھا انیتونیس کی عبادت گاہ پہنچ گیا۔ پا
چونکہ معافی دے دی گئی تھی اس لئے جعفر نے سوچا تھا کہ ترن کوزی عبادت
موجود ہو گی مگر عبادت گاہ خالی پڑی تھی۔ جعفر کے ہوش اڑ گئے اس نے عبادت
ایک ایک کمرے کو چھان مارا مگر ترن کوزی اور پادری فلپ اسے کہیں نظر نہ
مایوس ہو کر ایک کمرے میں بیٹھا ترن کوزی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے ک
درمیان میں بچھا ہوا چھوٹا قالین حرکت کرتا معلوم ہوا۔ جعفر نے جلدی سے اپنے
کو باہر بھیج دیا اور خود ایک پردے کے پیچھے چھپ کے کھڑا ہو گیا۔

قالین حرکت کرتا ہوا ایک طرف کو تھوڑا سا ہٹ گیا اور فرش پر سے ایک
چوکور تختہ اوپر کو بلند ہو گیا۔ یہ تختہ نیچے جانے والی سیڑھیوں پر اس خوبصورتی سے
تھا کہ فرش کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر کسی نے سیڑھیوں سے سر نکال کر چاروں ط
اور مطمئن ہونے کے بعد ایک صندوقچہ لئے ہوئے اوپر آ گیا۔ جعفر خاموشی یہ مش
تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہ کی۔ صندوقچہ لانے والے نے باہر
کے تختے کو پھر اس طرح ڈھک دیا اور قالین کو کھینچ کر برابر کر دیا۔

جعفر بجلی جیسی تیزی سے جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے اس نے صندوقچہ لانے
گلہ دبوچ لیا صندوقچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے فرش پر گر گیا اور فرش پر گر
کھل گیا۔ جعفر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں صندوقچے سے بیش قیمت جواہرا
کمرے میں بکھر گئے تھے۔ اور ان کی جگمگاہٹ سے پورا کمرہ دمک اٹھا تھا۔

"کون ہو تم اور یہ جواہرات کس کے ہیں؟" جعفر غرایا

"میں فادر فلپ کا بھانجا لارنس ہوں۔ یہ جواہرات میرے ہیں۔" لارنس کا
تھا اور اس کی آواز مشکل سے نکل رہی تھی۔

"اچھا۔ تم ہو لارنس۔" جعفر نے اس کا گلا چھوڑ دیا۔

لارنس نے گلا سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "جی ہاں۔ لارنس ہوں اور آپ
ہیں"

نہیں میرا نام کس نے بتایا؟" جعفر نے پھر اس کا گلہ پکڑ لیا۔
نے فادر فلپ سے آپ کا نام سنا تھا۔" لارنس گھگیایا۔
پ اور ترن کوزی کہاں ہیں۔ جان کی خیر چاہتے ہو تو سچ سچ بتا دو؟" جعفر نے ایک
چھوڑ دیا۔
دونوں قلعہ چھوڑ کے "الرہا چلے گئے ہیں۔" لارنس نے لرزتی آواز میں جواب
کو اس کی بات کا یقین نہ آیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بلا کر لارنس کو ان کے
پھر تہ خانے میں اتر کے اچھی طرح تلاشی لی مگر فلپ اور ترن کوزی کا کوئی پتہ
کو اب بھی لارنس پر شبہ تھا۔ وہ لارنس کو ساتھ لے کر سراکش کی سرائے کی
اس نے سراکش کو تاکید کی تھی کہ ترن کوزی کو اس کے بارے میں مطلع کر
سراکش سرائے کے راستے میں مل گیا۔ سراکش نے حیرت سے جعفر کو دیکھا
جعفر کو سراکش سرائے کے راستے میں مل گیا۔ سراکش نے حیرت سے جعفر کو
کے جعفر سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔
ہوا تمہیں۔ رو کیوں رہے ہو سراکش۔؟" جعفر نے اسے الگ کرتے ہوئے

بھائی۔ میں نے اسے بہت روکا۔ بڑے واسطے دئے مگر اس نے میری بات نہیں
کش نے روتے ہوئے کہا۔
گھبرا گیا۔ "کس کو روکا۔ کون نہیں مانی۔؟"
اری ترن کوزی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ الرہا چلی گئی ہے"
جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔"

فتح الفتوح

نجم الدین ایوب کو بعلبک کا گورنر بنا دیا گیا۔ نصرت اور کامرانی جب قدم چو
لئے بڑھتی ہے تو لوگ اکثر بہک جاتے ہیں۔ نجم الدین شاید اس عہدے پر خوش نہ
اس نے دبی زبان سے کہا۔ "خادم اس اعزاز کے لئے امیر محترم کا بہت شکر گزار ہ
اس فرمان میں اگر ذرا سی تبدیل ہو جائے تو خادم کی گردن عمر بھر احسان اور شکر
سے نہ اٹھ سکے گی۔

امیر موصل عماد الدین زنگی کے قدم اک دم رک گئے۔ وہ اس وقت بعلبک
کوتوال کے محل کے ایک بڑے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے نجم الدین ایوب کو
کی گورنری کا حکم خلوت میں بلا کر دیا تھا۔ امیر موصل کیا امرا اور کیا غلام ہر ایک
معاملے میں بڑا سخت واقع ہوا تھا۔ یہ نہیں کہ اسے اپنی وفاداروں سے محبت نہیں
ہر ایک کی ضرورت کا خیال رکھتا اور ان کے کارناموں کے اعتبار سے انہیں نوازتا تھا۔

"تم میرے حکم میں ترمیم کرنا چاہتے ہو؟" امیر موصل کا لہجہ اس قدر کرخت
اس کی آواز سے پورا کمرہ گونج اٹھا۔ باہر پہرے پر کھڑے ہوئے غلام کے جسم میں کپ
ہوگئی۔ وہ سمجھ گیا کہ آج نجم الدین کی خیر نہیں۔ اس نے ضرور امیر کے حضور گستا
ہے اور اب کوئی دم میں امیر اسے بلا کر نجم الدین کی گرفتاری کا حکم دے گا۔ نجم
نے بھی شاید غلط وقت پر ایک صحیح درخواست کی تھی اس کا خیال تھا امیر موصل کی
خوش ہے اس لئے اس کی درخواست پر ہمدردی سے غور کرے گا مگر یہاں تو معاملہ

اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور بڑے ادب سے عرض کیا۔ "امیر کے حکم سے
اروں کا شیوہ نہیں اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آیا تو خادم اپنے امیر سے
انے کے بجائے اپنی تلوار سے اپنا سر قلم کرے گا۔ خادم کا مدعا محض ایک
پیش کرنا تھا۔"
خواست کا یہ انداز نہیں ہوتا نجم الدین۔" امیر کے جلال میں کوئی کمی نہ ہوئی

لام اپنی نادانی پر شرمندہ ہے امیر محترم۔"
نہ۔ تو کیا تمہیں میرا دیا ہوا اعزاز پسند نہیں۔"
رگز نہیں امیر عالی مقام۔ امیر ہمیشہ اپنے جاں نثاروں کو نوازتے رہے ہیں۔ رے
ب سے بڑا یہی اعزاز ہے کہ میں امیر کے دربار سے وابستہ ہوں۔ میری یہ خوش
ی کہ میں امیر پر قربان ہو جاؤں۔" نجم الدین نے انکسار کا کچھ ایسا انداز اختیار کیا
موصل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
یں نجم الدین ایسا نہ کہو۔" امیر نے چھت کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمیں
جلہ کے کنارے تکریت کا قلعہ اب تک یاد ہے جب ہم اپنے شکست خوردہ لشکر
وہاں پہنچے تھے اور تم نے ہمیں کمال مہربانی سے اپنے قلعہ میں پناہ دی تھی۔ اگر
ا تعاون نہ حاصل ہوتا تو شاید ہم موصل کبھی نہ واپس آسکتے۔"
یر اس ادنیٰ خدمت کا ذکر کر کے خادم کو شرمندہ کر رہے ہیں۔"
موصل نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا جب وہ سلجوقی شہزادوں کی تخت و تاج
ل کے لئے خانہ جنگی کے دوران ایک محاذ پر شکست کھا کر پناہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔
ایوب اس وقت قلعہ تکریت کا حاکم تھا۔ اس نے امیر عماد الدین زنگی کو اپنے
ہاں پناہ دی تھی۔
م تمہارے احسان مند ہیں نجم الدین۔" امیر کا جلال ختم ہو گیا تھا۔ "ہاں اب یہ
چاہتے ہو۔؟"
الدین نے ہمت کر کے کہا۔ "اے امیر۔ میں چاہتا ہوں کہ بعلبک کی گورنری کا
ے بجائے میرے چھوٹے بھائی اسد الدین کو عطا کیا جائے۔"
ر نے تعجب سے نجم الدین کو دیکھا۔ "میں تمہارے برادرانہ جذبہ کی تعریف کرتا
الدین۔ مگر میرے ارادے جذبات سے خالی ہیں۔ تمہارے دل میں ایسا خیال پیدا
ہوا؟"

"اسد الدین مجھ سے زیادہ اہل ہے امیر عالی مقام۔"

"کون اہل ہے اور کون نا اہل۔ اس کا فیصلہ کرنے کا تمہیں حق نہیں دیا جا سکتا" امیر موصل کا مزاج پھر چڑھا ہو گیا۔ بغیر کوئی معقول وجہ کے یہ حکم واپس نہیں لیا جا سکتا۔"

"اس کی کچھ اور بھی وجوہات ہیں امیر۔" نجم الدین نے گفتگو کا دوسرا انداز اختیار کیا۔

"وہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں نجم الدین" امیر نے نرم ہوتے ہوئے کہا۔ "بیان کرو۔ اگر کوئی معقول وجہ ہوئی تو تمہاری درخواست پر ضرور غور کیا جائے گا۔"

"امیر محترم۔" نجم الدین نے کہنا شروع کیا۔ "اسد الدین آپ سے زیاد قریب رہا ہے اس نے مجھ سے زیادہ آپ کی خدمت کی ہے۔"

"تمہاری بات میں کوئی وزن نہیں۔ اصل وجہ بیان کرو۔" امیر نے بڑی بے پروائی سے کہا۔

"امیر عالی مقام۔ اسدالدین میں جوانی کے ساتھ ساتھ شوریدہ سری بھی ہے تکریت کے قیام کے دوران اس نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کی وجہ سے بہت ہنگامہ برپا ہوا اور آخر میں قلعہ ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑا۔ اگر اسے بعلبک کا قلعدار بنایا گیا تو انتظامی معاملات میں الجھنے سے اس میں سنجیدگی پیدا ہو جائے گی اور شوریدگی کی طوفانی موجیں کناروں سے باہر نہ نکلنے پائیں گی۔ اس منہ زور گھوڑے کو لگام دینا چاہتا ہوں امیر۔"

نجم الدین نے بڑی معقول بات کہی تھی۔ وہ اسد الدین کے لا ابالی پن اور گرم طبیعت سے واقف تھا اس کی نادانی کی وجہ سے اسے تکریت کو خیرباد کہہ کر موصل کے دربار میں آنا پڑا تھا۔ دوسری طرف اس دربار میں کئی سال رہنے سے اسے امیر کی سخت گیری اور آتش مزاجی کا بھی تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ دونوں بھڑکتے ہوئے شعلے آپس میں ٹکرا نہ جائیں جس کا انجام تکریت سے بھی زیادہ خوفناک ہونا تھا۔

امیر کے چہرے پر نہ جانے کیوں مسکراہٹ آگئی۔ "نجم الدین۔ مجھے اسد الدین کی شوریدہ سری تو پسند ہے۔ یہ تو بہادروں کا تمغہ ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس میں سنجیدگی کا فقدان ہے۔ میں نے اب تک اسے کئی سنجیدہ کام دیئے ہیں اور اس میں وہ کامیاب رہا ہے پھر یہ کیا ضروری ہے۔ کہ ہر سنجیدہ آدمی انتظامی امور میں بھی ماہر ہو۔ میں نے تکریت کے قلعہ میں تمہارے اعلیٰ انتظام کا مشاہدہ کیا ہے۔ دمشق اور بعلبک میں

ایک دن کا فاصلہ ہے۔ ہمیں بعلبک کے لئے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو شمشیر زنی کے علاوہ قلعہ کا معقول انتظام بھی کر سکے۔ معین الدین انز اس وقت بوکھلایا ہوا ہے بعلبک کا کسی وقت بھی رخ کر سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں تم بعلبک کا بہتر طور پر انتظام کر سکو گے۔"

نجم الدین کے لئے بات کو طول دینا خطرناک ہو سکتا تھا۔ مجبوراً اس نے خاموشی اختیار کی۔ امیر نے قلعہ بعلبک کی حفاظت کے لئے تھوڑی فوج وہاں چھوڑی اور پھر واپسی کا ارادہ کیا۔ اسے دمشق تو حاصل نہ ہو سکا۔ مگر اب وہ دمشق کے دروازے پر تھا۔ لشکر میں جب یہ خبر پھیلی کہ نجم الدین ایوب کو بعلبک کا قلعدار بنایا گیا ہے تو لوگوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا۔ اسد الدین شیر کوہ نے بھائی کو مبارکباد دی۔ نجم الدین اب بعلبک میں مستقل طور پر رہتا تھا۔ اس نے موصل سے اپنے اہل خانہ کو بلوا لیا ان میں اس کا بیٹا صلاح الدین بھی تھا جس کی عمر اس وقت چھ سال کے قریب تھی۔

امیر عمادالدین زنگی کی سیماب صفت اسے نچلا نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ موصل پہنچتے ہی وہ نئی مہموں کی منصوبہ بندی میں لگ گیا۔ دمشق پر قبضہ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی مگر حالات ایسے تھے کہ وہ دمشق کے خلاف کوئی فوری قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ دمشق کی ریاست کے شمال اور جنوب میں کئی چھوٹی بڑی عیسائی ریاستیں تھیں۔ جن سے معین الدین انز نے تعلقات بڑھا رکھے تھے۔ یروشلم کا شاہ بالڈون اس کے سب سے بڑا حلیف۔ موصل کے شمال میں الرہا (اڈیسہ) کی مضبوط عیسائی ریاست تھی جو اس کے سر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ الرہا کا حکمران جوسلین مسلمانوں کے لئے قہر الٰہی سے کم نہ تھا۔ وہ دیار بکر کی مسلم آبادیوں پر حملے کیا کرتا تھا۔ بے شمار آبادیاں تباہ اور مسلمان تہہ تیغ ہو چکے تھے پھر کسی کی بددعا اسے لگ گئی اور وہ مرگیا اس کی موت پر مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا

جوسلین اول کا جانشیں بھی مسلمانوں کا شدید مخالف تھا مگر وہ عشرت پرستی کا بھی دلدادہ تھا اور اسے شراب و شباب سے اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کرے۔ امیر عماد الدین کی ابھرتی ہوئی طاقت نے بھی اسے محتاط کر دیا تھا۔ جارحانہ اقدام کے بجائے اس نے مدافعانہ طرز اختیار کر لیا تھا اور ہر وقت امیر زنگی کی طرف سے خائف رہتا تھا۔ زنگی کے راستوں کا وہ ایک بڑا پتھر تھا مگر خواہش کے باوجود بھی امیر زنگی الرہا پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ الرہا کے قریب بہت سے عیسائی ریاستیں تھیں جو اسے کمک بھیج سکتی تھیں۔

بہت سوچ بچار کے بعد امیر زنگی نے دیار بکر پر فوج کشی کے فیصلہ کیا۔ دیار بکر میں کئی مسلم سرداریاں تھیں اس لئے بغیر ان پر قبضہ کئے امیر کے پہلو مضبوط نہ ہوتے تھے۔ الجزیرہ پر وہ تب ہی نظر ڈال سکتا تھا جب دیار بکر کی تمام سرداریاں اس کے زیر اثر ہوں۔ اسے یہ کڑوا گھونٹ ہر صورت حلق سے اتارنا تھا۔ امیر بڑی راز داری سے فیصلہ کرتا تھا۔ اس کے حقیقی ارادوں کی خبر کسی کو کانوں کان نہ ہوتی تھی۔ وہ لشکر لے کر نکلتا تو بھی کسی سردار کو نہ معلوم ہوتا کہ امیر کس طرف کا رخ کرے گا۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ الرہا اور دیار بکر کے بارے میں بہت غور و فکر کر رہا تھا اور اس کی خبر اس کے سرداروں کو امیر کے خاص غلام خواجہ سرا بلو کتش نے پہنچائی تھی۔

ایک دن بلو کتش نے اسد الدین سے سرگوشی کی تھی۔ "آقائے محترم آج کل رات کو ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر غور و فکر فرماتے ہیں۔۔۔"

اور اسد الدین چونک پڑا تھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کوئی نئی مہم شروع ہونے والی ہے۔" اس نے بھی بڑی راز داری سے اپنا اندازہ بتایا تھا۔ "امیر کا ایک پیر پر کھڑے ہو کر غور و فکر کرنا ان کے شدید اضطراب کی نشانی ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا سردار۔" بلو کتش نے تائد کی۔ کسی مہم کے آغاز سے پہلے آقا کی یہی حالت ہوتی ہے بلو کتش کی اطلاع بلو کتش کی اطلاع پر لشکر نے تیاریاں شروع کر دی تھی۔ امیر زنگی نے تمام جاگیرداریاں ختم کر دی تھیں وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک حکومت اس کے ہاتھ میں ہے اس وقت تک امرا کو زمین اور املاک کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی تو زمین اور املاک کب باقی رہیں گی۔ جاگیر دارانہ نظام میں حکمراں کے پاس کوئی خاص فوج نہ ہوتی تھی۔ ضرورت پڑنے پر وہ جاگیرداروں کو بلواتا تھا اور وہ اپنی اپنی فوج لے کر حکمراں کے لشکر میں شامل ہو جاتے تھے مگر امیر زنگی کو تو ہر وقت ایک بڑے لشکر کی ضرورت رہتی تھی۔ وہ ہر وقت حالت جنگ میں رہتا تھا اس لئے اس نے جاگیر دارانہ نظام ختم کر کے لشکر کو مستقل کر دیا تھا۔ تمام لشکر موصل میں رہتا تھا اور انہیں باقاعدہ ماہ بماہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی امیر ان کی ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔ اس طرح سپاہ اور سپہ سلار میں براہ راست رابطہ تھا اور لشکر اس پر جان دیتا تھا۔

امیر زنگی اسی ادھڑ بن میں غلطاں تھا کہ خواجہ سرا بلو کتش اندر آیا۔

آقائے محترم۔ جعفر باریابی کا خواہش مند ہے۔" غلام نے مطلع کیا۔

"کون۔ نصیرالدین جعفر۔؟" امیر زنگی کا خیال فوراً" اپنے نائب کی طرف گیا۔

"نہیں آقا۔ نائب السلطنت نصیرالدین جعفر نہیں بلکہ وہ جعفر جو آپ کی اہم خدمت پر ہے۔" خواجہ سرا بلو کتش نے وضاحت کی۔

"اچھا اچھا۔" امیر مسکرا دیا۔ "عجیب اتفاق ہے کہ دونوں جعفر ہمارے خدمت گزار ہیں اور وہ آپس میں بھی عزیز دار ہیں۔ اسے حاضر کرو۔ اجازت ہے۔"

غلام آداب بجالا کر چلا گیا۔ نصیرالدین جعفر اور جعفر کے ناموں میں امیر کو اکثر مغالطہ ہوتا تھا۔ ایک اس کا نائب السلطنت اور دوسرا جعفر اس کا خاص جاسوس تھا۔ یہ وہی جعفر تھا جس نے بعلبک اور دمشق میں امیر کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دئے تھے۔ امیر کئی دنوں سے خود اسے طلب کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس کے اچانک اجانے سے امیر کو خوشی ہوئی۔۔

خواجہ سرا غلام جعفر کو لے کر حاضر ہوا۔ جعفر آداب بجالایا۔ خواجہ سرا نے امیر کو اطلاع دی۔ "آقا۔ سردار اسد الدین شیر کوہ بھی قدم بوسی کے لئے حاضر ہیں۔"

"شیر کوہ" امیر موصل نے زیر لب کہا اور تردد میں پڑ گیا وہ اس وقت جعفر سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا مگر شیر کوہ جیسے عظیم سردار کو بھی وہ انتظار کی زحمت نہیں دینا چاہتا تھا بالخصوص ایسے وقت میں جب اسد الدین نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ جعفر جو محض ایک جاسوس ہے امیر کی خدمت میں حاضر ہے اور اسے انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔

"شیر کوہ کو بھی آنے دو۔"

جعفر سر جھکائے گفتگو کی اجازت کا منتظر تھا کہ شیر کوہ بھی آگیا۔ اس نے سلام کیا امیر نے مسکرا کے شیر کوہ کے سلام کا جواب دیا۔ "اسدالدین ۔ ہمارا یہ وفادار جعفر اپنی کسی ضرورت سے حاضر ہوا ہے۔ پہلے میں اس کی بات سننا چاہتا ہوں۔" امیر نے بری نرمی سے کہا۔

"میں باہر انتظار کر لوں گا امیر۔" امیر اسدالدین نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ "یوں بھی یہ مجھ سے پہلے آیا ہوا ہے۔ اس کا پہلا حق ہے۔"

"تم ذہین ہوتے جا رہے ہو اسد الدین ۔" امیر بڑی خوشدلی سے بولا۔ "جو بات میں تم سے نہیں کہنا چاہتا تھا اسے تم نے خود محسوس کر لیا۔" پھر جعفر کی طرف دیکھ کے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ جعفر کیا کہنا چاہتا ہے۔ اگر اسے اعتراض نہ ہو تو تم ٹھہر سکتے ہو۔"

جعفر کو جیسے اذن گویائی مل گیا۔ "آقائے عالی مقام۔ خادم ایک درخواست لے کر حاضر ہوا ہے سردار اسد الدین شیر کوہ کی شخصیت ایسی نہیں جن کے سامنے میں درخواست پیش کرنے میں حجاب محسوس کروں۔"

اسد الدین کے قدم رک گئے اور وہ مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔
"ہاں جعفر۔ تم کیا چاہتے ہو؟" امیر نے نرم لہجے میں پوچھا۔
"آقا۔ مجھے کچھ دنوں کے لئے الرہا جانے کی اجازت دی جائے۔"
"الرہا امیر عماد الدین زنگی اپنی جگہ اس زور سے اچھلا جیسے اسے بچھو نے ڈنک ا
ہو پھر اس نے اٹھ کر بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔
جعفر اسد الدین بڑی حیرت سے امیر کو دیکھ رہے تھے۔ جعفر کا پورا بدن کانپنے
اس نے صرف رخصت کی درخواست پیش کی تھی۔ اور کوئی گستاخی تو ہوئی نہیں اس
پھر امیر کو کس چیز نے بے چین اور اس قدر منغض کر دیا تھا۔ اسد الدین شیر کو اپ
پریشان تھا۔ اگر وہ گفتگو شروع ہونے کے بعد آیا ہوتا تو یہی سوچتا کہ جعفر نے کوئی
ایسی ضرور کہی ہوگی جس نے امیر کی یہ حالت بنا دی ہے۔ کمرے کی فضا بوجھل ہو گ
اور دونوں اپنی اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔
"تم نے الرہا کا نام لیا ہے نا؟" امیر زنگی نے جعفر کو یوں گھورا جیسے اس نے ا
گالی دی ہو۔
"جی آقا۔ میں نے الرہا جانے کی درخواست کی ہے۔" جعفر انکار بھی نہ کر سکتا تھا
امیر نے اسد الدین کو مخاطب کیا۔ "اسد الدین ۔ مجھے افسوس ہے۔ اس وقت ت
سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ حکومت کا ایک اہم راز افشا ہو گیا ہے۔ میں اس کی تحقیقات
چاہتا ہوں۔"
اسد الدین نے منہ سے بولنے کے بجائے ادب سے رخصتی سلام کیا اور باہر چلا گ
آقا کا مزاج مکدر ہو گیا ہے۔ اجازت دی جائے۔ میں پھر حاضر ہو جاؤں گا۔"
نے بھی اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ اس نے اسی میں بہتری سمجھی کہ جلد سے جلد
کی نظروں سے دور ہو جائے۔
"جعفر تم۔ تم کہاں جا سکتے ہو۔ گفتگو تو تم سے ہونا ہے۔" امیر زنگی کی نظریں ا
یوں جمی ہوئی تھی جیسے جعفر نے کوئی بڑا جرم کیا ہو۔ جعفر کے دونوں پیر ایک ساتھ ل
اگر وہ فوراً خود کو نہ سنبھالتا تو امیر زنگی کی تیز نظریں اسے ضرور زمین پر گرا دیتیں
"آقا کو اگر میری درخواست ناگوار گزر رہی ہے تو میں معذرت کے ساتھ اسے ا
لیتا ہوں۔" جعفر نے جان چھڑانے کے لئے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"درخواست !" امیر زنگی نے زہر خند کیا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ الرہا کا نام تم نے کس
سنا؟۔"

جعفر کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ الرہا میں ایسی کیا خاص
بات ہے جس نے امیر کو بے چین کر دیا ہے۔ آقا نے مجھے جو خدمت عطا کی ہے اس کا
تقاضا ہے کہ میں دور و نزدیک کے تمام عیسائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں جو
کسی وقت امیر کے لئے درد سر بن سکتے ہیں۔"
"یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں ہے جعفر۔" امیر غصے سے تلملا گیا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ
کس بدبخت نے تمہیں الرہا کا حوالہ دیا ہے؟"
جعفر پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔ "آقائے محترم ۔ مجھے کسی نے حوالہ نہیں دیا۔ الرہا
ایک عیسائی ریاست ہے۔ میں وہاں ایک ذاتی کام سے جانا چاہتا ہوں۔"
"جعفر۔ یہ نہ بھولو کہ تم اس وقت عماد الدین زنگی کے سامنے ہو جس کی شفقت ابر
رحمت اور جلال قہر آسمانی ہے۔ سچ بتاؤ الرہا کا نام تم نے ہمارے کسی امیر یا سردار کی زبان
سے تو نہیں سنا؟"۔
"ہرگز نہیں آقا۔ جعفر نے فوراً تردید کی۔ "آپ کے جاسوس کی حیثیت سے مجھے
علم طرابلس ۔ انطاکیہ ۔ الرہا اور ومنبا کی عیسائی ریاستوں کے بارے میں بہت سے
معلومات حاصل ہیں۔ میں ان ریاستوں کے حکمرانوں اور ان کے عادات و اطورا سے بھی
واقف ہوں۔"
جعفر کے جواب سے امیر زنگی پوری طرح مطمئن نہ تھا اس نے زور دے کر پوچھا "کیا
الرہا کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہو۔"
جعفر پریشان تھا کہ اس کا آقا آخر الرہا میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ پہلے وہ
جعفر کی زبان سے الرہا کا نام سن کر چونکا تھا طیش میں آگیا تھا اور اب کرید کرید کے الرہا
کے بارے میں سوال کر رہا ہے۔ "میرے آقا۔ میرے امیر۔ میں نے الرہا کو آنکھوں سے
نہیں دیکھا مگر یہ سنا ہے کہ وہ شہر بہت خوبصورت ہے اور اس کا حکمراں ایک عیش پرست
ہے اور یہ کہ وہ اپنے باپ جوسیلین اول کی طرح دور اندیش نہیں۔"
"جعفر۔ سچ سچ بتاؤ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ
امیر بھی الرہا میں دلچسپی رکھتا ہے اور تم وہاں اس لئے جا رہے ہو تاکہ قبل از وقت
اس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لو؟"
امیر زنگی نے یہ سوال بھی الرہا کے بارے میں کیا تھا۔ جعفر کو بہت غصہ آیا مگر اسے
کہنا پڑا۔ "محترم آقا۔ مجھے قطعی علم نہیں کہ آپ بھی الرہا مین دلچسپی رکھتے ہیں اور میں
اس سلسلے میں کسی امیر سے نہ کچھ سنا ہے۔"

امیر زنگی نے اطمینان کا سانس لیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے۔"
"آقا۔ میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا؟" جعفر نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔
امیر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اچھا بتاؤ کہ اس عیسائی ریاست میں کیا کام آن پڑا ہے تم وہاں جانے کے لئے اس قدر بے چین ہو۔؟"
"مجھے ایک ذاتی کام ہے آقا۔ جعفر نے ذرا جرءت سے کہا۔ "لیکن ایک غلام کی بات اور ہر کام کی وجہ اس کے آقا کے علم میں ہونا چاہیے میں اصل وجہ بیان کر رہا ہو لیکن یہ چاہتا ہوں کہ اگر جذبات کی رو میں میری زبان سے کوئی کلمہ ایسا نکل جائے گستاخی کی حد میں آتا ہو تو اس کے لئے مجھے معاف فرمایا جائے۔"
"بے فکر رہو جعفر۔ میں آقا ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وفاداروں کا دوست بھی ہوں۔" امیر عماد الدین زنگی نے بڑی شفقت سے کہا۔
جعفر نے سر کو ذرا اور خم کر لیا۔ "اے آقائے محترم۔ بعلبک کے قیام کے دوران میری ایک عیسائی لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی مگر بعلبک پر قبضہ کے وقت وہ اپنے باپ کے ساتھ الرہا چلی گئی تھی۔ میں اسی سے ملنے جانا چاہتا ہوں۔"
امیر زنگی مسکرایا۔ "کیا تمہیں امید ہے کہ وہ بھی تمہارے لئے اسی طرح بے تاب ہوگی؟"
"امیر محترم۔" جعفر جذبات کے دھارے میں بہنے لگا۔ "بعلبک میں شبہ کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا تھا مگر اس وفادار لڑکی اور اس کے باپ نے مجھے اس قید سے رہائی دلائی تھی۔ وہ بیش قیمت جواہرات جو میں نے سرکاری خزانے میں جمع کرائے تھے وہ انہی کی ملکیت تھی۔ آقا اس سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے جعفر۔ تم الرہا ضرور جاؤ گے مگر چند دن کے لئے نہیں۔"
"جی آقا۔ میں سمجھ نہیں سکا؟"
امیر زنگی کا انداز بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ "تم الرہا ذاتی کام سے نہیں بلکہ فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں جاؤ گے۔ تمہیں وہاں اخراجات کی ضرورت پڑے گی لئے تم اپنے ساتھ خزانے سے ایک معقول رقم لے جا سکتے ہو۔ الرہا میں تم جس سے مل سکتے ہو مگر اپنے فرض سے غافل نہ ہونا۔ تمہارا رابطہ موصل سے رہے گا اور تم اور شاہ جوسیلین کے حالات سے ہمیں ہر ہفتے آگاہ کرو گے۔ تمہیں الرہا میں اس وقت قیام کرنا ہوگا جب تک ہم تمہیں واپسی کی اجازت نہیں دیتے۔"

جعفر کو اپنی قسمت پر بڑا ناز ہو رہا تھا۔ اس کا ذاتی سفر سرکاری سفر بن گیا تھا۔ الرہا میں قیام کی مدت بھی بڑھ گئی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اخراجات کی زیر باری سے بھی بچ گیا تھا۔
دوسرے دن جعفر ایک گرجا میں گیا۔ اس نے پادری کو یہ تاثر دیا کہ اسے نصرانی مذہب سے دلچسپی ہے اور وہ اس مذہب کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ موصل ایک مسلمان ریاست تھی۔ وہاں سوائے عیسائی عبادت گاہوں کے شہر میں بھائیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی اور جو تھے وہ دبے دبے رہتے تھے پادری نے نصرانی مذہب میں جعفر کی دلچسپی دیکھ کر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس نے جعفر کو پڑھنے کے لئے بہت سی کتابیں دیں اور اسے عبادت کے طریقے سکھائے۔ اتوار کی نماز میں بھی جعفر نے شرکت کی اور دو ہفتوں کے اندر اندر وہ نہ صرف پادریوں کے طور طریقوں سے واقف ہو گیا بلکہ اس نے پادریوں کی چال ڈھال۔ نشست و برخاست اور گفتگو کے انداز کا گہرا مشاہدہ کیا۔ جعفر کو انہی باتوں کے جاننے کی ضرورت تھی کیونکہ الرہا کی عیسائی حکومت میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کا داخلہ کچھ مناسب نہ تھا جبکہ امیر زنگی نے اسے تاحکم ثانی الرہا میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔
ایک صبح جب دھندلکا چھایا ہوا تھا جعفر اپنے مکان سے نکلا اور آہستہ آہستہ موصل کے بازار طے کرنے لگا۔ اس وقت اس کے جسم پر پادریوں کا وہ چوغہ تھا جو اس نے بعلبک کے پادریوں کو پہنے دیکھا تھا۔ اس نے سونے کے سلوں کی دو تھیلیاں خزانہ سے حاصل کر کے اپنے چوغے کے اندر چھپائی تھیں۔ وہ بڑے اطمینان سے ایک بازار سے دوسرا بازار اور دوسرے سے تیسرا بازار پار کرتا ہوا شہر کی اس سرائے میں پہنچا جہاں باہر جانے والے قافلے ٹھہرا کرتے تھے۔ اس نے پہلے ہی معلوم کر لیا کہ ایک تجارتی قافلہ آج موصل سے روانہ ہو رہا ہے جو تل باشر ہوتا ہوا الرہا جائے گا۔ جعفر نے ولیم پادری کے نام سے سالار قافلہ سے ملاقات کی تھی اور قافلہ کے ساتھ جانے والوں میں اپنا نام درج بھی کرا دیا تھا۔
اسلام میں دوسرے مذہب کے پیشواؤں کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ جب پادری ولیم سرائے میں پہنچا تو سالار قافلہ نے اٹھ کے اس کی تعظیم کی۔ ولیم کے ایک ہاتھ میں لمبی تسبیح تھی اور دوسرے ہاتھ سے وہ پشت پر لٹکے ہوئے تھیلے کو سنبھالے ہوئے تھا۔ گلے میں صلیب پڑی تھی اور صلیب کا نشان عین سینے پر چمک رہا تھا۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ قافلے نے کوچ کیا۔ پادری ولیم نے بھی زیر لب بسم اللہ کہہ کر پہلا قدم اٹھایا۔ اس وقت اس کا سینہ جذبات سے پر تھا۔ ہزاروں ارمانوں اور تمناؤں نے اسے گھیر رکھا

تھا۔ اسے ترن کوزی کی وفاداری پر کوئی شبہ نہ تھا مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ بعلبک،
صورت دمشق کی اسلامی ریاست کا ایک حصہ تھا جہاں عیسائیوں کی ثانوی حیثیت تھی م
الرہا تو عیسائیوں کا گڑھ اور مرکز تھا۔ الرہا کو عیسائیوں کی سب سے زیادہ مضبوط چوکی کہا جا
تھا اور ترن کوزی اسی مضبوط چوکی میں تھی۔

جعفر کو اس کے دوست اور سرائے کے مالک سراکش نے بڑے افسردہ لہجے میں بتایا
کہ اس نے ترن کوزی کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ رک سکی۔ ترن کوزی بھی ا
جگہ مجبور تھی۔ جس وقت بعلبک پر امیر زنگی نے قبضہ کیا تو وہاں کے تمام عیسائیوں
ایک ساتھ فیصلہ کر لیا کہ وہ بعلبک چھوڑ کے الرہا چلے جائیں گے۔ ترن کوزی کے با
فادر فلپ نے اسے آزاد کر دیا تھا کہ وہ جو مناسب سمجھے وہ کر سکتی ہے۔ اس وقت قلعہ
پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی تھی۔ ترن کوزی پھر بھی کوشش کر کے سرائے پہنچی تھی کہ شاید ا
کی ملاقات جعفر سے ہو سکے اور اپنے وعدے کے مطابق وہ ہمیشہ کے لئے جعفر کی ہو جا
مگر جعفر وہاں وقت پر نہ پہنچ سکا تھا۔ اس وقت ترن کوزی کے لئے دو ہی راستے تھے۔ یا
باپ کو چھوڑ دے اور جعفر کی امید موہوم پر سرائے میں مقیم ہو جائے۔ اگر وہ ایسی حماق
کرتی تو اس کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا تھا کہ جعفر کے نہ آنے کی صورت میں وہ بالکل
سہارا ہو کر در بدر ہو جاتی دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ فادر فلپ کے ساتھ الرہا چلی جائے ا
وہاں جعفر کا انتظار کرے۔ اس نے سراکش کو بتایا تھا کہ وہ الرہا جا رہی ہے اور جعفر
انتظار کرے گی۔ ترن کوزی نے حالات کے تحت جو فیصلہ کیا تھا وہی مناسب تھا۔ وہ تو جع
کی بد قسمتی تھی کہ وہ وقت پر نہ پہنچ سکا اور اب اسے یہ خطرناک سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔

جعفر بغیر کسی خاص واقعہ کے تجارتی قافلہ کے ساتھ سفر کرتا ہوا موصل سے تل با
پہنچ گیا۔ راستے میں قافلے نے کئی چھوٹی چھوٹی جگہوں میں پڑاؤ کیا اور قافلے والوں کی تع
گھٹتی بڑھتی رہی۔ بعض لوگوں کی منزل آ گئی تھی اور انہوں نے قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا تو
اسی طرح ہر پڑاؤ پر کچھ نئے آدمی قافلہ میں شامل ہو جاتے تھے۔ جعفر ہر منزل پر محتاط
جاتا اور نئے شامل ہونے والوں کو بغور دیکھتا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ ترن کوز
بھی کسی پڑاؤ پر اس قافلہ میں اتفاقیہ طور پر شامل ہو جائے اور اس کی پریشانی میں کمی
جائے لیکن تل باشر تک اس طرح کا کوئی اتفاق نہ ہوا اور اسے اپنے خیالی پلاؤں پر افسو
ہوا۔

تل باشر کی کارواں سرائے کا مالک ایک عیسائی تھا کیونکہ یہ خوبصورت سرد مقام ا
کی ریاست میں شامل تھا اور گرمیوں کے زمانے میں الرہا کے حکمراں اکثر اس شہر میں مو

گزارتے تھے۔ لیکن جب سے عماد الدین زنگی کا عروج ہوا تھا۔ الرہا کے حکمراں نے
رخ کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ سال کے تمام سرد و گرم دن الرہا ہی میں مقیم رہتا تھا۔
ہونے کی وجہ سے قافلہ تل باشر میں تین دن ٹھہرا رہا۔ چوتھے دن صبح کے وقت جب
روانہ ہونے لگا تو اس میں ایک ایسا شخص شامل ہوا جسے دیکھ کر جعفر چونک پڑا۔ اس
کل و صورت بڑی حد تک لارنس سے ملتی تھی جس سے جعفر نے بعلبک کے گرجا میں
اہرات چھینے تھے۔ لارنس کے ساتھ دو آدمی اور تھے جن کے متعلق جعفر کو شبہ تھا کہ
نے ان دنوں کو اس گرجا میں دیکھا ہے جہاں اسے قید کیا گیا تھا۔

قافلہ تل باشر سے روانہ ہو چکا تھا اور جعفر ایک عجیب الجھن میں پھنس گیا تھا۔ دو
دنوں کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ لارنس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لارنس
قافلہ میں شامل ہو جانے سے جعفر کو پہچانے جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ ہر وقت
رہتا اور لارنس کی نظروں میں آنے سے خود کو بچاتا تھا لیکن اس خطرے کی ساتھ
اس کے دل میں ایک امید بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ لارنس کو ترن کوزی
اور فلپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گا لارنس کا پہلا مقصد فادر فلپ کی دولت
کرنا تھا جس میں وہ ناکام ہو چکا تھا۔ مگر اس کے ساتھ وہ ترن کوزی کو حاصل کرنے کا
خواہش مند تھا کیونکہ ترن کوزی سے شادی کرنے کے بعد ہی اسے کیس گرجا میں کوئی
نام حاصل ہو سکتا تھا۔

لارنس اور جعفر ہم سفر تھے مگر دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ جعفر پہچانے
کے خطرے کی وجہ سے اس سے دور دور رہتا تھا۔ ادھر جعفر یہ تصور بھی نہ کر سکتا
امیر زنگی کا ایک اہم ہرکارہ یا سردار عیسائی علاقے میں سفر کرنے کی جرات کر سکتا ہے
کا سفر جاری رہا۔ منزلیں آتی اور گزرتی رہیں۔ لارنس کا راستے میں کہیں قافلہ چھوڑ
کا ارادہ نہ معلوم ہوتا تھا وہاں جعفر نے یہ ضرور فیصلہ کیا تھا کہ اگر لارنس کسی جگہ
لا بھی اس کے ساتھ ہی قافلہ چھوڑ دے گا۔ اس کا خیال تھا کہ جعفر کے دل میں
ن کوزی کے حاصل کرنے کا اب تک خیال ہے یا وہ ترن کوزی کو حاصل کرنے میں
ہو گیا ہے تو وہ اسی جگہ قیام کرے گا جہاں ترن کوزی مقیم ہو گی مگر قافلہ تل باشر
پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی جعفر اور لارنس بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ قافلہ کو
ٹھہرنا تھا اس لئے اس نے ادھر کا رخ کیا اور لارنس کی منزل الرہا تھی۔ وہ شہر
ل ہوتے ہی قافلے سے جدا ہو گیا۔ جعفر کی نظریں دور تک اس کا تعاقب کرتی
الرہا اس کے لئے بالکل نیا تھا اس لئے وہ نہ اندازہ کر سکا کہ لارنس کدھر جا رہا

ہے۔

الرہا کی بڑی سرائے کے دروازے پر سائز کے عیسائی مالک نے جعفر کے قافلہ کا
جوش استقبال کیا۔ قافلے میں ہر ملک و ملت کے لوگ شامل تھے۔ مگر سرائے کا مالک
ایک سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا اور انہیں اپنے پورے تعاون اور آرام کا یقین دلایا
سرائے کے مالک عام طور پر تجارتی ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مفاد کی خاطر ہرا
کی پزیرائی کرتے ہیں۔ پھر اس زمانے کے دستور کیمطابق ہر ملک کے حکمران کی طرف
سرائے کے مالکان کو تاکید ہوتی تھی کہ وہ تجارتی قافلوں کی پوری حفاظت کریں اور ان
آرام و آسائش کا انتظام کریں خواہ قافلہ کے تعلق کسی دشمن ملک سے کیوں نہ ہو۔ ما
اس حکم سے خوش تھے۔ اگر انہیں حکمران کی طرف سے اپنے پرائے کی تمیز کا حکم دیا جا
اس سے ان کا مفاد متاثر ہوتا۔ اس لئے وہ ہر ایک کو خوش آمدید کہتے تھے اور جنگ
زمانے میں بھی ملکی اور غیر ملکی کی کوئی تمیز نہ برتی جاتی تھی۔

اسی رات جعفر نے سرائے کے مالک سے ملاقات کی ۔ مالک اپنے سامنے ایک
صورت پادری کو دیکھ کے تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ "تشریف رکھئے فادر۔" مالک نے
ادب سے کہا۔

"تم پر خداوند مسیح کی رحمت ہو اور کاروبار میں برکت۔" جعفر یا فادر ولیم اس کے
پر ہاتھ پھیر کر بیٹھ گیا۔

"آپ شاید قافلہ کے ساتھ تشریف لائے ہین؟ مالک نے سر جھکا کے کہا۔

"تم نے صحیح اندازہ لگایا بیٹا۔" فادر ولیم اپنے مطلب کی بات کرنے کے لئے ال
ڈھونڈ رہا تھا۔

"قافلہ کے ساتھ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔" پتہ نہیں مالک کے سوال
تجسس تھا یا اس نے محض بات کرنے کے لئے یہ سوال کیا تھا۔

"ہمارا کیا پوچھتے ہو بیٹا۔ نہ پتہ نہ ٹھکانہ۔ جس شہر میں جی لگا کچھ دن ٹھہر گئے اور
اٹھا تو پھر چل پڑے۔" ولیم بڑی روانی سے گفتگو کر رہا تھا۔" شمال سے جنوب تک کوئی ا
عبادت گاہ نہیں جہاں اس ناچیز ولیم نے خداوند یسوع مسیح کا سجدہ نہ گزارا ہو مگر اینو نیر
عبادت گاہ کا پاک یروشلم کے بعد سب سے بڑا مقام ہے۔ بعلبک کی یہ عظیم عبادت
اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ ولیم نے وہاں پاک یروشلم کی ہواؤں کے جھونکے محسوس کئے ہ
پاک مریمؑ کی روح کے سائے دیکھے ہیں۔"

سرائے کے مالک کی عقیدت اور اشتیاق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ صبر نہ کر سکا

ک کے بولا۔ "؟فادر ولیم آپ کا یروشلم سے بھی گزر ہوا ہے ؟"

"ہاں بیٹا۔" فادر ولیم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔" خداوند یسوع مسیح اور پاک
م کا وہی تو گھر ہے۔ اس گھر میں ایک شب گزارنا ہزار سجدوں کے برابر ہیں۔ اس گناہ
نے وہاں دو ماہ رہ کے اپنی روح کو مصفا اور گناہوں کو دھونے کی کوشش کی ہے۔"

"فادر ولیم۔" یہ کہتے ہوئے مالک نے ولیم کے پیروں پر سر رکھ دیا"آپ نے اس دیار
برکی ہے جہاں کے نظارے جنت نشان اور فضائیں معطر رہتی ہیں۔"

سرائے کا مالک دیر تک ولیم کے پیروں سے اپنی آنکھیں ملتا رہا اور ولیم اس کی پشت
ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی دعاؤں سے نوازتا رہا۔ اسے مالک کی صورت میں الرہا میں پہلا
رال گیا تھا۔ دوسری طرف مالک یہ سمجھ رہا تھا کہ فادر ولیم کی ملاقات اور قدم بوسی سے
نے جنت کا پروانہ حاصل کر لیا ہے۔

"فادر میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ یہاں کب تک قیام فرمائیں گے؟
ئے کے مالک نے ایک ساتھ دو سوال کئے۔

"بیٹے۔ ہم جیسے جہاں گرد ایک مقام پر بہت عرصے نہیں ٹھہرتے حالانکہ یروشلم سے
مقدس مقام دنیا میں کوئی نہیں۔ مگر جب علم میں پختگی نہ آئی ہو اور تجربہ ارتقائی
ل میں ہو تو پادری کو کسی جگہ جم نہ بیٹھنا چاہئے۔ اسے تکمیل کے لئے سفر کرنا پڑتا
ہے" ولیم نے گول مول جواب دیا۔

"بے شک فادر۔ آپ نے بالکل درست فرمایا۔" مالک نے عقیدت کے بھرپور جذبہ
کہا۔"یہ الرہا کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے قدموں نے اس سرزمین کو رونق بخشی ۔
ی درخواست ہے کہ آپ دن میں کم از کم ایک بار ضرور مجھے قدم بوسی کی اجازت
ت فرمائیں۔"

"تمہاری درخواست قبل از وقت ہے بیٹا۔" ولیم نے فوراً" مطلب کی راہ نکالی۔
ی میں یہ طے نہیں کر سکا ہوں کہ آیا میں الرہا میں قیام کر سکوں گا یا کل ہی مجھے کسی
ی جگہ جانا ہو گا۔"

"بہر حال کل تک تو آپ یہاں رہیں گے۔ آپ کہاں ٹھہریں گے۔ میں کس جگہ آپ
رت میں حاضر ہوں؟"

"دیکھو بیٹے۔" ولیم نے سنبھل کے کہا۔" میں یہاں اپنے ایک محسن اور بزرگ سے
آیا ہوں ان سے ملاقات ہو گئی تو دو چار ہفتے ان کے پاس قیام کر کے واپس ہو جاؤں گا
ملاقات نہ ہونے کی صورت میں مجھے واپس جانا ہو گا یروشلم مجھے پکار رہا ہے وہاں کے

در و دیوار ہر وقت میری آنکھوں میں پھرتے ہیں اور خواب میں بھی وہاں کے نظارے
تعقب کرتے ہیں۔"

"فادر ولیم۔ آپ کس بزرگ سے ملنا چاہتے ہیں یہاں؟" مالک نے بے چینی
پوچھا۔

"ان کا نام فادر فلپ ہے۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں یہ بزرگ۔ مہربان دوست
مشفق رہنما۔" اور ولیم نے بڑی امید سے دیکھا۔ "تم نے انہیں ضرور دیکھا ہوگا۔ میرا
ہے کہ ان کا قیام الرہا کے کسی بڑے عبادت خانہ میں ہوگا۔"

ولیم نے اپنے تمام اندازے اس پر ظاہر کر دئے۔ اسے امید پیدا ہو گئی تھی کہ ر
کے مالک سے اسے کچھ نہ کچھ معلومات ضرور ہو جائیں گی۔ مالک کچھ دیر ذہن پر زو
رہا۔ "فادر فلپ!" مالک بڑبڑایا۔ "میں نے یہ نام پہلے نہیں سنا۔ یہاں کے تمام عبا
خانوں سے میں واقف ہوں فادر۔ روز کسی نہ کسی عبادت خانہ جاتا ہوں۔ میرا خیال ہ
اس نام کے کوئی فادر الرہا میں موجود نہیں۔"

فادر ولیم پریشان ہو گیا۔ سراکش نے تو اسے یہی بتایا تھا کہ ترن کوزی اور فلپ ا
رہے ہیں مگر اس سرائے کا مالک کتنے وثوق سے کہہ رہا تھا کہ اس نے فادر فلپ کا نام
نہیں سنا۔ کیا ترن کوزی الرہا نہیں آئی۔ ولیم کے دل میں طرح طرح کے وسوسے
ہونے لگے۔ اسے ایک خیال یہ بھی آیا کہ کہیں ترن کوزی نے ٹالنے کے لئے سراکش
یہ نہ کہہ دیا ہو کہ وہ الرہا جا رہی ہے اور بجائے الرہا کے وہ دونوں کسی اور طرف نکل
ہوں۔ اس زمانے میں بعلبک کے شمال اور جنوب میں عیسائی ریاستوں کی ایک زنجیر س
تھی۔ وہ کسی بھی عیسائی ریاست میں جا سکتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دمشق چلے
ہوں۔ بعلبک چھوڑنے والے مسلمان عام طور سے دمشق کا رخ کر رہے تھے۔ انہی
ساتھ یہ بھی چلے گئے ہوں۔

سرائے کا مالک سوالیہ نظروں سے ولیم کو دیکھ رہا تھا۔ اسے مطمئن کرنا ضروری
"تمہاری بات درست ہو سکتی ہے بیٹے۔ مجھے بعلبک میں بتایا گیا تھا کہ فادر فلپ اپنی
کے ساتھ الرہا جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ہائے ہائے کیسا تباہ ہوا ہے وہ شاندار شہر
قتل و غارت گری ہوئی ۔ ظالموں نے اینٹونیس کی قدیم عبادت گاہ کو بھی لوٹ لیا۔
فلپ اسی عبادت گاہ کے لارڈ پادری تھے۔"

"فادر۔ کیا بعلبک کی تباہی کے وقت آپ وہاں موجود تھے؟" مالک نے اپنی دلچسپی
کی۔

چھا ہوا کہ میں اس وقت وہاں موجود نہ تھا اب تو وہ شہر پہچانا ہی نہیں جاتا۔ ورنہ یہ
ے دیکھی نہ جاتی۔"

ٹھنڈی سانس لے کر تاسف کا اظہار کیا۔ مالک نے بھی افسوس کا اظہار کیا" میں
وہاں کا حال سنا ہے فادر۔ بہت سے لوگ وہاں سے آ کے الرہا میں آباد ہو گئے ہیں۔
ہے کہ بعلبک کا کوئی پادری یہاں نہیں آیا ورنہ مجھے ضرور خبر ہو جاتی۔"

ھر تو یہاں آنا ہی بیکار ہوا۔" ولیم نے بڑے دکھ سے کہا۔ "مگر میں فادر فلپ سے ملے
ی تو نہیں سکتا۔ کیا پتہ کہ وہ کچھ دنوں کے بعد الرہا آئیں اور جب انہیں معلوم ہو
ان سے ملے بغیر واپس چلا گیا تو انہیں کتنا افسوس ہوگا۔"

ھر آپ کچھ دن یہاں رہ کیوں نہیں جاتے۔" مالک نے مودبانہ درخواست کی۔ "اگر
در فلپ نہ آئے تو بھی آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ الرہا والے بڑے مہمان
تے ہیں خصوصاً" آپ لوگوں کے بارے وہ لوگ بہت حساس ہیں۔"

ہاری درخواست میں اور میرے ارادے میں بڑی مطابقت ہے بیٹے۔" ولیم نے
ہری۔ "میں الرہا پہلی بار آیا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں الرہا م میں کتنی عبادت گاہیں ہیں
کہاں ٹھہرنا چاہئے۔؟"

ادر۔ آپ جس عبادت گاہ میں جائیں لوگ آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے مگر یہ
ں کہ آپ کسی عبادت گاہ میں ٹھہریں؟"

لک کا انداز استفہامیہ تھا۔ درپردہ وہ فادر ولیم کو اپنی سرائے میں قیام کرنے کی
ے رہا تھا۔ ولیم نے سب کچھ سمجھ لیا مگر انجام بنا رہا۔ "بیٹے کسی نہ کسی جگہ تو
ہو گا۔"

م نے فیصلہ سرائے کے مالک پر چھوڑ دیا تھا۔ مالک کو فادر ولیم کے الفاظ سے حوصلہ
انے دبے لفظوں میں کہا۔ "وہ جگہ یہ سرائے بھی تو ہو سکتی ہے فادر ۔ یقین کیجئے
ہ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی ہمیں خدمت کا موقعہ دیجئے فادر۔ ایسا موقعہ زندگی
ی بار ملتا ہے۔ میں آپ کو کسی اور جگہ ٹھہرنے نہ دوں گا فادر آپ الرہا سے
یں فادر فلپ کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ میں خود انہیں تلاش کروں گا وہ یہاں
یں تو میں انہیں ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔"

بیٹے تم کس قدر نیک اور پر خلوص ہو۔ مجھے بولنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے۔" فادر
رکی طور پر احتجاج کیا۔ حالانکہ اس نے یہ طویل گفتگو اسی مقصد کے لئے کی تھی۔
بولنے کی ضرورت نہیں ہے فادر۔ بس فیصلہ ہو گیا۔"

سرائے کے مالک نے فیصلہ کر دیا اور فادر نے اسے "اچھا" کہہ کے تسلیم کرلیا۔

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی رہی۔ سرائے کا مالک خوش تھا کہ ایک مذہبی پیشوا
کے پاس قیام کرنے پر رضامند ہو گیا۔ فادر ولیم بھی کم خوش نہ تھا۔ وہ تو خود ہی عبادت
میں قیام کے بجائے کسی اور جگہ ٹھہرنا چاہتا تھا مگر اب اسے یہ فکر تھی کہ بعلبک میں
فلپ نے اسے برداشت کر لیا تھا لیکن الرہا خاص عیسائی ریاست تھی۔ اگر اس کا اور
فلپ کا آمنا سامنا ہوا اور اسے جعفر کا ایک پادری کا روپ دھارنا پسند نہ آیا تو وہ
مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ ترن کوزی کے بارے میں اسے کوئی اندازہ نہ تھا۔ اس
اس نے یہی بہتر خیال کیا کہ فادر فلپ اور ترن کوزی کا سامنا کرنے کے بجائے وہ یہ
سرائے کے مالک کے ذریعے کرے اور جب اصل حالات سے آگاہ ہو جائے تو پھر اگلا
اٹھائے۔

فادر ولیم کو الرہا میں رہتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے مگر ترن کوزی کا کوئی پتہ نہ چلا
الرہا کا دوسرا بڑا شہر تل باشر تھا جہاں ترن کوزی کے قیام کا امکان ہو سکتا تھا مگر وہ ا
فرائض منصبی کے تحت تل باشر کا سفر نہ کر سکتا تھا۔ امیر کی طرف سے بھی اسے کوئی
نہ ملا تھا۔ اس لئے بھی اسے الرہا سے باہر نکلنا خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ سرائے کا مالک
کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کے وہ ولیم کے کمرے میں آ بیٹھ
فادر ولیم بھی اس پر اپنا اثر قائم رکھنے کے لئے دنیا جہان کے قصے سنایا کرتا۔ اس طرح
پر ولیم کا اعتماد اور اثر روز بروز بڑھتا گیا۔ سرائے کے مالک نے ولیم کے لئے الرہا کے
عبادت خانوں کی خاک چھانی تھی مگر فادر فلپ کے بارے میں کچھ پتہ نہ لگا تھا۔ اس طرح
ماہ اور گزر گئے۔ ولیم سرائے میں بیکار رہتے رہتے اکتا گیا۔ اس کا کمرہ سرائے کے ا
میں تھا جہاں لوگوں کی بہت کم آمدو رفت رہتی۔ مالک نے اسے یہ کمرہ اسی وجہ سے د
تاکہ کوئی فادر ولیم کی عبادت میں مخل نہ ہو سکے مگر یہ تنہائی ولیم کے لئے مصیبت بن
تھی۔

فادر ولیم صرف اتوار کو نماز کے لئے گرجا جاتا تھا۔ کئی مہینے وہ بڑے گرجا گھر جا
پھر دوسرے گرجوں میں جانا شروع کر دیا کہ شاید کہیں سے کچھ گن سن مل سکے مگر ا
کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ایک بار اسے خیال ضرور آیا کہ وہ لارنس سے ملے۔ لارنس
صرف ایسا آدمی تھا جس سے ترن کوزی کے بارے میں معلوم ہو سکتا تھا لیکن لارنس
ملنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ اگر لارنس نے اسے پہچان لیا تو پھر اسے جان کے لا۔
جائیں گے۔ اس نے بعلبک میں لارنس کا گلا دبایا تھا اور اس سے تمام جواہرات چھین

پھر وہ ترن کوزی کو کہاں اور اور کس طرح ڈھونڈے۔ اب اسے امیر زنگی کے خواجہ
تاشم بلوکتش کے بے چینی سے انتظار تھا۔ اس کے ملاقات کے بعد ہی وہ الرہا کو کچھ
کے لئے چھوڑ سکتا تھا۔

ایک شام ایک بڑا قافلہ سرائے پہنچا۔ فادر ولیم نے حسب عادت اور حسب ضرورت
ایک ایک کا چہرہ دیکھنا شروع کیا۔ وہ ہر قافلے کی آمد پر سرائے کے صدر دروانے کے قریب
اونچی جگہ کھڑا ہو جاتا اندر داخل ہونے والوں کو دیکھتا رہتا۔ یہ قافلہ بہت بڑا تھا اور
میں مختلف ریاستوں کے لوگ شامل تھے۔ آدھا قافلہ اندر آ چکا تھا۔ کہ فادر ولیم چونک
پڑا اس کی نظریں ایک شخص پر جم گئیں۔ یہ ایک لمبا تڑنگا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا جو تاجر
زیادہ سپاہی نظر آرہا تھا۔ اس کے جسم پر دمشقی لباس تھا۔ قافلے کے دوسرے لوگ
ہارے سر جھکائے آ رہے تھے مگر وہ شخص ہشاش بشاش اور چوکنا دکھائی دے رہا تھا۔
اس کی نظریں بڑی تیزی سے چاروں طرف گھوم رہی تھیں جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہوں۔
جب وہ فادر ولیم کے قریب سے گزرا تو دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ اس کے چہرے
پر کوئی تاثر نہ پیدا ہو مگر فادر ولیم کے دل سے آواز اٹھی۔ "بلوکتش۔ امیر زنگی کا خواجہ
تاشم۔"

فادر ولیم بھیڑ بھاڑ سے فائدہ اٹھاتا ہوا فوراً اس کے قریب پہنچا۔ بلوکتش میں
تمہارے قریب ہوں۔ مجھے دیکھ کر کسی تعجب کا اظہار نہ کرنا۔"

بلوکتش چونکا مگر فوراً سنبھل گیا پھر اس نے کنکھیوں سے پہلو کی طرف دیکھا۔ ایک
پادری اس کے ساتھ چل رہا تھا بلوکتش کو تعجب تو ہوا مگر وہ کچھ بولا نہیں۔

فادر ولیم نے سرگوشی کی۔ "صبح۔ سورج نکلنے سے پہلے صدر دروازے کے باہر تمہارا
انتظار کروں گا۔

بلوکتش نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔ پھر وہ الگ ہو گئے۔

فادر ولیم نے رات کو شمع کی روشنی میں اپنے لکھے ہوئے خط پر نظر ڈالی۔ یہ دراصل
الرہا کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ تھی جو فادر ولیم یعنی جعفر نے پہلے ہی تیار کر لی
تھی۔ جاسوسوں کے لئے دوسری جگہ خبریں بھیجنے کا یہی طریقہ تھا۔ وہ ضروری خبریں قلم بند کر
لیتے اور جب کوئی خبر پہنچانے والا ملتا وہ خبروں کا کاغذ اس کے حوالے کر دیتے۔ موقعہ
ملتا تو ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرتے مگر اس صورت میں بھی خبروں کا تبادلہ تحریری
ہی ہوتا۔ ولیم نے اس خط میں کچھ اضافے کئے اور پھر کاغذ لپیٹ کے جیب میں رکھ لیا۔
اسے بلوکتش کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ یہ خط امیر کو بھیج کے وہ کچھ دنوں کے

لئے الرہا سے باہر بھی جا سکتا تھا۔

صبح کو دھندلکے میں فادر ولیم اور بلوکتش ایک دوسرے سے ملے۔ بلوکتش نے ک
کے کہا۔ " فادر کو سلام پیش کرتا ہوں۔"

"وقت ضائع نہ کرو بلوکتش آقائے محترم کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" جعفر نے آہ
سے کہا۔

"آقا۔ بالکل خیریت سے ہیں اور دیار بکر میں قیامت برپا کئے ہوئے ہیں۔" بلوکتش
بتایا۔ "تمام امیر نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور ہمارے آقا امیر زنگی کے دامن میں پناہ حا
کی ہے۔"

"فتوحات مبارک ہوں بلوکتش ۔" جعفر نے جیب سے مرا تڑا خط نکال کے بلوکت
کے حوالے کر دیا۔

"ایک اور بڑی دلچسپ خبر ہے۔ تم سن کے خوش ہو گے۔" بلوکتش نے خط اٹھ
سے اندر کی جیب میں رکھ لیا۔

"ضرور سناؤ۔ میں گوش بر آواز ہوں۔"

"ہمارے امیر کے حرم میں آرمینیہ ایک شہزادی کا اضافہ ہو گیا ہے۔"

خبر واقعی دلچسپ تھی۔ امیر عمادالدین زنگی کی عمر اس وقت ساٹھ سال تھی۔ اس
دو بیٹے جوانی میں قدم رکھ چکے تھے۔ "واقعی بڑی دلچسپ خبر سنائی۔ مگر اس بڑھاپے میں ا
کو یہ کیا سوجھی۔" جعفر نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

"آقا کی باتیں آقا ہی جانیں۔" بلوکتش نے تبصرہ کیا۔ "ان کی جنگی چالوں کو کو
نہیں سمجھ سکتا۔ کسی کو تہہ تیغ کرتے ہیں تو کسی کو پہلو میں بٹھاتے ہیں۔ یہ بھی ایک سیا
شادی ہے۔ والئی آرمینیہ خود سری پر آمادہ تھا۔ امیر نے اسے تلوار سے زیر کرنے
بجائے اس کی شادی کا پیغام بھیج دیا اور والی آرمینیہ ان کا حلقہ بگوش ہو گیا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو بلوکتش۔ امیر جتنے سخت ہیں اتنے ہی نرم بھی۔ میدان جنگ م
بھی ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے ۔ مجیں نے اکثر دیکھا ہے کہ امیر نے کئی کمزور حکمرانوں
گلے لگایا اور کئی دوسروں کے گلے کاٹے ہیں۔ ایسے شہ زور عالی دماغ حکمراں کم ہی پ
ہوتے ہیں۔ خدا امیر کو سلامت رکھے۔" جعفر نے جو کچھ کہا وہ ایک تاریخی حقیقت
جس سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

"کوئی پیغام دینا ہے امیر کو؟" بلوکتش نے ابھرتی روشنی کو ذرا فکر سے دیکھا۔

"میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ میرے لئے کوئی حکم ہے امیر کا؟"

اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم تا حکم ثانی الرہا میں مقیم رہو گے۔"

ٹھیک ہے۔ تمہارا دوسرا چکر کب لگے گا؟"

یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔"

میں شاید یہ جگہ چھوڑ دوں مگر میرا پتہ تم کو یہیں سے مل سکے گا۔ سرائے کا مالک
فادر ولیم کا بہت معتقد ہے۔ اس سے فادر ولیم کا نیا پتہ معلوم کر لینا "ولیم!"
مسکرایا۔ "اچھا روپ بھرا ہے تم نے۔ میں بھی تمہیں پہچان نہ سکا تھا۔"

دوسرے دن بلوکتش اپنے قافلے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ امیر کو خط بھیجنے کے بعد
کافی مطمئن ہو گیا تھا۔ اب اس کے پاس کافی وقت تھا اور وہ ترن کوزی کی تلاش
سے باہر بھی جا سکتا تھا مگر کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ ایک بار لارنس سے ملنے کا
ل لینا چاہتا تھا کیونکہ لارنس ہی ایک ایسا وسیلہ تھا جس کے ذریعے وہ ترن کوزی تک
جلد پہنچ سکتا تھا۔ اتوار کے دن اس نے بڑے گرجا کا رخ کیا۔ ولیم نے اس سے پہلے
جلد پہنچ سکتا تھا۔ اتوار کے دن اس نے بڑے گرجا ہ رخ کیا۔ ولیم نے اس سے پہلے
بار ایسے خطرات کو دعوت دی تھی۔ ایک جاسوس کی زندگی تو خطرات ہی سے
ہوتی ہے پھر وہ کیوں گھبرائے۔ اس دن گرجا میں معمول سے کچھ زیادہ ہی بھیڑ تھی۔
چار دیواری کے اندر لوگوں کا ہجوم تھا اور درجنوں پادری ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر
تھے۔ فادر ولیم بھی اس ہجوم میں شامل ہو گیا اور لارنس کو ڈھونڈنے لگا۔

مشہور ہے کہ ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ فادر ولیم بڑے گرجا میں اس خیال
تھا کہ لارنس ایک عشرت پسند انسان ہے اس لئے اس کا بڑے گرجا میں آنا یا قیام
ناممکن تھا۔ ولیم کا یہ خیال درست نکلا۔ تھوڑی ہی دیر بعد لارنس اسے ایک طرف
ہوا دکھائی دیا۔ فادر ولیم نے خطرے کا خیال کو ایک جھٹکا دے کر ذہن سے نکال دیا
بارا باد کہہ رک لارنس کی طرف بڑھا۔ گرجا کے چھوٹے چھوٹے گیٹ پر دونوں کا
گیا۔ فادر ولیم نے بڑے جرات سے لارنس کی طرف دیکھا۔ لارنس اس پر ایک سر
سرڈال کر آگے بڑھا تھا کہ اسی وقت فادر ولیم نے اسے ٹوکا۔

نیک بیٹے میری مدد کرو۔"

لارنس کے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کے ولیم کو دیکھا پھر قدم اٹھاتا اس کے پاس

فرمائیے فادر۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ "لارنس نے اتنے ادب سے کہا
کو یقین ہو گیا کہ اسے بالکل پہچانا نہیں گیا۔

"بیٹے۔ کیا تمہارا تعلق اس عبادت گاہ سے ہے؟" فادر ولیم نے آواز بنا کر بڑی شفقت سے پوچھا۔

"جی فادر ۔ یہی سمجھ لیجئے۔ آپ اس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔" لارنس نے گفتگو مختصر کرنے کے لئے جواب بھی دیا اور تجسس دور کرنے کے لئے سوال بھی کر دیا۔

"تم نے ٹھیک کہا نیک بیٹے۔ دراصل مجھے بعلبک کے فادر فلپ کی تلاش ہے۔" فادر ولیم نے رک کے لارنس کو دیکھا۔ بعلبک کے نام پر لارنس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ فادر ولیم نے سلسلہ جاری رکھا۔ "فادر فلپ سے ملنے میں دمشق سے بعلبک پہنچا تھا مگر وہاں کے تمام عبادت خانے برباد ہو گئے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ فادر فلپ بعلبک چھوڑ کے الرہا میں آباد ہوئے ہیں۔ میں ایک ہفتے سے ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں مگر کسی عبادت خانہ سے بھی ان کا پتہ نہ معلوم ہو سکا۔

"لارنس شاید تذبذب میں گرفتار تھا۔ اس نے مشکوک نظروں سے ولیم کو دیکھا۔

"فادر۔ کیا فادر فلپ سے آپ کی عزیز داری ہے؟"

"بیٹے۔ مذہبی تعلق' رشتے داری سے بلند ہوتا ہے" فادر ولیم نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا حالانکہ اسے محسوس ہو گیا تھا کہ لارنس اسے شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔

"فادر فلپ۔ اس ناچیز کے بزرگ اور رہنما ہیں۔ میں جب بھی شمال کا سفر کرتا ہوں تو بعلبک سے گزرتے وقت انیتونیس کی عبادت گاہ کو نہیں بھولتا۔ فادر فلپ کا مشفقانہ سلوک اور احسانات میں کبھی نہیں بھول سکتا۔"

لارنس کو شاید اطمینان ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا۔ "فادر۔ آپ فادر فلپ سے ملنا چاہتے ہیں مگر وہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔"

"یہ تو میں جانتا ہوں بیٹے۔" فادر ولیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "سوال یہ ہے کہ وہ ہیں کہاں۔ بعلبک کی تباہی کو سال ہونے والا ہے پھر وہ راستے میں کہاں رہ گئے؟"

"تل باشر میں!" ولیم پریشان ہو گیا۔ "مگر تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ تل باشر میں ہیں؟"

"میرا نام لارنس ہے اور میں ان کا قریبی عزیز ہوں فادر۔"

"اچھا تو تم فادر فلپ کے عزیز ہو۔" فادر ولیم نے لارنس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "خداوند یسوع مسیح کی تم پر برکت ہو۔ تمہاری صورت بھی کچھ کچھ فادر فلپ سے ملتی ہے۔" فادر ولیم نے یہ بات محض اندازے سے کہی تھی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارا ان سے رابطہ قائم ہے اس وجہ سے تمہیں ان کے تل باشر میں ہونے کا اتنا یقین ہے۔"

"کیا ...وں نے تم سے کہا تھا کہ وہ الرہا آ رہے ہیں؟"

"صرف کہا ہی نہیں بلکہ میں نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ جلد از جلد الرہا پہنچ

فادر ولیم چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا "اب لارنس تمہارا کیا خیال ہے میں یہاں ٹھہر کے انتظار کروں یا پھر تل باشر چلا جاؤں۔ میں ادھر آیا ہوں تو ان سے مل ہی کے جاؤں

لارنس نے غمزدہ لہجہ میں جواب دیا۔ "فادر۔ میں تو یہی کہوں گا کہ آپ بھی میری ان کا انتظار کریں۔ میں خود ان کے لئے بہت بے چین ہوں فادر۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے لارنس؟" پھر ولیم نے خود ہی بات پلٹ دی۔ "مگر یہ تمہارا معاملہ ہوگا اور میں کسی کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیا کرتا۔"

"مگر فادر۔ اب تو آپ کو میرے معاملے میں ضرور دخل دینا ہوگا۔" لارنس نے بڑی ...مزاجی سے کہا۔

فادر ولیم نے لارنس کے سنجیدہ اور پریشان چہرہ کو دیکھا۔ "لارنس ۔ ذاتی معاملات پر ...ے گفتگو نہیں کرنا چاہئے۔"

"معاف کیجئے فادر۔ مجھے کچھ خیال ہی نہیں رہا۔" لارنس نے معذرت کی۔ "مجھے فادر کے حوالے سے اس عبادت خانہ میں ایک کمرہ مل گیا ہے۔ چلئے وہیں بیٹھ کر گفتگو ..."

دونوں خاموشی سے آگے پیچھے چلنے لگے۔ مشرقی جانب ایک قطار میں بہت سے کمرے ... لارنس اپنے مہمان فادر ولیم کو اپنے کمرے میں لے گیا۔

"فادر۔ میں نے ابھی کہا تھا کہ آپ کو میرے معاملات میں دخل دینا ہوگا۔ لارنس نے ... کا آغاز کیا۔

"ہاں۔ کہا تھا تم نے۔ مگر یہ ایک مبہم بات ہے۔ تمہیں وضاحت کرنا پڑے گی۔" فادر نے وضاحت طلب کر لی۔

"میں سب کچھ بتا دوں گا فادر۔ مگر پہلے آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا؟"

"وعدہ ۔ کیسا وعدہ۔ ایک غریب پادری کیا وعدہ کر سکتا ہے۔ سوائے دعاؤں کے اس ...ل اور کچھ ہوتا ہی کیا ہے؟"

"مجھے یہی دعائیں چاہئیں فادر۔"

"لارنس جس عقیدت سے تم مجھے یہاں لائے ہو اس نے مجھے متاثر کیا ہے۔" جعفر

نے آنکھیں بند کیں پھر کھولیں۔ "تم ایک اچھے جوان ہو۔ میری دعائیں ہمیشہ تمہار
ساتھ رہیں گی۔"

"فادر۔ آپ میری ایک مشکل آسان کر سکتے ہیں۔" لارنس نے التجائی انداز اختیار

"مشکل آسان کرنے والا خداوند ہے لارنس۔ میرے اختیار میں جو ہوگا اس میں پ
پیس نہ کروں گا۔" ولیم نے اسے یقین دلایا۔

"فادر۔" لارنس جذبات میں ڈوب گیا۔ "مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خداوند یہ
مسیح نے آپ کو میری مشکل آسان کرنے کے لئے بھیجا ہے۔"

"یہ تمہارا خلوص اور عقیدت ہے لارنس۔ اپنا مطلب بیان کرو؟"

"آپ نے فرمایا تھا کہ فادر فلپ آپ کے رہنما ہیں۔ یعنی آپ ان کے شاگرد ہیں"

"ہاں ہاں۔ اس میں شک ہی کیا ہے۔" ولیم نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"فادر فلپ آپ کی بات بھی مانتے ہوں گے؟"

"لارنس۔" ولیم کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ "میں نے
تک فادر فلپ سے اپنے لئے کوئی سوال نہیں کیا۔ ہاں دوسروں کے لئے دعائیں ا
سفارشیں کرائی ہیں۔ انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔"

ولیم اس کے دل کا حال معلوم کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے لارنس کو موقعہ فراہم
کہ وہ اپنا سوال پیش کرے۔ لارنس خود اس موقعہ کی تلاش میں تھا۔ اس نے فوراً کہ
"آپ نے دوسروں کے لئے سفارشیں کی ہیں ایک سفارش میری بھی کر دیجئے۔"

"لارنس۔ اس قدر انکسار سے کیوں کام لے رہے ہو۔ تم تو میرے ہو۔ تمہارے
کے لئے میں سفارش ہی نہیں بلکہ کوشش بھی کروں گا۔ بتاؤ تمہیں کیا کام ہے فادر فل
سے؟" ولیم گھیر کے اسے مطلب پر لے آیا۔

"فادر۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کے ایک جوان لڑکی ہے۔" لارنس نے کھلنا شرو
کیا۔

"لڑکی!" ولیم نے پیشانی پر ہاتھ رکھا جیسے وہ ذہن پر زور دے رہا ہو۔ "پانچ سال
میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت تو ان کے ساتھ میں نے کسی جوان لڑکی
نہیں دیکھا۔ ایک بچی ضرور گھومتی پھر رہی تھی۔"

"وہی بچی اب جوان ہو گئی ہے فادر۔ اس کا نام ترن کوزی ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک۔ اب یاد آیا۔ فادر فلپ اسے ترن کوزی کہہ کے پکارتے تھے۔" پھر
نے لارنس کو گھور کے دیکھا۔ "وہ بچی اب جوان ہو گئی ہے اور ہمارا بیٹا لارنس اس

نا چاہتا ہے۔ کیوں لارنس یہی بات ہے نا؟"

"ہاں فادر۔ بالکل یہی بات ہے۔" اور لارنس نے شرما کے سر جھکا لیا۔

"فکر نہ کرو لارنس۔ میں فادر سے تمہاری خواہش بیان کروں گا اور سفارش بھی کروں
ولیم نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر اس کا سینہ جل رہا تھا۔ ایک آگ تھی جو اسے پھونکے
تھی۔

لارنس نے افسردگی سے کہا۔ "فادر۔ ادھر سے انکار ہو گیا ہے۔" لارنس کا منہ لٹک

"کس نے انکار کیا ہے۔ فادر فلپ نے یا ———؟"

"ترن کوزی نے انکار کر دیا ہے فادر۔" لارنس کا گلا جیسے خشک ہو گیا۔

"ے میں سمجھا دوں گا اسے۔ تم سے بہتر شوہر اسے کون مل سکتا ہے۔؟"

"فادر۔" لارنس نے جھک کے ولیم کے ہاتھ چوم لئے۔

"کی ضرورت ہی نہیں لارنس۔" ولیم نے اس کی پیٹھ تھپ تھپائی۔ "یوں سمجھو
م بن گیا۔ ادھر فادر فلپ اور ادھر ترن کوزی تمہاری ہو گئی۔"

لارنس شرمایا۔ لجایا جا رہا تھا جیسے وہ دولہا بن گیا ہو۔ اس نے شکر گزار نظروں سے
دیکھا۔ "فادر میں تو بالکل ناامید ہو گیا تھا۔ آپ نے سہارا دیا ہے تو مجھے یوں محسوس
ہے جیسے میری زندگی کی روٹھی ہوئی بہاریں واپس آ رہی ہیں۔ میں بڑا بدقسمت ہوں
ماں نہ باپ۔ بچپن ہی سے فادر فلپ کی گود میں پلا ہوں مگر میں نے ان کی باتوں
نصیحت نہ پکڑی۔ بری صحبت نے مجھے تباہ کر دیا۔ فادر فلپ نے بھی مجھے الگ کر
ـے"

لارنس اپنی داستان بیان کر رہا تھا اور فادر ولیم اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ وہ خوش
ا نے ترن کوزی کو ڈھونڈ نکالا۔ اس کی جان حیات تل باشر میں تھی اور تل باشر
دور نہ تھا۔ اس وقت وہ فارغ بھی تھا۔ امیر زنگی کو اس نے ضروری اطلاعات
تھی۔ کچھ دنوں کے لئے وہ الرہا چھوڑ سکتا تھا۔ لارنس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا
کوزی اب تک اس کے انتظار میں ہے ورنہ وہ لارنس سے انکار کیوں کرتی۔
س کی نظر ولیم پر پڑی تو اس نے اپنی داستان ادھوری چھوڑ دی۔ "فادر۔ آپ کیا
ہے؟"

چونک پڑا پھر مسکرایا۔ "میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا لارنس۔ فادر
بات مانتے ہیں مگر اس نادان لڑکی کو کیا ہوا۔ اس نے کیوں انکار کیا۔" یہ کہتے
نے سوالیہ نظروں سے لارنس کو دیکھا۔ لارنس نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔

شاید وہ ولیم پر یہ راز ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔

"کوئی بات نہیں لارنس۔" ولیم نے پھر کہنا شروع کیا۔ "وہ مجھ سے انکار نہ کرے گی۔ میں عورت کی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔"

"آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں فادر۔" لارنس بچھا جا رہا تھا۔

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔" ولیم کو اس سے پیچھا چھڑانا تھا۔ اس نے کہا۔ "لارنس۔ تم کہیں جا رہے تھے۔ میری وجہ سے تمہیں رکنا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں فادر۔ آپ کی ملاقات سے اہم کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔" لارنس نے چاپلوسی کی۔

"نہیں نہیں۔ تم اپنے کام پر جاؤ۔ میں بھی ذرا گھوم پھر لوں۔" ولیم نے اسے ٹالنے کی دوبارہ کوشش کی۔

"پھر کب ملاقات ہوگی فادر۔؟" لارنس نے ایک دم سوال کیا۔

"ملاقات!" ولیم سوچ میں پڑ گیا۔

"میرا مطلب ہے۔ میں خود آپ سے ملاقات کرنے آؤں گا۔ آپ کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔" اس سوال نے ولیم کو بالکل ہی بوکھلا دیا۔ کیا بتاتا کہ کہاں ٹھہرا ہے۔ سرائے کا نام لیتا تو اس کا سکون برباد ہو جاتا۔ لارنس چوبیس گھنٹے وہاں پڑاؤ ڈالے رکھتا۔ اس طرح اس کے تمام منصوبے خاک میں مل سکتے تھے۔ اس نے کہا۔ "بیٹے۔ ہمارا ٹھکانا کیا پوچھتے ہو۔ ہم تو بے ٹھکانہ لوگ ہیں لارنس۔ جہاں شام ہوئی وہیں پڑ رہے۔ الرہام عبادت خانوں کی کمی نہیں۔ جہاں جاتا ہوں لوگ عزت سے ملتے ہیں۔"

"فادر۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو آپ میرے پاس آجائیں۔" لارنس نے پیش کش کی۔ "میرے پاس بہت بڑا کمرہ ہے اور نہایت آرام دہ۔"

ولیم کے لئے یہ پیش کش خطرے سے خالی نہ تھی۔ اس لئے بڑے پیار سے اس نے کہا۔ "لارنس اڑتے پرندے کو سونے کے پنجرے میں قید کرنا چاہتے ہو۔ نا بیٹے نا۔ یہ نہیں کر سکتا۔"

"مگر فادر۔ ابھی تو یہ پتہ نہیں کہ ترن کوزی۔ میرا مطلب ہے فادر فلپ الرہا کب پہنچیں گے۔" لارنس نے ولیم کو رام کرنا چاہا۔ "یہاں آپ کو زیادہ آرام ملے گا فادر۔"

"تمہارے پاس بھی رہوں گا لارنس۔ مگر کبھی کبھی۔" فادر ولیم جانے کے لئے ہوا۔

"آپ کہاں جائیں گے فادر؟" لارنس نے پوچھا۔

مجھے خود نہیں معلوم کہاں جاؤں گا۔" ولیم چلتے ہوئے بولا۔ "تم اپنے کام پر..."

...نے تمہارا بہت وقت لیا۔"

...آپ کا شکر گزار ہوں فادر۔" لارنس نے سانس لے کے کہا۔ "آپ سے ملنے ...میرے دل میں امید کا چراغ پھر جل اٹھا ہے۔"

...ہوں۔ ترن کوزی سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے۔" فادر ولیم نے دروازے کے پاس ...کہا پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔



...الدین زنگی کا اصل مقصد دمشق پر قبضہ کرنا تھا تاکہ وہ شام کے علاقہ زیر تسلط کرنے ...مسلمانوں کے اصل دشمن یعنی عیسائیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے آگے بڑھے ...اس قدر مضبوط تھا کہ امیر زنگی کو وہاں بار بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ دمشق کا ...ظم جو دمشق کا حقیقی حکمراں تھا' ہر بار اپنی چالاکی اور دور اندیشی سے دمشق کو صاف ...تھا۔ امیر زنگی کو دمشق میں ناکامی ہوئی تو اس نے بعلبک پر اچانک حملہ کر کے اس ...ر کر لیا اور نجم الدین ایوب جیسے عالی دماغ سردار کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ نجم ...ایوب نے چند ہی دنوں میں بعلبک کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ وزیراعظم دمشق ...الدین انز کو اپنی اس جاگیر کی طرف نظر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

...عین الدین انز کو اپنی جاگیر نکل جانے کا صدمہ تو تھا ہی مگر اسے یہ خیال زیادہ پریشان ...تھا کہ بعلبک کے بعد امیر زنگی کا دوسرا نشانہ دمشق ہی ہوگا۔ چنانچہ اس نے دمشق ...نے کی کوششوں میں پہلے سے زیادہ اضافہ کیا۔ انز اپنے دشمن امیر زنگی سے اس لئے ...لا جلا ہوا تھا کہ اسے یہ بتایا گیا تھا کہ امیر زنگی نے بعلبک پر قبضہ کے وقت عوام ...ساھ عیسائی پادریوں پر بڑا ظلم کیا تھا۔ یہ الزام قطعی غلط تھا یہ دراصل عیسائیوں کا ...تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ امیر زنگی اور معین الدین انز کے درمیان دشمنی کی ایسی ...ا ہو جائے جو کوشش کے باوجود بھی نہ پاٹی جا سکے۔

...ئیوں کے اس پروپگنڈے کا انز پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا اور امیر زنگی اور معین ...نز کے اختلافات اس قدر بڑھ گئے کہ بعض امیروں کی کوشش کے باوجود دونوں میں ...ہو گی۔ معین الدین انز نے امیر زنگی کو نیچا دکھانے کے لئے بالڈون شاہ یروشلم سے ...معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ زبانی تھا جس میں معین الدین انز نے شاہ یروشلم کو پیش کش کی ...اگر وہ امیر زنگی کو شام کی حدود سے نکال دے تو معین الدین اسے بیس ہزار سالانہ

ادا کرے گا اور بانیاس کا علاقہ بھی اس کے سپرد کر دے گا۔ اس سے صاف ظاہر
معین الدین انز دمشق کو بچانے اور امیر زنگی کو شکست دینے کے لئے یروشلم کا باجگزا
بھی آمادہ ہوگیا۔ امیر زنگی کو جس وقت انز کی اس ذلیل پیش کش کی اطلاع ملی تو ا
فوراً" شام سے اپنی فوجیں ہٹالیں تاکہ اس معاہدے کی تکمیل نہ ہو سکے۔ اس طرح
زنگی نے اپنے دشمن کو ایک ذلیل معاہدے کی بدنامی سے محفوظ کر دیا۔

کچھ ہی دنوں کے بعد امیر زنگی نے جعفر کو الرہا کی طرف روانہ کیا اور خود ایک
جرار لے کر دیار بکر کے مسلم سرداروں کی سرکوبی کے لئے ادھر چلا۔ یہ مسلم سردا
دوسرے سے لڑتے اور اپنا ہی خون بہایا کرتے تھے۔ ان کی خانہ جنگی نے امیر زنگی
کو کمزور کر رکھا تھا اور ان پر قابو حاصل کئے بغیر وہ کوئی بڑا معرکہ سر نہ کر سکتا تھا۔

امیر نے دیار بکر کے سرداروں کو ایک ایک کر کے اپنا مطیع بنا لیا اور مقابلہ
والوں کو ہمیشہ کے لئے رستے سے ہٹا دیا۔ اس نے کئی شہر فتح کئے اور ان کے نئے نا
نام پر رکھے۔ اپنا یہ پہلو مضبوط کرنے کے بعد اس نے لشکر کو عمید کی طرف کوچ کا
حکم دیا۔ امیر کے لشکر کی نقل و حرکت اور لڑائیوں کی خبر الرہا کے شاہ جوسلین کو مل
رہی تھیں اور وہ مسلمانوں کی اس خانہ جنگی پر خوب بغلیں بجا رہا تھا۔

دوسری طرف الرہا میں جعفر کو اپنی محبوبہ کی تل باشر میں موجودگی کی اطلاع
تھی اور وہ تل باشر جانے کے لئے پر تول رہا تھا کہ ایک دن اتفاقاً" اس کی لارنس سے
راہ میں مڈبھیڑ ہوگئی۔ جعفر نے نظریں بچا کے نکل جانے کی کوشش کی مگر لارنس نے
گھیر لیا۔

"فادر ولیم۔ آپ خیریت سے تو ہیں؟" لارنس نے ولیم کے سر پر پہنچ کے کہا۔
نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے ولیم نے پلٹ کر بڑے خندہ پیشانی سے اس
آمدید کہا۔ "کہو لارنس کیا حال ہے۔ تمہاری ترن کوزی کب آرہی ہے؟"

ترن کوزی کے نام پر لارنس کھل اٹھا۔ "فادر۔ ترن کوزی تو آپ کی سفارش
مجھے ملے گی۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟" ولیم نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ "کیا اب تک نہیں آئی وہ؟"
"نہیں فادر۔ مجھے اس کی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔" لارنس افسردہ سا ہو گیا۔ "آ
اس دن کے بعد سے مجھے اپنا دیدار ہی نہیں کرایا۔ میں ہر اتوار کو آپ کا انتظار
ہوں۔"

"لارنس۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہاری طرف نہیں آسکا۔" ولیم نے فوراً" بات

الرہا میں زیادہ دن ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر اب فادر فلپ کا انتظار کرنا پڑ رہا
میں نے سوچا اس وقت سے فائدہ اٹھایا جائے اور خوب جی بھر کے یہاں کے عبادت
گاہوں کی سیر کرلی جائے۔ بس اسی میں سارا وقت کٹ جاتا ہے۔"

"فادر۔ ایک بات عرض کروں۔؟"
لارنس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ولیم کا دل دھڑکنے لگا۔
"ہاں ہاں کہو۔ تمہیں ہر طرح کی بات کرنے کی اجازت ہے۔ تم تو میرے بیٹے ہو
ب" ولیم نے بھی لارنس کو بھلا وہ دینے کی کوشش کی۔
"فادر۔ میں ایک بار پھر تل باشر جانا چاہتا ہوں۔" لارنس کا چہرہ بڑا مسکین ہو گیا تھا۔
"ترن کوزی کی یاد بے چین کر رہی ہوگی۔ ضرور جاؤ۔ میں کہتا ہوں آج ہی چلے جاؤ۔"
"میرا اکیلے جانا بیکار ہے فادر۔"
ولیم کی چھٹی حس حرکت میں آگئی۔ وہ سمجھ گیا کہ لارنس اسے اپنے ساتھ تل باشر لے
جانا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس کہا۔ "لارنس اگر تم اپنی سفارش کے لئے مجھے
لے جانا چاہتے ہو تو تمہیں اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔"
"نقصان۔ کس طرح فادر؟" لارنس گھبرا گیا۔
جعفر نے اطمینان سے جواب دیا۔ "تم فادر فلپ کے عزیز دار ہو مگر ان کی طبیعت کو
میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اگر تمہارے سامنے میں نے تمہاری سفارش کی تو فادر فلپ
بگڑ جائیں گے اور شاید مجھ سے بھی انکار کر دیں۔"
"تو پھر میں کیا کروں فادر۔ وہ لوگ تو یہاں آ ہی نہیں سکتے۔" لارنس بہت بے چین
ہو رہا تھا۔
"جی ہاں فادر۔ آپ سے کیا پردہ۔ جب سے آپ نے سہارا دیا ہے۔ دل اور بے
چین ہو گیا ہے۔"
"لارنس۔ تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"
ولیم بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔
"کچھ ضرور کیجئے۔ میری زندگی بالکل ویران ہو گئی ہے۔ صرف ایک ہی حل نظر آتا
ہے بالکل" ولیم نے فکر مند انداز میں کہا۔
"کیا صورت ہو سکتی ہے فادر؟ مجھے بھی بتائیے" "صورت یہ ہے کہ فادر فلپ
کو یہاں بلا لیا جائے۔"
"تو میں کہہ رہا ہوں فادر۔ آج ہی ہم دونوں چلتے ہیں وہاں۔" لارنس کے دل

میں لڈو پھوٹنے لگے۔

"پھر وہی بچپنا لارنس ۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تمہیں دیکھتے ہی فادر فلپ بھڑک ا
گے اور سارا کام بگڑ جائے گا۔"

ولیم نے اتنے سخت لہجے میں کہا کہ لارنس سہم گیا۔

"پھر کیا ہوگا فادر۔ کون ملے گا فادر سے؟" لارنس پر پھر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

"میں نے تمہیں بیٹا کہا ہے لارنس ۔ مجھ پر اعتماد رکھو۔" ولیم نرم ہو گیا۔

"آپ پر تو مجھے اعتماد ہے فادر لیکن---------- لارنس کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن پھر کون فادر فلپ سے ملے گا۔ یہی کہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں فادر------" اور لارنس خالی خالی نظروں سے ولیم کو دیکھنے لگا

"میں فادر فلپ سے ملوں گا۔ ولیم تمہارے لئے تل باشر جائے گا۔" ولیم نے پ
یقین سے کہا۔

"آپ ۔ فادر آپ۔ آپ میرے لئے تل باشر کا سفر کریں گے؟" لارنس کو یقین
آرہا تھا۔

"دیکھو لارنس ۔ میں منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکالتا جسے پورا نہ کر سکوں۔"
نے اعتماد سے کہا۔ "میں خود تل باشر جاؤں گا۔ فادر فلپ سے تمہارے لئے ترن کوز
رشتہ مانگوں گا اور ان کی رضا مندی حاصل کر کے الرہا واپس آؤں گا۔"

"فادر۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ فادر فلپ آپ کی بات مان جائیں گے۔" لارن
دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"لارنس۔ اس بے ثبات دنیا میں کوئی بات یقینی نہیں ہوتی۔" ولیم نے کسی بڑ
پادری کا جملہ دہرایا۔ "دیکھ بچو۔ اس جہاں فانی میں صرف وہی بات یقینی ہے جس کا حکم
وند یسوع مسیح کی طرف دیا جائے۔ اس کے علاوہ ہر بات جھوٹی ہے۔ تم جھوٹے ہو۔
جھوٹا ہوں۔ ساری دنیا جھوٹی ہے۔"

"بے شک فادر۔ آپ صحیح فرما رہے ہیں۔" لارنس نے عقیدت سے سر جھکا دیا۔
آپ کب تک تشریف لئے جا رہے ہیں تل باشر۔؟" لارنس کے تو دل سے لگی ہوئی تھی

"میں آج---------- آج نہیں تو کل ضرور روانہ ہو جاؤں گا۔ مگر لارنس
ایک بات کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"فادر فلپ کو یہ نہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم مجھ سے مل چکے ہو۔" ولیم نے تاکید کی
لارنس نے حیرت سے ولیم کو دیکھا۔ "فادر جب آپ فادر فلپ کو یہ نہیں بتائیں

پ کی مجھ سے ملاقات ہو چکی ہے تو پھر آپ میری سفارش کیسے کریں گے۔"

یہ میرا مسئلہ ہے۔ لارنس " ولیم نے بے پرواہی سے کہا "میں ان سے کیا کہوں گا
رح سے سفارش کروں گا تمہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ اگر بالغرض میں تل باشر
اور فادر فلپ یہاں آ جائیں تب بھی تم انہیں یہ نہیں بتاؤ گے کہ میں یعنی فادر ولیم
ملاقات کو آیا ہوا ہے۔ اس سے تمہاری بات کھل جائے گی اور میں سفارش میں
ہو جاؤں گا۔"

یسی مرضی آپ کی فادر۔ میں ان سے آپ کا نام ہی نہیں لوں گا۔"

رنس اور ولیم ایک پیڑ کے نیچے کھڑے ہو کر گفتگو کر رہے تھے۔ آنے جانے والوں
ریں خواہ مخواہ ان پر پڑ رہی تھیں۔ ولیم نے کہا "اب تم جا کے اطمینان سے بیٹھو اور
باشر سے میری واپسی کا انتظار کرو۔ ہمیں باتیں کرتے بہت دیر ہو چکی ہے۔ لوگوں کی
میں آنا اچھا نہیں ہے۔"

ادر ولیم بغیر جواب کا انتظار کئے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔

لیم کو تل باشر پہنچنے کی بہت جلدی تھی۔ پہلے اس نے ارادہ کیا کہ گھوڑے پر سوار ہو
تنہا سفر کرے مگر ایک عیسائی پادری کا تیز گھوڑے پر سفر کرنا راہبوں اور پادریوں کے
ل کے خلاف تھا۔ ان کا سفر بہت سست رفتار ہوتا تھا۔ عام طور پر یہ لوگ قافلوں کے
پیدل سفر کرتے اور راستے میں اپنے مذہب کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ ولیم نے بھی یہی
اختیار کیا اور تل باشر جانے والے ایک قافلے میں شامل ہو گیا۔ اس نے سرائے کے
کو صرف یہ بتایا کہ اگر کوئی اس سے ملنے آئے تو کہہ دیا جائے کہ فادر ولیم کچھ دنوں
لے تل باشر گئے ہوئے ہیں۔ ولیم نے یہ احتیاط اس لئے برتی تھی کہ شاید امیر زنگی کا
اس کے لئے کوئی حکم لے کے آئے اور اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے پریشان نہ

لیم نے یہ سفر بڑی بے چینی سے کاٹا۔ ایک ایک دن اس کے لئے پہاڑ بن گیا۔ ترن
کی موہنی صورت ہر دم اس کی آنکھوں میں پھرتی رہتی تھی۔ اسے یہ تو اطمینان ہو
ترن کوزی نے لارنس کو صاف جواب دے دیا ہے اور شاید یہ سب اسی وجہ سے
کہ اس کے دل میں اب تک جعفر سمایا ہوا تھا۔ ان حالات میں فادر ولیم کی بے چینی
تھی۔ موصل سے روانہ ہوتے وقت اس کے دل کی جو حالت تھی وہ عالم ولیم کا اس
گی تھا۔ ترن کوزی سے ملاقات کا تصور۔ گزرے دنوں کی دلچسپ باتیں۔ ترن کوزی
کئے ہوئے عہد و پیماں۔ ولیم کو ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے اور وہ ان یادوں اور

باتوں سے سرشار اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ عجیب اتفاق تھا کہ ولیم انہیں راستوں
پر پھر چل رہا تھا جن سے گزر کر وہ الرہا پہنچا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ جب اس
لارنس کو پہلی بار قافلے کے ساتھ سفر کرتے دیکھا تھا تو اسی وقت اس سے کیوں نہ گفتگو
لیکن ہر بات انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی اور جب انسان حالات سے مجبور ہو جا
اس وقت خدائے واحد پر اس کا ایمان اور پختہ ہو جاتا ہے۔ گردش کے جتنے دن اس
تقدیر میں لکھے تھے وہ پورے ہی ہونا تھے۔

قافلہ تل باشر میں داخل ہوا تو ولیم نے تقدیر کا ایک اور تماشہ دیکھا۔ ترن کوزی
کے سامنے اس طرح آگئی جیسے اسے ولیم کے آنے کی خبر پہلے ہی مل گئی ہو۔ ترن کوزی
سڑک پر چل رہی تھی جس پر ولیم کا قافلہ رواں تھا۔ ان کے درمیاں پانچ گز سے
فاصلہ نہ تھا۔ ولیم کا دل سینے میں اچھلنے لگا۔ وہ واقعی ترن کوزی ہی تھی۔ وہی رفتار
پر وہی سنجیدگی اور پہلے جیسی من موہنی صورت اتنے دنوں میں ترن کوزی میں کوئی فر
پڑا تھا۔ ترن کوزی اپنی دھن میں آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ ا
محبوب اس کے اس قدر قریب ہے۔ ولیم بے قابو ہوا جا رہا تھا مگر قافلہ چھوڑ کی کر
سے سڑک پر گفتگو کرنا ہزاروں شبے پیدا کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ صبر کئے رہا۔

قافلہ شہر کے درمیاں آچکا تھا۔ دونوں طرف اونچی اونچی خوبصورت عمارتیں تھی
ولیم اس وقت کسی اور ہی عالم میں تھا اس کی نظر ترن کوزی پر سے نہ ہٹتی تھی
کسی مناسب موقعہ کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر قافلہ ایک بڑے کلیسہ (گرجا) کے سامنے پہ

"اس عبادت گاہ کا کیا نام ہے؟" ولیم نے ساتھ چلنے والے ایک ساتھ سے پوچھا
ساتھی نے اسے تعجب سے دیکھا۔ "فادر آپ اس شہر میں پہلی بار آئے ہیں شاید؟"

"تمہارا خیال درست ہے بیٹا۔" ولیم نے متانت سے کہا "تل باشر میرے لئے
اجنبی ہے۔"

اور پھر جب اس کے ساتھی نے کلیسہ کا نام بتایا تو فادر ولیم کے قدم اک د
گئے۔ اس کے ساتھ چلنے والا بھی وہیں رک گیا۔ "کیا ہوا فادر۔ آپ ٹھہر کیوں
اس نے تعجب سے پوچھا۔

"مجھے اسی کلیسہ میں جانا ہے بیٹا۔" ولیم نے جلدی سے کہا۔ "الرہا میں مجھے
بتایا گیا تھا۔"

اسی وقت ولیم نے دیکھا کہ ترن کوزی سڑک چھور کر اس پگڈنڈی پر ہو گئی
کلیسہ کی طرف جاتی ہے۔ فادر ولیم نے پلٹ کے اپنے ساتھی سے کہا۔ "اچھا

ئی۔ خداوند کی تم پر برکتیں ہوں۔"

چل اس کے کہ ساتھی کوئی جواب دے ولیم قافلے سے الگ ہو گیا۔ ولیم اس وقت
ڈنڈی پر چل رہا تھا جس پر اس کے آگے ترن کوزی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی
تھی۔ ولیم کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ جب قسمت نے اسے ترن کوزی کے
رہا ہے تو پھر وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے۔ پھر جب وہ بالکل اس کی پشت پر
اس نے ترن کوزی کو آواز دی۔ "وہ ذرا ٹھہرو لڑکی۔"

ن کوزی چونک کے رکی اور پلٹ کے حیرت سے فادر ولیم کو دیکھنے لگی۔

تمہارا نام شاید ترن کوزی ہے؟" ولیم نے پوری طرح اپنے آپ کو پادری ثابت
کوشش کی۔

ن کوزی کے چہرے سے حیرت کے آثار اک دم ختم ہو گئے اور اس کی آنکھیں اور
چک اٹھے۔ "ارے تم۔ غضب کر دیا تم نے جعفر۔" یہ کہہ کر ترن کوزی گھبرا کے
طرف دیکھنے لگی۔

ھبرانے کی ضرورت نہیں ترن کوزی۔ مجھے اس شہر میں کوئی نہیں پہچان سکتا۔" جعفر
ے تسلی دی۔

گر جعفر یہ عیسائی ریاست ہے۔ راز کھل گیا تو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔" ترن
ی نظریں اب بھی چاروں طرف گھوم رہی تھیں اور وہ سخت پریشان دکھائی دے رہی

وزی۔ جان کی پروا ہوتی تو تمہیں یوں ڈھونڈتا ہوا یہاں تک نہ پہنچتا۔" جعفر بے
ے بولا۔ "میں سر سے کفن باندھ کے آیا ہوں موت کی وادیوں سے گزر کے
پاس پہنچا ہوں۔"

جعفر!" اور ترن کوزی سوچ میں پڑ گئی۔

فر نے مسکرا کے کہا۔ "میرا نام جعفر نہیں فادر ولیم ہے اور مجھے لارنس نے الرہا
اہے۔"

لارنس!" اور ترن کوزی نے ہونٹ بھنچ گئے۔ "وہ ذلیل انسان تم سے ملا تھا۔؟"

ل ملا تھا۔ مگر جعفر سے نہیں بلکہ فادر ولیم سے وہ میرا معتقد ہو گیا تھا۔"

دیکھو جعفر ——"

جعفر نہیں فادر چلیم کہو۔" جعفر نے اس کی بات کاٹی۔ "تمہارے منہ سے اگر
ے بھی جعفر نکل گا تو آفت آ جائے گی۔ میرے ساتھ تم بھی صلیب پر چڑھا دی

جاؤ گی۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں۔" پھر سنبھل کے بولی۔ "فادر ولیم یہ جگہ زیادہ باتیں کرنے کی نہیں۔ میں تمہیں اپنی ایک سہیلی کے پاس لئے چلتی ہوں وہاں بیٹھ کے باتیں کریں گے۔"

ترن کوزی نے اپنا رخ موڑ لیا۔ اب وہ کلیسہ کے بجائے شہر کی سڑک کی طرف واپس آ رہی تھی اور فادر ولیم اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

"ترن کوزی۔" ولیم نے چلتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"خاموش رہو۔ مصیبت کو دعوت دینا کوئی عقلمندی نہیں۔" ترن کوزی نے اسی طرح چلتے ہوئے کہا۔

جعفر کے دل میں جذبات کا طوفان اٹھ رہا تھا مگر اسے خاموش ہونا پڑا۔ اس کے گرد تل باشر کا خوبصورت شہر بکھرا ہوا تھا۔ عالیشان عمارتیں۔ جگہ جگہ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات خنک ہوا کے جھونکے اس کے دل و دماغ میں بالیدگی پیدا کر رہے تھے مگر جعفر قدرت کے اس حسن سے کوئی حظ نہ اٹھا سکا۔ اسے کچھ احساس تھا تو ترن کوزی کی قربت کا۔ ترن کوزی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور جعفر کو ایک عجیب قسم کا کیف محسوس ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر چلتا رہا کہ ترن کوزی کے قدم ایک مکان کے سامنے رک گئے۔

جعفر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"یہ میری سہیلی کا گھر ہے اور تم یہاں فادر ولیم اور صرف فادر ولیم بن کے رہو گے۔" ترن کوزی کے لہجے میں پریشانی پائی جاتی تھی۔

"اچھا نیک بیٹی۔ تم جیسا کہہ رہی ہو ویسا ہی ہوگا۔" اور جعفر مسکرانے لگا۔

"مذاق کا وقت نہیں ہے جعفر" ترن کوزی نے اسے پیار سے جھڑکا۔ "تمہیں یہاں کے حالات کا علم نہیں۔ اگر کسی کو شبہ ہو گیا کہ تم مسلمان ہو تو تمہارے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔"

"کتنا خوبصورت انجام ہوگا میری محبت کا ________" جعفر کو خواہ مخواہ مذاق سوجھ رہا تھا۔

"خاموش۔" ترن کوزی نے اسے پھر ڈانٹا۔

دوسرے ہی لمحے ترن کوزی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی دوشیزہ نے باہر جھانکا۔

ترن کوزی کے بعد جب اس کی نظر فادر ولیم پر پڑی تو وہ مووب ہو گئی۔

"یہ فادر ولیم ہیں ششی۔" ترن کوزی نے تعارف کرایا۔

فادر نے آنکھوں میں بزرگی کا خمار بھرتے ہوئے ششی کو دیکھا۔

"مجھے فادر سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" ترن کوزی نے آہستہ سے ششی کو

ششی نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کس بارے میں باتیں کرنا ہیں اپنے یا ؟"

"اپنے بارے میں۔ تیرا نمبر نہیں آیا ہے تو ابھی اس منزل سے دور ہے۔"

"کوئی نیا جھگڑا کھڑا کر لیا ہے کیا؟" ششی بڑی شوخ لڑکی تھی۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے پھوٹ پڑتی تھی۔

"جھگڑا وہی پرانا ہے مگر شاید اب وہ اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔"

"اچھا!" اور ششی کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے اور زیادہ پھیل گئیں۔

جعفر چہرے پر بزرگی طاری کئے اور آنکھیں بند کئے ان کے سامنے کھڑا تھا مگر اس کے کان ان کی باتوں کی طرف لگے تھے۔

"کیا باہر اسے کھڑا رکھے گی۔ فادر کو اندر آنے کی دعوت نہیں دے گی۔" ترن کوزی نے مصنوعی غصے سے کہا۔

ششی نے آگے بڑھ کے بڑی عقیدت سے فادر ولیم کے ہاتھ چوم لئے۔ "تشریف لائیے فادر۔ آپ کا آنا مبارک ہو"

اور ترن کوزی جانے کیوں جل کے رہ گئی۔

گھر اندر سے بڑا آراستہ تھا۔ تمام کمرے میں سجے سجائے دکھائی دے رہے تھے۔ فادر کو آتے دیکھ کر ششی کی ماں اور ایک بوڑھی ملازمہ بھاگ کے اس کے پاس آئیں اور انہوں نے باری باری فادر ولیم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ولیم نے بھی کمال سنجیدگی سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔ ششی ان دونوں کو لے کے اپنے کمرے میں

"تشریف رکھئے فادر۔" ششی نے ایک مسہری کی طرف اشارہ کیا۔

"ششی بیٹی۔ یہ نرم گدے ہمارے لئے کانٹوں کا بستر ہے۔ ان چیزوں سے ہم بہت پہلے منہ موڑ چکے ہیں۔" اور فادر ولیم بڑی بے تکلفی سے فرش پر بچھے قالین پر بیٹھ گئے

ترن کوزی کو بڑے زور سے ہنسی آئی مگر وہ ضبط کر گئی۔ ششی پر کچھ ایسا رعب پڑا کہ وہ بھی دو زانو ہو کے فادر ولیم کے سامنے بیٹھ گئی۔ ترن کوزی کی ہنسی غصے میں تبدیل ہو گئی۔

اس نے ششی کے پاس بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "ششی تو یہاں سے چلی جا۔ مجھے اکیلے
باتیں کرنا ہیں۔

ششی منہ بناتی کسمسا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جارہی ہو ششی۔ تم تو خداوند کا حسین تحفہ ہو تمہاری آنکھوں میں
حضرت مریم کا پاک نور چمک رہا ہے ہمیں کچھ دیر اس نور سے اپنی آنکھیں منور کر
دو۔" فادر ولیم نے ایسی بیباکی سے کہا کہ ششی کی پیشانی حجاب سے عرق آلود ہوگئی۔
کوزی دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی بل کھا رہی تھی۔

"میں ابھی حاضر ہوتی ہوں فادر۔ آپ کے لئے شربت لینے جا رہی ہوں۔"
ترن کوزی کو گھورتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا۔ شاید باہر سے
چڑھا دی۔

"بڑے ندیدے ہو جعفر۔ ششی کو دیکھتے ہی رال ٹپک پڑی۔" ترن کوزی جعف
برسنے لگی۔

"توبہ توبہ۔ میں نے کیا کہا۔؟"

اور کہنے کو باقی کیا رہ گیا۔ میں نے تمہیں یہاں لا کے سخت غلطی کی۔" ترن کوز
غصہ آنے لگا تھا۔

"ترن کوزی خدا کی قسم تم غصہ میں بہت اچھی لگتی ہو۔" ولیم نے پیار بھری نظ
سے ترن کوزی کو دیکھا۔

"ترن کوزی ان نظروں کی تاب نہ لا سکی۔ اس کا سارا غصہ کافور ہوگیا۔ جعفر کا
ساختہ دل چاہا کہ وہ ترن کوزی کو اپنی آغوش میں کھینچ لے مگر وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ وہ ا
دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور دیکھے چلے جارہے تھے۔ ان کے لب خاموش تھے۔ مگر نظ
باتیں کر رہی تھیں۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا۔

"ترن کوزی۔" جعفر نے جیسے خوابوں میں کہا۔ "مجھے کیوں لائی ہو یہاں؟"
ترن کوزی بھی خیالوں سے چونکی۔ "جعفر۔ میں سوچ رہی ہوں کہ شاید تم نے
آکے غلطی کی ہے۔ تمہارے لئے یہاں بڑے خطرات ہیں۔"

"یہ باتیں میرے سوچنے کی ہیں ترن کوزی۔" جعفر نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"تم بتاؤ۔ تمہارے کیا ارادہ ہے۔؟

"میرا ارادہ کس بارے میں؟"

"تم نے میرے لئے کیا سوچا ہے؟"

"یہ فیصلہ تو بعلبک ہی میں ہوگیا تھا۔ کاش تم اس دن سراکش کی سرائے میں پہنچ
تے۔" ترن کوزی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"میں پہنچا تھا ترن کوزی مگر تم الرہا کے لئے روانہ ہو چکی تھیں۔ سراکش نے مجھے
تھا۔" جعفر بھی اداس ہوگیا۔

"خیر چھوڑو پرانی باتوں کو۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو میں نے پہلے کہا تھا۔ کیا تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم ہمیشہ کے لئے
ہو جاؤ گی۔" جعفر کی آواز میں درد بھر گیا تھا۔

"ہاں وعدہ کیا تھا۔"

"پریشانی کیا ہے میں تمہیں لینے آیا ہوں" جعفر کے انداز میں استقلال موجود تھا۔

"مگر اب حالات بدل گئے ہیں جعفر۔

جعفر نے پہلو بدلا۔ "حالات بدل گئے ہیں یا تم بدل گئی ہو۔؟"

"جعفر۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" ترن کوزی بے چینی سے بولی۔ " بعلبک
ی علاقہ تھا۔ میں نے پاپا سے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت بھی حاصل کرلی تھی۔ تم
اتے تو کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ مگر یہ تل باشر ہے۔ الرہا کا ایک ذیلی علاقہ۔ ان علاقون
شاہ جوسیلین کا ڈنکہ بجتا ہے۔ ہم سرحد تک کیسے پہنچ سکیں گے۔ میں تمہارے اس
میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ کمینے لارنس نے مجھے بہت بدنام کیا ہے۔ تمہارے بھی
فرار ہوئی تو کہیں نہ کہیں ضرور پکڑی جاؤں گی اور اس کے بعد ——"

"محبت کرنے والوں کا اکثر انجام برا ہوتا ہے مگر لوگ پھر بھی محبت کرنا نہیں
ڑتے۔" جعفر نے سینہ تان لیا۔ "تم ہاں کرو۔ ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔"

"یہ سب کتابی باتیں جعفر۔ عقل بھی تو آخر کوئی چیز ہے۔" ترن کوزی چڑ گئی۔

"تم اسے کتابی باتیں کہتی ہو مگر وہی کتابیں ناکام عشق کی داستانوں سے بھری پڑی

"جعفر۔ جعفر۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔" ترن کوزی سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"مجھے ہاں یا نہیں میں جواب چاہئے ترن کوزی۔ تم میرے لئے تکلیف نہیں اٹھا
تو کوئی بات نہیں۔ میں جیسے آیا ہوں ویسے چلا جاؤں گا۔" جعفر نے شاید دھمکی دی۔

ترن کوزی تڑپ اٹھی۔ "تم مجھے بزدل سمجھتے ہو۔ بے وفائی کا الزام لگا رہے ہو؟"

جعفر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں پاپا سے بات کروں گی۔" ترن کوزی نے جیسے فیصلہ کرلیا

"انہوں نے انکار کر دیا تو ـــــــــ؟"
"وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں ان کی بیٹی ہوں۔ پاپا میرا دل نہ توڑیں گے۔"
"ٹھیک ہے تم بات کر کے دیکھ لو۔ میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گا۔"
"تم رہو گے کہاں۔ کس جگہ ٹھہرے ہو؟"
"میں قافلہ چھوڑ کے تمہارے پیچھے آگیا ہوں کسی بھی عبادت گاہ میں رہ جاؤں گا۔"
"تم اس جگہ کیوں نہیں رہ جاتے۔" ترن کوزی نے مشورہ دیا۔
"کس جگہ؟" جعفر نے حیرانی سے پوچھا۔
"اس گھر میں۔ ششی کے ساتھ ۔ تم اس کی خوبصورتی کے قائل بھی ہو۔" ت
کوزی مسکرا دی۔
اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا۔ ترن کوزی بولی۔ "لو وہ آگئی۔ اس سے پوچھ
ہوں۔"
جعفر گھبرا گیا۔ "میرے سامنے؟"
"ہاں۔ ششی میری راز دار ہے اور قابل اعتماد بھی۔"
ششی آگے آگے اور اس کے پیچھے بوڑھی ملازمہ شیشے کی صراحی اور دو گلاس لئے ا
آئی۔
فادر۔ تل باشر کے انگور دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ میں تازہ رس نکال لائی ہوں۔ پیجئے
تو ایمان تازہ ہو جائے گا۔" ششی کا انداز بڑا شوخ تھا۔
"فادر کا ایمان تم پہلے ہی تازہ کر چکی ہو ششی۔" ترن کوزی نے ہنستے ہوئے طنز کیا
ششی اسے گھور کر رہ گئی۔ ترن کوزی نے اسی وقت ششی کو کچھ اشارہ کیا اور ش
نے ملازمہ کو فوراً رخصت کر دیا۔ "کیا کوئی خاص بات ہے؟" ششی نے راز داری۔
پوچھا۔
"بہت بڑی خاص بات۔ بیٹھ جاؤ تسلی سے ۔
"ششی تمہیں لارنس کا جھگڑا یاد ہے۔؟" ترن کوزی نے بات شروع کی
"ہاں یاد ہے۔ بڑا ہی ذلیل انسان ہے وہ ۔" ششی نے منہ بنا کے جواب دیا۔
"اس نے مجھ پر کیا الزام لگایا تھا۔؟"
"الزام!" ششی نے حیرت سے ترن کوزی کو دیکھا پھر اس کی نظریں فادر ولیم کی طر
اٹھ گئیں۔
"تم فادر ولیم کی فکر نہ کرو۔ میں نے انہیں تمام حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔" تر

ششی کو حوصلہ دیا۔
فادر ولیم نے کیا مشورہ دیا تمہیں۔؟" ششی کی آنکھیں پھر شوخی سے چمک

نہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم میری بات کا جواب دو؟"
ادر ولیم کے سامنے صاف صاف کہہ دوں؟" ششی کی ہنسی چھوٹی پڑتی تھی۔
ہاں کہہ دو۔ ڈرتی کیوں ہو؟"
س نے بھری محفل میں کہا تھا کہ تم یعنی ترن کوزی ایک جوان سے محبت کرتی
یتے ہوئے ششی شرما گئی۔
۔بات میری ہو رہی ہے اور شرم تجھے آرہی ہے ۔ لارنس نے اس کا نام کیا بتایا

سوچنے لگی۔ "ہاں یاد آیا۔ جعفر۔ کوئی مسلمان جوان ہے۔"
یں نے جعفر کے بارے میں تم سے کیا کہا تھا؟"
بوکھلا گئی۔ "ترن کوزی شرم کرو۔ میری بات کا جواب دو۔"
نے سر جھکا کر جواب دیا ۔ "تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم جعفر کی ہو اور ہمیشہ اسی
"
انتی ہو جعفر کا کیا ہوا؟"
را۔؟" ششی گھبرا گئی۔ "اسے کچھ ہو گیا گیا؟"
پاگل ہو گیا ہے۔"
۔ ارے کب کیسے۔؟" اور ششی نے جلدی جلدی انگلیوں سے سینے پر صلیب

ے لینے آیا ہے۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟
یک کہتی ہو ترن کوزی۔ اگر پاگل نہ ہوتا تو ایک عیسائی ریاست میں تمہیں لینے
ی لئے تو عشق کو جنون اور پاگل پن کہتے ہیں۔" ششی نے ایک ٹھنڈی سانس
وئی بھولی بسری بات یاد آگئی ہو۔
م ہی بتاؤ۔ میں کیا کروں؟"
یک لمحہ سوچ کے بولی۔ پاگل کے ساتھ پاگل بن جاؤ۔ خوب گزرے گی۔"
لب ہے تمہارے؟"
ہ صاف ہے۔ اگر تمہارے دل میں جعفر کے لئے پہلی جیسی محبت ہے تو اس

موقعہ سے فائدہ اٹھاؤ اور چپکے سے اس کے ساتھ نکل جاؤ" ششی نے بڑے خلوص
مشورہ دیا۔"

"یعنی پاپا کو بغیر بتائے چلی جاؤں!"

"فادر فلپ کو بتانے میں کیا حرج ہے۔ انہوں نے تو تمہیں پہلے ہی اجازت دے
تھی۔" ششی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تمہاری رائے ہے کہ جعفر کے ساتھ چلی جاؤں؟"

"بالکل۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔" ششی نے زور دے کے کہا۔ "جعفر
جان پر کھیل کے تمہارے پاس آسکتا ہے تو پھر تمہارے لئے اس سے بہتر موقعہ نہیں
سکتا۔"

"کہو تو فادر ولیم سے مشورہ کر لیا جائے؟" ترن کوزی نے مسکرا کے فادر ولیم کی
دیکھا۔

جعفر نہایت خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے چونک کے ترن کو
دیکھا۔ ششی کو ترن کوزی کی بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ فادر ولیم کی شخصیت اس کے
پراسرار بنتی جا رہی تھی۔

ششی کچھ کہنے والی تھی کہ فادر ولیم نے ہنس کے کہا۔ "دو دلوں کو ملانا بڑا نیک
ہے۔ میں ششی کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔"

ششی نے اس میں ایک اور ٹکڑا لگایا۔ "ترن کوزی۔ اب تمہیں کوئی اعتراض
چاہئے۔ فادر ولیم نے بھی میری تائید کر دی ہے۔ اگر کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ
فادر فلپ میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں اگر انہوں نے انکار کی کوشش کی تو میں انہیں ضد
رضا مند کر لوں گی۔؟"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ سب خاموش ہو گئے۔ ششی نے آہ
دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی باہر اس کی ماں کھڑی تھی۔

"ششی مبارک ہو۔ ہمارے شاہ جو سیلین دوم۔ تل باشر تشریف لا رہے ہیں۔"

ششی کی ماں نے نوید مسرت سنائی۔ ششی بھی اس خبر سے خوش ہو گئی۔

تل باشر ریاست الرہا کا گرمیوں کا صدر مقام تھا۔ یہاں کے دلفریب اور نظر
زار اور خوشگوار آب و ہوا شاہ جو سیلیں کو اکثر یہاں کھینچ لاتی تھی۔ شاہ جو سیلین
ہونے کے باجود عشرت پسند واقع ہوا تھا اور الرہا کی سخت اور پہاڑی زندگی سے
ہمیشہ کسی گوش عافیت و عشرت کی تلاش میں رہتا تھا لیکن موصل کے امیر عماد الدین

طاقت اور فتوحات نے اسے الرہا میں قید کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ امیر زنگی کی شاطرانہ
سے ہر وقت خائف رہتا تھا۔ یوں بھی الرہا شمالی علاقوں میں عیسائیوں کی مضبوط ترین
تھی اس لئے وہ کئی موسم گرما الرہا سے باہر نہ نکل سکا تھا۔ اسے جس وقت معلوم ہوا
امیر زنگی اپنے لشکر کے ساتھ موصل سے دیار بکر گیا ہے اور اب عمید کے قلعہ کا محاصر
رہا ہے تو اس کی طبیعت تل باشر جانے کے لئے بے چین ہو گئی۔

شاہ جو سیلین نے امیر زنگی کی مصروفیت سے فائدہ اٹھایا۔ الرہا اس نے کالدی اور
تاجروں کے حوالے کیا اور اپنا خاص لشکر لے کر تل باشر کی طرف چلا۔ اس نے اپنی
عام فوج کو چھٹی دے دی۔ یہ عارضی فوج دراصل بیگار میں پکڑی جاتی تھی۔ جسے سال
بھر تک سوائے روٹی کپڑے کے کوئی مستقل تنخواہ نہ ملتی تھی۔ اس نے بھی بادشاہ کی
سکھ کا سانس لیا اور اپنے گھروں کو روانہ ہو گئی۔ شاہ نے تل باشر کے گورنر کو اپنی
کی اطلاع دے دی تھی اور تل باشر میں اس کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئی
تل باشر والے اپنے شاہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے بے چین تھے کیونکہ شاہ کے تل
آنے سے شہر کی رونق میں چار چاند لگ جاتے تھے۔ دکانداروں کی آمدنی میں اضافہ ہو
ہر طرف جشن کا سماں محسوس ہوتا تھا۔

ششی نے واپس آکر ترن کوزی کو بڑی مسرت سے بتایا۔ "کچھ سنا تم نے ترن کوزی؟"

"سناؤ۔ کیا خبر ہے۔ تمہارا چہرہ تو خوشی سے دمک رہا ہے"۔ ترن کوزی نے اسے تعجب
دیکھا۔

"بات خوشی ہی کی ہے"۔ ششی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ "اپنے شاہ ہیں نا۔ شاہ معظم
بہادر۔ وہ تل باشر تشریف لا رہے ہیں"۔

"اچھا۔ واقعی۔!" ترن کوزی بھی جھوم اٹھی۔ "اب تو تل باشر میں روز جشن ہوا
کرے"۔

"تمہیں یہی بتانے آئی تھیں۔ آج کا دن کتنا اچھا ہے۔ تمہارے دل کی مراد بھی پوری
والی ہے اور تل باشر والوں کے بھی مزے ہو گئے"۔

"اچھا۔ میں چلی"۔ ترن کوزی کھڑی ہو گئی۔ "میں پاپا سے بات کرنے جا رہی ہوں۔
خیال رکھنا"۔

ترن کوزی نے اس ادا سے فادر ولیم کی طرف دیکھا کہ ششی حیران رہ گئی۔

"کن کا خیال؟" ششی پھٹی پھٹی نظروں سے ترن کوزی کو دیکھ رہی تھی۔

"جعفر کا خیال رکھنا ششی۔ میں تمہارے سپرد کر کے جا رہی ہوں انہیں"۔ پھر ترن

کوزی نے فادر ولیم کی طرف دیکھا۔ "فادر ولیم یعنی جعفر۔ تم میری سہیلی پر پورا اعتماد کر سکتے ہو۔ جب تک میں واپس نہ آؤں تم کہیں جانے کی کوشش نہ کرنا"۔

ترن کوزی تو یہ انکشاف کر کے کمرے سے نکل گئی اور ششی کی نظریں فادر ولیم کے چہرے سے نہ ہٹتی تھیں۔ فادر ولیم جو کچھ دیر پہلے چہک چہک کے باتیں کر رہا تھا اس وقت بہت خاموش اور فکر مند سا نظر آرہا تھا۔ ششی کو خیال ہوا کہ جعفر اپنا راز کھل جانے کی وجہ سے کچھ پریشان ہو گیا ہے۔ اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا جعفر واقعی بڑے کمال کے آدمی ہو مجھے کیا پتا تھا کہ پادری کے اس بزرگ چہرے کے پیچھے ایک اور بھی چہرہ ہے۔ اب فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم میرے اور میرے گھر والوں کے لئے فادر ولیم ہی رہو گے۔ خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے مگر میں اپنی سہیلی کا راز نہ کھلنے دوں گی"۔

"مجھے تم پر اعتماد ہے ششی"۔ جعفر مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

"میں ابھی تمہارے لئے ناشتے وغیرہ کا انتظام کرتی ہوں"۔ اور ششی اٹھ کر باہر چلی گئی۔

ادھر جعفر کے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ اسے کسی پہلو چین نہ آرہا تھا۔ جوسیلین کے آنے کی خبر اس پر بجلی بن کر گری تھی۔ وہ الرہا سے چند روز کے لئے آیا تھا کہ ترن کوزی کا پتہ لگائے اور ملاقات ہو تو اس سے تجدید عشق کرے مگر اب اس کا عشق رفو چکر ہو گیا تھا۔ جعفر کو یوں محسوس ہوا جیسے امیر زنگی اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے کہ او نمک حرام تجھے الرہا اس لئے بھیجا گیا تھا کہ تو وہاں کے حالات سے برابر مطلع کرتا رہے مگر تو ایک لڑکی کے عشق میں اپنا فرض بھی بھول گیا۔ الرہا کی مضبوط چوکی آج حکمراں سے خالی ہو رہی ہے اور تو اپنی محبوبہ سے شادی رچانے کی فکر میں ہے۔ تجھے اس کا اندازہ نہیں کہ جوسیلین کی الرہا سے غیر موجودگی کی خبر تیرے امیر کے لئے کس قدر خوش آئند ہو سکتی ہے۔ اپنے کو دیکھ اور فرض کو پہچان۔ ترن کوزی چھوٹ کے پھر مل سکتی ہے مگر الرہا دوبارہ خالی نہیں رہ سکتا۔ فوراً امیر کے پاس جا اور کہہ کہ اے امیر وہ وقت آگیا جس کا مسلمان پورے ایک سو سال سے انتظار کر رہے تھے۔ سو سال پہلے عیسائیوں نے الرہا کی مسلم ریاست پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا جس بیدردی سے خون بہایا تھا۔ اس کے انتقام کا وقت آگیا۔ آج الرہ میں کوئی مسجد نہیں۔ کوئی اسلامی مدرسہ نہیں کوئی خانقاہ نہیں۔ کہیں سے اللہ اکبر کی صدا بلند نہیں ہوتی۔ الرہا کی مٹی میں دبی ہوئی مسلمانوں کی ہڈیاں تیرے امیر کو آواز دے رہی ہیں۔

جعفر کو جذبات اور خیالات کا طوفان گھیرے ہوئے تھا۔ ایک طرف ترن کوزی

اس کے پیروں سے لپٹی جا رہی تھی تو دوسری طرف فرض کی پکار اس کے دل و دماغ پر چلا رہی تھی۔ جعفر نے سر کو زور سے جھٹکا دیا اور ترن کوزی کی محبت کو کچلتا کھڑا ہوا۔ اس نے سوچا کہ دنیا اور دنیا والوں کی محبت تو آنی جانی چیز ہے۔ اس سے ...ایت پر دیوار بنانے کے مترادف ہے۔ وقت لوٹ کر نہیں آیا کرتا اور نہ کسی کا ...رتا ہے۔ اس نے یہ موقعہ گنوا دیا تو عمر بھر پچھتائے گا۔ اس کا ضمیر ہمیشہ ملامت کرتا ...اس کی آنکھ اپنے امیر کے سامنے کبھی نہ اٹھ سکے گی۔

جعفر پادریوں والا چوغہ سنبھالتا دروازے کے پاس گیا دروازہ ذرا کھول کر باہر جھانکا ...ی کا ناشتہ لئے آ رہی تھی اب ناشتہ کئے بغیر اس کا باہر نکلنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ...آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ ششی نے اندر آکر ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا اور جعفر ...ہ مار کرنے لگا۔

"جعفر ———" ششی نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "ترن کوزی بڑی خوش ...ہے۔ اس نے تمہیں اک بار کھو کر پھر پا لیا ہے عشق کے خارزار میں ایسی مثالیں ...ملتی ہیں"۔

"...ٹھیک کہہ رہی ہو ششی ———" جعفر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "عشق کی دنیا خار ...ہے اور گل و گلزار بھی۔ مگر اس دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں۔ دو دل ملتے ہیں پھر ...تے ہیں اور پھر مل جاتے ہیں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنی ...پہنچتے ہیں"۔

"...مگر تم تو اپنی منزل کو پہنچ گئے ہو جعفر۔ اب فکر کی کیا ضرورت ہے؟"۔

"...ششی منزل اکثر دھوکہ بھی دے جاتی ہے کیا پتہ جسے ہم منزل سمجھ رہے ہیں وہ بھی ...ب ہو اور وقت ہمیں ایک بار پھر جدا کر دے"۔ یہ جعفر کے دل سے اٹھنے والی ...ہ۔

"...پریشان نہ ہو جعفر۔ فادر فلپ اپنی پیاری بیٹی کا دل نہ توڑیں گے وہ تمہیں ضرور ملے ...ششی نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

جعفر نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کھڑا ہو گیا ششی گھبرا گئی۔ "کیا کہیں جانے کا ...؟"

"...ارادے اپنے اختیار میں نہیں ہوتے ششی۔" جعفر کا دل آنسو بہا رہا تھا۔ "میں ذرا ...ک جا رہا ہوں۔ میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انہیں مطمئن کر کے ...ل آجاؤں گا"۔

"زیادہ انتظار نہ دکھانا۔ ترن کوزی کا دل کمزور ہے۔"

"تم اس کے دل مضبوط رکھنا شتی۔ اس کی محبت میرے دل سے کسی حالت میں نہ نکل سکے گی۔" اور جعفر دروازے سے نکل گیا۔

جعفر سیدھا سرائے پہنچا۔ وہاں شاہ جوسیلین کی آمد کا اعلان ہو چکا تھا اور ہر طرف استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھی۔ جعفر کو معلوم ہوا کہ شاہ جوسیلین آج شام یا کل تک باشر پہنچ جائے گا۔ اس کے لئے ایک لحہ پہاڑ ہو رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ سرائے کے مالک سے معلومات حاصل کرنے جعفر گیا تو اسے بتایا گیا کہ ا قافلہ اسی قوت الرہا روانہ ہو رہا ہے۔ جعفر الرہا سے آج ہی واپس آیا تھا۔ وہ الرہا واپس جانا چاہتا تھا مگر یہاں سے نکلنے کا صرف یہی راستہ تھا کہ وہ اس قافلے میں شامل ہو جائے۔ جعفر نے لحوں میں فیصلہ کیا ور اب وہ پھر قافلے کے ساتھ الرہا واپس جا رہا تھا الرہا جا والے اس قافلے کو پہلی منزل سے پہلے ہی رکنا پڑا۔ پورے راستے پر شاہ جوسیلین کے دل دستے پھیلے ہوتے تھے۔ شاہ کا جلوس ان کے پیچھے تھا۔ قافلے کو راستہ چھوڑ کے ا طرف قیام کرنا پڑا۔ شام کے وقت شاہی جلوس نمودار ہوا۔ زرق برق لباس میں شاہی با گارڈ شاہی پرچم اٹھائے چل رہے تھے۔ اس کے عقب میں چار گھوڑوں والا شاہی رتھ سونے کے پتر چڑھے تھے اور گھوڑوں کے ساز پر سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ شاہ جو رتھ میں بیٹھا تھا۔ دونوں طرف پہلوان پر اس کے مشہور جنرل تلواریں بلند کئے کھڑ تھے۔ پورے رتھ پر ایک بڑا چھتر سائیہ کئے ہوئے تھے۔ شاہی بیگمات کی سواریاں اس پیچھے تھیں اور پھر چاق و چوبند وہ گھوڑ سوار فوج تھی جس پر شاہ جوسیلین کو بڑا ناز تھا۔

جعفر یہ منظر بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ شاہ گرمیاں گزار تل باشر آ رہا ہے۔ مگر اس وقت اس کے ساتھ الرہا میں موجود تمام بہترین فوج تھی اور ا معلوم ہوا تھا کہ شاہ تفریح کرنے کے بجائے کوئی قلعہ سر کرنے جا رہا ہے۔ جعفر کے قا میں الرہا کے بہت سے قدیم باشندے تھے جن کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ شاہ جوسیلین ایک ہفتے کے لئے بھی الرہا سے باہر جاتا ہے تو اپنے ساتھ تمام بہترین فوج کو بھی لے تھا پتا نہیں اس کی دور اندیشی تھی یا حماقت یا پھر اسے اپنی فوج پر اعتماد نہ تھا بہرحال کے لئے یہ معلومات اور زیادہ مفید ثابت ہوئیں پھر جب جلوس گزرنے کے بعد الرہا قافلے کو روانگی کی اجازت ملی تو جعفر اس قافلے کو چھوڑ چکا تھا۔ اس کا رخ قلعہ عمید طرف تھا جہاں اس کا امیر محاصرہ کئے پڑا تھا۔

جعفر رات دن سفر کرتا ہوا بڑی تیزی سے عمید کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کبھی وہ گھوڑ

ہو جاتا تو کبھی پیدل چلنے لگتا۔ مسلم علاقوں میں پہنچ کے اس نے اپنا چوغہ اتار دیا اور اصلی کپڑے میں ایک مسلمان کی طرح گھوڑا بھگاتا چلا جا رہا تھا۔ پھر اس کی رفتار میں اس وقت اور زیادہ تیزی آگئی جب اسے قلعہ عمید کے برج نظر آنے لگے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ جعفر معہ اپنے مرکب کے پسینے میں نہایا ہوا تھا کہ وہ امیر زنگی کی میں داخل ہوا۔ جس وقت امیر عماد الدین زنگی کو بتایا گیا کہ شاہی جاسوس جعفر اذن کا منتظر ہے تو امیر زنگی کو اس قدر طیش آیا کہ بجائے جعفر کو خیمے کے اندر طلب کے وہ تلوار کو بے نیام کرتا ہوا اس تپتی دوپہر میں خود خیمے کے باہر نکل آیا۔ ان اور سرداروں کے جسم کانپ اٹھے۔

جعفر پر نظر پڑتے ہی امیر زنگی دہاڑا۔ "اوہ خانہ زاد۔ تجھے اپنے آقا کے سامنے آنے رات کیسے ہوئے کیا تو عماد الدین کے قہر کو بھول گیا تھا؟"۔

"غلام کا سر حاضر ہے آقائے نامدار۔" جعفر نے سر جھکا کے بڑی جرات سے کہا۔ "علم ہے کہ موت کے آہنی پنجے سے انسان اپنی گردن بچا سکتا ہے لیکن امیر کی قہر سے کسی کو اماں نہیں"۔

"او نابکار۔ یہ جانتے ہوئے بھی تو نے امیر کے حکم کے بغیر اپنا مقام چھوڑنے کی کی۔" امیر زنگی غصے سے کانپ رہا تھا۔ "تو قابل گردن زدنی ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں مگر تجھے اپنے مقام سے نہیں ہلنا چاہئے تھا۔ تیری دیدہ دلیری سے دوسروں کو حکم کی شہ مل سکتی ہے۔ تیری جاں بخشی کی صورت نہیں ہو سکتی"۔

"غلام۔ جاں بخشی کی درخواست ہرگز نہیں کرے گا۔ آقا" جعفر نے اسی استقلال سے کہا۔ "میں نے جان بوجھ کے حکم عدولی اور نافرمانی کی ہے۔ میں صرف موت کا سزا وار ہوں مگر یہ درخواست ضروری ہے کہ میری گردن اتارنے سے پہلے میری زبان کو وہ خبر بیان کرنے کی اجازت دی جائے جس نے ایک حقیر غلام کو اپنے امیر سے گستاخی کا حوصلہ دیا

"جعفر۔ او بدبخت جعفر۔ تو مسلسل گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے" امیر کے ہاتھ میں لرانے لگی۔

"غلام کو اذن گفتگو عطا کیا جائے۔ آقا" جعفر نے پھر درخواست کی۔

امیر اس وقت غصے سے بے قابو ہو رہا تھا ادھر جعفر برابر کوئی اہم خبر سنانے کی اجازت کر رہا تھا۔ آخر امیر زنگی کی مشہور سالار اسد الدین شیرکوہ نے جرات کی اور جعفر قریب پہنچ کے کہا۔ "او نادان۔ اپنی موت کو دعوت نہ دے اور یہ بتا کہ وہ کون سی ایسی

اہم بات ہے جس نے تجھ جیسے حقیر انسان کو امیر کی حکم عدولی پر مجبور کیا"۔
" سردار محترم۔" جعفر نے سنبھل کے کہا۔ "میں وہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔
امیر سے اجازت دلائی جائے"۔
امیر زور سے چیخا۔ "تیری زبان کس نے پکڑ رکھی ہے کمبخت۔ کہہ تجھے کیا
ہے؟"۔
"مجھے تخلیہ چاہئے۔ آقائے محترم۔" جعفر نے نئی درخواست پیش کر دی۔
اس نئی درخواست پر اسد الدین شیر کوہ چونک پڑا۔ اس نے سرگوشی کی۔ "جعفر
کئی اہم خبر لے کے آیا ہے؟"۔
"جی ہاں سردار۔ اہم نہیں بلکہ بہت اہم۔" جعفر نے بھی سرگوشیوں میں جواب
اسد الدین سرہلاتا ہوا امیر زنگی کے پاس گیا۔ آہستہ آہستہ کچھ گفتگو کی۔ امیر کا
بھی کم ہو گیا۔ وہ اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسد الدین جعفر کو ساتھ
کر امیر کے پاس گیا۔
"اب بتا جعفر۔ تو کیا خبر لایا ہے؟" امیر نے بے دلی سے کہا۔
جعفر نے اسد الدین شیر کوہ کی طرف دیکھا۔ امیر زنگی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر
کوہ کو اشارہ کیا۔ شیر کوہ خیمے سے باہر چلا گیا۔
"ہاں جعفر؟" امیر نے سے تیز نظروں سے دیکھا۔
"اے آقائے محترم۔ الرہا اس وقت بالکل خالی ہے۔" جعفر نے انکشاف کیا۔
امیر زنگی اچھل پڑا۔ "کیا کہا تو نے؟"۔
" میں سچ کہہ رہا ہوں امیر۔" جعفر کو ذرا حوصلہ ہوا" شاہ جوسیلین اپنے بہترین د
کے ساتھ الرہا چھوڑ کر تل باشر کے سبزہ زاروں میں گرمیاں گزارنے گیا ہے"۔
" جعفر۔ سوچ لے تو کیا کہہ رہا ہے" امیر زنگی بڑی حیرانی سے جعفر کو دیکھ رہا تھا۔
"میرے آقا۔ میں شاہ کو تل باشر پہنچا کے آپ کے پاس آیا ہوں۔" جعفر نے
وثوق سے کہا۔
"الرہا میں کتنی فوج ہے؟" امیر نے بیتابی سے پوچھا۔
"صرف عارضی فوج وہاں ہے الرہا کا انتظام شاہ نے ارمنی اور کالدی تاجروں
حوالے کر دیا ہے"۔
" الرہا۔ میرے خوابوں کی تعبیر۔ میری زندگی کا نصب العین۔ الرہا اے
سرزمین۔ میں آ رہا ہوں۔ مجھے اپنا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا محسوس ہو رہا ہے"۔

امیر زنگی تلوار ٹیک کے یوں کھڑا ہوا جیسے اسی وقت الرہا پر حملہ کر دے گا اور ہوا بھی
ایسا ہی۔ امیر زنگی نے اسد الدین شیر کوہ کو خیمے میں طلب کیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔
کو۔ وقت آ گیا ہے کہ حق و باطل کا ایک اور میدان گرم ہوا اور ہم ثابت کریں کہ
اسلام کچھ دنوں کے لئے زنگ آلود تو ہو سکتی ہے لیکن صیقل ہوتے ہی اس کی پرانی
آب واپس آ جاتی ہے"۔
امیر عماد الدین زنگی جذبات کے طوفان میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ شیر کوہ ہکا بکا کبھی امیر کو
اور کبھی جعفر کے پر سکون چہرے پر نظریں ڈالتا کچھ دیر پہلے امیر زنگی کی نظروں میں قہر
انگڑائیاں لے رہا تھا اور جعفر اس کے سامنے لرزہ براندام تھا لیکن اب امیر کی
میں ان دیکھے سنہرے خواب لہرا رہے تھے اور جعفر سکوت کے عالم میں نظریں
کھڑا تھا۔
ایک مورخ نے لکھا ہے کہ قلعہ عمید کا محاصرہ دراصل امیر زنگی کی ایک فوجی چال
بظاہر وہ عمید سے عشق کی پینگیں بڑھا رہا تھا مگر اس کی نظروں کا اصل مرکز الرہا تھا
خواب ایک عرصے سے امیر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اس موقعہ سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔
کی لائی ہوئی اس خبر سے اس قدر خوش ہوا کہ رات کے کھانے پر اس نے جعفر کو
دسترخوان پر جگہ دی۔ امیر نے شیر کوہ کو بھی اس راز سے آگاہ کر دیا تھا اور شیر کوہ
انتظامات میں لگ گیا تھا۔
رات کا کھانا معمول کے مطابق ختم ہوا مگر کھانا ختم ہوتے ہی لشکر اسلام میں حرکت
گئی۔ شمعوں کی مدھم روشنی میں بڑی تیزی سے خیمہ گاہ کا سارا سامان سمیٹا گیا اور
نصف شب کے بعد امیر زنگی کا لشکر اپنے خیموں کو قلعہ عمید کے گرد اسی طرح ایستادہ
الرہا کی طرف روانہ ہو گیا اس نے الرہا جانے کے لئے ایک سخت دشوار گزار راستہ
کیا اور ان جنگلوں اور بیابانوں میں سفر اختیار کیا جدھر سے شاید انسان کا پہلے گزر بھی
تھا۔ اس کا لشکر آبادیوں سے بچ کے نکلا تھا اس لئے اس کی نقل و حرکت کی بہت کم
ہو سکی اور جس وقت لوگوں کو علم ہوا تو امیر زنگی کا لشکر الرہا کے قلعہ کی فصیلوں
پہنچ چکا تھا۔
الرہا واقعی عیسائیوں کی مضبوط ترین چوکی تھی۔ قلعہ کی فصیلیں اس قدر مضبوط اور بلند
کہ انہیں توڑنا ناممکن نظر آتا تھا۔ خود امیر زنگی اس خوبصورت شہر کو تباہ نہ کرنا چاہتا
نے شہر والوں کو پیغام بھیجا کہ قلعہ اس کے حوالہ کر دیا جائے تو کسی کو نہ قتل کیا
اور نہ کسی عمارت کو نقصان پہنچے گا مگر ارمنی تاجروں کو قلعہ کی فصیلوں پر پورا

بھروسہ تھا وہ ان فصیلوں کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے قلعہ میں غیر مستقل فوج کی بھی کافی ز
موجود تھی جنہیں تاجروں نے سال بھر کی تنخواہ یک مشت ادا کر کے مقابلے پر آمادہ ک
تھا۔ اس لئے محاصرہ طول کھینچنے لگا۔ امیر زنگی ایک طرف تو فوجی دستوں سے حملہ کرا
دوسری طرف شہر کو بچانے کے لئے برابر صلح کے پیغام بھیجتا رہا مگر ہر گزرنے والے دن
ساتھ قلعہ والوں کی استقامت میں اضافہ ہو رہا تھا اور انہیں امید پیدا ہو رہی تھ
جوسیلین محاصرہ کی خبر پاتے ہی ان کی مدد کو پہنچ جائے گا۔

ادھر جوسیلین دوم کو الرہا کے محاصرہ کی خبر پہنچ چکی تھی لیکن وہ اپنے میں مقابل
سکت نہ پاتا تھا تل باشر سے باہر نکلنے پر نہ وہ خود آمادہ ہوا اور نہ اس کے جاں بازوں
اسے اس کا مشورہ دیا۔ اس طرح وہ تقدیر پر قانع ہو کر تل باشر میں قلعہ بند ہو کے
گیا۔ امیر زنگی نے شہر کو بچانے کی بہت کوشش کی مگر قلعہ والوں کی طرف سے مسلسل
نے اسے مجبور کر دیا اس نے حکم دیا کہ قلعہ کی فصیل کو سرنگوں میں آگ بھر کر اڑا
جائے۔ اس کے حکم کی دیر تھی۔ تمام آلات اور مشق انجنیئر اس کے ساتھ تھے۔ سر
کھدنے لگیں۔ پھر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ دکھائی گئی اور پھر ایک زبردست دھماکے
ساتھ فصیل کا ایک حصہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ گیا۔

ایسے موقعہ پر بپھری ہوئی فاتح فوج بے قابو ہو جاتی ہے۔ جوسیلین اول اور دو
حکمرانوں نے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں پر جو ظلم توڑے تھے ان کے انتقام کا وقت
تھا۔ زنگی لشکر نے دل بھر کے انتقام لیا۔ پورا لشکر قتل کر دیا گیا۔ کئی خوبصورت عما
مٹی کا ڈھیر بن گئیں۔ عیسائی جوانوں اور لڑکیوں کو غلام و کنیز بنانے کے لئے گرفتار کیا
عیسائی عبادت گاہوں پر بھی مصیبت آئی۔ پادریوں کو بھی گرفتار کیا گیا مگر جب امیر
فاتحانہ شہر میں داخل ہوا تو شہر کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے حکم دیا کہ
و غارت گری فوراً بند کی جائے۔ گرفتار مردوں اور عورتوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور تما
ہوا سامان اس کے مالکوں کو واپس کیا جائے۔ بے شک الرہا میں کافی نقصان ہوا لیکن
زنگی نے الرہا کی تعمیر نو اور اس کی رونق واپس لانے میں بھرپور کوشش کی۔ اس کا اعتر
خود مغربی مورخوں نے بھی کیا ہے۔

ترن کوزی اور فادر فلپ بھی بد قسمتی سے تل باشر چھوڑ کر الرہا آ گئے تھے۔ وہ ا
بھی زنگی لشکریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ پھر انہیں امیر کے حکم سے رہا کر دیا گیا
بیچارے خانماں برباد الرہا کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ ترن کوزی اپنے باپ فادر فلپ
الرہا اس لئے لائی تھی کہ اس کے خیال میں جعفر کو کسی نے شناخت کر لیا ہے اور ا

رے الرہا بھیج دیا گیا ہے۔ الرہا میں ترن کوزی کا دشمن لارنس بھی موجود تھا۔ ترن
یقین تھا کہ جعفر کی گرفتاری میں لارنس کا ضرور ہاتھ ہے مگر الرہا پہنچ کے وہ نہ تو
سکی اور نہ لارنس اس سے بدلہ لے سکی۔ اس کے الرہا پہنچنے کے کچھ ہی دنوں بعد
الدین زنگی کے لشکر نے قلعہ کے محاصرہ کر لیا۔ اس طرح ایک ماہ قلعہ میں محصور
لشکریوں کے ہاتھوں گرفتاری کے بعد رہائی پانے کے بعد بھی وہ بے گھر اور بے در
نے مگر یہ در بدر کی ٹھوکریں دراصل انہیں اپنی منزل کی طرح کشاں کشاں لئے جا
ہیں۔

اور فلپ ایک صبح ترن کوزی کے ساتھ الرہا میں مستقل قیام کے سلسلے میں گفتگو
ایک عبادت گاہ میں داخل ہو رہا تھا۔ کہ اس کا سامنا اچانک جعفر سے اس طرح ہو
ششدر رہ گئے۔ جعفر حیران نظروں سے فادر فلپ اور ترن کوزی کو دیکھ رہا تھا
دونوں جلدی جلدی آنکھیں مل رہے تھے۔ جیسے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا
حیرت اور استعجاب کے یہ لمحے ختم ہوئے۔ بچھڑے ہوئے ایک دوسرے سے ہمیشہ
مل گئے۔ جعفر اور ترن کوزی کا اسلامی طریقے سے بڑی دھوم دھام سے عقد ہوا۔
تمام اخراجات شاہی خزانے سے پورے کئے گئے۔ امیر عماد الدین زنگی نے خود ان
میں شرکت کی اور جعفر کی خدمات کے صلے میں اسے الرہا میں ایک چھوٹی سی جاگیر
دی۔

اس کے اختتام پر فادر فلپ نے ایک نیا انکشاف کیا۔ اس نے بتایا کہ ترن کوزی
ایک مسلمان خاندان کی چشم و چراغ ہے اور اس کی مظلوم ماں فادر فلپ کی قیام
اس بچی کو جنم دینے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی تھی۔ مرنے سے پہلے وہ صرف
کہ اس کے شوہر کو ایک نصرانی سردار نے قتل کر دیا وہ اسے بھی قتل کرنا چاہتا
بھاگ کے فادر کی عبادت گاہ میں پہنچ گئی تھی۔ جعفر کی سفارش پر فادر فلپ کو الرہا
سے بڑی عبادت گاہ کا لارڈ پادری بنا دیا گیا۔

معصوم نظریں

"الرہا فتح ہو گیا۔
عیسائیوں کا تسلط ختم کر دیا گیا۔
ایک صدی کے کچلے ہوئے مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔
باطل گیا۔ حق آیا۔
امیر زنگی عمادالدین۔ محافظ دین متین زندہ باد۔
نصرانی جھنڈا سرنگوں اور پرچم اسلام سربلند ہوا"۔

یہ وہ نعرے اور آوازیں تھیں جو شام و عراق اور عرب دنیا کے در و دیوار سے
رہی تھیں۔ گھر گھر یہی چرچا تھا اور گلی گلی یہی پکار تھی۔ جو سنتا ششدر رہ جاتا۔ لوگ
دوسرے کو تعجب سے دیکھتے اور پوچھتے۔ کیا یہ خبر افواہ تو نہیں۔ کیا الرہا کے ظالم
کے پنجے سے مسلمان نجات پا سکتے ہیں۔ کہیں دشمنوں نے یہ خبر تو نہیں اڑائی ہے۔
افواہ نہ تھی جبکہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کی تصدیق الرہا سے آنے والے تجار
کر رہے تھے۔ الرہا کا کوئی قافلہ کسی مسلم علاقے میں پہنچتا تو لوگ سرائے پر ٹوٹ
قافلے والے مسکرا مسکرا کے اس عظیم فتح کی تفصیل بیان کرتے آپس میں گلے
مبارک باد دیتے۔ شکرانے ادا کرتے۔ مٹھائیاں تقسیم ہوتیں۔ مساکین کی جھولیاں
جاتیں۔ آبادیوں میں چراغاں ہوتا اور ـــــ
مگر عیسائی دنیا میں کہرام مچا ہوا تھا۔ انطاکیہ، طرابلس الشام اور یروشلم کے

ئے تھے۔ ہر شخص اداس۔ ہر چہرہ پژمردہ۔ عشرت کی محفلیں سونی پڑ گئی تھیں۔
ے تخت و تاج لرز اٹھے تھے۔ ہفتوں تک انہیں اس خبر کی صداقت پر یقین نہ آیا
ود کو فریب دیتے رہے مگر جب عیسائی جاسوسوں نے سوکھے منہ سے اس خبر کو
زار دیا تو عیسائیوں کا کھانا پینا حرام ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ موصل کی
وٹی سی ریاست کا امیر۔ الرہا کی عظیم طاقت کو ایک ہی وار میں پارہ پارہ کر سکتا ہے۔
یں یقین کرنا پڑا کہ الرہا سے صلیبی پرچم ہمیشہ کے لئے اتر گیا ہے اور عیسائیوں کا یہ
لعہ اور فوجی چھاؤنی امیر زنگی کے گھوڑوں سے پامال ہو چکی ہے۔
سیانی بلی کھمبا نوچے کی مثل مشہور ہے۔ عیسائی ریاستوں نے اس شکست کی غلط
شروع کر دیں۔ شاہ جو سیلین الرہا میں موجود نہ تھا۔ اس وجہ سے شکست ہوئی۔
رہا کی بہترین فوجیں تل باشر چلی گئی تھیں۔
رہا کے عیسائی تاجروں نے غداری کی۔
ور سب سے بڑی بات یہ کہ امیر زنگی نے الرہا میں عام شہریوں کا قتل عام کیا۔
بچے اور عورتیں تک تہ تیغ کر دی گئیں۔ عبادت خانوں کو نذر آتش کیا گیا اور
ڑا دی گئیں۔
ر یہ شکوہ کرنے والے یہ بھول گئے کہ صرف پچاس ساٹھ سال پہلے جب انہوں نے
ے مسلم علاقہ پر قبضہ کیا تھا تو انہوں نے ظلم و بربریت کا کیسا بھیانک مظاہرہ کیا تھا۔
ورماؤں نے تو مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیا تھا۔ ان کی کوئی مسجد
ہی تھی۔ جو مسلمان بچ رہے تھے ان کے ساتھ غلاموں سے زیادہ بد تر سلوک کیا
۔ کسی مسلمان کو زرق برق اور نئے کپڑے پہننے کی اجازت نہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ
بضے کے وقت زنگی لشکر سے کچھ زیادتیاں ضرور ہوئیں مگر اس کی بھی ایک وجہ تھی۔
گی نے الرہا کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے بعد قلعہ والوں کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ اگر
یر مزاحمت کے حوالہ کر دیا جائے تو عیسائیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی
ڈالے گا۔
ر قلعہ والوں نے امیر زنگی کے اس مخلصانہ پیغام پر کان نہ دھرے۔ ان کا خیال تھا
صل کا ایک معمولی امیر چند دن کے محاصرہ کرنے کے بعد بے نیل و مرام واپس چلا
گا یا پھر اس وقت تک تل باشر سے شاہ جو سیلین واپس آجائے گا۔ جسے اس محاصرے
لاع بھیجی جا چکی تھی۔ قلعہ میں اس وقت کھانے پینے کا سامان اور اس قدر کثیر فوج
ی کہ وہ ایک سال تک محاصرے کی سختیاں برداشت کر سکتے تھے۔ پھر وہ امیر زنگی کی

پیش کش کیوں قبول کرتے۔

قلعہ والے اس حقیقت کو بھی بھول گئے تھے کہ چند ہی سال پہلے امیر زنگی عیسائیوں کے متحدہ لشکر جس میں شہنشاہ قسطنطنیہ کا لشکر بھی شامل تھا۔ خیمے لگائے تے پوری طرح مقابلے پر ڈٹ گیا تھا اور شہنشاہ کا منی نس امیر زنگی کی اس جرات سے اتنا خائف ہوا تھا کہ رات کے وقت اپنا بھاری سامان حرب میدان میں چھوڑ کر چپکے سے وا ہو گیا تھا۔ یہ امیر زنگی کی بیدار مغزی اور زبردست جنگی چال تھی جس نے اسے الرہا شاہ جو سیلین کے مقابلے میں کامیابی دلائی۔ امیر زنگی اپنا لشکر لے کر موصل سے دور چلا اور قلعہ عمید پر اس نے اپنی لشکر گاہ قائم کی۔ بظاہر وہ قلعہ عمید کا محاصرہ کئے تھا مگر اس نظریں الرہا پر لگی تھیں پھر جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ شاہ جو سیلین رنگ رلیاں منانے باشر چلا گیا ہے۔ امیر زنگی نے فوراً الرہا کا رخ کیا اور قلعہ کی فصیل میں سرنگ لگا کر ا اڑا دیا۔

الرہا اور تل باشر کا درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ نہیں کہ شاہ جو سیلین کو الرہا کے محاصر کی خبر نہ ہوئی ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ الرہا کا محاصرہ ایک ماہ تک رہا مگر جب جو سیلین کو ملی کہ امیر زنگی نے الرہا کا محاصرہ کر لیا ہے تو اسے اور اس کے سرداروں کو ہمت نہ ہو کہ وہ تل باشر چھوڑ کے الرہا کو بچانے کے لئے نکلیں پھر بھی انگریز مورخ یہی کہتے ہیں جو سیلین الرہا میں موجود نہ تھا۔

اس طرح الرہا میں اسلام کے مجاہد نے عیسائیوں پر ایک ایسی فتح پائی تھی جو تاریخ م فتوح الفتوح کے نام سے مشہور ہے مگر انہی دنوں بحرہ روم کے جزیرہ سسلی میں مسلمانوں افتاد پڑی تھی۔ شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے سسلی پر بڑے طمطراق سے قبضہ کیا تھا مگر ا کی آپس کی چپقلش اور مفاد پرستی نے انہیں تباہ کیا اور اب نارمن شاہ راجر نے انہیں ایک شرمناک شکست سے دوچار کیا تھا۔ شاہ راجر اپنی فتح پر پھولے نہ سماتا تھا۔ اس کے سامنے ایک بزرگ مسلمان قیدی پیش کیا گیا۔ راجر نے اسے بڑی حقارت سے دیکھا اور کہا۔ "او مسلمان بوڑھے۔ تم لوگ تو کہتے ہو کہ مسلمانوں کی فوج کے ساتھ فرشتے لڑتے ہیں مگر جب پالیرمو کے میدان میں تمہیں شکست ہوئی تو تمہارے پیغمبر تمہاری مدد کو کیوں نہیں آئے؟"

بزرگ مسلمان پیغمبر اسلام کی اس توہین پر تڑپ اٹھے۔ انہیں شاید جلال آگیا۔ انہوں نے راجر کو گھور کے دیکھا اور الفاظ پر زور دے کے کہا۔ "اے نصرانی بادشاہ۔ ہمارا خدا اور ہمارا پیغمبر مسلمانوں سے کبھی غافل نہیں ہوتا مگر وہ صرف ان کی مدد کرتے ہیں جو اپنی مدد

رنے کے قابل ہوتے ہیں سسلی کے مسلمانوں نے خدا اور رسول کو بھلا دیا اس لئے خوار ہوئے پس جس وقت پالیرمو کے میدان میں مسلمان اپنے کیئے کی سزا پا رہے وقت ہمارے پیغمبر الرہا میں مجاہد اسلام امیر عمادالدین زنگی کی مدد فرما رہے تھے جو چم لئے الرہا میں فاتحانہ داخل ہو رہا تھا"۔

گ مسلمان کے اس تلخ جواب پر شاہ راجر کے درباری ہنس پڑے مگر راجر کے رعشہ سا طاری ہو گیا اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنے درباریوں کو ڈانٹا۔ "کم اس بوڑھے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ اس کی باتوں سے مجھے صداقت کی بو آتی ہے"۔

ہیں کہ اسی وقت یروشلم سے ایک تیز رفتار سوار پالیرمو پہنچا اور اس نے شاہ کو بتایا کہ عیسائیوں کی سب سے اہم چوکی الرہا پر موصل کے امیر زنگی نے قبضہ کر لیا یہ سن کر راجر کا منہ لٹک گیا۔

امیر زنگی نے الرہا پر قبضے کے بعد وہاں کا انتظام و انصرام کیا اور قرب و جوار میں فوجی بھیجے تاکہ شاہ جو سیلین کے اثرات ختم کیا جائے۔ عیسائی علاقوں پر امیر زنگی کا ایسا طاری ہو گیا تھا کہ اس کے فوجی دستے جہاں پہنچتے، عیسائی امیر اور سردار ان کے سامنے دیتے اور خوشی خوشی طوق غلامی پہن لیتے۔

الرہا کے قریب عیسائیوں کا ایک اور قلعہ سروج تھا۔ یہ قلعہ شاہ جو سیلین کی بیوہ بہن ارسلہ کی جاگیر تھی۔ بیوہ شہزادی اپنی کمسن بیٹی کیٹ کے ساتھ اس قلعہ میں ایک ن زندگی گزار رہی تھی۔ امیر زنگی نے اس قلعہ پر قبضہ کے لئے ایک فوجی دستہ اپنے را غلام بلوکتش کی سرکردگی میں روانہ کیا اور اسے سخت تاکید کر دی کہ اگر شہزادی قلعہ حوالے کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔

تش امیر کے نہایت قابل اعتماد غلاموں میں سے ایک تھا۔ یوں تو امیر کے بہت سے ترکی اور رومی غلام بھی تھے جن پر امیر نہ صرف اعتماد کرتا تھا بلکہ ان کے آرام کا را خیال رکھتا تھا۔ خواجہ سرا بلوکتش تمام غلاموں کا سردار تھا۔ جب بلوکتش کو مہم کی سرداری عطا ہوتی تو فوجی دستوں کے علاوہ درجنوں غلاموں کی بھی ایک فوج بھی اس کے ساتھ جاتی تھی۔ یہ سب غلام بلوکتش کی طرح خواجہ سرا نہ تھے شادی شدہ اور بیوی بچوں والے بھی تھے۔

خواجہ سرا دراصل خسرے ہوتے تھے۔ ان میں مردانہ قوت نہ ہوتی تھی اس وجہ سے حلات اور محل سراؤں میں ان کا بے دھڑک آنا جانا رہتا تھا۔ خسروں کا آغاز کس ا اس سلسلے میں بہت ہی دلچسپ روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت ہے کہ پانچ ہزار

سال قبل مسیح میں اس عجیب و غریب صنف کا آغاز ہمارے پڑوسی ملک چین میں ہ
دوسری روایت ان کا آغاز سلطنت روما میں بتاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہزاروں سال پہلے ا
روم اپنے ملک سے دور کسی مہم پر گیا تھا۔ اس مہم میں اسے ایک سال سے زیادہ عر
گیا۔ شہنشاہ کی کچھ محبوب بیگمات تو اس کی ہم سفر تھیں لیکن زیادہ تعداد روم میں ر
تھی۔ بیگمات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی چنانچہ جب شہنشاہ کو دارالسلطنت سے گ
ماہ گزر گئے اور اس کے بارے میں صحیح خبریں آنا بھی بند ہو گئیں تو شاہی محلات کی بی
اور محلات کے محافظ غلام کھل کھیلے۔ ہر ملکہ نے ایک غلام کو اپنے محل میں جگہ دی
اس طرح شاہی محلات عشرت کدوں میں تبدیل ہو گئے۔ بیگمات کی سرفرازی اور پذیرا
وجہ سے یہ غلام اس قدر بے باک اور خود سر ہو گئے کہ انہوں نے روم میں مو
سرداروں اور عمال حکومت کا کہنا ماننا چھوڑ دیا۔ وہ رات دن لہو لعب میں مشغول ر
تھے۔

سال بھر بعد شہنشاہ روم اچانک روم واپس آگیا۔ اس کے آتے ہی وفادار سردار
نے بیگمات اور غلاموں کے تعلقات اور عیاشیوں کا پورا کچھا چھٹا شہنشاہ کے سامنے بیان
دیا۔ بعض بیگمات اور غلاموں نے اپنی سیاہ کاریوں کا اقبال بھی کر لیا۔ شہنشاہ روم کو ا
قدر طیش آیا کہ اس نے تمام اقبالی بیگمات اور غلاموں کو فوراً قتل کرا دیا اور وہ غلام جن
جرم ثابت نہ ہو سکا انہیں قوت مردمی سے محروم کر کے خسرہ بنا دیا گیا۔ چونکہ یہ خس
بیگمات کے لئے بے ضرر ہو گئے تھے اس لئے شہنشاہ نے اپنے ایک وزیر کے مشورہ
انہیں اپنی بیگمات کے ساتھ سلام و پیام کی خدمت پر مامور کر دیا۔ پھر عرصہ بعد انہ
خواجہ سرا کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس صنف نے شاہی محلات میں ایسی ایسی خدما
انجام دیں کہ ایک طرف تو انہوں نے شاہوں اور شہنشاہوں کا اعتماد حاصل کر لیا ا
دوسری طرف وہ بیگمات شاہی کے راز دار بن گئے۔

ہاو کتنش بڑی شان سے گھوڑا چکاتا معہ اپنے ساتھیوں اور فوجی دستوں کے قلعہ سرو
کے سامنے نمودار ہوا۔ شہزادی ارسلا کو الرہا پر مسلمانوں کے قبضے کی اطلاع مل چکی تھ
وہ چاہتی تو سروج کو چھوڑ کے کسی عیسائی ریاست میں پناہ لے سکتی تھی لیکن جب اسے
معلوم ہوا کہ امیر موصل عمادالدین زنگی نے الرہا پر قبضہ کرنے کے بعد اس شہر میں جنگ
کے دوران جو تباہی پھیلی تھی اس کے نشان تک مٹا دیئے ہیں اور عوام کا تمام لوٹا ہوا ما
انہیں واپس کر دیا گیا ہے تو شہزادی نے فیصلہ کیا کہ کسی جگہ پناہ حاصل کرنے کے بجائے
امیر موصل کے زیر سایہ اپنی جاگیر میں مقیم رہے گی کیونکہ اسے امید تھی امیر اسے اس کا

واپس کر دے گا۔ شہزادی ارسلا۔ الرہا کے شاہ جوسیلین کی بہن تھی لیکن اس نے کبھی
معاملات میں حصہ نہ لیا تھا اس لئے اسے پوری امید تھی کہ امیر اس کے ساتھ ضرور
سلوک کرے گا۔

سروج کا قلعہ بس نام ہی کا قلعہ تھا اس لئے کہ اس کی فصیل کچی تھی اور قلعہ کے
ائے شہری انتظامی سپاہیوں کے کوئی باقاعدہ فوج موجود نہ تھی جس وقت امیر زنگی کے
قلعہ کے سامنے پہنچے تو قلعہ کے محافظوں نے دروازہ بند کر لیا اور اس کی خبر فوراً
ارسلا کو پہنچائی گئی۔

شہزادی عالیہ۔ مسلمان لشکر قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے“۔ ایک محافظ نے
آواز میں اطلاع دی۔

ہت خوب“۔ شہزادی مسکرائی۔ ”ہم اس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ سروج کی
ہا کا ایک حصہ ہے اور الرہا پر قبضہ کے بعد سروج پر بھی انہیں حق حاصل ہو گیا
ا جوسیلین کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب مسلمان ہمارے آقا ہیں۔ چلو ہم خوش دلی
کا استقبال کریں“۔

ادی ارسلا اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ اس کی بیٹی شہزادی کیٹ نے سوالیہ نظروں سے
ھا۔ ”گھبراؤ نہیں کیٹ“ شہزادی ارسلا نے اسے تسلی دی۔ ”امیر زنگی نے الرہا میں
کا اعلان کیا ہے۔ ان کا لشکر یہاں بھی کوئی زیادتی نہ کرے گا۔ میں امیر سے خود
ں گی۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کہیں مسلمان قلعہ پر حملہ نہ کر دیں“۔

دی نے جلدی سے لباس تبدیل کیا اور بیش قیمت جواہرات زیورات پہنے۔ شہزادی
محل کی تمام کنیزیں اور غلام بھی ان کے ساتھ ہوئے اور دم کے دم میں سروج
ہزادی ارسلا بڑی شان و شوکت سے نو واردوں کے استقبال کے لئے قلعہ کے
پہنچ گئی۔ شہزادی ارسلا کے اشارے پر قلعہ کا صدر دروازہ کھول دیا گیا اور
لوس قلعہ کے باہر آگیا۔

دروازے سے کچھ فاصلے پر ہاو کتنش لشکریوں کی صفیں باندھے کھڑا تھا۔ دائیں
کے تمام دوست تھے۔ شہزادی ارسلا اور شہزادی کیٹ گھوڑوں پر سوار تھیں۔ باقی
ان کے عقب میں چل رہے تھے۔ شہزادی ارسلا اور کیٹ کے جواہر نگار
برگ برنگی شعاعیں نکل کر ہاو کتنش اور اس کے حواریوں کے آنکھیں خیرہ کر
ان لوگوں نے اب تک جواہر ریزوں کے زیورات دیکھے ہی نہ تھے۔

لام نے ہاو کتنش سے سرگوشی کی۔ ”خواجہ آقا۔ ان دونوں نے تو جواہرات سے

اپنے کو ڈھانپ رکھا ہے"۔ بلوکتش کے منہ میں پہلے ہی پانی بھر آیا تھا۔ اس
سرگوشیوں میں جواب دیا۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ سب اپنا ہی ہے شام ہونے سے پہلے
ہمارے پاس پہنچ جائے گا"۔

شہزادی ارسلا نے اپنا گھوڑا خواجہ سرا بلوکتش کے سامنے پہنچ کے روکا اور بڑ
ادب سے بولی۔ "میں شاہ جوسلین کی بہن شہزادی ارسلا۔ فاتح امیر موصل عمادالدین
کے سامنے سر اطاعت خم کرتی ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے شہزادی ارسلا نے گھوڑے پر
بیٹھے اپنے سر کو ذرا سا خم کیا پھر گھوڑے سے اتر پڑی۔ اس کی تقلید میں شہزادی کیٹ
بھی گھوڑا چھوڑ دیا اور تمام لوگ بلوکتش کے سامنے سر جھکا کے کھڑے ہو گئے۔ شہ
ارسلا کے اشارے سے اس کے آگے چلنے والے الرہا کے پرچم بردار نے اپنے پرچم کو
نگوں کر دیا جو اس زمانے میں اطاعت کے اظہار کا دستور تھا۔

بلوکتش کی نظریں شہزادی ارسلا اور شہزادی کیٹ کے چہروں کے بجائے ان
زرنگار زیورات پر جمی ہوئی تھیں اور وہ دل ہی دل میں اس عظیم دولت کو دیکھ کر خوش
رہا تھا۔ پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آیا کہ اس نے اپنے چہرے پر غصہ طاری کیا
بڑی رعونت سے بولا۔ "سروج کی شہزادی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آقائے محترم امیر م
اس وقت الرہا کے انتظام میں مصروف ہیں اور اس وقت ان کا ایک غلام فوجی دستوں
ساتھ سروج پر قبضہ کرنے آیا ہے"۔

شہزادی ارسلا نے متانت سے جواب دیا۔ "شہزادی ارسلا۔ امیر کے نمائندے کو
آمدید کہتی ہے۔ میرا یہاں آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سروج نے امیر عالی مقا
اطاعت قبول کر لی ہے۔ آپ قلعہ کے اندر تشریف لے چلئے میں اپنی جاگیر سے دست
ہو کر امیر کی پناہ میں آتی ہوں"۔

"قلعہ کی کنجیاں کہاں ہیں"؟ بلوکتش کا لہجہ اور زیادہ تلخ ہو گیا۔

"سالار محترم"۔ شہزادی ارسلا نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔ "سروج ایک جاگیر
یہاں نہ تو کوئی فوج ہے اور نہ شاہی خزانہ۔ میرے محل میں جو کچھ ہے وہ سب سالا
حوالے ہے۔ اگر آپ مجھے یہاں قیام کی اجازت دیتے ہیں تو میں اپنے محل میں یا ا
اور جگہ مقیم ہو جاؤں گی اور اگر مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں دیتے تو پھر کسی طر
جاؤں گی"۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں"۔ بلوکتش گرجا۔ "یہ کس طرح ممکن ہے
جوسلین کی بہن کے پاس خزانہ نہ ہو۔ مجھے بلا عذر چابیاں پیش کی جائیں ورنہ سختی۔

با جائے گا"۔

"سپہ سالار ______"

"میں بے کار باتیں سننے کا عادی نہیں"۔ بلوکتش نے شہزادی ارسلا کو ڈانٹ دیا۔
سروج کی ہر قیمتی چیز بحق امیر موصل ضبط کی جاتی ہے"۔

"میں یہ پیش کش پہلے ہی کر چکی ہوں سالار محترم"۔ شہزادی ارسلا نے بڑ استقلال
ے کہا۔ "میری جاگیر سے دستبرداری کا اعلان اس بات کا ثبوت ہے۔ سروج آپ کا ہے
یہاں کی ہر چیز آپ کی ملکیت ہے۔ قلعہ میں تشریف لے چلئے۔ کوئی چیز آپ سے
شیدہ نہ رکھی جائے گی"۔

"شہزادی کو محل کا تمام سامان اور تمام زیورات بھی ہمارے حوالے کرنا ہوں گے"۔
کتش نے حکم دیا۔

"سالار کے حکم کی تعمیل ہو گی"۔ شہزادی ارسلا نے تحمل سے کہا۔ "لیکن اس سلسلے
میں امیر موصل کے اس اعلان کا ضرور حوالہ دوں گی جس کے ذریعے انہوں نے الرہا
تمام لوگوں کی جاں بخشی کے علاوہ وہ تمام مال و سامان واپس کرنے کا حکم دیا تھا جو ان
لشکر نے الرہا پر قبضہ کے دوران وہاں کے لوگوں سے زبردستی حاصل کیا تھا"۔

"امیر کا حکم الرہا کے لئے تھا۔ سروج اور الرہا دو الگ الگ مقام ہیں۔ الرہا کے فرمان
سروج کے علاقے سے کوئی علاقہ نہیں"۔ بلوکتش نے جرح کا انداز اختیار کیا۔

"سالار درست فرما رہے ہیں"۔ شہزادی نے فوراً جواب دیا۔ "الرہا اور سروج دو الگ
مقام ہیں اور ان کے حالات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ الرہا نے امیر موصل
بلہ کیا تھا اور امیر نے اس پر بزور شمشیر قبضہ کیا تھا۔ اس کے باوجود امیر محترم نے
لوگوں کو معاف کر دیا اور ان کا مال و اسباب بھی واپس کرا دیا جب کہ سروج نے بغیر
کے امیر کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس لئے سروج والوں کو الرہا سے زیادہ مراعات
لیں۔ میرے محل کا سامان اور میرے زیورات خالص میری ملکیت ہیں اس لئے سالار
چیزوں پر قبضہ نہ کرنا چاہئے"۔

"یہ سب فضول باتیں ہیں۔ میں نے جو حکم دیا اس پر عمل کیا جائے"۔

بلوکتش نے اپنا گھوڑا قلعہ کی طرف بڑھا دیا۔ فوجی دستے اس کے پیچھے پیچھے تھے۔
ا ارسلا خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی مگر شہزادی کیٹ کے آنسو چھلک آئے۔ اس
ا کا دامن پکڑ لیا۔ "ماما۔ تم ان لوگوں کی تعریف کر رہی تھیں۔ اس ظالم کو تو آپ کی
بھی رحم نہیں آیا۔ میں نے ٹھیک ہی سنا تھا کہ مسلمان ظالم اور جنگلی ہوتے ہیں۔

اگر ہم سروج چھوڑ کے انطاکیہ چلے جاتے تو کم از کم ہمارے کروڑوں کے زیورات تو ان کے ہاتھوں سے بچ جاتے۔ ماما آپ نے بہت بڑی غلطی کی"۔

شہزادی ارسلا کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بیٹی کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ "چپ ہو جاؤ کیٹ۔ جان اور عزت سب سے زیادہ قیمتی چیزیں ہیں اگر یہ ظالم یہ چیزیں طلب کرتا تو ہم کیا کر سکتے تھے"۔

شہزادی ارسلا نے محل واپس آ کے اپنے تمام زیورات قیمتی اشیاء بلوکتش کے حوالے کر دیں بلوکتش نے اس پر ہی بس نہ کیا بلکہ شہر میں اعلان کرا دیا کہ اگر سروج والے اپنی جان کی خیر چاہتے ہیں تو اپنی دولت اور قیمتی سامان شہزادی کے محل میں لا کر جمع کرا دیں ورنہ گھر گھر تلاشی ہو گی اور مجرموں کو سخت سزا دی جائے گی۔ پورے شہر میں افراتفری پھیل گئی مسلمانوں کو تو عیسائیوں کے ظلم و ستم سے نجات مل گئی تھی مگر بلوکتش کی سخت روش کی وجہ سے ہر عیسائی پریشان تھا بلوکتش اس حکم کا اطلاق عبادت گاہوں پر بھی ہوتا تھا اس لئے عوام کے علاوہ پادریوں نے سونے چاندی کی صلیبیں اور سونے کا دیگر سامان بھی محل میں لا کے ڈھیر لگا دیا۔ بلوکتش کے تمام دوست کو دیکھ کر بغلیں بجا رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔

شہزادی ارسلا اپنی بیٹی اور ملازمین کے ساتھ محل چھوڑ کے ایک حویلی میں اٹھ آئی تھی اس کے محل پر بلوکتش نے قبضہ کر لیا تھا اور محفل عیش برپا کی تھی۔ شراب کے دور چل رہے تھے اور رقص و سرور کا ہنگامہ ہو رہا تھا۔ کس میں مجال تھی کہ اسے ٹوکتا یا اعتراض کرتا۔ چند سمجھ دار فوجیوں نے بلوکتش کو سمجھانے کی کوشش کی کہ خود اس کے احکامات اسی کے فرمان کے خلاف ہیں مگر بلوکتش نے یہ کہہ کر ان کی زبانیں بند کر دیں کہ جنگ میں ہر چیز جائز ہے اور یہ اس سلوک کا انتقام ہے جو عیسائیوں نے ایک زمانے تک مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا۔ سروج کے مسلمان بھی پہلی بار نئے اور زرق و برق لباس پہن کر بازاروں میں نکلے۔ بے شک انہیں نئے لباس پہننے کا حق تھا مگر وہ جس انداز سے بازار میں گھوم رہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خدا کا شکر ادا کرنے کے بجائے عیسائیوں کے سامنے اپنے غرور اور تکبر کا اظہار کر رہے تھے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ شرک کے بعد خدا کو جو چیز سب سے زیادہ ناپسند ہے وہ اس کے بندے کا غرور ہے مسلمانوں نے حملہ آور لشکر کا یہ حال دیکھا تو وہ خود بھی جامے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے عیسائی محلوں کو لوٹ لیا اور جس کے جو ہاتھ لگا وہ لے بھاگا۔ پورے شہر میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ عیسائی سر جھکائے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ کس کے پاس فریاد لے کے

جاتے۔ فریاد سننے والوں نے خود بھی شہزادی کے محل پر قبضہ جما لیا تھا اور محل کی تمام قیمتی اشیاء ضبط کر لی تھیں۔ بلوکتش نے یہ تمام احکامات امیر زنگی کے نام سے جاری کئے تھے۔ امیر عمادالدین زنگی نے الرہا میں جو نرم سلوک کر کے عیسائیوں کے دل جیتے تھے۔ بلوکتش نے اس کے کئے کرائے پر ایک سرے سے پانی پھیر دیا تھا۔

بلوکتش اور اس کے دوستوں نے رات بھر داد عیش دی اور صبح کو دیر تک سوتے رہے۔ شہزادی ارسلا کے پاس رات ہی میں ہزاروں شکائتیں پہنچ چکی تھیں۔ اس نے سب کو سمجھا بجھا کے واپس کر دیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی امیر کے سالار سے اس سلسلے میں گفتگو کرے گی لیکن جب وہ صبح کو بلوکتش سے ملنے پہنچی تو اسے بتایا گیا کہ سالار ابھی آرام فرما رہے ہیں۔ شہزادی کو کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ پھر دن چڑھے اسے محل میں طلب کیا گیا۔

"محترم سالار"۔ شہزادی ارسلا غصے سے کانپ رہی تھی۔ "آپ نے میرے محل پر قبضہ کر لیا۔ میرے اور میری بیٹی کے تمام زیورات چھین لئے مگر میں نے اف تک نہیں کی لیکن سروج کی رعایا نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔ ان کی دولت آپ نے کس قانون سے چھینی"؟

بلوکتش نے مخمور نظروں سے شہزادی ارسلا کو دیکھا۔ "تم ہم سے جواب طلب کرنے آئی ہو؟"

شہزادی فوراً سنبھل گئی۔ "نہیں سالار۔ میں رعایا کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ ان سے چھینا ہوا مال و دولت انہیں واپس دلا دیجئے"۔

"تم جنگی قانون سے واقف نہیں شہزادی"۔ بلوکتش نے حقارت سے کہا۔ "کیا ہم نے تم پر یہ رحم نہیں کیا تمہیں اور تمہاری بیٹی کو اپنے بپھرے ہوئے لشکریوں سے محفوظ رکھا۔ واپس چلی جاؤ شہزادی ورنہ تمہاری بیٹی اس محل میں ہمارے سامنے ناچتی دکھائی دے گی"۔

شہزادی ارسلا کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک غلط آدمی کے پاس رحم کی بھیک مانگنے آئی ہے ارسلا نے فوراً بات پلٹی۔ "سپہ سالار۔ میں آپ کی بہت احسان مند ہوں آپ نے واقعی ہماری عزت بچائی ہے مگر سالار۔ آپ کے لشکری مجھے برابر پریشان کر رہے ہیں۔ وہ کسی وقت بھی میری بیٹی کو مجھ سے چھین سکتے ہیں"۔

"تم ہم سے کیا چاہتی ہو"؟ بلوکتش جھلا گیا۔

"ہماری حفاظت کی جائے سپہ سالار"۔

"تم چاہتی ہو کہ تمہارے گھر پر فوجی پہرہ لگایا جائے"؟

"جیسا آپ بہتر خیال فرمائیں سپہ سالار محترم"۔ شہزادی بے دلی سے بولی۔

"بے وقوف شہزادی۔ تمہیں شکایت ہے کہ میرے لشکری تمہیں پریشان کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی چاہتی ہو کہ جو لشکری تمہیں پریشان کر رہے ہیں انہیں کا پہرہ تمہارے گھر پر لگایا جائے"۔

"تو پھر مجھے خود اپنی حفاظت کی اجازت دی جائے سپہ سالار"۔ شہزادی نے جیسے فیصلہ کر لیا تھا۔

"تم اپنی حفاظت کس طرح کرو گی"؟

شہزادی ارسلا نے مایوس لہجے میں کہا۔ "سپہ سالار۔ میں سروج میں اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہوں اور آپ کو میرا بار بار شکایت کرنا ناگوار گزرتا ہے اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ میری ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا لیں"۔

"پہیلیاں بجھانے کی ضرورت نہیں ارسلا"۔ **بالڈکنش** چڑ گیا۔ "جو کہنا ہے صاف صاف کہو۔ تم کیا کرنا چاہتی ہو"؟

"مجھے کسی اور طرف نکل جانے کی اجازت دی جائے سپہ سالار"۔ شہزادی نے بے دھڑک کہہ دیا۔

"کہاں جاؤ گی تم"؟

"میں انطاکیہ چلی جاؤں گی سالار"۔

بالڈکنش چند لمحے سوچتا رہا پھر ہنس کے بولا ——— "تم نے ٹھیک فیصلہ کیا۔ میں بھی سروج میں تمہاری موجودگی پسند نہیں کرتا مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔ اگر کل ہم نے انطاکیہ پر قبضہ کر لیا تو پھر تم کہاں جاؤ گی؟"

"پھر جہاں تقدیر لے جائے گی وہاں چلی جاؤں گی مگر آپ سے شکوہ نہ کروں گی"۔

"ٹھیک ہے۔ تم جا سکتی ہو مگر تمہیں سروج سے کوئی قیمتی چیز لے جانے کی اجازت نہ ہو گی"۔

"میں سب کچھ آپ کے حوالے کر چکی ہوں سالار"۔ شہزادی نے جواب دیا۔ "مجھے سواری کے لئے چند گھوڑوں کی ضرورت ہو گی۔ میرا خیال ہے آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا"۔

"بالکل نہیں۔ تم جتنے گھوڑے ساتھ لے جانا چاہتی ہو، لے جا سکتی ہو مگر تمہارے

ساتھ کوئی مسلح سوار نہیں ہو گا۔

"میں جنگ کرنے نہیں۔ امن کی تلاش میں جا رہی ہوں۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گی"۔

شہزادی نے اپنی بیٹی کیٹ اور شہر کے پانچ معززین کو ساتھ لیا اور دوسری صبح سروج سے انطاکیہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کی روانگی کے وقت **بالڈکنش** کے کئی ساتھی موقعہ پر موجود تھے۔ انہوں نے جانے والے سواروں کی خورجیوں تک کی تلاشی لی جس میں کھانے پینے کا سامان بھرا تھا۔ پھر جب وہ پوری طرح مطمئن ہو گئے تو انہوں نے ان خانماں بربادوں کو کوچ کی اجازت دی۔

شہزادی ارسلا دن بھر انطاکیہ کی طرف سفر کرتی رہی۔ انطاکیہ الرہا سے قریب ترین عیسائی ریاست تھی۔ **بالڈکنش** کو شہزادی ارسلا کے انطاکیہ جانے سے کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے اس نے اجازت دے دی تھی۔ دراصل وہ خود بھی یہی چاہتا تھا۔ سروج میں ارسلا کی موجودگی سے اس کی عیش و عشرت میں خلل پڑ رہا تھا۔ **بالڈکنش** کے ساتھیوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر شہزادی ارسلا اسی طرح روز گڑبڑ کرتی رہی تو وہ اسے قتل کر دیں گے مگر بالڈکنش نے انہیں روک دیا تھا اسے کسی وقت امیر زنگی کے غصہ کا خیال آ جاتا تھا اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ سروج میں کوئی ایسا فتنہ کھڑا ہو جس کے بارے میں امیر اس سے باز پرس کریں۔ اس کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ شہزادی کو سروج سے کسی طرف چلتا کر دیا جائے تاکہ اس کا دھڑکا ہی ختم ہو جائے۔ پس جب شہزادی ارسلا نے خود ہی انطاکیہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا اور خوشی خوشی اسے اجازت دے دی۔

شہزادی ارسلا اگرچہ شاہ جوسلین کی بہن تھی مگر سلطنت کے معاملات سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی ان سے ہمیشہ دور رہتی تھی پھر جب اس کے شوہر کا انتقال ہوا تو وہ بالکل گوشہ نشین ہو گئی۔ وہ اپنی جاگیر سے بہت کم نکلتی تھی۔ وہ کئی سال سے نہ تو شاہ جوسلین کی ملاقات کو گئی تھی اور نہ کسی شاہی تقریب میں شرکت کی تھی تمام توجہ اپنی اکلوتی بیٹی شہزادی کیٹ کی پرورش پر تھی۔ کیٹ نے اسی سال عمر کی تیرہ بہاریں دیکھ کے چودھویں سال میں قدم رکھا تھا۔ یہ اس کی جوانی کا پہلا سال تھا اور اس کا گلگوں چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ قدرت نے کم عمر شہزادی کو حسن کے تمام لوازمات سے پوری طرح آراستہ کیا تھا۔ شہابی رخسار اور نرگسی آنکھیں۔ کیٹ جب بھاری پلکیں جھپکاتی تو دیکھنے والوں کو زیر و زبر ہو کر رہ جاتی۔ مگر اسے اب تک کوئی دیدہ ور نہ ملا تھا۔ اسے دیکھنے والے یا تو اس کے غلام تھے یا پھر اس کی والدہ کے ملنے جلنے والے سروج کے معززین تھے مگر یہ آنے

والے جوانی کی حدود سے بہت آگے نکل چکے تھے اور شہزادی کیٹ کو ایک باپ کی
شفقت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

شہزادی کیٹ کو خود بھی اپنے حسن و جوانی کا احساس نہ ہوا تھا۔ اسے اب تک
نے جوان نظروں سے دیکھا ہی نہ تھا۔ حسن کہ جب تک احساس نہ دلایا جائے اس
تمکنت نہیں آتی۔ غنچے کو جب تک باد نسیم کے جھونکے لوریاں نہ دیں اس کی خوشبو
پھیلتی۔ غلام شہزادی کو دیکھتے ضرور تھے مگر ان کی نظریں فوراً جھک جاتی تھیں اور ان
کے جذبات اندر ہی اندر گھٹ کے رہ جاتے تھے۔ شہزادی بھی ممکن ہے کہ کسی شہزاد
خواب دیکھتی ہو مگر اس نے اپنے غلاموں کے علاوہ کوئی شہزادہ دیکھا ہی نہ تھا۔ اس لئے
کا خواب ادھورا اور تصور اب تک ناتمام تھا۔

شہزادی ارسلا کے کیا ارادے تھے اور اس نے ہلارکتش سے انطاکیہ جانے کی
اجازت حاصل کی تھی۔ اس کا حال سوائے خود اس کے اور کوئی نہ جانتا تھا۔ اس کے
ساتھیوں کو یہی معلوم تھا کہ وہ سب انطاکیہ پناہ حاصل کرنے جا رہے ہیں شہزادی کی
بھی یہی خیال تھا کہ وہ اپنی جائے پیدائش اور باپ دادا کا وطن چھوڑ کے ہمیشہ کے لئے
ایسے ملک میں پناہ حاصل کرنے جا رہی ہے جہاں کی آب و ہوا اور وہاں کے لوگوں
مزاج کے متعلق اسے کچھ بھی علم نہ تھا۔ اسی وجہ سے شہزادی کیٹ کو سروج چھو
بہت افسوس اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا تھا اس ماں شہزادی ارسلا بیٹی کا افسردہ چہرہ
اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتی۔ وہ اس وقت کس قدر بے بس اور بے اختیار تھی۔
خیال سے اس کی بھی آنکھیں بھر آتی تھیں۔

غروب آفتاب پر ان لوگوں نے ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سرائے نام کی کوئی
تھی۔ نہ گھوڑے بدلنے اور نہ کھانے پینے کا کوئی انتظام تھا۔ صرف چند جھونپڑیاں
تھیں جن میں چراغ ٹمٹما رہے تھے۔ پھر بھی شہزادی ارسلا نے اس منزل پر پہنچ کے اط
کا سانس لیا اور اس کے اترے ہوئے چہرے پر پھر سے تازگی آگئی۔ شہزادی کیٹ نے
کو خوش دیکھا تو وہ خاموش نہ رہ سکی۔

"ماما۔ اپ بہت خوش نظر آرہی ہیں حالانکہ یہاں چند جھونپڑیوں کے سوا اور کچھ
نہیں؟"

"تیری دونوں باتیں ٹھیک ہیں کیٹ"۔ ارسلا نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں
ہوں اور میری خوشی میں اس وجہ سے اور اضافہ ہو گیا ہے کہ اس منزل پر کوئی پختہ
نہیں ہے"۔

یٹ نے ماں کو حیران نظروں سے دیکھا۔ "ماما۔ آپ ی بات میری سمجھ میں نہیں
تی۔ ان جھونپڑیوں میں کیا آرام مل سکتا ہے؟"

"جان ماما"۔ شہزادی ارسلا نے کیٹ کو پیار سے سمجھایا۔ "ہم لوگوں کو اس وقت
آرام سے زیادہ ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ اگر یہ بڑی سرائے ہوتی تو لوگ ہم سے
والات کر کے جان کھا لیتے۔ ہم کس کس کا جواب دیتے اور کیا جواب دیتے۔ سروج یہاں
ے صرف ایک منزل پر ہے ممکن ہے کہ ہم میں سے کسی کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل
آتی جو ہمارے حق میں مضر ثابت ہوتی۔ امیر زنگی کا سالار ہم لوگوں کا دشمن ہو رہا ہے۔
رہمارے منہ سے کوئی کلمہ نکلے اور اس کی خبر امیر زنگی کے سالار کو پہنچے تو یقین ہے کہ وہ
ہمارا تعاقب کر کے ہمیں گرفتار کر لے گا"۔

"ماما میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ میں تو بس یہ جانتی ہوں کہ مسلم سالار نے
ہیں سروج سے نکال دیا ہے اور اب ہم انطاکیہ جا رہے ہیں۔ اس کے سوا مجھے اور کچھ
لنے کی بھی ضرورت نہیں"۔ شہزادی کیٹ کو ماں کی باتوں سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ
رے خیمے میں جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" اسلا نے شہزادی کو متعجب نظروں سے دیکھا۔

"انکل فیرو کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ کی باتوں سے مجھے الجھن ہوتی ہے ہے۔
ادی منہ بنانے لگی۔

"ابھی تو کھانا بھی نہیں کھایا ہے تم نے"۔ ارسلا نے اسے روکنے کے لئے کہا۔
بھول کیٹ۔ یہ سروج کا محل نہیں ہمارے سفر کا ایک پڑاؤ ہے۔ یہاں تم میرے ہی خیمے
رہوں گی۔ انکل فیرو اور دوسرے لوگ بھی یہیں آنے والے ہیں۔ مجھے سب سے کچھ
ری باتیں کرنا ہیں"۔

"آپ کوئی سنجیدہ گفتگو کرنا چاہتی ہیں کیا؟"۔ کیٹ نے سوال کیا۔

"سنجیدہ اور بہت اہم گفتگو۔ تمہارا یہاں رہنا ضروری ہے"۔

"مگر اس سنجیدہ گفتگو میں آپ انکل فیرو کو کیوں شریک کر رہی ہیں۔ وہ آپ کی سنجیدہ
کو اپنے چٹکلوں میں اڑا دیں گے"۔ کیٹ نے اعتراض کے انداز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں کیٹ۔ انکل فیرو غیر سنجیدہ آدمی ہیں لیکن وہ پاگل تو نہیں۔ وہ باتوں
میں بڑے پتے کی بات کہہ جاتے ہیں۔ میں اسی لئے انہیں اس محفل میں شریک کرنا
چاہتی ہوں"۔

ارسلا کی بات کیٹ کی سمجھ میں آگئی اور وہ ماں کے قریب بیٹھ گئی۔ "ٹھیک ہے میں

یہیں بیٹھی ہوں اور دیکھتی ہوں آپ کیا سنجیدہ گفتگو کرتی ہیں اور انکل فیرو اسے کس طرح ہنسی مذاق میں اڑاتے ہیں"۔

"ابھی تم بیٹھو نہیں"۔ ارسلا نے اسے دوسرا حکم دیا۔ "تم انکل فیرو کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ کھانا کھانے کے بعد وہ میرے خیمے میں آجائیں"۔

"اور یہ بھی کہہ دوں کہ ماما ان سے بڑی سنجیدہ گفتگو کرنے والی ہیں؟" کیٹ نے شوخی دکھائی۔

"کیٹ"۔ ارسلا نے ذرا غصے سے کہا۔ "ہر بات ہنسی میں نہ اڑایا کرو۔ ہم اس وقت کس عالم میں ہیں۔ تمہیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے"۔

شہزادی نے اپنے مسکراتے چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔ "ٹھیک ہے ماما۔ انکل کو اطلاع دے کے ابھی آتی ہوں۔ کیا دوسرے لوگوں کو بھی آپ کا حکم بھجوا دوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے کیٹ۔ انہیں پہلے ہی مطلع کر دیا گیا ہے۔ صرف تمہارے انکل فیرو رہ گئے تھے جنہیں اطلاع دینے تم جا رہی ہو"۔

شہزاد کیٹ کے اُٹھتے ہوئے قدم رک گئے۔ "مام۔ آپ کہہ رہی ہیں میرے انکل فیرو کیا انکل صرف میرے انکل ہیں۔ اپ بھی تو انہیں انکل فیرو ہی کہتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سروج کے سب چھوٹے بڑے انہیں انکل فیرو ہی کے نام سے پکارتے تھے"۔

"ٹھیک ہے کیٹ"۔ ارسلا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مجھے اور تمہارے پاپا کو انہوں نے اپنی گود میں کھلایا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں جب تمہارے پاپا کا انتقال ہوا تھا اس وقت انکل فیروں کس قدر پھوٹ کے روتے تھے انہیں کسی نے کبھی روتے نہیں دیکھا۔ ان کی موت کے دن بھی وہ محفل میں اپنے چٹکلو سے کھلا رہے تھے۔ ان کا دل اندر سے کس قدر زخمی تھا۔ اس کا حال صرف مجھے معلوم ہے۔ ایک رات اچانک میں ان کے کمرے کے سامنے سے گزری۔ مجھے کسی کی ہچکیوں کی آواز آئی۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کے دیکھا۔ انکل سامنے اپنے بستر پر دو زانوں بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تمہارے پاپا کی تصویر تھی۔ وہ تصویر کو بار بار چوم رہے تھے اور زار زار رو رہے تھے۔ صرف اسی رات نہیں۔ میں نے انہیں ایک سال تک اسی طرح ہر رات روتے اور آنسو بہاتے دیکھا مگر صبح کو وہ اسی طرح ہشاش بشاش نظر آتے۔ لوگ انہیں دیوانہ سمجھتے ہیں مگر وہ اس دیوانگی میں بھی بڑے فرزانہ ہیں"۔

شہزادی کیٹ بڑی توجہ سے ماں کی باتیں سن رہی تھی۔ انکل فیرو کے بارے میں اس کی ماں نے جو کچھ کہا تھا اس کا شہزادی کو بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ شہزری کیٹ پر دا جان

چھڑکتے تھے کیٹ بھی ماں سے زیادہ انکل فیرو سے مانوس تھی۔ وہ ہر وقت اپنی دلچسپ باتوں سے کیٹ کو ہنساتے رہتے اور ہنسی ہنسی میں شہزادی کو دنیا کی اونچ نیچ سے بھی آگاہ کرتے رہتے۔

شہزادی ارسلا کے ساتھ آدمی ہی کتنے تھے۔ یہاں پر پہنچ کے انہوں نے جلدی جلدی خیمے لگا اور کھانا پکانے میں لگ گئے۔ ان جھونپڑیوں میں رہنے والے ان کی کیا مدد کرتے۔ ان غریبوں کے پاس اپنے رہنے کے لئے بھی مشکل ہی سے جگہ تھی۔ شہزادی ارسلا کے باورچیوں نے اپنے لوگوں کے علاوہ سرائے کے پانچ آدمیوں کے لئے بھی کھانا پکا لیا اور انہیں کھانا تیار ہوتے ہی بھیج دیا گیا۔ ان لوگوں نے قافلے والوں کو ہزاروں دعائیں دیں انہیں پتہ بھی نہ لگا کہ ان کی جھونپڑیوں کے باہر شاہ الرہا جو سیلین کی بہن شہزادی ارسلا کا پڑاؤ لگا ہوا اور شہزادی چاہتی بھی یہی تھی کہ اس کے سفر کا چرچا کم سے کم ہو۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تمام لوگ شہزادی ارسلا کے خیمے میں جمع ہو گئے۔ شہزادی کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ جاگیر کا خاتمہ۔ تمام قیمتی سامان اور زیورات کا چھینا جانا اور یہ تکلیف دہ سفر۔ اس کی طرح اس کے ساتھی بھی پریشان تھے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ دوسرے ملک والے ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ انطاکیہ میں ایک عیسائی ریاست تھی مگر غیر جگہ تو غیر ہی ہوتی ہے۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں مگر انکل فیروں اس سنجیدہ اور گھمبیر ماحول میں بھی ارسلا کے برابر بیٹھے مسکرا رہے تھے۔ شہزادی ارسلا ان کی بہت عزت کرتی تھی۔ وہ ملنے آتے تو شہزادی ان کے استقبال کو کھڑی ہو جاتی اور ہمیشہ اپنے برابر یا اپنے سے اونچی جگہ بٹھاتی تھی۔ انکل فیرو کسی بھی محفل میں خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ اس وقت بھی وہ کیٹ سے ہنس ہنس کے باتیں کر رہے تھے۔

"دیکھو کیٹ۔ انطاکیہ پہنچ کے مجھے بھول نہ جانا ورنہ میں تم سے خفا ہو جاؤں گا"۔

"مگر انکل۔ اپ بھی تو میرے ساتھ انطاکہ جا رہے ہیں"۔ شہزادی کیٹ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا تو کیا ہم انطاکیہ جا رہے ہیں؟" انکل فیرو سوال کرنے کے بعد شہزادی ارسلا کو گھورنے لگے۔

"انکل۔ کیا آپ کو شبہ ہے۔ یہ سڑک سیدھی انطاکیہ جاتی ہے"۔ کیٹ نے معصومیت سے انہیں سمجھا"۔

"سڑک واقعی انطاکیہ جانے والی ہے"۔ انکل فیرو قدر سنجیدگی سے بولے۔ "مگر یہ ضروری نہیں کہ ہم انطاکیہ پہنچیں"۔

کیٹ کی ماں شہزادی ارسلا کی کان پہلے ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے انکل فیرو کی جرح سنی تو اپنی پوری توجہ ان دونوں کی گفتگو کی طرف لگا دی۔ لوگ فیرو کو خواہ کتنا ہی مجذوب اور پاگل سمجھتے ہوں مگر شاید ارسلا کو یہ یقین تھا کہ انکل فیرو کو قدرت نے یقیناً کوئی ایسی طاقت دی ہے کہ ان کی مجذوبانہ بڑ میں کوئی ایسی بات ضرور منہ سے نکل جاتی ہے جو مستقبل کی ایک صحیح پیشین گوئی ہوتی ہے۔

شہزادی کیٹ اور انکل فیرو خاموش ہو چکے تھے۔ شہزادی ارسلا نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "میرے جاں نثارو۔ آپ جانتے ہیں کہ سروج میں ہماری زندگی کس قدر عذاب بنا دی گئی تھی۔ مسلم سالار کو ہمارا مال و اسباب ضبط کر لینے کے بعد بھی ہمارے اوپر رحم نہیں آیا۔ ہماری عزت و آبرو بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال سروج سے کہیں دور چلی جاؤں"۔

"شہزادی آپ نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا"۔ ایک ساتھی نے کہا۔ "بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اپنے ملک کی زمین تنگ ہو جائے تو ہمیں سفر کرنا چاہئے"۔

انطاکیہ۔ ہمارے ہم مذہبوں کی ریاست ہے وہاں ہمیں ضرور پناہ ملے گی۔ کم از کم ہماری عزت و آبرو تو محفوظ رہے گی"۔ ایک دوسرے ساتھی نے اس طرح اپنے خیال کا اظہار کیا۔

شہزادی ارسلا اک دم پلٹ کے انکل فیرو سے مخاطب ہوئی۔ انکل فیرو آپ کی کیا رائے ہے؟"

انکل فیرو نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "شہزادی رائے تو صرف وہ شخص دے سکتا ہے جس کے ہاتھ میں کچھ اختیار ہو۔ باقی ہم لوگ تو محض بکواس کرتے ہیں"۔

حاضرین میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ "انکل فیرو اتنی اہم بات کو بھی ہنسی میں اڑا رہے ہیں۔ پتہ نہیں ان کا دماغ کب صحیح ہو گا۔ ہر وقت پاگل پن کی باتیں"۔

"شہزادی نے خوامخواہ اس جنونی کو سر چڑھا رکھا ہے۔ اسے تو سروج ہی میں چھوڑ دینا چاہئے تھا"۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کو سرگوشیوں میں جواب دیا۔

اسی وقت شہزادی ارسلا کی تیز آواز ابھری اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ شہزادی ارسلا انکل فیرو سے پوچھ رہی تھیں۔ "انکل فیرو۔ یہ سڑک کس طرف جاتی ہے؟"

انکل فیرو نے بڑے بے ڈھنگے پن سے اوپر کی طرف دیکھا۔ "میری بیٹی ارسلا۔ راستے چلنے والوں کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ سب کچے رستے چلنے والوں کے نقش قدم سے بنے ہیں۔ ہم ان پر چل کر جس طرف جانا چاہیں جا سکتے ہیں"۔

انکل فیرو کے اس جواب سے حاضرین کے چہروں پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے مگر شہزادی نے اس کا بالکل برا نہ مانا اور بولی۔ "مگر انکل فیرو آپ یہ تو جانتے ہیں کہ یہ راستہ سیدھا انطاکیہ کو جاتا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ یہ راستہ ضرور انطاکیہ کو جاتا ہو گا مگر اس پر سفر کرنے والے کسی اور شہر کا بھی رخ کر سکتے ہیں"۔ انکل فیرو کی اس بات پر لوگ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکے اور ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگے۔

شہزادی ارسلا جیسے پنجے جھاڑ کے انکل فیرو کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اس نے پھر سوال کیا۔ "ہم اس راستے سے اور کس مقام کو جا سکتے ہیں"۔

"یہ راستہ ہماری جنت یعنی دارالسلطنت الرہا کو بھی جاتا ہے"۔ اور انکل فیرو نے تالیاں بجا کے ہنسنا شروع کر دیا۔

محفل بہت غیر سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ہر ایک انکل فیرو کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے موقعہ ملتے ہی انہیں پھاڑ کھائے گا شہزادی ارسلا پوری محفل سے غیر متعلق ہو کے صرف انکل فیرو کے پیچھے لگی تھی۔ "انکل فیرو کیا آپ کو معلوم نہیں کہ الرہا کی عیسائی بادشاہت ختم ہو چکی ہے اور وہاں امیر موصل عمادالدین زنگی نے قبضہ کر رکھا ہے۔ آپ کو شاید یہ بھی علم نہیں کہ اس امیر زنگی کے ایک ادنیٰ غلام ملوکتش نے ہمیں سروج سے نکلنے پر مجبور کیا ہے؟"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ تم نے بڑے وقت پر یاد دلایا"۔ انکل فیرو اب بھی آہستہ آہستہ تالیاں بجا رہے تھے۔ "ادنیٰ غلام اور ایک اعلیٰ اور ارفع آقا۔ روشنی کے قریب ہی گھمبیر اندھیرا ہوتا ہے شہزادی ارسلا۔ تم آقا اور غلام کے فرق کو نہیں سمجھتیں کیا یاد رکھو۔ خطرے کے جتنے قریب رہو گی۔ خطرہ تم سے اتنی ہی دور بھاگے گا"۔

شہزادی سناٹے میں آ گئی۔ اس نے اٹک اٹک کے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ کے خیال میں ہمیں انطاکیہ کے بجائے الرہا جانا چاہئے؟"

ہا ہا ہا ہا ------!" انکل فیرو زور سے ہنسے۔ "میرا خیال۔ یہ تو اس کا خیال ہے۔ تمہارا خیال ہے ہم سب کا خیال ہے۔ الرہا کے سوا ہم اور کہاں جا سکتے ہیں؟"

انکل فیرو اٹھ کے کھڑے ہوئے اور ٹھمکیاں بھرتے اور ناچتے ہوئے شہزادی کیٹ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لئے ہوئے خیمے سے باہر چلے گئے۔

شہزادی ارسلا نے حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ ہر ایک کی تیوریاں چڑھی تھیں اور چہرے پر خفگی اور ناراضگی کے آثار نمودار تھے۔ شہزادی ارسلا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"دوستو۔ انکل فیرو کو دنیا پاگل سمجھتی رہے مگر میری نظر میں وہ ایک ایسے بزرگ ہیں جن کے قہقہوں میں مستقبل کی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ میں نے سروج سے چلتے وقت سب سے یہ کہا تھا کہ ہم سروج چھوڑ کے انطاکیہ میں پناہ لینے جا رہے ہیں مگر میں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ ایک طرف تو آپ لوگوں میں پریشانی پیدا نہ ہو دوسری طرف مسلم سالار ہمارا پیچھا کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ اب میں آپ کو صاف صاف بتاتی ہوں کہ سروج سے میں نے انطاکیہ کے راستے پر ایک منزل تک اس لئے سفر کیا تھا کہ اپنے دشمن کو فریب دے کر میں بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف جا سکوں۔ ساتھیو میری منزل انطاکیہ نہیں بلکہ دارالسلطنت الرہا ہے۔ انطاکیہ جا کر اپنے بھائیوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ میں اپنے دشمن سے اپنا حق طلب کروں۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے لڑتا ہے۔ ایک کو فتح اور دوسرے کو شکست کھا کر تخت خالی کر دینا پڑتا ہے مگر شاہی بیگمات کی عزت و حرمت میں بہت کم فرق آتا ہے۔ فاتح اپنے مفتوح کے خاندان کی بیگمات کو اگر ملک میں رکھنا نہیں چاہتے تو انہیں عزت کے ساتھ ان کے وارثوں کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ میں آخر ایک شہزادی ہوں۔ میرا بھائی جوسلین الرہا نکل جانے کے باوجود اس وقت بھی ایک بڑے علاقے کا مالک ہے۔ مسلم سالار نے مجھے سروج سے خالی ہاتھ نکالا ہے۔ میں الرہا پہنچ کے امیر موصل سے اس ظلم کی فریاد کروں گی۔ اگر امیر موصل نے مجھے سروج نہ دلایا تو کم از کم ہمارے زیورات اور قیمتی سامان ہمیں واپس مل جائیں گے اور ہم اس بے سروسامانی کے بجائے امیر موصل کے دستوں کی حفاظت میں جہاں جانا چاہیں گے وہاں پہنچا دیئے جائیں گے۔ میں یہی منصوبہ بنا کے سروج سے نکلی تھی۔ میرے اس منصوبہ کی تائید غیب کی طرف سے ہو گئی۔ ہمارے مجذوب انکل فیرو نے ہنسی ہنسی میں کہہ دیا کہ الرہا جانا ہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ اس لئے جو لوگ میرے ساتھ الرہا جانا نہیں چاہتے وہ رات کی تاریکی میں میرے قافلے سے الگ ہو سکتے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکوہ نہ ہو گا"۔

امیر عمادالدین زنگی نے الرہا پر قبضہ کے بعد تل باشر کی طرف قدم نہیں بڑھائے حالانکہ اس کے بعض سرداروں کی درخواست تھی کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا جائے اور تل باشر پر فوراً حملہ کر کے اس نصرانی حکومت کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ امیر زنگی نے سنی سب کی مگر تل باشر سے قدم نہ نکالا۔ الرہا کو محاصرہ اور قبضہ کے دوران کچھ نقصان پہنچا تھا اور امیر اس کا تدارک کرنا چاہتا تھا۔ امیر نے تمام لوٹا ہوا سامان ان کے مالکوں کو واپس کرا دیا عمارتوں کی مرمت کرائی اور رعیت کو اس قدر مراعات دیں کہ الرہا چھوڑ کے جانے والے پھر اپنے اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ الرہا پہلے ہی ایک خوبصورت

شہر تھا۔ امیر نے اس کے حسن میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے مفتوحہ علاقے میں نہ صرف امن و اماں کا دور دورہ ہو بلکہ نصرانی رعایا اسے دل سے اپنا امیر تسلیم کر لے اور ان کے دلوں سے شاہ جوسلین کا خیال بالکل نکل جائے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ امیر زنگی اپنے دشمن کی طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ امیر کی پچھلی جنگوں سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک میدان جنگ میں نہیں اترتا جب تک پوری طرح تیار نہ ہو جائے اور دشمن کی صحیح طاقت کی اسے خبر نہ مل جائے۔ الرہا میں جوسلین موجود نہ تھا اس وجہ سے ایک انگریز مورخ کے مطابق الرہا پر قبضہ کرنے میں امیر کو پورا ایک ماہ لگ گیا۔ واضح رہے کہ ہمارے مشرقی اور مسلمان مورخوں نے اس سلسلے میں کوئی تحقیق نہیں کی اور وہ انگریزی تاریخ پر صاد کرتے نظر آتے ہیں۔ امیر کو یہ علم ہو گیا تھا کہ شاہ جوسلین تل باشر یا اس کا مضافات میں موجود ہے اور فوجی تیاریاں کر رہا ہے۔ تل باشر میں جوسلین نے عجب طلسمی ماحول پیدا کر دیا تھا۔ تل باشر کوئی فوجی قلعہ نہ تھا بلکہ شاہوں کی تفریح کا ایک پر فضا مقام تھا لیکن الرہا پر قبضے کی خبر پھیلتے ہی شاہ جوسلین نے چند ہی دنوں میں اس خوبصورت شہر کو ایک مضبوط قلعہ میں تبدیل کر دیا۔ تل باشر کے گرد پکی فصیل پہلے ہی تھی۔ جوسلین نے اس فصیل کے اندر کی طرف ایک گہری نہر کھدوا کر پکی فصیل تعمیر کرا دی۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق تل باشر اور اس کے گرد فوجی تیاریاں بھی زوروں پر تھیں مگر ایک افواہ یہ پھیلی ہوئی تھی کہ شاہ جوسلین تل باشر چھوڑ کے بھاگ گیا ہے۔ امیر زنگی جیسے جہاندیدہ آدمی کے لئے یہ اطلاع خوش آئند ہونے سے زیادہ فکر انگیز تھی۔ اگر جوسلین تل باشر سے بھاگ گیا تھا تو پھر یہ فوجی تیاریاں کون کرا رہا ہے۔

امیر زنگی نے اس افواہ کا کوئی اثر نہ لیا اور اپنے انتظامات میں مصروف رہا۔ تل باشر پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اس نے قرب و جوار کے علاقوں پر اپنے فوجی دستے بھیج دیئے تھے تاکہ اُن کو ان کا تعاون حاصل ہو جائے اور جب زنگی لشکر تل باشر کی طرف پیش قدمی کرے تو اس کی پشت مضبوط ہو اور دائیں بائیں کے پہلو بالکل محفوظ ہوں سروج کے علاقہ پر امیر نے باقاعدہ لشکر کشی کرائی تھی اور ایک مختصر مگر مضبوط فوج کے ساتھ اپنے خاص غلام بلکتش کو بھیجا تھا۔ سروج پر قبضہ اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ اس کے بعض جاسوسوں اور مقامی لوگوں نے بتایا تھا کہ سروج کا علاقہ شاہ جوسلین کے عزیزوں کے قبضہ میں ہے وہاں ایک سخت مقابلہ ہو سکتا ہے۔ مگر سروج پہنچ کے بلوکتش نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔

سروج پر بھیجی ہوئی مہم کو تقریباً ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا مگر وہاں سے امیر زنگی کو صرف ایک اطلاع موصول ہوئی تھی۔ بلوکتش نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے امیر کو صرف سروج پر قبضے کی خبر بھیجی تھی۔ سروج سے آنے والا قاصد سوائے اس مختصر خبر کے سروج کے بارے میں کوئی تفصیل نہ بتا سکا تھا۔ امیر نے سوچا تھا کہ شاید بلوکتش سروج کے قبضے کے بعد وہاں کے انتظام میں مصروف ہے اس وجہ سے تفصیل سے آگاہ نہیں کر سکا مگر اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی سروج سے جب کوئی دوسری اطلاع نہ آئی تو امیر زنگی کا فکر مند ہونا قدرتی بات تھی۔ آج بھی امیر زنگی اور اس کے قابل اعتماد سردار اسدالدین شیرکوہ میں اسے سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی۔

"اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد سروج سے کوئی دوسری خبر نہ آنا کیا فکر کی بات نہیں ہے شیرکوہ؟" امیر زنگی الرہا کے شاہی محل کے ایک کمرے میں بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔

"یقیناً یہ فکر کی بات ہے"۔ شیرکوہ نے مختصراً جواب دیا۔ "اگر امیر کا حکم ہو تو میں خود وہاں چلا جاؤں یا پھر کسی دوسرے کو وہاں بھیج کے اصل حالات کا پتہ لگایا جائے"۔

"نہیں شیرکوہ۔ سروج اور کوئی سردار نہیں جائے گا"۔ امیر نے رک کے کہا۔ "اگر دو روز تک سروج سے کوئی خبر نہ آئی تو ہم بلوکتش کو الرہا طلب کر کے اس سے پوچھیں گے کہ اس نے ہمیں اتنے روز تک فکر و تردد میں گرفتار رکھنے کی جرات کیسے کی۔ کیا اس کے دل سے ہمارا خوف زائل ہو گیا تھا پھر ہمارے درباری دیکھیں گے کہ امیر زنگی کی نظروں سے گرنے والے غلام کا کیا حشر ہوتا ہے"۔

خواجہ سرا بلوکتش کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے شیرکوہ نے انداز لگا لیا تھا کہ کسی نہ کسی دن یہ کم ظرف غلام کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گا لیکن وہ بلوکتش سے خود الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ امیر زنگی نے بلوکتش کو کئی ذمہ داریاں سپرد کر رکھی تھیں۔ امیر اگرچہ غلاموں اور خصوصاً ارمنی، یونانی اور ترکی غلاموں کے معاملے میں بڑی تند مزاجی سے کام لیتا تھا مگر دوسری طرف غلاموں کے اس گروہ کا ایک دستہ امیر زنگی کی ذاتی حفاظت پر مامور تھا۔ بلوکتش اس دستے کا سردار تھا اور امیر کا یہ محافظ دستہ اس قدر سرکش ہو گیا تھا کہ وہ بڑے بڑے سرداروں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا مگر اس کو کہا جائے کہ امیر زنگی اپنی غلاموں پر سب سے زیادہ اعتبار کرتا تھا۔

بلوکتش کی اس طویل خاموشی سے شیرکوہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ شاید اس خود سر غلام نے سروج پر قبضہ کرنے کے بعد شاہ جوسیلین سے کوئی معاملہ کر لیا ہے اور اب بغاوت پر

زیادہ ہے مگر اس کے اس خیال کی تردید اس بات سے ہو جاتی تھی کہ امیر کے غلام اس حد درجہ خوفزدہ رہتے تھے خود بلوکتش اس قدر قریب ہونے کے باوجود امیر کے غصے سے ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ امیر کا ان غلاموں پر اس قدر خوف غالب تھا کہ ایک بار امیر زنگی نے کسی موقعہ پر ایک قلچہ اپنے غلام کو دیا اور اس سے کہا کہ قلچے کو اپنے پاس رکھے۔ غلام نے اس قلچہ کو رومال میں لپیٹ کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ایک دن گزرا۔ دو روز ہو گئے۔ پھر مہینے گزرے اور ایک سال ہو گیا مگر امیر نے اس سے قلچہ طلب نہ کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ امیر قلچہ بھول چکا ہے۔ اگر غلام قلچہ ضائع کر دیتا تو وہ اپنے فعل میں حق بجانب تھا مگر کہتے ہیں ایک سال اور کچھ ماہ گزرنے کے بعد جب کہ اس کا وہی غلام اس کے ہمرکاب تھا۔ امیر زنگی نے اچانک غلام سے اپنا دیا ہوا قلچہ طلب کیا۔ اب یہ اس غلام کی مزاج دانی یا امیر کا خوف تھا کہ اس نے وہ رومال نکال کے امیر زنگی کے ہاتھ میں پکڑا دیا جس میں اس نے قلچے کو بڑی حفاظت سے باندھا تھا قلچہ اتنا عرصہ گزر جانے پر سوکھ کے چورا چورا ہو گیا مگر امیر زنگی کے غلاموں کی مزاج دانی جسے امیر زنگی اپنا خوف کہتا تھا، اس قدر خوش ہوا کہ اسے غلام کے فرائض سے بلند کر کے ایک دستے کا سردار بنا دیا۔

شیرکوہ کا مشاہدہ اور تجربہ مجبور کر رہا تھا کہ وہ امیر سے صاف صاف کہہ دے کہ بہت بلوکتش سے اسے وفا کی امید نہیں اور اسے دربار میں طلب کر کے اس تساہلی کی سزا دی جائے مگر اس نے تحمل سے کام لیا اور خاموشی اختیار کر لی اس وقت قدرت نے اس کی مدد کی اور وہ بات خود ہی سامنے آ گئی جس کے اظہار کے لئے وہ بے چین ہو رہا تھا۔ شیرکوہ اپنی ادھیڑ بن میں تھا کہ ایک دربان حاضر ہوا۔

"آقائے محترم۔ سروج کے علاقے سے کچھ لوگ آئے ہیں اور قدم بوسی کے خواہش مند ہیں"۔

دربان کی اس اطلاع پر امیر زنگی چونک پڑا۔

"کیا بلوکتش ان کے ساتھ نہیں آیا؟" امیر زنگی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جی نہیں امیر عالی مقام"۔ دربان نے نفی میں جواب دیا۔ "آنے والوں میں بعض ایسے ہیں جن کا تعلق الرہا کے سابق شاہ جوسیلین کے خاندان سے ہے"۔

امیر زنگی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا شاہ جوسیلین کی ملکہ تشریف لائی ہیں؟"

"ملکہ کے بارے میں مجھے علم نہیں امیر"۔ دربان نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ "ایک خاتون خود کو شاہ جوسیلین کی بیوہ بہن شہزادی ارسلا بتاتی ہیں۔ ان کی بیٹی شہزادی

کیٹ ان کے ساتھ ہے"۔

"شیر کوہ"۔ امیر نے اسدالدین شیرکوہ کو مخاطب کیا۔ "جاؤ اور دیکھو اگر وہ شا
خاندان کی بیگمات ہیں تو انہیں عزت سے مہمان خانے میں اتارو اور معلوم کرو کہ وہ
غرض سے الرہا آئی ہیں۔ دربان کہہ رہا ہے کہ وہ سروج سے آئی ہیں۔ ان سے بالوک
کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرو۔ ہم کل ان سے گفتگو کریں گے"۔

شیرکوہ تعمیل حکم کے لئے باہر چلا گیا۔ باہر پچیس تیس مردوں اور عورتوں کا ایک ق
موجود تھا۔ شیرکوہ نے ان پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "آپ میں شاہ جوسیلین کی ہمشیرہ شہزا
ارسلا کون ہیں"؟

شہزادی ارسلا نے ایک قدم آگے بڑھا کر جواب دیا۔ "قبل اس کے کہ ہم یہ بتا
کہ ہم سب کون کون ہیں میں اپنے مخاطب سے بڑے ادب سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں ک
خود کون ہیں اور اس دربار سے ان کا کیا تعلق ہے۔ کیا آپ فاتح الرہا امیر عمادالدین ز
نہیں ہیں؟"

"نہیں معزز خاتون میں امیر محترم کا ایک معمولی سردار اسدالدین شیرکوہ ہوں"۔ ش
نے نرمی سے جواب دیا۔ امیر نے حکم دیا کہ شہزادی ارسلا اور ان کے ساتھ آنے والو
شاہی مہمان خانے میں عزت و احترام سے پہنچایا جائے۔ امیر ان سے کل گفتگو فرما
گے"۔

"سردار۔ میں اور میرے ساتھی امیر کے مہمان بننے نہیں آئے ہیں۔ ہم فریادی
اور فریادی کو اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک حاکم وقت اس کی فریاد سن کر ظا
ظلم کی سزا نہ دے"۔ ارسلا نے افسردہ مگر مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "آپ امیر ز
مطلع کر دیجئے کہ جس سروج پر آپ کے حکم سے قبضہ کیا گیا ہے وہاں کی جاگیردار شہ
اور رعیت کے چند لوگ اس کے پاس فریاد لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں طلب کر کے
رسی کی جائے"۔

اسدالدین شیرکوہ کے بولنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اسے مجبوراً امیر زنگی کے
واپس جانا پڑا۔ امیر زنگی نے شیرکوہ کو واپس آتے دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"خیر تو ہے شیرکوہ۔ تم واپس کیوں آئے؟" امیر زنگی فکر مند ہو گیا تھا۔

"امیر محترم۔ اصل حقیقت تو آنے والے ہی بتا سکیں گے مگر حالات کچھ سنگین"
ہوتے ہیں"۔ شیرکوہ نے پھر بھی بالوکنش کا نام نہیں لیا۔ "سروج سے آنے والوں
شاہی مہمان خانے میں قیام کرنے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم فریادی ہیں"

ہماری فریاد نہیں سنی جائے گی۔ ہمیں چین نہ ملے گا۔ آپ کے سامنے فوراً پیش ہونا
چے ہیں"۔

"کیا شاہ کی بہن کی بھی یہی خواہش ہے؟" امیر نے بے چینی سے پوچھا۔

"شہزادی نے ابھی تک اپنی شخصیت ظاہر نہیں کی۔ مجھ سے صرف ایک عورت نے
گو کی ہے مگر اس کے تیوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شہزادی نہیں تو شاہی خاندان
اس کا ضرور تعلق ہے"۔

ٹھیک ہے شیرکوہ۔ فریادی کو ایک لمحہ بھی انتظار میں نہ رکھنا چاہئے"۔ امیر زنگی نے
ے کہا۔ "شہزادی اور ان کے ساتھیوں کو عزت سے ہمارے پاس لاؤ۔ ہاں یہ تو بتاؤ
روج سے آنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"بیس تیس کے درمیان ہو گی امیر محترم"۔

امیر زنگی نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا۔ "شہزادی سے کہو کہ وہ چار پانچ آدمیوں کو
ے ساتھ لے کر ہمارے پاس آئیں تاکہ اطمینان سے گفتگو ہو سکے"۔

"بہتر ہے امیر"۔

شیرکوہ باہر گیا اور چند ہی لمحے بعد شہزادی ارسلا کو ساتھ لے کر امیر کے سامنے آ گیا۔
ا کے ساتھ اس کی بیٹی شہزادی کیٹ اور انکل فیرو کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ امیر
اس وقت شاہ جوسیلین کے تخت شاہی پر بیٹھ گیا تھا اور اس کے دائیں بائیں سردار
ب کھڑے تھے۔

"میرا نام ارسلا ہے۔ میں شاہ جوسیلین کی بیوہ بہن ہوں۔ میں فاتح امیر عمادالدین زنگی
وصل کو سلام پیش کرتی ہوں"۔ شہزادی ارسلا نے تخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
زنگی کو اپنے بھائی کے تخت پر بیٹھا ہوا دیکھ کر ارسلا کے دل کا اکیا حال ہوا ہو گا۔ اس
ا اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ مگر امیر زنگی کی پر رعب شخصیت کو دیکھ کر ارسلا بہت
ہوئی اور چند ہی لمحوں بعد اس کی نظریں جھک گئیں۔

"شاہ جوسیلین کی بہن کو امیر زنگی الرہا میں خوش آمدید کہتا ہے"۔ امیر کا لہجہ بہت نرم

"کاش میری آمد مبارک ہوتی اور میں امیر کو سروج پر قبضہ کی مبارک باد پیش کر
شہزادی کی آواز غم یا غصہ کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔

"شہزادی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ایک فریادی کی حیثیت سے ہمارے پاس آئی ہو۔
ے ہم تمہارا طنز کا اس وقت تک جواب نہیں دے سکتے جب تک تمہاری فریاد نہ سن

لیں"۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے امیر زنگی کو شہزادی کے تلخ لہجے سے تکلیف پہنچی تھی او اپنے غصہ کو دبا رہا تھا۔

"امیر محترم۔ اگر انسان کی جان پر بنی ہو تو اس کی زبان سے تلخ باتیں ہی نکلتی ہیں شہزادی نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

"مختصر الفاظ میں بتایا جائے کہ شہزادی پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

"ظلم کی داستان بیان کرنے سے پہلے گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے امیر سے سوالات کرنا چاہتی ہوں"۔ شہزادی ارسلا نے بڑے حوصلے سے کہا۔ "اگر امیر م سوالات کا جواب نہیں دینا چاہتے اور اسے اپنی سبکی سمجھتے ہیں تو میں فریاد پیش کئے بغیر اور طرف کو نکل جاؤں گی"۔

"شہزادی اگرچہ ہم تمہارے سوالات کے جواب دینے پر مجبور نہیں لیکن فریاد کسی بات کو ہم اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنائیں گے۔ تم ایک نہیں ایک سو سوال کر سکتی ہو

"امیر محترم۔ مجھے بتایا جائے کہ کیا الرہا کے قلعہ بند لشکر نے آپ کا مقابلہ نہیں تھا؟"۔

"انہوں نے کوشش کی تھی مگر شکست اٹھائی"۔

"کیا آپ نے الرہا پر قبضہ کے بعد عام معافی کا اعلان نہیں کیا تھا؟"

"ہاں ہم نے فوجیوں اور غیر فوجیوں دونوں کو معاف کر دیا تھا"۔ امیر نے وضاحت "قبضہ کے دوران شہر کی عمارتوں کو کچھ نقصان پہنچا تھا۔ ہم نے ان کی از سر نو تعمیر کر ہمارے لشکریوں نے رعایا کا سامان لوٹ لیا تھا۔ وہ سب انہیں واپس کیا گیا۔ ہم نے مسلموں سے درخواست کی وہ الرہا میں پہلے کی طرح امن و امان سے رہیں۔ ان پر جو سیلین کا لگایا ٹیکس ہم نے نصف کر دیا۔ اس کے علاوہ الرہا کی خوبصورتی میں چار چا دیئے"۔

انکل فیرو اب تک ادھر ادھر نظریں گھما کر دربار کی شان و شوکت دیکھ رہے تھے شاہ جو سیلین کے وقت میں بھی الرہا کئی بار آچکے تھے مگر آج اس کی شان دیکھ کر ا آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ شہزادی ارسلا اور امیر زنگی کی باتیں وہ خاموشی سے سنتے تھے مگر اب وہ شاید ضبط نہ کر سکے اور جیسے امیر خاموش ہوئے انکل فیرو کی آواز سے گونج اٹھا۔

"اے فاتح امیر۔ میں انکل فیرو آپ کو الرہا کی فتح پر مبارک باد پیش کرتا ہوں"۔ فیرو کی آواز پر تمام دربار اسے دیکھنے لگا مگر شہزادی ارسلا کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ خوفزدہ

تھا انکل فیرو اپنی الٹی سدھی باتوں سے بنتی ہوئی بات کو بگاڑ نہ دیں۔

شہزادی ارسلا نے فوراً دخل دیا۔ "امیر محترم انکل فیرو میرے بزرگ ہیں۔ مجھے انہوں ا رہیں کھلایا ہے۔ براہ کرم آپ ان کی بات کا برا نہ منائیں۔ میں پہلے سے معافی ہوں"۔

"فکر کی ضرورت نہیں شہزادی"۔ امیر نے اطمینان سے کہا۔ "بزرگ سب کے لئے ہوتے ہیں تمہارے انکل نے بات شروع کر دی ہے۔ وہ جو کہنا چاہتے ہیں انہیں ۔ ہمیں ان کی کوئی بات ناگوار نہیں ہو گی"۔

"اے شاہ الرہا"۔ انکل فیرو نے بات اچک لی۔ "یہی بات مجھ سے فرشتوں نے کہی س وقت ہم لوگ سروج سے چلے تھے تو ہمارا رخ ریاست انطاکیہ کی طرف تھا مگر نے پہلی منزل پر ارسلا کو بتایا کہ یہاں سے ایک راستہ الرہا کو بھی جاتا ہے اور پھر ہم جانے کے بجائے الرہا آگئے"۔

"بزرگ انکل"۔ امیر نے شہزادی کے بجائے انکل میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ "کیا ہیں بتائیں گے کہ آپ نے سروج کیوں چھوڑا اور انطاکیہ کیوں جانا چاہتے تھے"۔

"اے شاہا"۔ اور انکل بڑے بے تکلفی سے ہی ہی ہی کر کے ہنسے۔ شہزادی ارسلا کا ل گیا۔ پھر انکل فیرو خود ہی سنجیدہ ہو کے بولے۔ "بھلا جہنم میں بھی کوئی رہنا پسند ہے۔ آپ کے سالار نے سروج کو جہنم سے بھی بدتر بنا دیا ہے تمام لوگوں کی جمع پونجی ا ہے ہمارے محل پر قبضہ کر کے تمام زیورات اور نقدی لے لی۔ پھر ہمیں محل سے ا دیا گیا سروج میں رہتے تو جان اور عزت کی بھی قربانی دینا پڑتی"۔

یر کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔ "انکل سروج کے لشکر نے ج کا کتنے روز تک مقابلہ کیا تھا"۔

گر اس وقت تک انکل فیرو کا رخ امیر زنگی کی طرف سے گھوم گیا تھا اور وہ امیر کے ا کی کمر سے لگی ہوئی تلواروں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ شہزادی ارسلا نے انکل کو کہ وہ امیر کی بات کا جواب دیں۔ انکل نے چونک کے ارسلا کو دیکھا پھر مسکرا کے بولے۔ "اے الرہا کے فاتح۔ مجھے آپ کے سردار کی کمر میں تلواریں دیکھ کے ے بادشاہ کا قول یاد آرہا ہے۔ آپ سننا پسند کریں تو عرض کروں۔

امیر کے سوال کا جواب نہ تھا۔ شہزادی ارسلا بھی گھبرا گئی مگر امیر مسکرا دئے۔

اجازت ہے انکل۔ جو کہنا چاہیں آپ کہہ سکتے ہیں"۔

ل سے ثابت ہوا کہ آپ بھی ایک بڑے بادشاہ ہیں"۔ انکل فیرو اپنی دھن میں

بولے۔ "مگر ہر بڑے بادشاہ کا فرض ہے کہ زمانہ قدیم کے بادشاہوں کے اقوال کو یاد
اور اس پر عمل کرے۔ میں جس بادشاہ کا ذکر کر رہا ہوں اس نے ایک موقعہ پر کہا تھا
بادشاہ کسی معرکہ میں شکست نہیں کھاتا جس کے سردار اپنے کمر میں تلوار باندھتا
ہوں اور اپنی تلوار کو سلیقے سے استعمال کرنا بھی جانتے ہوں ورنہ تلوار کا غلط استعمال
کے ساتھ ساتھ بادشاہ کو بھی لے ڈوبتا ہے ------"۔

انکل فیرو نے اپنی طرف سے بات پوری کہہ دی تھی مگر امیر زنگی شاید ان
سے کچھ اور سننا چاہتے تھے۔ ادھر انکل فیرو کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی بات کو تمام
چھوڑ کے ایک بار پھر دربار کی سجاوٹ کو دیکھنے میں منہمک ہو گئے تھے۔ شہزادی ایک
الجھن میں پھنس گئی تھی۔ امیر زنگی انکل فیرو کی طرف مخاطب تھے اور انکل فیرو کا
دربار کی آرائش میں لگا ہوا تھا۔

شہزادی ارسلا نے جرات کی اور امیر کو اپنی طرف مخاطب کیا۔ "امیر عالی مقام
کے فوجی دستوں کے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سروج نہ کوئی فوجی چھاؤنی
نہ وہاں شاہی خزانہ ہے جس کے لئے تلوار اٹھائی جاتی۔ سروج کی کچی فصیل کے
نے مسلم فوج کی آمد کی خبر سن کے صدر دروازہ ضرور بند کر لیا تھا مگر جب مجھے اطلاع
میں شہر کے معززین کے ساتھ فوراً دروازہ کھلوا کر آپ کے سالار کے استقبال کے
نکلی اور انہیں سروج میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے مجھ سے خزانہ کی
مانگیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ سروج میری جاگیر ہے یہاں کسی قسم کا خزانہ نہیں
سالار نے مجھے تمام قیمتی سامان اور زیورات حوالے کرنے کا حکم دیا۔ میں نے فوراً
ان کے حوالے کر دیا مگر لشکریوں نے گھروں میں گھس کر عورتوں سے زیورات
اور قیمتی اشیاء پر قبضہ کر لیا۔ صرف عزت و آبرو بچ رہی تھی جب اس پر بھی ڈاکہ
خطرہ پیدا ہوا تو انطاکیہ کا بہانہ کر کے سروج سے نکلی اور اس وقت آپ کے سامنے
کی حیثیت سے حاضر ہوں"۔

امیر موصل نے ایک طویل ٹھنڈی سانس لی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے
کے بیان سے سخت صدمہ ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اس نے
سے کام لیا اور ٹھنڈے لہجے میں بولا۔ "شہزادی تمہارے بیان پر یقین نہ کرنے کی
نظر نہیں آتی مگر ابھی یہ بیان یک طرفہ ہے۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ مجرم کو بھی
موقعہ دیا جائے"۔ پھر امیر نے شیر کوہ سے کہا۔ "اسدالدین اسی وقت فوج کا ایک
کر سروج جاؤں اور بلوکتش کو گرفتار کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اگر وہ سر

تو تم اس کا سر لے کر ہمارے پاس آؤ گے"۔
اسدالدین شیر کوہ نے تعمیل کے لئے سر جھکا دیا۔
امیر زنگی نے شہزادی ارسلا سے کہا۔ "شہزادی یقین رکھو تمہارے ساتھ پورا پورا
انصاف کیا جائے گا۔ مجرم کے آنے تک تم لوگ ہمارے مہمان ہو۔ اس کے آتے ہی فیصلہ
ہمارے سامنے ہی ہو گا"۔

"میں الرہا کے انصاف پسند امیر کا شکریہ ادا کرتی ہوں"۔ شہزادی نے دل کی گہرائیوں
سے اظہار تشکر کیا شہزادی ارسلا اور اس کا ساتھیوں کو مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ انکل
کو شہزادی ارسلا ہاتھ پکڑ کے کھینچتی ہوئی دربار سے اپنے ساتھ لائی۔ انکل فیرو دربار کی
خوبصورتی میں ایسے الجھ گئے تھے کہ انہیں کسی اور بات کی خبر نہ ہوئی تھی۔
شیر کوہ بڑی برق رفتاری سے سروج پہنچا۔ اس وقت کافی رات ہو چکی تھی۔ شیر کوہ
بے جھجک شہزادی ارسلا کے محل پر پہنچ گیا۔ محل کے باہر زنگی سپاہیوں کا پہرہ تھا اور ان میں
سپاہی اسدالدین شیر کوہ کو نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ اس کے مرتبہ سے بھی واقف تھا۔ ہر
ایک نے اسے جھک کے سلام کیا اور راستہ دے دیا۔ شیر کوہ نے اپنے دستہ کو باہر چھوڑ دیا
صرف پانچ سپاہیوں کو لے کر محل میں دندناتا ہوا گھس گیا۔ محل کے بڑے کمرے میں
رقص و سرور کی محفل گرم تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ بلوکتش میر محفل بنا
ان میں بیٹھا تھا اور دوست غلام دائیں بائیں براجمان تھے۔ شیر کوہ اچانک داخل ہوا
اسے دیکھ کے سب کا [illegible] چہرے پھیکے پڑ گئے۔

بلوکتش گھبرا کے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھی بھی مودب ہو گئے۔ "سردار شیر کوہ میں
آج میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مگر آپ اچانک کیسے آ گئے۔ آقائے محترم خیریت
سے تو ہیں"؟

"بلوکتش۔ میں ناگوار فرض ادا کرنے آیا ہوں"۔ شیر کوہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔
"ضرور فرض ادا کیجئے سردار۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" بلوکتش شیر کوہ
کے تیور دیکھ کر سہم گیا تھا۔
"تمہیں میرے ساتھ الرہا چلنا ہے"۔
"سردار کیا یہ آپ کا حکم ہے؟" بلوکتش اب سنبھل چکا تھا۔ شیر کوہ کے ساتھ چار
آدمیوں کو دیکھ کر وہ مطمئن بھی ہو گیا تھا اور اس کی فطری خود سری عود کر آئی تھی۔
"اگر میں کہوں کہ یہ میرا حکم ہے ------؟" شیر کوہ نے اسے ٹٹولا۔
"تو میں یہ حکم ماننے سے انکار کر دوں گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں امیر کے

ان دستوں کا سالار ہوں جنہیں سروج پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔"

"سروج پر قبضہ کے لئے بھیجا گیا تھا یا شراب اور عشرت کی محفلیں سجانے؟" شیرکوہ کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"سردار شیرکوہ۔ میں اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہوں۔ آپ کو میرے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں۔ امیر کو میں خود جواب دے لوں گا———" یہ کہتے ہوئے **یارکتش** کا ہاتھ قبضہ شمشیر پر پہنچ گیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ **یارکتش** خواجہ سرا ہونے کے باوجود بڑا ماہر شمشیرزن اور شہسوار تھا۔ میدان جنگ میں وہ ننگی تلوار لے کر امیر زنگی کے خیمے کے گرد رات بھر پہرہ دیتا تھا۔ امیر زنگی کے دل میں اس لئے اس کی اتنی قدر تھی۔ امیر زنگی کے مصاحبین اور دوسرے سردار خود کو **یارکتش** کے سامنے بے بس محسوس کرتے تھے۔

شیرکوہ کا ہاتھ بھی شمشیر پر پہنچ گیا مگر اس نے رفع شر کے لئے کہا۔ "**یارکتش**۔ جواب تو تمہیں امیر ہی کو دینا ہوگا اور اسی لئے آقا نے تمہیں الرہا طلب کیا ہے۔"

امیر اور آقا کا نام سن کر **یارکتش** کو پسینہ آگیا۔ اس نے جلدی سے قبضہ شمشیر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "آقا نے طلب کیا ہے تو مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ رات آدھے سے زیادہ گزر چکی ہے۔ صبح ہوتے ہی ہم الرہا روانہ ہو جائیں گے۔"

"میں صبح ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہیں اس وقت چلنا ہوگا۔" شیرکوہ نے حکم صادر کر دیا۔

"اور اگر میں انکار کروں"۔ غلام نمک حرامی پر اتر آیا۔

"میں حکم سے مجبور ہوں **یارکتش** تم سرکشی کرو گے تو تمہارا سر اتار کے امیر کے پاس لے جاؤں گا میرے لئے یہی حکم ہے"۔ پھر اس نے ساتھ آنے والے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "**یارکتش** کو گرفتار کر لو"۔

شیرکوہ کی زبان سے الفاظ نکلتے ہی سپاہیوں نے تلوار سونتیں اور اور **یارکتش** کے گرد حلق بنا لیا۔ **یارکتش** کے حواس جاتے رہے۔ اس کے دوستوں نے اٹھ کے بھاگنا چاہا مگر شیرکوہ نے انہیں ڈپٹ دیا۔

"کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہیں۔ محل کو میرے سواروں نے گھیر رکھا ہے۔ جو باہر نکلے گا قتل ہو جائے گا"۔

یارکتش اور اس کے دوستوں کی رہی سہی امید کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ انہوں نے اسی میں بہتری سمجھی کہ خود کو چپ چاپ شیرکوہ کے حوالے کر دیں۔

یارکتش گڑگڑایا۔ "سردار محترم۔ میں جانے سے انکار تو نہیں کیا۔ آپ مجھے گرفتار

سمجھئے۔ میں امیر کا ایک عزت دار خادم ہوں۔"

"میں امیر کے حکم سے تم لوگوں کو گرفتار کر رہا ہوں"۔

"مگر میرا کوئی قصور؟"

"مجھے صرف تمہیں گرفتار کر کے لانے کا حکم دیا گیا ہے"۔

شیرکوہ کے سپاہیوں نے **یارکتش** اور اس کے ساتھیوں کی مشکیں کس لیں۔ ناؤ نوش محفل اجڑ گئی ساقی لڑکیاں اور رقاصائیں بھاگ کر ادھر ادھر چھپ گئی تھیں۔ شیرکوہ ان کو گرفتار کر کے باہر آیا اس وقت تک **یارکتش** کے ساتھ آنے والے دستوں کے ار محل کے سامنے جمع ہوگئے تھے۔ شیرکوہ نے ان میں سے ایک کو سروج کی ذمہ داری اور گرفتار شدہ لوگوں کو گھوڑوں پر سوار کرا کر ایک ایک آدمی ان کے پیچھے بٹھا دیا پھر کے آخری پہر شیرکوہ اپنا فرض ادا کر کے الرہا کی طرف واپس جا رہا تھا۔

الرہا میں خواجہ سرا **یارکتش** اور اس کے ساتھی غلاموں کو امیر زنگی کے سامنے پیش کیا۔ دربار عام کھچا کھچ بھرا ہوا تھا شہزادی ارسلا۔ شہزادی کیٹ اور انکل فیرو بھی موجود شرع کے تقاضے پورے کرنے کے لئے امیر زنگی ہر مہم پر اپنے ساتھ ایک قاضی رکھا تھا۔ جس قاضی کو الرہا کا قاضی شہر مقرر کیا گیا تھا۔ وہ اس وقت امیر زنگی کے دائیں ایک چھوٹے تخت پر بیٹھا تھا۔ معززین شہر کے علاوہ دربار میں امیر زنگی کے دو بیٹے نورالدین اور شہزادہ قطب الدین مودود بھی حاضر تھے۔ شہزادہ قطب الدین بھائیوں میں سے چھوٹا تھا اور ابھی اس کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ مگر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ صاحب دل اور حسن پرست واقع ہوا ہے۔ امیر زنگی کا مزاج بہت برہم تھا مگر شہزادہ عالم میں بھی لوگوں کی نظریں بچا کر کمسن شہزادی کیٹ کو کئی بار دیکھ چکا تھا مگر دیدار سے اس کا جی نہ بھر رہا تھا۔

شہزادی کیٹ ابھی حسن و عشق کے بکھیڑوں سے واقف نہ تھی مگر جب ایک بار اس کی شہزادی قطب الدین سے اتفاقیہ مل گئیں تو اس کے دل میں ہلکی گدگدی پیدا ہوئی۔ جی چاہا کہ وہ شہزادے کو پھر دیکھے۔ شہزادہ نورالدین اور شہزادہ قطب الدین امیر کے بالکل پاس کھڑے تھے اس سے شہزادی کیٹ نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اگر شہزادے ہوں تو ان کا تعلق امیر زنگی کے خاندان سے ضرور ہے۔ شہزادہ قطب الدین اور کیٹ کی پریشاں نظری اور نگاہوں کا ٹکراؤ جاری تھا کہ امیر زنگی کی آواز یوں گونجی ار میں شیر دہاڑتا ہے۔

"او بدبخت۔ نظریں اٹھا کے ان معصوم ہستیوں کو دیکھ جن پر تو نے ظلم توڑے ہیں"۔

گرجدار آواز سے دربار کے در و دیوار لرز اٹھے۔

ہار کتش اور اس کے ساتھی پابہ زنجیر امیر کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ ان کی نظر
زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ پورے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ امیر زنگی کی آواز پر انہوں
سر اٹھانا چاہا مگر ندامت اور خوف نے انہیں نظریں بلند کرنے سے باز رکھا۔

"اولقمناجل"۔ امیر زنگی کو طیش آگیا۔ "تو اب تک خاموش ہے۔ اپنے جرم
اقبال بھی نہیں کیا۔

ہار کتش نے اپنے آقا کی گونجتی آواز کے درمیان میں ایک جھرجھری لی اور گڑگڑا
زنجیروں کے ساتھ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ "میرے آقا۔ میرے مالک مجھے معاف
دیجئے۔ میں آپ کا مجرم ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے زندگی کی بھیک عطا کر دیجئے۔
پر رحم کیجئے آقا۔ صرف ایک موقعہ اور دیجئے۔"

"اے کم ظرف خانہ زاد۔ میں تجھ پر رحم کروں۔ معاف کردوں تجھے۔" امیر
خواجہ سرا کو نفرت سے دیکھا۔ "میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اگر سروج والے بغیر مقابلہ
ہتھیار ڈال دیں تو عام معافی کا اعلان کیا جائے اور ہر ایک کی جان و مال اور عزت و آبر
حفاظت کی جائے لیکن تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔ کیا تیرا یہی ایک جرم
موت کی سزا دینے کے لئے کافی نہیں؟"۔

"میں مجرم ہوں آقا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔" ہار کتش زمین پر پڑا۔ پچھاڑیں کھا
تھا۔

"قاضی شہر توجہ فرمایئے۔ ملزم اقرار جرم کر رہا ہے۔" امیر زنگی نے قاضی کی طر
دیکھا قاضی شہر نے اثبات میں سرہلایا۔

امیر زنگی نے ہار کتش سے سوال کیا۔ "کیا تو نے شہزادی کے قیمتی زیورات اور سا
پر قبضہ نہیں کیا۔ "مجھے سے غلطی ہو گئی آقا"

"تو نے سروج کی رعایا سے بھی زیورات اور قیمتی اشیاء نہیں چھینیں؟"

"چھینی تھیں آقا۔ خدا کے لئے رحم کیجئے۔"

"میں نے تجھے اپنا نائب بنا کے سروج بھیجا تھا مگر کیا تو نے شاہی محل میں رقص
سرور کی محفل آراستہ نہیں کی؟"۔

"میں بہک گیا تھا۔ میری آنکھیں پر پردہ پڑ گیا تھا آقا"۔

"یہ جانتے ہوئے کہ شہزادی ارسلا۔ شاہ جوسیلین کی بیوہ بہن ہے پھر بھی تو نے ا
سے گستاخی کی اور ان کے ساتھ عام لوگوں سے زیادہ بدتر سلوک کیا؟"۔

"میں خطا کار ہوں امیر۔ میری پچھلی خدمات کے عوض میری جان بخش دیجئے"۔

"تو بھول رہا ہے ہار کتش میں اپنے جاں نثاروں کی خدمات کا صلہ اپنے اوپر ادھا

نہیں رکھتا۔ تو نے بے شک ہماری خدمت کی۔ ہم سوتے تھے اور تو اپنی نیند حرام کر کے ہمارے خیمے کے باہر پہرہ دیتا تھا لیکن کیا ہم نے تجھے اس خدمت کا صلہ نہیں دیا۔ کیا تیری پچھلی خدمات کا یہ صلہ کچھ کم تھا کہ ہم نے تجھے سروج کی مہم کے لئے اپنے لشکریوں کا سالار مقرر کیا"۔

"آقا درست فرما رہے ہیں۔ اقتدار نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ میرے دل سے خدا اور امیر کا خوف نکل گیا تھا۔ مگر آقا خدا تین بار معاف کرتا ہے۔ آپ ایک بار معاف کر دیجئے۔ ہار کتش زار و قطار رو رہا تھا اور دیکھنے والوں پر بھی رقت طاری ہو گئی تھی۔

یار کتش نے دیکھا کہ امیر اسے کسی طرح معاف کرنے پر آمادہ نہیں تو اس نے ہاتھوں پڑی ہوئی زنجیروں کو اپنی پیشانی پر بے تحاشہ مارنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرہ اور پیشانی زخمی ہو گئی اور خون کے فوارے چھوٹ پڑے۔ لوگوں کے جسم خوف سے کانپنے لگے۔

امیر زنگی نے چیخ کر کہا۔ "اس نابکار کو روکا جائے۔ سزا اسے ہم دیں گے"۔

ایک غلام نے آگے بڑھ کے یار کتش کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اسے قابو میں کر لیا۔

شہزادی ارسلا کی معصوم بیٹی کیٹ دہشت کھا کر ماں سے لپٹ گئی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "ماما۔ آپ اسے معاف کر دیجئے"۔

دوسری طرف چھوٹا شہزادہ قطب الدین مودود جو تخت شاہی کے قریب کھڑا تھا وہ بے چین ہو کر امیر زنگی کی طرف جھک کر گڑگڑایا۔"

امیر بھائی خدا کے لئے یار کتش کو معاف کر دیجئے"۔

امیر زنگی نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ "تم چپ رہو مودود۔ ہم انتظامی معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ خبردار کوئی سردار سفارش کی جرات نہ کرے۔"

پورا دربار سہم کر رہ گیا۔ اس وقت شہزادی ارسلا کی آوازی ابھری۔ "اے انصاف پسند فاتح امیر میں اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کرتی ہوں"۔

تمام درباریوں کی نظریں اک دم شہزادی ارسلا کی طرف اٹھ گئیں۔ ہر نظر میں شہزادی کے لئے تحسین و آفرین کا پیغام تھا۔ اور سب ہی اس کی شرافت کے قائل ہو گئے تھے۔

"شہزادی"۔ امیر زنگی کی گرجدار آواز سنائی دی۔ "ہم تمہاری نیک نفسی اور جذبہ رحم کی تعریف کرتے ہیں مگر تم نے اپنا مقدمہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اب انصاف کرنا ہمارا کام ہے۔ تمہارے معاف کر دینے سے اس کے جرم میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی"۔

شہزادی ارسلا نے حیران نظروں سے امیر زنگی کو دیکھ کر گردن جھکالی۔ شہزادی کیٹ کی

آنکھوں سے رحم کے پھول جھڑنے لگے۔

اس وقت قاضی شہر کی تسبیح پر گھومتی ہوئی انگلی رکی اور اس نے گردن بلند کر کے امیر زنگی کو دیکھا۔ "اے امیر موصل ۔ اگر مظلوم بغیر کسی جبر کے ظالم کو معاف کر دے تو اس وقت حاکم وقت کے لئے انصاف کے دو راستے کھل جاتے ہیں۔ وہ مجرم کو سزا بھی دے سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے لیکن حاکم اگر سزا دینے کے بجائے مجرم کو معاف کر دے تو اس کا یہ فعل خدا کی نظر میں زیادہ مستحسن ہوگا اور خدا اس کو اس کا اجر دے گا۔ یہی حکم بدلہ لنے کے لئے بھی ہے اگر تم پر کسی نے ظلم کیا ہے تو تمہیں اس سے بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن اگر تم اسے معاف کر دو تو تمہارا یہ فعل خدا کی نظر میں زیادہ پسندیدہ ہوگا کیونکہ خدا کو عفو اور درگزر زیادہ پسند ہے۔"

"قابل احترام قاضی شہر۔" شہزادی ارسلا نے ہمت کر کے کہا۔ "میں اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئی ہوں۔ آپ سے سفارش کر کے اسے معاف کرا دیجئے؟"

"نیک خاتون" ۔ قاضی نے جواب دیا۔ "میں نے شرعی نکتہ امیر کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا امیر کے اختیار میں ہے۔ شرعی معاملات میں کسی کی سفارش نہیں چلتی۔"

شہزادی نے مایوس ہو کر پھر گردن جھکالی۔

امیر زنگی تذبذب میں گرفتار تھا۔ اسے یار کتش پر سخت غصہ تھا مگر قاضی شہر نے جو نکتہ بیان کیا تھا وہ بھی اس کے پیش نظر تھا وہ کوئی کٹر قسم کا مذہبی آدمی نہ تھا مگر اس کے مجاہدانہ کارناموں کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے کہ عام مسلمانوں کو اس کے خلاف حرف گیری کا موقعہ ملے کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"اس کم بخت غلام نے میرے وقار کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ الرہا پر قبضہ کے دوران ہونے والے نقصانات کا میں نے تدارک کر کے نصرانیوں کو مطمئن کر دیا تھا لیکن اس بدنہاد نے سروج کے عبادت خانوں کی طلائی صلیبوں کو ضبط کر کے میرے منہ پر ایسا طمانچہ مارا ہے جس کا داغ عرصے تک نہ مٹ سکے گا مگر میں قاضی شہر کے شرعی نکتے کی وضاحت سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔" پھر امیر نے زمین پر ایڑیاں رگڑتے یار کتش کی طرف دیکھا۔ جا اے نامراد میں نے اپنے خدا کی خوشنودی کے لئے تیری جاں بخشی کی"۔

درباریوں میں پھر تحسین و آفریں کا غلغلہ اٹھا۔ یار کتش کی ذلیل حرکتوں کے باوجود اس کی موجودہ حالت کو دیکھ کر لوگوں کو اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ امیر کے فیصلے کو سب نے پسند کیا۔ قاضی شہر نے بھی پسندیدہ نظروں سے امیر کو دیکھا۔ شہزادی ارسلا کو اس قدر خوشی ہوئی وہ اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ دوسری طرف شہزادی کیٹ نے بڑے معصومانہ

انداز میں تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ انکل فیرو نے ارسلا کا ہاتھ پکڑ کے اسے بٹھا لیا اور سرگوشی کی۔ "ارسلا۔ امیر موصل نے اگرچہ اپنے غلام کو معاف کر کے درباریوں کے دل جیت لئے ہیں مگر ظالم کو سزا ضرور ملنی چاہئے تھی۔ یہ ظالم زہریلا سانپ ہے جو کسی وقت بھی کسی کو ڈس سکتا ہے"۔

"آپ دخل نہ دیجئے انکل"۔ شہزادی نے آہستہ سے کہا۔ "غلام کی حالت آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس پر قیامت گزر رہی ہے اور آپ کو ذرا رحم نہیں آتا"۔

"دشمن کو قطعی معاف نہیں کرنا چاہئے۔ یہ غلام کھلا ہوا دشمن ہے۔" انکل فیرو نے برا سا منہ بنایا۔

"کس کا دشمن ہے وہ۔ امیر نے اسے معاف کر دیا اگر غیرمند ہے تو کبھی میرے منہ نہیں آئے گا"۔

"تم نہیں جانتیں شہزادی۔ اس خصلت کے لوگ احسان فراموش ہوتے ہیں ۔ امیر نے اسے چھوڑ کے غلطی کی"۔

"پتہ نہیں آپ کس دنیا کی باتیں کر رہے ہیں۔" یہ کہہ کر شہزادی ارسلا نے انکل فیرو کی طرف سے منہ گھما لیا۔

انکل فیرو ہی ہی کر کے خاموش ہو گئے۔

یار کتش کو طوق و سلاسل سے آزاد کر دیا گیا۔ اس نے لانبے کرتے کے دامن سے اپنا چہرہ صاف کیا اور سر جھکا کے کھڑا ہو گیا اس کے شریک کار غلاموں کو بھی چھوڑ دیا گیا۔

امیر موصل نے دوسرا حکم صادر کیا۔ "سردار شیر کوہ کو سروج کا فوجی گورنر مقرر کا جاتا ہے۔ یہ اس وقت تک سروج میں مقیم رہیں گے جب تک وہاں کے حالات معمول پر نہیں آجاتے۔ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ سروج چھوڑ کے جانے والوں کو امن واماں کا یقین دلا کر واپس لائیں اور ان کے تمام نقصانات کا ازالہ کریں۔ سروج کی جاگیر بدستور شہزادی ارسلا کے پاس رہے گی۔ وہاں کی آمدنی کا حساب شیر کوہ کے پاس ہوگا اور امن و امان ہو جانے کے بعد جب شہزادی اپنی جاگیر میں واپس جانا پسند کریں گی انہیں معہ متعلقین کے عزت کے ساتھ وہاں پہنچایا جائے گا——"

"اے بادشاہ ۔ اے امیر" ۔ انکل فیرو نے بڑے ڈھنگے پن سے امیر کی بات کاٹ دی مگر امیر بجائے ناراض ہونے کے مسکرا دیا۔

"انکل کیا کہنا چاہتے ہیں"؟ امیر کی مسکراہٹ قائم تھی۔

"میں سروج واپس نہیں جاؤں گا امیر"۔ انکل نے بڑی بے باکی سے کہا۔

"کیوں۔ کیا شہزادی تمہیں آرام سے نہیں رکھتیں؟"۔ امیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آرام سے میں خود نہیں رہنا چاہتا امیر۔ میں اپنی باقی زندگی میدان جنگ میں گزاروں گا"۔ پھر فوراً" شہزادی کی طرف پلٹ کے بولے۔ "ارسلا تم کچھ غم نہ کرنا۔ میں امیر کے لشکر میں فوجی خدمات انجام دوں گا پھر جب تمہیں میرے شہید ہونے کی خبر ملے تو میری لاش لینے آجانا"۔

سب لوگ انکل فیرو کی بے تکی مگر دلچسپ باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔

امیر زنگی نے انکل کی بات مان لی ۔"انکل کی خواہش پوری ہو جائے گی"۔

اس وقت شہزادی کیٹ دوڑ کے انکل فیرو سے لپٹ گئی۔ "انکل آپ مجھے چھوڑ رہے ہیں رات کو میری دیکھ بھال کون کرے گا؟"۔

شہزادی کیٹ بچپن ہی سے انکل فیرو کے کمرے میں ان کی مسہری سے مسہری ملا کے سونے کی عادی تھی کیٹ کو بہت خواب آتے تھے اور وہ اکثر ڈر جایا کرتی تھی۔ شہزادی ارسلا کے شوہر کا جس وقت انتقال ہوا تھا اسی وقت انکل فیرو نے کیٹ کو سنبھال لیا تھا۔

انکل نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کے آہستہ سے کہا۔ "پریشان نہ ہو بیٹی۔ مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تو اسی باغ کی ایک کلی ہے"۔

"انکل----" شہزادی ارسلا جھلا گئی۔ "یہ امیر زنگی کا دربار ہے ۔ آپ بچی سے کیسی باتیں کر رہے ہیں"؟

انکل فیرو نے سنی ان سنی کر دی مگر ان کی نظریں پورے دربار کا جائزہ لیتی ہوئی چھوٹے شہزادے قطب الدین مودود پر آکر رک گئی تھیں۔ یارکتش اور اس کے ساتھیوں کی صرف جاں بخشی ہوئی تھی۔ ان کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ دربار کے ایک محافظ نے یارکتش وغیرہ کو باہر پہنچا دیا۔ امیر زنگی نے شہزادی ارسلا کے لئے ایک محل خالی کرنے کا حکم دیا جہاں شہزادی کو اس وقت تک مقیم رہنا تھا جب تک سروج کے حالات درست نہیں ہو جاتے۔

دربار سے اٹھ کے جب شہزادی اور انکل فیرو مہمان خانے میں واپس آئے تو شہزادی ارسلا نے ذرا ناگوار انداز میں کہا۔ "انکل آپ وقت اور موقعہ نہیں دیکھتے بس بولنا شروع کر دیتے ہیں وہ تو اچھا ہوا کہ امیر کو آپ کی بات ناگوار نہیں گزری ورنہ لینے کے دینے پڑ جاتے"۔

انکل فیرو بے ڈھنگے پن سے ہی ہی کر کے ہنسے پھر بولے۔ "ارسلا ۔ وقت اور موقعہ وہ لوگ دیکھتے ہیں جن کے دل کالے ہوتے ہیں۔ انہیں بات کرتے خوف آتا ہے۔ امیر زنگی میری باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ تم کیوں گھبرا گئیں"۔

"انکل غضب کرتے ہیں آپ" ارسلا کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "بھرے دربار میں آپ نے

ن سے کہہ دیا کہ تو اسی باغ کی کلی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے آپ کا کیا مطلب تھا"۔

"میں نے ٹھیک کہا تھا ارسلا" انکل فیرو کو جلال آگیا---- "دیکھو۔ دیکھو۔ کیٹ کی ن دیکھو۔ کیا تمہیں اس کے سر پر شاہی تاج نظر نہیں آرہا ہے ؟"

"تاج!" ارسلا نے حیرانی سے بولی۔ "کیسا تاج کہاں کا تاج۔ کیا کہہ رہے ہیں ہ"

ل فیرو اس وقت شہزادی کیٹ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ارسلا کو جواب دینے کے بجائے وں نے کیٹ سے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا "کیٹ بیٹی۔ آج ہمارے گھر ایک مہمان ا ہے تم اس کی خوب خاطر کرنا؟"

شہزادی ارسلا نے سر پکڑ لیا۔ "انکل بچی سے آپ کیا فضول باتیں کر رہے ہیں گھر بار ارا اجڑ چکا ہے۔ ہم خود دوسروں کے مہمان ہیں۔ ہمارے پاس کون مہمان آئے گا؟"۔

مگر انکل فیرو کھی کھی اور ہی ہی کرتے باہر چلے گئے۔ ارسلا نے شہزادی کو سمجھایا۔ ی تو ان کی باتوں کا اعتبار نہ کیجئو۔ نہ معلوم کہاں کی دون تین ہانکنے لگتے ہیں"۔

شہزادی کیٹ بیچاری کی سمجھ میں کیا آتا۔ اس نے انکل فیرو کی کسی بات پر سنجیدگی سے ی نہیں کیا تھا۔ جس طرح انکل فیرو اسے ایک کھلونا سمجھ کر ہر وقت ادھر ادھر کھینچتے ے تھے بالکل اسی طرح کیٹ بھی انہیں ہجولی سمجھتی اور ان کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ ی ارسلا ضرور انکل فیرو کی بات پر کچھ کھٹک گئی تھی۔

امیر عماد الدین زنگی کے کئی اولادیں تھیں۔ بڑا بیٹا سیف الدین غازی عام طور سے ل میں رہتا تھا دوسرا بیٹا نورالدین زنگی اپنے باپ کے رنگ پر تھا۔ وہ ہر محاذ پر باپ کے ھ رہتا تھا۔ جنگوں میں بھرپور حصہ لیتا مگر اس نے اب تک کوئی ایسا کارنامہ انجام نہ دیا ہ امیر کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی آیا ہو۔ امیر کا تیسرا بیٹا قطب الدین مودود اپنے ے بھائیوں سے شجاعت اور اہلیت میں کسی طرح کم نہ تھا مگر جنگ و جدل کے بجائے اس زیادہ توجہ سیر و شکار اور فنون لطیفہ کی طرف تھی۔ امیر زنگی اکثر اسے اپنے ساتھ جنگ پر جاتا مگر وہ باپ سے شکار کا بہانہ کر کے ادھر ادھر نکل جاتا اور سیر و شکار اور مناظر ت سے دل بہلایا کرتا ۔ قطب الدین مودود کی عمر سترہ برس ہو چکی تھی مگر اس کی ل بالکل بچوں جیسی تھیں۔ وہ ایک اچھا شکاری تھا مگر دل میں رحم کا جذبہ ایسا موجزن ہ اکثر شکار اس کے قریب سے نکل جاتا اور اس کا دل ترکش سے تیر نکالنے کو نہ چاہتا ی وجہ تھی کہ جس وقت یارکتش نے خود کو زنجیروں سے زخمی کر لیا تو اس نے امیر اس کی سفارش کی تھی۔

بادشاہت یا امارت موروثی نہیں ہوتی۔ ادھر تخت خالی ہوا ادھر شہزادوں میں زور

آزمائی شروع ہوگئی۔ خوب خوب خانہ جنگی ہوتی اور آخر جس میں زیادہ طاقت ہوتی وہ تخت و تاج پر قبضہ کرلیتا۔ کسی بادشاہ کے کئی اولادیں ہوتیں تو یہ رسہ کشی بہت پہلے شروع ہو جاتی تھی۔ امیر زنگی کے بھی تین بیٹے زیادہ نمایاں تھے امیر کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہو چکی تھی اس لئے امیر کے سرداروں نے در پردہ تینوں شہزادوں کی ہمدردیاں اپنے اپنے خیال کے مطابق حاصل کرنا شروع کر دی تھیں۔ شہزادے یوسف الدین غازی اور نورالدین زنگی کا نام زیادہ نمایاں تھا اس لئے بیشتر سردار ان کے گرد چکر لگاتے تھے شہزادہ قطب الدین خاموش طبیعت اور مناظر قدرت کا شیدائی تھا۔ اس لئے امراء اور سردار اس کی طرف کم ہی توجہ دیتے تھے مگر امرا کے جواں عمر بیٹے شہزادہ مودود کو زیادہ پسند کرتے تھے اور شہزادہ ان کی صحبت میں کھل کے بات کیا کرتا تھا۔

شہزادی ارسلا کو اپنے متعلقین کے ساتھ امیر زنگی کے دیئے ہوئے محل میں آئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ وہ امیر کے مشفقانہ رویے سے پوری طرح مطمئن تھی۔ انکل فیرو اور شہزادی کیٹ کا الرہا ایسا جی لگا تھا کہ وہ سروج کو بالکل ہی بھول گئے تھے انکل فیرو نے شہزادی ارسلا سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر ارسلا نے سروج جانے کا فیصلہ کیا تو وہ شہزادی کیٹ کے ساتھ الرہا میں رہے گا یا پھر موصل چلا جائے گا۔ شہزادی ارسلا۔ انکل فیرو کی باتوں کو محض مذاق سمجھ کر ہنسی اڑا دیتی تھی۔ اسی دوران اس کے محل کے دربان نے ایک صبح کو اندر آکر اطلاع دی کہ ایک خوبرو مسلم جوان شہزادی ارسلا سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ شہزادی ارسلا کے الرہا میں کسی سے تعلقات نہ تھے۔ بعض عیسائی گھرانوں سے وہ واقف تھی۔ لیکن اس نے ان سے ملنے کی کوشش نہ کی تھی۔ اب ایک مسلمان کے اس طرح ملاقات کے لئے آنے سے وہ پریشان ہوگئی۔

انکل فیرو دوسرے کمرے میں تھے شہزادی ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ انکل فیرو آگئے۔ شہزادی کو پریشان دیکھ کے وہ چونکے۔ مسکرا کے بولے۔ "انکل تم پر قربان ارسلا۔ یہ منہ سکھائے کیوں بیٹھی ہو؟"۔

"شہزادی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر پہلے انکل فیرو کو دیکھا پھر اس کے نظریں دربان پر آکر رک گئیں جو شہزادی کے جواب کے لئے اب تک سرجھکائے کھڑا تھا۔ انکل فیرو نے بھی سر گھما کر دربان کو دیکھا۔ "ہوں۔ تمہاری افسردگی کی وجہ یہ دربان ہے؟"

شہزادی نے زبان سے بولنے کے بجائے انکل کو اس طرح دیکھا جس سے انکل کے خیال کی تصدیق ہوتی تھی۔

"خیر تم نے روزہ رکھا ہے تو مت بولو۔" یہ کہتے ہوئے انکل فیرو نے بڑھ کے دربان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ذرا بتاؤ تو تم نے ہماری شہزادی کو کیوں افسردہ کیا؟"

"انکل ۔ ایک جوان شہزادی ارسلا سے ملاقات کے لئے آیا ہے۔" دربان نے اپنی ت دہرائی۔

"جوان!" انکل نے کان کھڑے کیئے "جوان۔ شاہی خاندان۔ سے اس کا تعلق ہے ؟"

"میں نہیں جانتا انکل میں نے اس کا نام بھی نہیں پوچھا دربان نے معصومیت سے کہا

"ٹھیک ہے تم اسے نہیں جانتے۔ مگر یہ وہی ہے وہی شہزادہ ۔ اس کا تو میں کئی دن ے انتظار کر رہا ہوں" یہ کہتے ہوئے انکل فیرو تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھے۔

"کیا غضب کر رہے ہیں آپ؟" ارسلا دوڑ کے ان کے سامنے آگئی۔ "انکل ۔ ہم ں وقت امیر زنگی کے مہمان ہیں اور ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس صورت میں کسی لم جوان سے ہماری ملاقات خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ امیر زنگی کی جاسوسی کا محکمہ بہت شیار ہے۔"

انکل فیرو نے شہزادی کو آہستہ سے اپنے آگے سے ہٹایا۔ "پریشان کیوں ہوتی ہو۔ یہ یک ہے کہ ہم مہمان ہیں مگر گھر پر آئے مہمان کو ٹالا تو نہیں جا سکتا"۔

"انکل۔ سوچ لیجئے۔ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں ہم؟"

"آنے والا ہمارے لئے رحمت کا پیغام لایا ہے"۔

"مگر وہ ہے کون۔ آپ جانتے ہیں اسے؟" شہزادی ارسلا اب تک گھبرا رہی تھی۔

میں نے اسے ایک بار دربار میں دیکھا ہے۔ شاید وہی ہے۔" اور انکل فیرو دروازے نکل گئے۔ دربان بھی ان کے ساتھ ساتھ باہر چلا گیا۔

انکل فیرو ایک اجنبی جوان کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ انہوں نے جس ہستی کا تصور ہ رکھا تھا یہ جوان اس سے بالکل مختلف تھا۔

"میرا نام انکل فیرو ہے۔" انکل نے خود اپنا تعارف کرایا۔

"انکل فیرو!" آنے والے نے تعجب سے دیکھ۔ "میں نے آپ کو دیکھا تو نہیں مگر ب ضرور سنی ہے" اس نے بڑے مہذب انداز میں جواب دیا۔

انکل فیرو کا اندازہ غلط ہو گیا تھا اس لئے وہ چڑے ہوئے تھے۔ اکھڑے لہجے میں لے۔ "میری تعریف کے بجائے اپنے آنے کا مقصد بیان کرو جوان؟"

"میں شہزادی ارسلا سے ملنا چاہتا ہوں"۔

"دیکھو جوان۔ غیر ضروری باتیں سننا پسند نہیں کرتا۔" انکل کا لہجہ اور زیادہ کھردرا ہو "تم اپنی بات کی وضاحت کرو۔ کون ہو۔ کیا نام ہے۔ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔ پہلے

کبھی ملے ہو اس سے، کب سے جانتے ہو اسے؟"

جوان اتنے سوال سن کر گھبرا گیا۔ "محترم انکل۔ میرا نام زردار بیگ ہے۔ میرے والد نصیر الدین جعفر اس وقت دارالسلطنت موصل میں امیر عمادالدین زنگی کے نائب کی حیثیت سے فائز ہیں"۔

"ہم تم سے یا تمہارے والد صاحب سے بالکل واقف نہیں۔" انکل اور زیادہ اکڑ گئے۔ "جب ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں تو پھر ملاقات کا مقصد کیا ہے۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ ہم امیر زنگی کی پناہ میں ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر کسی غیر شخص سے نہیں مل سکتے؟"۔

"انکل یہ ملاقات پوشیدہ بھی تو رکھی جا سکتی ہے" زردار بیگ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہرگز نہیں جوان۔ انکل تقریباً چیخ پڑے۔ "ہم احسان فراموش نہیں۔ اپنے مہماز میزبان کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔"

"آپ ناراض ہو رہے ہیں انکل" زردار بیگ نے بے دلی سے کہا۔ "میرا خیال تھا ک شہزادے سے مل کے آپ لوگ ضرور خوش ہوں گے مگر آپ ملاقات کرنے پر آمادہ نظ نہیں آتے"۔

"شہزادہ۔ کون شہزادہ۔ تم نے ابھی اپنے والد کا کچھ اور نام بتایا تھا۔" انکل نے ا حیرانی سے دیکھا۔

"آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں میں خود شہزادہ نہیں ہوں۔ انکل میں ان کا دوست ہوں قاصد ہوں۔ وہی شہزادہ ارسلا سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔" زردار بیگ نے با صاف کر دی۔

"کس شہزادے نے تمہیں بھیجا ہے اور کیا پیغام دیا ہے۔" انکل ذرا سنبھل بولے۔

"انکل۔ ہمارے آقا امیر عمادالدین زنگی کے دو بیٹے اس وقت ان کے ساتھ الرہا موجود ہیں" زردار بیگ نے تفصیل بتانا شروع کی۔ "میں چھوٹے شہزادہ قطب الدین مودو دوست ہوں۔ شہزادے یہاں خود تشریف لائے ہیں اور شہزادی ارسلا سے ملنا چاہتے ہیں"

"انکل نے گردن گھما کے ادھر ادھر دیکھا۔ "یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا کیا تم انکل بیوقوف بنا رہے ہو؟"

"نہیں انکل۔ میں آپ کے ساتھ ایسی گستاخی نہیں کر سکتا۔ "زردار بیگ نے انکار

"وہ دیکھئے۔ پیڑ کے نیچے دو آدمی کھڑے ہیں ان میں ایک شہزادہ قطب الدین مودود ا دوسرا ان کا غلام ہے۔

کل نے زردار بیگ کے اشارے پر ادھر غور سے دیکھا اور ان کا چہرہ مسرت سے "ارے انہیں وہاں کیوں کھڑا کر رکھا ہے تم نے۔ چلو انہیں ساتھ لے آئیں"۔

زردار بیگ بھی خوش ہو گیا۔ "کیا شہزادی ارسلا ان سے ملنا پسند کریں گی؟" زردار چلتے ہوئے پوچھا۔ "میں پہلے اجازت لینے حاضر ہوا ہوں۔"

ہیں نہیں ملیں گی۔ ضرور ملیں گی۔" انکل کے قدم تیزی سے پیڑ کی طرف اٹھنے

زادے نے انکل اور زردار بیگ کو آتے دیکھ لیا تھا اور وہ سنبھل کے کھڑا ہو گیا

ل اتنی تیزی اور وحشت کے ساتھ شہزادے کے پاس پہنچے کہ شہزادہ پریشان ہو گیا۔

نے شہزادے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس سے شہزادہ کو پسینہ آ گیا۔

بالکل ۔ بالکل ۔ تم وہی ہو۔ یقیناً" تم وہی ہو" اور انکل حسب معمول ہی ہی کرنے

پ ——— آپ ——— میں سمجھا نہیں ۔ آپ مجھے جانتے ہیں کیا؟" شہزادہ تھا۔

ں۔ میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ ایک بار امیر کے دربار میں پھر کئی بار خواب میں ۔ صورت بار بار دکھائی گئی تھی۔" انکل ایک محویت کے عالم میں شہزادے کو دیکھ اور ربط اور بے ربط جملے ان کے منہ سے نکل رہے تھے۔ "میں تمہارا کئی دن ر کر رہا ہوں۔ تم اب تک کیوں نہیں آئے۔ تمہیں ضرور آنا چاہئے تھا آخر تم !؟"۔

ادہ اور زردار بیگ حیران نظروں سے انکل فیرو کو دیکھ رہے تھے؟۔

اندر چلو۔ شہزادی ارسلا اور شہزادی کیٹ تمہیں دیکھ کے ضرور خوش ہوں امنے منہ گھما کر محل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

قطب الدین نے کیٹ کا لفظ کئی بار زیر لب دہرایا پھر سوالیہ نظروں سے زردار ب دیکھا۔ زردار بیگ نے اشارے سے شہزادے کو گفتگو سے روکا۔ محل میں پہنچ ل کے مہمان خانے کے سامنے رک گئے۔ "بس چند لمحے انتظار کرو پھر تم لا کے سامنے ہو گے؟"۔

نے جواب کا انتظار نہ کیا اور تیزی سے اندر کی طرف چلے گئے۔ شہزادی ارسلا دروازے پر گھبرائی کھڑی تھی وہ بڑھ کے انکل کے پاس آ گئی۔

ہو ارسلا ۔ شہزادہ آخر یہاں تک پہنچ ہی گیا۔" انکل خوشی سے سرشار ہو

شہزادہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ انکل کسی وقت تو ہوش کی باتیں کیا کیجئے۔"

ارسلا کو غصہ آگیا۔

"اس کا نام شہزادہ قطب الدین مودود ہے۔ امیر زنگی کا تیسرا بیٹا۔ بڑا خوب
بہت حسین۔ میں نے کہا تھا ناکہ شہزادی کیٹ کی قسمت الرہا سے وابستہ ہو گئی
آغاز ہو چکا ہے۔ پیاسا کنویں کے پاس آگیا ہے۔ جاؤ۔ ارسلا شہزادے کا استقبال
تم پر مہربان ہے۔"

انکل فیو اپنی رو میں کہتے چلے جا رہے تھے۔ اور شہزادی کا غصہ اسی اعتبار
جا رہا تھا۔ پھر اس نے بڑھ کا انکل کا بازو پکڑ لیا۔ "ہوش میں آیئے انکل۔
شہزادے سے نہیں مل سکتی۔ امیر زنگی کو خبر ہو گئی تو الرہا کی زمین ہم پر تنگ ہو جا

"تو کیا تم اسے واپس کر سکتی ہو؟" انکل نے تیز نظروں سے ارسلا کو دیکھا۔

"ہاں۔ میں اس سے نہیں ملوں گی۔ آگ سے کھیلنا کوئی عقلمندی نہیں۔" ا
مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو ارسلا۔ آگ کا دریا پار کر کے تو شہزادہ یہاں آیا ہے۔ تم
سے بچنا چاہتی ہو وہ تو پہلے ہی بھڑک چکی ہے" انکل کے الفاظ سے سنجیدگی نمایاں

"مگر وہ میرے پاس کیوں آیا ہے مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

"شہزادہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ شہزادی کیٹ کی محبت اسے یہاں کھینچ لائی۔

"انکل------" ارسلا چیخ پڑی۔ "ہوش میں آیئے۔ آپ کیا کہہ رہے

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ارسلا------" انکل نے اس کے دونوں
لئے۔ "میں نے زنگی دربار میں شہزادہ مودود اور شہزادی کیٹ کی نظروں کا تصادم
آنکھوں کے ان پیغام کو سنا ہے جس کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ میں آگے بھی بہت
رہا ہوں۔ دیر مت کرو ارسلا گھر آئی ہوئی خوش قسمتی کو واپس نہیں کیا کرتے۔
ہے جو میں نے دیکھا۔ تم مخالفت کر کے شہزادے اور اس کے ہمدرد سرداروں
مول لے لوگی۔"

ارسلا حواس باختہ ہو گئی۔ شکست خوردہ انداز میں بولی۔ "مجھے کیا کرنا چاہئے

"شہزادہ مہمان خانہ میں ہے۔ جاؤ اور اس کو عزت سے یہاں لے آؤ۔ خبردا
دل شکنی کی کوئی بات نہ کرنا۔ شہزادہ کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ضبط سے کام لینا
ملاقات ہے۔ جہاں تک ہو سکے کم گفتگو کرنا صرف شہزادے کی سننا۔ اس سے
مزاج اور اطوار کا اندازہ ہو گا حالانکہ ہو گا تو وہی جو میں دیکھ چکا ہوں۔ مجھے شہزاد
شاہی سواری الرہا سے موصل کی طرف جاتی دکھائی دے رہی ہے۔"

انکل نے دل کی پوری بھڑاس نکال دی اور شہزادی ارسلا لغزیدہ قدموں

طرف چلی شہزادہ قطب الدین مودود واقعی بہت بڑا خطرہ مول لے کے یہاں آیا تھا۔
کے والد امیر زنگی کو اس کی خبر ہو جاتی تو خدا معلوم کیا قیامت برپا ہوتی مگر جب
بادشاہ سربراہ بوڑھا ہو جائے تو اس کے سرداروں اور لواحقین کی وفاداریاں تقسیم ہو
۔ ہر سردار چاہتا ہے کہ وہ کسی ایسے شہزادے سے متعلق ہو جائے جو بادشاہ ہو
بعد نہ صرف اس کا عہدہ برقرار رکھے بلکہ اس میں اضافہ بھی کر دے۔ اسی طرح
سردار شہزادے قطب الدین مودود کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش میں لگے

ہ مودود نوجوان ہونے کے باوجود درباری سرداروں کی نظروں کو پہچانتا تھا۔ اسے
معلوم تھا کہ بعض سرداروں کا اس کی طرف زیادہ جھکاؤ کیوں ہے۔ آخر اس نے
روں کی مفت کی ہمدریوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ شہزادہ مودود نے شہزادی
رف ایک بار دربار میں دیکھا تھا۔ مگر اس وقت درباز کا مزاج برہم تھا اور
نے خود کو زخمی کر کے ہر طرف دہشت پھیلا دی تھی۔ شہزادی کیٹ کی نظریں بھی
فاقیہ مل گئی تھیں مگر اس اتفاق نے دونوں کو بار بار دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دربار
ے کے دوران انہوں نے ایک دوسرے کو کئی بار دیکھا تھا اور نظروں ہی نظروں
ں ہو گئی تھیں جیسے وہ ایک زمانے سے ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہوں۔
یہی وجہ تھی کہ جس وقت شہزادہ قطب الدین مودود مہمان خانہ میں بیٹھا انکل
کا انتظار کر رہا تھا تو اتفاقیہ اس کی نظر باہر کی طرف پڑی اور اس نے سامنے
ہوئی شہزادی کیٹ کو فوراً" پہچان لیا۔ شہزادی کیٹ کو علم نہ تھا کہ مہمان خانہ
ہوا ہے۔ اس لئے وہ بڑے بے پروائی سے سامنے سے گزر گئی تھی لیکن چند ہی
بعد اس کے کانوں میں ایک محبت بھری مگر تھرتھراتی آواز پڑی۔
ا کیٹ۔"

ی کیٹ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ یہ مردانہ آواز اس کے لئے بالکل نئی تھی۔
فوراً" بعد وہ آواز پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
ا کیٹ۔ میری طرف دیکھو۔"

نے پلٹ کر دیکھا تو بت بن گئی۔ درباری شہزادہ کا خوبصورت چہرہ مہمان خانے
پر نظر آیا۔ اور ایک نامعلوم کشش اسے دروازے کی طرف کھینچنے لگی۔

------ تم وہی ہو؟" شہزادی کی آواز حیرت اور مسرت میں ڈوب گئی تھی۔

ا میں وہی ہوں۔ ہم نے ایک دوسرے کو دربار میں دیکھا تھا۔" شہزادے نے

"مگر تم یہاں کیسے میرا مطلب ہے یہاں کیوں آئے ہو؟"

"میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں کیٹ۔"

شہزادے نے بڑی معصومیت سے کہا اور شہزادی کیٹ حیا سے دہری ہو گئی۔ پھر سے سنبھل کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شہزادہ کا غلام مہمان خانے کے اندر سے رہا تھا۔ مہمان خانہ کے دو چوکیدار بھی تھوڑی دور کھڑے تھے۔

"چلو اندر بیٹھ کے باتیں کریں۔" شہزادی نے مہمان خانے کی طرف اشارہ ک

"میں وہیں بیٹھا تھا۔ تمہیں دیکھ کے باہر آگیا تھا۔"

اور دونوں مسکراتے ہوئے مہمان خانہ کے اندر چلے گئے۔

"اب بتاؤ۔ کیوں آئے ہو تم؟" شہزادی کیٹ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں دیکھنے آیا ہوں کیا تم شہزادی ارسلا کی بیٹی شہزادی کیٹ نہیں ہ مودود بے تکلفی سے بولا۔

"ہوں تو میں کیٹ۔ مگر تم مجھے کیوں دیکھنا چاہتے تھے؟"

"اس لئے کہ تم بہت خوبصورت ہو۔"

"میں ------میں------" کیٹ نے شرما کے بکھری زلفیں چیز اچھی ہے مجھ میں؟"

"تم سر سے پیر تک اچھی ہو کیٹ۔" شہزادے پر بے خودی سے طاری ہو

"مگر تم تو شہزادے ہو" "کیا تم شہزادی نہیں؟"

کیٹ نے ٹھنڈی سانس لی۔ "شہزادی تھی۔ مگر اب تمہاری پناہ میں ہوں۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ پھول جنگل میں کھلے تب بھی اچھا لگتا ہے۔"

شہزادی نے پریشان نظروں سے دیکھا۔ "اگر امیر کو تمہارے آنے کی خبر ہو گا؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ تم کیوں گھبراتی ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" شہزاد دی۔

"مگر ------مگر------ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟" شہزادی نے ا شروع کر دیں۔

"اگر تم پسند کرو تو ------" شہزادے مودود نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شہزادی خوابناک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" شہزادی بڑی معصومیت

"کیا میں تمہیں اچھا نہیں لگتا؟" شہزادہ نے اک دم سوال کر دیا۔

"تم بڑی اچھی باتیں کرتے ہو شہزادے۔ میں------" شہزادی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آگے کیا کہے۔

ہاں ہاں۔ کہو نا۔ تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

"کیا تم روز آیا کرو گے میرے پاس؟" شہزادی نے نہ معلوم کس خیال سے کہا۔

"اگر تم چاہو تو میں ہمیشہ تمہارے سامنے رہ سکتا ہوں۔" شہزادے نے دبی زبان میں ما بیان کیا۔

"میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ماما نہیں پسند کریں گی۔"

"میں تمہاری ماما کو منا لوں گا۔"

"کیا امیر تمہیں یہاں آنے کی روز اجازت دے دیں گے؟" کیٹ نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"میں انہیں منانے کی کوشش کروں گا۔"

"مگر ہم پھر الگ ہو جائیں گے۔ کچھ دن بعد سروج واپس چلی جاؤں گی۔"

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔"

"کیوں ----------؟" شہزادی نے چونک کے دیکھا۔ "کیا تم مجھے گرفتار کر لو گے؟"

"نہیں کیٹ۔ میں تمہیں مانگ لوں گا۔"

"کس سے مانگو گے مجھے؟"

"تمہاری ماما شہزادی ارسلا سے۔"

"وہ کیسے دے سکتی ہیں مجھے۔ میں ان کی اکیلی اولاد ہوں۔ مجھے ان سے بہت محبت ہے

ھنے کی کوشش کرو کیٹ۔" شہزادہ پریشان تھا کہ کیٹ اس کی بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہے۔ "میں تمہیں ماما سے جدا نہیں کروں گا۔ وہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔"

"مگر ہم تو سروج چلے جائیں گے پھر تم کیسے ملو گے۔"

"شہزادی!" شہزادہ مودود نے تنگ آکے کہا۔ "میں--- میں تم سے شادی کروں گا۔ الہن بناؤں گا۔ تمہاری ماما بھی میرے ساتھ رہیں گی۔"

شادی کے نام پر شہزادی کیٹ کے چہرے پر شہابی رنگ دوڑ گیا۔

"شہزادے!" کیٹ گھبرائے لہجے میں بولی۔ "یہ کیسے ممکن ہے۔ ایک عیسائی لڑکی' لمان شہزادے سے کیسے شادی کر سکتی ہے۔ میری ماما اور امیر اس کی اجازت نہیں دیں گی؟"

"پہلے تم بتاؤ۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی۔؟" شہزادے نے دوٹوک سوال کیا۔

"میری بات کون سنے گا شہزادے؟۔"

"تم آمادہ تو ہو شادی پر؟۔"

"ہاں۔" اور شہزادی نے گردن جھکالی۔

"بس مسئلہ حل ہو گیا۔" شہزادہ خوش ہو گیا۔ "سنو کیٹ۔ اگر دو دل ملنے پر آمادہ ہو جائیں تو انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ میں امیربابا سے اجازت حاصل کر لوں گا۔"

"ہائے۔ کیا تم ان سے کہو گے کہ تم مجھ سے۔۔۔۔۔"

"میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ میرے سردار ان سے بات کریں گے۔"

"اور اگر امیر نے انکار کر دیا تو۔۔۔۔۔"

"ایسی بات منہ سے نہ نکالو کیٹ۔ یقین رکھو۔ ایسا وقت نہیں آئے گا۔"

اس وقت شہزادے مودود کے نظر مہمان خانے کی کھڑکی سے سامنے کی راہداری میں پڑی۔ شہزادی ارسلا اور انکل فیرو آہستہ آہستہ راہداری میں آرہے تھے۔

"بس اب چپ ہو جاؤ کیٹ۔ وہ لوگ آرہے ہیں" شہزادے نے اسے خبردار کیا۔

"کون آرہے ہیں؟۔ شہزادی نے گھبرا کے دروازے کی طرف دیکھا۔

"تمہاری ماما اور انکل ۔۔۔۔"

"ہائے یہ کیا ہوا۔ ماما مجھے تمہارے پاس دیکھیں گی تو کیا سوچیں گی۔ میں جارہی ہوں۔ ان کا سامنا نہیں کر سکتی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوگئی۔

"تمہارا جانا بیکار ہے کیٹ۔ وہ ادھر ہی آرہے ہیں۔ اپنا دل مضبوط رکھو۔"

دوسری طرف انکل فیرو اور شہزادی ارسلا جب راہداری سے اتر کر مہمان خانے کی طرف چلے تو انکل فیرو کی نظر کھڑکی سے ہوئی ہوئی شہزادی کیٹ پر پڑی۔ اس نے جلدی سے شہزادی ارسلا کا ہاتھ پکڑ کے روک لیا

"آگے جانے کی ضرورت نہیں؟" انکل فیرو نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"کیوں۔؟۔" ارسلا نے حیرت سے انکل کو دیکھا۔

"شہزادہ جس سے ملنے آیا تھا اس سے ملاقات ہو گئی۔" انکل کی لہجے میں اب بھی سادگی تھی۔

"انکل فیرو۔" ارسلا الجھتے ہوئے بولی۔ "آپ کسی وقت ایسی الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے ہیں کہ دل الجھنے لگتا ہے۔"

"ارسلا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ کیٹ کی قسمت الرہا اور موصل سے وابستہ ہو چکی ہے پھر بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔"

انکل فیرو کی گرفت ارسلا کی کلائی پر اور مضبوط ہو گئی۔ "زنگی شہزادہ کیٹ سے باتیں کر رہا ہے۔ ہمیں دخل نہ دینا چاہئے۔"

"کیا کہا۔ شہزادہ ۔کیٹ؟" ارسلا نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور بھنائی ہوئی مہمان خانے کی طرف چلی۔

شہزادہ مودود اور کیٹ نے انہیں آتے دیکھ لیا تھا۔ شہزادی کا خون خشک ہوا جارہا تھا مگر شہزادہ مطمئن تھا۔ جب ارسلا مہمان خانہ میں داخل ہوئی تو شہزادہ مودود اور کیٹ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے۔ ان کی نظریں زمین پر لگی تھیں۔ ارسلا نے دونوں کو برابر برابر کھڑے دیکھ کے ٹھٹک گئی مگر ارسلا نے جلدی سے خود پر قابو پایا اور مسکرا کے بولی۔ میں زنگی شہزادے کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ آپ شاید امیر موصل عمادالدین زنگی کے ۔۔۔۔۔۔" شہزادی کہتے کہتے رک گئی۔

"ارسلا۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔" انکل فیرو نے جو ارسلا کے پیچھے مہمان خانے میں داخل ہو چکے تھے۔ بات پوری کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شہزادہ مودود ہیں۔ امیر زنگی کے تیسرے ہونہار بیٹے۔"

"آپ نے کیسے زحمت فرمائی شہزادے؟۔" ارسلا نے بڑے تحمل سے کہا

انکل فیرو نے پھر دخل دیا۔ "ارسلا۔ کیا مہمان کو بیٹھنے کو نہ کہو گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تشریف رکھئے۔" پھر ارسلا نے فوراً بات پلٹی۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم مہمان خانہ کے بجائے اندر چل کے بیٹھیں۔"

شہزادے مودود یا انکل نے کوئی جواب نہ دیا۔

ارسلا نے گھور کے کیٹ کو دیکھا۔ "کیٹ۔ تم یہاں کیسے آگئیں؟"۔ ارسلا کے لہجے کی تلخی سب ہی نے محسوس کی۔ شہزادی کیٹ تھرا اٹھی۔

"میں۔ ماما میں۔ ادھر سے گزر رہی تھی۔" کیٹ کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"یہ غلطی میری ہے شہزادی عالیہ۔" شہزادہ نے فوراً اپنے پر الزام لے لیا۔ حالانکہ یہ بات سچ بھی تھی۔ "کیٹ ادھر سے گزر رہی تھیں۔ میں نے آواز دے کر انہیں بلا لیا۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔" شہزادی ارسلا نے جیسے خون کا گھونٹ پی لیا مگر اسے فوراً احساس ہوا کہ وہ امیر زنگی کے بیٹے سے باتیں کر رہی ہے جو کل کو امیر موصل بھی ہو سکتا ہے۔ وہ فوراً مسکرادی۔ "کیٹ نے آپ کو پریشان تو نہیں کیا۔ یہ بہت شوخ لڑکی ہے۔ انکل فیرو کو دن بھر تنگ کرتی رہتی ہے۔"

انکل فیرو بات کرنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔ "اپنا نام سنتے ہی بولے۔ "ارسلا ۔ شریف لوگ کھڑے ہو کے گفتگو نہیں کیا کرتے۔ خود بیٹھو۔ شہزادے کو بٹھاؤ پھر گفتگو کرو۔"

"شہزادے آپ تشریف رکھئے" ارسلا نے فوراً کہا۔

شہزادہ مودود اس کے سامنے اس طرح ادب سے بیٹھ گیا جیسے شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے شہزادی ارسلا انکل فیرو نے بھی نشست سنبھالی۔۔۔ کیٹ اب تک کھڑی تھی۔

"کھڑی کیوں ہو کیٹ۔ تم اندر جاؤ۔" شہزادی ارسلا نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔ شہزادی بھاری قدموں سے باہر چلی۔ شہزادے دل کے میں ایک ٹھیس سی اٹھی

"شہزادے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ اس غریب خانہ پر تشریف لائے۔ یہ غریب خانہ بھی آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ اگر امیر کرم نہ کرتے تو پتہ نہیں۔ مجھے کہاں کہاں کی خاک چھاننا پڑتی۔" شہزادی ارسلا جذباتی ہو گئی اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ہمارے غلام نے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے شہزادی۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ اس کی معذرت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ یقین کیجئے کہ سروج میں جو کچھ ہوا اس کا نہ تو امیر بابا نے حکم دیا تھا اور نہ یہاں کسی کو خبر تھی۔" شہزادے نے بھی معذرت کے تمام طریقے ایک ساتھ آزمائے۔

"مجھے معلوم ہے شہزادے۔" شہزادی کی آواز گھٹی ہوئی تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ الرہا میں عام معافی کا کوئی اعلان کرنے والا فاتح۔ سروج جیسے چھوٹے سے علاقہ میں ایسے ظلم کا کیسے حکم دے سکتا ہے۔ اور یہی یقین مجھے کسی اور طرف جانے کے بجائے کشاں کشاں الرہا لے آیا۔ میں امیر محترم کے انصاف کی قائل ہو گئی۔ کتنی سخت سزا دی تھی انہوں نے غلام کو۔"

"مگر آپ نے تو اس کی سفارش کی تھی۔ معاف کر دیا تھا اسے۔" شہزادہ ذرا سا مسکرایا۔

ارسلا کے امڈتے ہوئے جذبات شہزادے کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کے تھم گئے۔ سانس لے کے بولی۔" شہزادے اگر ظالم کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ اپنے فعل پر شرمندہ ہو تو اسے معاف کر دینا چاہئے۔ ہمارے مذہب میں تو یہاں تک حکم ہے کہ اگر تمہارے رخسار پر کوئی ایک طمانچہ مارے تو تم اپنا دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو۔"

"مگر یہ تو بزدلی ہے شہزادی۔ ہمیں ظالم سے بدلہ لینا چاہئے۔" شہزادے کی رگ شجاعت بھڑک اٹھی۔

"شہزادے۔ آپ بھول رہے ہیں۔" ارسلا بھی مسکرا دی۔ "کیا آپ کے قاضی نے امیر کو مشورہ نہیں دیا تھا کہ توبہ کرنے والے مجرم کو سزا دینے کے بجائے اگر معاف کر دیا جائے تو خدا کی نظریں میں معاف کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس بنا پر امیر نے غلام کی جان بخشی کی تھی۔"

شہزادہ قائل ہو گیا۔ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ معاف کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔"

"پھر میری طرح آپ نے بھی تو سفارش کی تھی اس کی؟" شہزادی نے جیسے اسے اور قائل کیا۔

"کیا کرتا شہزادی۔ اس کی حالت ہی ایسی ہو گئی تھی کہ میرا دل پسیج گیا۔" شہزادے نے اس کا اعتراف بھی کیا "سمجھ میں نہیں آتا کہ بلوکتنو کو کس نے بہکا دیا۔ اس وفاداری کا تو یہ عالم تھا کہ رات بھر وہ اپنے امیر بابا کے خیمے کے گرد چکر لگاتا تھا۔"

"شہزادے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ تجربہ حاصل کریں۔" انکل فیرو نے دخل دیا" مجھے میرے موکلوں نے مجھے خواب میں دکھایا ہے کہ کم ظرف سے دور رہو۔ یہ آستین کا سانپ ہوتے ہیں۔ ذرا تکلیف ہو۔ فوراً ڈس لیتے ہیں۔ امیر نے آپ کے مذہبی پیشوا کی بات مان لی۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو غلام کو قتل کرا دیتا۔ اس کی معافی سے دوسرے غلاموں کو شہ مل سکتی ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک قدم اٹھا سکتے ہیں۔"

شہزادی کو ڈر ہوا کہ شہزادہ کہیں انکل کی بے تکی باتوں سے ناراض نہ ہو جائے۔ اس نے بات بنائی

"شہزادے یہ ہمارے انکل کے دماغ کی بات ہے۔ آپ برا نہ مانئے گا۔"

"مگر شہزادی انکل نے جو کچھ کہا ہے اس میں بڑا وزن ہے۔" شہزادے کی انکل فیرو کی بات کا برا ماننے کے بجائے اس کی تائید کر دی۔

پھر شہزادہ قطب الدین نے کھڑے ہوتے کہا۔" شہزادی۔ آپ لوگوں سے مل کے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اگر ناگوار نہ ہو تو کبھی کبھی میں ادھر آجایا کروں؟"

"یہ میرے خوش قسمتی ہوگی شہزادے۔ شہزادی ارسلا نے سنبھل کے کہا۔ امیر محترم کے مزاج سے آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔"

"آپ فکر نہ کیجئے۔" شہزادے کا دل چاہا کہ شہزادی کیٹ سے ایک بار پھر ملاقات کرے مگر یہ کچھ مناسب نہ معلوم ہوا۔ اس نے سوچا کہ شہزادی نے اسے آنے جانے کی تقریباً اجازت دے دی ہے۔ پھر اس قدر بے صبری کی کیا ضرورت دو دن بعد آؤں گا پھر جی بھر کے ملاقات ہوگی۔

مگر تقدیر کا انداز کچھ مختلف تھا۔ شہزادہ واپس محل پہنچا تو معلوم ہوا کہ امیر زنگی اسی وقت موصل واپس جا رہے ہیں۔ امیر زنگی کا نائب السلطنت نصیر الدین جعفر جو امیر کی عدم موجودگی میں موصل کا انتظام کرتا تھا اسے چند مفسدہ پردازوں نے قتل کر دیا تھا۔ امیر کو اپنے نائب کے قتل کا بہت افسوس تھا۔ وہ نہ صرف موصل روانہ ہوا بلکہ اپنے ساتھ دونوں بیٹوں نور الدین اور قطب الدین مودود کو بھی لیتا گیا۔ اس طرح شہزادی کیٹ اور شہزادہ مودود کے دل میں محبت کی اٹھتی ہوئی چنگاریاں کچھ دنوں کے لئے بجھ کے رہ گئیں۔

شہزادہ

نصیرالدین جعفر کی موت بڑی خوفناک اور عبرت انگیز تھی۔ عماد الدین زنگی کو اپنے نائب نصیرالدین جعفر پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے بڑے بیٹے سیف الدین غازی پر بھی اتنا بھروسہ نہ کرتا تھا۔ سیف الدین غازی عام طور پر موصل ہی میں رہتا تھا۔ وہ کافی سمجھدار تھا اورامور سلطنت بھی اچھی طرح سمجھتا تھا مگر عمادالدین زنگی جب بھی موصل سے نکلتا حکومت کی باگ دوڑ ہمیشہ نصیرالدین جعفر ہی کے سپرد کرتا تھا ممکن ہے کہ سیف الدین دل میں اس بات پر کڑھتا ہو مگر بظاہر وہ نصیرالدین جعفر کا بڑا احترام کرتا اور ہمیشہ اسے بزرگ جعفر کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

نصیرالدین جعفر کی قتل کی خبر پا کر عمادالدین زنگی اس قدر تیزی سے الرہا سے روانہ ہوا کہ وہ اس نئے اور اہم مقبوضہ علاقہ کا صحیح طور پر انتظام بھی نہ کر سکا۔ اس نے ایک مضبوط فوجی دستہ وہاں چھوڑا اور رات دن منزلیں طے کر کے موصل پہنچ گیا۔ اپنے نائب کے قتل پر اسے جو غم اور غصہ تھا وہ تو ایک الگ جذبہ تھا مگر اسے یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ موصل سے خبر لانے والے نے جس انداز اور جن الفاظ میں یہ اطلاع پہنچائی تھی وہ انداز بھی مشکوک اور مبہم تھا

"امیر محترم۔ ناظم اعلیٰ نصیرالدین جعفر کو بڑی بیدردی سے قتل کیا گیا ہے۔" موصل سے آنے والے نے بتایا تھا۔

"کون کون امیر اس سازش میں شریک ہیں۔؟" عماد الدین زنگی غصہ سے کانپ اٹھا

تھا۔

"ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ بڑے شہزادے سیف الدین غازی اس وقت موصل میں موجود ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" عماد الدین زنگی نے سختی سے سوال کیا تھا۔۔۔

اطلاع دینے والا گھبرا گیا یا خوف کھا گیا۔ "عالی جاہ۔ میرا کوئی مطلب نہیں۔ شہزادے وہاں موجود ہیں تحقیقات کر رہے ہیں۔ شاید کچھ پتہ چل گیا ہو۔"

"سمجھ کے بات کیا کرو۔" امیر نے اسے گھور کے دیکھا اور باہر جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔۔۔

اس کے جانے پر عماد الدین زنگی بہت دیر تک اس کی باتوں پر غور کرتا رہا مگر کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ اسے بہتر یہی معلوم ہوا کہ فوری طور پر موصل پہنچ کے اس قتل کی واردات کا فیصلہ خود کرے۔ الرہا کی فتح کی خوشی کے بعد یہ پہلا واقعہ تھا جس نے عمادالدین زنگی کو مغموم کر دیا۔ موصل پہنچ کے اس نے بعض غیر جانبدار امیروں سے بات چیت کی اور اپنا شبہ بھی ظاہر کیا لیکن کسی امیر نے سیف الدین غازی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ فعل کسی ایسے غلام کا ہے جسے نصیر الدین جعفر کے ہاتھ سے نقصان پہنچا ہوگا۔ اس نے اپنے آپ اس نقطہ نظر کا ثبوت تلاش کیا مگر اس کے ہاتھ کچھ نہ آ سکا سوائے اس کے کہ چند دن پہلے چار پانچ غلاموں کو کسی معاملہ پر نصیرالدین جعفر نے بہت ڈانٹا پھٹکارہ تھا اور سزا دینے کا معاملہ امیر زنگی کی الرہا سے واپسی پر اٹھا رکھا تھا کا نام سر فہرست تھا۔ یارکتش وہی خواجہ سرا غلام تھا جس پر الرہا میں امیر زنگی نے عذاب نازل کیا تھا مگر سروج کی شہزادی ارسلا اور قاضی شہر کی شرعی نکتہ سنجی کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی تھی۔

امیر زنگی نے یارکتش کو اپنے حضور طلب کر لیا۔

"یارکتش" امیر نے پر رعب لہجے میں کہا۔ "تیرا پہلا جرم اس قدر خوفناک تھا کہ اس کے بعد کسی دوسرے جرم میں محض شبہ کی بنا پر تجھے قتل کیا جا سکتا ہے۔"

اتنا کہہ کر عمادالدین خاموش ہو گیا اس کی بات نامکمل تھی اور یارکتش کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ بغیر پوری بات سنے کوئی جواب دے یارکتش اسی سبب خاموشی اختیار کئے رہا۔۔۔

"تو جواب نہیں دیتا۔ کیا تجھے اپنے جرم کا اقبال ہے؟ امیر عماد الدین زنگی کا جلال ایک دم ابل پڑا جیسے اس کے نائب کی لاش اس کے سامنے پڑی ہو۔

"آقائے نامدار۔ اگر مجھے گناہ اور جرم کے پیش نظر اس جرم میں بھی ملوث کیا گیا ہے تو آقا مالک ہیں۔ انصاف ان کے حکم کا پابند ہے جو چاہیں سزا دے سکتے ہیں حالانکہ اس گماشتہ نے قتل کے سلسلے میں اب تک جتنی تحقیقات ہوئی ہے۔ اس میں میرا نام کہیں بھی موجود نہیں اس لئے کہ قتل کی رات میں موصل کے بجائے حلب میں موجود تھا اور قاضی حلب اپنے شہر میں میری موجودگی کی شہادت دے چکے ہیں" بلوکتش نے اپنے دفاع میں ایسی باتیں کہی تھیں جو امیر پہلے بھی سن چکا تھا۔ پھر بلوکتش کا چہرہ بھی اس قدر سپاٹ تھا کہ اس پر شبہ کرنے کا جی نہیں چاہتا تھا۔

"بلوکتش - تو بہت چالاک ہے۔" امیر نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ اس کی باتوں سے بالکل متاثر نہیں۔ "اگر تو واردات کے وقت موصل میں موجود نہیں تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس قتل میں شریک نہیں۔ تیرے تمام ساتھی غلام جن کا تو سرغنہ بیان کیا جاتا ہے تجھ سے کم درجہ اور عقل و شعور میں بھی تجھ سے کم ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تو انہیں مشورہ دے کر موقعہ سے ہٹ گیا ہو۔ شبہ میں گرفتار ہونے والے غلاموں کا یہ عذر قطعی قابل قبول نہیں کہ وہ اس رات اپنی محبوب کنیزوں سے ملنے نصیرالدین جعفر کی حویلی پر گئے تھے۔ ان کا یہ سراسر بہانہ معلوم ہوتا ہے۔"

نصیرالدین جعفر کو نصف شب کے بعد اس کی خوابگاہ میں بستر پر سوتے میں قتل کیا گیا تھا جبکہ حویلی کے اندر اور باہر مسلح سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس قتل کی خبر صبح کو بھی کسی کو نہ ہوئی۔ جب دن چڑھا اور نصیرالدین جعفر بیدار ہو کر باہر نہیں آیا تو کنیزوں اور غلاموں کو فکر ہوئی ۔ کنیز کو خواب گاہ کے اندر بھیجا گیا۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا جبکہ نصیرالدین ہمیشہ دروازہ بند کر کے سوتا تھا۔ اس کے علاوہ نصیرالدین جعفر سوتے وقت اپنی تلوار اپنے پہلو میں رکھتا تھا۔ قتل کی صبح کو اس کی تلوار بھی غائب تھی۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ نصیرالدین جعفر کا قتل ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہے لور اس کا قاتل یا تو محل کے اندر کا تھا یا پھر باہر سے آنے والے کے ساتھ حویلی کے لوگوں نے تعاون کیا کہ وہ قتل کرنے کے بعد خیریت سے واپس ہو گیا اور باہر کے پہریدار بھی اسے نہیں دیکھ سکے۔

شہزادہ سیف الدین غازی نے قتل کی صبح ہی کو تحقیقات کا آغاز کر دیا تھا۔ نصیرالدین جعفر نائب تھا اور اس کا کوئی نائب نہ تھا اس لئے شہزادہ سیف الدین غازی نے اپنا فرض سمجھا کہ انتظام سلطنت فورا" سنبھالے اور قتل کی تحقیقات کرے۔ جن غلاموں کو گرفتار کیا گیا تھا ان پر یہ شبہ تھا کہ قریب کے بعض دکانداروں نے انہیں شام کے وقت حویلی کے

یکھا تھا۔ گرفتار ہونے والوں نے اپنی جن محبوباؤں کے نام بتائے تھے۔ اس نام کی نصیرالدین جعفر کی حویلی میں موجود تھیں مگر جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کھا کر بیان دیا کہ وہ گرفتار ہونے والوں کو قطعی نہیں جانتیں اور انہیں خواہ مخواہ یا جارہا ہے۔

گرفتار ہونے والے تمام غلام بڑے سرکش اور خود سر تھے۔ ان کی خود سری کی وجہ تھی کہ وہ امیر زنگی کے خاص دستے میں تھے۔ یہ لوگ شہزادوں کی بے عزتی کرنے ی دریغ نہ کرتے تھے۔ پہلے بلوکتش ان کا سردار تھا سروج میں عیسائیوں پر ظلم و رنے کے سلسلے میں امیر نے اسے معزول کر دیا تھا مگر مزید کوئی سزا نہ دی تھی۔ ن الرہا سے موصل واپس آگیا تھا۔ اس کی سرداری ختم ہو گئی تھی لیکن اٹھنا بیٹھنا غلاموں کے ساتھ تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ قتل کی شب بلوکتش موصل سے دور یا ہوا تھا۔ یا اس نے حلب میں اپنی موجودگی ثابت کر دی تھی۔ امیر اس بار بھی اسے سزا نہ دے سکا مگر گرفتار ہونے والے چاروں غلاموں کو قتل کرا دیا۔ اس سے باقی ں کے کان ہو گئے اور ان پر پہلے کی طرح امیر کا رعب طاری ہو گیا۔

عمادالدین زنگی کچھ دن موصل میں ٹھہر کے یہاں کے انتظامات کرنا چاہتا تھا۔ نائب نصیرالدین جعفر کے قتل کے بعد اب اسے ایک قابل آدمی کو اپنا نائب مقرر کرنے تھی۔ اس کی نظریں اب تک دمشق کی طرف لگی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ موصل میں وہ دن نہیں ٹھہر سکتا اس لئے کسی نائب کا انتخاب بہت ضروری تھا۔ اس کے قابل ترین دں میں نجم الدین ایوب سر فہرست تھے مگر امیر زنگی نے بعلبک فتح کرنے کے بعد کو وہاں کا گورنر مقرر کیا تھا۔ بعلبک دراصل دمشق کے وزیر اعظم معین الدین انز کی تھی اور یہ علاقہ دمشق سے صفر پینتیس چالیس میل کے فاصلے پر تھا اس لئے اس کے اور حفاظت کے لئے امیر زنگی نے اپنے ذہین ترین سردار کو مقرر کیا تھا۔ دوسرا بھائی دین شیرکوہ امیر زنگی کے ساتھ تھا۔ نائب سلطنت کے طور پر اس کے انتخاب میں قت نہیں تھا مگر وہ اسد الدین شیرکوہ کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا بازو نجم الدین ایوب تو بایاں اسدالدین شیرکوہ تھا۔ نجم الدین کو بعلبک بھیجنے کے بعد کوہ کو موصل میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ شیرکوہ کو وہ اپنی اصل طاقت سمجھتا تھا۔

آخر شیرکوہ کے مشورے سے اس کی نظر انتخاب زین الدین علی کو چک پر ٹھہری ے سیف الدین غازی کی طرف سے امیر کا دل صاف ہو گیا تھا اس لئے نائب کے میں اس کا مشورہ بھی شامل کیا گیا۔ دوسرے بیٹے ورازین کو بھی وہ اتنا سنجیدہ نہ

سمجھتا تھا کہ اس سے ملکی معاملات میں مشورہ لیا جائے۔ تیسرا بیٹا قطب الدین مودود تو ا
بچہ ہی تصور کیا جاتا تھا۔ امیر زنگی سے قدرت نے ایک وفادار اور لائق سردار چھین لیا
اور اس بے وقت قتل نے شہزادہ قطب الدین مودود کے دل کی دنیا اجاڑ کے رکھ دی تھ
اسے صرف ایک دن کی خوشی میسر ہوئی تھی۔ ایک دن بھی کہاں صرف دن کی چند گھڑیاں
الرہا میں کیٹ سے اس کی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ اگر امیر زنگی اک دم موصل واپ
نہ آتے تو شہزادہ مودود کی محبت بھی پروان چڑھتی مگر شہزادہ کے معاملہ میں تو جیسے سر منڈا
ہی اولے پڑ گئے تھے۔

دوسرے دن شہزادی کیٹ آپ ہی آپ سنگار کر کے شہزادہ مودود کا انتظار کرنے بـ
گئی۔ ارسلا کی اس پر نظر پڑی تو حیران رہ گئی۔

"کہیں جارہی ہو کیٹ۔؟" ارسلا نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

ہاں۔ نہیں۔" کیٹ گھبرا گئی۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں کیٹ۔؟" ارسلا کا لہجہ تیز ہو گیا۔

"نہیں ممی۔ میں کہیں نہیں جا رہی۔" کیٹ کے پاس انکار کے سوا اور کوئی چارہ
تھا۔

"پھر اس بھڑکیلے لباس اور زیورات سے آراستہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔؟" ار
کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور آواز میں اسی اعتبار سے تندی اور تلخی پیدا ہو رہی تھی۔

"ممی - میرے کپڑے تو بالکل عام ہیں۔ رہا زیورات کا مسئلہ تو میرے پاس ایک نیکلـ
کے سوا اور بچا ہی کیا ہے۔ اسی کو کبھی پہن لیتی ہوں۔" کیٹ کو ماں کا لہجہ ناگوار گزر
لگتا تھا۔ "مگر آپ اس قدر جرح کیوں کر رہی ہیں۔ اچھے کپڑے پہننا کوئی جرم تو نہیں۔
ممی؟"

"کیٹ۔ تم ابھی بچی ہو زمانے کے نشیب و فراز سے واقف نہیں۔" کیٹ کا مو
خراب ہوتے دیکھ کر ارسلا نے فوراً اپنا لہجہ بدل دیا۔ "میں تمہیں کسی بات سے منع نہیں
کرتی لیکن تمہیں سوچ سمجھ کے قدم اٹھانا چاہئے۔ ہمارے حالات بگڑے ہوئے ہیں
حکومت ہماری نہیں مسلمانوں کی ہے۔ اور حاکم وقت ہو یا اس کے عزیز و اقارب۔ ان کی
آنکھیں بدلتے دیر نہیں لگتی۔ یوں بھی حاکم کی آنکھیں ماتھے پر ہوتی ہیں"

ارسلا نے نرم لہجے میں سمجھایا تو کیٹ کی سمجھ میں آگیا۔ وہ شرمند ہو گئی۔ "ممی آپ
ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمیں کسی سے غلط توقع وابستہ نہیں کرنا چاہئے۔" اس کے ساتھ ہ
کیٹ کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔

ارسلا نے گھبرا کے کیٹ کو دیکھا۔ "نہیں شہزادی میں تمہیں منع نہیں کرتی لیکن ہمیں
سلمانوں کا ابھی کوئی تجربہ نہیں۔ شہزادہ مودود یوں بھی ابھی بہت کم عمر ہے۔ ہمیں بہت
تاط رہنا ہو گا۔"

شہزادی کیٹ بہت اداس ہو گئی تھی۔ "آپ فکر نہ کیجئے ممی۔ میں شہزادے کو زیادہ بے
تکلف ہونے کا موقع نہیں دوں گی۔ انہیں آنے دیجئے۔ آپ دیکھیں گی کہ میں کس قدر
تیاط سے گفتگو کرتی ہوں۔"

"کیا شہزادہ آج آئے گا۔ تم سے کچھ کہا تھا اس نے؟" ارسلا پریشان ہو گئی۔ اس
ن تو وہ شہزادہ کی کوئی خاطر نہ کر سکی تھی۔ اگر آج شہزادہ آگیا تو وہ اس کی کیا خاطر کرے
ـا

"مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا انہوں نے۔"

"پھر تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ وہ آج آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آج نہ
ئے______"

"ہو سکتا نہیں بلکہ ایسا ہوا ہے ارسلا۔" یہ آواز انکل فیرو کی تھی۔ وہ دروازے میں
فل ہوئے تو ان کے کانوں میں ارسلا کے آخری الفاظ پڑے تھے

کیٹ اور ارسلا انہیں حیران نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ "کیا ہوا انکل ۔ کیا کہنا
تے ہیں آپ۔؟

"میں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ ستارے یہ کہتے ہیں۔" اور انکل فیرو چارپائی (مسہری) پر بیٹھ
، ستانے لگے جیسے بہت دور سے آرہے ہوں۔

کیٹ کی جان حلق میں آگئی۔ انکل جب ستاروں کا نام لیتے تھے تو ہمیشہ بری خبر سناتے
۔ پھر میں ان کے اوٹ پٹانگ جملے بڑے معنی خیز ہوتے تھے۔ "انکل۔ آپ کچھ کہہ
ہے تھے؟" کیٹ سے برداشت نہ ہوا اور وہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"میں کب کہتا ہوں۔ یہ سب تو ستارے کہتے ہیں۔" انکل سانس سنبھال کے بولے۔

" ستارے کیا کہتے ہیں یہی تو پوچھ رہی ہوں؟"

"ستارے کہتے ہیں کہ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا۔"

شہزادی کیٹ کا دل دھک سے رہ گیا۔ کیا ہوا شہزادے کو؟" کیٹ جذبات میں بہہ گئی
لانے تعجب سے اسے دیکھا۔ اسے غصہ آیا مگر ضبط کر گئی۔

"ہوا یہ کہ امیر عماد الدین زنگی اپنے دارالسلطنت موصل واپس چلا گیا۔" انکل فیرو
مزے لے کر کہنا شروع کیا۔ وہ اکیلے جاتا تو ہمارے گھر کو کوئی فرق نہ پڑتا لیکن وہ

شہزادے مودود کو بھی ساتھ لے گیا ہے۔ اب کیا ہوگا۔ شہزادی کیٹ کا کیا بنے گا۔؟"

"بنے گا کیا وہ موصل میں خوش رہے گا اور شہزادی الرہا میں" ارسلا نے غصے میں کہا جب شہزادہ موصل جاتے وقت ہم سے مل کے نہیں گیا تو پھر ہم اس کی کیوں پرواہ کریں۔ ہمیں اس کی پرواہ کرنی بھی نہیں چاہئے۔ ہم خداوند یسوع مسیح کے پیروکار اور وہ دوسرے مذہب کا ماننے والا۔ کیوں کیٹ تمہارا کیا خیال ہے؟" ارسلا نے کیٹ سے تصدیق چاہی۔

کیٹ شاید اپنے خیالوں میں گم تھی یا پھر اس نے جان بوجھ کے سنی ان سنی کر دی مگر انکل فیرو خاموش نہ رہ سکے انہوں نے ارسلا کو بہت سخت جواب دیا ----- "اس غریب سے کیا پوچھتی ہو اس کا تو چمن اجڑ گیا ارسلا ۔ تم ماں ہو کر بھی اس کے جذبات نہیں سمجھ سکتیں۔ شہزادہ مودود ہم سے مل کے نہیں گیا لیکن ہم سب کے لئے الگ الگ پیغام چھوڑ گیا ہے اور ان تمام پیغاموں کا ایک ہی مفہوم ہے وہ یہ کہ شہزادہ اس ملاقات کو کبھی نہ بھولے گا جس میں شہزادی کیٹ ۔ شہزادی ارسلا فیرو شریک تھے وہ بہت جلد دوبارہ ملاقات کرنے کے لئے آئے گا"

"یہ پیغام کوئی آسمانی صحیفہ نہیں کہ سینہ سے لگا کر رکھا جائے۔" ارسلا کو اچھا خاصا غصہ آگیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں سروج واپس چلا جانا چاہئے۔ کیوں انکل آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہوں۔ میرا خیال پوچھتی ہو۔" انکل فیرو نے بھی منہ بنا لیا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ خیال آیا کیسے؟۔"

"آج نہیں تو کل ہمیں یہ سوچنا ہی تھا۔" شہزادی ارسلا بردباد بن کے بولی۔ "یہ محل اور یہ سب لوازمات ہمیں امیر زنگی کی طرف سے ملے تھے۔ وہ موصل واپس جا چکے ہیں اب یہ یہاں کے گورنر کی مرضی ہے کہ ہمیں یہاں رہنے دیتا ہے یا نکال باہر کرتا ہے۔ ہمارا اس پر کوئی زور تو نہیں ہے۔ آپ کہیں گے کہ اگر گورنر ہم سے محل چھیننے تو ہم امیر زنگی سے شکایت کر سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہاں کا گورنر ایسی جرات کر ہی نہیں سکتا" انکل فیرو نے زور دے کر کہا۔ "اگر اس نے یہ حماقت کی تو ہم اپنا مقدمہ موصل کے دربار میں پیش کر کے گورنر الرہا کی مٹی پلید کرا دیں گے۔"

"بس رہنے دیجئے انکل۔" ارسلا نے ناگوار انداز میں کہا۔ "سروج میں ہماری جو مٹی پلید ہوئی تھی وہ آپ بھول گئے۔ جب تک کوئی موصل جائے گا۔ مقدمہ پیش کرے گا اور

س کے فیصلہ ہوگا اس وقت تک جانے ہم پر کیا بیت چکی ہوگی۔"

"ممی میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔" کیٹ اک دم بولی۔

"ارے تم کیوں بولیں۔ تم سے کسی نے پوچھا تھا؟" ارسلا چڑ گئی۔

"بچی پر کیوں بگڑ رہی ہو۔ سن تو لو وہ کیا کہہ رہی ہے؟۔"

"وہ کہے گی کیا؟۔ آپ ہی ایسی کوئی عقلمندی کی بات جھاڑے گی" پھر شہزادی کی طرف وم کر کہا۔

"ہزار بار سمجھایا کہ بڑوں کی باتوں میں ٹانگ نہیں لگایا کرتے۔" انکل فیروز نے لقمہ

"ستارے کہتے ہیں------" انکل فیرو نے بات بیچ ہی میں اچک لی مگر ارسلا نے روک دیا۔

"انکل۔ کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کیجئے۔ اپنے ستاروں کو تھوڑی دیر باندھ کے نہیں کتے؟"

"خیر چھوڑو ستاروں کو۔ ستاروں سے زیادہ سچے میرے موکل ہیں جو سوتے اور جاگتے مجھے خبریں پہنچایا کرتے ہیں۔" انکل نے مسکرا کے شہزادی کیٹ کو دیکھا جو ارسلا کی باتوں سے افسردہ ہو گئی تھی۔ "میرے موکل نے مجھے بتایا ہے کہ۔

"انکل ۔ اپنے پر نہ سہی ۔ مجھ پر تو رحم کیجئے۔" ارسلا بے بسی سے بولی۔ "ہمیں کوئی کرنا ہے۔ آگے کے بارے میں کچھ سوچنا ہے۔"

ٹھیک ہے میں نے موکل کا گلا دبا دیا ہے لیکن تم پہلے کیٹ کی بات سن لو۔ کبھی کبھی ں سے اچھی باتیں سوچتے ہیں۔"

اچھا بھئی کیٹ تم کیا کہنا چاہتی ہو!" ارسلا نے ہتھیار ڈال دیئے۔

می یہ کہہ رہی تھی کہ میں انکل کے ساتھ موصل چلی جاتی۔" کیٹ نے ڈرتے

وہاں جا کے کیا کرتیں؟" ارسلا کا مزاج پھر بگڑ گیا۔

میں امیر کے سامنے آپ کا مقدمہ پیش کرتی۔ سروج کی جاگیر آپ کے نام کراتی

شہزادے مودود سے ملاقات کرتیں۔ بے وقوف لڑکی۔" ارسلا نے شہزادی کیٹ کو "انکل فیرو آپ دیکھتے ہیں یہ احمق لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟"

۔ میرا جی تو نہیں چاہتا مگر میرے موکل کہہ رہے ہیں کہ میں تمہاری بات کی

تائید کروں کیٹ کا اس وقت موصل جانا بہت بڑی غلطی ہوگی۔
"آپ کے موکل کتنے اچھے ہیں انکل۔" ارسلا خوش ہوگئی۔ "اب تو وہ میری بات ک
بھی تائید کرنے لگے ہیں۔"
شہزادی کیٹ بڑی حسرت سے کبھی انکل فیرو اور کبھی اپنی ماں ارسلا کا منہ تکتی رہی
"گھبراؤ نہیں کیٹ۔" انکل فیرو نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہم تم موصل چلیں
گے مگر اس وقت نہیں۔ ایک بات کا خیال رہے۔ میں نے تمہارے موصل جانے
مخالفت اس لئے نہیں کی ہے کہ یہ تمہاری ماں ارسلا چاہتی ہیں بلکہ اس کی وجہ کچھ ا
ہے۔"
"اور کیا وجہ ہے؟" ارسلا تنک کے بولی
کیٹ نے بھی انکل فیرو کو اس طرح دیکھا جیسے اس کی نظروں میں بھی یہی سوال ہ
انکل فیرو نے ادھر ادھر دیکھا پھر راز داری سے بولے۔ "موصل میں بغاوت پھوٹ پ
ہے۔"
"بغاوت!" ارسلا نے حیرانی سے انکل کو دیکھا۔ "کس کے خلاف بغاوت ہوئی ہے؟
"ارسلا۔ تمہارا تعلق شاہی خاندان سے ہے مگر تم بغاوت کے معنی نہیں سمجھتیں
انکل فیرو بگڑ گئے۔ "بغاوت ہمیشہ بادشاہ وقت کے خلاف ہوتی ہے میرے موکلوں نے اطا
دی ہے کہ نائب سلطنت نصیرالدین کا قتل اس بغاورت کا ایک حصہ ہے۔ عماد الدین
جس عجلت سے موصل روانہ ہوا ہے اس سے اس معاملے کی سنگینی کا احساس ہوتا۔
میرے موکل کہتے ہیں کہ اگر امیر زنگی اس وقت موصل میں ہوتا تو اس کا زندہ بچنا
مشکل تھا۔"
یہ تو بہت بری خبر ہے۔ آپ نے اس کی تصدیق کی ہے انکل؟" ارسلا ان کی باتو
کم ہی اعتماد کرتی تھی اسی لئے اس نے یہ سوال کیا تھا۔
انکل فیرو کچھ گھبرا گئے۔ "دیکھو ارسلا۔ خبر پھر خبر ہوتی ہے۔ اس میں کچھ کمی بیشی
ہی سکتی ہے۔ میرے موکل نے تو اس کی تصدیق کی ہے مگر میں خود اس کی تصدیق کرنا
ہوں۔"
"آپ!" آپ کیسے تصدیق کریں گے۔"
"میں موصل جا رہا ہوں" انکل فیروز نے ایک دم انکشاف کیا تو ارسلا حیران رہ گ
"مگر انکل۔ آپ کیسے جا سکتے ہیں ہمارے پاس کون ہوگا۔" ارسلا کو اپنی فکر پڑ گئی
"تم اکیلی نہیں رہوگی۔ تمہارے ساتھ کیٹ ہوگی۔ یہ دبلی پتلی لڑکی تمہیں کمزور

ہوتی ہے لیکن وقت پڑنے پر تم دیکھوگی یہ کسی شیرنی سے کم نہیں۔" انکل فیرو نے مسکرا
کر کیٹ کو دیکھا۔ "میرا ارادہ کیٹ کو ساتھ لے جانے کا تھا۔ مگر وہاں کے صحیح حالات کا
م نہیں اس لئے میں اپنے موکلوں کے ساتھ وہاں جا رہا ہوں۔"
"آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں انکل؟" کیٹ نے ہنس کے پوچھا۔
"ستارے بھی وہی کہتے ہیں جو سب کی زبان پر ہے۔"
لوگوں کی زبان پر کبھی کوئی صحیح بات نہیں ہوتی۔ موصل سے خبر آئی تھی۔ اس کا علم
موصل عمادالدین زنگی کو تھا یا اس کا وفادار سردار اسد الدین شیر کوہ جانتا تھا مگر امیر نے
ی سے موصل واپس جانے کا فیصلہ کیا اور پھر اس پر عمل کیا گیا۔ اس نے افواہوں کو
دیدیا تھا
نائب سلطنت کا قتل بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ نائب سلطنت عام طور پر ولی عہد
ہوا کرتا تھا۔ مگر امیر موصل عمادالدین نے جس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔
تک اپنا ولی عہد مقرر نہ کیا تھا۔ بڑے شہزادے سیف الدین غازی میں وہ تمام خوبیاں
تھیں جو ایک فرمانروا کے لئے ضروری ہوتی ہیں مگر نہ معلوم امیر موصل اس معاملہ
کیوں دیر کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ اسے ابھی دس بیس سال اور اپنے زندہ رہنے کی امید
خدا کی ذات سے یہ بات کوئی بعید نہیں ہے مگر خود انسان کو ہر وقت مرگ ناگہان کے
تیار رہنا چاہئے۔ انسان جوان ہو یا بوڑھا اس کی موت خدا کے ہاتھ ہوتی ہے خدا کی
ت کیا ہوتی ہے اس کا کسی کو علم نہیں۔
امیر کی موصل روانگی کے فوراً بعد یہ افواہ گرم ہوگئی تھی کہ موصل میں بغاوت ہو
ر شہزادہ سیف الدین غازی اس بغاوت کا سرغنہ ہے حالانکہ اس میں ایک فیصد بھی
نہ تھی۔
نصیرالدین جعفر کے قتل کے بڑے دوررس نتائج ظاہر ہوئے۔ موصل میں کچھ غلام
ے گئے۔ نیا نائب سلطنت مقرر ہوا اور سیف الدین غازی کی ولی عہد کا اعلان، کچھ اور
گے بڑھ گیا حالانکہ شہزادے کا دامن اس قتل سے بالکل پاک تھا۔ امیر عمادالدین زنگی
بڑے بیٹے سیف الدین غازی سے کچھ خوش بھی نہ تھا منجھلے بیٹے نورالدین کی طرف
جھکاؤ تھا لیکن وہ اسے ظاہر نہ کرتا تھا اور کسی ایسے وقت کی تلاش میں تھا جس میں وہ
یف الدین پر نور الدین کو فوقیت دے سکے۔ نصیرالدین جعفر کا قتل اس کام کے لئے
رین موقعہ تھا مگر امیر عمادالدین کو سیف الدین غازی کے خلاف رتی بھر ثبوت بھی نہ
بلکہ یہاں تک ہوا کہ موصل میں موجود امرا وزرا اور دیگر عمائدین نے دبے الفاظ

میں امیر کو مشورہ دیا کہ امیر کسی دوسرے کے بجائے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو نائب السلطنت مقرر کریں۔ ظاہر تھا کہ اگر بیٹوں میں سے کسی کو نائب بنانے کا مشورہ قبول کیا جاتا تو بڑا ہونے کی وجہ سے سیف الدین غازی کو یہ عہدہ ملنا چاہئے تھے مگر امیر زنگی نے مشورہ سرے سے قبول ہی نہیں کیا۔ اس طرح ولی عہد کا مسئلہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔

دوسری طرف نصرانی ریاستوں نے نصیر الدین جعفر کے قتل کو خوب اچھالا۔ نائب السلطنت کا قتل واقعی ایک اہم واقعہ تھا اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی کہا جاتا وہ کم تھا تمام علاقوں اور ریاستوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ موصل میں بغاوت ہو گئی۔ شہزادے سیف الدین نے امیر زنگی کے خلاف بغاوت کر دی اور باپ بیٹے میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ شہزادے نے شاہی محل پر زبردست یلغار کی اور دست بدست جنگ میں امیر زنگی کی جان بچ گئی مگر اس کا نائب باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ یہ افواہ اس انداز سے پھیلائی گئی کہ نصرانی ریاستوں میں انطاکیہ یروشلم تک ہر شخص نے اسے حقیقت سمجھ کے اس پر یقین کر لیا۔

الرہا اگرچہ اب نصرانی علاقہ نہیں تھا بلکہ اس کے حاکم مسلمان تھے۔ لیکن یہاں عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہاں کے لوگوں نے بھی اس افواہ پر اسی طرح اعتبار کر لیا جس طرح دوسری نصرانی ریاستوں میں اسے حقیقت سمجھا گیا تھا۔ ارسلا نے اس قتل میں بھی کوئی دلچسپی نہ لی۔ نصیرالدین کے قتل ہونے یا امیر زنگی کے خلاف بغاوت ہونے سے اسے فائدے سے زیادہ نقصان پہنچنے کا امکان تھا۔ الرہا میں اس کا قیام مہمانوں کی طرح تھا۔ سروج کی جاگیر اگرچہ امیر زنگی نے اسے واگزار کر دی تھی۔ اس کی قیمتی اشیاء بھی با کنتش اور اس کے ساتھیوں سے چھین کے سروج میں محفوظ کر دی گئی تھیں مگر ارسلا کے پاس امیر زنگی کا کوئی ایسا فرمان نہ تھا جسے دکھا کر وہ سروج کی دوبارہ مالکہ بن سکتی۔ اسے ڈر بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اگر امیر کے الرہا آنے میں زیادہ تاخیر ہوئی تو کہیں اس کی جاگیر کا معاملہ جھگڑے میں نہ پڑ جائے۔

تل باشر میں دبکا بیٹھا الرہا کا معزول شاہ جوسلین دوم اس واقعہ پر بہت خوش ہوا کیونکہ امیر زنگی کے خلاف بغاوت اس کی تقدیر بدل سکتی تھی۔ شاہ جوسلین دوم نے افواہ کے سہارے پر ہی اپنے جاسوسوں کو الرہا بھیج دیا تھا اور انہیں تاکید کی تھی کہ وہ ارمنی تاجروں سے رابطہ قائم کریں جن کے سہارے جوسلین الرہا چھوڑ کے تل باشر عشرت کا موسم گزارنے گیا تھا۔ ارمنی تاجروں نے بادل ناخواستہ امیر زنگی کا الرہا پر تسلط تسلیم کیا تھا چنانچہ جب شاہ کے جاسوسوں نے ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے اپنے

یقین دلایا۔

سب سے زیادہ پریشانی سروج کے شاہی خاندان کے تین افراد کو تھی جو اپنا سب کچھ سروج ہی چھوڑ آئے تھے۔ اس گھرانے کے تینوں افراد یعنی ارسلا شہزادی کیٹ اور انکل فیرو اگرچہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے وہ بالکل مختلف قسم کے دل و دماغ کے مالک تھے انکل فیرو رفن مولا تھا وہ کسی کام کے نہ تھے پھر بھی منجم اور ریاضی دان اور موکل ان کے قبضہ میں تھے اور علم طب میں کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتے تھے۔ ان کے طبیب ہونے کی تفصیل یہ ہے ان کے حلقہ احباب میں کوئی شخص ایسا بیمار ہوا کہ تمام حکیموں اور طبیبوں نے جواب دیا انکل فیرو کچھ ہی دن پہلے دوستوں میں اپنے حکیم ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔ پس ستوں نے انہیں پکڑ لیا۔ انکل کو مجبور ہو کے اس کے علاج پر رضامند ہونا پڑا۔ پھر ہوا یہ کہ انکل فیرو کو حکمت کی کوئی کتاب مل گئی جس میں متعدد امراض کے تیر بہدف نسخے ج تھے۔ آپ نے کتاب بند کر کے صفحات کے درمیان انگلی ڈالی پھر ایک جگہ سے کتاب لی اور اس صفحہ پر جو پہلا نسخہ درج تھا وہ نقل کر کے بیمار کے عزیزوں کو دیدیا۔ خدا کا ایسا ہوا کہ اس دوا کے استعمال سے بیمار اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ پھر تو انکل فیرو کے تمام ب کو ان پر ایمان لانا پڑا اور وہ پورے حلقے میں حکیم ڈاکٹر اور جانے کیا کیا مشہور ئے۔

یہ ٹھیک ہے کہ انکل فیرو باتیں زیادہ بناتے اور کام بہت کم کرتے تھے لیکن انہوں نے محبت بھرا دل پایا تھا جو ہر ایک کی مصیبت پر تڑپ اٹھتا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ اس جانے سے شہزادی کیٹ کو شہزادے مودود سے پہلی ہی ملاقات میں کس قدر محبت ہو تھی اور شہزادے کے اس طرح جانے سے شہزادی کیٹ کتنی اداس ہو گئی تھی۔ چنانچہ شہزادہ چار دن تک ان کے گھر نہیں آیا تو انکل فیرو اس کا پتہ لگانے شاہی خیمہ گاہ میں گئے۔ انہیں بتایا گیا کہ امیر زنگی اپنے بیٹوں کے ساتھ موصل واپس جا چکے ہیں کیونکہ کے نائب کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس قتل میں ان کے بیٹے سیف الدین کا ہاتھ ہے۔ رح نصیرالدین جعفر کا قتل شہزادہ سیف الدین غازی کی بغاوت کا شاخسانہ بن گیا۔

ہزادی ارسلا کے محل میں ہر وقت اداسی طاری رہتی۔ ارسلا تذبذب کے عالم میں سے معلوم ہو گیا تھا کہ شاہ جوسلین کے جاسوس الرہا میں گھومتے پھر رہے ہیں اور امیر زنگی کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ الرہا میں مسلمان بہت کم تھے۔ امیر نے واپسی ت وہاں ایک مضبوط دستہ چھوڑا تھا۔ ان کے علاوہ الرہا میں پہلے سے رہنے والے لمان بھی تھے مگر گزشتہ ایک سو سالہ غلامی نے انہیں پیس کے رکھ دیا تھا گو کہ الرہا پر

مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا لیکن انہیں اپنے آزاد ہونے کا اب بھی یقین نہ تھا۔ الرہا کی باقی آبادی ارمنی اور کلدانی نصرانیوں پر مشتمل تھی۔ جو تاجر پہلے اور نصرانی بعد میں تھے۔ جس وقت امیر زنگی نے الرہا کا محاصرہ کیا تھا تو انہی تاجروں کے ہاتھ میں قلعہ کی باگ ڈور تھی انہیں اپنی کامیابی کی پوری امید تھی۔ ان کا خیال تھا کہ شاہ جوسیلین کو جیسے ہی علم ہو گا کہ ان کے صدر مقام کو مسلمان لشکر نے گھیر لیا ہے تو فوراً الرہا کو بچانے کے لئے لشکر لے کر آئے گا۔ شاہ جوسیلین کے واپس آنے میں دس پندرہ دن کا عرصہ لگ سکتا تھا اور قلعہ میں دس ماہ سے زیادہ کا سامان موجود تھا اس لئے وہ اطمینان سے مدافعت کر رہے تھے اور منتظر تھے کہ شاہ واپس آکر مسلمانوں کی پشت سے حملہ کرے تو یہ قلعہ کا دروازہ کھول کر سامنے سے حملہ کر کے مسلمانوں کو چکی کے دوپاٹوں کی طرح درمیاں میں پیس کے رکھ دیں مگر امیر زنگی کی حکمت عملی کے سامنے قلعہ والوں کی ساری خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ پھر جب قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہی ارمنی اور کلدانی تاجر امیر زنگی کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہو گئے۔ اب جبکہ امیر زنگی پر بظاہر ایک مشکل وقت آ پڑا تھا۔ تو لوگ تھالی کے بینگن کی طرح شاہ جوسیلین کی طرف لڑھک رہے تھے اور ان کے جاسوس پورے تعاون کا یقین دلا رہے تھے۔۔۔

ایک شب جب یہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو ملازم نے ایک پادری کے آنے کی اطلاع دی۔ ارسلا جب سے امیر زنگی کی پناہ میں آئی تھی اور اس نے امیر کے دئے ہوئے اس محل میں قیام تھا اس وقت سے اس نے اپنے عزیزوں سے رابطہ ختم کر دیا تھا۔ وہ اتوار کے دن گرجا بھی نہیں جاتی تھی۔ الرہا میں اس کے کئی جاننے والے موجود تھے لیکن ارسلا ان سے ملنا بھی نہ چاہتی تھی کہ کہیں امیر زنگی کو اس کی طرف سے کچھ شبہ نہ ہو۔ پادری کے رات کے وقت آنے سے اس کا پریشان ہونا فطری تھا جبکہ یہاں آنے کے بعد سے اس نے کسی پادری کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔

ارسلا نے کن انکھیوں سے انکل فیرو کی طرف دیکھا انکل بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔ مہمان خانے میں پادری ان کا انتظار کر رہا تھا۔ پادریوں کے لمبے چوغے کو وہ اس بے ڈھنگے طریقے سے پہنے تھا۔ تو انکل فیرو کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ شخص پادری نہیں بلکہ اس نے پادریوں کا بہروپ بھرا ہے۔

"میں فادر کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں" انکل فیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا نام انکل فیرو ہے؟" پادری نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"اگر فادر، شہزادی ارسلا سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں وہ اندر موجود ہیں۔" انکل

نے اس طرح کہا جیسے اس نے پادری کا سوال نہیں سنا ہے۔

پادری کچھ دیر حیران نظروں سے انکل فیرو کو دیکھتا رہا پھر سرگوشیوں میں بولا۔ "انکل فیرو۔ میں آپ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں آپ مجھ سے اور شہزادی ارسلا سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔" فادر انکل فیرو کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ الرہا کو ایک بار پھر مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔"

پادری گھبرا گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "انکل فیرو آپ غضب کر رہے ہیں۔ اس محل میں کئی مسلمان ملازم بھی ہیں کسی نے سن لیا تو آپ لوگوں کے لئے مشکل ہو جائے گی۔"

"میرے لئے نہیں۔۔۔۔۔"

انکل فیرو کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شہزادی ارسلا آ گئی۔ اس کے آنے سے انکل فیرو کی بات کٹ گئی۔ انکل نے پادری کی طرف دیکھا پھر ارسلا سے مخاطب ہوا۔ "ارسلا فادر تم سے ملنا چاہتے ہیں اور کچھ باتیں تنہائی میں کرنا چاہتے ہیں۔"

"شہزادی انہیں روکئے۔ یہ بات کر رہے ہیں۔ کسی مسلمان نے ان کی باتیں سن لیں تو خواہ مخواہ بات بڑھ جائے گی۔ پادری نے قدرے سخت لہجے میں کہا مسٹر پادری۔" انکل فیرو بھڑک اٹھے۔ "آپ کو بہروپ بھرنا تو آتا نہیں جاسوسی کیا خاک کریں گے۔ اگر آپ کو بات بگڑنے کا خیال تھا تو یہاں آنے سے پہلے آپ نے کم از کم سو دفعہ سوچا ہوتا۔ کسی کی پرامن زندگی کو جہنم بناتے ہوئے تمہیں ذرا رحم نہیں آتا۔ تم اور تمہارا بادشاہ آرام سے تل باشر میں بیٹھے ہیں۔ اب تک انہیں الرہا کی کوئی فکر نہ ہوئی اب امیر زنگی کو ذرا مصیبت میں دیکھا تو الرہا تمہیں یاد آ گیا۔ جاسوسیاں شروع کر دیں۔ جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے ہم تمہارے مفاد پرست بادشاہ سے تعاون نہیں کر سکتے۔"

پادری کو شاید غصہ آ گیا۔ انکل فیرو یہ مت بھولو کہ الرہا نصرانیوں کا ہے اور شہنشاہ جوسیلین اسے حاصل کر کے رہیں گے خواہ تم ہم سے تعاون کرو یا نہ کرو۔

ارسلا کو معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں ذرا بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ اس نے سب سے پہلے مہمان خانہ کا دروازہ بھیڑ دیا پھر انکل سے بولی "انکل ہم پہلے بھی نصرانی تھے اور اب بھی نصرانی ہیں۔ شاہ جوسیلین ہمارا بھائی ہے۔" پھر پادری سے کہا۔ "فادر۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ایک بہن، بھائی کی کسی بات سے کیسے انکار کر سکتی ہے۔"

"مگر یہ ------- یہ انکل -------" پادری نے انکل فیرو کو گھور کے دیکھا۔

"فادر۔ آپ ان کی باتوں کا برا نہ مانیں۔" شہزادی ارسلا بڑے باوقار طریقے سے مسکرائی "ان کی باتوں کے قبضہ میں موکل ہیں اور آسمان کے ستارے کے ستارے ان سے پوچھے بغیر چال نہیں چلتے۔ انکل فیرو کی ہر بات کا مطلب الٹا ہوتا ہے اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اس وقت دن ہے یا رات تو یہ فوراً" جواب دیں گے کہ اس وقت دن ہے اور سورج سر پر چمک رہا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ارسلا نے انکل فیرو کو ملتجی نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "کیوں انکل فیرو۔ میں نے کچھ غلط نہیں کہا؟

انکل فیرو شادی ارسلا کا مقصد پا گئے تھے۔ انہوں نے خود کو سنبھالا اور ہنس کے بولے۔ "ارسلا تم ہمارا مذاق کر کرا کر دیتی ہو۔ ہم فادر سے بھی مذاق کر رہے تھے اور اسے سنجیدہ باتیں سمجھ بیٹھیں۔ رہا دن اور رات کا مسئلہ تو تم میری بات کو کاٹتی ہو۔" پھر انکل فیرو نے بھی اپنا رخ پادری کی طرف کر لیا۔ "فادر۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت بھری دوپہر ہے لیکن اگر آپ ارسلا سے پوچھیں گے تو یہ فوراً" مجھے جھٹلائیں گی اور چیخ کے کہیں گی کہ اس وقت دن نہیں رات ہے۔"

پادری بوکھلا گیا۔ "جی ٹھیک ہے۔ مجھے شہزادی عالیہ کی بات کا یقین ہے۔" اور جاسوس اٹھ کے باہر کی طرف چلا۔

انکل فیرو نے ذرا تیز آواز میں کہا۔ "تم شاید مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو۔ اب بھی آ گے تو میں نہیں بتاؤں گا کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ"

جاسوس دروازے کے پاس پہنچا اور پلٹ کے بولا۔ "انکل فیرو۔ میں نے تمہار۔ بارے میں سنا تھا کہ تم بے پر کی اڑاتے ہو۔ کہنے والے سچ ہی کہتے ہیں تمہارے بار- میں۔"

"کیا کیا۔ ذرا سننا تو۔ ٹھہرو ٹھہرو۔" انکل فیرو دروازے کی طرف بڑھا۔

جب تک انکل فیرو جاسوس کے قریب پہنچتے وہ دروازے سے نکل کے دوڑ لگا چکا تھا ایک ملازم نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس نے وہیں سے آواز لگائی۔ "کیا یہ چور ہے پکڑلوں اسے؟"

جانے بھی دو کمبخت کو۔ بڑا آیا تھا پادری بن کے" انکل نے جواب دیا۔ "مذہب کا الف بے کا پتہ نہیں اور ---------"

اسی وقت ارسلا نے اندر سے ہاتھ پکڑ کے انہیں کھینچا۔ "بس اب آپ اندر آجائیے

اور انکل فیرو کھنچتے ہوئے اندر چلے گئے۔ انکل آپ کسی وقت ---------"

انکل فیرو نے ارسلا کو بات پوری نہ کرنے دی اور بیچ ہی میں بول پڑے۔ مجھے سے یہ شاہوں کی منافقت دیکھی نہیں جاتی۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ الرہا پر حملہ ہوا۔ قلعہ امیر زنگی کے گھیرے میں آگیا اور ہمارے شاہ جو سیلین' تل باشر کی نزہت گاہ میں بڑے داد عیش دیتے رہے کیا ان کے پاس لشکر نہ تھا۔ پوری ریاست پر تو امیر زنگی کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ شاہ تل باشر سے نکلتے تو ہزاروں لاکھوں نصرانی ان کے ساتھ ہولیتے مگر انہوں نے تلوار دیوار پر لٹکا دی تھی اور ہاتھوں میں جام وسبو سنبھالے تھے وہ میدان جنگ میں کس طرح نکلتے اور کیوں نکلتے۔ الرہا پر تباہی آئی تو ان کا کیا گیا۔ ان کا پورا شاہی خاندان ان کے ساتھ ہے شاہی خزانہ وہ ساتھ لے گئے۔ مارے گئے تو عوام۔ دربدر ہوئے تو عوام۔ اب یہ خود غرضی ہے کہ امیر کو مصیبت میں گرفتار دیکھا تو لشکر لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں کہتا ہوں اگر بھی معلوم ہو جائے کہ امیر عمادالدین ادھر آرہا ہے تو شاہ جو سیلین پھر تل باشر میں دبک کے بیٹھ جائیں گے۔"

"انکل فیرو۔" ارسلا نے ان کی تقریر طویل سے طویل تر ہوتی دیکھی تو فوراً" بات کاٹی۔ "اسی لئے تو میں کہتی ہوں کہ آپ کسی کسی وقت کام کی بات کر جاتے ہیں۔"

انکل نے چونک کے ارسلا کا منہ دیکھا۔ "یہ ---- یہ تم کہہ رہی ہو۔ تمہارا مطلب ہے کہ میں نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک تھا۔"

"بالکل ٹھیک۔ ایک لفظ غلط نہیں تھا۔"

"پھر تم نے میری مخالفت کیوں کی۔ شاہ کی حمایت کا دم کیوں بھرا۔؟" انکل فیرو کا موڈ بگڑنے لگا۔

"جس طرح آپ نے ٹھیک کہا اسی طرح میں نے بھی ٹھیک ہی کہا تھا۔"

"ارسلا۔ تم مجھے نہیں بنا سکتیں۔" انکل نے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اشارے اس وقت تو میں نے بات بتادی تھی لیکن اب تمہیں بتانا ہوگا کہ تم نے شاہ جو سیلین کی طرف کیوں کی تھی؟"

"سنئے انکل۔" ارسلا نے انکل کو سمجھایا۔ "میں چاہتی تھی کہ شاہ کو ان کی غلط اور غفلت سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ ان کی رعایا ان کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ آپ نے یہ کام بخوبی کر دیا۔ آپ جس وقت پادری کو پھٹکار رہے تھے' میں آڑ میں کھڑی سن رہی تھی مگر اتفاقاً" میری نظر ایک غلام پر پڑ گئی۔ وہ کان لگائے تمہاری باتیں سن رہا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ یہ شاہی جاسوس ہے اور تمہاری باتیں شاہ تک پہنچائے گا پس

میں تمہاری باتوں کا اثر زائل کرنے کے لئے فوزا" سامنے آگئی اور باتیں کہیں جو ش
جو سیلین کے کانوں تک پہنچنا چاہئیں۔"

"مگر تم نے تو شاہ کے اقدام کی حمایت کی ہے اگر جاسوس نے تمہاری باتیں امیر ز
تک پہنچادیں تو کیا ہوگا" فیرو نے بڑی ذہانت کا سوال کیا۔

"میں ایسی بیوقوف نہیں انکل" ارسلا بے پروائی سے بولی۔ "میں نے غلام کو اپنے
سے چوکنا کر دیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ دوسری طرف چلا گیا تھا۔ پھر جو باتیں میں نے شاہ
پادری کے سامنے کی تھیں وہ شاہی جاسوس کے جانے کے بعد کی تھیں۔"

"ماما۔ اندر چلئے۔ میں اکیلے گھبرا رہی ہوں۔" کیٹ بھی مہماں خانہ میں پہنچ گئی۔

"کبھی ممی کبھی ماما۔ کیٹ تم نے اپنی ماں کے کتنے نام رکھ چھوڑے ہیں؟" انکل فیرو
نے اسے چھیڑا

"یہ میرا اور میری ماں کا معاملہ ہے۔ آپ یہ بتایئے کہ آپ کب جا رہے ہیں؟" کیٹ
نے موضوع تبدیل کرنے کے لئے کہا۔

"میں ——— میں کہاں جا رہا ہوں۔" انکل بوکھلا گئے۔

"دیکھئے آپ انکار نہ کیجئے ورنہ میں چلی جاؤں گی۔

"مگر کہاں۔ کچھ پتہ تو چلے؟"

"موصل۔ امیر زنگی کے دربار میں۔"

"تم نے اچھا یاد دلایا۔ مجھے موصل بھی جانا ہے۔" پھر ایک لمحہ سوچ کے کہا۔ "اچھا
ارسلا۔ میں موصل چلا۔ کیٹ کا یہی مشورہ ہے۔"

"اور اگر کہیں پکڑے گئے تو کیا کریں گے۔" کیٹ منہ گھما کے ہنسنے لی۔

"پادریوں کو کوئی نہیں پکڑتا کیٹ۔"

"کیا آپ پادری بن کے جائیں گے۔؟"

"اور کیا شہزادہ مودود بن کے جاؤں؟"

کیٹ شرما گئی۔ ""میں ——۔ میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟"

"یہ طے ہو چکا ہے کہ تم نہیں جاؤ گی۔"

"میں نہیں جاؤں گی تو آپ راستے میں ضرور پکڑے جائیں گے۔"

"میں پادریوں کے قافلے میں جاؤں گا۔ ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی۔" انکل
نے سیٹی بجائی۔

"انکل آپ مذہب کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتے اگر کوئی پوچھ بیٹھا تو کیا کریں

ے؟"

"او گاڈ۔ پھر کیا ہوگا۔" انکل فیرو گھبرا گئے۔ پھر کیٹ کی طرف رخ کر کے بولے۔ "
یں ڈاکٹر اور حکیم بن کے جاؤں تو کیسا رہے گا؟"

"ڈاکٹری اور حکمت آپ نے کب پڑھی ہے۔ بھانڈا پھوٹ گیا تو لینے کے دینے پڑ
یں گے۔"

انکل فیرو نے یوں سر پکڑ لیا جیسے ان کے سر میں سخت درد ہو رہا ہو۔

بت رات گئے تک انکل فیرو جانے نہ جانے پر بحث ہوتی رہی مگر کوئی بات طے نہ ہو
ی۔ ارسلا کا خیال تھا کہ شہزادہ مودود نے انہیں بھلا دیا اس لئے شہزادی کیٹ کا کوئی رشتہ
وہ کے اس کے فرض سے فارغ ہو جائے۔ جنگ کے بادل چھائے ہوں تو ایسے وقت
ب سے زیادہ پریشانی جواں عمر شہزادیوں کی ہوتی ہے کیونکہ شکست کی صورت میں یہ
زادیاں دشمن کے قبضہ میں چلی جاتی ہیں اور وہ جو اور جیسا جی چاہے ویسا سلوک ان کے
ھ کرتے ہیں۔ یہی پریشانی اس وقت ارسلا کو ہو رہی تھی۔ شہزادہ مودود کو وہ زیادہ پسند نہ
تی تھی مگر ایک تو شہزادی کیٹ کا اس کی طرف جھکاؤ تھا۔ اور دوسرے حالات کا تقاضہ
بھی تھا کہ وہ فاتح کے بیٹے سے کیٹ کی شادی کر کے مطمئن ہو جائے۔ پھر بھی اس نے
ل فیرو کے موصل جانے کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کیا تھا اور ان دونوں کی بحث
بہت کم حصہ لیا تھا۔

اگلے دو ہفتے خیریت سے گزر گئے۔ انکل فیرو نے دوڑ دھوپ کر کے یہ معلوم کر لیا کہ
حل میں اب مکمل سکون ہے۔ انکل فیرو اس وقت بہت مفید ثابت ہو رہے تھے وہ اپنی
پ گفتگو سے ہر محفل میں گھس جاتے تھے اور بڑے راز کی باتیں معلوم کر لیتے تھے۔
یں یہ بھی علم ہو گیا کہ شہزادہ مودود ' امیر زنگی کے ساتھ موصل میں موجود ہے مگر امیر
ی کی موصل واپسی کے بارے میں اسے کسی طرف سے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ اس سے
ا اور شہزادی دونوں کا دل افسردہ ہو گیا تھا اور انکل فیرو ایک بار پھر سنجیدگی سے موصل
نے کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔ پھر ایک دن انہیں موصل جانے کا ایک سنہری موقعہ
آیا۔

انکل فیرو کی عدم موجودگی میں ایک جاسوس ارسلا کے محل پر آدھمکا۔ اس نے اپنے
ہ کو شہزادی ارسلا کا پرانا باورچی ظاہر کیا جو سروج میں ان کے مطبخ (باورچی خانہ) کا
تھا۔ ارسلا کے ساتھ آنے والوں کو اس کے جھوٹ پر بڑی ہنسی آئی مگر وہ سمجھ گئے کہ
جو سیلین کا جاسوس ہے اور اس بہانے ارسلا سے ملنا چاہتا ہے۔ ارسلا کو اندر اطلاع

کرائی گئی۔ وہ اندر کے کسی کمرے میں تھی کیٹ سامنے کھڑی ملی تو ملازمہ نے اسے خبر دی کہ آپ کا سروج والا باورچی آیا ہے۔ کیٹ کو تعجب ہوا کہ اس کا پرانا باورچی یہاں کیسے آگیا جبکہ سروج سے روانہ ہونے سے پہلے تمام ملازمین کو دو دو ماہ کی پیشگی تنخواہ دے کر ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا گیا۔

کیٹ نے جھانک کے دیکھا۔ برآمدے میں ایک ہونق سا آدمی کھڑا ملازموں سے باتیں کر رہا تھا۔ کیٹ بھاگی ہوئی اندر گئی اور ماں سے سوال کیا۔

"ممی ممی۔ ہمارا باورچی کیسا تھا؟"

"کیا بے تکا سوال کر رہی ہو۔ کون باورچی؟" ارسلا جھلا گئی۔

"مگر وہ تو کہتا ہے کہ سروج میں وہ آپ کا باورچی تھا۔" کیٹ نے بھولے پن سے کہا۔

"کون کہتا ہے۔ تیرا دماغ خراب ہو گیا کیٹ؟۔"

"وہی کہہ رہا ہے میں کیا جانوں کون ہے۔ سروج میں ہمارا۔۔۔۔"

ارے کون ہے۔ کہاں ہے۔ مجھے دکھاؤ تو چل کے۔؟"

ارسلا اور کیٹ برآمدے میں کھلنے والے دروازہ کے پاس پہنچ گئیں۔ ارسلا نے جھانک کے دیکھا۔ آنے والا اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ "اب یہاں رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے کیٹ۔" ارسلا بڑبڑائی

"کیا ہوا ممی۔ یہ کون ہے۔؟" کیٹ بھی پریشان ہو گئی۔

"یہ تو میں نہیں جانتی یہ کون ہے مگر ہے شاہ جو سیلین کا جاسوس۔" ارسلا کا مزاج برہم ہونے لگا۔ "اس دن کہہ دیا تھا کہ اب یہاں آنے کی ضرورت نہیں مگر انہیں نہ کسی کے آرام کی فکر ہے اور نہ عزت و آبرو کی۔ ہم امیر زنگی کی روٹیوں پر پڑے ہیں اور یہ لوگ ہم سے جاسوسی کرانا چاہتے ہیں۔"

"آپ انہیں ڈانٹ کے بھگا دیجئے ممی۔ یہ کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہیں؟" کیٹ نے ماں کو ایک بچگانہ مشورہ دیا۔

"بیٹی کیٹ اگر تمہارا ساتھ نہ ہوتا تو شاید ایسا ہی کرتی۔" ارسلا افسردگی سے بولی۔

"میں۔ میرا کیا دخل ہے ممی؟"

"یہ دو سلطنتوں کی جنگ ہے کیٹ۔" ارسلا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "شاہانہ جنگوں میں جب تک ایک مر نہیں جاتا دوسرے کو اپنی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہوتا۔ امیر موصل نے الرہا فتح کر لیا ہے مگر تمہارے ماموں جو سیلین اسے واپس لینے کے موقعہ کے انتظار میں ہیں۔ جب سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ امیر زنگی کے ملک میں بغاوت ہو گئی ہے

وقت سے انہوں نے جاسوس دوڑانا شروع کر دئے ہیں۔ انہیں کیا پتہ کہ یہاں کون کس ن میں ہے۔ اگر ان کا روز کوئی جاسوس میرے پاس آتا رہا تو راز کھل جائے گا۔ ہم پر غداری کا الزام لگے گا اور امیر کی طرف سے جو کچھ دیا گیا ہے وہ سب چھن جائے

کیٹ کے ہوش اڑ گئے۔" ممی۔ پھر ان لوگوں کا آنا کسی طرح بند کیجئے نا۔؟"

"یہی میں بھی سوچ رہی ہوں اے کاش اس وقت تمہارے انکل ہوتے۔"

"اتنا کہہ کر ارسلا نے کیٹ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لئے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔

"پھر آپ نے اس کے لئے کیا سوچا ممی؟" کیٹ کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

"کیٹ۔ تم کسی کے ذریعہ باہر کہلوا دو کہ شہزادی ارسلا کی طبیعت ناساز ہے۔ ملاقاتی ے کہا جائے کہ وہ کل اسی وقت ملاقات کے لئے آئے۔" ارسلا نے یہ سمجھا کر کیٹ کو رے کی طرف بھیجا اور خود مسہری پر لیٹ گئی۔ اس نے کیٹ کو یہ بھی تاکید کر دی کہ نے والا اپنا رد عمل ظاہر کرے یا جواب دے وہ لے کے آئے۔

ذرا دیر بعد شہزادی مسکراتی ہوئی واپس آئی۔ "ممی وہ تو بہت جز بز ہو رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسے شہزادی ارسلا کے سامنے پیش کر دیا جائے وہ پیش کرنے والے سے ناراض نہیں ہوں گی بلکہ اسے انعام دیں گی مگر کنیز نے اسے پھٹکار دیا۔"

"دیکھا نا۔ میں نہ کہتی تھی کہ وہ شاہ کا کوئی جاسوس ہے۔ کل آنے کے بارے میں کیا اس نے؟" ارسلا نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ بڑبڑاتا چلا گیا ہے ممی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"فکر تو کرنا ہی ہوگا کیٹ۔" ارسلا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "تمہارے انکل فیرو پتہ ں کہاں اٹک کے رہ گئے۔ جدھر جی چاہتا ہے نکل جاتے ہیں۔"

"ارسلا کا جملہ پورا ہی ہوا تھا کہ انکل فیرو مسکراتے ہوئے آموجود ہوئے۔ "ارسلا کا ج بہت بگڑا معلوم ہوتا ہے کیوں بیٹی کیٹ کون آیا تھا؟"

"میں کیوں بتاؤں انکل۔ آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں؟" کیٹ نے انکل فیرو کو امتحان میں ڈال دیا۔

میرے ستارے تو کہتے ہیں۔ انکل فیرو مسکراتے ہوئے بولے۔ "خیر اسے چھوڑو۔ میں ں ایک دلچسپ قصہ سناتا ہوں۔ سنو گی کیٹ۔؟"

"میں تو سنوں گی۔ ممی سے پوچھ لیجئے انکل۔ انہیں بہت غصہ سوار ہے"

"قصہ سنیں گی تو غصہ ختم ہو جائے گا" پھر ایک لمحہ رک کے بولے۔ "تمہیں یاد ہے

کہ کیٹ اس دن جو ایک جاسوس آیا تھا؟"
جاسوس!"
"ہاں ہاں جاسوس۔ میں نے اسے خوب پھٹکارا تھا۔"
"کچھ آگے بھی کہئے؟"
"وہ آج مجھے پھر ملا تھا۔"
"وہ آپ کو ملا تھا۔ وہ جو ابھی یہاں سے گیا ہے۔" کیٹ نے تعجب انگیز لہجے میں کہا"
انکل فیرو کہہ رہے ہیں وہ جاسوس انہیں بھی ملا تھا۔"
"کیا واقعی انکل۔ کیٹ کیا کہہ رہی ہے۔ وہ ابھی تو نکلا ہے یہاں سے۔ کیا کہہ ر
تھا؟" ارسلا نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھے۔
انکل فیرو بھی کچھ حیرت زدہ ہوگئے۔ تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ "یہ سب تو میں بعد میر
بتاؤں گا۔ پہلے مجھے بتاؤ کہ کون آیا تھا۔؟"
"جاسوس!" کیٹ نے خوفزدہ آواز میں جواب دیا۔
"تم نے دیکھا تھا اسے؟"
"ہاں۔ لمبا بے ڈول۔ کہتا تھا کہ میں باورچی ہوں۔ سروج میں ہمارے گھر کھانا پکا
تھا۔"
"جاسوس اور باورچی۔ تم نے سب کچھ گڈمڈ کر دیا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔"
"مجھ سے پوچھو۔ میں بتاتی ہوں۔" ارسلا نے بات اچک لی۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے
ایک آدمی مجھ سے ملنے آیا۔ میں سمجھ گئی کہ ہونہ ہو وہ کوئی جاسوس ہے کیونکہ اس نے اپ
نام بتانے کے بجائے یہ کہا تھا کہ وہ ہمارا پرانا باورچی ہے۔ ہم نے اپنے باورچی کو جواب
دیدیا تھا اور اسے نہیں بتایا تھا کہ ہم الرہا جارہے ہیں۔"
"آگے بھی کچھ کہو۔ تم نے اس سے ملاقات کی؟"
"نہیں۔ میں نے کہلوادیا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ کل ملنے آجائے۔"
"اس کا حلیہ کیا تھا؟"
"میں نے اسے نہیں دیکھا۔ کیٹ نے دیکھا ہے۔ اس سے پوچھ لیجئے۔"
"انکل میں آپ کو بتا تو چکی ہوں۔" کیٹ نے کہا۔ "وہ لمبا بے ڈھنگا۔ دیکھنے میں
باورچی بالکل نہیں لگتا تھا۔"
"تو پھر یہ دوسرا جاسوس تھا۔" انکل نے فیصلہ کر دیا میری ملاقات اس جاسوس سے
ہوئی تھی جو اس سے پہلے آیا تھا۔"

"خیر آپ کی کسی سے ملاقات ہوئی ہو مگر وہ کہتا کیا تھا؟" ارسلا سنبھل کے بیٹھ گئی
ے انکل فیرو کوئی اہم خبر سنانے والے ہوں۔
"بس میری اور اس کی ملاقات ہوتے ہوتے رہ گئی۔ انکل فیرو بے پروائی سے بولے
انکل۔ آپ کی چوری پکڑی گئی۔ ابھی آپ نے کہا تھا کہ اپ کی اس سے ملاقات ہوئی
اب مکر رہے ہیں" کیٹ نے واقعی انکل فیرو کا جھوٹ پکڑ لیا تھا۔
"انکل فیرو نے فوراً" اقرار کیا "میں انکار کب کر رہا ہوں۔ وہ ادھر سے آرہا تھا اور
ادھر سے جا رہا تھا۔ ایک گلی کے نکڑ پر ہم دونوں کا سامنا ہوگیا اس نے مجھے آواز دی
یں جھٹ گلی میں مڑ کے دوسری طرف نکل گیا۔ اس کی آواز دور تک میرا پیچھا کرتی
نگر میں آگے بڑھتا رہا۔"
"بڑا اچھا کیا انکل۔" ارسلا نے تھکے لہجے میں کہا "ان کم بختوں نے پیچھا پکڑلیا ہے۔
ہی نہیں چھوڑتے۔ روز ایک نیا آدمی چلا آرہا ہے۔ جیسے انہیں پتہ ہی نہیں ہم لوگ
زنگی کی پناہ میں ہیں اور ان کے دیئے ہوئے محل میں رہتے ہیں۔"
"انکل فیرو نے یوں سر جھکا لیا تھا جیسے مراقبے میں چلے گئے ہوں۔
"انکل کہاں کھو گئے۔ کیا خواب دیکھ رہے ہیں؟" کیٹ نے انہیں چونکایا۔
"ہوں۔" انکل نے پہلے کیٹ کی طرف دیکھا پھر ارسلا سے کہا۔ "اب کیا فیصلہ ہے
ا؟"
"کس بارے میں۔ کیسا فیصلہ؟۔"
"یہی کہ مجھے موصل چلا جانا چاہئے۔"
"آپ کب موصل جائیں گے انکل۔" کیٹ کا جی خوش ہوگیا۔
"گھبراتی کیوں ہے۔ تجھے بھی ساتھ لے چلوں گا۔"
"کیا خوب۔ بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے ماموں بھانجی نے۔" ارسلا چڑ کے بولی۔ "تم دونوں
ؤ۔ میں اکیلے بیٹھ کے کوئے ہنکایا کروں = یہ جاسوس میری جان نہیں لے لیں گے؟"
ں۔ یہ بات تو ہے۔ پھر کیٹ کو نہیں لے جائیں گے۔"
یٹ کا دل ڈوبنے لگا۔
کیٹ کو میرا ذرا بھی خیال نہیں ورنہ خود جانے سے انکار کر دیتی۔" ارسلا نے کیٹ
ا۔
یں نے کب کہا تھا کہ میں بھی جاؤں گی۔ یہ بات تو پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔"
نے صفائی پیش کی۔

"تمہیں میں لئے کب جا رہا ہوں۔ بیکار میں صفائیاں پیش کر رہی ہو۔؟" یہ کہتے ہوئے انکل فیرو نے کیٹ کی طرف دیکھا۔

کیٹ کٹ کے رہ گئی۔ اسے کوئی جواب نہ سوجھا۔

"تو پھر طے ہو گیا۔" انکل فیرو نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"پہلے میرا اور کیٹ کا انتظام کیجئے پھر جانے کا نام لیجئے گا۔" ارسلا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تمہارا یہی فیصلہ ہے کہ تم یہاں رہو۔ طبیعت گھبرائے سروج چلی جانا۔" انکل فیرو نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ "میں واپسی پر تم لوگوں کو تلاش کرلوں گا۔"

"الرہا میں تو کچھ سہارا بھی ہے۔ سروج جا کر میں بالکل بے سہارا ہو جاؤں گی۔ میرا کوئی اور انتظام کر کے جاؤ؟"

"انکل فیرو الجھن میں پھنس گیا۔ ارسلا کا کہنا بھی درست تھا۔ فیرو کے الرہا میں ہوتے ہوئے جاسوس دوبار ان کے گھر تک پہنچ چکے تھے۔ جب وہ ماں بیٹی سروج جائیں گی تو پتہ نہیں جاسوس کیا کیا کریں۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد انکل فیرو نے کہا۔ "اچھا میں ستاروں کو دیکھوں گا۔ موکلوں سے بھی مشورہ کروں گا پھر کل جواب دوں گا۔"

"آپ جواب کچھ دیں مگر یہ خیال رکھئے کہ میں اتنے بڑے محل میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ مجھے سب سے زیادہ خوف ان کم بخت جاسوسوں کا ہے۔"

"اس کا تو حل ڈھونڈنا ہے ارسلا۔"

"دوسری صبح انکل فیرو چپکے سے کہیں نکل گئے پھر جب دوپہر کو واپس آئے تو بہت خوش خوش تھے۔

"کدھر چلے گئے تھے صبح ہی صبح؟" ارسلا نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ "آپ بغیر بتائے چلے جاتے ہیں تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"اب کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ میں نے سب انتظام کر لیا ہے" انکل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا انتظام کیا ہے؟" ارسلا اور کیٹ نے حیران ہو کر پوچھا۔

کھڑکی سے جھانک کے دیکھو اس محل کو زنگی کے دستے کے سواروں نے گھیرے میں لے لیا ہے اندر نہ کوئی داخل ہو سکتا ہے اور نہ باہر نکل سکتا ہے۔ ہم لوگوں کو بھی باہر جانے کے لئے اپنی شناخت کرانا پڑے گی۔"

"ارسلا اور کیٹ لپک کے کمرے کی ایک بغلی کھڑکی کے پاس گئیں۔ انہوں نے جب انکا تو وہ حیران رہ گئیں۔ محل کے ہر طرف مسلح سوار گشت کر رہے تھے۔ صدر دروازے ایک حصہ بھی انہیں نظر آیا۔ وہاں کئی سوار ساتھ ساتھ کھڑے دکھائی دئے۔

ارسلا نے پلٹ کر انکل سے پوچھا۔ "یہ سب کیسے ہوا انکل۔ یہ آپ کی کوشش ہے یا اکم علاقہ نے ہمیں اس محل میں نظربند کر دیا ہے؟"

"ارسلا۔" انکل فیرو نے ایک پیر پر گھوم کے پورا چکر لگایا۔ "یہ سب ہمارے موکلوں کیا دھرا ہے۔"

ارسلا کو الجھن ہونے لگی۔ وہ ایک سنجیدہ سوال کر رہی تھی اور انکل فیرو اسے مذاق اڑا رہے تھے۔ وہ انہیں روک نہیں سکتی تھی کیوں کہ انکل فیرو کو جس کام سے روکا جاتا ابدا کے اس کام کو بار بار کرتے تھے۔ ارسلا نے مصالحت کا راستہ اختیار کیا۔ کل!" ارسلا کا لہجہ بہت ہی نرم تھا۔ "یہ کام آپ کے موکلوں ہی نے کیا ہوگا مگر انہیں کس نے دیا۔ آپ نے یا الرہا کے حاکم نے؟"

"دونوں نے حکم دیا ہے ارسلا۔" انکل فیرو نے دوسرے پیر پر پورے جسم کا زور ڈال ایک اور چکر لگایا۔ "میں نے حاکم کے سامنے فریاد کی کہ ہم لوگوں کو اپنی جان کا سخت ہے۔ امیر زنگی نے ہمیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ وہ تو موصل چلے گئے۔ اب ہم فریاد سے کریں۔ اتنا سننا تھا کہ حاکم نے ایک دستے کو حکم دیا کہ انکل فیرو کے محل کی پوری ی حفاظت کی جائے۔ ذرا سی بھی کوتاہی ہوئی تو سب کے سر قلم کر دئے جائیں گے۔"

ارسلا نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ جاسوسوں سے سخت خراساں تھی۔ اس نے سوچ ا کہ اگر الرہا میں جاسوس اس طرح پریشان کرتے رہے تو وہ چپکے سے کسی طرف نکل ے گی۔

"اچھا اب مجھے اجازت دو۔ تمہاری تنہائی کا میں نے علاج کر دیا۔" انکل نے ارسلا کہا۔ "تمہاری طرف کوئی انگلی بھی نہیں اٹھائے گا۔"

ارسلا نے مخالفت کی۔ بولی۔ "اب جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جس خطرے کو دور نے کے لئے آپ جانا چاہتے تھے وہ اپنے آپ دور ہو گیا۔"

"واہ ارسلا۔ یہ کیا بات ہوئی۔" پھر انکل فیرو نے کیٹ کو دیکھا۔ "مجھے تو کیٹ کی فکر ائے جا رہی تھی۔ جس دن اس کی طرف سے اطمینان ہوگا میں اس دن یہ دنیا دوں گا۔"

"انکل!" کیٹ تڑپ اٹھی۔ "ایسی بات نہ کیا کیجئے۔ آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر

رہے۔"

"مگر تمہاری ممی —— نہیں نہیں ماما کب چاہتی ہیں۔ انہیں بس اپنی جان پیاری ہے۔" انکل فیرو نے کچھ طنز اور کچھ ہنسی کے انداز میں کہا۔

"آپ ہمیشہ زندہ رہیں انکل۔" ارسلا چیخ پڑی۔ "آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ جب آپ کچھ دیر باہر رہتے ہیں تو میرا کیا حال ہوتا ہے ہر طرف گھرائی پھرتی ہوں۔"

"جانتی ہو حکیموں نے اس مرض کا کیا نام بتایا ہے؟" انکل فیرو نے ہلکا سا قہقہہ بلند کیا۔ "ارے وہ آپ کا حکیم والا مسئلہ تو بیچ ہی میں رہ گیا۔ کیا آپ حکیم بن کے موصل جائیں گے؟" کیٹ نے گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔ اسے دراصل اپنی فکر تھی۔ وہ چاہتی تھی انکل فیرو جلدی سے جلدی روانہ ہو جائیں

میری فکر نہ کرو کیٹ۔ کسی نہ کسی طرح پہنچ جاؤں گا۔" اس وقت انکل فیرو بہت خوش نظر آرہے تھے۔" میرے پاس دواؤں کے دو تھیلے ہوں گے۔ ایک میں حکیم کی دوائیں اور ایک تھیلے میں وہ دوائیں جو ہمارے نصرانی بھائی استعمال کرتے ہیں ۔ اس طرح میں حکیم بھی ہوں گا اور ڈاکٹر بھی۔ اب یہ مریض کی مرضی پر ہوگا کہ وہ کس سے علاج کرانا چاہتا ہے۔ حکیم کا نام لے گا تو تھیلا نمبر ایک سے دوا دوں گا۔ اگر اس نے عیسائی علاج کا نام لیا تو تھیلا نمبر ۲ میرے کام آئے گا۔"

ارسلا نے ان کی باتوں میں کوئی دخل نہ دیا محل کے گرد پہرہ لگ جانے سے وہ خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔ جب تک شہزادے قطب الدین مودود کی کوئی خبر نہ ملی تھی تو اس کا خیال تھا کہ الرہا یا سروج میں کسی معقول لڑکے سے اس کا رشتہ کر دے گی اس وجہ سے کہ وہ ان حالات میں ایک جوان لڑکی کی حفاظت نہ کر سکتی تھی۔ اب جب کہ ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تھا اور کیٹ کی شادی کی کوئی جلدی بھی نہ تھی پھر ارسلا بیٹی کے جذبات کو کیوں کچلتی۔ انکل فیرو کے موصل جانے کا یہی مطلب تھا کہ کیٹ کا مسئلہ ایک طرف ہو جائے۔ یا تو شہزادہ مودود اسے اپنی بیوی تسلیم کر کے رخصت کرائے یا پھر وہ کیٹ کو آزاد کر دے کہ وہ جہاں چاہے وہاں شادی کر لے۔ اس طرح کیٹ بھی مطمئن ہو جائے گی۔



انکل فیرو کی روانگی کے وقت کیٹ اور ارسلا۔ پچھاڑے کھا کھا کے روئیں۔ ان کی آنکھیں ساون بھادوں بنی ہوئی تھیں اور منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ کنیزوں نے آوازیں ملا کے رونا شروع کیا تو یوں معلوم ہوا کہ گھر میں کسی جوان کی موت ہو گئی ہے۔ مردانے میں غلام دھاڑیں مار کے رو رہے تھے۔ سب کو یہ بتایا گیا تھا کہ انکل فیرو کا جی

الرہا میں نہیں لگتا اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے تل باشر جا رہے ہیں۔ ایسی باغ و بہار ہستی کا چھوٹ جانا واقعی بڑی تکلیف دہ بات تھی۔ بہر صورت انکل فیرو رلا کے سرائے کی طرف چلے جہاں سے دوسری صبح ایک قافلہ تل باشر جا رہا تھا۔

انکل فیرو کے ساتھ بہت مختصر سامان تھا۔ سرائے پہنچے تو ان کی پیٹھ پر تیر کمان کے ساتھ صرف ایک تھیلا تھا جس میں دو چھوٹے تھیلوں میں دوایات بھری تھی۔ اور ایک میں خشک میوہ۔ ایک تھیلا ہاتھ میں تھا جس میں ایک لمبی چادر تھی جو اوڑھنے اور بچھانے دونوں کا کام دیتی تھی۔ انکل فیرو کے خیال میں سفر کے لئے یہ سامان بھی زیادہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ صرف ایک تھیلے میں پورا سامان ہونا چاہئے انکل فیرو نے اس قافلے میں اس وجہ سے جانا پسند کیا تھا کہ انہوں نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ تل باشر جا رہے ہیں اس سے یہ فائدہ ہوا کہ محل کے پہریداروں نے انہیں فوراً" اجازت دے دی کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ ارسلا کا بھائی اور الرہا کا شکست خوردہ شاہ اس وقت تل باشر میں تھا۔

صبح کو جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو انکل فیرو پر ایک ایسا انکشاف ہوا جسے سن کر انکل حواس باختہ ہو گئے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ تل باشر ہوتا ہوا یہ قافلہ ریگستانی علاقہ پار کرنے کے لئے مشرق کی طرف گھوم کے موصل کا رخ کرے گا۔ الرہا سے موصل کا ایک بالکل سیدھا راستہ تھا مگر ان دنوں کوئی قافلہ ادھر نہیں جا رہا تھا۔ اب تل باشر۔ حلب۔ حماۃ اور حمص ہو کر موصل جانے کا مطلب یہ تھا کہ انکل فیرو اصل فاصلے سے چھ گنا زیادہ فاصلہ طے کریں جب جا کے موصل پہنچیں گے۔ انکل فیرو کو سیاحت یا آوارہ گردی تو کرنا نہیں تھی۔ وہ تو ایک مقصد کے تحت موصل جا رہے تھے پھر وہ اتنا طویل راستہ تھا جس سے محفوظ ہو کر منزل مقصود تک پہنچنا بہت مشکل نظر آتا تھا۔ مگر انکل گھر سے رخصت ہو کے آئے تھے ان کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ واپس جا کر دوسرے قافلہ کا انتظار کریں۔

تل باشر جانے والا قافلہ جس سڑک سے گزرا اس کے بالکل قریب وہ محل واقع تھا جس میں ارسلا اور کیٹ مقیم تھیں۔ قافلہ ادھر سے گزرنے لگا تو انکل فیرو کا دل بے ساختہ چاہا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ وہ محل واپس چلے جائیں مگر فوراً" ہی انہیں کیٹ کا خیال آیا۔ ... اپنے خوابوں کے شہزادے کو امیر زنگی کے دربار اور اپنے محل میں دیکھ بھی چکی لیکن اس لئے کسی قدر بے چین تھے۔ اگر وہ واپس جائیں تو کیٹ کو کیا جواب دیں ... اس سے تو وہ نظریں ملانے کے بھی قابل نہ تھے۔ انہوں نے اپنا مچلتا دل مارا اور قافلے کے ساتھ چپ چاپ چلتے رہے۔

ابھی تک قافلہ والوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ انکل فیرو کون ہیں۔ انکل کی بھی ظرافت جیسے روٹھ گئی تھی۔ گھر انہیں رہ رہ کے یاد آرہا تھا۔ تل باشر آیا تو انکل فیرو کا دل ایک بار

پھر مچلا۔ یہ شہر شاہ جو سیلین کے قبضہ میں تھا۔ انکل فیرو ایک عرصہ تک اس شہر میں رہ چکے
تھے۔ ہر گلی اور ہر سڑک ان کی جانی پہچانی تھی۔ تل باشر میں داخل ہوتے ان کا دل چاہنے
لگا کہ پرانے یاروں سے ملاقات کی جائے۔ بار بار ایسا موقعہ کہاں ہاتھ آتا ہے مگر کیٹ کی
تصویر ایک بار پھر ان کی نظروں میں گھوم گئی۔ انہیں یوں معلوم ہوا جیسے کیٹ ان سے کہ
رہی ہے انکل آپ میرے کام سے جا رہے ہیں۔ زندگی ہے تو دوستوں سے پھر بھی مل سکتے
ہیں لیکن قافلہ آگے نکل گیا تو پھر پتہ نہیں آپ منزل پر کب پہنچیں انکل فیرو نے سب سے
منہ موڑ لیا اور سرائے کی کوٹھری میں چوروں کی طرح چھپ کے بیٹھ گئے۔ قافلہ دو دن ٹھ
کے پھر آگے چل پڑا۔ انکل طے کر کے چلے تھے کہ جس جگہ سے بھی انہیں موصل جا
کے لئے کسی طرف سے کوئی ایسا قافلہ ملا جو سیدھا موصل جا رہا ہو۔ تو وہ اس میں شامل
جائیں گے مگر ایسا نہ ہوا اور انکل کو مجبوراً" اپنا تھکا دینے والا سفر جاری رکھنا پڑا۔

شام کا وقت تھا اور حماۃ کے قلعہ کی برجیاں زرد دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ شہ
سے ڈیڑھ دو گھنٹے کا راستہ ہو گا کہ ایک دم قافلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ قافلہ کے
درجن محافظ ڈاکوؤں کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ خوب تلوار چلی۔ قافلے میں بھگدڑ مچ گ
جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ انکل فیرو بھی اپنے تھیلے سنبھالے ایک طرف بھا
پڑے۔ قافلے پر کیا گزری انہیں اس کا پتہ نہیں انہوں نے پلٹ کے بھی نہیں دیکھا اور ا
وقت تک بھاگتے رہے جب تک اندھیرا نہیں ہو گیا۔ اب ان کا کچھ دل ٹھہرا۔ ایک ا
جگہ کھڑے ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر کچھ نظر نہ آیا حالانکہ دھوپ کے وا
انہوں نے قلعہ کی برجیاں خود دیکھی تھیں۔ انکل فیرو کو یقین ہو گیا کہ وہ شہر سے مخا
سمت بھاگے ہیں اس طرح شہر کے قریب ہونے کے بجائے اور دور ہو گئے ہیں۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد انہیں ایک ٹیلہ دکھائی دیا۔ چاند چمک رہا تھا اور ہلکی چا
کی ہر طرف ملگجی سی سفید چادر بچھ گئی تھی۔ انکل ٹیلے پر چڑھ گئے اور چاروں طرف
نظارہ کرنے لگے انہیں بہت دور ایک چراغ سا جگمگاتا معلوم ہوا۔ انکل نے اس رخ
لگے تو ایک جھونپڑی نظر آئی جس کے اندر کوئی شخص لیٹا تھا مگر اس کی صورت نظر
آتی تھی کیونکہ اس کے پورے جسم پر کپڑا تھا اور ایک دیا اس کے سرہانے ٹمٹما رہا تھا۔

انکل فیرو ابھی اس بارے میں کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ ان کے پیچھے کچھ آہٹ
اور چار مسلح آدمی اک دم ان کے قریب آ گئے۔ انکل ہکا بکا ان کا منہ دیکھنے لگے ان کی
میں یہ نہ آ رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور آئے کدھر سے جھونپڑی کے پیچھے یا دور دور
کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں تیر کمان اور تلواروں سے مسلح چار آدمی چھپ سکتے ہوں۔
کے پاس سوائے جان کے تھا کیا جو انہیں خوف آتا۔

"تم کون ہو اور ادھر کیوں آئے" اور چاروں نے تلواریں بے نیام کر لیں

"یہیں سوال میں تم لوگوں سے کرنا چاہتا ہوں۔" انکل نڈر ہو کے بولے "میں جلتا
چراغ دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ یہاں رات گزارنے کی جگہ مل جائے گی مگر تم آ کر میری
امیدوں پر پانی پھیر دیا۔"

"تم اس ویرانے میں رات گزارنا چاہتے ہو۔ یہ کون جگہ ہے؟" ایک آدمی نے بڑے
رعب سے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔ تم بتا دو تو مہربانی ہو گی۔"

یہ ہے بھوتوں کا ڈیرا اور ڈاکوؤں کا مسکن۔"

"پھر میں صحیح جگہ پہنچا۔ ان لوگوں سے میری پرانی دوستی ہے۔" انکل جواب دینے کے
بعد زمین پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئے۔ دونوں تھیلے انہوں نے سامنے رکھے اور تیر کمان ایک
طرف رکھ دیا۔

چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک نے پوچھا۔" اس بڑے تھیلے میں کیا
ہے؟"

"میں ابھی پوچھ کے بتاتا ہوں انکل فیرو نے بڑے پراسرار انداز میں کہا۔

ان لوگوں نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔ "یہاں تو کوئی نہیں۔ پوچھو گے کس سے۔؟"
ایک نے سوال کیا۔

"اپنے موکل سے پوچھوں گا۔ وہ جواب نہیں دیں گے تو پھر ستاروں سے رجوع کروں
گا۔"

ان میں سے ایک جو خاصا لمبا تھا انکل فیرو پر جھکا اور ان کے چوغہ کے اوپری سرا پکڑ
ان کو اوپر کیا انکل فیرو ہوا میں معلق ہو کر رہ گئے۔ "اب بتاؤ تھیلے میں کیا ہے؟؟"

"بتاؤں کیسے۔ دم تو گھٹا جا رہا ہے۔ نیچے اتارو تو بتاؤں۔"

اس کے ساتھیوں نے سفارش کی تو انکل فیرو کو زمین پر بیٹھا دیا گیا۔ "اب بتاؤ تھیلے
کیا ہے؟"

انکل فیرو نے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر بڑا تھیلہ ان کی طرف بڑھا دیا بولے "پوچھتے ہو۔
لو کھول کے"

لمبے آدمی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کچھ اشارہ کیا۔ "پہلے بتاؤ کہ
اس میں کیا ہے پھر ہم اسے کھولیں گے۔"

"کیا بتانا ہی پڑے گا؟؟"

"جلدی بتاؤ ورنہ ——————" اور ایک تلوار کی نوک انکل فیرو کی گردن سے

ٹکرانے لگی۔

"اسے الگ رکھو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ تلوار ہے اور اس سے گلا کٹ بھی سکتا ہے۔ میرے ستارے یہ کہتے ہیں ------"

"پھر تم نے بکواس شروع کی۔" اور ایک دوسری تلوار انکل کے سینے پر لہرانے لگی۔

"کیا کر رہے ہو۔ میں نے بتا تو دیا تھیلے میں تھیلا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تمہاری موت آئی ہے۔ بتاتے ہو کہ نہیں۔"

"اور کس طرح بتاؤں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تھیلے اوپر تھیلا۔ تھیلے اندر تھیلا۔"

"یہ کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔" ایک نے دوسرے سے کہا۔

انکل اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ "میں تمہیں پاگل دکھائی دیتا ہوں؟"

"باتیں تو ایسی ہی کر رہے ہو۔"

انکل نے بڑے غصے سے بڑا تھیلا اٹھایا۔ اس میں ہاتھ ڈالا اور اس چھوٹے تھیلے کو باہر نکالا لیا جو انہوں نے اس کے اندر رکھا تھا۔ "دیکھا تم نے۔ دیکھا تم نے۔ تھیلے کے اندر تھیلا اور تھیلے اوپر تھیلا۔

اب بتاؤ پاگل میں ہوں یا تم لوگ۔"

"تم تو بڑے استاد معلوم ہوتے ہو" ایک نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "کیا نام ہے تمہارا۔ کام کیا کرتے ہو؟"

"ایک وقت میں ایک سوال۔ خبردار گھپلا کرنے کی ضرورت نہیں۔" انکل فیرو نے بھی رعب دکھایا۔ "سنبھل کے کھڑے ہو جاؤ۔ انکل فیرو کا دربار ہے۔"

"اچھا بتاؤ۔ تمہارا نام کیا ہے؟" لمبے آدمی نے پوچھا

"انکل فیرو نام پہلے بتا چکے ہیں دوسرا سوال کرو۔؟"

لمبے آدمی نے کچھ دیر سوچا پھر بولا۔ "تو تمہارا نام انکل فیرو ہے؟۔"

"وقت ضائع نہ کرو۔ یہ دوائیں ہیں جن کی تاثیر سے مرتا آدمی زندہ ہو جاتا ہے اور زندہ ------"

"اور زندہ مرجاتا ہے۔" دوسرے نے تمسخر اڑایا۔

انکل فیرو اک دم چڑ گئے۔ "تمہارے بھیجے میں عقل کی کمی معلوم ہوئی ہے۔"

"مجھے عقل ہے یا نہیں یہ تو بعد میں پتہ لگے گا۔ میں پہلے تمہاری عقل درست کردوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کمر سے خنجر کھینچ لیا۔

"ارے یہ کیا کر رہے ہو۔ میں بڑے کام کا آدمی ہوں۔" انکل فیرو خوشامد سے بولے

ان میں سے ایک انکل فیرو کے پاس آیا اور پوچھا۔ "تم بڑے بڑے دعوے کر رہے ہو۔

ی زخمی آدمی کا علاج کر سکتے ہو۔؟"

کیوں نہیں۔ اور میرا کام ہی کیا ہے۔ گاؤں گاؤں گھوم کے بیماروں اور زخمیوں کو اش کرتا ہوں پھر ان کا دل لگا کر علاج کرتا ہوں۔ جن کی قسمت میں موت نہیں ہوئی وہ ب میرے ہاتھ شفا پا کے چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ آزمائش شرط ہے۔ الرہا کے طبیب کے ز کی صفائی دیکھنا چاہتے ہو تو کسی زخمی کو سامنے لاؤ اگر کوئی زخمی نہیں تو کسی کا ہاتھ کاٹ ۔ میں اسے ابھی اسی جگہ لگادوں گا اور کوئی شخص پہچان نہیں سکے گا۔"

"یہ تو واقعی کام کا آدمی لگتا ہے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔

دوسرے نے کہا۔ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ آزما کے دیکھ لو۔

پہلے نے آگے بڑھ کے زمین پر لیٹے ہوئے آدمی پر سے کپڑا کھینچ لیا۔ انکل فیرو کی اس نظر پڑی تو دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"کیا ہوا ڈر گئے۔ تم تو بڑی ڈینگیں مار رہے تھے۔"

"میں کیوں ڈرنے لگا۔" یہ کہتے ہوئے انکل قدم بڑھا کر پھر آگے آگئے۔ "یہ زندہ ہے رگیا؟۔"

"طبیب تم ہو۔ خود کیوں نہیں دیکھتے؟"

"یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔" انکل فیرو نے اس کی نبض دیکھی۔ پھر سینے اور پر ہاتھ رکھا۔

"ابھی زندہ ہے یہ ۔ مگر کس کم بخت نے اسے اس قدر زخمی کیا ہے؟۔"

"یہ بعد میں بتایا جائے گا۔ پہلے تم اس کا علاج کرو۔"

انکل فیرو کم از کم مرہم پٹی تو جانتے تھے۔ انہوں نے پانی منگایا پھر کپڑا بھگو کر زخمی کے م زخم اچھی طرح صاف کئے۔ اس کے بعد جیب سے اپنا ریشمی رومال نکال کے اسے ا اور اس کی راکھ سب زخموں پر چھڑک کے پٹیاں چڑھا دیں۔ زخمی کے ساتھی بڑی ی اور دلچسپی سے انکل کے کام کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے پٹیاں چڑھا دی ہیں۔ اسے ہوش آئے تو نیم گرم دودھ پلا دینا۔" انکل گردن اکے بولے۔

"اسے کب ہوش آئے گا؟۔"

"یہ تو اوپر والا جانتا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ یہ مرے گا نہیں۔"

"اس کی پٹیاں کب کھلیں گی۔؟"

"ہاں ۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔" انکل فیرو نے مودبرانہ انداز اختیار کیا۔ "چوبیس بعد اس کی پٹیاں کھولنا۔ اگر کوئی پٹی زخم پر چٹ گئی ہو تو اسے گرم پانی میں کپڑا بھگو کر

چھڑانا۔ پھر جس طرح میں نے ریشم جلا کر زخموں پر راکھ چھڑکی ہے اسی طرح تم بھی کرنا۔
امید ہے ایک ہفتے میں یہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اس بات کا ضرور خیال رکھنا
کہ یہ ہلنے جلنے نہ پائے ورنہ زخم کھلیں گے اور ان سے خون جاری ہو جائے گا۔ کھانے
میں صرف نیم گرم دودھ دینا۔ زمین کے بجائے اسے بستر پر لٹانا۔۔۔۔۔"

"اچھا یہ بکواس بند کرو۔ اتنے بہت سے کام کون کرے گا۔؟" لمبے آدمی نے اس کی
بات کاٹ دی۔

"تم بیوقوف ہو لمبے آدمی۔ میں تمہیں۔۔۔۔۔"

"تو نے مجھے بیوقوف کہا ہے؟۔" اور لمبا آدمی خنجر لے کر اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں سردار۔ ایسا نہ کرنا ورنہ اپنا ساتھی مرجائے گا۔" کئی آوازیں ایک ساتھ
اٹھیں۔

انکل فیرو کے ہوش اڑ گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ اس کے احسان تلے دب
گئے ہیں اس لئے اس نے رعب جھاڑنا شروع کر دیا تھا مگر وہ لمبا آدمی تو ان کا سردار نکلا۔

"سردار مجھے معاف کر دیجئے۔" انکل فیرو گڑگڑانے لگے۔ دراصل میں مریض کے
بارے میں ایسی تدابیر بتا رہا تھا جس سے اس کی جان بچ جائے۔ مگر اس کے معاملے میں ذ
سی بھی بے احتیاطی برتی گئی تو اس کا بچنا محال ہو جائے گا۔"

"پھر اس طرح بولو نا۔" لمبا آدمی نرم پڑ گیا۔ "ہمیں بیوقوف تو تمہارا بادشاہ بھی نہیں
کہہ سکتا۔ ایک بار ایک فوجی نے ہمارے ایک ڈاکو کو تھپڑ مار دیا تھا بس ہم سب اس را
اس کے گھر پہنچ گئے۔ پھر اسے باندھ کے پہلے اس کے ہاتھ کی تمام انگلیاں کاٹ دیں پھر
کا تمام سامان اٹھا کے لئے آئے۔ تم بھی یاد رکھو۔ کسی ڈاکو سے کبھی بیر نہ رکھنا ورنہ
تمہیں کبھی نہیں بخشے گا۔"

انکل فیرو کی سمجھ میں اب آیا کہ وہی ڈاکوؤں کا گروہ ہے جس نے قافلے پر حملہ
تھا۔ ان کا ساتھی شاید قافلہ کے محافظوں کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔ ان ڈاکوؤں کی وجہ
انکل فیرو راستہ سے بھٹک کر ادھر آگئے تھے مگر وہ جو مشہور ہے کہ تقدیر سے کب بھا
سکتا ہے۔ جہاں بھاگ کے جاؤ گے تقدیر تمہارے ساتھ جائے گی۔ انکل فیرو نے سوچا
کسی طرح یہاں سے فوراً نکل لیا جائے ورنہ یہ لوگ وحشی اور جنگلی ہیں۔ پتہ نہیں
بات پر بگڑ جائیں اور کیا کچھ کر ڈالیں۔

"سردار۔ میں نے آپ کے زخمی کے پٹیاں چڑھا دیں ہیں۔" انکل فیرو نے ڈر
ڈرتے کہا۔

"اچھا کیا تم نے ہم خوش ہیں تم سے۔" سردار نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے وہ تمام ہدایات بھی دیدی ہیں جن کے برتنے سے زخمی ایک ہفتہ میں ٹھیک
ہائے گا۔"

"یہ بھی تم نے بہت اچھا کیا"

"ان تمام باتوں کے صلے میں تم لوگ مجھ پر ایک احسان کرو۔" انکل فیرو کا لہجہ عاجزانہ
لیا۔

"ایک احسان نہیں دس احسان کریں گے"

انکل فیرو کی باچھیں کھل گئیں۔ "تو پھر مجھے ایک گھوڑا دو اور حماۃ جانے والے راستے
ال دو۔"

"ایک گھوڑا دیں گے۔ حماۃ کے راستے پر ڈال دیں گے۔" اکیلا سردار ہی جواب دے
تھا۔

"تو پھر کرو گھوڑے کا انتظام۔"

"کب جانا ہے؟۔"

"ابھی جانا ہے۔ حماۃ یہاں سے کتنی دور ہے۔"

ابھی نہیں جانا ہے۔

"ہاں ہاں ابھی نہیں۔ مطلب ہے کہ صبح کو جانا ہے" انکل نے وضاحت کی۔

"صبح کو نہیں جانا ہے۔"

"پھر کب جانا ہے؟۔" انکل فیرو کے ہاتھ پیروں میں سنسنی ہونے لگی۔

"جب زخمی کے زخم بھر جائیں گے تب جاؤ گے۔"

"کیا۔!" انکل فیرو کا سر چکرانے لگا۔ "او گاڈ۔ اب کیا ہوگا۔"

"وہی ہوگا جو تم چاہو گے۔"

"میں چاہتا ہوں مجھے ابھی حماۃ بھجوا دو۔" انکل فیرو کی آواز روہانسی ہو گئی۔

"تم چلے جاؤ گے زخمی کی دیکھ بھال کون کرے گا؟۔"

"دیکھ بھال ۔۔۔۔۔ اگر وہ مرگیا تو کیا کرو گے؟"

"اس مردے کے ساتھ تمہیں بھی زندہ جلا دیں گے۔"

"میرے احسان کا یہ بدلہ ہے۔ میں نے تمہارے زخمی کی مرہم پٹی کی ہے"

"چپ چاپ اس کی دیکھ بھال کرو ورنہ تمہیں بھی اس کے برابر لٹا دیں گے۔"

انکل فیرو سمجھ گئے کہ ان جاہلوں سے بحث کرنا بیکار ہے۔ وہ تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ
۔ انکل فیرو ڈاکوؤں کے ساتھ رہنے کا یہ پہلے تجربہ تھا۔ کچھ دیر بعد ان کا پورا گروہ وہاں
ہو گیا۔ ان میں اور آدمیوں کو تلوار کے زخم آئے تھے۔ انکل فیرو کو ان کی مرہم پٹی
کرنا پڑی۔ اس سے فارغ ہوئے تو ان کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا گیا۔ گوشت ذائقہ

دار تھا مگر تھا ٹھنڈا۔ بعد میں آنے والے زخمیوں کے زخم معمولی تھے۔ پٹی بندھنے کے بع
وہ پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے باقی تمام ڈاکو اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ صرف چا
ڈاکو وہاں زخمیوں کی دیکھ بھال اور سامان کی حفاظت کے لئے رہ گئے۔ جو لوٹ کے لا
تھے۔ باقی ڈاکو مدھم چاندنی میں جیسے تحلیل ہوتے چلے گئے۔ ان کے گھوڑوں کی آوازی
اسے اوجھل ہونے کے بعد بھی آتی رہیں۔

"یہ سب کہاں گئے ہیں؟" انکل فیرو نے ایک ڈاکو کو مخاطب کیا۔

"کام سے گئے ہیں"

"رات میں کیا کام ہوتا ہے؟"

"آدھے آدمی دن میں کام کرتے ہیں اور آدھے رات میں۔ ہم لوگوں کی ڈیوٹی را
میں لگتی ہے۔"

"کچھ دن ڈاکوؤں کے ساتھ رہو گے تو سب پتہ چل جائے گا۔"

"ڈاکو!" اور انکل فیرو چودہ طبق روشن ہو گئے۔

انکل فیرو کو ڈاکوؤں کے ہاتھ سے رہائی پاتے پاتے ایک ہفتہ لگ گیا وہ بھی اس و
سے کہ ان کے زخمی نے زخموں کی پٹیاں خود اتار کر پھینک دیں اور سردار کے منع کر
کے باوجود گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

"زخمی صاحب اچھے ہو گئے۔ ہیں اب تو مجھے اجازت دے دیجئے۔" انکل فیرو ڈاکوؤ
کے سردار کے سامنے گھٹنوں تک جھک کے بولے۔

"ٹھہر جاؤ۔ زخمی سے پوچھنے دو۔" سردار جھومتا ہوا زخمی کی طرف چلا۔

"سردار اس سے کیا پوچھئے گا۔ وہ اچک کے گھوڑے پر سوار ہوا ہے۔"

اتنے میں وہ سوار خود ہی ادھر آ گیا۔ اس نے آتے ہی انکل فیرو سے کہا۔ "انکل
تمہارا بہت بہت شکریہ اپنے گھر کا پتہ بتا دو۔ مہینے میں ایک بار تمہارا شکریہ ادا کرنے آ
کروں گا۔"

"ارے بھائی۔ میں نے تمہارا پورا شکریہ سن لیا۔" انکل افسردہ لہجے میں بولے "زخمی
بھائی تم تو اچھے ہو گئے۔ اب مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دو۔"

"انکل۔ تم آزاد ہو۔ تمہیں کس نے روکا ہے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"انکل نے جواب دینے کی بجائے سردار کی طرف دیکھا۔

"سردار۔" وہ آدمی سردار سے مخاطب ہوا۔ "انکل کو آپ نے روکا ہے؟"

"روکا تھا۔" سردار نے خشک لہجہ میں جواب دیا۔ "اس کو نہ روکا جاتا تو آج تم اچھے

ہوتے۔"

"سردار۔ میں اچھا ہو گیا ہوں۔ انہیں جانے دیجئے۔"

"اور جو اس نے یہاں سے جا کے جاسوسی کی پھر کیا ہو گا۔؟"

سردار کی اس بات پر سب ڈاکوؤں نے کان کھڑے کئے۔ زخمی ہونے والا ڈاکو بھی
ان ہو گیا مگر انکل فیرو کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے رحم آ گیا۔ "سردار۔ یہ آدمی
انس معلوم ہوتا ہے۔ اس نے رات دن ایک کر کے مجھے اچھا کیا ہے۔"

"ہر آدمی اوپر سے اچھا اور بھلا مانس لگتا ہے۔" سردار کا لہجہ اب بھی بالکل خشک
"اس نے تمہاری خدمت اور تیمارداری اپنی غرض سے کی ہے۔ میں نہ کہہ دیا تھا کہ
تک تم اچھے نہیں ہو جاتے اسے چھٹکارا نہیں ملے گا۔ یہ تو پہلے ہی دن تمہارے پٹیاں
ہ کے بھاگنے کی فکر میں تھا۔"

"سردار۔ مجھ پر یقین کرو۔ میں کوئی جاسوسی نہیں کروں گا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم
یں اس وقت کہاں پر ہوں۔ میں عمر بھر احسان مند رہوں گا سردار۔"

انکل فیرو کا چہرہ کچھ ایسا قابل رحم ہو گیا تھا کہ سردار کا دل بھی پسیج گیا۔ "میں تمہیں
ساتھی کی سفارش پر چھوڑتا ہوں مگر یاد رکھو اگر حماۃ میں کسی سے ذکر بھی کیا تو میرے
تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد اس نے سفارش کرنے والے ڈاکو سے
"آج رات اسے گھوڑے پر سوار کرا کے حماۃ کے قریب پہنچا دینا۔ گھوڑے پر سوار
نے سے پہلے اس کی آنکھیں باندھ دینا۔ ڈاکوؤں کا اصول ہے کہ وہ اس شخص کو زندہ
چھوڑتے جس کے بارے میں مخبری کا شبہ ہو۔

رات کو انکل فیرو کی آنکھوں پر بہت موٹی پٹی باندھی گئی۔ ان کے سامان کے تھیلے
کے دائیں بائیں لٹکا دیئے گئے۔ تیر کمان پشت پر ڈالا گیا اور تلوار بھی زین ہی سے لٹکا
گئی۔ احسان کے صلہ کے طور پر ڈاکو نے دیناروں سے بھری ایک تھیلی انکل کے حوالے
۔ انکل نے بہت انکار کیا مگر ڈاکو نے زبردستی تھیلی ان کے ساتھ کر دی۔ چلتے وقت
فیرو سب کو اجتماعی سلام کیا کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں اور معلوم نہیں تھا کہ اسے
کون ڈاکو رخصت کرنے کے لئے اس وقت وہاں موجود تھے۔

انکل فیرو نے جس ڈاکو کی تیمارداری اور علاج کیا تھا وہی ڈاکو انکل کو حماۃ پہنچانے آیا
انکل کو آنکھ بند کر کے گھوڑے پر بیٹھایا گیا تھا۔ لگام اگرچہ انکل کے ہاتھ میں تھی مگر
کے گھوڑے کا کنٹرل ڈاکو کے ہاتھ میں تھا جو دوسرے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ انکل کو
ڑے پر اندھا بن کے بیٹھنا بہت کھل رہا تھا مگر ابھی سفر کرتے مشکل سے ایک گھنٹہ

گزرا تھا کہ ڈاکو نے گھوڑا روک لیا۔

"گھوڑا کیوں روکا۔ ہم کہاں پر ہیں؟" انکل نے گھبرا کے پوچھا۔

"بالکل نہ گھبراؤ انکل۔" ڈاکو نے انکل کی آنکھوں کی پٹی کھولتے ہوئے کہا۔ "گھوڑا اس لئے روکا ہے کہ ہم منزل کے قریب پہنچ گئے اور اس وقت ہم جہاں پر ہیں یہاں سے حماۃ کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ حماۃ کی بڑی سرائے یہاں سے نصف گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔"

"یقین نہیں آتا کہ تم ڈاکو ہو۔" انکل نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "تمہارا سردار اس قدر بد دماغ اور تم اس قدر رحم دل۔ میں تمہارا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔"

"میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑوں گا انکل۔" ڈاکو بولا۔ "تمہیں سرائے پہنچا کے واپس جاؤں گا۔"

انکل نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ "عجیب طبیعت ہے تمہاری۔ کہاں تو اس قدر احتیاط کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کے مجھے دیس نکالا دیا گیا اور کہاں تمہارا یہ حال کہ سرائے تک مجھے پہنچانے جا رہے ہو۔ تمہیں خطرہ نہیں معلوم ہوتا کہ میں تمہیں سرائے میں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"یہ دنیا اعتبار پر قائم ہے انکل۔" ڈاکو نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے بڑی دنیا دیکھی ہے۔ انسان اور شیطان کی شناخت مجھے ہو گئی انکل۔ اگر تم مجھے گرفتار کرا کے سولی پر چڑھوا دو گے تو میرے ساتھی میرے خون کا بدلہ ان بے گناہ قافلے والوں سے لیں گے جو اپنے بال بچوں کو چھوڑ کے دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہیں تاکہ اپنا سامان فروخت کر کے اپنے اہل و عیال کی پرورش اور اپنی راحت کے لئے دولت پیدا کر سکیں۔"

انکل فیرو کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ڈاکو انہیں لئے ہوئے حماۃ کی کارواں سرائے میں پہنچا۔ اس نے خود ہی کارواں سرائے کے مالک سے ملاقات کی اور انکل کے قیام و طعام کا انتظام کرا دیا۔ اب رات کافی گزر چکی تھی لیکن نیک دل مالک سرائے نے ان کے لئے کھانا بھیجا۔ کھانے کے بعد ڈاکو تو ان سے رخصت ہو کر چلا گیا اور انکل فیرو موصل جانے کی فکر میں لگ گئے انہیں الرہا سے نکلے ہوئے تقریباً دس دن ہو گئے۔ تھے اور وہ اب تک حماۃ پہنچے تھے یعنی وہ موصل سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

خوش قسمتی سے انکل کو رات ہی میں معلوم ہو گیا کہ ایک قافلہ صبح کو موصل جا رہا ہے جس کا راستہ اگرچہ ریگستان سے ہو کر جاتا ہے مگر وہ بہت جلد موصل پہنچے گا۔ انکل موصل پہنچنے کی جلدی تھی اس لئے انہوں نے سرائے کے مالک کی مدد حاصل کی اور رات

ہی میں سالار قافلہ سے ملاقات کر کے اپنا نام موصل جانے والوں میں لکھوا لیا۔ تل باشر کی طرح حماۃ میں بھی بہت سے لوگ انکل کے جاننے والے تھے مگر انہوں نے موصل جانے کو ہر بات پر فوقیت دی اور صبح کو موصل جانے والے قافلہ کے ساتھ چل پڑے۔

انکل فیرو نے موصل کو اپنے بچپن میں ایک بار دیکھا تھا مگر اب ان کے دماغ میں اس کا محض ایک دھندلا سا خاکہ موجود تھا۔ گلیاں، سڑکیں یا عمارات کا کوئی تصور ان کے ذہن میں موجود نہ تھا مگر جب وہ موصل میں داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ امیر عماد الدین زنگی نے موصل کی کایا پلٹ کے رکھ دی تھی۔ انکل کے بچپن میں موصل کا علاقہ بالکل بنجر اور ویران تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے کی سخت دشواری تھی۔ بڑی عمارتیں ناپید تھیں۔ باغات اور میوہ دار درختوں کا نام و نشان نہ تھا۔ امیر عماد الدین زنگی نے اس شہر کو چمن بنا دیا تھا۔ جگہ جگہ باغات۔ خوبصورت عمارتیں اور پختہ سڑکیں ایک شہر سے دوسرے شہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ امیر نے موصل کے قریب کئی اور آبادیاں اور بستیاں بسادی تھیں۔ موصل کے امیر کے عدل و انصاف کا چہار جانب چرچا تھا اور لوگ امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کے لئے موصل میں آکے آباد ہو گئے تھے۔ اب نہ وہ پہلے جیسا موصل تھا اور نہ وہ ویرانے اور خستہ مکانات۔ انکل فیرو کی جس طرف نظر اٹھتی تھی ان کا دل خوش ہو جاتا تھا۔

انکل فیرو دوپہر کے وقت موصل پہنچے تھے۔ ایک اچھی سرائے میں انہوں نے قیام کیا تھکے ماندے اتنے تھے کہ کھانا کھا کے جو پڑ کے سوئے تو رات کے کھانے پر سرائے کے لازم نے انہیں جگایا۔ انکل فیرو گڑبڑا کے اٹھ بیٹھے۔ انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ سو گئے ورنہ شہر میں گھوم پھر کے وہ شہزادہ مودود کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ جوں توں کر کے انکل نے صبح کی۔ سرائے کا مالک نماز سے فارغ ہوا تو انکل اس کے پاس جا بیٹھے۔

"آؤ بھائی مسافر۔ کس شہر کے باسی ہو؟۔" سرائے والے نے پیار سے پوچھا۔

"سیٹھ صاحب۔" انکل نے موقعہ کے لحاظ سے فائدہ اٹھایا "میں مسلمان تو نہیں مگر ایک مسلمان ریاست کا رہنے والا ہوں۔"

"اور وہ کون مبارک ریاست ہے جہاں آپ جیسے مہذب لوگ رہتے ہیں؟۔" سرائے والے نے بھی بڑے مہذب طریقے سے کہا۔

"وہ ریاست [illegible] ہے کہ جس کے حصول کی دعا مسلمان ایک زمانے تک مانگتے رہے" انکل نے بات کو اور طول دیا۔ "اس ریاست کو ایک مرد مجاہد یعنی امیر عماد الدین زنگی

نے صرف ایک ہفتہ کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا۔"

"ماشاءاللہ۔ ہمارے امیر ایسے ہی شجاع اور دلاور ہیں۔" سرائے والا مسکرایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ الرہا کے مبارک شہر کے رہنے والے ہیں۔"

"بے شک ۔ بے شک" انکل فیرو بھی مسکرائے۔ "الرہا میرا شہر بلکہ میرا ملک ہے کیا شہر ہے وہ بھی۔ آپ کے شہزادہ قطب الدین مودود کو وہ شہر بہت پسند ہے ۔ مجھ سے بہت تعریف کیا کرتے تھے۔"

سرائے والے کے کان کھڑے ہوئے۔ "آپ شہزادہ بہادر کو جانتے ہیں؟۔"

"ہمارے ستارے اوز موکل بھی یہی کہتے ہیں ۔ شہزادے ہماری حویلی پر اکثر قدم رنجہ فرمایا کرتے تھے" انکل نے فوراً" اکڑ کے کے کہا۔

"آپ ۔ ما آپ شہزادے کے دوست ہیں؟۔"

"شہزادے میرے کرم فرما ہیں۔"

"مگر——— آپ سرائے میں ٹھہرے ہیں۔ شاہی محل میں کیوں نہیں گئے۔؟"

"کیا شہزادے مودود موصل میں موجود ہیں؟۔"

"بالکل موجود ہیں۔ شام کو گھوڑے پر سوار ہو کے نکلتے ہیں۔ وہ اسی راستے سیر کو جاتے ہیں ۔" سرائے والے نے وہ بات خود ہی بتادی جو انکل فیرو پوچھنا چاہتے تھے۔

انکل فیرو بڑے فخر سے بولے۔ " تو پھر آج شہزادے قطب الدین مودود اور تمہارے انکل کی ملاقات اس سرائے میں ہوگی۔"

"ملاقات سرائے میں۔ میری سرائے میں؟" سرائے والے کی آنکھیں پھیل گئیں۔

" شام ہونے دو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔" انکل کا سر کچھ اور بلند ہو گیا۔

انکل فیرو نے شان میں آ کے اتنا بڑا دعویٰ تو کر دیا تھا مگر اب یہ فکر ستانے لگی کہ کہیں شہزادہ قطب الدین مودود اسے بھول نہ گیا ہو یا پھر کسی مصلحت کی بنا پر اسے پہچاننے سے انکار نہ کر دے۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ سرائے والے نے اس کا امتحان لینا شروع کر دیا۔

"مسافر کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم نے اتنا بڑا دعویٰ کیا ہے جو بظاہر مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔" سرائے کے مالک نے چبھتے الفاظ میں انکل فیرو کا انٹرویو شروع کیا۔

انکل فیرو شام کو پیش آنے والے حالات سے پہلے ہی پریشان تھے۔ سرائے والے کے اس بے تکے سوال سے وہ اور گھبرا گئے۔ سنبھل کے بولے۔ "بھائی۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ شام تک انتظار کرو۔ میری بات کا تمہیں ثبوت مل جائے گا۔"

"تمہاری بات کا تو یقین ہے مسافر۔" سرائے کے مالک کا انداز بڑا تمسخرانہ تھا۔ "لیکن گرجنے والے بادل اکثر برسا نہیں کرتے۔ کچھ مجھے بھی تو تمہارا آگا پیچھا معلوم ہونا چاہئے۔"

انکل فیرو کو غصہ آ گیا۔ "ٹھیک ہے جاؤ میں کسی کو نہیں جانتا۔ میرا شہزادے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"سوچ لو مسافر۔ تم اپنی بات سے انکار کر رہے ہو۔" سرائے والے نے اک دم آنکھیں پھیر لیں۔

انکل فیرو نے نرم ہو کے کہا۔ "انکار نہ کروں تو پھر کیا کروں۔ تمہیں میری بات کا کسی طرح یقین ہی نہیں آتا۔"

"میں یقین کرنے کو تیار ہوں لیکن تمہیں اس بات کا ثبوت دینا ہوگا۔" سرائے والے کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"واہ اچھی زبردستی ہے۔ میں نے بات کی تھی۔ میں نے ہی ختم کر دی۔ دعوے ثبوت کی ضرورت ہی نہیں ۔" انکل فیرو اب کسی طرح جان چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ خت پریشان تھے کہ اس الٹے دماغ سے کسی طرح پیچھا چھڑایا جائے۔ مگر سرائے والا ان کی کمزوری سے اور شیر ہوتا جا رہا تھا۔

"مسافر۔ اگر تم ثبوت نہیں پیش کرو گے تو میں تمہارے خلاف قاضی کی عدالت میں قدمہ پیش کروں گا۔" سرائے والا جیسے انکل کے پیچھے پنجے جھاڑ کے پڑ گیا تھا۔

انکل فیرو نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔ "اے بھائی۔ تم کس بات کا مقدمہ کرو گے۔ میں نے تم سے ایک بات کہی تھی۔ تم اسے نہیں مانتے چلو قصہ ختم ہوا۔ تم اپنے گھر ش ہو اور میں تمہاری سرائے میں خوش ہوں۔"

انکل کا خیال تھا کہ سرائے والا اس کی شوخ گفتگو پر ہنس دے گا اور یوں بات ختم ہو ائے گی مگر سرائے والا تو انکل کی جان کو چمٹ کر رہ گیا تھا۔ " میں تمہارے خلاف جھوٹ لنے کا مقدمہ کروں گا۔ تم نے امیر محترم کے ایک بیٹے سے اپنی دوستی کا دعویٰ کیا۔ پھر تم ا دعوے کو ثابت نہیں کر سکے اس طرح تم نے شہزادے بہادر کی توہین کی ہے۔ تمہیں املنی چاہئے۔"

ان دونوں کی باتوں میں شدت اور تلخی پیدا ہوئی تو سرائے کے دوچار ملازم وہاں آکر ڑے ہو گئے اور انہوں نے سرائے والے کی بلاوجہ حمایت کرنا شروع کر دی۔ انکل فیرو ، دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہوا جارہا ہے اور اگر انہوں نے اس کا فوری تدارک نہ کیا تو

انہیں قاضی کے سامنے جا کے ذلیل ہونا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ قاضی بھی اس سرائے والے کی طرح الٹے دماغ کا آدمی ہو پھر تو اسے سزا بھی بھگتنا پڑے گی۔

انکل فیرو نے ایک جھرجھری لی پھر آگے بڑھ کے سرائے والے کا گریبان پکڑ لیا۔

"چل۔ میرے ساتھ چل۔ میں جھوٹا نہیں بلکہ تو مکار ہے۔ تو پردیسی سمجھ کے مجھے پریشان کر رہا ہے۔ میں تجھے ساتھ لے چلوں گا۔" دیکھنے والے تمام لوگ ایک اجنبی مسافر کی اس حرکت پر پریشان ہو گئے۔ سرائے والا بھی گھبرا گیا مگر چونکہ سرائے کا مالک تھا اور اس کے کچھ ملازم بھی موقعہ پر موجود تھے اس لئے وہ بھی اکڑ گیا میرا گریبان چھوڑ دے ورنہ تیرے لئے برا ہوگا۔"

"برا میرے لئے نہیں بلکہ تیرے لئے ہوگا۔ میں تو تجھے لے جا کے چھوڑوں گا۔"

آخر سرائے کے ایک غلام نے ہمت کر کے انکل فیرو سے پوچھا۔ " بھائی مسافر۔ تم ہمارے مالک کو کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

"وہاں لے جاؤں گا جہاں اس کو ثبوت مل جائے۔" انکل فیرو نے بڑے رعب سے جواب دیا اور اپنی گرفت گریبان پر زیادہ سخت کر لی۔

"میرا گریباں تو چھوڑ۔ میں تجھ سے کوئی ثبوت نہیں مانگتا۔" سرائے والا آپ ہی نرم پڑ گیا۔

"لیکن میں اب ثبوت دے کر رہوں گا۔" انکل فیرو حاوی آنے لگے تھے۔

بڑی خوشامد درآمد کے بعد انکل فیرو نے گریبان چھوڑا۔ سرائے کے مالک کو سخت غصہ آرہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ مسافر کو خون کر ڈالے مگر اب کافی مجمع ہو گیا اور وہ مسافر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اس نے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے کہا۔ "ہاں اب بتا تو مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے؟"

"شاہی دربار میں۔ امیر عماد الدین زنگی والی موصل کے سامنے۔" انکل فیرو نے اپنے رعب سے کہا کہ سرائے والا ہی کیا دوسرے سننے والوں کا رنگ بھی اڑ گیا۔

سرائے والا نرمی سے بولا۔ "مسافر شاید تم نہیں جانتے کہ دربار کے گرد پہرہ لگتا ہے اندر کوئی گھسنے نہیں دے گا۔"

انکل فیرو نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اور تم نہیں جانتے کہ الرہا میں ' میں امیر دربار میں حاضر ہوا تھا اور امیر نے میری بہن کو الرہا میں ایک نہایت شاندار محل عطا ہے۔ امیر مجھے دیکھتے ہی پہچان لے گا پھر میں تیری کھال ادھڑواؤں گا۔"

سرائے والے کے پیر کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ انکل فیرو نے ابھی تو شہزادے سے شناسائی کا دعویٰ کیا تھا اور اب وہ امیر موصل سے اپنی ملاقات کا ذکر کر رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ کہیں الٹے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ اس نے مصالحانہ انداز اختیار کیا۔ "مسافر مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی پہنچ کے آدمی ہو۔"

"معلوم تو تم کو شام کو ہوگا جب اس سرائے کے سامنے شہزادے قطب الدین مودود اپنے گھوڑے سے اتر کر مجھ سے بغلگیر ہوگا۔" انکل فیرو نے گردن اکڑا کے کہا۔ "تمہیں جلدی ہو اور ابھی ثبوت چاہئے ہو تو میرے ساتھ دربار میں چلو۔ دیکھنا کیسا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا ہے۔"

"مجھے معاف کردو مسافر۔ میں کہیں نہیں جاتا۔ کسی ثبوت کی ضرورت نہیں مجھے۔" سرائے کا مسافر انکل کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا۔

میں تمہیں اس شرط پر معاف کر سکتا ہوں کہ آج شام تم اور تمہارے یہ سب ساتھ سرائے کے ملازم اس وقت موجود ہوں گے جب شہزادہ قطب الدین مودود ادھر سے گزرے گا۔" انکل فیرو نے فاتحانہ انداز میں سب پر نظر ڈالی۔

"مجھے منظور ہے میں سب کو یہاں لے کے موجود رہوں گا۔" سرائے والے نے فوراً تسلیم کر لیا۔ وہ تو ہر صورت میں اس اجنبی مسافر سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔

انکل فیرو اپنے کمرے میں چلے گئے۔ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر لوٹ گئے یا پھر اپنے کام پر چلے گئے۔ سرائے والا پہلے یہ سوچ کر خوش تھا کہ اس نے ایک مسافر کو اپنے رعب میں لے لیا ہے اور قاضی کا نام لے کر اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے مگر جب انکل فیرو نے اسے شاہی دربار میں لے جانے کی دھونس دی تو اس کی ساری شیخی نکل گئی اور وہ سر جھکائے ہوئے واپس ہو گیا۔

انکل فیرو پر پھر وہی پہلے والی فکر سوار ہو گئی۔ اگر شہزادے نے اسے نہ پہچانا تو کیا ہوگا بات اتنی آگے نکل چکی تھی کہ وہ واپس بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تو اس نے تمام لوگوں کو تماشہ دیکھنے یا دکھانے کے لئے بلا لیا تھا بلکہ انہیں شام کو آنے کا حکم دیدیا تھا شام آنے میں وقت تھا مگر ہر لمحے اور ہر گھنٹے کے ساتھ انکل فیرو کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی اور اب وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہے تھے کہ خدا کرے شہزادہ مودود آج اس راستے سے نہ گزرے۔ اس سے نہ صرف ان کی بات رہ جائے گی بلکہ ان کا رعب بھی بدستور قائم رہے گا۔ انکل نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر شہزادہ آج ادھر نہ آیا تو وہ رات کو اس کے محل تک

پہنچنے کی کوشش کریں گے تاکہ ان سے قبل از وقت ملاقات کر کے وہ اپنے آپ کو شناخت کرا دیں اور پھر جب بھی ان کا ادھر سے گزر ہو وہ انکل کو فوراً پہچان لیں۔

دوپہر کا کھانا پریشانی کی وجہ سے انکل سے نہیں کھایا گیا۔ ادھر سرائے کے مالک نے دوپہر کے فوراً بعد لوگوں کو سرائے کے باہر اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اسے یہ ڈر تھا کہ اگر لوگ جمع نہ ہوئے تو مسافر اس کا پھر گریبان پکڑ لے گا اور شہزادے کے علاوہ شاہی دربار میں بھی اس کی درگت بنوائے گا۔ انکل فیرو نے کھڑکی سے جھانک کے دیکھا۔ باہر راستے میں دونوں طرف لوگ اکٹھا ہونا شروع ہو گئے تھے مجمع دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔

ابھی دوپہر اچھی طرح ڈھلی بھی نہ تھی کہ سرائے کے مالک نے انکل کا دروازہ کھٹ کھٹایا۔ انکل فیرو کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا انہوں نے بڑی ہمت سے کام لیا اور اٹھ کے دروازہ کھولا۔ سامنے سرائے والا موت کے فرشتے کی طرح موجود تھا۔

ابھی دوپہر ہے شہزادے کس وقت تشریف لاتے ہیں؟۔" ان کا دل دھڑک رہا تھا مگر وہ سنبھل سنبھل کے بات کر رہے تھے۔

"فکر نہ کرو۔ میں تیار ہوں۔ شہزادے کے آنے سے کچھ دیر پہلے مجھے اطلاع دینا۔ میں فوراً آجاؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے انکل فیرو نے زور سے دروازہ بند کر لیا۔

کچھ دیر انکل فیرو کمرے میں ٹہلتے رہے۔ انہیں اب رہ رہ کے کیٹ اور ارسلا کی یاد ستا رہی تھی۔ انہیں اس بات پر بھی افسوس تھا کہ انہوں نے موصل کا سفر غلط وقت پر شروع کیا کیونکہ ایک تو شہزادے قطب الدین مودود سے ملاقات ہونا مشکل معلوم ہو رہی تھی اور اگر ملاقات ہو بھی گئی تو وہ کیٹ کو لینے کے لئے الرہا جانے سے رہا پھر اس نے یہ دردِ سر کیوں مول لیا۔

اس ادھیڑ بن میں وقت گزرتا رہا پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ انکل فیرو سمجھ گئے سرائے والا آگیا ہے۔ انہیں تیاری کیا کرنا تھی۔ دروازہ کھولا اور اس کے ساتھ ہو لئے۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ دونوں ہی پریشان تھے۔ بات پہلے انکل فیرو نے شروع کی تھی پھر سرائے والا ان پر حاوی آگیا اور اس نے انکل فیرو کو قاضی کے پاس پیش کرنے کی دھونس دی انکل فیرو کی تقدیر اچھی تھی ورنہ پردیس میں جانے کہاں کہاں خوار ہونا پڑتا ان کی سمجھ میں سرائے والے کو پریشان کرنے کی ایک نئی ترکیب آگئی جس کے زور پر انکل نے سرائے والے کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے اور اس وقت بھی وہ حد درجہ پریشان تھا۔ دوسری طرف انکل اپنی جگہ سے ہوئے تھے۔ انہیں امید تھی کہ اگر شہزادہ اور ان کا سامنا ہو گیا اور شہزادہ نے انہیں نہ بھی پہچانا تو بھی وہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کریں گے کہ شہزادہ

انہیں پہچاننے پر مجبور ہو جائے لیکن یہ ایک امید موہوم تھی جس کا تجربہ آنے والے سے ہی ہو سکتا تھا۔

انکل فیرو نے چلتے ہوئے سرائے والے کو ٹٹولا "کیوں بھائی۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ شہزادہ قطب الدین مودود آج تشریف ہی نہ لائیں؟۔"

"ہو سکتا ہے۔ بالکل ہو سکتا ہے" سرائے والے نے جوش سے تائید کی جیسے شہزادے کے نہ آنے سے وہ بھی خوش ہو گا۔

انکل فیرو نے اسے کچھ اور چھیڑا۔ "اگر شہزادے بہادر تشریف نہ لائے تو پھر ثبوت کیسے پیش کروں گا۔؟"

"میں کوئی ثبوت نہیں چاہتا میں نے اپنی بات واپس لے لی ہے۔"

"جب تم نے اپنی بات واپس لے لی ہے تو پھر میرے دعوے سے کیا فائدہ۔" انکل فیرو نے اس کی بات سے فوراً فائدہ اٹھایا۔

سرائے والا راضی ہو گیا۔ وہ تو جھگڑا ختم کرنا چاہتا تھا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسافر بس یوں سمجھئے کہ نہ میں نے کوئی بات کی اور نہ آپ نے دعویٰ کیا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں راضی ہوں۔" انکل فیرو نے بھی جیسے مقدمہ واپس لے لیا۔

"میں بھی راضی ہوں۔" سرائے والے نے بھی جیسے باز دعویٰ لکھ دیا۔

"تو پھر شہزادے کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔ سرائے میں واپس چلتے ہیں۔" انکل فیرو نے مشورہ دیا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں چلئے واپس چلتے ہیں"

اس وقت سفید رنگ کا ایک تیز رفتار گھوڑا جس پر زرق برق لباس میں ایک سوار بیٹھا تھا سڑک کی بائیں جانب سے آیا اور دائیں طرف نکلتا چلا گیا۔

"شہزادے بہادر کی سواری آرہی ہے۔ یہ سوار ان کی آمد کا نشان تھا۔" سرائے والے کا لہجہ بھی سہما ہوا تھا۔

"اچھا شہزادے آرہے ہیں؟۔" انکل فیرو ٹھنڈی سانس لے کے رک گئے۔

"آپ تو شہزادے سے ضرور ملیں گے۔؟"

"وہ آرہے ہیں تو ملنا ہی پڑے گا۔"

سرائے والا انکل فیرو کو اس جگہ لے گیا جو اس نے پہلے سے منتخب کی تھی۔ یہ سڑک کے کنارے ایک اونچی جگہ تھی اور ادھر سے گزرنے والے کی نظر سے بچ نہ سکتی تھی۔ انکل فیرو کو وہاں کھڑا کر دیا گیا۔

ذرا دیر بعد ایک سیاہ گھوڑے پر ایک مسلح سوار نمودار ہوا۔ اس کے لباس میں شاید موتی جڑے ہوئے تھے جو جاتی دھوپ میں جگمگا رہے تھے۔ اس سے کچھ ہی پیچھے ایک سوار بڑی شان سے آرہا تھا۔ انکل فیرو کو اسے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہوئی ۔ وہ امیر کا چھوٹا بیٹا شہزادہ قطب الدین مودود تھا۔ انکل فیرو کا دل اس زور سے اچھلا جیسے اس کے حلق سے باہر آجائے گا۔ انکل فیرو نے تو شہزادے کو پہچان لیا لیکن سوال یہ تھا کہ شہزادہ بھی انکل فیرو کو پہچانتا ہے کہ نہیں ۔ شہزادے کا گھوڑا قریب سے قریب تر ہو رہا تھا اور اس لحاظ سے انکل فیرو کی طبیعت غیر ہو رہی تھی۔

شہزادہ سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انکل اس کے بائیں جانب تھے۔ انہیں خطرہ پیدا ہوا کہ اگر شہزادہ اسی طرح سامنے دیکھتا رہا تو وہ انکل کو بغیر دیکھے نکل جائے گا۔ انکل آگے بڑھ کے اسے روک بھی نہیں سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ شہزادہ اس سے ناراض ہو جائے اور اسے گستاخی سمجھتے ہوئے قتل کا حکم دیدے۔ شہزادہ اس کے بالکل برابر۔ آگیا۔ گھوڑے کا اگلا قدم شہزادے کو انکل فیرو سے دور کر دیتا اور انکل کو اس سے ملنے کی آرزو ہی رہ جاتی لیکن شہزادے کا منہ نہ جانے کیسے اک دم انکل فیرو کی طرف گھوم گیا۔ اس کے ساتھ شہزادے نے گھوڑے کی راسیں اک دم پوری طاقت سے کھینچ لیں۔ شہزادے کے رکتے ہی اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چلنے والا پورا جلوس رک کر رہ گیا۔

شہزادے قطب الدین مودود نے پہلے کئی بار آنکھیں جھپکائیں۔ پھر ایک کپڑے سے ملیں جب اس کے سامنے کا منظر بالکل نہ بدلا تو اس کے چہرے پر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ "انکل ــــــ انکل فیرو۔ کیا یہ آپ ہیں۔ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"میں شہزادے قطب الدین مودود کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں ۔" انکل خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ شہزادے نے انہیں پہچان لیا اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی سطح آب پر ابھر آئی تھی۔

شہزادہ فوراً گھوڑا سے اتر پڑا۔ اسے اترتا دیکھ کے آنے والے تمام سوار پیدل ہو گئے۔

"آپ میرے ساتھ چلئے"

"کہاں۔؟"

"محل میں اور کہاں؟۔" اور شہزادے نے پورے خلوص سے بغلگیر ہونے کے لئے اپنے ہاتھ پھیلا دیے۔

انکل فیرو تو چاہتے ہی یہی تھے۔ انہوں نے بھی اپنے ہاتھ کھولے اور بڑھ کے شہزادے

کو سینے سے چمٹا لیا۔

انکل شہزادے کو گلے لگائے ہوئے تھے کہ ان کی نظر سرائے کے مالک پر پڑی۔ وہ منہ کھولے حیران نظروں سے انکل اور شہزادے کو دیکھ رہا تھا۔

"اب تو آپ چلیں گے میرے ساتھ؟" شہزادے نے اپنا سوال دوہرایا۔

"شہزادے محل تو وہی ہے جہاں میں اس وقت ٹھہرا ہوا ہوں۔" انکل فیرو کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

"آپ شاید اس سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔؟"

"شہزادے ۔ شریف لوگ بر سرا رہے سوال و جواب نہیں کرتے۔" انکل نے شہزادے کو سینے سے الگ کیا۔

"ٹھیک ہے چلئے ہم کہیں بیٹھ کے آپ سے گفتگو کرتے ہیں"

شہزادے نے انکل کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور انکل فیرو اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے سرائے میں داخل ہو گئے۔ شہزادے کے ساتھ والے بھی وہیں رک گئے۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ چوں بھی کرتا۔ سرائے کے مالک پر سحر طاری تھا۔ وہ چپ چاپ انکل فیرو کے پیچھے چلا آرہا تھا۔ انکل فیرو نے خود اسے آنے کا موقعہ دیا تھا تاکہ اس کے ذہن سے ہر طرح کا شک و شبہ دور ہو جائے۔

انکل فیرو بھی اپنے کمرے پر پہنچ کر رکے اور پلٹ کے سرائے والے سے بولے۔ "ہم اندر بیٹھ کے گفتگو کر رہے ہیں خبردار جو کوئی ادھر آیا۔"

"آپ فکر نہ کیجئے مالک۔" سرائے والا کمر تک دہرا ہو گیا۔ "ادھر پرندہ بھی پر نہ مار سکے گا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم دیجئے؟"

انکل فیرو نے شہزادے کی طرف دیکھا۔ "شہزادے کو سرائے والے کی گفتگو ناگوار گزری تھی وہ جلد سے جلد اپنی محبوبہ کیٹ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے گھور کے سرائے والے کو دیکھا۔ سرائے والا سہم گیا اور چپ چاپ وہاں سے ٹل گیا؟"

"اب بتائیے انکل۔ سب لوگ کیسے ہیں؟" شہزادے قطب الدین مودود اندر پہنچتے ہی بولا۔

"الرہا میں سب خیریت ہے۔ آپ کی حکومت کا پورا رعب داب ہے۔" انکل فیرو چبا چبا کے کہہ رہے تھے۔

"محترم شہزادی ارسلا خیریت سے تو ہیں؟" شہزادے نے بے چینی سے پوچھا۔

"بالکل خیریت سے ہیں سوائے اس کے کہ بادشاہ جو سیلین کے ایک جاسوس نے انہیں

پریشان کیا تھا۔ میں نے حاکم الرہا سے فریاد کی انہوں نے ہمارے محل کے گرد سخت پہرہ لگا دیا۔ جب سے ہر طرح کی خیریت ہے۔" انکل فیرو خاموش ہوگئے۔

"اور کچھ بتایئے؟۔" شہزادہ بے قابو ہوا جا رہا تھا مگر کیٹ کا نام لیتے نہ معلوم اسے کیوں پریشانی ہو رہی تھی۔

"میں سب کچھ بتانے ہی حاضر ہوا ہوں۔ آپ پوچھتے جایئے میں بتاتا جاؤں گا۔" انکل فیرو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"میں ---- میرا مطلب ہے شہزادی کیٹ ------"

انکل فیرو نے شہزادے کو تیز نظروں سے دیکھا۔ "آپ کو کیٹ ابھی تک یاد ہے؟۔"

شہزادہ اس گہرے طنز پر تڑپ اٹھا۔ "مجھے افسوس ہے انکل۔ میں آپ لوگوں سے مل کے نہیں آسکا۔"

"خالی افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا شہزادے" انکل فیرو نے بڑی رکھائی سے کہا۔

"پھر مجھے حکم دیجئے۔ میں کیا کروں؟۔"

"کیٹ آپ کی امانت ہے۔ ہم اسے کہاں تک سینہ سے لگائے رکھیں آپ خود اپنی امانت کو سنبھالئے۔"

شہزادہ سوچنے لگا۔

"اس کی ایک صورت اور بھی ہے شہزادے ۔" انکل نے اسے زیادہ سوچنے کا موقعہ نہیں دیا۔

"ضرور ۔ فرمایئے دوسری صورت کیا ہو سکتی ہے۔؟"

"آپ کیٹ کو چھوڑ دیجئے۔ ہم اسے اپنے مذہب والے سے بیاہ دیں گے۔ آپ کی بھی جان چھوٹ جائے گی۔"

"جان ساتھ چھوڑ دے تو پھر جسم میں کیا رہ جاتا ہے" اور شہزادہ پر جوش ہوگیا۔ "میں آج ہی امیر سے بات کروں گا۔ انہوں نے اجازت دی تو آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"اور اگر اجازت نہ دی تو۔؟"

"تو بھی ساتھ چلوں گا۔"

"شاباش ۔ شہزادے آپ نے واقعی مردوں والی گفتگو کی۔"

شہزادے قطب الدین مودود نے رات کو امیر عمادالدین زنگی سے کیٹ کے ساتھ شادی کی درخواست کی۔ امیر عماد الدین کو اس کے جاسوس نے تمام حالات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ امیر نے مسکرا کے کہا۔ "تم اس قدر بے چین تھے تو الرہا ہی میں کہا ہوتا؟۔"

"میں مزاج عالی سے خوفزدہ تھا۔ خیال تھا کہ کہیں امیر انکار نہ کر دیں۔" شہزادہ مودود نے بڑے ادب سے کہا۔

"انکار تو ہم آج بھی کر سکتے ہیں۔"

"امیر موصل اقرار اور انکار پر قادر ہیں۔" شہزادہ قطب نے بلا توقف جواب دیا۔

"اگر ہم انکار کر دیں تو تم پر کیا گزرے گی۔؟"

"اپنی بدقسمتی پر ماتم کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ مگر قسم کھاتا ہوں کہ تمام عمر شادی یں کروں گا۔"

امیر عماد الدین زنگی ہنس دیا۔ "شہزادے کو کیٹ مل جائے گی۔ ہم قلعہ (جعبر) سے اپس آکے شہزادے کو دولہا بنائیں گے۔"

شہزادہ جھک کے آداب بجالایا مگر جانے کے بجائے وہیں کھڑا رہا۔

"کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟" امیر نے دریافت کیا۔

"جی ہاں امیر۔ الرہا سے شہزادی کیٹ کے انکل فیرو آئے ہوئے ہیں ۔ مجھے چند دنوں ے لئے الرہا جانے کی اجازت دی جائے۔" شہزادے نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جا سکتے ہو۔ مگر شادی ہمارے قلعہ جعبر سے واپس آنے پر ہی ہوگی۔"

امیر عماد الدین زنگی نے یہ کہہ کر شہزادے کو رخصت کر دیا مگر غریب ہو یا امیر۔ کسی ت خدا کو کوئی بات ناگوار گزرتی ہے۔ شہزادہ قطب الدین مودود الرہا پر چلا گیا مگر امیر عماد دین زنگی کو قلعہ جعبر سے واپس آنا نصیب نہ ہوا قلعہ کے محاصرہ کے دوران اس کے پنے غلاموں نے اسے سوتے میں شہید کر دیا۔ اس شہادت پر موصل اور الرہا پر کیا گزری ں کی تفصیل آپ آئندہ باب میں پڑھیں گے۔ یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ امیر زنگی کے قتل کے عد شہزادہ قطب الدین مودود نے جو اس وقت الرہا میں تھا' شہزادی کیٹ سے باقاعدہ عقد کر یا اور اپنی دلہن کو لے کر موصل واپس آیا حالانکہ موصل کا حالات یکسر بدل گئے تھے

شہادت امیر زنگی

موصل کے جنوب میں دریائے فرات کے قریب جعبر کا قلعہ واقع تھا۔

دمشق اب تک فتح نہ ہوا تھا اور امیر عماد الدین زنگی کی نظریں سوتے جاگتے اسی شہر خوباں کا طواف کرتی رہتی تھیں اگر قلعہ جعبر پر امیر کا قبضہ ہو جائے تو وہ ملک شام اور خصوصیت سے دمشق پر دباؤ ڈال سکتا تھا اس قلعہ پر بنی مروان قابض تھے۔ قلعہ میں بنی مروان کے علاوہ نصرانیوں اور ارمنی مسلمانوں کی بھی کثرت سے آبادی تھی۔ بنی مروان ہمیشہ سے خود سر اور بد عہد تھے اور ایک زبانی عہد نامہ کے باوجود موصل کی سرحدوں پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے انہیں وجوہات کی بنا پر امیر عماد الدین زنگی اس قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

امیر عماد الدین زنگی کے درجنوں غلام تھے۔ ان غلاموں میں بعض خواجہ سرا بھی تھے امیر کا سب سے زیادہ منہ چڑھا غلام **یلو کتش** بھی ایک خواجہ سرا تھا مگر الرہا کے حملے کے دوران جب اسے لشکر کا سردار بنا کے سروج پر قبضہ کے لئے بھیجا گیا تو وہ بہک گیا۔ اور سروج کے پر امن شہریوں پر اپنے غلام دوستوں کو ظلم و ستم کرنے کی عام اجازت دے دی۔ جس کی پاداش میں **یلو کتش** کو تمام اعزازات سے محروم ہونا پڑا مگر جلد ہی اسے معاف کر دیا گیا۔ شرافت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ **یلو کتش** تائب ہو کے سیدھے راستے پر گامزن ہوتا لیکن اس نے برے دوستوں کا ساتھ نہ چھوڑا اور امیر عماد الدین زنگی کے نائب السلطنت نصیر الدین جعفر کے قتل میں بھی اس کا نام آیا۔ **یلو کتش** بہت چالاک تھا۔ اس

نے قتل کی شب شہر سے اپنی غیر حاضری ثابت کر دی اور اس الزام سے بھی صاف بچ گیا۔ حالانکہ نائب السلطنت کے قتل کے وقت وہ موقع پر موجود تھا اور وہ رات اس نے جبار اور ازقوف کے گھر گزاری تھی یہ دونوں غلام **یلو کتش** کے گہرے دوست تھے۔ **یلو کتش** اگرچہ خواجہ سرا تھا لیکن رقص و سرود کی محفلوں کا بڑا دلدادہ تھا اور یہی چیز ان سب میں مشترک تھی۔ خواجہ سرا **یلو کتش** سزا سے تو بچ گیا لیکن امیر نے اسے شہربدر کر دیا تھا اور وہ شہر شہر گھومتا ہوا جعبر میں آ بسا تھا۔ اس کے یار غار جبار اور ازقوف بھی اس کے ساتھ ہی آ گئے تھے۔

بنی مروان کے پاس نہ باقاعدہ فوج تھی اور نہ کوئی نظام حکومت۔ قلعہ جس کا حاکم بنی مروان کا سردار اعلیٰ' مروان لنگ تھا۔ کسی زمانہ میں مروان لنگ گھوڑے سے گرا تھا اور اس کے بائیں پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ عرصہ تک بستر پر پڑا رہا پھر جب چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اسے بائیں پیر پر زور دے کے چلنا پڑتا۔ جس سے وہ لنگڑا معلوم ہوتا جس سے اس کا نام مروان لنگ پڑ گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا لنگڑا پن ختم ہوتا گیا اور اس وقت وہ بالکل صحیح طور پر چلتا تھا مگر اس کے نام کے آگے "لنگ" کا جو لفظ لگ گیا تھا وہ ختم نہ ہو سکا۔ مروان نے بھی اس سلسلے میں کوئی کوشش نہ کی کیونکہ مروان لنگ کے نام سے وہ دور دور تک مشہور ہو چکا تھا مروان لنگ کے منظم یا غیر منظم فوجی دستے جن میں ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ شامل تھے ان کا کام صرف قرب و جوار کی آبادیوں میں تاخت و تاراج کرنا تھا۔ اس لوٹ مار سے جو مال اکٹھا ہوتا اس میں سے تہرا حصہ تو قلعہ کے حفاظتی فنڈ میں جمع ہوتا اور باقی مال اور رقم برابر برابر کیا پیادہ' کیا سوار اور کیا سردار سب میں تقسیم ہو جاتی۔

قلعہ میں مختلف قسم کے لوگوں کی آبادی کی وجہ سے مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں بھی تھیں۔ کسی کو کسی کے مذہبی معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہ تھی اور سب ایک دوسرے سے مل کے اس طرح رہتے تھے جیسے ایک ہی قوم کے افراد ہوں۔ ان دنوں قلعہ جعبر میں ایک عیسائی حسینہ امروزیہ کا بڑا چرچا تھا۔ یہ خوبصورت دوشیزہ الرہا کی رہنے والی تھی۔ اس کے چار بھائی الرہا کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ بھائیوں کے مرنے کے بعد امروزیہ کے والدین پہلے تل باشر گئے اور شاہ جوسیلین دوم کے دربار میں فریاد کی۔ اس نے شاہ پر زور دیا کہ وہ الرہا پر حملہ کر کے اس ریاست کی عیسائی آبادی کو مسلمانوں کی غلامی سے نجات دلائے مگر اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ الرہا کو رہا کراتا۔ شاہ سے مایوس ہونے کے بعد امروزیہ کے والدین اپنی بارہ سالہ بچی (امروزیہ) کو لئے ہوئے شمال کی تمام

عیسائی ریاستوں۔ انطاکیہ ۔ طرابلس اور یروشلم میں گھومتے پھرے لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ کسی بھی عیسائی ریاست میں اتنا دم نہیں کہ وہ موصل کے شیر امیر عماد الدین زنگی کے مقابلے پر نکلے۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی اور ہر ایک اپنی ریاست کی خیر منا رہا تھا۔ اس نے دمشق کی مسلم ریاست کا بھی چکر لگایا جو موصل کی سب سے زیادہ مخالف اور مسلمانوں کی ایک مضبوط طاقت تھی مگر انہوں نے وہاں کے شاہ آبق اور وزیر اعظم معین الدین انز کو اسی کوشش میں سرگرداں دیکھا کہ امیر موصل ان سے دور رہے اور دمشق پر حملہ آور نہ ہو۔

امروزیہ کے والدین تھک ہار کے قلعہ جعبر میں آ کے بس گئے تھے جعبر کے فوجی دستے ہر قوم کے جوانوں پر مشتمل تھے اور وہ سب امیر موصل کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کمزور کرنا چاہتے تھے الرہا سے نکلتے وقت امروزیہ کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی مگر اب وہ چودہ سال کی شعلہ جوالہ اور قتالہ عالم حسینہ تھی۔ قدرت نے حسن و جمال میں اسے جس قدر یکتا کیا تھا۔ اتنی ہی وہ بد دماغ اور خود سر لڑکی تھی۔ جوانوں سے تو اسے شدید نفرت تھی۔ کسی فوجی یا فوجی دستے کو دیکھتی تو نفرت سے منہ پھیر لیتی یا زمین پر تھوک کے حقارت کا اظہار کرتی۔ والدین نے اسے گھر میں قید کر کے رکھا تھا۔ باہر نکلتی تو کسی نہ کسی جوان سے بھڑ جاتی اور اس کی اس قدر مٹی پلید کرتی کہ بیچارہ سر پر پیر رکھ کر بھاگتا۔

بلو کتش جبار اور ازقوف کچھ ہی دن پہلے موصل سے بھاگ کے قلعہ جعبر پہنچے تھے۔ بلو کتش ارمنی جبار رومی اور ازقوف ترکی غلام تھا مگر تینوں ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھے۔ بلو کتش کو موصل سے نکالا گیا' تو جبار اور ازقوف اس کے ساتھ ہو لئے۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے تین۔ یہ تینوں اوباش اور لفنگی طبیعت کے انسان تھے بلو کتش کی سرداری کی وجہ سے تمام غلام بے لگام تھے۔ تمام کنیزوں کو اپنی زر خرید سمجھتے۔ کبھی کبھی شراب کے نشہ میں کسی شریف زادی پر ہاتھ ڈالتے تو اچھی خاصی جوتے بازی ہو جاتی۔ بلو کتش تو بیچارہ خواجہ سرا تھا نہ تین میں نہ تیرہ میں جبار اور ازقوف چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔ دلیر' نڈر اور ہاتھ پیروں کے توانا۔ برابر کے مقابلے میں تو ڈٹتے ہی تھے لیکن دس بیس بھی مقابلہ پر آجائیں تو بھی میدان سے منہ نہ پھیرتے تھے۔

قلعہ جعبر کے جوانوں پر امروزیہ کا کچھ ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ جس راستے سے امروزیہ نکلتی' مسلم اور عیسائی جوان اس راستے سے کترا کے نکلتے تھے۔ کئی عیسائی مسلمان جوان امروزیہ کے خوبصورت دہن سے غلیظ گالیاں کھا چکے تھے۔ ایک دو کو امروزیہ نے پیٹ کے بھی رکھ دیا تھا۔ جس طرح امروزیہ کے حسن کا چرچا جگہ جگہ تھا اسی طرح امیر موصل

کے ان تین باغیوں کا ذکر بھی ہر ایک کی زبان پر تھا جو ابھی چند ہفتے پہلے قلعہ جعبر میں داخل ہوئے تھے بلو کتش وغیرہ کو صرف شہربدر کیا گیا تھا۔ مگر اس نے یہ مشہور کیا تھا کہ اس سے اور امیر موصل سے کسی بات پر اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس بناء پر وہ امیر موصل کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کے اپنے دوستوں کے ساتھ جعبر آیا ہے۔ امیر موصل کے حوالے سے بلو کتش کے نام سے قرب و جوار کے تمام حکمران واقف تھے۔ مروان لنگ امیر موصل کا سخت ترین دشمن تھا اسے بلو کتش کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے بلو کتش کو محل میں بلایا۔ بڑے التفات سے ملا اور بلو کتش کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ حاجب کے اصل معنی دربان کے ہوتے ہیں لیکن امیروقت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے یہ مرتبہ وزیر اعظم سے بھی زیادہ بلند ہو گیا تھا۔ حاجب کے عہدے پر فائز ہونے والا فوراً شاہ وقت کا خاص ہرکارہ بن جاتا تھا بلو کتش اگرچہ امیر موصل کا حاجب نہیں تھا۔ (موصل کے دربار میں یہ عہدہ نہیں تھا) لیکن اسے حاجب جیسے ہی اختیارات حاصل تھے۔

بلو کتش نے مروان لنگ کا حاجب ہونے کے بعد اپنے دونوں یاروں کو بھی کام پر لگا دیا تھا۔ اس کے ساتھی سوائے درباری ہاں حضوری کے اور کسی کام سے واقف نہ تھے۔ ہاں شمشیر زنی اور دنگا فساد کے وہ ماہر تھے۔ بہرحال پورے جعبر میں ان کی دھوم مچی تھی۔ جبار اور ازقوف نے شہر کے غنڈوں کی بھرے بازار میں پٹائی کی تھی اس وجہ سے قلعہ جعبر کا غنڈہ عناصر بھی ان سے دبتا تھا۔ دربار جعبر کے یہ دونوں بدمعاش بازاروں میں گھوما کرتے یا قہوہ خانوں میں بیٹھے گپیں ہانکا کرتے۔ قہوہ خانے کے مالکان ان دونوں کی بڑی قدر کرتے تھے کیونکہ جب تک یہ دونوں قہوہ خانہ میں موجود رہتے وہاں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا نہ ہوتا اور اگر کوئی کوشش کرتا تو یہ تنومند جوان اس کی اچھی طرح مرمت کر دیتے تھے۔

امروزیہ کی حسن و جوانی اور جبار و ازقوف کی غنڈہ گردی ایسی نہ تھی جس کے بارے میں یہ دونوں ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں امروزیہ نے موصل کے دو بہادروں کا نام سن رکھا تھا۔ اسی طرح امروزیہ کے حسن و جمال کی آواز ان دونوں کے کانوں سے ٹکرا چکی تھی لیکن ان کا اب تک آمنا سامنا نہ ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتے ہوں یا ملنے کے بھی خواہش مند ہوں مگر پتہ نہیں وہ اس کی کوشش کیوں نہیں کرتے تھے۔ بعض شہری غنڈے جبار اور ازقوف کے سامنے امروزیہ کا ذکر کر کے ان میں ملاقات کی تحریک کرتے مگر یہ لوگ ہنس کے ٹال دیا کرتے تھے۔ دوسری طرف امروزیہ اگرچہ بہت دماغ دار مشہور تھی مگر اس کی بے شمار سہیلیاں تھیں جو اسے ہر دم گھیرے رہتیں۔ امروزیہ ان

کے ساتھ بالکل مختلف انداز میں رہتی تھی۔ کوئی شخص یہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ جوانوں کو شیر کی نظر سے دیکھنے والی امروزیہ اپنی ہم جولیوں میں ایسی خوش رہ سکتی ہے امروزیہ کو اس کی سہیلیوں نے اطلاع دی تھی کہ موصل کے دو باغی جوان یہاں آئے ہوئے ہیں۔ جن کی بہادری کے ہر جگہ ڈنکے پٹ رہے ہیں۔

"پھر میں کیا کروں؟" امروزیہ نے تنک کر کہا تھا۔

"کرو کچھ نہ۔ صرف ایک بار ان کا سامنا کر کے دکھا دو۔" امروزیہ کی سب سے شوخ سہیلی ہوتی نے کہا مگر اس کا انداز بھی طنزیہ تھا اور امروزیہ اس کی بات برداشت نہ کر سکی۔

"تو پھر ہو گا کیا۔ وہ مجھے کھا تو نہیں جائیں گے؟" امروزیہ کو غصہ آ ہی گیا۔

"یہی تو دیکھنا ہے کہ کون کس کو کھاتا ہے۔" ہوتی نے اور لگی میں لگائی۔

"جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا"۔

"تو پھر مقابلے کا انتظام کروں میں؟" شوخ ہوتی نے چھیڑا۔

"ہرگز نہیں"۔ امروزیہ نے صاف انکار کر دیا "ہوتی تم جانتی ہو کہ میں نے آج تک کسی کو چھیڑ کے جھگڑا مول نہیں لیا۔ ہاں جس نے مجھ سے شرارت کی میں نے اس کا دماغ ضرور درست کیا ہے"۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اس دن کا انتظار کرنا پڑے گا"۔

"بالکل۔" امروزیہ متانت سے بولی ۔ "یہاں اسلامی قانون ہے۔ اگر میں قاضی کے سامنے پیش کی جاؤں گی تو یہ کہہ کر کہ اس جوان نے مجھے چھیڑا تھا میں صاف بچ جاؤں گی"۔

لیکن امروزیہ کی سہیلیوں کا یہ انتظار بہت طول کھینچ گیا۔ سہیلیاں ہی کیا امروزیہ کے محلے کی تمام عیسائی آبادی اس بات کی منتظر تھی کہ وہ دن آئے کہ دونوں بھڑکتے ہوئے شعلے ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور وہ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھیں۔ جبار اور از قوف کی آوارگی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا مروان لنگ کی ڈھیل نے انہیں اور زیادہ دیدہ دلیر کر دیا تھا۔ موصل میں انہیں خواتین کو چھیڑنے اور پریشان کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ انہیں محتسب اور قاضی شہر کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا مگر قلعہ مروان میں ان پر اس طرح کی کوئی پابندی نہ تھی۔ عیسائی محلوں میں تو بالکل آزادی تھی۔ ایک تو پردہ کا رواج نہ تھا پھر ان میں عورتیں زیادہ آزاد تھیں۔ چھیڑ چھاڑ اور نظر بازی کو ان کی معاشرت میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بر سرعام دلداریاں بھی ہوتی تھیں۔ رہی سہی کسر شراب نوشی نے پوری کر دی تھی۔ قلعہ میں بر سرعام شراب پینے کی اجازت تھی اور مسلمانوں کے لئے شراب

کل ممنوع تھی لیکن شراب کا پورا کاروبار عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور ان ے شراب خانے رات دن کھلے رہتے تھے۔ ایسی صورت میں کیا عیسائی کیا مسلمان ان انوں سے سب ہی فائدہ اٹھاتے تھے۔

اور آخر ایک دن دونوں لپکتے شعلوں کا آمنا سامنا ہو ہی گیا۔ دو لپکتی تلواریں' دو زخمی ر پتہ نہیں امروزیہ کے کان میں کس نے پھونک دیا کہ سامنے سے مست ہاتھیوں کی طرح ومتے ہوئے آنے والے موصل کے باغی جبار اور ازقوف ہیں اسی طرح جبار اور ازقوف ے کانوں تک یہ آواز پہنچ گئی کہ اس کے مقابل عشق پیچاں کی طرح بل کھانے والی مہ یں قلعہ جعبر کی حسین ترین امروزیہ ہے۔ جبار اور ازقوف حسب معمول ایک شراب نہ سے نکل کر اپنی ترنگ میں بہکتے اور لڑکھڑاتے چلے آ رہے تھے انہیں اگر علم ہوتا کہ ج ان کا امروزیہ سے سامنا ہو گا تو وہ اپنے استاد **بلار** کتش کو ضرور ساتھ لاتے۔ **بلار** نش خواجہ سرا ہونے کی وجہ سے خود تو امروزیہ میں دلچسپی لینے سے قاصر تھا مگر وہ اپنے ستوں کی دلچسپیوں میں ضرور دلچسپی لیتا تھا۔

امروزیہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہنستی کھیلتی چلی آ رہی تھی کہ اک دم اس کا سامنا ان نوں باغیوں سے ہو گیا جو اپنی بہادری اور غنڈہ گردی کی وجہ سے پورے قلعہ میں مشہور ے۔ نظریں ملتے ہی ان کی رفتار میں کمی اور سانسوں کی تموج میں اضافہ ہو گیا اور پھر وہ ب آ کر ایک دوسرے کے سامنے اس انداز میں رکے جیسے پہلوان مقابلے پر آتے ہیں۔ ب طرف امروزیہ کی سہیلیوں نے اسے اس طرح کہنیاں مارنا شروع کیں جیسے کہہ رہی ں کہ اب بولو امروزیہ اکیلے میں بہت باتیں بناتی تھیں ادھر ازقوف نے جبار کو ٹھوکا مارا ، بول میرے شیر' گھبرانے کی ضروت نہیں۔ میں تیرے ساتھ ہوں اور جبار کو پہل کرنا ہی ی۔

"از قوف بھائی۔ سنا ہے اس محلّہ میں امروزیہ نام کی ایک ماہ پیکر ہے۔ جو خود کو ملکہ ن سمجھتی ہے۔" جبار کہہ تو ازقوف سے رہا تھا مگر اس کا رخ امروزیہ ی جانب تھا۔

امروزیہ نے ہوتی کو مخاطب کر کے جبار کو جواب دیا "ہوتی کہہ دے کہ امروزیہ فسانہ ں بلکہ حقیقت ہے۔ ایک ایسا شعلہ ہے جس کی لپک قریب آنے والے کو خاکستر کر دیتی ، اور وہ ایک ایسی کوہستانی ندی ہے۔ جس کی وحشی لہروں سے کھیلنے والے غرقاب ہو تے ہیں"۔

"از قوف بھائی۔" جبار نے منہ بنایا ۔ "تمہاری جان کی قسم اگر کوئی مرد کہتا تو میں ا کی زبان کے ساتھ پوری بتیسی باہر نکال کے رکھ دیتا لیکن یہ تو پھول جیسی **تتلیاں**

ہیں۔"

"ہوتی!" امروزیہ قہقہہ مار کے ہنسی۔ اس کے موتی جیسے دانت چمکے تو جیسے شگوفے مسکرا دیئے۔ "موصل کے یہ تتلیاں پکڑنے والے بچے یہاں کیسے آ گئے۔ ان بیچاروں کے منہ سے دودھ کی خوشبو آتی ہے"۔

"امروزیہ۔ منہ سنبھالو۔" جبار بھڑک اٹھا" بے شک تم خوبصورت اور پری جمال ہو مگر جبار تمہیں یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ تم برسر راہے اس کی توہین کرو"۔

"بزدلوں کی یہی نشانی ہے" امروزیہ نے زہر خند کیا "تم جیسے لوگ جب مجبور ہو جاتے ہیں تو بہانے ڈھونڈنے لگتے ہیں"۔

"امروزیہ۔ بکواس بند کرو ورنہ میری تلوار تم پر اٹھ جائے گی۔" جبار غصہ سے پاگل ہو گیا اور اس نے واقعی تلوار بے نیام کر لی۔

"چپ ہو جاؤ امروزیہ" ہوتی نے ٹھوکا مارا "غصے میں آدمی پاگل ہو تا ہے"۔

امروزیہ نے جیسے ہوتی کی بات سنی ہی نہیں وہ اسی طرح پھر مسکرائی۔ "شاباش جبار۔ آگے بڑھو اور ایک عورت کا سر قلم کر دو۔ شاید اسی طرح بہادروں کی فہرست میں تمہارا نام شامل ہو جائے"۔

از قوف اب تک خاموش تھا۔ اس سے نہ رہا گیا فوراً تالی بجاتے ہوئے بولا۔

"واہ۔ واہ کیا خوب تقریر کرتی ہے ہماری باجی۔ بولتی ہیں تو جسے منہ سے پھول جھڑتے ہیں"۔

"خاموش رہ بے وقوف" امروزیہ نے غصہ سے ڈانٹا "میں تجھ جیسے پاجی کی بہن نہیں بن سکتی۔ میں ایک بہادر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہتی ہوں"۔

"سوچ لو باجی۔ نقصان میں رہو گی۔ پلا پلایا بھائی مل رہا ہے تمہیں" از قوف نے م منکایا۔ "یوں بہادری میں میرا بھجواب نہیں۔ یقین نہ ہو تو مقابلے پر آ کے دیکھ لو" اور از قوف نے بھی تلوار کھینچ لی۔

"بہت خوب یک نہ شد دو شد" امروزیہ بولی "تم مل کر حملہ کرو مجھ پر تب دونوں بھائیوں کا جھنڈا اونچا ہو گا"۔

"میں نے تمہیں بہن کہا۔ امروزیہ" جبار نے فوراً تردید کی "جہاں تک میری بہادری کا تعلق ہے تو امروزیہ میرے مقابلہ پر کسی کو لا کے دیکھ لے"۔

"اگر ایک کے سامنے ایک آیا اور تم نے اسے مار دیا تو اس میں کیا بہادری ہوئی" امروزیہ نے منہ بنایا"۔

"باجی تم فکر نہ کرو" ازقوف نے دخل دیا "جبار بھائی کو ہم دونوں مل کے ماریں گے"۔

"تم مت بولو ازقوف" جبار نے ازقوف کو خاموش کیا "میں ایک کے بجائے دو سے مقابلہ کر سکتا ہوں"۔

"یہ بھی کوئی بہادری نہیں۔" امروزیہ کے لہجے میں طنز تھا۔ "دو سے تو میں بھی نپٹ سکتی ہوں"۔

"میں چار سے اکیلے مقابلہ کر سکتا ہوں۔" جبار نے سینہ پھلا لیا۔

"کچھ کچھ ہے اس میں بہادری۔ مگر مکمل بہادری یہ بھی نہیں ہے"۔

"پھر تمہارے خیال میں بہادری کا کیا معیار ہے؟ جبار جل گیا۔

"میرے خیال میں بہادری یہ ہے کہ دشمن کے مورچے میں گھس جاؤ اور انہیں مار کاٹ کے صحیح سلامت واپس آ جاؤ"۔

"بے شک بے شک۔ بہادری یہی ہے مگر جبار بھائی کے ساتھ میں بھی دشمن کے مورچے میں جاؤں گا۔" ازقوف نے اپنی ٹانگ لگا دی۔

جبار نے تلوار نیام میں ڈالی۔ "وقت آیا تو یہ بھی کر کے دکھا دوں گا"۔

"ہوتی! امروزیہ چیخ کے بولی "کہہ دو جبار سے کہ اس میں مردانگی پیدا ہو گئی ہے میں آج شام سینٹ جوزف کے گرجا میں اس کا انتظار کروں گی"۔

قبل اس کے کہ جبار یا ازقوف کوئی جواب دیتے امروزیہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ دوسری طرف چل پڑی۔ جبار اور ازقوف حیران نظروں سے انہیں دیکھتے رہ گئے۔



جنگ کے زمانے میں ہر دل زخمی ہوتا ہے جو مر گئے وہ تو ٹھکانے لگ گئے لیکن جن کے رے وہ تمام عمر کے لئے ایک عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اس زمانہ میں تین مشہور قومیں یں۔ یہودی۔ نصرانی۔ مسلمان۔ یہودی راندہ درگاہ تھے انہیں نصرانی اور مسلمان دونوں ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ عیسائی تعداد اور طاقت میں زیادہ تھے۔ مسلمانوں کی سب سے ی اسلامی خلافت عباسیہ روبہ زوال تھی عباسی خلیفہ کا اقتدار بغداد کی دیواروں کے اندر ی رہ گیا تھا مگر قدرت کا یہ عجب انتظام تھا کہ جب بھی اسلامی ریاست پر زوال آیا

مسلمانوں کو غیب سے کوئی ایسا جرنل یا سردار مل جاتا تھا جو اسلام کی اس گرتی دیوار کو سہارا دے کر پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیتا تھا۔

اسلامی خلافت عباسیہ کمزور ہوئی تو سب سے پہلے اسے سلجوقیوں نے سہارا دیا۔ سلجوقیوں کا چراغ گل ہوا تو موصل کا اطالیق خاندان جو تاریخ میں اتابکئہ موصل کے نام سے مشہور ہیں برسراقتدار آئے امیر عماد الدین زنگی اس خاندان کا پہلا حکمران تھا جس نے نصرانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور صلیبی جنگوں میں ایسا نام پیدا کیا کہ قسطنطنیہ کا شہنشاہ کامنی نس بھی اس کے مقابلہ سے کترا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

امروزیہ کے چار بھائی اسی جنگ میں مارے گئے تھے اور وہ مسلمانوں سے شدید نفرت کرتی تھی۔ مسلمان کو دیکھتے ہی انہیں کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں کے خون کا انتقام امیر عماد الدین زنگی سے لے گی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ امیر زنگی سے کس طرح انتقام لے۔

امروزیہ نے اپنی قسم اور اپنے انتقامی جذبہ کو بہت چھپا کر رکھا تھا سال بھر تک اس کا یہی خیال رہا کہ شاید شاہ جو سیلین تل باشر سے واپس آ کے الرہا کو حاصل کر لے گا مگر اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اس وقت کی دوسری نصرانی ریاست یروشلم کی تھی۔ شاہ بالڈون نے ایک بار شہنشاہ قسطنطنیہ جان کامنی نس کے لشکر کے ساتھ امیر موصل کے خلاف مورچہ لگایا تھا۔ مگر پھر ایک شب یہ مشترکہ لشکر جس میں شہنشاہ کے ساتھ شمال کی تمام بڑی بڑی نصرانی حکومتیں تھیں چپکے سے میدان جنگ میں اپنی کئی بھاری منجنیقیں چھوڑ کے بھاگ گیا تھا یہ دیگر وجوہات کے علاوہ امیر زنگی کا اقبال تھا جس نے ایک عظیم لشکر کو میدان جنگ سے بھگا دیا۔

امروزیہ اسی انتقامی جذبہ کو سینہ میں دبائے قلعہ جعبر میں آ کے آباد ہو گئی تھی اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن امیر زنگی قلعہ جعبر پر ضرور حملہ کرے گا اور اس وقت امروزیہ بذات خود امیر لشکر کے خلاف تلوار بلند کرے گی۔ مسلمانوں سے اس قدر شدید نفرت کے باوجود امروزیہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ امیر عماد الدین زنگی کے خلاف اسے اگر کوئی قابل اعتماد حلیف اور ساتھی مل سکتا ہے تو وہ نصرانی کے بجائے کوئی مسلمان ہی ہو سکتا ہے شاید اسی وجہ سے وہ اب تک دوشیزہ تھی اور اپنی اس دوشیزگی کو انتقام کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے بچا بچا کے رکھ رہی تھی۔

بلار کتش کو امروزیہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خواجہ سرا ہونے کی وجہ سے وہ یوں بھی عورتوں سے دور دور رہتا تھا۔ احباب کے ساتھ وہ صرف شغل میلے کے لئے عورتوں کا

رقص دیکھ لیا کرتا تھا۔ سروج میں جو کچھ پیش آیا تھا۔ اس کی ذمہ داری بھی اس نے اپنے دوستوں پر ڈالی تھی۔ انہی کی وجہ سے وہ موصل سے نکالا گیا۔ موصل میں نائب السلطنت نصیرالدین جعفر کے قتل میں وہ شامل تھا مگر اس بارے میں بھی اس کا یہی خیال تھا کہ اگر اس کے دوسرے غلام دوست اسے نہ ابھارتے تو وہ اس قتل سے دور ہی رہتا لیکن وہ دوستوں کا بھی بھوکا اور رسیا تھا۔ خواجہ سرا چونکہ عورتوں سے متنفر ہوتے تھے اس لئے وہ اپنی تمام خوشیاں اپنے دوستوں میں تلاش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دوستوں کی وجہ سے اس قدر ذلیل و خوار ہونے کے باوجود **بلار کتش** ان کی صحبت نہ چھوڑ سکا۔ اس کے دوست جیسے ہی سہی مگر اس پر جان دیتے تھے اور اس کے اشاروں پر چلتے تھے۔

شام ہونے سے پہلے **بلار کتش** کو معلوم ہو گیا کہ امروزیہ نامی نصرانی دوشیزہ نے جبار اور ازقوف کو سینٹ جوزف کے کلیسا میں آنے کی دعوت دی ہے۔ **بلار کتش** کو مروان لنگ نے تاکید کی تھی کہ وہ اور اس کے دوست قلعہ میں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ مگر کسی غیر مسلم کو چھیڑنے کی انہیں اجازت نہیں اور اگر اس سلسلہ میں اس کے پاس شکایت آئی تو وہ کوئی رعائت نہیں کرے گا۔ **بلار کتش** اور اس کے دوستوں کو جعبر میں ہر طرح کا آرام و آسائش میسر تھا اس لئے اس نے یہ سخت پابندی قبول کر لی تھی۔ مگر جبار جیسے اوباش اور بدماغ انسان ایسے عہد و پیمان کی کب پرواہ کرتے ہیں۔ جبار نے جس روز سے امروزیہ کی تعریف سنی تھی وہ اس سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ امروزیہ کی دعوت کو وہ نظر انداز کر نہیں کر سکتا تھا لیکن جب اسے یہ بتایا گیا کہ امروزیہ اور جبار میں کافی دیر تک ہمراہ تو تو میں میں ہوتی رہی تو **بلار کتش** بہت چرغ پا ہوا اور وہ فوراً جبار کے ٹھکانے پر پہنچا۔ **بلار کتش** اور اس کے دوست اگرچہ مروان لنگ کی پناہ اور مہمانی میں تھے لیکن جبار اور ازقوف ایک مکان میں رہتے تھے اور **بلار کتش** نے اپنے لئے مروان لنگ کے محل کے قریب ایک جگہ پسند کی تھی یہ انتظام خود **بلار کتش** کے کہنے پر کیا گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جبار اور ازقوف رات کو بہت دیر سے واپس آنے کے عادی ہیں اور ان کے شب بیداری کے مشاغل بھی اور ہیں۔ اس لئے **بلار کتش** نے اپنے دوستوں کے لئے الگ رہائش کا انتظام کرایا تھا۔

مغرب کی آذان سے پہلے ہی جبار اور ازقوف اپنے استاد اور دوست **بلار کتش** کے سامنے پیش ہو گئے۔ **بلار کتش** ان کے گھر پیغام چھوڑ آیا تھا کہ کسی دعوت میں جانے سے پہلے وہ اس سے (**بلار کتش** سے) ضرور ملاقات کریں۔ اس پیغام کے علاوہ **بلار کتش** نے ایک آدمی کو شہر کو قہوہ خانوں (جو در پردہ مے نوشی کا انتظام کرتے تھے) میں بھیج دیا تھا

کبھار اور ازقوف جہاں ملیں انہیں اس کا پیغام پہنچا دیا جائے۔

"آج دوپہر کس لڑکی سے ملے تھے جبار" ہلارکتش غصہ ضبط کر کے مسکرا رہا تھا۔

جبار نے ازقوف کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کے بولا "اس غضب کی دوشیزہ ہے استاد کہ انسان دیکھے تو بس دیکھتا ہی رہ جائے وہ ٹیڑھے چتون لمبی زلفیں' گلابی رنگت' چلتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بہاریں اس کے جلو میں ہیں اور بولتی ہے تو ———————"۔

"تم چپ رہو ازقوف۔" ہلارکتش نے ازقوف کو ڈانٹ دیا "میں جبار سے بات کر رہا ہوں۔ جس لڑکی سے تم نے بات کی جانتے ہو وہ کون ہے؟"۔

"جی ہاں استاد۔ وہ لڑکی امروزیہ ہے۔ قلعہ جعبر کی حسین ترین دوشیزہ۔ جوانوں کے دلوں کی دھڑکن خوابوں کی پری۔ پلکیں جھپکائے تو جذبات میں تلاطم آجائے۔ دھڑکنیں تیز ہو جائیں اس کے حسن و جمال کی تو میں تعریف کر ہی نہیں سکتا آپ خود چل کے ملاحظہ فرمائیے۔" ازقوف اپنی رو میں کہتا رہا اور ہلارکتش اسے گھور گھور کے دیکھتا رہا۔

"ازقوف۔ تم خاموش نہیں رہو گے۔" ہلارکتش نے جیسے بے بسی سے کہا۔

"میں نے امروزیہ کی تعریف نہیں پوچھی تھی میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ امروزیہ ہے کون کس کی بیٹی ہے۔ کس مذہب سے تعلق رکھتی ہے"۔

"دختر کلیسا ہے استاد" ازقوف نے پھر بولنا شروع کر دیا "اس نے آج ہمیں کلیسا میں دعوت دی ہے اس لئے وہ یقیناً نصرانی دوشیزہ ہو گی"۔

ہلارکتش جھلا گیا "ازقوف تم خاموش نہیں رہ سکتے تو باہر چلے جاؤ"۔

"میں ——————— میں تو کچھ بھی نہیں بولا استاد" اور ازقوف نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تم کیوں خاموش ہو جبار؟" ہلارکتش نے جبار کو دیکھا۔

"استاد مجھ سے غلطی ہو گئی۔ آپ معاف کر دیجئے" جبار نے کج بحثی کے بجائے خود ہی اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔

"شکر ہے کہ تمہیں اپنے جرم کا احساس ہے" ہلارکتش نے لمبی سانس لی۔

"امروزیہ یہاں کی ایک بڑی مشہور اور خطرناک قسم کی عیسائی لڑکی ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ خود جوانوں کو اپنی طرف مخاطب کرتی ہے اور انہیں بھرے بازار ذلیل کرتی ہے ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آخر وہ چاہتی کیا ہے یا پھر وہ کس مقصد کے تحت ایسا کرتی ہے"۔

"استاد آج میں اس سے پوچھ لوں اس نے میری دعوت کی ہے" ازقوف نے پھر خلل دیا۔

"ازقوف۔ تمہیں تو میں اپنے ساتھ لا کے پچھتا رہا ہوں" ہلارکتش چڑ کے بولا۔

"امروزیہ نے آج ہمیں سینٹ جان کے کلیسا میں بلایا ہے۔" جبار نے وضاحت شروع کی "میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا لیکن وہ نصرانی دوشیزہ اور آپ نے غیر مسلم لڑکیوں سے بولنے کو منع کیا ہے اس لئے میں نہیں جاؤں گا"۔

"نہیں جبار۔ تم نے وعدہ کیا ہے تو اسے پورا کرو۔" ہلارکتش نے جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ وہ باتوں میں کچھ کھل جائے اور ہمیں اس کا اصل مقصد معلوم ہو سکے"۔

"ہاں ہاں استاد ہم ضرور جائیں گے۔" یہ تائید ازقوف کی طرف سے تھی۔ "ہمارے ساتھ آپ کو بھی چلنا ہو گا"۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے استاد آپ اس کی باتوں سے صحیح اندازہ کر سکیں گے" جبار نے بھی پُرزور الفاظ میں کہا۔

"لیکن دعوت تو تم دونوں کو دی گئی ہے میں کیسے جاؤں گا"۔

"استاد میں نے کہہ دیا تھا کہ ہمارے ساتھ استاد ہلارکتش بھی آئیں گے" ازقوف نے بے دھڑک کہہ دیا اور جبار اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد ہلارکتش نے کہا "مروان نے بھی ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اس عورت کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کون ہے اور کیا چاہتی ہے کبھی الرہا کا نام لیتی ہے تو کبھی کاشر کا۔ انطاکیہ اور یروشلم سے بھی اپنا تعلق بتاتی ہے۔ اچھا ٹھیک ہے۔ آج میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا"۔

شام کو امروزیہ نے جبار اور ازقوف کے ساتھ جب ایک نئے آدمی کو دیکھا تو وہ چونکی "تمہارے ساتھ کون ہے ازقوف؟" امروزیہ نے ہلارکتش کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ہمارے استاد ہیں ہلارکتش کتنے وجیہہ جوان ہیں۔ کیا خیال ہے امروزیہ" ازقوف کا سوال بڑا بے تکا تھا مگر امروزیہ نے اس کا کوئی برا نہ مانا۔

"واقعی ہیں تو وجیہہ جوان۔ پہلوانی تو نہیں کرتے یہ!" امروزیہ نے بڑی خوش دلی سے کہا۔ امروزیہ کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ان تینوں کو دیکھ رہی تھی۔

ازقوف نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ "وہ ہوتی دکھائی نہیں دیتی کیا وہ کہیں اور گئی ہے؟"۔

"رہتی تو یہیں ہے مگر وہ تمہارے سامنے نہیں آنا چاہتی" امروزیہ مسکرائی۔

"میرے سامنے کیوں نہیں آتیں کیا میں انسان نہیں ہوں۔" ازقوف اکڑ گئے۔ "ہوتی کہتی ہے کہ وہ صرف بہادروں کو پسند کرتی ہے۔ بزدلوں سے اسے نفرت ہے۔" امروزیہ نے یہ بات کہی تو ہنسی میں تھی مگر بلوکتش کو بہت ناگوار گزری۔

"ازقوف۔ تم سخت احمق ہو۔" بلوکتش سخت لہجہ میں بولا۔ "تم نے انہیں یہ حق کیوں دیا کہ وہ تمہیں بزدلی کا طعنہ دی رہی ہیں۔ ہمیں آج تک کسی نے بزدل نہیں کہا"۔

"اچھا تو آپ کو بھی بہادری کا دعویٰ ہے؟" امروزیہ بلوکتش کو ترچھی نظروں سے دیکھا۔

"اس میں کیا شبہ ہے لڑکی۔ ہماری بہادری کی تو قسم کھائی جاتی ہے۔" بلوکتش نے بڑے فخر سے کہا۔

"جبھی موصل سے بھاگ کے قلعہ جعبر میں پناہ حاصل کی ہے" اور امروزیہ نے کچھ اس طرح قہقہہ لگایا کہ بلوکتش کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"اتنے غرور سے باتیں نہ کرو امروزیہ" بلوکتش غصے سے کانپتے ہوئے بولا "تم نے ابھی ہماری تلوار کی کاٹ نہیں دیکھی ورنہ اس طرح نہ کہتیں"۔

"مجھے تلوار کی کاٹ دکھاتے ہو" امروزیہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "اس وقت تمہاری تلوار نیام سے کیوں نہیں نکلی جب امیر موصل نے تمہیں شہربدر کیا تھا؟"۔

بلوکتش پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس نے مشہور کر رکھا تھا کہ امیر موصل سے اختلاف کی وجہ سے وہ موصل چھوڑ آیا ہے مگر امروزیہ نے اس قدر اعتماد سے اس کا بھانڈا پھوڑا تھا کہ وہ انکار نہ کر سکا۔ بلوکتش نے اقرار بھی نہیں کیا اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق امروزیہ کو زچ کرنے کے لئے کہا "تم نے ابھی امیر موصل کو دیکھا نہیں ہے؟"۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم" امروزیہ نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا "قسم خداوند یسوع مسیح کی اگر کسی دن میرا اور زنگی امیر کا سامنا ہو گیا تو پھر صرف ایک ہی زندہ بچے گا وہ امیر یا میں امروزیہ"۔

"بہت غصہ ہے امیر موصل پر" بلوکتش کو امروزیہ کے غصہ پر ہنسی آ گئی۔ "امیر موصل کو دیکھ کے شیر بھی نظریں نیچی کر لیتا ہے"۔

"یہ بات بھی تم نے ٹھیک ہی کہی" امروزیہ بول اٹھی۔ "امیر موصل کو دیکھ کر نظریں نیچی کرنے والے تمہارے ہی ایسے بزدل شیر ہوں گے ورنہ تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو ا... کے سینے پر چڑھ کے وہ زبان کھینچ لیتی جس زبان سے اس نے تمہیں شہربدر کیا تھا"۔

بلوکتش کو امروزیہ کے الفاظ اور آواز پر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے یونہی پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ امیر موصل کے ہاتھوں تمہیں کوئی بڑا زخم لگا ہے جبھی تم اس قدر تلملا رہی ہو"۔

"ہاں مجھے زخم لگا ہے اور ایسا زخم جو شاید قبر تک میرے ساتھ جائے گا"۔

"یہ حادثہ کب اور کیسے پیش آیا امروزیہ؟" بلوکتش نے دلچسپی سے پوچھا۔ "سننا ...ہتے تو تو سنو۔ میں نے تمہارے دونوں دوستوں کو اس لئے آج بلایا تھا" امروزیہ کی ...نکھوں میں غصہ سے خون اتر آیا تھا۔ "تمہارا دوست جبار مجھے کچھ بہادر نظر آیا تھا اور میں ...ہر وقت بہادروں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہوں۔ تم نے بھی اپنی بہادری کے کچھ انداز ...ھائے ہیں اس لئے تم بھی میری کہانی سن سکتے ہو لیکن اتنی جلدی نہیں۔ میں نے دعوت کا ...ہتمام کیا ہے پہلے سے فارغ ہو لو پھر اطمینان سے داستان سننا"۔

جبار کو بھی جوش آ گیا۔ اس نے تیز آواز میں کہا۔ "لعنت بھیجو کھانے پینے پر" میں تو ...لے امروزیہ کی داستان سنوں گا"۔

"میں جبار کی بات کی تائید کرتا ہوں" بلوکتش نے تائید کی۔ "محفل تو بعد میں بھی ...سکتی ہے کیوں نہ پہلے امروزیہ کی کہانی سن لی جائے۔ کیوں ازقوف تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

"بہت معقول خیال ہے استاد" ازقوف نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ "مگر کہانی میں ...بات کی کمی رہ جائے گی"۔

"کس بات کی کمی رہ جائے گی ازقوف۔" بلوکتش نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"استاد یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی"۔

بلوکتش نے جبار کی طرف دیکھا۔ "کیوں جبار وہ کون سی بات جسے میں نہیں سمجھ ...؟"۔

"ازقوف بتاتے کیوں نہیں۔" جبار نے ازقوف کو غصے سے دیکھا۔ "کس بات کی کمی ...ی ہے؟"

"ازقوف نے سر کھجایا۔ "جبار ہم پہلی مرتبہ ملے تھے تو ہماری تعداد چار تھی لیکن ———————"۔

جبار نے نظریں دوڑا کے فوراً تعداد گن لی "چار تو اب بھی ہیں۔ امروزیہ۔ میں۔ اور تم۔ چار پورے ہو گئے۔

"اوں ہوں" ازقوف نے انکار میں سر گھمایا۔ "تعداد تو پوری ہو گئی مگر وہ چار نہیں جو ...اقات میں تھے"۔

اس وقت امروزیہ کی سہیلی ہوتی داخل ہوئی۔ "امروزیہ اتنی دیر ہو گئی تمہیں باتیں کرتے ہوئے کیا مہمانوں کو بھوکا ہی رخصت کر دو گی"۔

" اچھا ہوا تم خود ہی آ گئیں ہوتی ورنہ مجھے بلانا پڑتا۔" امروزیہ نے ازقوف کی طرف دیکھا۔

"کیا خاص بات تھی جو مجھے بلانا پڑتا؟"۔

" تمہاری یاد ہو رہی تھی ابھی"۔

" میری یاد۔ تم ہی نے مجھے کھانا لگانے کو کہا تھا"۔

" اچھا یہ بتاؤ ہوتی صبح ملاقات کے وقت ہم چار تھے نا؟" امروزیہ کی نظریں اب تک ازقوف پر لگی ہوئی تھیں۔

"ہاں چار تھے۔ بالکل چار"۔

" اور اب کتنے ہیں؟"۔

ہوتی نے سرسری نظر ڈال کے کہا۔ "اب بھی چار ہیں۔ میں تم اور دو مہمان"۔

" مہمان دو نہیں تین ہیں۔ ذرا غور سے دیکھو ہوتی"۔

ہوتی نے شاید بلوکتش کو پہلی بار دیکھا ہی نہیں تھا یا پھر اس نے جان بوجھ کے نظر انداز کیا کیونکہ صبح کی ملاقات میں بلوکتش موجود نہ تھا۔ "معاف کرنا امروزیہ میں نے نئے مہمان کا خیال ہی نہیں کیا تھا"۔

" یہ ہیں بلوکتش ان دونوں کے استاد۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے بلوکتش اپنی بہادری اور وفاداری کی وجہ سے امیر موصل امیر عماد الدین زنگی کے خاص آدمیوں میں تھے مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑتے ہیں تو امیر موصل اس سے اس قدر ناراض ہوئے کہ انہیں موصل سے بیک بنی و دوگوش نکال باہر کیا"۔

امروزیہ نے بڑے سکون سے بلوکتش کا پورا شجرہ بیان کر دیا لیکن اس پوری تفصیل میں جو خاص باتیں تھیں وہ امروزیہ کو نہیں معلوم ہو سکیں ورنہ وہ ان کا اظہار بھی ضرور کرتی۔ پہلی اور اہم ترین بات تو یہ کہ بلوکتش عام غلام نہیں بلکہ خواجہ سرا (نامرد) غلام تھا۔ دوسرے یہ کہ بلوکتش سے امیر کی ناراضگی کی امروزیہ نے کوئی وجہ نہیں بیان کی۔ امروزیہ نے یہ غضب بھی کیا تھا کہ اس نے بلوکتش کے موصل سے نکالے جانے کا جو ذکر کیا تھا اس سے بلوکتش کی حد درجہ توہین ہوتی تھی۔ اس لئے بلوکتش کو اگر ایک طرف امروزیہ کی معلومات پر اگرچہ وہ ناقص تھیں۔ تعجب ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنی توہین پر وہ بہت جز بز تھا۔ جبار اور ازقوف ان حالات سے واقف تھے لیکن امروزیہ نے جو

کہا تھا وہ لفظ بہ لفظ درست تھا اس لئے وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر بھی جبار نے اپنی دوستی کی خاطر کہا۔

"امروزیہ۔ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ قلعہ جعبر کے لوگ یا نصرانی خواتین شریف لوگوں کو گھر بلا کر اس طرح ذلیل کرتی ہیں تو ہم ادھر کا رخ بھی نہ کرتے"۔

" معزز مہمانو۔" امروزیہ نے فوراً اپنا رویہ بدل دیا۔ "اگر آپ لوگوں کی میرے الفاظ سے توہین ہوئی ہے تو میں معذرت چاہتی ہوں۔ دراصل میں کہنا یہ چاہتی تھی کہ جس طرح امیر موصل عماد الدین زنگی نے مجھ بے کس پر ظلم کیا ہے اس طرح اس نے اپنے وفاداروں اور جان نثاروں کو بھی ذلیل و خوار کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں امیر موصل سے انتقام لینے سے معذور ہوں مگر کم از کم میرے دل میں انتقام کی آگ تو روشن ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہو رہا ہے کہ معزز بلوکتش اور ان کے ہمراہیوں کو جو بلوکتش کی طرح امیر کے بہی خواہ اور جانباز ہوں گے جب موصل سے بے عزتی کے ساتھ نکالا گیا تو ان کے چہرے پر ذرا بھی شکن نہ آئی۔ ان کے دلوں میں انتقام کی کوئی چنگاری نہیں پیدا ہوئی———"۔

" بس بس امروزیہ ——— اس قصہ کو مت چھیڑو۔" بلوکتش کم ظرف تھا اس لئے چھلک پڑا۔ "اس دل میں جو لاوا بھڑک رہا ہے اس کا اندازہ تم کر ہی نہیں سکتیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں موصل میں رہ کے امیر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں بہادر نہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ امیر موصل بھی میری طرح ایک بہادر اور شمشیر زن ہے اور میرا یہ کہنا غلط ہو گا کہ میں تنہا اس پر قابو پا سکتا ہوں۔ امیر موصل میں اس قدر جرات اور شجاعت ہے کہ وہ چار پانچ آدمیوں کا تنہا مقابلہ کر سکتا ہے۔ امیر عماد الدین زنگی پر دو چار آدمیوں کے ساتھ حملہ کرنا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے———"۔

" ٹھہرو ٹھہرو بلوکتش " امروزیہ نے اسے بیچ میں ٹوک دیا۔ یہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ امیر موصل پر چھ آدمیوں کے ساتھ حملہ نہیں کیا جا سکتا تو یہ کیسے مان لیا جائے کہ امیر موصل نے نیند کو اپنے قابو میں کر لیا ہے اور وہ ہر وقت جاگتا ہی رہتا ہے"۔

بلوکتش اور جبار یہ بات سن کے دنگ رہ گئے۔ جبار نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "امروزیہ کمال کر دیا تم نے ——— یہ بات ہماری عقل میں کبھی آئی ہی نہیں۔" پھر اس نے پلٹ کے بلوکتش سے کہا۔ "کیوں استاد۔ اگر امیر موصل پر سوتے

میں حملہ کیا جائے تو کیسا رہے گا؟"۔

" رہے گا کیسا؟" امروزیہ نے دخل دیا۔ "سوتا ہوا انسان بھی مردہ ہوتا ہے اگر انسان ہمت کرے تو کیا چیز ممکن نہیں"۔

ہلاکتش ابھی تک مبہوت ہوا کھڑا تھا۔ اس نے سر کو جھٹکا دے کر حواس اپنے قابو میں کئے۔ "جبار کاش امروزیہ ہمیں اس وقت ملی ہوتی جب میں امیر کے محافظ دستے میں شامل تھا مجھے اس بات کا تو بھول کے بھی خیال نہیں آیا"۔

" سوتے میں تو میں بھی امیر کو قتل کر سکتا ہوں۔۔۔" ازقوف نے ڈینگ ماری۔

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ایسا موقع آئے گا کب؟" ہلاکتش نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا۔

"اس کا حل بھی میں پیش کروں گی۔ چلو پہلے کھانا کھا لیں۔" امروزیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک" ازقوف نے تائید کی" بھوک میں تو ایک ایک کے چار چار نظر آتے ہیں۔"



یہاں سے اٹھ کے یہ لوگ دوسرے کمرے میں جا بیٹھے۔ وہاں دو میزوں پر کھانا چنا ہوا تھا۔ ایک بوڑھا ملازم خدمت پر موجود تھا۔ ازقوف نے ہوتی کو جانے کون سا اشارہ کیا کہ وہ کھڑی ہو گئی۔ "مجھے ابھی بھوک نہیں ہے امروزیہ میں کچھ دیر بعد کھاؤں گی"۔

ہوتی کی بات ختم ہوئی تھی کہ ازقوف بولے۔ "استاد میری طبیعت بھی کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہی ہے بھوک لگی تو بعد میں کھالوں گا"۔

جبار نے فوراً ازقوف کی بات پکڑی۔ "ازقوف تمہیں تو ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے عین چلنے کے وقت تم نے کہا تھا کہ کھانا کھا کے چلو پتہ نہیں وہاں کھانا کس وقت ملے اور اب تمہاری بھوک اڑ گئی ہے"۔

" واہ۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے بھوک تو بھوک ہے اس پر کس کا قابو جب جی چاہے لگ آئے اور جب تک چاہے نہ لگے۔" اور ازقوف بھی وہاں سے ہٹ کے ہوتی کے قریب پہنچ گیا۔

"مگر تم جا کہاں رہے ہو۔" جبار نے ہنس کے کہا؟۔

"تو کیا تمہارے نوالے گنوں کھڑے ہو کے؟"۔

" انہیں جانے دو جدھر جاتے ہیں۔" ہلاکتش نے بات ختم کر دی۔ "ذرا گھومیں ں گے تو بھوک لگ آئے گی"۔

ہوتی نے بڑی بے تکلفی سے ازقوف کا ہاتھ پکڑا اور صحن میں نکل گئی۔

"کبھی کبھی ازقوف کا دماغ چل جاتا ہے مگر ہے بڑا با ادب آدمی۔ وفادار ایسا کہ نوں کے پسینے پر خون بہانے پر تیار ہو جاتا ہے ہلاکتش نے بڑے خلوص سے ۔قوف کی تعریف کی اور ازقوف واقعی تھا بھی کچھ ایسا ہی۔

میز پر طرح طرح کے کھانے موجود تھے۔ امروزیہ نے مہمانوں کے لئے کئی طرح مشروبات کا بھی انتظام کیا تھا۔ ہلاکتش اور جبار بلا نوش تھے۔ قلعہ جعبر میں ب کی تمام دکانیں نصرانیوں یا یہودیوں کے قبضے میں تھیں۔ مگر ان پر خالص شراب ملتی تھی اور یہ لوگ کافی پینے کے باوجود تشنگی ہی محسوس کرتے تھے اس وقت ان سامنے تقریباً اتنے ہی قسم کی شراب کی بوتلیں سجی تھی جتنے اقسام کے کھانے میز پر ، تھے۔

کھانے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر امروزیہ نے گفتگو کا رخ اک موڑ دیا۔ اس نے مہمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "جب تک استاد ہلاکتش ہم میں ل نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تک میں جبار کو ایک معقول اور کام کا آدمی سمجھتی مگر اب معلوم ہوا کہ تین کے اس گروہ میں سب سے زیادہ سمجھدار اور بہادر ن استاد ہلاکتش ہیں۔۔۔۔۔۔"۔

" بے شک۔ بے شک۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے" جبار نے بڑی بے چینی قطع کلام کیا۔ لیکن امروزیہ اس سلسلے میں ایک بات۔۔۔۔۔۔"۔

" خاموش ہو جاؤ جبار۔" ہلاکتش چیخ پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ جبار امروزیہ کو یہ بتانا ا ہے کہ ہلاکتش مرد نہیں ہے بلکہ خواجہ سرا ہے یہ بات اگرچہ ٹھیک تھی لیکن کتش یہ نہیں چاہتا تھا کہ پہلی ملاقات میں امروزیہ کو ہلاکتش کے اصل حالات آگاہ کرے لیکن امروزیہ نے ہلاکتش کی اس طرح تعریف کی تھی کہ جبار شت نہ کر سکا۔ دراصل اسے امروزیہ سے پہلی ہی ملاقات میں محبت ہو گئی تھی۔ یہ تو معلوم نہ ہو سکا تھا کہ وہ بھی جبار کی محبت میں گرفتار ہے یا نہیں لیکن اس کچھ رجحان جبار کی طرف تھا ضرور۔

امروزیہ نے اپنی بات وہیں سے شروع جہاں جبار نے قطع کلام کیا تھا۔ "اہ
ہلاکتش اور شاگرد جبار۔ میں امیر موصل کو کسی طور بھی پسند نہیں کرتی بلکہ یوں
چاہئے کہ امیر موصل سے مجھے جس قدر نفرت ہے اس سے زیادہ نفرت کسی اور کو
ہو گی ———"۔

"معاف کرنا امروزیہ تمہارا قطع کلام ہوتا ہے۔" ہلاکتش نے اس کی با
کاٹی۔ "مجھے آج اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ام
موصل نے واقعی مجھے بڑی ذلت سے نکالا ہے وہ تو مجھے قتل کرانا چاہتا تھا لیکن ا
میرے خلاف کوئی شہادت نہیں مل سکی ورنہ میں آج یہاں موجود نہ ہوتا اسی لئے آ
میں یہ کہوں کہ امیر موصل سے مجھے سب سے زیادہ نفرت ہے تو تمہیں میری بات
یقین کر لینا چاہئے"۔

"چلو نہ میں جیتی اور نہ تم ہارے" امروزیہ نے بحث سے گریز کیا "ہم دونوں
ایک ہی ہستی سے برابر کی نفرت کرتے ہیں۔ اس صورت میں ہم دونوں کے ارادے
اور زیادہ مستحکم ہو جائیں گے۔ اور بہت ممکن ہے کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے جو
ہم دونوں امیر موصل سے بیک وقت انتقام لے سکیں۔

"بالکل ٹھیک۔ اس معاملے میں میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کرنے پر تیا
ہوں" ہلاکتش نے امروزیہ کو پیشکش کی۔

"میں بھی تم سے ہر طرح کا تعاون کرنے پر آمادہ ہوں۔ امروزیہ نے بڑے جوش
سے اعلان کیا "یہی نہیں اگر تم امیر سے میرا اور اپنا انتقام لینے میں کامیاب ہو گئے ت
میں اپنا مذہب تبدیل کر کے تم سے شادی کر لوں گی"۔

امروزیہ کے اس اعلان نے ہلاکتش کو ہکا بکا کر دیا اور جبار حواس باختہ ہو گیا۔
جبار کو یہ گمان ہوا کہ کہیں ہلاکتش واقعی امروزیہ کو اس کے ہاتھ سے نہ لے بھاگے
حالانکہ بیچارہ ہلاکتش خواجہ سرا تھا اور کسی خواجہ سرا کا کسی عورت سے شادی کر
ایک ناممکن سی بات تھی۔

یہ گفتگو ایک ایسے موڑ پر آ گئی تھی جس نے جبار اور ہلاکتش دونوں کے لبوں
پر تالے لگا دیئے تھے ہلاکتش اپنے منہ سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ خواجہ سرا ہے
اور عورت اس کے لئے ایک حرف بے معنی کے سوا کچھ۔ خواجہ سرا دراصل مردانگی
پر ایک ایسا دھبہ تھا۔ جسے کوئی سننے کے لئے آمادہ بھی نہ تھا پھر بھلا جبار کیسے کہتا کہ
امروزیہ نے جس شخص کی بہادری سے متاثر ہو کر اس کی زوجیت میں جانے کا اعلان

ہے وہ ایسا مرد ہی نہیں ہے جسے کسی عورت کی ضرورت ہو۔ اس وقت جبار اور
کتش کو اپنا ظریف دوست از قوف بہت یاد آ رہا تھا ایسے موقعوں پر ازقوف ہی
ظرافت طبعی سے حالات سنبھال لیتا تھا مگر وہ تو اپنی محبوبہ ہوتی کے ساتھ صحن سے
ل کر باغ کی سیر کر رہا تھا۔

امروزیہ اپنی جگہ پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ وہ اپنی نظروں میں ذلیل ہو گئی تھی کہ
نے خود کو کسی کی آغوش میں جانے کا اعلان کیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آغوش شوق
ے بڑھ کے اس کے اس اعلان کا استقبال کرتا مگر ہوا یہ کہ دوسری جانب بالکل
وشی طاری ہو گئی۔ جیسے امروزیہ کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی یا پھر اس کے حسن میں
ی ایسی کمی تھی جو سامنے بیٹھے ہوئے جوانوں کو اس پر مائل نہ کر سکے۔ اس احساس
امت کے تحت اس نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ موصل کے دونوں جوانمرد کم از کم احساس جمال سے قطعی
ی ہیں یا پھر ان کے انتخاب کا معیار اس قدر بلند ہے کہ امروزیہ جس کے ایک ابرو
اشارے پر قلعہ جعبر کا ہر جوان اپنی جان دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ جبار اور
کتش کو ذرا بھی متاثر نہ کر سکی"۔

"امروزیہ یہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو ———" جبار شاید ہلاکتش
جوانمردی کا بھانڈا پھوڑنا چاہتا تھا لیکن ہلاکتش نے اسے موقعہ ہی نہیں دیا اور
کاٹ دی۔

"میں بتاتا ہوں امروزیہ" پھر اس نے جبار کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔
ہارے حسن کی تعریف نہ کرنا کفران نعمت ہے تم تو جوانوں کے دل کی دھڑکن اور
بوں کی ملکہ ہو۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم جو کچھ
تی ہو وہی ہم لوگوں کا نصب العین ہے اس لئے اس کام کا نہ تو کوئی صلہ ہے اور
انعام ہم سب کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ کسی طرح امیر موصل ملک عدم سدھارے
ہمارے دلوں کی آگ ٹھنڈی ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر قسمت نے وہ وقت
ایا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر زندہ بچ گیا تو میں تمہارے اس اعلان کی
ر کرتے ہوئے تمہیں اپنے گروہ کے سب سے زیادہ جری اور وجیہ جوان یعنی جبار کی
وش میں بخوشی دے دوں گا اس لئے کہ میری کچھ مجبوریاں ہیں اور میں شادی نہیں
سکتا"۔

بات ڈھکی کی ڈھکی رہی۔ جبار کو بھی جس بات کا ڈر تھا وہ ختم ہو گیا اور امروزیہ

جس خاموشی کو اپنی توہین سمجھ رہی تھی وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ جبار نے کچھ اور وضاحت کر دی "امروزیہ استاد نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے استاد کو اپنی مجبوریاں ہیں ازقوف اور ہوتی نہ معلوم اس وقت کہاں ہیں اور اپنے مستقبل کا کیا تانا بانا بن رہے ہیں اس لئے اسے بھی معذور ہی سمجھنا چاہئے۔ پس ہمارے کامیابی کی صورت میں تم جیسا چاہو گی وہی ہو گا۔ تم پر کوئی زور نہیں دیا جائے گا"۔

"کیا کہہ رہے ہو جبار۔" امروزیہ نے متانت سے کہا "میں اپنا حسن و جوانی داؤ پر لگا رہی ہوں یہ ایک کھلا ہوا اعلان ہے جو چاہے اس خونی کھیل میں شریک ہو سکتا ہے شرط صرف کامیابی کی ہے کامیاب ہونے والے کو اختیار ہو گا خواہ مجھے اپنے پاس رکھے یا کسی کے حوالے کردے"۔

"خیر۔ یہ باتیں تو بعد کی ہیں۔" ہلاکتش بولا "ہماری اس وقت کی گفتگو سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ہم سب کا ایک ہی مقصد ہے اب غور یہ کرنا ہے کہ اس مقصد کو حاصل کس طرح کیا جائے۔ یہ بات مشہور ہے کہ اگر دو دل مل جائیں تو وہ پہاڑوں کو توڑ پھوڑ سکتے ہیں اور ہم اس وقت دو کے بجائے تین ہیں۔

تین نہیں چار ہیں۔ استاد" جبار نے لقمہ دیا "اب ازقوف کو کیوں بھول رہے ہیں وقت پڑنے پر وہ بہت کام آتا ہے"۔

"پھر چار نہیں پانچ کہو جبار" امروزیہ نے دخل دیا۔ "میری ہوتی نے کیا خطا کی ہے جو تم اسے چھوڑ رہے ہو۔ وہ میری راز دار بھی ہے اور جاسوسی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ دیکھنے میں خاموش نظر آتی ہے لیکن ہلاکتش کے متعلق اسی نے تمام معلومات اکٹھا کی ہیں"۔

"کیا وہ موصل گئی تھی!" ہلاکتش نے گھبرا کے پوچھا۔

"نہیں وہاں نہیں گئی۔ یہ تمام باتیں اس نے مروان لنگ کے محل سے معلوم کی ہیں" امروزیہ مسکرائی تو جبار کے ذہن پر بجلیاں سی گرنے لگیں۔ "اگر ہوتی موصل گئی ہوتی تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ استاد شادی سے کیوں انکار کر رہے ہیں"۔

"خیر اس کی فکر تمہیں نہیں ہونا چاہئے۔ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے میں خود تمہیں بتادوں گا۔ ہلاکتش اب معاملہ کی بات کرنا چاہتا تھا۔ "امروزیہ کھانا ختم ہو چکا ہے اتنی بہت سی باتیں بھی ہو چکی ہیں مگر ہم اپنے کام کا کوئی منصوبہ نہیں بنا سکے۔ تمہارے یاد دلانے سے میرے دل میں انتقام کی آگ پہلے سے زیادہ روشن ہو گئی ہے۔ اور یہ صرف ————"۔

" اس وقت کہیں دور سے ہوتی کا نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ اس آواز کو سناسب نے لیکن پہچانا صرف امروزیہ نے ہوتی بہت خوش ہے یہ قہقہہ اسی کا ہے" پھر کچھ سوچ کے بولی "جبار ہم ایک مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم ان دونوں کے آنے کا انتظار کریں یا انہیں بلالیں؟"۔

"میں کم از کم ازقوف کے بارے میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس کا کسی مشورہ میں شریک ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ ہوتی کے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتی ہو۔" جبار نے اپنی رائے دی۔

"صلاح مشورہ کے سلسلے میں ہوتی بھی صفر کے برابر ہے میں نے تو صرف ازقوف کی وجہ سے کہا تھا کہ کہیں اسے یہ بات ناگوار نہ گذرے" امروزیہ نے بھی وضاحت کر دی۔

"اچھا تو پھر کیا صلاح ٹھہرتی ہے؟ ہلاکتش نے بات آگے بڑھائی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں صاف صاف گفتگو کرنا چاہئے کیوں جبار؟" امروزیہ کا التفات اب جبار کی طرف زیادہ ہو گیا تھا کہ ہلاکتش نے خود کو شادی کے جھمیلے سے الگ کر لیا تھا۔

"بالکل کھلی گفتگو ہونی چاہئے۔ لحاظ کرنے اور لگی لپٹی سے معاملات اکثر خراب ہو جاتے ہیں۔" جبار نے امروزیہ کی بات کی تائید کی۔

امروزیہ نے بڑے مدبرانہ انداز سے کہا "یہ بات صاف ظاہر ہے کہ امیر موصل پر جاگتے میں جبار اور ہلاکتش دونوں مل کے بھی قابو نہیں پاسکتے"۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں امروزیہ" جبار نے بلا جھجک کہا "اگر میں نے ایسی غلطی کی تو سوائے سر گنوانے کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا"۔

استاد کا کیا خیال ہے؟" امروزیہ نے ہلاکتش کی طرف دیکھا۔

ہلاکتش خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اس نے چونک کے امروزیہ کو دیکھا پھر دھیمے لہجے میں بولا امروزیہ تمہاری باتوں سے میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا ہے اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو کامیابی کے زیادہ امکانات ہیں۔ اور ناکامی کی صورت میں بچ نکلنے کی بھی امید کی جا سکتی ہے"۔

" یہ کس طرح ہو سکتا ہے استاد۔ ذرا تفصیل سے بتائیے؟" جبار بے چین ہو گیا

یہاں تو یہ لوگ ایک خوفناک منصوبہ پر غور کر رہے تھے اور ادھر ازقوف اور ہوتی بڑے مزے کی باتیں کر رہے تھے۔ ازقوف یہ سوچ کے آیا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ ہوتی سے دو دو باتیں ضرور کرے گا۔ صبح کی ملاقات میں اگرچہ ازقوف اور ہوتی کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن انہوں نے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو سمجھ لیا تھا اور کسی حد تک پسند بھی کر لیا تھا اسی اعتماد کے تحت ازقوف نے دوسروں کو گفتگو میں مصروف دیکھ کے ہوتی کو اشارہ کیا ازقوف نے کسی خاص وجہ سے اشارہ نہیں کیا تھا اور نہ اس کا کوئی مقصد تھا۔ بس یونہی ایک بے معنی اور بے مقصد تھا مگر ہوتی پتہ نہیں اس اشارہ کا کیا مطلب نکالا اور فوراً بول پڑی۔

"مجھے ابھی بھوک نہیں امروزیہ۔ میں کچھ دیر بعد کھاؤں گی"۔

اور کچھ اسی قسم کا بہانہ کر کے ازقوف بھی کھانے کے کمرے سے نکل آیا تھا۔

باہر آ کے وہ دونوں پچھتائے بھی کہ ان کے آنے کے بارے میں جانے وہ لوگ کیا سوچیں بہرحال ہوتی کے سامنے ازقوف اور ازقوف کے سامنے ہوتی تھی۔ پس انہوں نے تمام خیالوں کو سر سے جھٹک دیا اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کے ٹہلنے لگے۔ ازقوف کا ایک اچھے گھرانے سے تعلق تھا لیکن والدین کے انتقال کے بعد اس نے کمسنی ہی میں غنڈے بدمعاشوں کی صحبت اختیار کر لی تھی بچپن کی شوخیاں اور الہڑپن تو ختم ہو گیا اور اس کی جگہ ازقوف کے مزاج میں سوقیانہ قسم کی ظرافت پیدا ہو گئی تھی۔

ہوتی بھی بڑی ہنس مکھ اور خوش مزاج لڑکی تھی اس نے پہلی ہی نظر میں ازقوف کو پسند کر لیا تھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ازقوف مسلمان ہے پھر بھی اس نے ازقوف کو حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا خواہ اس کے لئے اسے اپنا مذہب بھی قربان کرنا پڑے۔

"ازقوف۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو"۔ ہوتی نے ازقوف کو چونکا دیا۔

ازقوف ابھی تک اس قدر بے تکلف نہ ہوا تھا کہ ہوتی اسے اس طرح خطاب کرتی مگر یہ نصرانی تہذیب اور ماحول کا اثر تھا کہ ہوتی نے تمام تکلفات بالائے طاق رکھ کے ازقوف سے صاف طور پر اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ ازقوف نے سوچا کہ ہوتی کے اس بے تکلفانہ اظہار محبت کا جواب وہ بھی اسی بے تکلفی سے دے لیکن اس کی رگ ظرافت فوراً پھڑکی۔ یہ رگ تو اس وقت بھی پھڑکی تھی جب ہوتی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ٹہلنا شروع کیا تھا ازقوف کے جسم پر چونٹیاں سے دوڑنے لگی تھیں۔ اور ہاتھ کانپنے لگا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پایا تھا یوں تو

ورتوں کے معاملات میں یہ بھی بڑا بے تکلف واقع ہوا تھا لیکن عورت عورت کا فرق ہوتا ہے۔ اب تک جتنی عورتوں سے اس کا سابقہ پڑا تھا وہ سب کی سب بازاری قسم کی عورتیں تھیں مگر ہوتی ایک گھریلو لڑکی اور ایسا غنچہ تھا جس کی خوشبو پھوٹنے کے لئے بے قرار تھی۔

"تم مجھے پسند کرتی ہو؟" ازقوف نے ہوتی کے الفاظ ذرا زور دے کر دہرائے۔

"ہاں پسند کرتی ہوں بہت پسند کرتی ہوں"۔

"تم مجھے پسند کرتی ہو تو یہ کوئی خاص بات نہیں"۔

ازقوف نے اس قدر بے پرواہی اور اکھڑپن سے کہا کہ ہوتی اسے دیکھ کے رہ گئی۔ ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولی۔ "تمہیں میری پسند کی قدر کرنا چاہئے۔ ازقوف"۔ ہوتی کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"مجھے تو سب ہی پسند کرتے ہیں ایک تمہارے پسند کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"مجھے بھی سب پسند کرتے ہیں"۔ ہوتی نے تقریباً چیختے ہوئے کہا اور منہ پھلا لیا۔

ازقوف میں ذرا بھی سنجیدگی نہ آئی "تم غلط کہہ رہی ہو ہوتی اگر تمہیں سب پسند کرتے تو جبار کی پہلی نظر تم پر پڑتی مگر وہ تو امروزیہ کا دیوانہ ہو گیا"۔

"جبار پاگل اور بے وقوف ہے۔ امروزیہ کو وہ حاصل نہیں کر سکتا"۔

"کیوں امروزیہ میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں میرا دوست اس سے زیادہ خوبصورت ہے۔" پھر ہوتی کے کان کے پاس منہ لے جا کر آہستہ سے کہا "سچ بات تو یہ ہے کہ پہلی نظر میں مجھے امروزیہ اچھی لگی تھی مگر تم میں نہ معلوم کون سے جاذبیت تھی کہ میں اسے چھوڑ کے تمہارا ہو کے رہ گیا"۔

"تم نہیں جانتے ازقوف۔ امروزیہ بڑی ضدی لڑکی ہے"۔

"یہ تو اور اچھی بات ہے میں نے سنا ہے کہ ضدی لڑکی جب کسی سے محبت کرتی ہے تو ٹوٹ ٹوٹ کے چاہتی ہے کاش تم بھی امروزیہ کی طرح ضدی ہوتیں"۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں امروزیہ کسی اور طرح کی ضدی ہے"۔

"اور کس طرح کی ضدی ہے تم سمجھانے کی کوشش تو کرو"۔

"وہ اس طرح کی ضدی ہے کہ اس نے قسم ---------" ہوتی کہتے کہتے رک گئی۔

"کہو کہو۔ کیا اس نے محبت نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اگر تم یہ کہنا چاہتی ہو تو

بالکل غلط ہے میں نے امروزیہ کی آنکھوں سے جبار کی محبت جھلکتے دیکھی ہے"۔

" اور میری آنکھوں میں ذرا جھانک کے دیکھو تو ————" ہوتی کی آواز جذبات سے بھرانے لگی۔

"تمہاری آنکھوں میں" ازقوف نے جھک کے آنکھوں میں جھانکا۔" ان آنکھوں میں تو ایک خوبصورت سا چہرہ دکھائی دے رہا ہے"۔

" خوبصورت چہرہ۔ کس کا چہرہ ہے؟" ہوتی کو غصہ آگیا۔

"چہرہ تو میرا ہی ہے اگر ناپسند ہو تو آنکھوں کو نکال پھینکو) ہائے میں تو ڈر گئی تھی۔ تم بڑا بے تکا مذاق کرتے ہو۔ ہوتی نے روٹھ جانے والی صورت بنائی۔

"ارے تم امروزیہ کی قسم کا ذکر کر رہی تھیں کیا قسم کھائی ہے اس نے؟" از قوف نے پھر چھیڑا۔

" نہیں۔ تمہیں نہیں بتاؤں گی وہ ایک راز کی بات ہے مجھے امروزیہ نے منع کر دیا ہے"۔

" اس کا مطلب ہے کہ میں تمہاری نظروں میں بے اعتبار ہوں۔" ازقوف نے فوراً اپنا رخ موڑ لیا چلو واپس چلتے ہیں سیر کا سارا لطف تم نے غارت کر دیا ہے۔" ازقوف کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔

"ارے ناراض ہو گئے؟"۔

" ناراض اپنوں سے ہوا جاتا ہے تم مجھے اپنا کب سمجھتی ہو پھر ناراض ہونے سے فائدہ۔" ازقوف نے اپنی مصنوعی ناراضگی کا اظہار بڑے طنز بھرے الفاظ میں کیا۔

"اچھا بھئی سنو۔ ہے راز کی بات کسی اور کو مت بتانا"۔

" واہ۔ میں استاد اور جبار سے بھلا کیسے چھپا سکتا ہوں ہم تینوں ایک دوسرے کے راز دار ہیں ہماری کوئی بات آپس میں چھپی ہوئی نہیں۔" ازقوف نے پہلے ہی پیش بندی کر لی۔

"میں نے ان سے چھپانے کو کب کہا ہے" ہوتی نے فوراً بات پلٹ دی۔ "میں نے تو یہ کہا ہے کہ کسی اور سے نہ کہنا"۔

" ٹھیک ہے جبار اور استاد سے ضرور کہوں گا اگر وہ کسی اور کو بتا دیں تو میں ذمہ دار نہیں۔" ازقوف کو اور زیادہ اکڑنے کا موقع مل گیا۔

"بھئی حد ہو گئی ازقوف۔" ہوتی چڑ گئی "تم ہر بات میں مین میخ نکالتے ہو"۔

" میں مین میخ نکالتا ہوں یا تم ہر بات میں کیڑے ڈالتی ہو۔" ازقوف کے چہرے

سے جھوٹا یا سچا غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ "ایک تو یہ کہہ کر تم نے میری توہین کی کہ کسی سے نہ کہنا کیا میں تمہارے اعتماد کے قابل نہ تھا اگر اعتماد نہ ہو تو اس سے بات کہنا ہی نہ چاہئے۔ بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ راز صرف اس وقت تک راز ہے جب تک تمہارے سینہ میں ہے سمجھ گئی نا————"۔

" بڑے بوڑھے یہ کہتے ہوں گے۔" ہوتی کب خاموش رہنے والی تھی "لیکن عقلمندوں سے میں نے یہ سنا ہے کہ اپنے مرض کو تجربہ کار حکیم سے اور اپنا راز سچے دوست سے نہ چھپانا چاہئے ورنہ نقصان ہو گا"۔

" اچھا بھئی تمہاری بات سچی۔ اب کہو کیا بات ہے؟" ازقوف زچ ہو کے رہ گیا۔

"بات یہ ہے کہ ————" پھر ہوتی اک دم رک گئی اور غور سے ادھر ادھر دیکھنے لگی اس نے بات کو ذرا دبا کے کہنا شروع کیا "یہ جو اپنی امروزیہ ہے نا————"۔

" ہاں ہاں کہو۔ میں بہرہ نہیں ہوں"۔

" ہاں تو بات ہے کہ یہ جو امروزیہ ہے نا————"۔

" کچھ آگے بھی کہو گی یا ہے نا ——ہے نا کرتی رہو گی؟" ازقوف بگڑ گیا "یہ تم لوگوں کا گھر ہے تمہارے لوگ یہاں رہتے ہیں پھر تم کس سے ڈر رہی ہو؟"۔

" اچھا خیر سنو۔ وہ جو الرہا کی جنگ ہوئی نا————" ہوتی ایک لمحے کے لئے رکی۔ "پھر وہی نا———— اب آگے کہنے کی ضرورت نہیں۔ نہیں سنتا ہے مجھے راز تمہارا" ازقوف کو واقعی غصہ آگیا۔

"چلو ——— نا کو بیچ سے نکال دیا تو الرہا میں جب جنگ ہوئی اس وقت امروزیہ قلعہ میں تھی۔ اس کے چار بھائی تھے۔ بڑے کڑیل جوان ایک سے ایک خوبصورت چوڑے سینے لانبے قد————"۔

" سرخ و سفید رنگت، گھونگر والے بال۔" ازقوف نے دخل دیا "تم بات بتا رہی ہو یا امروزیہ کے بھائیوں کی تعریف میں قصیدہ پڑھ رہی ہو۔ مرد کو اگر جوان کہہ دیا جائے تو تمام خوبیاں اس میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ آگے بتاؤ کیا ہوا ان چاروں کڑیل جوانوں کا؟"۔

"ہوا کیا۔ بس ایک ایک کر کے وہ ہو گئے۔" ہوتی نے اس قدر اختصار سے کام لیا کہ بات ہی آدھی رہ گئی اور مطلب الجھ کے رہ گیا۔

"میں سمجھا نہیں۔ یہ وہ ہو گئے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟"۔

"وہ سے بس وہ مطلب ہے قلعہ پر ہر طرف سے حملہ ہو رہا تھا۔ انہیں جوش جو آیا تو ایک ایک کر کے فصیل پر پہنچ گئے۔ امروزیہ کہتی ہے کہ انہوں نے بڑی بہادری دکھائی مگر ——————"۔

"مگر کے آگے بھی کچھ ہے؟"۔

"مگر کے آگے یہ ہے کہ وہ سب مارے گئے"۔

"اچھا ہوا وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے"۔

"عجیب بے حس انسان ہو تمہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہوا؟"۔

"افسوس کی کیا بات ہے۔ جو میدان میں اترتا ہے وہ یا تو کسی کو مارتا ہے یا پھر کسی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے امروزیہ کے بھائی بھی مارے گئے چلو قصہ ختم ہوا۔ آگے بولو ——————"۔

"ان مرنے والوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم ان کے بارے میں ایسے الفاظ کہہ رہے ہو۔ ہوتی نے شکایت کے انداز میں کہا۔

"بگاڑتے تو وہ اس وقت جب زندہ ہوتے میرا خیال ہے ان کا مرجانا بہتر ہوا"۔

"وہ کیوں۔ تمہیں کیا فائدہ ہوا؟" ہوتی کا انداز بڑا ناگوار تھا۔

"فائدہ یہ ہوا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس وقت تم مجھے کب منہ لگاتیں ان کی موت میرے لئے مسرت کا پیغام لے کر آئی"۔

"ہوتی کو ہنسی آئی مگر وہ ضبط کر گئی۔" بڑے ظالم ہو تم۔ امروزیہ اپنے بھائیوں کے غم میں آج تک تڑپ رہی ہے"۔

"اور تم امروزیہ کے غم میں برابر کی شریک ہو۔" ازقوف نے اک دم جواب دیا تو ہوتی اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

"دیکھو۔ مجھ پر الزام نہ لگاؤ ازقوف"۔

"میں اور تم کو الزام دوں۔ توبہ توبہ۔ خیر اپنی بات پوری کرو"۔

"بات یہ ہے کہ اس دن سے امروزیہ اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے شہر شہر بھاگتی پھر رہی ہے اب وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہے جو انتقام لینے میں اس کی مدد کرے۔" ہوتی نے راز کی بات کہہ ہی دی۔

"امروزیہ کس سے انتقام لینا چاہتی ہیں؟" ازقوف نے سوال کیا۔

"تمہارے امیر موصل امیر عماد الدین زنگی سے کیوں ہے نا مشکل کام؟"۔

"مشکل نہیں۔ ناممکن ——————" ازقوف نے پورا سر ہلا کر انکار کیا۔ "تمہاری

امروزیہ امیر کے محل کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی اگر محل میں کسی طرح داخل بھی ہو جائے تو درجنوں غلام اس کی خوابگاہ پر پہرہ دیتے ہیں اور ان کا سب سے وفادار غلام خوابگاہ کے دروازے پر برہنہ شمشیر لے کر تمام رات پہرہ دیتا ہے"۔

"یہ تو بڑی مشکل ہوئی۔" ہوتی افسردہ ہو گئی۔ "امروزیہ میری ایسی پیاری سہیلی ہے کہ میں اس کے لئے جان دے سکتی ہوں۔ میں ان دنوں تل باشر سے اس کے پاس الرہا آئی ہوئی تھی جبھی یہ آفت ٹوٹی اور امروزیہ کا بھرا گھر برباد ہو گیا اس کے دماغ پر بڑا اثر تھا اگر یہ تنہا رہتی تو ضرور پاگل ہو جاتی۔ میں اسی کے پاس ٹھہر گئی۔ جب سے اس کے ساتھ شہر شہر ڈولتی پھرتی ہوں"۔

"اچھا ہوا کہ تم ڈولتی ہوئی یہاں آ گئیں اور تمہیں میں مل گیا۔" ازقوف نے ہنس کے کہا۔ "تمہارا اور تمہاری سہیلی کا غم اب بہت جلد دور ہو جائے گا"۔

"کیا کہا۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" ہوتی نے چونک کے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے تم مجھے مل گئی ہو اور میرے استاد کا نام خواجہ سرا بلوکتش ہے جو ایک طویل عرصہ تک امیر عماد الدین زنگی کے محافظ خاص رہ چکے ہیں۔ بس سمجھ لو کہ کام ہو گیا ہمارے استاد بھی وہی چاہتے ہیں جو تمہاری سہیلی کی خواہش ہے"۔

"یہ جو نئے آدمی تمہارے ساتھ آئے ہیں ان کا نام بلوکتش ہے!" ہوتی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بلوکتش نہیں۔ خواجہ سرا بلوکتش مگر تم انہیں خواجہ سرا نہ کہہ دینا۔ یہ تمہاری اطلاع کے لئے میں نے بتایا ہے۔" ازقوف نے ہنسی ہنسی میں بلوکتش کی پوری تعریف کر دی۔

"تمہارا استاد کا نام سن چکی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ امیر موصل نے انہیں شہر بدر کر دیا ہے"۔

"بالکل ٹھیک۔ ان کی شہربدری ہی تمہاری سہیلی کے لئے مفید ثابت ہو گی" ازقوف نے ہوتی کو ایک امید موہوم کا دامن پکڑایا۔ "میں واپس جا کر استاد سے بات کروں گا۔ وہ خود بھی کچھ اسی قسم کا پروگرام بنا رہے ہیں"۔

"صرف سمجھانا نہیں بلکہ زور دے کے انہیں عملی قدم اٹھانے پر مجبور کرنا" ہوتی نے ازقوف پر اس کام کی اہمیت ظاہر کی۔ "تمہارے استاد کا دل بھی تو امیر زنگی نے دکھایا ہے۔ کیا ان کے دل میں انتقام کا جذبہ نہ ہو گا؟"۔

"جذبہ ہے مگر وہ ٹھنڈا پڑا ہے میں اس کے نیچے آگ جلاؤں گا پھر جب وہ گرم ہو گا تو استاد دن میں بھی آسمان کے ستارے توڑ لائیں گے۔ تم میرے استاد کی شجاعت اور دلیری کو نہیں جانتی۔" ازقوف نے شیخیاں بگھارنا شروع کر دیں۔

"کیا تمہارے استاد اتنے ہی بہادر ہیں؟" ہوتی نے اپنے اطمینان کے لئے پوچھا۔

"اتنے بہادر کیا چیز ہے۔ وہ جتنے بہادر ہیں اس سا بہادر پورے قلعہ جعبر میں کوئی اور نہیں۔ یقین نہ ہو تو دنگل کرا کے دیکھ لو۔ تلوار، نیزہ بازی، کشتی لڑنے میں تو ان کا ثانی ہی نہیں۔ اگر جعبر میں کوئی پہلوان ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں دونوں کا جوڑ کرادوں گا پھر دیکھنا کون بہادر ہے۔ اور میدان چھوڑ کے کون بھاگتا ہے ———"

"بس بس۔ میں سمجھ گئی۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنے استاد کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ امیر موصل امیر عماد الدین زنگی کے خلاف کام کرنا شروع کر دیں۔ یہ میری درخواست ہے"۔

ہوتی نے واقعی بڑی لجاجت سے کہا۔

"تم بڑی خوش قسمت ہو ہوتی۔ کام پہلے ہی شروع ہو چکا ہے۔" ازقوف ہر لمحے بے تکلف ہوتا جا رہا تھا۔ "تمہاری کامیابی یقینی ہے اس لئے کہ تم چلتی گاڑی پر سوار ہوئی ہو اور گاڑی اپنی منزل پر پہنچنے والی ہے کنارہ صاف نظر آ رہا ہے بس ساحل پر کشتی لگنے کی دیر ہے پھر تمہاری پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہو گا۔"

ازقوف نے اتنی تیزی سے بولنا شروع کیا کہ ہوتی حیران رہ گئی۔

"میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" ہوتی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"میری باتیں ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں جو سمجھتا ہے وہ پتھر کا ہو جاتا ہے ———"

"ہائیں کیا کہہ رہے ہو ازقوف؟"۔

"وہی کہہ رہا ہوں جو تم سن رہی ہو اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک پتھر کا ہو گیا ہوتا مگر تم پر میرا طلسم اثر نہیں کرے گا کیونکہ تم میری ———"۔

"ازقوف۔ ہوش میں آؤ؟"۔

"میں بالکل ہوش میں ہوں۔ ہاں میں کیا کہہ رہا تھا؟"۔

"میں نہیں جانتی تم کیا بک رہے تھے؟" ہوتی جھلا اٹھی۔

"یہ بھی اچھا ہوا کہ میں بک رہا تھا ورنہ اگر میں کچھ کہہ رہا ہوتا اور تم سن رہی ہوتیں تو ضرور پتھر کی ہو جاتیں اچھا تو میں کیا کہہ رہا تھا؟"۔

"کہہ رہے تھے کہ میں واپس چلنا چاہئے۔" ہوتی نے ٹال دیا۔

"بالکل ٹھیک کہا۔ ہمیں واپس چلنا چاہئے کیونکہ مجھے سخت بھوک لگی ہے"۔

"مگر کھانا تو اب تک ختم ہو چکا ہو گا"۔

جب یہ دونوں امروزیہ کے پاس پہنچے تو کھانا واقعی ختم ہو چکا تھا۔ امروزیہ نے ہوتی کو گھور کے دیکھا لیکن ہوتی اس طرح مسکرائی جیسے کہہ رہی ہو کہ سب ٹھیک ہے رات کافی ہو چکی تھی بلوکتش اور جبار کئی صراحیاں لنڈھا چکے تھے۔ ازقوف کے اپس آتے ہی بلوکتش نے جھومتے ہوئے امروزیہ سے اجازت حاصل کی اور دونوں ستوں کو لے کر واپس ہوا۔

ادھر ہوتی نے اپنی اور ازقوف کی تمام گفتگو سے امروزیہ کو مطلع کیا اسی طرح روزیہ نے اس منصوبے کی تفصیل بیان کی جواس کے اور بلوکتش وغیرہ کے درمیان ے پایا تھا۔ دونوں اپنی اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔ انہیں مستقبل میں بھی کامیابی کی ید تھی کیونکہ وہی کامیابی ان کی زندگی میں بہاریں لا سکتی تھی۔

○

موصل کے حالات پر سکون ہوئے تو امیر عماد الدین زنگی کو دمشق کی یاد پھر ستانے ۔ الرہا پر قبضہ نے اس کے اور اس کے لشکر کے حوصلے بڑھائے تھے۔ اسے معلوم تھا الرہا کا شاہ جوسیلین، تل باشر میں ہے اور الرہا نکل جانے کے بعد اس کی واپسی کے لئے پیر مار رہا ہے وہ تل باشر کے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا تھا کہ موصل سے اس کے نائب قتل کی خبر آگئی اور اسے تل باشر کا خیال ایک طرف رکھ کے موصل آنا پڑا۔ موصل حالات تو اس کے واپس آنے کی خبر سن کے ہی ٹھیک ہو گئے تھے۔ پھر بھی امیر نے ل پہنچ کے اپنے نائب کے قتل کے سلسلے میں چند آدمیوں کو قتل کرایا اور بلوکتش کو ر کر دیا گیا امیر کے ان اقدام سے موصل کے حالات بالکل پر سکون ہو گئے اور امیر کو کے خلاف منصوبہ بندی کرنے کا موقعہ ملا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس دفعہ دمشق پر اس قدر سے حملہ کیا جائے کہ ناکامی یا واپسی کا کوئی امکان نہ رہے۔

انہی دنوں امیر عماد الدین زنگی کا دماغی سکون اس وقت برباد ہو گیا جب اس کے ا نے اطلاع دی۔" اپنے محترم۔ بلوکتش یہاں سے بھاگ کے مران لنگ کی پناہ میں ہے"۔

"بد بخت نمک حرام۔" امیر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا "ہم نے تیری جاں بخشی اس لئے نہیں کی تھی کہ تو ہمارے دشمنوں کی پناہ میں جائے"۔

"عالی مقام امیر۔" جاسوس نے گلی میں لگائی۔ " بلوکتش کے ساتھ محافظ دستوں کے دو اور غلام قلعہ جعبر پہنچے ہیں اور یہ تینوں مروان لنگ کے ساتھ مل کے موصل کے خلاف سازش کرنا چاہتے ہیں"۔

"قلعہ جعبر کہہ کے امیر خلاؤں میں گھورنے لگا۔ قلعہ جعبر پر قبضہ کا خیال اس کے دماغ میں بہت پہلے سے تھا مگر الرہا کا مسئلہ پہلے آ گیا اور امیر کو اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ ادھر سے فارغ ہوا تو اس کا نائب نصیر الدین جعفر قتل ہو گیا۔ ان پے در پے واقعات نے قلعہ جعبر کو اس کے ذہن کے پردوں میں چھپا دیا تھا مگر یہ خیال اس وقت پھر زندہ ہو گیا جب امیر کو قلعہ جعبر میں بلوکتش کی موجودگی کا علم ہوا۔

"سردار کوچک"۔

"امیر نے اپنے نئے نائب زین الدین علی کوچک کو مخاطب کیا۔

نائب نے سر جھکا کر اس بات کا اظہار کیا کہ وہ امیر کی بات سن رہا ہے۔

"مروان لنگ کو لکھا جائے کہ ہمارے خواجہ سرا بلوکتش کو پا بہ زنجیر کر کے دربار موصل بھیجا جائے"۔

سردار کوچک نے جواب دیا۔ "حکم عالی کی ابھی تعمیل ہو گی امیر محترم"۔

"یہ بھی لکھا جائے کہ بلوکتش کے ساتھ ان غلاموں کو بھی موصل واپس کیا جائے جو اس وقت بلوکتش کے ساتھ ہیں"۔

"بہتر ہے امیر محترم"۔

"اور تاکید کی جائے کہ اگر اس کام میں تاخیر ہوئی یا اس حکم کی نافرمانی کی گئی تو قلعہ جعبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے گا"۔

"اور کچھ لکھا جائے امیر محترم؟"۔

"ہاں مروان کو یہ بھی لکھو کہ اس خط کا جواب صرف ہاں یا نہیں میں دیا جائے اور جواب ہمارا خط پہنچانے والے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا جائے"۔

امیر موصل کے اس خط یا الٹی میٹم نے قلعہ جعبر کے حاکم مروان لنگ کے حوا اڑا دیئے وہ امیر کی طاقت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اتنے بڑے اور خطرناک امیر۔ پڑوس میں اپنا وجود باقی رکھنا ہی کار دارد تھا نہ کہ اب امیر غضب ناک ہو گیا تھا۔ اس۔ پہلے بھی امیر کئی بار ناراض ہوا مگر مروان لنگ نے خوشامد درآمد کر کے جان بچالی تھی ا ایسی ہی ترکیبوں سے قلعہ جعبر کا وجود اب تک برقرار تھا۔ لیکن اب تو بات بالکل

گئی تھی۔ بلوکتش اور اس کے ساتھی قلعہ جعبر میں موجود تھے مروان لنگ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اقرار کی صورت میں اسے بلوکتش کو گرفتار کر کے موصل بھیجنے کا حکم تھا۔ مروان لنگ بھی بڑا شاطر تھا۔ اس نے نہ صرف امیر کا خط چھپا لیا بلکہ قاصد کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ بلوکتش کسی جگہ چھپ گیا اسے تلاش کیا جا رہا ہے اور گرفتار ہوتے ہی دربار میں بھیج دیا جائے گا۔

اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنے خاص مشیروں کے سامنے امیر کا خط رکھا۔ سب نے مشورہ دیا کہ امیر موصل ایک خطرناک دشمن ہے اور اسے راستے سے ہٹانا ضروری ہے مگر کھلم کھلا اس کی مخالفت نہ کی جائے اور اسے دھوکے میں رکھا جائے۔ اس کے ساتھ اپنی پوری تیاری رکھی جائے تاکہ امیر موصل کے اچانک حملہ کی صورت میں مدافعت کی جا سکے۔ پرانے زمانہ میں فتح و شکست کا دارومدار قلعہ کی مضبوطی پر ہوا کرتا تھا۔ قلعہ جعبر ایک ایسے محل وقوع کی وجہ سے ناقبل تسخیر سمجھا جاتا تھا لیکن امیر عماد الدین زنگی کے عزم اور ارادے کے سامنے بڑے بڑے مضبوط قلعے سرنگوں ہو جاتے تھے۔

مروان لنگ نے امیر موصل کو جواب بھجوا کر کچھ دنوں کے لئے تو اس کے حملہ سے نجات پا لی لیکن وہ جانتا تھا کہ بلوکتش اور اس کے دوستوں کا قلعہ میں رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ امیر موصل کے جاسوس فوراً اس تک یہ خبر پہنچا دیں گے پس ایک رات اس نے بلوکتش کو اپنے محل میں طلب کیا بلوکتش کے لئے یہ بے وقت کی طلبی خطرے کا پیش خیمہ تھی اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا ان لوگوں کی رائے تھے کہ بلوکتش اور اس کے دوست یا کم از کم بلوکتش کو قلعہ جعبر فوراً چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ انھیں یہ اطلاع مل گئی تھی موصل سے قاصد آیا ہوا ہے اور مروان لنگ نے اسے کہہ سن کے واپس کر دیا ہے۔ یہ راز تو نہ کھل سکا کہ موصل کا قاصد کیوں آیا تھا اور وہ کیا جواب لے کر گیا کیونکہ مروان لنگ نے قاصد کے آنے کا کوئی تذکرہ بلوکتش یا اس کے ساتھیوں سے نہیں کیا تھا۔ اس بات نے ان دونوں کو شبہ میں مبتلا کر دیا تھا مگر بلوکتش کو اس کی بالکل پروا نہ تھی۔ وہ امیر موصل کا کھلا ہوا دشمن تھا اور خواہشمند تھا کہ وہ کسی طرح میدان جنگ میں امیر موصل کے مقابلہ کرے مگر ایسا وقت مستقبل قریب میں آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

بلوکتش نے مروان کے سامنے پہنچ کے ادب سے کہا۔ حاکم جعبر آپ کو کچھ متفکر نظر آ رہے ہیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ " بلوکتش تم ہمارے مہمان ہو اور خدمت نہیں لی جاتی اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آیا تو ہم تمہاری خدمات ضرور حاصل کریں گے"۔

"پھر کیا نصیب دشمناں ــــــــــــــــ"۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے بلوکتش" مروان لنگ سنبھل کے بولا "میں نے تمہیں بلوایا

تھا کہ موصل سے امیر زنگی نے اپنا قاصد بھیجا تھا"۔

"اس کا مطلب ہے کہ امیر زنگی نے آخر قلعہ جعبر پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔" ملوکشش نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"کچھ ارادہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے؟"۔

"یعنی امیر زنگی نے الٹی میٹم دیا ہے؟"۔

"ہاں۔" یہ کہتے ہوئے مروان لنگ نے ملوکشش کو غور سے دیکھا۔

ملوکشش اس وقت اتفاق سے مروان لنگ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ مروان کا خیال تھا کہ الٹی میٹم کی خبر سے ملوکشش پریشان ہو جائے گا لیکن ملوکشش کے چہرے پر اس قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔

"بڑی عجیب بات ہے" ملوکشش نے منہ بنایا۔ "امیر موصل کے جنگی اصولوں میں "الٹی میٹم" کا لفظ موجود ہی نہیں۔ وہ دشمن کو غافل کر کے حملہ کرتا ہے اسی میں اس کی کامیابی پنہاں ہوتی ہے"۔

"اب بھی اس کا کچھ ایسا ہی ارادہ ہے۔

مگر وہ الٹی میٹم؟" ملوکشش نے تعجب سے پوچھا۔

"الٹی میٹم یہ تھا کہ امیر موصل نے فرمان جاری کیا ہے کہ میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو گرفتار کر کے موصل کے دربار میں حاضر کروں ورنہ ---------- اس کے آگے تم خود سمجھ لو"۔

پھر آپ نے کیا جواب دیا؟" ملوکشش کا چہرہ اب بھی سپاٹ تھا۔

"ملوکشش!" مروان لنگ نے زور دے کے کہا۔ "تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں ایک عرب قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں اور عرب اپنے مہمان کو اپنی عزت اور آبرو سمجھتے ہیں۔ تمہیں اس کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم مہمان کے ساتھ ساتھ ہمارے دوست بھی بن گئے ہو اور ہم نے اپنے غم بھی آپس میں بانٹ لئے ہیں میں نے قاصد سے کہہ دیا ہے کہ ملوکشش کہیں پوشیدہ ہو گیا ہے اور جب بھی وہ دستیاب ہوا گرفتار کر کے موصل بھیج دیا جائے گا"۔

"کیا آپ کا خیال ہے کہ اب وہ قلعہ جعبر پر حملہ کرنے سے باز رہے گا؟" ملوکشش نے سوال کیا۔

"نہیں ملوکشش وہ جعبر پر حملہ ضرور کرے گا۔" مروان لنگ نے جواب دیا۔

"لیکن یہ خطرہ کچھ دن کے لئے ضرور ٹل گیا اس دوران ہم اپنے منصوبہ کو نئی شکل دیں گے۔ اب ہمیں جال پھینکنے کی ضرورت نہ ہو گی۔ شکار خود ہی جال کی طرف آنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ ہاں تم ذرا احتیاط کرنا۔ ہو سکے تو کلیسا نہ خود جانا اور نہ اپنے ساتھیوں کو جانے دینا تاکہ امیر موصل تک یہی خبریں پہنچیں کہ ملوکشش یا تو جعبر میں پوشیدہ ہے یا خوف کی وجہ سے کسی اور طرف نکل گیا ہے"۔

مگر ملوکشش جیسے لوگ ایسی باتوں کی کب پروا کرتے ہیں۔ وہ جب مروان کو مطمئن کر کے واپس آیا تو دوسرے ہی دن جبار اور ازقوف کو ساتھ لے کر فوراً امروزیہ کی طرف چل پڑا۔ امروزیہ نے ان لوگوں کا شاندار استقبال کیا۔ ملوکشش اور جبار نے امروزیہ کے مشورے سے یہ منصوبہ تیار کیا تھا کہ جبار اور ملوکشش بھیس بدل کے موصل جائیں گے اور امیر زنگی کے غلاموں سے ملاقات کر کے امیر کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا کوئی طریقہ نکالیں گے لیکن امیر زنگی کے قاصد بھیج کر ملوکشش کو گرفتار کر کے لانے کا حکم یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ بہت جلد قلعہ جعبر کا رخ کرنے والا ہے۔ ان حالات میں پہلے منصوبہ میں ترمیم کی ضرورت تھی جس کے لئے ملوکشش اور جبار' امروزیہ کے پاس پہنچے تھے"۔

"اچھا ہوا تم لوگ آ گئے میں آج تمہیں بلوانے ہی والی تھی" امروزیہ نے مہمان خانے میں بیٹھتے ہی کہا۔

"زہے نصیب کہ ہماری یاد تمہیں آئی۔" جبار نے مسکرا کے کہا۔

"امروزیہ تم جبار کی بات پر بالکل توجہ نہ دینا یہ منہ دیکھی باتیں بہت کرتا ہے۔ ملوکشش نے بھی مسکراہٹ کے درمیان کہا۔ "میں اسے زبردستی لایا ہوں ورنہ یہ تو ---------"۔

"استاد آپ خوامخواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ میں نے آنے سے کب انکار کیا۔ جیسے آپ نے یہاں آنے کو کہا۔ میں فوراً تیار ہو کر آ گیا---------" جبار نے اپنی پوزیشن بچائی۔

"یہ بھی بتاؤ کہ تیاری میں کتنی دیر لگائی۔" ملوکشش نے جبار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا جھوٹ نہ بلائے پورے دو گھنٹے لگائے ہیں اس نے بناؤ سنگار کرنے میں"۔

"بس رحم کیجئے استاد" جبار نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "کتنی مدت کے بعد تو مجھے امروزیہ جیسی دلنواز اور دلدار لڑکی ملی ہے۔ آپ اسے بھی چھڑوانا چاہتے ہیں۔ دیر میری وجہ سے ہوئی یا اس مردود کی وجہ سے جو آدھ گھنٹے کے لئے کہہ کے گیا تھا اور تین گھنٹے تک اس کا پتہ نہ رہا"۔

"اوہ۔ میں تو بھول ہی گئی۔ ازقوف کہاں ہے آج؟" امروزیہ نے جلدی سے پوچھا۔

"بتایا تو میں نے اپنے ایک نئے دوست سے ملنے گیا تھا مگر تین گھنٹے انتظار کرنے کے باوجود لوٹ کے نہیں آیا۔ دیر تو اس کی وجہ سے ہوئی ورنہ ہم لوگ تین گھنٹے پہلے آ جاتے"۔

امروزیہ کی نظر سامنے اٹھی اس نے دیکھا کہ ہوتی مٹکتی ہوئی چلی آ رہی ہے "لو۔ ازقوف کو پوچھنے والی ایک اور آ گئی" امروزیہ نے ہوتی کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں ہوتی کمرے میں داخل ہوئی اس نے ان لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر کچھ افسردہ ہو گئی۔ اس کا چہرا اتر گیا ہوتی کے چہرے کی اس تبدیلی کو سب ہی نے محسوس کیا۔

"گھبراؤ نہیں ہوتی۔ ازقوف بس آتا ہی ہو گا" امروزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم

بھی اس کے بغیر اداس ہو رہے ہیں"۔

"میں کیوں گھبرانے لگی۔ ازقوف میرا کون لگتا ہے؟" ہوتی جھینپ گئی۔

"کیوں جھوٹ بول رہی ہو۔ دل پہ ہاتھ رکھ کے بتاؤ۔ کیا یہ محفل سونی سونی نہیں ہے؟" امروزیہ اسے چھیڑنے پر ادھار کھائے بیٹھی تھی۔

"میرا دل اتنا کمزور نہیں ہے امروزیہ" ہوتی نے سنبھل کے کہا۔ "میں اجنبیوں کو دل میں اتنی جگہ نہیں دیتی کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ پردیسیوں کا بھلا کیا اعتبار۔ یہ دھوپ کا پرچھاواں ہوتے ہیں۔ ابھی اس جگہ ابھی اس جگہ"۔

امروزیہ نے بھری نظروں سے جبار کو دیکھا۔

"میں تمہاری تائید نہیں کر سکتا۔ ہوتی جبار نے فوراً مخالفت کی "اگر پردیسیوں کی دلداری کی جائے تو وہ دیس والوں سے زیادہ وفادار ثابت ہوتے ہیں۔ دیس والے صرف یار کی گلی کے چکر لگاتے ہیں مگر بدیسی اور پردیسی جیتے جی گلی کے چکر لگاتے ہیں اور مرتے ہیں تو وصیت کر کے کہ انہیں اسی گلی میں دفن کیا جائے"۔

ہوتی نے کنکھیوں سے امروزیہ کو دیکھا۔ "جبار بھائی آپ نے اچھا فیصلہ کیا میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر آپ کی قبر اس گلی میں بنی تو میں بلا ناغہ چراغ جلانے آیا کروں گی۔ خواہ کسی کو برا ہی کیوں نہ لگے"۔

"جبار کی قبر یہاں بنے نہ بنے لیکن تیری قبر اسی گلی میں بنے گی——————" امروزیہ جل گئی تھی۔

اس موقعہ پر ایک دم ازقوف کے آنے کی خبر ملی۔ اس کا سب کو انتظار تھا۔ ازقوف خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔ وہ دروازے پر تھے کہ امروزیہ نے کہا "لیجئے وہ تشریف لائے جن کا انتظار تھا"۔

"شکریہ مس امروزیہ۔ مگر یہ بتایئے کہ قبر کو کون یاد کر رہا تھا کون خوش نصیب اس کوچے میں اپنی قبر بنانا چاہتا ہے۔" ازقوف نے داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر یہ فخر آپ حاصل کرنا چاہیں تو کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔" امروزیہ نے فوراً کہا۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ" کیا خوبصورت مشورہ ہے مگر اس کی اجازت ہوتی سے حاصل کرنا ہو گی۔" ازقوف نے بھی بھرپور جواب دیا۔

"کیوں ہوتی کی اجازت کی کیوں ضرورت ہو گی کیا وہ قبرستان کی ٹھیکیدار ہے؟"۔

"یہ تو میں نہیں جانتا لیکن کم از کم میری قبر کے لئے آپ کو ہوتی سے اجازت ضرور لینا ہو گی۔" ازقوف نے شوخ نظروں سے ہوتی کو دیکھا۔

ملوکتش بہت دیر سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ بار بار کچھ کہنے کی کوشش کرتا مگر اس نوک جھونک کی وجہ سے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دے رہا تھا آخر ملوکتش نے جھلا کر دخل دیا۔ "یہ فضول باتیں ہوتی ہی رہیں گی یا کوئی کام کی بات بھی ہو گی"۔

سب نے گھبرا کے ملوکتش کی طرف دیکھا۔ یہ لوگ اپنی باتوں میں ملوکتش کو بالکل

ہی بھول گئے تھے۔

"سب لوگ خاموش ہو جاؤ۔ دیکھو استاد کیا کہہ رہے ہیں؟" امروزیہ نے فوراً ملوکتش کی طرف توجہ دی "فرمایئے ہم لوگ گوش بر آواز ہیں؟"۔

"امروزیہ تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے دو چار دن میں یہاں کیا تبدیلی ہوئی ہے؟" ملوکتش نے بھی سب کو چھوڑ کے امروزیہ کو مخاطب کیا وہ دراصل بات کرنے ہی امروزیہ سے آیا تھا۔

"کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی" امروزیہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"پہلی تبدیلی یہ ہے کہ موصل سے امیر زنگی کا قاصد ایک خاص پیغام لے کے آیا تھا"۔

"قاصد آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" امروزیہ نے اب بھی کوئی خاص توجہ نہ دی۔

"فرق یہ پڑتا ہے کہ امیر زنگی نے مروان لنگ سے مجھے اور میرے دوستوں کو طلب کیا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ ملوکتش اور اس کے ساتھیوں کو پابہ زنجیر موصل کے دربار میں بھیجا جائے ورنہ قلعہ جعبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔" ملوکتش نے شکایت بھری نظروں سے امروزیہ کو دیکھا۔ "امروزیہ کیا یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ کیا ہم لوگوں کی گرفتاری کا تمہیں کوئی افسوس نہ ہو گا؟"۔

ملوکتش کا لہجہ بڑا تلخ اور طنزیہ تھا جبار اور ازقوف دنگ رہ گئے لیکن امروزیہ نے شاید ملوکتش کے لہجے کی تلخی کو محسوس ہی نہیں کیا۔ اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "ہر بات کی اپنے وقت پر اہمیت ہوتی ہے ابھی ملوکتش اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کا وقت نہیں آیا۔ اگر ایسا وقت آگیا تو قلعہ کے لوگ دیکھیں گے کہ امروزیہ اپنے دوستو کو بچانے کے لئے کس طرح سینہ سپر ہوتی ہے"۔

"امروزیہ کے دعوے پر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔" ملوکتش نے زہرخند کیا "شاید امروزیہ ہماری گرفتاری کا انتظار کر رہی ہیں اور انہیں جو قدم اٹھانا ہے وہ ہمارے گرفتار ہونے کے بعد اٹھائیں گی یعنی جب سانپ نکل جائے گا تو یہ لکیر کو پیٹیں گی۔ سن لیا تم نے میرے دوستو۔ میں نے امروزیہ کو اپنا ہمدرد سمجھا تھا لیکن یہ ہماری گرفتاری کی منتظر ہیں"۔

"ملوکتش!" امروزیہ کو شاید اب تلخی کا احساس ہوا۔ وہ چیخ سی پڑی۔ "غلط بات مت کہو۔ جعبر کا قلعہ دار شاید تمہیں کسی وقت گرفتار کرا دے لیکن یاد رکھو کہ امروزیہ یسا ہرگز نہیں ہونے دے گی۔ تمہارے طرف جو ہاتھ اٹھے گا وہ کاٹ دیا جائے گا"۔

"یہ دوسرا دعویٰ ہے" اور ملوکتش نے قہقہہ لگایا۔ "امروزیہ تم دعوے کرتی رہو گی ور ہمیں گرفتار کر کے موصل روانہ کر دیا جائے گا"۔

"میرا دعویٰ غلط ہے تو تمہاری بات اس سے زیادہ غلط ہے ملوکتش"۔

امروزیہ نے بڑی سختی سے تردید کی۔ "میری آنکھیں بند نہیں ہیں قلعہ جعبر اور

موصل میں پس پردہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے تمہاری بہ نسبت میں زیادہ واقف ہوں"۔

"میں نے جو کہا ہے وہ غلط ہے کیا" ہلوکتش کا جیسے دماغ الٹا ہو گیا۔ "میں غلط بات زبان سے نہیں نکالتا امروزیہ۔ اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا میرے سامنے غلط بیانی کرے"۔

" ہلوکتش مجھ سے بڑھ بڑھ کے باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔" امروزیہ کو بھی غصہ آگیا۔ "تم سوچ رہے ہو کہ موصل سے آنے والے قاصد کی مجھے خبر نہیں۔ یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ قلعدار مروان لنگ نے امیر کو کیا جواب بھجوایا ہے"۔

"اچھا تو پھر بتاؤ کہ مروان لنگ نے قاصد کو کیا جواب دیا ہے؟" ہلوکتش کا خیال تھا کہ اس طرح وہ امروزیہ کو جھٹلا کے ذلیل کر دے گا مگر وہاں معاملہ الٹا ہو گیا۔

"سنو ہلوکتش" امروزیہ پر سکون لہجے میں بولی۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں وہ باتیں بتاؤں جو تمہیں مروان لنگ سے معلوم ہو سکتی ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو قلعدار دہری بازی کھیل رہا ہے یا تم مجھے اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہو۔ موصل کے قاصد نے امیر زنگی سے وہی مطالبہ کیا تھا جس کا تم نے مجھ سے ابھی ذکر کیا ہے لیکن قلعدار مروان لنگ نے قاصد کو جو جواب دیا ہے وہ تم مجھ سے چھپا رہے ہو حالانکہ مجھے سب باتیں معلوم ہیں تم مجھ پر طنز نہ کرو ہلوکتش ہم دنوں کا مقصد ایک ہی ہے اس لئے ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ ہونا چاہئے۔ قلعدار نے اس وقت قاصد کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ ہلوکتش کسی جگہ پوشیدہ ہو گیا ہے اور اسے بہت جلد تلاش کر کے موصل بھیج دیا جائے گا"۔

ہلوکتش اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ "امروزیہ یہ بات تم سے کس نے کہی تمہارا قلعدار کے پاس آنا جانا تو نہیں؟"۔

مجھے یہ باتیں کس ذریعہ سے معلوم ہوئیں اس کے بتانے کی ضرورت نہیں"۔

امروزیہ کے لہجے میں بڑا استقلال تھا۔" رہا قلعدار کے پاس میرے آنے جانے کا سوال تو اس کے بارے میں صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں اس سے صرف ایک بار ملی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان یہ زبانی کلامی معاہدہ ہوا ہے کہ اگر موصل نے کسی وقت قلعہ جعبر پر حملہ کیا تو قلعہ کی تمام عیسائی آبادی مدافعت کے لئے اپنی جانیں پیش کر دے گی"۔

"میں معافی کا خواستگار ہوں امروزیہ۔" ہلوکتش نے فوراً معذرت کی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر طاقتور ہو۔ پھر تو تم موصل کے تمام حالات سے بھی بخوبی واقف ہو گی؟"

"کیوں نہیں ہلوکتش میرے آدمی ہر جگہ کام کر رہے ہیں۔ لیکن اتنا کچھ حاصل ہونے کے باوجود میں اب تک امیر موصل سے انتقام نہیں لے سکی۔" امروزیہ نے تمام

رازوں سے پردہ اٹھا دیا۔ "مجھے محسوس ہوا کہ بغیر کسی جواں مرد مسلمان کے تعاون کے میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جبار اور تم سے ملنے اور اس قدر تعلقات بڑھانے کا بھی یہی مقصد ہے۔ عیسائیوں میں بھی اچھے اچھے جوان موجود ہیں لیکن وہ امیر موصل کا نام سنتے ہی دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ میں انہیں قابل اعتماد نہیں سمجھتی"۔

ازقوف بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔ "حضرات اور حاضرین میرا مطلب ہے کہ اس محفل میں موجود مرد اور خواتین۔ یعنی میں ——— آپ ——— استاد ——— جبار———"۔

"کیا بکواس شروع کر دی ازقوف۔" جبار نے چیخ کے کہا۔ ہر وقت ہنسی مذاق اچھا نہیں ہوتا۔ دیکھتے نہیں کہ استاد اور امروزیہ میں کیسی سنجیدہ گفتگو ہو رہی ہے"۔

"لیکن میں اور آپ بھی یعنی ہم لوگ کسی بھی سنجیدہ گفتگو کو اتنی دیر تک طول دینے کے حق میں نہیں اور موضوع تبدیل کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔" اور ازقوف نے فوراً اپنا ہاتھ اونچا کر دیا۔" آپ لوگ میری تائید میں ہاتھ اٹھائیے"۔

"جبار اور امروزیہ کو ایک ساتھ ہنسی آگئی۔

"میں ازقوف کی تائید کرتا ہوں۔" جبار نے بھی اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔

اب ازقوف کے ہنسنے کی باری تھی۔ ازقوف کی باتوں پر دوسرے تو ہنستے تھے لیکن وہ بہت کم ہنستا تھا مگر اس وقت اسے زور کی ہنسی آئی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دوستو آپ کو وفاداری کی حد اور انتہا دیکھنا ہو تو ادھر دیکھئے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہوتی کی طرف اشارہ کیا۔

ہلوکتش امروزیہ اور جبار کی نظریں بے ساختہ ادھر اٹھ گئیں اور وہ تینوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ ہوتی کا ایک ہاتھ ازقوف کی تائید میں اوپر اٹھا تھا اور وہ سر جھکائے شرم سے دہری ہوئی جا رہی تھی۔

ہلوکتش اپنی جگہ سے اٹھ کے امروزیہ کے پاس آگیا۔ "امروزیہ تمہارے جاسوس بڑے زبردست معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ امیر زنگی کا حملہ ہو گا کہ نہیں اور اگر حملہ ہو گا تو کب تک متوقع ہے؟"۔

"استاد کو فکر کی ضرورت نہیں لیکن یقین دلاتی ہوں کہ اگر امیر عماد الدین زنگی نے کسی وقت قلعہ جعبر کا رخ کیا تو اس کی خبر پہلے مجھے پھر قلعدار مروان لنگ کو ہو گی"۔

امروزیہ نے اس قدر وثوق سے کہا گویا قلعہ جعبر پر حملہ کرتے وقت امیر زنگی امروزیہ سے صلح مشورہ کرے گا۔

"ٹھیک ہے مجھے تمہاری بات کا اعتبار ہے امروزیہ" ہلوکتش نے سینہ پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ "اب ایک بات کا مشورہ بھی دو امروزیہ" ہلوکتش نے جیسے امروزیہ کو اپنا استاد تسلیم کر لیا تھا۔

"استاد مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔" امروزیہ نے کسر نفسی سے کام لیا۔ "استاد کو کس بات کی پریشانی ہے؟"۔

" تلعدار مروان لنگ کا خیال ہے کہ مجھے اور جبار کو کچھ دنوں کے لئے زیر زمین چلا جانا چاہئے۔ پھر جب امیر کی طرف سے حملہ کا خطرہ ٹل جائے تو ہم پھر باہر نکل ائیں۔ اس صورت میں مجھے کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ ہمیں تہہ خانہ میں بھیج کے مروان لنگ کوئی فائدہ تو نہیں اٹھانا چاہتا؟" ہلاکتنش کے دل میں جو کچھ تھا وہ اس نے اگل دیا۔

"استاد کا خدشہ درست ہے۔" امروزیہ نے فوراً کہا۔ "اس بات کا فیصلہ بھی مجھے آج کرنا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔"۔

ازقوف نے اک دم بات کاٹ دی۔ "استاد یہ زیادتی ہے۔ ہم تین آدمی ایک طرف اور اپ ایک طرف۔ سنجیدہ گفتگو کا وقت گزر چکا ہے"۔

" ہلاکتنش ایک منٹ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ازقوف یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو سنجیدہ گفتگو پسند نہیں وہ کھلی ہوا میں چلے جائیں۔ باغ کی سیر کریں۔

کیا بات ہے استاد کی۔" ازقوف خوشی سے ناچنے لگا۔ "کس آسانی سے مسئلہ حل کیا ہے میں تو باہر چلا۔ جسے باغ کی سیر پسند ہو وہ میرے ساتھ آ جائے"۔

جبار نے کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا اور اپنی جگہ جما رہا۔

ہوتی نے امروزیہ کی طرف دیکھا ممکن ہے کہ امروزیہ نے کوئی اشارہ کی ہو۔

ہوتی کھڑی ہو گئی۔ "یہاں کی فضا بہت بوجھل ہے۔ میں بھی باغ میں جا رہی ہوں تم نہیں چلو گے جبار؟"۔

"مجھے یہ بوجھل فضا پسند ہے۔ ہوتی" جبار نے سوکھے منہ سے کہا۔ "پھر میں کباب میں ہڈی بھی نہیں بننا چاہتا خطرہ ہے کہ میرے جانے سے باغ کی فضا یہاں جیسی بوجھل ہو جائے گی"۔

اور ہوتی اٹھلاتی ہوئی ازقوف کے پیچھے باہر نکل گئی۔



ہلاکتنش کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ امروزیہ اس سے کہیں زیادہ چالاک ہے جتنا دکھائی دیتی ہے جبار کو بھی یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ امروزیہ کہیں اس سے شادی سے انکار ہی نہ کر دے۔ اس وقت اس کا دماغ اور زیادہ خراب ہو گیا جب سے اس نے ایک خوبصورت عیسائی جوان سے امروزیہ کو ہنس ہنس کے باتیں کرتے دیکھا۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ وہ عیسائی جوان کو خنجر مار کے ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دے، لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔

"یہ کون شخص تھا۔ جس سے تم ہنس ہنس کے باتیں کر رہی تھیں۔" عیسائی جوان کے جانے کے بعد جبار نے بڑے غصہ سے باز پرس کی۔

امروزیہ نے جبار کی آنکھوں میں غصہ جھلکتا دیکھا تو فوراً مصلحت سے کام لیا اور نرم لہجے میں بولی۔ "یہ میرا ایک منگیتر تھا۔ جو مجھ سے مایوس ہونے کے بعد مجھے غصہ دکھا رہا تھا نادان۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ میں شادی کا کسی اور شخص سے عہد کر چکی ہوں"۔

" تم نے مجھ سے شادی کا عہد کیا ہے امروزیہ۔" جبار غصہ سے کانپتے ہوئے بولا۔
"اگر تم نے کسی اور سے شادی کی تو میں تمہاری اور اس کی گردن اتار لوں گا"۔

امروزیہ بڑے دلفریب انداز میں مسکرائی۔ "جبار تم اس قدر غصہ میں ہو کہ میری بات بھی نہیں سمجھ رہے ہو۔ میرے کہنے کا مقصد یہی تھا کہ میں تم سے عہد کر چکی ہوں"۔

" پھر تم نے میرا نام کیوں نہیں لیا؟" جبار کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔

امروزیہ نے گھور کے جبار کو دیکھا۔ جبار کی آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو گئے تھے۔ امروزیہ نے بڑے صرف موم ہو گئی بلکہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بڑے والہانہ انداز میں جبار کی طرف اٹھائے جیسے وہ اسے گلے لگنے کی دعوت دے رہی ہو۔ اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور آنکھوں میں پیار اتر آیا۔

"امروزیہ۔ مجھے معاف کر دو دراصل میں بہت شکی ہو گیا ہوں۔" جبار کا لہجہ اک دم تبدیل ہو گیا۔ "میں جس کسی کو بھی تمہارے نزدیک دیکھتا ہوں تو بس غصے سے پاگل ہو جاتا ہوں"۔

" اس پاگل پن کو قابو میں رکھو جبار۔" امروزیہ اسے نرم دیکھ کر خود سخت ہو گئی۔
"میں ایک عیسائی لڑکی ہوں۔ میرے معاشرے میں جوانوں سے گفتگو کرنا یا ان کے ساتھ گھومنا پھرنا عیب نہیں سمجھا جاتا۔ پھر میں صورت کی ایسی بری بھی نہیں ہوں کہ کوئی عیسائی جوان مجھے رد کر سکے۔ تمہیں یہ باتیں جو میری تربیت معاشرت اور تہذیب کا حصہ ہیں۔ برداشت کرنا ہوں گی۔ شادی کے بعد تمہیں مجھ پر پورا اختیار ہو گا"۔

" مگر یہ شادی آخر ہو گی کب۔ مجھے انتظار کرتے کرتے چھ ماہ سے زیادہ ہو گئے" جبار بہت جز بز ہو رہا تھا۔

"میں اپنے عہد کی پابند ہوں تم بھی اپنے عہد کی پابندی کرو۔" امروزیہ کا لہجہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔" جب تک تم اپنے وعدے پر پورے نہیں اترتے تم مجھ پر اپنا حق نہیں جتا سکتے"۔

" تو پھر مجھے موصل جانے دو۔ وہاں پہنچ کے میں امیر زنگی کا خاتمہ کر دوں گا۔" جبار نے بڑے عزم سے کہا۔

"جبار" امروزیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔ "یہ کام اکیلے تمہارے بس کا نہیں۔ میں تمہیں فضول ضائع نہیں کرنا چاہتی"۔

"امروزیہ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" جبار اس کے ہاتھ کے لمس سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ "ایک طرف تم کہتی ہو کہ عہد پورا ہونے سے پہلے تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں دوسری طرف مجھے ضائع بھی نہیں کرنا چاہتیں۔ آخر ان دو متضاد باتوں کا کیا مطلب ہے؟"۔

"ان باتوں کا مطلب ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے میں نہ تو بھائیوں کے انتقام سے ہاتھ اٹھا سکتی ہوں اور نہ تمہیں ضائع کر سکتی ہوں۔" اس کے ساتھ امروزیہ نے اپنے دوسرے ہاتھ سے جبار کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

جبار محبت کے دھارے میں بے خود ہو کر بہنے لگا۔ وہ یہ بھول ہی گیا کہ ابھی چند ساعت پہلے ایک اجنبی جوان اور امروزیہ ہنس ہنس کے باتیں کر رہے تھے امروزیہ اسے محبت کی گولیاں کھلا کر اندر چلی گئی۔ جبار کچھ دیر خلا میں گھومتا رہا پھر چپ چاپ واپس آ گیا۔

امروزیہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ بہت چالاک ہے۔ اس کے موصل کے چپہ چپہ میں جاسوس موجود ہیں جو اسے شہر کی خبروں کے علاوہ محل کے اندر باہر کی بھی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں لیکن یہ اس کی غلطی تھی۔ امیر زنگی نے قلعہ جعبر اپنا قاصد اس لئے بھیجا تھا کہ وہ مروان لنگ کی طاقت کا اندازہ کرنا چاہتا تھا دوسرے اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ بلوکتش قلعہ میں موجود ہے یا نہیں وہ بات اسے مروان کے ذریعہ سے معلوم ہو گئی۔ مروان نے یہ بہانہ کیا کہ بلوکتش اور اس کے ساتھی کہیں پوشیدہ ہو گئے ہیں اس کا صاف مطلب تھا کہ بلوکتش قلعہ جعبر پہنچ گیا ہے اس طرح امیر زنگی نے ایک معمولی جنگی چال چل کے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جسے معلوم کرنے کے لئے اسے زیادہ وقت درکار ہوتا۔

امیر عماد الدین زنگی نے اب دوسری چال چلی۔ ایک دن اس نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ قلعہ جعبر سے قاصد واپس آگیا ہے۔ قلعہ کے حاکم نے یقین دلایا ہے کہ بلوکتش کو جلد از جلد گرفتار کر کے موصل روانہ کر دیا جائے گا اس لئے جعبر کی مہم منسوخ کی جاتی ہے لیکن لشکر تیار ہو چکا ہے اس لئے کل ہم تل باشر کی طرف روانہ ہوں گے جہاں شاہ جوسیلین چھپا بیٹھا ہے۔ امیر زنگی نے صرف زبانی ہی اعلان نہیں کیا بلکہ دوسری صبح کو اس کا لشکر واقعی تل باشر کی طرف جا رہا تھا یہ ایک اہم خبر تھی۔ اس کا چرچا ہونا ہی تھا۔ امروزیہ کے آدمی اس خبر کو لے اڑے اور بھاگم بھاگ قلعہ جعبر پہنچ کے امروزیہ کو اطلاع دی۔ امروزیہ ایک کٹر قسم کی عیسائی عورت تھی۔ مسلمانوں سے اس نے اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے تعلقات بڑھا رکھے تھے اسے الرہا اور تل باشر سے اب تک محبت تھی چاہئے تو یہ تھا کہ اس وقت وہ قلعہ جعبر میں تھی اس لئے پہلے حاکم قلعہ مروان لنگ کو مطلع کرتی مگر اس نے ایک تیز رفتار سوار تل باشر کی طرف روانہ کر دیا۔ جس نے

تل باشر پہنچ کے شاہ جوسیلین کو امیر زنگی کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا۔

امیر زنگی کو موصل سے روانہ ہوتے دو ہفتے ہو گئے تھے مگر پتہ نہیں کہ وہ کس قدر ست رفتاری سے سفر کر رہا تھا کہ وہ تل باشر کی سرحد تک بھی نہ پہنچ سکا تھا۔ شاہ جوسیلین کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ وہ ہوشیار تو پہلے سے تھا لیکن اسے امیر زنگی کی آمد کی خبر اس قدر اچانک ملی تھی کہ گھبرا گیا اور جس قدر فوج اکٹھا ہو سکی وہ سرحد پر بھیج دی۔ جوسیلین امیر موصل سے ایک جنگ قلعہ کے باہر کرنا چاہتا تھا۔ جہاں تک قلعہ کا تعلق تھا جوسیلین نے اسے اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ قلعہ ایک طویل عرصہ تک امیر کے حملوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

دوسری طرف قلعہ جعبر میں امروزیہ اور جبار میں سخت جھگڑا ہوا تھا۔ جبار چاہتا تھا کہ امروزیہ اس سے فوراً شادی کر لے کیونکہ امیر موصل کے قلعہ جعبر کی طرف آنے کی ابھی کوئی خبر نہ تھی جبکہ امروزیہ اس بات پر اڑی ہوئی تھی کہ اس کے اور جبار کے درمیان جو زبانی معاہدہ ہوا ہے اس کی رو سے امروزیہ اور جبار میں صرف اس صورت میں شادی ہو گی جب جبار امیر موصل کو شہید کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ مقدمہ بلوکتش کے سامنے بھی پیش ہوا تھا اور اس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ زبانی معاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی قلعہ میں ایک اور گل کھلا تھا۔ یہ گل ازقوف اور ہوتی نے کھلایا تھا۔ ہوتی اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئی تھی۔ اور اس نے قاضی کے سامنے پہنچ کے ازقوف سے شادی کر لی تھی۔ ان دونوں کی شادی کے امروزیہ اور جبار دونوں خلاف تھے مگر وہ کچھ نہ کر سکتے تھے ازقوف نے بلوکتش اور جبار کا ساتھ چھوڑ کر ایک مسلم محلہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

قلعہ جعبر میں رونما ہونے والے یہ ذاتی قسم کے واقعات اور معاملات تھے مگر ایک شب اس وقت جب تقریباً قلعہ کی تمام آبادی محو خواب تھی' قلعدار مروان لنگ فصیل پر بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے چراغ جلتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ امیر زنگی کا لشکر جعبر کی حدود میں داخل ہو کر بڑی تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مروان لنگ نے اس خبر کو عام نہیں ہونے دیا کہ بدامنی نہ پیدا ہو جائے۔ اس نے قلعہ کے تمام دروازے اسی وقت بند کرا دئے اور مشہور کرایا کہ چند بدمعاشوں کی گرفتاری کے لئے گھر گھر تلاشی ہو گی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شریف لوگ گھروں میں پابند ہوئے اور آوارہ لوگ محفوظ پناہ گاہوں میں چھپ گئے۔

صبح کو راز کھلا کہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ فصیل کے برجوں پر تیز انداز بٹھائے گئے تھے اور تیل کھولانے کے لئے کڑھاؤ چڑھے ہوئے تھے۔ امیر زنگی نے ایک بار پھر اپنی جنگی حکمت عملی سے جعبر پر نصف فتح حاصل کر لی تھی موصل سے باشر اور تل باشر سے

قلعہ جعبر تک ہر ایک کو یہی معلوم تھا کہ امیر عماد الدین زنگی کا لشکر آہستہ آہستہ تل باشر کی طرف جا رہا ہے لیکن امیر زنگی نے موصل سے دو منزل آگے بڑھنے کے بعد اپنے لشکر کو ایک ایسے جنگل میں پوشیدہ کر دیا جہاں تک لوگوں کا مشکل سے گذر ہوتا تھا پھر وہ دن کے بجائے رات میں سفر کرتا ہوا یہ عظیم لشکر تل باشر سے صرف ایک منزل پر پہنچے اب لشکر کو پوشیدہ رکھنا مشکل تھا امیر زنگی نے دن کے وقت جعبر کی طرف کوچ کیا اور رات ہونے پر قلعہ کی فصیلوں تک پہنچ گیا امیر نے آتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

اس ناگہانی مصیبت نے قلعہ والوں کی عقل ٹھکانے لگا دی۔ موت سامنے دیکھی تو دشمنوں کے دل خود بخود صاف ہو گئے۔ قلعدار مروان لنگ کے دل میں ہلارکتش کے بارے میں جو شکوک تھے وہ ختم ہو گئے۔ امروزیہ اور جبار نے بھی اپنے دل صاف کر لئے اور سب باہم شیر و شکر ہو گئے۔ قلعہ میں گھر جانے سے ہر شخص پریشان تھا سوائے ہلارکتش اور جبار کے۔ ہلارکتش کو تقدیر نے ایک سنہرا موقعہ عطا کیا تھا۔ کہ اگر چاہے تو وہ امیر زنگی کے خیمے تک پہنچ سکتا ہے۔ جبار کے لئے بھی یہ محاصرہ ایک زریں موقعہ تھا۔ وہ اپنا عہد پورا کر کے امروزیہ سے شادی کر سکتا تھا۔ دوسری شب ہلارکتش اور جبار میں اس معاملہ پر تمام رات گفتگو ہوتی رہی۔ جبار اس مسئلہ میں امروزیہ کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ہلارکتش نے اسے منع کیا۔ اس نے جبار سے کہا کہ کامیابی کی صورت میں تو امروزیہ اس کی ہو ہی جائے گی اور اگر اس نے امروزیہ کو اپنے ارادے سے آگاہ نہ کیا اور بدقسمتی سے وہ ناکام ہو گیا تو اس کی شرم رہ جائے گی اور امروزیہ کی نظر میں وہ ایک بہادر انسان کی حیثیت سے ہمیشہ محترم سمجھا جائے گا۔ ہلارکتش نے اپنے منصوبہ سے قلعدار مروان لنگ کو بھی آگاہ نہیں کیا۔ ہلارکتش حاکموں اور شاہوں کی تلون مزاجی اچھی طرح جانتا تھا یہ لوگ خوش ہوں تو مخالف کی گالیاں کھا کے بھی ہنستے ہیں ورنہ دوستوں کو بلاوجہ سولی پر بھی چڑھا دیتے ہیں۔ ہلارکتش کو یہی خطرہ تھا کل کو اگر امیر زنگی اور قلعدار میں صلح ہو گئی تو مروان لنگ اسے گرفتار کر کے امیر زنگی کے حضور میں پیش کر دے گا۔ ہلارکتش نے مروان لنگ سے ملنا جلنا بالکل بند کر دیا۔ مروان لنگ کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ اسے کہاں اتنی فرصت تھی کہ ہلارکتش کو تلاش کراتا۔

قلعہ کا محاصرہ طول کھینچتا جا رہا تھا۔ امیر زنگی حسب دستور اپنے ایک بیٹے نور الدین زنگی اور سردار شیر کوہ کو اپنے ساتھ لایا تھا چھوٹے بیٹے قطب الدین مودود کو وہ اس دفعہ موصل ہی میں چھوڑ آیا تھا امیر زنگی کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا تھا کہ وہ رات کے وقت اپنی خوابگاہ یا میدان جنگ میں خیمے کے گرد اپنے باعتماد غلاموں کا پہرہ لگاتا تھا ان غلاموں میں ترکی، ارمنی اور رومی نسل کے لوگ شامل ہوتے تھے لیکن جس وقت سے امیر کا اعتماد خواجہ سرا ہلارکتش پر سے اٹھا تھا اس نے اپنی حفاظت کے انتظامات میں کچھ تبدیل کر دی

تھی۔ اب اس کے محافظ تو وہی با اعتماد غلام ہوتے تھے لیکن ان پر امیر اپنا ایک با اعتماد سردار یا شہزادہ بطور حاکم مقرر کرتا تھا۔ چنانچہ نئے انتظامات کے تحت قلعہ جعبر کے محاصرے کے وقت سردار شیر کوہ اور شہزادہ نور الدین زنگی باری باری سے امیر کے محافظوں کے حاکم ہوتے۔ اس طرح غلاموں کو ہر وقت شیر کوہ اور شہزادہ کا دھڑکا لگا رہتا اور وہ پوری رات جاگ کے امیر زنگی کے خیمے کی حفاظت کرتے تھے۔

ہلارکتش اور جبار اپنے مکروہ منصوبہ کی تکمیل کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ ہلارکتش روز رات کے وقت قلعہ سے گندا پانی نکلنے والے راستے کے ذریعہ باہر نکلتا اور اندھیرے کا فائدہ اٹھا کے امیر زنگی کے خیموں تک پہنچ جاتا۔ امیر زنگی کے خیمے کے محافظ سوائے چند کے تمام پرانے ہی غلام تھے یہ غلام نہ صرف ہلارکتش کے دوست تھے بلکہ ہلارکتش کے ماتحت بھی رہ چکے تھے چنانچہ رات کا بیشتر حصہ ہلارکتش غلاموں کے خیموں میں گذارتا اور صبح ہونے سے پہلے قلعہ میں واپس چلا جاتا۔ روز رات کو ہلارکتش اور اس کے احباب ایک نیا منصوبہ بناتے مگر صبح ہونے سے پہلے اس کا خاتمہ ہو جاتا ان منصوبوں کے خاتمہ کی اصل وجہ شہزادہ نور الدین اور سردار شیر کوہ تھے۔ ہر رات ان دو میں اس ایک ان غلاموں کا حاکم ہوتا اور اس کی موجودگی میں غلام بے بس رہتے اور کوئی غلط قدم نہ اٹھا پاتے۔

لیکن شدنی اور ناگہانی پر کس کا اختیار ہے انسان امیر ہو یا غریب وہ کتنا ہی سر پٹخے۔ انتظامات کرے مگر ہونے والی بات ہو کے رہتی ہے۔ شہزادہ نور الدین زنگی اگرچہ ایک گبرو جوان تھا لیکن روز روز کی شب بیداری نے اس پر اثر کیا۔ انسان اگر شب بیداری میں عبادت کر لے تو اللہ اس کی مدد کرتا ہے لیکن نور الدین زنگی کو ہر دوسری رات کو باپ کے خیمے پر چوکس کھڑا ہونا پڑتا تھا وہ اس طرح کے کام کا عادی نہ تھا اس لئے بیمار پڑ گیا۔ شیر کوہ بہت پریشان ہوا۔ میدان جنگ میں شہزادہ کا بیمار ہونا محاصرہ پر اثر ڈال سکتا تھا۔ شہزادہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیماری کی خبر امیر موصل کو پہنچائی جائے اس کی رات کی ڈیوٹی بھی شیر کوہ نے سنبھال لی شہزادہ دن بھر خود کو سنبھالے رکھتا اور باپ پر اپنی بیماری کو ظاہر نہ ہونے دیتا۔ شیر کوہ اور شہزادے نے تمام لوگوں کو منع کر دیا تھا کہ شہزادے کی بیماری کی اطلاع امیر کو نہ ہونے پائے۔ اس طرح سوائے امیر کے اور تمام لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سردار شیر کوہ ہر رات امیر زنگی کے خیمے پر جاگ جاگ کے سویرا کرتا ہے۔

شیر کوہ نے شہزادے نور الدین کو آرام دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب نصف شب کے قریب امیر زنگی سونے کے لئے خیمے کے اندر چلا جاتا تو شیر کوہ شہزادے کو اشارہ کر دیتا کہ وہ بھی اپنے خیمے میں جا کے سو جائے اور شہزادے کو اس طرح آرام مل جاتا تھا ایسا ہر دوسری شب کو ہوتا تھا۔ اس انتظام میں جمعرات کو ذرا سا فرق پڑتا تھا وہ اس طرح کہ اس رات کے لئے امیر کا حکم تھا کہ شیر کوہ پورے قلعہ کا چکر لگائے ایک روائت یہ بھی

ہے کہ کسی جمعرات کو امیر کے لشکر پر دشمن نے شب خوں مارا تھا اور اس سے لشکر بہت نقصان ہوا تھا اس لئے امیر نے اس رات کے بعد سے خاص انتظام کیا تھا اس رات شہزادہ بدر الدین باپ کے خیمے میں چلے جانے کے بعد اپنے خیمے میں چلا جاتا تھا اور جب شیر کوہ اپنی گشت سے واپس آتا تو شہزادے کی ذمہ داری سنبھال لیتا تھا پورے قلعہ کے گرد گشت میں شیر کوہ کو نصف شب ہو جاتی تھی۔

وہ بد قسمت رات بھی جمعرات کی تھی اور اس رات امیر زنگی کے خیمے پر شہزادہ نور الدین زنگی کو ڈیوٹی دینی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ شہزادے نور الدین کے فرائض بھی شیر کوہ ہی ادا کرتا تھا وہی صورت اس رات بھی تھی۔ امیر زنگی اپنے سرداروں کی محفل سے نصف سب سے کچھ پہلے اٹھ کر آرام کے لئے اپنے خیمے میں چلا گیا سردار حسب دستور اپنے اپنے خیموں کو چلے گئے محافظ غلاموں نے امیر کے خیمے پر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ شہزادہ نور الدین زنگی ان کا حاکم تھا شہزادے کی طبیعت بہت گرنے لگی تو اس نے ایک غلام سے کہا۔

"سردار شیر کوہ گشت سے واپس آنے والے ہیں۔ ان سے کہہ دینا کہ میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ اس لئے میں خیمے میں جا رہا ہوں"۔

" شہزادے مطمئن ہو کر تشریف لے جائیے۔ میں سردار کو پیغام دے دوں گا" غلام نے بڑے ادب سے کہا۔

شہزادہ چلتے چلتے رک گیا اس نے پلٹ کے پوچھا۔ "تمہارا کیا نام ہے اور تمہیں اس دستہ میں کب شامل کیا گیا؟"۔

" میں پرانا نمک خوار ہوں اور ایک عرصہ سے اس ذمہ داری پر تعینات ہوں" غلام نے بڑے استقلال سے جواب دیا۔

شہزادہ نے شمع بردار غلام کو قریب بلایا۔ "ادھر آؤ۔ اس کے چہرے پر روشنی ڈالو"۔

شمع بردار نے غلام کے قریب جا کر روشنی اس کے چہرے کے سامنے کر دی۔ شہزادہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "خیال پڑتا ہے کہ تمہیں پہلے بھی دیکھا ہے؟"۔

" شہزادے بہادر۔" غلام نے گردن ذرا اور خم کر دی "آپ مجھے روز دیکھتے ہیں میں عرض کر چکا ہوں کہ میں پرانا خادم اور نمک خوار ہوں"۔

شہزادہ نور الدین زنگی مطمئن ہو کر اپنے خیمے کی طرف بڑھ گیا بعض اوقات بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آتے ہیں مشہور ہے کہ جولیس سیزر کو اس کے قتل سے کچھ دن پہلے بیچ بازار میں ایک نجومی نے روک کر اسے قتل سے آگاہ کیا تھا۔ اور قتل کی تاریخ بھی بتا دی تھی لیکن جولیس سیزر نے اسے ہنسی میں اڑا دیا تھا کچھ اسی قسم کا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا تھا۔ شہزادہ نور الدین زنگی اپنے خیمہ پر پہنچا تو اس کے ملازم خاص نے بڑے گھبرائے لہجے میں پوچھا۔ "آقا امیر محترم خیریت سے تو ہیں؟"۔

" شہزادہ غلام کے اس سوال پر حیران رہ گیا اس نے غلام سے الٹا سوال کیا۔

"تمہارے اس سوال کا مطلب کیا ہے امیر کے بارے میں تم اس قدر فکر مند کیوں ہو؟"۔

" وہ ——— وہ آقا ———" غلام گھبرا گیا آواز اس کے حلق میں اٹک کے رہ گئی۔

نورالدین نے فوراً تلوار کھینچ لی۔ "ٹھیک بتاؤ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا؟" برہنہ تلوار دیکھ کے غلام کی جان نکل گئی۔ اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ "شہزادے بہادر۔ یہاں کے تمام خیموں میں افواہ گرم ہے کہ ظالم بدبخت امیر محترم کو قتل کر دیا گیا ہے اور زنگی حکومت کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا ہے"۔

" بکواس جھوٹ۔ کیسے فضول لوگ ہیں۔ میں ابھی امیر کے خیمے سے آ رہا ہوں وہ بالکل خیریت سے ہیں۔" نور الدین نے تلوار نیام میں کر لی اور جھلایا ہوا خیمے میں چلا گیا۔

بعض افواہیں سچ ہو جاتی ہیں۔ یلوکتش جبار اور امروزیہ نے امیر موصل امیر عماد الدین زنگی کو آج رات قتل کرنا کے فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ دونوں بد کار مسلح ہو کر شام ہی سے موصلی لشکر میں پہنچ گئے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج رات شیر کوہ گشت پر جائے اور شہزادہ نور الدین معمول کے مطابق امیر موصل کے خیمے میں جانے کے بعد خود بھی واپس چلا جائے گا۔ چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا۔ شیر کوہ گشت سے واپس نہ آ سکا اور نور الدین اپنے باپ کے خیمے کے اندر جانے کے بعد خود بھی اپنے خیمے کی طرف چلا گیا قاتلوں کے لئے اس سے بہتر کون سا موقعہ ہو سکتا تھا۔ محافظ غلاموں کی بیشتر تعداد یلوکتش سے مل گئی تھی۔ امروزیہ خیمے کے باہر کھڑی ہو گئی اور جبار اور یلوکتش نے اندر داخل ہو کر امیر زنگی پر ایک ساتھ حملہ کر دیا امیر اس وقت یا تو سو رہا تھا یا پھر غنودگی کے عالم میں ہو گا اس وجہ سے کوئی مقابلہ نہ ہو سکا۔ صرف ایک چیخ امیر کے خیمے سے بلند ہوئی پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

اس موقعہ پر ایک اور بھی اتفاق ہوا۔ ادھر یلوکتش اور جبار امیر کے خیمے میں داخل ہوئے دوسری طرف سردار شیر کوہ گشت سے واپس ہوا اور اس کے غلام نے بھی اسے یہی خبر دی "آقا امیر عماد الدین زنگی کو شہید کر دیا گیا"۔

شیر کوہ نے نہ وقت ضائع کیا اور نہ گھوڑے سے اترا۔ اس نے گھوڑے کا رخ امیر کے خیمے کی طرف کر دیا۔ وہ خیمے کے قریب پہنچا تھا کہ تین نقاب پوش اندر سے نکلتے ہوئے دکھائی دئے۔ خیمے کے محافظوں کا کہیں پتہ نہ تھا شیر کوہ نے گھوڑا تیز کیا مگر قاتل بھاگ کے دوسرے خیموں کی آڑ میں ہو گئے۔ ادھر اندھیرا تھا شیر کوہ نے گھوڑا چھوڑ دیا اور وہ دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا ایک نے رک کر شیر کوہ پر حملہ کیا۔ شیر کوہ نے تلوار کا وار تلوار پر روکا اور پھر تلوار الگ کرتے ہی جو ہاتھ مارا تو اس کی تلوار نقاب پوش کا شانہ کاٹتی دل میں اتر گئی۔

اس سے فارغ ہو کر وہ باقی دو کی طرف بڑھا جو قلعہ کی طرف بھاگ رہے تھے ان کی قریب پہنچا تو ایک نقاب پوش نے دوسرے سے کہا "امروزیہ تم نکل جاؤ میں اسے روکتا ہوں"۔

امروزیہ تو نکل گئی مگر شیر کوہ کی تلوار پیغام اجل بن کے نقاب پوش پر گری اور وہ واصل جنہم ہوا یہ نمک حرام جبار تھا۔ ملرکتش پہلے مارا جا چکا تھا۔ قاتلوں میں سے صرف امروزیہ نے اندھیرے کا فائدہ اٹھایا اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

شیر کوہ نے واپس آکر دیکھا خیمے میں امیر کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی اور کوئی وہاں موجود نہیں۔ اسی وقت شیر کوہ کے غلام نے بتایا کہ شہزادے کے خیمے میں نیا امیر چنا جا رہا ہے"۔

شیر کوہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا"۔

امیر عماد الدین زنگی کی شہادت کی خبر پورے مشرق وسطی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی الرہا کا فاتح اگرچہ ابدی نیند سو گیا تھا۔ لیکن اس نے ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ جس بنیاد پر اس کے بیٹے نور الدین زنگی اور اس کے بعد صلاح الدین ایوبی نے ایک ایسی مضبوط سلطنت قائم کی جس کی سرحدیں مصراور شمالی افریقہ تک پہنچ گئیں۔

قارئین کرام۔ ناول فاتح الرہا اختتام پذیر ہوا۔ اگر آپ اس سلسلہ کے آگے کے واقعات مطالعہ کرنا چاہیں تو میرے دو اور ناول نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی طلب فرمائیے جو چھپ کر تقریباً تیار ہو چکے ہیں۔

آپ کا

الماس (ایم۔ اے۔)

مارچ ۱۹۹۲ء